اُردو کی ترقی میں اولیائے سندھ کا حِصّہ

○

ڈاکٹر وفا راشدی

◎

مغربی پاکِستان اُردو اکیڈمی ○ لاہور

Collection of Prof. Muhammad Iqbal Mujaddidi
Preserved in Punjab University Library.

پروفیسر محمد اقبال مجددی کا مجموعہ
پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ شدہ

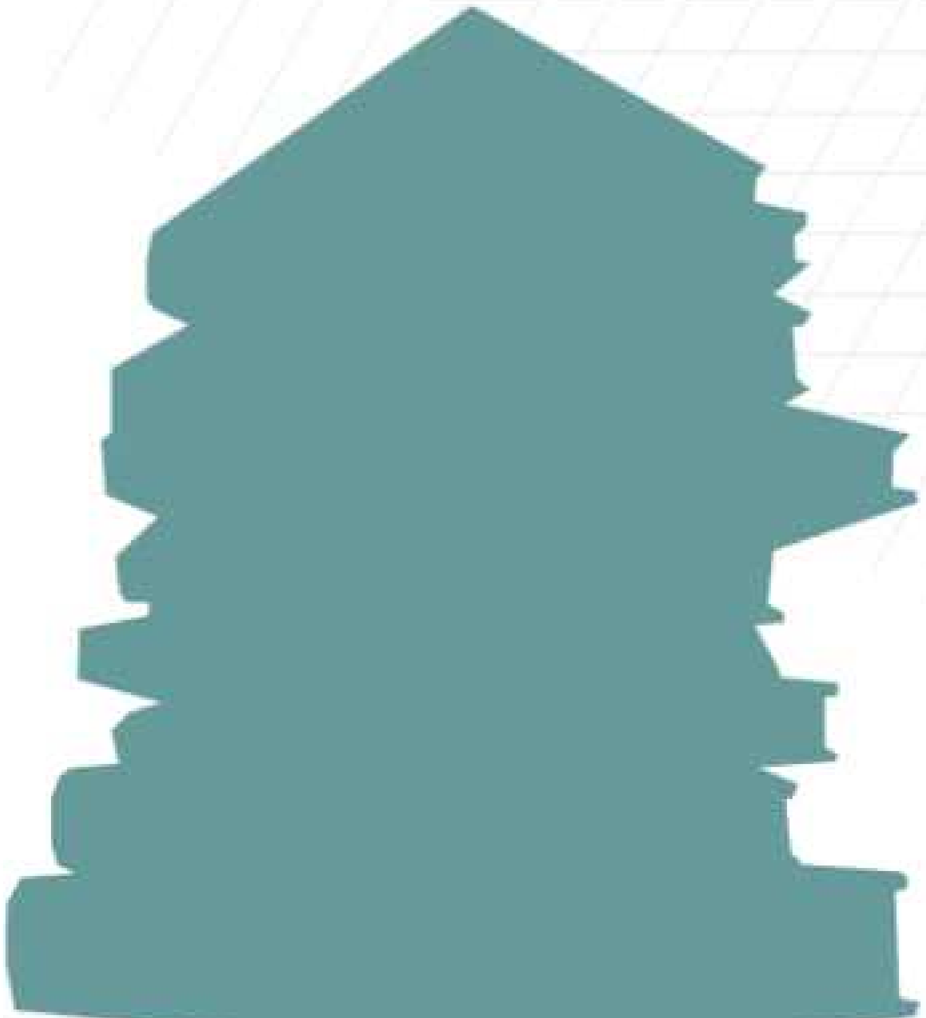

Marfat.com

اردو کی ترقی میں اولیائے سندھ کا حصہ

ڈاکٹر وفا راشدی

مغربی پاکستان اردو اکیڈمی
لاہور

Marfat.com

130145

جملہ حقوق محفوظ

ناشر : ڈاکٹر وحید قریشی
جنرل سیکرٹری مغربی پاکستان اردو اکیڈمی

مصنف : ڈاکٹر عبدالستار خان وفا راشدی

مطبع : عظیم پرنٹنگ کارپوریشن
۹ - بی ریٹی گن روڈ ، لاہور

سال اشاعت اول : اپریل ۱۹۹۳ء

تعداد : ۵۰۰

قیمت : ۲۰۰ روپے

Marfat.com

ترتیب

پہلا حصہ

ہدیہ تشکر ... ۱

کچھ اس مقالے کی ترتیب کے بارے میں ... ۳

مقدمہ ۔ سندھ میں ، سندھی ، عربی ، فارسی ... ۸
اور اردو زبان و ادب پر ایک نظر

(عہد اسلامی سے عہد مغلیہ تک)

سندھ کا تاریخی پس منظر ... ۸

سندھ میں عربی کا نفاذ ... ۱۱

سندھ اسلامی عہد میں ... ۱۶

سندھ میں فارسی کا نفاذ ... ۲۲

سندھ میں اردو کی ابتدا ... ۲۷

سندھ میں اردو کی ترقی کا ابتدائی دور ... ۳۵

(عہد کلہوڑا سے عہد پاکستان تک)

عہد کلہوڑا ... ۴۰

عہد تالپور ... ۶۱

عہد برطانیہ ... ۷۸

عہد پاکستان ... ۱۰۲

Marfat.com

(ب)

دوسرا حصہ

پہلا دور

(۱۱۳۲-۱۱۹۶ھ/۱۷۱۹-۱۷۸۲ء)

عہد کلہوڑا

ملا عبدالحکیم عطا ٹھٹھوی ... ۱۲۹

میر حیدرالدین کامل ... ۱۳۷

شاہ عبداللطیف بھٹائی ... ۱۴۶

میر اسد اللہ ساقی ... ۱۶۴

میر حفیظ الدین علی ... ۱۶۷

روحل فقیر ... ۱۶۹

دوسرا دور

(۱۱۹۶-۱۲۵۹ھ/۱۷۸۳-۱۸۴۳ء)

عہد تالپور

مراد فقیر زنگیجہ ... ۱۷۹

اخوند قاسم ساونی ہالائی ... ۱۸۳

سچل سرمست ... ۱۸۹

شاہو فقیر ... ۲۰۳

غلام علی فقیر ... ۲۰۵

تیسرا دور

(۱۲۵۹-۱۳۱۸ھ/۱۸۴۳-۱۹۰۰ء)

عہد برطانیہ (دور اول)

خلیفہ نبی بخش لغاری قاسم قادری ... ۲۰۹

دریا خان زنگیجہ ... ۲۱۶

فقیر یوسف ناتک ... ۲۱۸

قنبر علی شاہ بھاڈائی ... ۲۲۶

سید فتح دین شاہ فتح جہانیاں پوٹہ ... ۲۲۸

Marfat.com

غلام شاہ لغاری ... ۲۳۳
شاہ نصیر الدین نقشبندی ... ۲۳۹
حمل فقیر لغاری ... ۲۴۳
غلام حیدر فقیر ... ۲۴۹
نظر علی فقیر زنگیجہ ... ۲۵۲
فقیر قادر بخش بیدل ... ۲۵۵
سید مہدی شاہ بخاری ... ۲۷۲
اللہ داد خان صوفی لغاری ... ۲۷۵
صوفی ابراہیم شاہ فقیر ... ۲۸۲
مخدوم ابراہیم خلیل نقشبندی ... ۲۸۴
مخدوم امین محمد امین ہالائی ... ۲۸۹
نواب غلام اللہ خان مسکین لغاری ... ۲۹۸
حزب اللہ شاہ مسکین راشدی ... ۳۰۲
حسن بخش شاہ ... ۳۰۵
محمد محسن بیکس ... ۳۰۹

چوتھا دور

(۱۳۱۹-۱۳۶۶ھ/۱۹۰۱-۱۹۴۷ء)

عہد برطانیہ (دور ثانی)

قطب الدین شاہ جہانیاں پوٹہ ... ۳۲۰
سوبھا فقیر لغاری ... ۳۲۳
سید مصری شاہ نصر پوری ... ۳۲۵
فقیر ولی خان لغاری (ثانی) ... ۳۲۹
سید غلام محمد شاہ گدا ... ۳۳۴
سائیں عبدالغنی قادری ... ۳۴۷
فقیر نظر علی لغاری ... ۳۵۳
میر عبدالحسین سانگی ... ۳۵۶
مرزا قلیچ بیگ ... ۳۶۵

Marfat.com

شمس الدین بلبل ...	۳۷۸
زرک خان زیرک لاشاری ...	۳۸۸
میاں وڈل علوی حیدری ...	۳۹۲
پیر رشد اللہ شاہ ...	۳۹۶
مولانا عبیداللہ سندھی ...	۴۰۷
سید کلیم اللہ شاہ ...	۴۳۳
پیر کمال الدین کمال ...	۴۳۷
پیر جمال الدین علوی ...	۴۵۰
پیر بھاون علی شاہ ساقی قادری ...	۴۵۲
محمد قاسم گڑھی یٰسینی ...	۴۵۳
سید فضل اللہ شاہ ...	۴۶۰

پانچواں دور

(۱۳۶۶-۱۴۰۰ھ/۱۹۴۷-۱۹۸۰ء)

عہد پاکستان

محمد صادق رانیپوری ...	۴۶۵
خلیفہ غلام اللہ ...	۴۷۱
عبداللہ جان شاہ آغا سرہندی نقشبندی ...	۴۷۳
شاہ غلام رسول قادری ...	۴۸۳
محمد ابراہیم ناظم گڑھی یٰسینی ...	۴۹۰
مولانا عبدالشکور نظامی ...	۴۹۵
قاضی غلام اکبر درازی ...	۵۰۰
مولانا دین محمد ادیب ...	۵۰۳
تاج محمد افغان مشتاق ...	۵۱۵
پیر مصطفیٰ صبغت اللہ شاہ ایرانی ...	۵۱۸
مخدوم امیر احمد ...	۵۳۱
ہاشم جان سرہندی ...	۵۴۸
پیر علی محمد راشدی ...	۵۵۶

Marfat.com

سائیں عبدالرشید قادری ...	۵۶۳
سلیم جان مجددی سرہندی ...	۵۶۷
مراد خان چانڈیو ...	۵۷۱
سید زوار حسین شاہ ...	۵۷۴
پیر حسام الدین راشدی ...	۵۸۵
ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان ...	۵۹۱
پیر اسحاق جان سرہندی ...	۶۱۱
پروفیسر علی نواز جتوئی ...	۶۱۹
پیر غلام محی الدین سرہندی ...	۶۳۰
شاہ اکرام حسین سیکری ...	۶۳۵
مرزا محمد افضل بیگ ...	۶۴۵
مخدوم محمد زمان طالب المولیٰ ...	۶۵۰
پیر محب اللہ شاہ ...	۶۵۵
شاہ بشیر الدین مخفی قادری ...	۶۵۸
محمد علم الدین علمی قادری ...	۶۶۱
مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی ...	۶۶۶
حافظ پیر سید بدیع الدین شاہ ...	۶۷۹
پروفیسر حضور احمد سلیم نقشبندی ...	۶۸۳
مخدوم غلام احمد ...	۶۹۰

تیسرا حصہ ۶۹۳ - ۷۰۴

ضمیمہ نمبر ۱ - عہد کلہوڑا

تاریخی پس منظر ...	۶۹۷
علم و ادب کی سرپرستی ...	۶۹۸

ضمیمہ نمبر ۲ - عہد تالپور

تاریخی پس منظر —	۷۰۱
علم و ادب کی سرپرستی —	۷۰۴

ضمیمہ نمبر ۳ - عہد برطانیہ

تاریخی پس منظر —	۷۰۵

Marfat.com

ضمیمہ نمبر ۴ ۔ عہد پاکستان

تحریک پاکستان — ۴۰۷

ضمیمہ نمبر ۵ ۔ اردو سندھی ادب کے سرچشمے

ادبی انجمنیں — ۴۱۱
اشاعتی ادارے — ۴۱۲
سندھی ادبی بورڈ — ۴۱۳
انسٹی ٹیوٹ آف سندھیالوجی — ۴۱۵
ادارہ مطبوعات پاکستان — ۴۱۷
شاہ ولی اللہ اکیڈیمی — ۴۱۸
سندھی صحافت — ۴۱۹
سندھ کے چند کتب خانے — ۴۲۰

کتابیات

اردو — ۴۲۲
سندھی — ۴۲۸
شعری مجموعے — ۴۲۹
فارسی — ۴۳۰
رسائل و اخبارات (اردو) — ۴۳۱
رسائل و اخبارات (سندھی) — ۴۳۲
ببلو گراف — ۴۳۴

Marfat.com

ہدیۂ تشکر

رب العٰلمین ، جو بڑا رحیم و کریم ہے ، کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس کی مدد ہر گام اور ہر منزل پر اس بندۂ عاصی و عاجز کے شامل حال رہی اور تمام مشکلیں آسان ہو گئیں ۔

۱۹۵۲ء میں سرزمین سندھ میں آمد و سکونت کے بعد چوٹی کے جن روحانی ، علمی و ادبی بزرگوں کے دامن فیض و کرم سے وابستگی کا شرف حاصل ہوا ان میں مخدوم امیر احمد مرحوم (سابق پرنسپل سندھ اورینٹل کالج حیدرآباد) پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان (سابق صدر شعبۂ اردو جامعہ سندھ) اور پروفیسر مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی (ڈائرکٹر شاہ ولی اللہ اکیڈمی ، مدیر اعلیٰ ماہنامہ الولی ، الرحیم حیدرآباد) کا ذکر لطیف اس حقیر و فقیر کے لیے باعث افتخار و انبساط ہے ۔

مولانا مخدوم امیر احمد مرحوم کی بافیض صحبتوں کا اثر تھا کہ راقم کے دل میں سندھ کی تواریخ ، ثقافت اور ادبیات کے مطالعہ کا شوق کارفرما ہوا ۔ یہ اس خاکساز کی خوش نصیبی ہے کہ استاد الاساتذہ ڈاکٹر مولانا غلام مصطفیٰ خان صاحب کی ہدایت و حوصلہ افزائی کے باعث اس نے پی ایچ ڈی میں داخلہ لیا اور آپ کی نگرانی میں کام کا آغاز ہوا ۔ آپ نے جس شفقت اور اخلاص سے اس ناچیز کی رہنمائی فرمائی اس نے آگے کام کرنے کا حوصلہ دیا ۔ ڈاکٹر موصوف کی سندھ یونیورسٹی سے سبکدوشی کے بعد سے اب تک مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی صاحب جیسے جید عالم دین ، ممتاز محدث و محقق کے زیر نگرانی کام کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ۔ مولانائے مکرم نے اپنی غیر معمولی مصروفیات اور خرابی صحت کے باوجود جس محبت اور لگن سے کٹھن موڑ پر رہنمائی فرمائی اس کی روشنی میں راہیں آسان ہوگئیں اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ مقالہ پایۂ تکمیل کو پہنچا ۔

Marfat.com

راقم السطور بصد ادب و احترام ان بزرگان علم و عرفان کی خدمت اقدس میں ہدیۂ عقیدت پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے - یہاں اس حقیقت کا اظہار بھی نا گزیر ہے کہ بعض اہم کتب و رسائل اور مواد کے حصول میں کچھ دشواریاں پیش آئیں اور یہ دشواریاں فقط ڈاکٹر نجم الاسلام صدیقی (صدر شعبۂ اردو جامعہ سندھ) کی خصوصی توجہ اور مفید و مؤثر مشوروں سے دور ہوئیں - راقم ان کا بے حد ممنون احسان ہے -

اس مقالے کی ترتیب و تدوین کے سلسلے میں چند اور محسنوں، کرم فرماؤں اور دوستوں کی بروقت پرخلوص تعاون و اعانت شامل رہی - ان حضرات نے مخطوطات، مطبوعات اور قلمی دستاویزات کی فراہمی میں خاص دلچسپی لی - راقم الحروف صمیم قلب سے ان تمام حضرات کی خدمت گرامی میں "ہدیۂ تشکر" پیش کرتا ہے - چند معاونین کرام کے اسمائے گرامی یہ ہیں :

(۱) ڈاکٹر وحید قریشی، ڈین فیکلٹی آف اسلامک اینڈ اورینٹل لرننگ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور -

(۲) ڈاکٹر سخی احمد ہاشمی، سابق صدر شعبۂ اردو، جامعہ سندھ -

(۳) ڈاکٹر خواجہ غلام علی الانہ، پروفیسر انچارج انسٹی ٹیوٹ آف سندھیالوجی، سندھ یونیورسٹی -

(۴) غلام ربانی سیکرٹری سندھی ادبی بورڈ، حیدرآباد (سندھ)

(۵) انور ہالائی نگران کتب خانہ، سندھی ادبی بورڈ -

(۶) پروفیسر حضور احمد سلیم، صدر شعبۂ فارسی، جامعہ سندھ -

(۷) ڈاکٹر طاہر ملک، صدر شعبۂ علوم اسلامی، جامعہ کراچی -

(۸) پیر سید وہب اللہ شاہ، نگران کتب خانہ پیر جھنڈو -

(۹) سید الطاف علی بریلوی، سیکرٹری آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی -

Marfat.com

(۱۰) شان الحق حقی ، سابق سیکرٹری ترقی اردو بورڈ کراچی ۔

(۱۱) ڈاکٹر شیخ ابراہیم خلیل ، سابق پروفیسر لیاقت میڈیکل کالج حیدرآباد ۔

(۱۲) ڈاکٹر شیخ محمد اسماعیل ، نگران کتب خانہ لطیف آباد ۔

(۱۳) پیر حکیم غلام محی الدین سرہندی ، نگران کتب خانہ خواجہ حسن سرہندی ٹنڈو سائیں داد ۔

(۱۴) مخدوم غلام احمد بن مخدوم امیر احمد ، ہیڈ ماسٹر اسلامیہ ماڈرن ہائی اسکول حیدرآباد ۔

(۱۵) احمد شیخ ، ناشر زیب ادبی مرکز ، طابع سندھ پرنٹنگ پریس ، حیدرآباد ۔

(۱۶) ڈاکٹر شاہ محمد نعیم ندوی سابق صدر شعبۂ اردو جامعہ سندھ ۔

(۱۷) پروفیسر سید قوی احمد پرنسپل سندھ گورنمنٹ کالج ۔ آف کامرس حیدرآباد ۔

کمترین

وفا راشدی

Marfat.com

کچھ اس مقالے کی ترتیب کے بارے میں

زیر نظر مقالے کا عنوان ہے 'اردو کی ترقی میں اولیائے' سندھ کا حصہ'' (یہاں اولیائے سے مراد وہ اہل سلوک ہیں جن کا تعلق کسی نہ کسی سلسلۂ طریقت سے رہا ہے) یہ مقالہ تین حصوں پر مشتمل ہے۔

پہلا حصہ ایک تفصیلی مقدمہ بعنوان ''سندھ میں، سندھی، عربی، فارسی، اور اردو زبان پر ایک نظر'' پر محیط ہے۔ اس ''مقدمہ'' میں عہد کلہوڑا سے عہد پاکستان تک کے ادوار میں سندھی، عربی، فارسی اور اردو زبان و ادب کے عہد بہ عہد ارتقاء کا ایک خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ عہد کلہوڑا سے پہلے یعنی عہد اسلامیہ سے لے کر عہد مغلیہ تک کے ادوار میں سندھی، عربی، فارسی اور اُردو، چاروں زبانوں کے ابتدائی و ارتقائی پہلوؤں کا ایک تاریخی تجزیہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ امر گرچہ مقالے کے اصل موضوع میں شامل نہیں لیکن جہاں تک سندھ میں اُردو سے ان زبانوں کے ربط و ارتباط کا تعلق ہے اس کے اثرات و محرکات کے آئینے میں اس حقیقت کا انکشاف دلچسپی سے خالی نہیں کہ اُردو کی ترقی میں حصہ لینے والے اولیاء، صوفیاء، علماء شعراء اور ادباء نے اپنے افکار و معارف کے دائرے کو اُردو تک محدود نہیں رکھا بلکہ سندھی

۱۔ اس مقالے میں سندھ کے اولیائے کرام یا صوفیائے کرام کے علاوہ بعض ایسے حضرات کے تذکرے بھی شامل ہیں جو اولیائے کرام (اہل سلوک) تو نہیں لیکن ان کا تعلق کسی نہ کسی حیثیت سے صوفی خاندان سے ہے۔ وہ اپنی علمی و دینی اور ادبی خدمات کی بدولت امتیازی مقام کے حامل ہیں اس لیے ان کا تذکرہ بھی مناسب سمجھا گیا۔

Marfat.com

عربی فارسی زبان و ادب میں ان کی اسلامی ، علمی ، تاریخی اور تحقیقی ، تخلیقات و نگارشات نوادرات میں سے ہیں اور یہ ہمارا قومی ورثہ ہیں ۔

تحقیقات کی روشنی میں یہ حقیقت واضح ہوچکی ہے کہ اسلامی عہد سے پہلے سے سندھ سندھی زبان کی جنم بھومی ہے ۔ عربوں کی آمد کے بعد عربی آئی پھر فارسی آئی اور اس کے بعد اردو نے سندھ ہی میں جنم لیا ۔ آغوش سندھ میں یہ چاروں زبانیں ہنستی مسکراتی پھلتی پھولتی رہیں ۔ شروع سے ان زبانوں کا ایک دوسرے سے گہرا رابطہ اور مربوط رشتہ رہا ہے ۔ ان زبانوں نے اہل سندھ کی تاریخ و ثقافت اور تہذیب و معاشرت کی تعمیر و تشکیل میں ہمیشہ سے نمایاں کردار ادا کیا ہے ۔

سندھ کے اہل اللہ اور اہل علم بیک وقت سندھی ، عربی ، فارسی اور اُردو پر عبور رکھتے تھے اور رکھتے ہیں ۔ یہ چاروں زبانیں ہر دور ، ہر عہد میں ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتی رہی ہیں ۔ صوفیائے کرام نے امتیاز رنگ و نسل سے بلند اور علاقائی قید و بند سے آزاد ہوکر ان چاروں زبانوں کی نشو و نما میں وسیع النظری و وسیع القلبی سے حصہ لیا ہے جس کے مفید و مؤثر اثرات مرتب ہوئے ۔ ان زبانوں میں جو علوم و فنون منصۂ شہود پر آئے وہ سندھ میں اسلامی روایات ، دینی اقدار ۔ تہذیبی و ثقافتی تعمیرات ، ملی و تعلیمی تحریکات اور قومی جدوجہد کے آئینہ دار ہیں ۔

دوسرے حصے میں اس مقالے کو عہد کلہوڑا سے عہد پاکستان (عصر حاضر) تک کے حسب ذیل پانچ ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے ۔

پہلا دور	عہد کلہوڑا	۱۱۳۲ — ۱۱۹۶ھ ۱۷۱۹ — ۱۷۸۲ء
دوسرا دور	عہد تالپور	۱۱۹۶ — ۱۲۵۹ھ ۱۷۸۲ — ۱۸۴۳ء
تیسرا دور	عہد برطانیہ (دور اول)	۱۲۵۹ — ۱۳۱۸ھ ۱۸۴۳ — ۱۹۰۰ء
چوتھا دوو	„ „ (دور ثانی)	۱۳۱۹ — ۱۳۶۷ھ ۱۹۰۸ — ۱۹۴۷ء

Marfat.com

پانچواں دور عہد پاکستان ۱۳۶۶ — ۱۴۰۰ھ / ۱۹۴۷ — ۱۹۸۰ء

ہر دور کے ہر تذکرے میں سندھ کے اولیائے کرام کے سوانح حیات کے بعد ان کی روحانی، علمی و ادبی خدمات اور کمالات کا تجزیہ کیا گیا ہے ۔ متعلقہ دور کی تاریخ، تہذیب، ثقافت اور معاشرت کی روشنی میں ان کی زندگی کے اہم پہلوؤں مثلاً حسب و نسب، ولادت، مولد و مسکن، تعلیم، اساتذہ، علمی زندگی، مسلک، سلسلۂ طریقت، فیضان، درس و تدریس، تلامذہ، سفر و سیاحت اور وفات وغیرہ سے متعلق خاکہ پیش کیا گیا ہے ۔

نظم و نثر میں عربی، فارسی، سندھی اور اُردو تصنیفات، تالیفات، مخطوطات اور مطبوعات کی تفصیلات پیش کی گئی ہیں ۔ تاریخی، تہذیبی و سیاسی پس منظر میں نثر نگاری و شاعری کے عوامل و محرکات اور عصری حالات و کوائف کا جائزہ لیا گیا ہے ۔ اہل فکر و فن کی طرز نگارش اور اسلوب زبان و بیان پر بھی بحث کی گئی ہے ۔ آخر میں نظم و نثر کے نمونے شامل ہیں ۔

مقالے کی ترتیب و تدوین میں قدیم اور اورجنل مآخذ یعنی اصل مخطوطات، مطبوعات اور دستاویزات سے استفادہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے جن کے حوالے حواشی میں حسب محل و حسب موقع دے دیے گئے ہیں ۔

عام روش سے ہٹ کر ناموں کی ترتیب میں سن ولادت اور تذکروں کی ترتیب میں سن وفات کو ملحوظ رکھا گیا ہے یعنی جن کی وفات جس عہد میں ہوئی ان کا ذکر اسی عہد میں کیا گیا ہے ۔ مثلاً سچل سرمست کی پیدائش گرچہ عہد کلہوڑا میں ہوئی لیکن ان کا وصال عہد تالپور میں ہوا ۔ فقیر قادر بخش بیدل تالپوروں کے زمانے میں پیدا ہوئے لیکن برطانوی عہد میں معبود حقیقی سے جاملے ۔ مخدوم امیر احمد انگریزوں کے دور غلامی میں تولد ہوئے لیکن پاکستان کے دور آزادی میں پیوست رحمت ہوئے ۔ لہذا علی الترتیب سچل کا ذکر تالپور، بیدل

Marfat.com

کا ذکر برطانیہ اور امیر احمد کا ذکر پاکستان کے عہد میں کیا گیا ہے ۔

ایسے حضرات جن کے اسلاف یا اخلاف نے علم و فضل ، شعر و ادب میں کوئی لائق ذکر خدمات انجام دی ہیں اور اُردو کے علاوہ دوسری زبانوں خصوصاً سندھی ، عربی فارسی تصانیف یا مخطوطات چھوڑے ہیں ۔ تحقیق و جستجو کی روشنی میں حواشی میں ان پر مختصر نوٹس لکھ دیے گئے ہیں ۔ اس طرح نہ صرف اضافی معلومات سامنے آ جائیں گی بلکہ سرمایہ علم و ادب کے یہ مخفی گوشے بھی منظر عام پر آجائیں گے اور آئندہ کام کرنے والوں کے لیے نشان راہ کا کام دیں گے ۔

ہر دور کے حصہ اُردو میں برصغیر میں اردو ادب کی ارتقائی صورت حال کے پیش نظر سندھ میں اُردو انشاء پردازی اور شاعری کی انفرادی و مقامی خصوصیات کے ساتھ ساتھ ان کا تقابلی مطالعہ بھی پیش کیا گیا ہے ۔

تیسرے حصے میں زیر بحث (متعینہ) ادوار کی حکومتوں کے عروج و زوال اور قیام کا تاریخی پس منظر اور دیگر اہم اُمور کی وضاحت کو ضمیموں کی صورت میں پیش کیا گیا ہے ۔ سندھ کے چند ایسے قابل ذکر کتب خانوں کی ایک فہرست بھی درج ہے جن سے خاص طور پر مدد لی گئی ہے ۔ مطبوعہ و غیر مطبوعہ کتب ، دواوین ، رسائل ، جرائد و اخبارات کی فہرستیں زیر عنوان ”کتابیات“ شامل ہیں جن سے اس مقالے کی ترتیب و تدوین کے سلسلے میں استفادہ کیا گیا ہے اور جو اس مقالے کا مآخذ ہیں ۔

حقیر و فقیر

وفا راشدی

Marfat.com

مقدمہ

سندھ میں سندھی ، عربی ، فارسی اور اردو زبان و ادب پر ایک نظر

(عہد اسلامیہ سے عہد مغلیہ تک)

سندھ کا تاریخی پس منظر

باب الاسلام سندھ ، وطن عزیز مملکت پاکستان کا وہ خطہ ہے جو صدیوں سے تاریخ و ثقافت ، تہذیب و تمدن ، علوم و فنون کا مرکز اور تصوف و روحانیت ، حقائق و معارف کا گہوارہ رہا ہے - اس حقیقت کی زندہ شہادتیں آج بھی جابجا تاریخی عمارتوں ، قدیم مسجدوں مجاہدان اسلام کے مزاروں ، بزرگان دین کی درگاہوں ، فدایان توحید کی خانقاہوں ، پرانے کتب خانوں ، قدیم سکوں اور بہت سے دیگر نقوش و آثار سے ملتی ہیں[1] -

موئن جوڈرو[2] ، سندھ کی ہزاروں سالہ قدیم تاریخ ، انسانی زندگی ، معاشرتی اقدار ، تہذیبی و تمدنی عواسل و محرکات کا گواہ ہے اور آج بھی

---

(۱) The Pre Muslim Antiquities of Sind by Professor Dr. J. E. Lohuizen, University of Amesterdam, Neitherlands. Wr. to Sindhological Studies, 1979.

(۲) موئن جو ڈرو (ضلع لاڑکانہ سندھ) اور ہڑپہ (ضلع ساہیوال پنجاب) دونوں مقامات سے ایک ہی دور کی یادگاریں برآمد ہوئی ہیں - یہ تہذیب پانچ ہزار سال سے بھی قبل تمام وادی سندھ میں پھیلی ہوئی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

Marfat.com

اس کی عظمت رفتہ دنیا بھر کے سیاحوں کی توجہ کا مرکز ہے۔ سندھ نے وہ دور بھی دیکھے جب آریائی تہذیب، بدھ مت اور ہندومت نے اہل سندھ کو غیر اسلامی تحریکات و اثرات سے دوچار کیا۔ سکندراعظم کی فتح سندھ کے بعد اہل سندھ یونانی علم و حکمت سے بھی روشناس ہوئے۔

سندھ میں مسلمان فاتحوں کی آمد سے قبل ہندوستان کا نظام حکومت منتشر تھا۔ تمام خطے مختلف راجاؤں کے زیر نگیں ٹکڑوں میں بٹے ہوئے تھے۔ مسلمانوں نے نظم و ضبط کے ساتھ منظم و مربوط حکومتیں قائم کیں۔ ولید بن عبدالملک (۷۰۵-۷۱۵ء) کے عہد خلافت میں جو بنی امیہ کے اصل عروج و اقبال کا زمانہ تھا[۱] محمد ابن قاسم نے ۹۳ھ (۷۱۲ء) میں راجہ داہر کو شکست دے کر سندھ[۲] میں پہلی اسلامی حکومت کی داغ بیل ڈالی[۳]۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

تھی۔ اس تہذیب کے مظاہر پنجاب، سندھ اور بلوچستان کے دیگر مقامات سے برآمد ہوئے ہیں۔ ان مقامات میں موئن جو ڈرو کی قدامت اور تہذیب سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ (تاریخ پاکستان و ہند، جلد اول، ص ۲۸ از سید عبدالقادر)۔

1. Antiquities of Sind By Henry Cousens
2. Historical Geography of Sind by Mazhar Yousuf (Wr. to Sindhological Studies, 1979).

۱ - تاریخ اسلام، محمود الحسن صدیقی، ص ۹۷

۲ - اسلام سے پہلے راجہ داہر کی حکومت کے زمانے میں جس ملک کو سندھ کے نام سے موسوم کرتے تھے وہ سمت مغرب میں مکران، جنوب میں بحر عرب اور گجرات تک، مشرق میں موجودہ مالوہ کے وسط اور راجپوتانہ تک اور شمال میں ملتان سے گزر کر جنوبی پنجاب کے اندر تک وسیع تھا اور عرب مورخین اس سارے علاقے کو سندھ کہتے تھے۔ (ماخوذ از تاریخ سندھ، حصہ اول، ص ۱، قدوسی)۔

۳ - تاریخ ہند و پاکستان از ریاض الاسلام، ص ۱۷ - ۱۸ -

Marfat.com

محمد بن قاسم نے حکومت کے نظم و نسق کے ساتھ ساتھ تبلیغ اسلام پر سب سے زیادہ توجہ دی ۔ سندھ کے باشندے محمد بن قاسم کے حسن سلوک ، روا داری اور اعلیٰ ظرفی سے بہت متاثر ہوئے اور بخوشی و رضا قبول اسلام کا شرف حاصل کیا ۔ ان میں دیبل[1] کے اکابر بھی شامل تھے ۔ محمد بن قاسم نے جس علاقے کو فتح کیا وہاں مسجدیں[2] تعمیر کروائیں اور مدرسے قائم کیے ۔

عربوں کی آمد سے انگریزوں کی آمد تک (۹۳ - ۱۲۵۹ھ / ۷۱۲ - ۱۸۴۳ء) عرب ، سومرا ، سمہ ، ارغون ، ترخان ، مغل ، کلہوڑا ، تالپور نے یکے بعد دیگرے سندھ کی سرزمین پر بارہ سو سال حکومتیں کیں ۔ ان تمام حکومتوں اور عہدوں کے تاریخی ، سیاسی ، تہذیبی ، سماجی ، علمی ، ادبی اور روحانی نقوش وادی مہران کے چپہ چپہ پر ثبت ہیں ۔

---

۱ ۔ اکابر دیبل میں جو لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے ان میں قبلہ ابن سہتراج اور مولائے دیبلی کے نام سرفہرست ہیں ۔ محمد بن قاسم نے قبلہ کی حکمت و دانش کے اعتراف میں انھیں دیبل کا حاکم بنایا ۔ (چچ نامہ) ۔

۲ ۔ محمد بن قاسم نے دیبل ، منصورہ ، اسرور ، حیدرآباد ملتان وغیرہ میں مسجدیں تعمیر کروائیں ، نماز و امام کا بندوبست کیا ۔ بقول صاحب چچ نامہ ۔ ''مسجد بنا نمود و بانگ نماز و امام تعین فرمود'' ۔ ٹھٹھہ کے قریب بھنبھور کی جامع مسجد برصغیر پاک و ہند کی سب سے قدیم مسجد بتائی جاتی ہے ۔ بھنبھور شہر کی کھدائی کے بعد اس مسجد کے آثار نمایاں ہوئے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مسجد محمد بن قاسم کے زمانے کی یا ان سے پہلے کی ہو گی ۔ حضرت مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی نے اپنے ذاتی مشاہدے اور معلومات کی بنیاد پر ایک تحقیقی مقالہ اس مسجد کے بارے میں تحریر فرمایا ہے جو ماہنامہ الولی حیدرآباد بابت جنوری فروری ۱۹۷۶ء کے اوراق میں محفوظ ہے ۔

Marfat.com

سرزمین سندھ کو اس اعتبار سے فضیلت حاصل ہے کہ جس زمانے میں عرب کے ریگستان میں آفتاب توحید طلوع ہوا اسی زمانے میں ریگزار سندھ میں بھی شمع رسالت روشن ہوئی ۔ اسلام کا پرچم لہرایا ۔ ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ بانی اسلام سرور کونین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پانچ صحابیوں کو بغرض اشاعت اسلام سندھ کی طرف روانہ کیا ۔ ان میں سے دو صحابہ کرام سندھ میں رہ گئے اور یہیں پیوند خاک ہوئے[۱] ۔ سندھ میں اشاعت اسلام کی ابتدا یہیں سے ہوتی ہے ۔

تواریخ اور تذکروں سے یہ شہادتیں ملتی ہیں کہ خلافت راشدہ اور بنی امیہ کے دور سے پہلے ہی سندھ میں عرب تاجروں ، مجاہدوں اور مبلغوں کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری تھا ۔ اس طرح عربوں سے اہل سندھ کے روابط و تعلقات ظہور اسلام سے قبل بھی قائم تھے ۔[۲]

سندھ کی سرزمین اولیائے کرام کی سرزمین ہے ۔ حضرت شیخ ابوتراب[۳] المعروف بہ حاجی ترابی ہندوستان اور پاکستان کے سب سے پہلے ولی اللہ ہیں جو ۱۵۲ھ (۷۷۱ء) میں دور عباسیہ میں گزرے ہیں ۔ آپ کا مزار پرانوار ٹھٹھہ سے دس میل کے فاصلہ پر مرکز روحانیت و مرجع خلائق ہے ۔ برصغیر پاک و ہند میں یہ شرف بھی سندھ کو حاصل ہے کہ یہاں اولیائے کرام صوفیائے عظام اور بزرگان دین ابتدائی صدی ہجری سے عرب ، عجم ، افغانستان اور مختلف اسلامی ممالک و مراکز سے آتے اور تجلیات الٰہی و انوار محمدی سے دلوں کو منور کرتے رہے ۔

سندھ میں عربی کا نفاذ

سرزمین سندھ میں عربوں کی آمد اور اسلامی حکومت کے قیام کے

---

۱ ۔ سرزمین سندھ میں علم حدیث (قلمی نسخہ) ص ۱

۲ ۔ صحابہ کرام کے زمانے میں سراندیپ کا راجہ سب سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوا ۔ (تاریخ فرشتہ جلد دوم ص ۸۸۵)

۳ ۔ تحفۃ الکرام ، جلد سوم ، ص ۲۵۳ ، تذکرہ صوفیائے سندھ ، ص ۳۳ تا ۳۶

Marfat.com

بعد بعض عرب قبائل نے یہاں مستقل سکونت اختیار کی ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے عہد میں آنے والے عربوں کے خاندان[1] یہاں پہلے سے موجود تھے ۔ ان میں علمائے دین بھی تھے اور اکابر اسلام بھی ۔ ان کی مادری زبان عربی تھی۔ عربی اللہ کا کلام اور رسول ؐ کی زبان ہے ۔ اس زبان کی جامعیت ، وسعت اور ہمہ گیری نے اہل سندھ کو متاثر کیا ۔ عربی پہلے سرکاری زبان کی حیثیت سے رائج ہوئی پھر ایک دینی اور علمی زبان کی حیثیت سے وادی سہران کے گوشے گوشے میں پھیل گئی ۔ محمد بن قاسم کے زمانے سے امیران تالپور کے عہد تک کے ہر دور میں جابجا مدرسے قائم ہوئے ۔ عربی علوم اور اسلامی فنون کی درس و تدریس ، تحصیل و تکمیل کا رواج عام ہوا ۔ ان مدرسوں کے اساتذۂ کرام میں نہ صرف سندھ بلکہ عرب ، عراق ، شام اور عجم کے ماہرین علوم و فنون بھی شامل تھے ۔

دیبل ، منصورہ ، السرور ، ملتان ، بکھر ، ٹھٹھہ ، سیوہن ، حیدرآباد جیسے مقامات اسلامی تہذیب و تعلیم کے لیے پوری اسلامی دنیا کی توجہ کا مرکز تھے ۔ سندھ میں عربوں کے چار سو سالہ دور حکومت اور اس کے بعد سے دور مغلیہ (۱۱۳۲ھ - ۱۷۱۹ء) یعنی پہلی صدی ہجری سے گیارہویں صدی ہجری تک سندھ میں عربی النسل اور سندھی النسل علماء ، صوفیاء ، فقہاء ، قرأ ، محدثین ، محققین اور ارباب تجوید و تفسیر کارواں در کارواں نظر آتے ہیں[2] ۔ ان ارباب دین کی تعلیمات ، تصنیفات و تالیفات کا بیش بہا خزانہ

---

۱ ۔ عربوں نے سب سے پہلے دیبل میں ایک محلہ بسایا تھا جس میں چار ہزار عرب خاندان آباد تھے ۔ (تاریخ سندھ قدوسی ، جلد اول ، ص ۳۱۰)

۲ ۔ تین سو سال تک علوم اسلامیہ میں صرف مصر اور شام کے علماء کا طوطی بولتا تھا لیکن گیارھویں صدی ھجری کے آخر تک جیسے اکابر علم و ادب سندھ کی سرزمین سے اٹھے سارے عالم میں اس کی نظیر نہیں ملتی ۔

(تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو مقالہ ''امام ابوالحسن کبیر سندھی'' از مولانا محمد عبدالرشید نعمانی ، مطبوعہ الولی حیدر آباد اکتوبر نومبر ۱۹۷۶ء) ۔

Marfat.com

کلام ربانی اور پیغام محمدی ؐ پر مبنی اسلام کی حقیقت و معرفت کی شہادت دیتا ہے۔

متعدد علماء خاک سندھ سے اٹھے اور اپنے علم و فضل ، درس و تدریس اور افکار و معارف سے عالم اسلام کو فیضیاب کیا۔ ان میں امام حدیث ابو معشر نجیح (وفات ۱۷۰ھ — ۷۸۶ء) بن عبدالرحمن سندھی اور ان کی اولاد ائمہ حدیث و مغازی میں سے تھے۔ انہوں نے مدینہ اور بغداد میں اپنی امامت و عظمت کا علم بلند رکھا[1]۔

مکہ مکرمہ میں امام ابو جعفر محمد بن ابراہیم بن عبداللہ دیبلی (وفات ۳۲۲ھ) (انہوں نے مکتوبات نبوی کا مجموعہ مرتب کیا جو اعلام السائلین من کتب سید المرسلین کے آخری حصہ کی زینت ہے)[2]، بغداد میں حافظ ابو محمد خلف ابن سالم (وفات ۲۳۱ھ—۸۴۵ء) ابونصرالفتح بن عبداللہ سندھی ، امام ابوبکر احمد بن قاسم سندھ ، نیشاپور میں ابو العباس احمد بن عبداللہ بن سعید دیبلی (وفات ۳۴۳ھ) شام میں امام ابو عبداللہ محمد اور ان کے پوتے علی ابن محمد بن محمد دیبلی شافعی (وفات ۴۵۶ھ) (جو بڑے محدث و فقیہ تھے ان کی تصنیف "کتاب الادب"، عربی میں بڑی اہم کتاب مانی جاتی ہے) بصرہ میں ابوالعباس محمد دیبلی (وفات ۳۴۵ھ)، عراق میں حافظ محمود (وفات ۲۳۱ھ . حافظ حدیث تھے) اور مصر میں ابو قاسم شعیب بن محمد دیبلی کا سرچشمہ علوم و فنون صدیوں تک جاری رہا۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ (بانی مسلک

۱۔ مولانا غلام مصطفٰے قاسمی کے ایک عربی مقالہ "سندھ میں علم حدیث" (قلمی) سے استفادہ کیا گیا۔ اس طویل مقالے کا ایک حصہ بعنوان "سندھ میں حدیث جا امام اور ممتاز عالم"۔ ماہنامہ نئی زندگی (سندھی) کراچی شمارہ اپریل ، مئی ۱۹۷۵ء میں شائع ہوچکا ہے۔ یہ مقالہ بھی راقم کی نظر سے گزرا ہے۔

۲۔ کتاب الانساب للسمعانی ، ص ۲۱۴ ، تاریخ الخطیب البغدادی ج ص ۳۴۲ — تہذیب التہذیب ، ج ۹ ، ص ۸۷ — ۸۸ ، بحوالہ سر زمین سندھ میں علم حدیث ص ۲ ، ۳۔

Marfat.com

حنفی) نسلاً سندھی تھے ۔ اُن کے آبا و اجداد نے سندھ سے پہلے ایران پھر عراق میں سکونت اختیار کی[۱] ۔ امام ابو حنیفہ کے ایک ہمعصر اور امام مالک کے شاگرد شیخ الاسلام امام اوزاعی بن عمر اپنے زمانے کے مشہور مجتہدوں میں سے تھے ۔ فقہی مذہب کے بانی تھے اندلس میں علم و فن کے جوہر دکھائے[۲] ۔

اب ان علمائے دین کا ذکر کیا جاتا ہے جو سندھ میں پیدا ہوئے اور سندھ ہی میں وفات پائی ان کے علاوہ ان حضرات کا ذکر بھی ضروری ہے جو عرب ، عجم ، مشرق وسطی اور وسطی ایشیاء سے مختلف ادوار میں یہاں آئے اور اپنی زندگی علمی دینی و روحانی خدمات میں وقف کی ۔ یہ تمام حضرات نحو ، معانی ـ منطق ، فقہ ، حدیث ، تحقیق ، تجوید اور تفسیر کے علوم و فنون میں اپنی مہارت اور کمال کی بنا پر مستند و ممتاز سمجھے جاتے تھے ۔

پہلی صدی ھجری (یعنی ۹۳ھ) جب محمد بن قاسم سندھ آئے تو ان کے ہمراہ علماء و فقہاء کی ایک جماعت بھی تھی جن میں موسیٰ ابن یعقوب ثقفی کو بہت بلند درجہ حاصل تھا ۔ محمد بن قاسم نے انہیں السرور کے قاضی القضات کے عہدے پر مامور کیا تھا ۔ موسیٰ ابن یعقوب کا خاندان اپنی غیر معمولی علمی خدمات کی بدولت مدتوں ممتاز رہا ۔ (چچ نامہ) ۔ معروف تابعی حسن بصری کے تلامذہ الربیع بن صبیح السعدی بصری اور ابو موسیٰ اسرائیل دونوں تبع تابعین میں سے تھے ۔ اول الذکر حدیث کے اجل امام اور آخر الذکر صحیح بخاری کی روایت میں ہیں ۔ ربیع ابن صبیح (وفات ۱۶۰ھ) نے حدیث پر سب سے پہلی کتاب تصنیف کی[۳] ۔

---

۱ ـ تاریخ سندھ ، ابو ظفر ندوی ۔

۲ ، تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۱۶۰ ، تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۲۳۸ بحوالہ سر زمین سندھ میں علم حدیث ، ص ۲ ،

۳ ـ سر زمین سندھ میں علم حدیث (قلمی) ص ۵ ۔

Marfat.com

عہد اسلامی میں دیبل ، منصورہ ، ملتان اور السرور وغیرہ اسلامی علوم و فنون اور تہذیب و معاشرت کا گہوارہ تھے ۔ اس زمانے میں وہاں علماء کی خاص تعداد موجود تھی ۔ ابو العباس احمد بن محمد بن صالح یمنی منصورہ کے قاضی اور بڑے فقیہ و محدث تھے ۔ متعدد تصانیف چھوڑیں ۔ قاضی ابو محمد منصوری داؤد [1] منصورہ میں قضا کے عہدے پر فائز تھے ۔ ۳۷۵ھ میں منصورہ میں مدرسہ قائم کیا ۔ ان کی تصانیف سے ان کی محققانہ بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے ۔ محمد بن ابو الشوارب [2] ۔ منصوری ۳۸۲ھ میں عراق سے سندھ آئے اور منصورہ میں عمر گزار دی ۔

ساتویں صدی ہجری کے اوائل میں اسمٰعیل بن علی محمد الثقفی نے منہاج المسالک عربی میں لکھی جس کا فارسی ترجمہ چچ نامہ کے نام سے علی حامد بن ابو بکر کوفی نے ۶۱۳ھ میں کیا [3] ۔

آٹھویں صدی ہجری میں شیخ ابو حنیفہ محمد تغلق کے زمانے میں قاضی تھے ۔ شیخ صدرالدین فقہ میں خاص شہرت رکھتے تھے ۔ مشہور سیاح ابن بطوطہ نے جو ۷۳۸ھ میں سندھ آئے ان بزرگوں کا ذکر کیا ہے ۔ مولانا برہان الدین بکھری سلطان علاء الدین محمد شاہ خلجی کے دور میں فقہ و اصول کے مدرس و ماہر تھے ۔ ظہیر الدین بکھری ان کے معاصرین میں سے تھے ۔ ضیاء الدین برنی کی کتاب میں ان کا تذکرہ ملتا ہے ۔ مخدوم محمد بو بکائی (ضلع دادو مصنف المناقب جس میں سندھی زبان کے الفاظ بھی شامل ہیں) کے علاوہ نویں اور دسویں صدی ہجری کے علماء میں مولانا عبدالعزیز ابہری سیوہانی (متوفی ۹۱۸ھ) بایزید ٹھٹھوی (مصنف علم الکلام) قاضی عبداللہ ، قاضی ابراہیم دریبلوی قاضی دتہ سیوہانی (بحوالہ تاریخ معصومی) ، شیخ الاسلام عمادالدین مسعود بن شیبہ سندھی (عظیم المرتبت محدث تھے ان کی تصانیف میں کتاب الاقلیم و طبقات الحنفیہ

---

۱ ۔ الکامل ، ج ۷ ص ۳۳۴ ۔ احسن التقاسیم ص ۴۸۱ بحوالہ سرزمین سندھ میں علم حدیث ، ص ۵ ۔

۲ ۔ ایضاً ۔

۳ ۔ مقدمہ فتح نامہ سندھ ، ص ۱ مقالات اختر ص ۴ ۔

Marfat.com

کے علاوہ دوسری کتابوں سے عرب دنیا نے استفادہ کیا[1]) - اور مولانا عمر فقیر وغیرہ وہ بزرگان دین اور اولیاءٔ اللہ تھے جنہوں نے جابجا مدرسے قائم کیے - تصانیف و خطبات اور درس و تدریس کے ذریعہ دین کی تعلیمات کو عام کیا - عربی علوم اور اسلامی تعلیمات ، تہذیب و معاشرت کے فروغ میں خاص طور پر حصہ لیا -

عربی کے سندھی ادیبوں میں سندھی بن علی کاتب کا سراغ ملتا ہے - اس نے نثر میں ''کتاب الشرکۃ'' کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں سندھی مغنیوں کے حالات درج ہیں -

سندھ کے شعراء نے عربی کے شعری ادب کی ترقی و ترویج میں بھی عرب معاصرین کے دوش بدوش حصہ لیا اور اپنے شعر و سخن کا لوہا منوایا - ان میں ابو صالح سندھی تیسری صدی ھجری کا بلند پایہ شاعر گزرا ہے - اس کی ملی نظمیں حب الوطنی اور محبت انسانی کے جذبات سے مملو ہیں - ابوالعلاء افلح سندھی عربی کا بہت بڑا شاعر مانا جاتا تھا - تذکرہ شعرائے عربی میں ان کے اشعار و قصائد کے نمونے ملتے ہیں - یہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد کا قابل قدر کارنامہ ہے کہ اس نے ابو العلاء کے کلام کی کھوج لگائی اور مجموعہ کلام شائع کرکے اس عظیم شاعر کی ادبی یاد گار قائم کر دی - ان کے علاوہ ابو اسحاق (وفات ۲۳۵ھ - ۸۴۲ء) منصور سندھی ، کشاجم سندھی ، ہارون عبداللہ ملتانی ، سندھی ابن صیدقہ وغیرہ نے عربی شعر و ادب کی دنیا میں شہرت و ناموری حاصل کی -

سندھی اسلامی عہد میں

سندھی زبان کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی کہ خود سندھ کی تاریخ - سندھی زبان کی اصل کیا ہے ؟ اس زبان نے سندھ میں کب جنم لیا ؟ اس کی ابتدائی تشکیل کن زبانوں کے اختلاط اور بنیاد پر ہوئی ؟ اس بارے میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے - ماہرین لسانیات اور محققین ادبیات

---

۱ - الولی ، اکتوبر ۱۹۷۶ء ، ص ۱۵ -

Marfat.com

نے اپنے اپنے نظریات پیش کیے ہیں لیکن یہ مسئلہ ہنوز تحقیق طلب ہے۔ اس جگہ یہ بحث ہمارے موضوع سے علیحدہ ہے۔

" بہرکیف یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ سندھ میں عربوں کی آمد سے قبل سندھی زبان کی ابتدا ہوچکی تھی۔ اسلامی حکومت کے قیام کے وقت یہاں سندھی زبان موجود تھی عربوں کے دور میں سندھی ملکی زبان تھی اور عربی حکومت کی زبان تھی (سندھی ادب ص ۱۲) دونوں زبانیں دوش بدوش ترقی کرتی گئیں [۱]۔ سندھی عربی رسم الخط کی بنیاد بھی عربوں کے عہد میں پڑی۔ البیرونی نے کتاب الہند میں لکھا ہے کہ سندھی عربی اور ناگری اسی خط میں لکھی جاتی ہے [۲]۔

منصورہ کے حاکم عبداللہ بن عمر ہباری (۲۷۰ – ۳۰۳ھ / ۸۸۳ – ۹۱۵ء) کے حکم اور مہروک نامی راجا کی خواہش پر منصورہ کے ایک عراقی عالم نے سندھی زبان میں راجا کی شان میں ایک قصیدہ اور اسلامی عقائد اور فضائل سے متعلق ایک نظم لکھی۔ بقول ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی یہ نظم سندھی زبان کی پہلی نظم ہے جو تیسری صدی ہجری اور نویں صدی عیسوی میں منصۂ شہود میں آئی [۳]۔ پھر مذکورہ بالا عالم نے راجا ہی کی فرمائش پر قرآن حکیم کا ترجمہ سندھی زبان میں تفسیر کے ساتھ کیا [۴]۔ سندھی زبان میں قرآن کریم کے اس ترجمہ کو دنیا کا سب سے پہلا ترجمہ کہا جاتا ہے [۵]۔

---

۱ - "منصورہ ملتان اور اطراف میں عربی اور سندھی بولی جاتی ہے"۔ (سفر نامہ ابن حوقل ص ۲۳۲ لائیڈن)۔ ایک اور عرب سیاح کا بیان ہے کہ "سندھ میں جو بولیاں بولی جاتی ہیں وہ عربی اور سندھی ہیں"۔ (سندھی بولی جی تاریخ، بی ایم ایڈوانی، ص ۸۱)۔

۲ - تاریخ سندھ حصہ اول مولانا قدوسی، ص ۲۹۳۔

۳ - سندھی کی اساسی شاعری۔ سہ ماہی العلم مارچ ۱۹۸۰ء۔

۴ - تاریخ سندھ حصہ اول مولانا ابو ظفر ندوی ص ۳ بحوالہ عجائب الھند، بزرگ بن شہر یار۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

Marfat.com

اس امر کے بارے میں سارے اہل تحقیق اور اہل تاریخ کی متفقہ رائے ہے کہ دنیا کی ہر زبان کے ادب کا آغاز اس کی سحر انگیز شعری تخلیقات اور دل نشیں نغمات سے ہوا ۔ اسی طرح سندھی ادب کی ابتدا بھی اس کی منظومات سے ہوئی۔ سندھی زبان میں سب سے پہلا شعر یا پہلی نظم کون سی تھی اس کا کوئی نمونہ دستیاب نہیں ۔ اوپر کی سطروں میں ڈاکٹر عبدالمجید سندھی کے حوالے سے یہ عرض کیا گیا ہے کہ ۲۷۰ھ (۸۸۳ء) میں ایک عراقی عالم نے سندھی میں جو نظم کہی تھی وہ سندھی زبان کی پہلی نظم تھی لیکن اس نظم کا کوئی ایک شعر بھی کسی نے بطور ثبوت پیش نہیں کیا ۔ اس سے یہ ظاہر ہے کہ تیسری صدی ھجری اور نویں صدی عیسوی کا شعری مواد تلف ہوچکا ہے ۔

سندھی شعر کے قدیم نمونے کے بارے میں سندھ کے مشہور مورخ و محقق پیر حسام الدین راشدی ایک جگہ رقمطراز ہیں :

"سندھی زبان کا سب سے قدیم شعر جو ہمیں دستیاب ہوا ہے وہ فضل بن یحییٰ کی مدح میں کہا گیا ہے اور اتفاق سے بعض عربی اور فارسی تاریخوں میں محفوظ رہ گیا ہے (روضة العقلاء و نزھة الفضلاء : مجمل التواریخ) اس کی صورت اور الفاظ اگرچہ بگڑچکے ہیں لیکن اس حالت میں بھی وزن اور قافیہ اس میں موجود ہے ۔ مجمل التواریخ ۵۲۰ھ کی تصنیف ہے ۔ اس میں لکھا ہے کہ "و روے از زمین سندھ پیش وے (فضل ابن یحییٰ برمکی ۱۴۸ - ۱۹۳ھ) آمد و بزبان خویش یک بیت انشا کرد و بگفت ، و آن این بود ۔"

ارہ برہ عنطرہ   عراعری پندرہ

بہر حال بقول پیر صاحب موصوف یہ سب سے قدیم سندھی شعر ہے جو اب تک دستیاب ہوا ہے[۱] ۔

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

۵ ۔ قرآن مجید کے اس سندھی ترجمے کی اشاعت کا شرف سندھی ادبی بورڈ جام شورو کو حاصل ہے ۔

۱ ۔ سندھی ادب ، ص ۱۶ ۔

Marfat.com

عربوں کے بعد سومرا خاندان (۱۰۵۰ - ۱۳۵۱ء) کے عہد حکومت میں سندھی شاعری نئی امنگ اور نئے رنگ سے ابھری اس دور کی سندھی شاعری میں جہاں اہل اللہ و اہل صفا کے صوفیانہ و عارفانہ اشعار نے روح کو بیدار اور ذہن کو منور کیا وہاں رومانی کہانیوں تاریخی داستانوں، رزمیہ گیت اور عوامی نظموں نے دلوں کو تازگی بخشی۔ یہ منظوم داستانیں اور عوامی گیت دراصل عوامی زندگی، تہذیب و معاشرت کی عکاسی کرتے ہیں۔ اس لیے اس رنگ کی شاعری کو مقبولیت حاصل ہوئی۔ لیلیٰ چنیسر، عمر ماروی، موسل رانو، سسی پنوں، دودا چنیسر وغیرہ اسی دور کی یادگار اور لازوال کہانیاں ہیں جو آج تک سندھی شاعری کی اساسی کہانیاں ہیں[1]۔ یہ داستانیں فارسی اردو اور دنیا کی کئی زبانوں میں منتقل ہوچکی ہیں۔

سمہ دور حکومت (۱۳۵۱ - ۱۵۲۱ء) میں سندھی شاعری عام ہوگئی۔ ارباب حکومت نے بھی اس زبان و ادب کی سرپرستی کی۔ ہر دور کی طرح اس دور میں بھی سندھی زبان و ادب کی ترقی و ترویج میں اولیائے کرام نے سب سے زیادہ خدمات انجام دیں جن میں شیخ حماد بن رشید الدین جمالی (متوفی ۷۶۳ھ - ۱۳۶۲ء بمقام ٹھٹھہ) ان کی وہ دعائیہ نظم مشہور ہے جو انہوں نے ۷۷۷ھ میں جام تماچی کے لیے کہی تھی۔ ان کے بعد دوسرے درویش شعراء مین شیخ اسحاق آھنگر (وفات ۹۰۳ھ مدفن حیدرآباد) شیخ بھریو (م ۹۰۳ھ/۱۴۹۷ء) سید علی ثانی (م-۹۷۱ھ - ۱۵۶۳ء) مخدوم احمد بھٹی (م ۹۳۰ھ - ۱۵۲۳ء) وغیرہ قابل ذکر ہیں[2]۔

---

۱ - ان میں سے بعض کہانیاں حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی کی ذہنی تخلیق کی اساس بنیں اور شاہ جو رسالو میں ہمیشہ کے لیے محفوظ ہوگئیں۔ شاہ کی ان شعری تخلیقات کے سندھی ادب پر بہت گہرے اور دائمی اثرات موجود ہیں۔

۲ - تحفة الکرام ج ۳، ۲ ص ۱۷۹، ۱۸۲، ۱۸۳ - تذکرہ لطفی حصہ اول ج ۱ ص ۲۳ -

Marfat.com

سمہ عہد کے سب سے اہم شاعر قاضی قافن (م ۹۵۸ھ - ۱۵۵۱ء) بن ابو سعید بن قاضی زین الدین دربیلی ہیں ۔ قاضی قافن عارف کامل واصل باللہ اور عالم یکتا تھے ۔ بکھر میں بیس سال قاضی کے عہدۂ جلیلہ پر فائز رہے ۔ (۹۵۸ھ - ۱۵۵۱ء) میں حرمین شریفین میں رب حقیقی سے جا ملے ۔ قاضی صاحب کے سات اشعار ''بیان العارفین''[1] میں ملتے ہیں ۔ بقول ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی یہ ابیات سندھی زبان کی اساسی شاعری میں اسلامی تصوف کے گنجینۂ اسرار و رموز ہیں[2] ۔

ارغون ، ترخان اور مغل دور (۹۲۷ - ۱۱۳۲ھ/۱۵۲۱ء - ۱۷۱۹ء) کی مدت پر محیط ہے ۔ اس زمانے میں فارسی زبان سرکاری ہونے کے باوجود سندھی زبان و ادب کو روز افزوں فروغ ملا ۔ ان ادوار میں سندھی زبان پہلے سے زیادہ صاف بامحاورہ اور فصیح و بلیغ ہو گئی ۔ سندھی ادب میں نظم و نثر کی نت نئی اصناف اور تخلیقات سے مزید اضافہ ہوا ۔

سمہ عہد سے کلہوڑا عہد تک کی درمیانی صدیوں میں سندھ کے جن ارباب نظم و نثر نے سندھی زبان و ادب کو ایک نئے موڑ سے آشنا کیا ، ان میں ولی کامل ، عارف عامل ، شاہ عبدالکریم بلڑوی (۹۴۴ - ۱۰۳۲ھ/۱۵۳۸ - ۱۶۲۲ء) امتیازی مقام کے حامل ہیں ۔ شاہ صاحب حضرت مخدوم نوح ھالائی کے مرید اور حضرت شاہ عبداللطیف کے پردادا

۱۔ ''بیان العارفین'' حضرت شاہ عبداللطیف کے جد امجد شاہ عبدالکریم بلڑوی کے ملفوظات کا مجموعہ ہے ۔ اس میں وہ اشعار و اقوال بھی شامل ہیں جو شاہ صاحب نے اپنے مریدوں کی رشد و ہدایت کی غرض سے ارشاد فرمائے ۔ بیان العارفین میں شاہ صاحب کے سندھی ابیات کے علاوہ قاضی قافن کے سات شعر اور دوسرے ہمعصر شعراء کے سندھی ، ہندی اور فارسی اشعار بھی شامل ہیں جو شاہ صاحب نے ان سے خود سنے ۔
(ماخوذ از معلومات ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی) ۔

۲۔ مقالہ سندھی کی اساسی شاعری العلم مارچ ۱۹۸۰ء ۔

Marfat.com

تھے ۔ واقعہ یہ ہے کہ شاہ کریم کے فکری اثاثے کی اساس پر شاہ لطیف اور دوسرے متاخرین شعراء نے فکر و فن کی عمارتیں تعمیر کیں ۔

"بیان العارفین"[۱] (تالیف ۱۰۳۸ھ) سے شاہ کریم کے صوفیانہ عقاید و عارفانہ خیالات اور شاعرانہ عظمت کا پتہ چلتا ہے ۔ اس میں اسلامی تعلیمات و روایات کے علاوہ قرآنی آیات کی تفسیر اور احادیث نبوی کی تشریح و توضیح بھی ملتی ہے ۔ شاہ کریم کی شاعرانہ عظمت اس اعتبار سے اور بڑھ جاتی ہے کہ انہوں نے اپنی منظومات میں عشقیہ داستانوں کو اپنے مخصوص اشاراتی انداز میں پہلی دفعہ بیان فرمایا ہے اور وہ شاہ صاحب کے اصل پیغام کی ترجمان بن گئی ہیں ۔

حافظ مخدوم نوح ہالا کنڈی[۲] (متوفی ۹۹۸ھ ۱۵۹۰ء) کا مرتبہ نہ صرف دینی و روحانی اعتبار سے بلکہ علمی و ادبی لحاظ سے بھی بہت بلند تھا ۔ ان کے علم و فضل اور معرفت و روحانیت کا سرچشمہ سارے سندھ میں آج تک جاری ہے ۔ مخدوم نوح سندھی ، فارسی اور عربی زبانوں پر کامل دسترس رکھتے تھے ، ان تینوں زبانوں میں ان کے اشعار اور اقوال تحریری صورت میں ملتے ہیں ۔ خانوادہ نوح کے ایک مایہ ناز سپوت

---

۱ ۔ شاہ کریم کے ایک مرید محمد رضا بن عبدالواسع ٹھٹھوی نے محنت و تحقیق سے مجموعہ ملفوظات بیان العارفین کو (۱۰۳۸ھ ۱۶۲۸ء) میں مکمل کیا ۔ کتاب کے شروع میں حالات زندگی ہیں اس کے بعد شاہ صاحب کے احوال و اقوال فارسی نثر میں لکھے ہیں ۔ سندھی ابیات کا فارسی نثر میں ترجمہ بھی ہے ۔

بیان العارفین کا سندھی ترجمہ پہلی بار بمبئی سے ۱۸۷۶ء میں اور دوسری مرتبہ ۱۹۰۹ء میں اشاعت پذیر ہوا ۔ مرزا قلیج بیگ نے ۱۹۰۴ء میں "رسالہ کریمی ڈاکٹر عمر بن داود پوتہ نے" بلڑی والے جو کلام "اور ۱۹۶۳ء میں ڈاکٹر سمن عبدالمجید سندھی نے "کریم جو کلام" کے نام سے شاہ کریم کا کلام مرتب کیا ۔

۲ ۔ مقالہ "ہالا پرانا کا علم و ادب" از قاضی محمد اعظم ، ص ۲ الرحیم سندھی ، جون ۱۹۷۵ء ۔

Marfat.com

مخدوم محمد زمان طالب المولیٰ نے حضرت نوح کا سندھی و فارسی کلام مرتب کیا ہے ان کے سندھی کلام کا کچھ حصہ الولی کے شماروں میں راقم کی نظر سے گزر چکا ہے ۔ فارسی میں قرآن شریف کا ترجمہ مع تفسیر مخدوم نوح کا غیرفانی کارنامہ ہے ۔

علاوہ ازیں مغل دور تک کے شعراء و ادباء میں راجو درویش (المتوفی ۹۷۷ھ) عثمان احسانی (م ۱۰۵۰ھ) مصنف وطن نامہ لطف اللہ قادری (تصنیف منہاج المعرفت ۱۰۷۸ھ) لطف اللہ لاکھو ، شاہ عنایت شہید (م ۱۱۳۰ھ - ۱۷۱۷ء) اور پیر محمد لکھوی (م ۹۹۹ھ - ۱۵۹۰ء) بانی نعتیہ شاعری وہ قابل قدر ہستیاں ہیں جنھوں نے افکار صد رنگ اور گلہائے رنگا رنگ سے گلستان ادب سندھی کو سدا بہار بنا دیا ہے ۔

سندھ میں فارسی کا نفاذ

سندھ میں فارسی زبان کب آئی ؟ سندھ میں فارسی نظم یا نثر کا قدیم ترین نمونہ کیا تھا ؟ اس کا کوئی سراغ نہیں ملتا ۔ ڈاکٹر ایچ ۔ آئی سدا رنگانی اپنے ڈاکٹریٹ کے انگریزی مقالہ بعنوان ”پرشین پوئٹس آف سندھ“ میں ایک جگہ لکھتے ہیں :

In fact no historical data is available as to exact data of the introduction of the Persian Language in Sind''[1]

تحقیق و تفتیش سے پتہ چلتا ہے کہ سندھ کے تعلقات عربوں کی طرح ایرانیوں سے بھی بہت قدیم تھے ۔ ایک مورخ کے بیان کے مطابق عہد عباسیہ میں خلیفہ المعتمد کے حکم سے صوبہ سندھ اور مکران ایران کے صفاری خاندان کے زیر اقتدار تھے ۔ سندھ کے پہلے فرمانروا یعقوب بن لیث نے سندھ میں فارسی کو سرکاری زبان کی حیثیت سے رائج کیا اور اس کی اشاعت میں خصوصی توجہ دی[2] ۔

---

۱ - Persian Poets of Sind, Chapter-1, p. 5, Sindhi Adabi Board, 1956.

۲ - پاکستان کی علاقائی زبانوں پر فارسی کا اثر ، ص ۳۹ -

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

130145

Marfat.com

محمد بن قاسم کی فتح سندھ (پہلی صدی ہجری کے آخر) سے عربوں کے عہد حکومت (چوتھی صدی ہجری کے ربع اول) تک سندھ میں سندھی ملکی زبان اور عربی سرکاری زبان کی حیثیت سے رائج تھی ۔ اس کی تصدیق عرب سیاح ابن حوقل اور سمہودی (جو تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں سندھ میں آئے تھے) کے اس بیان سے ہوتی ہے ۔

''سندھ میں صرف عربی اور سندھی بولی جاتی ہے''

فارسی کے بارے میں یہ قیاس کیا جا سکتا ہے ، چونکہ عربوں کے عہد سے ہی ایرانیوں کی آمد و رفت کا سلسلہ سندھ میں شروع ہو چکا تھا اس لیے ان کی وجہ سے کہیں کہیں فارسی بولی جاتی ہو گی ۔

لیکن یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ یہاں فارسی نے دراصل پانچویں صدی ہجری میں محمود غزنوی کے دور حکومت میں رواج پایا جب سندھ پر سومرا خاندان برسر اقتدار تھا[1] ۔ غزنویوں کے بعد ایبکوں ، غوریوں ، خلجیوں ، تغلقوں اور مغلوں کے دور آئے ۔ ہر دور میں فارسی کو سرپرستی ملی اور پھلتی پھولتی رہی ۔ مقامی فرماں رواؤں سومرا اور سمہ ، ترک قبیلے کے حکمران ارغون ترخان اور مغلوں نے فارسی زبان و ادب کی ترقی و اشاعت میں حصہ لیا ۔ خصوصاً مغلوں کے عہد حکومت تک سندھ و ہند میں فارسی ادب کو انتہائی عروج ملا ۔

سومروں کے دور میں علی بن حامد ابوبکر کوفی نے قاضی اسماعیل

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

''منصورہ (بکھر) اور ملتان اور ان کے اطراف کی زبان عربی اور سندھی ہے ۔ مکران والوں کی زبان فارسی اور مکرانی ہے'' ۔ (سفرنامہ اصطخری بغدادی سیاح ص ۱۷۷ لائیڈن بحوالہ نقوش سلیمانی ، ص ۲۵۴) ۔

۱ - اسی زمانے یعنی ۳۷۵ھ (۹۸۵ء) میں ایک عرب سیاح ملتان آیا وہ اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے ''سندھ کے قدیم مرکز ملتان اور سندھ کی دیگر مسجدوں میں خطبے فارسی میں پڑھے جاتے ہیں'' ۔

Marfat.com

بن علی الثقفی کی عربی کتاب ''منہاج السالک'' کا فارسی ترجمہ ''چچ نامہ'' (فتح نامہ سندھ) کے نام سے کیا۔[1]

سید عثمان مروندی عرف لعل قلندر شہباز[2] سیوستانی (۵۳۸ - ۶۷۳ھ) علی بن حامد کوفی کے معاصرین میں سب سے عظیم المرتبت صوفی ولی اللہ اور جلیل القدر شاعر گزرے ہیں۔ عربی و فارسی علوم و ادبیات پر کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ قرآن، حدیث و فقہ کا وسیع مطالعہ تھا۔ ماہر لسانیات اور ماہر قواعد زبان بھی تھے۔ ان کی کئی فارسی کتابیں[3] مدرسوں کے نصاب میں شامل رہیں جن میں عقد، اجناس، میزان صرف، صرف صغیر، قسم دوم وغیرہ مشہور ہیں۔

اس دور میں سندھ کی مشہور داستانیں فارسی ادب کی زینت بنیں۔ ملا مقیم نے ''موسل رانو'' کو ''ترنم عشق'' اور اکی بیراگی نے لیلیٰ چنیسر کو ''چنیسر نامہ'' اور سید محمد طاہر لسانی نے عمر ماروی کو ''ناز و نیاز'' کے نام سے فارسی نظموں کا روپ دیا۔

سمہ عہد کے شعراء میں شیخ حماد جمالی، شیخ عیسیٰ اور مخدوم بلال فارسی گوئی و فارسی دانی میں خاص شہرت و ناموری کے مالک تھے۔ سمہ خاندان کے دوسرے حکمران جام جونا کو فارسی میں شعر کہنے کا ملکہ تھا۔ بانی شہر ٹھٹھہ نظام الدین عرف ننده (م ۹۱۴ھ

---

۱ - چچ نامہ کے فارسی اور اردو ترجمے سندھی عربی بورڈ نے شائع کیے ہیں۔

۲ - لعل قلندر شہباز کی علمی و ادبی خدمات اور فارسی شاعری کے مختلف پہلوؤں سے متعلق اس خاکسار (وفا راشدی) کے مقالات ماہنامہ الولی حیدرآباد اکتوبر ۱۹۷۵ء ماہ نو راولپنڈی جون ۱۹۷۶ء پیغام اظہار کراچی کے شہباز نمبر میں علی الترتیب اگست ۱۹۷۶ء اور جولائی ۱۹۷۹ء میں قارئین کرام کی نظروں سے گزر چکے ہیں۔

۳ - Burton Richard F., Sind and the Races England Edition, 1851.

Marfat.com

۱۵۰۸ء) مدفن مکلی) درویش صفت صاحب ذوق تھے ۔ ان کی دعوت پر ایران کے کئی مشہور ارباب شعر و ادب سندھ آئے ۔

والی سندھ مرزا شاہ بیگ ارغون کی عالمانہ بصیرت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس نے قرآن شریف کی تفسیر فارسی میں لکھی ۔ شیخ عبداللہ آہی (م ۹۵۰ھ) شاہ بیگ کے ہمراہ ہرات سے سندھ آئے ۔ سو سے زائد کتابیں لکھیں ۔ فارسی دیوان بھی چھوڑا ۔ شاہ بیگ کا فرزند مرزا شاہ حسن المتخلص بہ سپاہی (م ۔ ۹۶۶ھ ۔ ۱۵۲۲ء) متعدد علوم و ادبیات پر دسترس رکھتا تھا ۔ شاہ حسن نے گاؤں گاؤں مدرسے کھلوائے ۔ عربی و فارسی تعلیمات کا باقاعدہ انتظام کیا ۔ ہاشم کرمانی معروف بہ شاہ جہانگیر ہاشمی شاہ حسن کے زمانے میں سندھ آئے اور بکھر میں سکونت اختیار کی ۔ ان کی دو مثنویاں مظہرالآثار اور مظہر الانوار فارسی ادب میں سنگ میل ہیں ۔

مخدوم نوح ہالا کنڈی کے فارسی ملفوظات و اشعار کے علاوہ قرآن حکیم کا پہلا فارسی ترجمہ اسی دور کا قابل قدر کارنامہ ہے ۔ مولانا فخری ہروی نے روضۃ السلاطین اسی زمانے میں لکھی ۔ امیر ابوالقاسم بیگلر نے (۹۶۹ - ۱۰۳۰ھ) ۱۰۱۷ھ (۱۶۰۸ء) میں "بیگلر نامہ" کے نام سے ارغون خاندان کی تاریخ لکھی ۔ منتخب التواریخ اور چنیسر نامہ بھی ان کی مشہور تصانیف ہیں اور میر قانع کے الفاظ میں "در فنون کمال یگانہ بودہ و در دقائق شعر فہمی و شعر گوئی عدیلی نداشتہ (مقالات الشعراء ص ۱۱۶) ۔

حیدر کاوچ ، میر غروری کاشانی ٹھٹھوی کے علاوہ تاریخ معصومی میں عہد ارغون کے اٹھارہ بزرگان دین اور اکابر ادب فارسی کے تذکرے موجود ہیں ۔

والی سندھ عیسیٰ خان ترخان کا پوتا مرزا جانی بیگ اور اس کا فرزند غازی بیگ ترخان دونوں شعر و ادب کے شیدائی تھے ۔ مرزا غازی بیگ المتخلص بہ وقاری خود بھی شعر کہتا تھا اور شاعروں کا بے حد قدردان تھا ۔ ملا اسد ، میر نعمت اللہ واصلی ، ملا احسنی گیلانی ، ملا مرشد بروجردی ، رشید اصفہانی ، میر محمد ہاشم ، صائب اصفہانی ،

Marfat.com

طالب آملی ، علی حزین اور ملا شیخ اسحاق بکھری جیسے اساتذہ فن و اکابر سخن نے سندھ کی علمی و ادبی محفلوں کو گرمایا[1] ۔

معصوم شاہ کی نعتیہ نظمیں ، میر غوری کی ہجویہ شاعری ، سید محمد ہاشم ٹھٹھوی کی منظوم کتاب ''سیرالسلاطین'' ترخانی دور کی مختلف اصناف پر یادگار تخلیقات ہیں۔ رضا بن عبدالواسع ٹھٹھوی نے شاہ عبدالکریم بلڑوی کے ملفوظات اور احوال و اقوال کو بیان العارفین و تنبیہ الغافلین کی شکل میں اہل فارسی کو روشناس کرایا ۔

عہد اکبری کے ارباب علم و فضل میں سندھ کے صاحب دیوان شاعر سید صفائی کے نور نظر ، میر معصوم شاہ ناسی بکھری (متوفی ۱۰۱۴ھ (۱۶۰۵ء) امتیازی حیثیت کے حامل تھے ۔ وہ بہادر سپاہی ، حاذق طبیب ، دقیق نظر مورخ ، شیوا بیان شاعر اور انتھک سیاح تھے ۔ اکبر نے انہیں اعلیٰ منصب و اعزاز سے نوازا تھا ۔ انہوں نے سفارت ایران کے فرائض سرانجام دیے ۔ شاہ عباس صفوی نے میر معصوم بکھری کی بڑی قدر و منزلت کی ۔ میر معصوم کی تاریخ سندھ (تاریخ معصومی[2]) چچ نامہ کے بعد دوسری اہم تاریخ ہے جو سندھ کی قدیم تاریخ کے ضمن میں بنیادی ماخذ کا درجہ رکھتی ہے ۔ میر معصوم بکھری کی سات مثنویاں فارسی ادب میں خاص اہمیت رکھتی ہیں ۔ مثنوی حسن و ناز (قصہ سسی پنوں کا منظوم فارسی ترجمہ) کے علاوہ دیوان ناسی ، اکبرنامہ ، ہفت نقش اور طب ناسی وغیرہ فارسی کی زندہ جاوید تصانیف ہیں ۔

عہد اکبری اور عہد عالمگیری کے ارباب نظم و نثر فارسی میں میر ابوالقاسم تمکین ، ملا محب علی سندھی ، عارف بلوچی ، عبدالجلیل بلگرامی ، میر ابوالمکارم (مصنف بری خانہ سلیمان) حکیم عبدالرؤف (ابو المنعم کے نام سے سندھی میں موسیقی پر پہلی کتاب لکھی) اہل دیوان شاعر اور اصحاب تصانیف تھے ۔

---

۱ ۔ مقالات الشعراء ، ص ۸۲۸ تا ۸۳۷ ۔

۲ ۔ تاریخ معصومی کا اردو ترجمہ سندھی ادبی بورڈ کی جانب سے شائع ہو چکا ہے ۔

Marfat.com

میر عبدالرشید ٹھٹھوی نے دور جہانگیری میں فارسی کی پہلی لغات ''فرہنگ رشیدی'' اور دوسری لغات عربی و فارسی عہد شاہجہانی میں ''منتخب اللغات'' کے نام سے تالیف کی ۔

دہلی کے مغل سلاطین سندھ میں علوم و فنون کی ترقی و اشاعت میں گزشتہ حکمرانوں پر سبقت لے گئے ۔ عہد مغلیہ میں جتنے بھی مغل گورنر ٹھٹھے میں مسند نشین رہے تقریباً سب کے سب فارسی کے اسکالر اور علم و ادب کے سرپرست تھے ۔ ان کے عہد گورنری میں میر عبدالرزاق مشرک فارس سے ، عبدالجلیل بلگرامی ، غلام علی آزاد کے چچا سید محی الدین بلگرامی ہندوستان سے آئے اور مغل حاکموں کی نظر عنایت اور داد و دہش سے نہال ہوئے ۔

سندھ میں اردو کی ابتداء

سرزمین سندھ ہزاروں سال سے قدیم تہذیب و تمدن کا گہوارہ ، مختلف قوموں اور زبانوں کا مولد و مسکن رہا ہے ۔ اردو زبان کی کہانی ہندوستان میں ہزاروں سال پیشتر اس وقت سے شروع ہوتی ہے جب آریا وسط ایشیا کے میدانوں سے اتر کر پنجاب کی راہ (ملتان) سے ہندوستان آئے ۔ وہ علاقہ جہاں آرین اقوام نے پہلے پہل قدم رکھا ملتان کا علاقہ تھا ۔ اس وقت ملتان سندھ کا ایک اہم خطہ تھا[1] ۔ اس زمانے میں آریا قوموں کی زبان سنسکرت تھی ۔ اردو زبان کا اصل سرچشمہ یہی آریائی سنسکرت ہے جو بعد میں پراکرت (ہندی) پھر برج بھاشا کے نام سے موسوم ہوئی[2] ۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہےکہ اسلام سے بہت پہلے سے عرب ، عجم، مشرق وسطیٰ اور دوسرے اسلامی ممالک سے سندھ کے ساتھ تجارتی و اقتصادی تعلقات رہے ۔ اس بنا پر بحری راستے کے ذریعے سندھ و ہند میں

---

۱ ۔ ارض ملتان ، ص ۲۱ ۔

۲ ۔ اردو زبان کی کہانی ، مولوی عبدالحق ، ص ۱۱ ۔

Marfat.com

ان قوموں کی آمد و رفت اور مختلف زبانوں میں بول چال کا آغاز ہو چکا تھا[1] ۔

۹۳ھ مطابق ۷۱۲ء میں محمد بن قاسم کی فتح سندھ کے بعد سندھ میں اسلامی حکومت کا قیام عمل میں آیا ۔ اس زمانے میں ہندوستان کے مختلف علاقوں اور صوبوں مثلاً پنجاب میں پنجابی ، سرحد میں پشتو ، بنگال میں بنگالی ، مہاراشٹر میں مرہٹی ، مدراس میں تامل تلنگی مالابار میں ملیالم ، ملتان میں ملتانی اور سندھ میں سندھی الگ الگ بولیاں تھیں لیکن اردو پشاور سے لے کر راس کماری تک مشترکہ زبان کی حیثیت سے بولی جاتی تھی یہ اور بات ہے کہ اس وقت اس زبان کی ہیئت و صوت وہ نہیں تھی جو آج ہے یعنی اس زبان کو قدیم ہندی یا پراکرت کہتے تھے[2] ۔ یہ زبان کسی نہ کسی شکل میں ملتان اور سندھ میں بھی موجود تھی ۔

جیسا کہ اوپر کی سطروں میں عرض کیا جا چکا ہے کہ عربوں کی آمد سے سندھ و ہند میں نہ صرف مسلم تہذیب و معاشرت کا چراغ روشن ہوا بلکہ عربی زبان و ادب اور علوم و فنون کا چشمہ بھی پھوٹا ۔ ۱۰۰۰ء میں سلطان محمود غزنوی کی فتوحات کے بعد سندھ میں فارسی کا آغاز ہوا ۔ اس کے بعد ارغون ، ترخان ، مغل حکمرانوں (یعنی سندھ میں سمہ ، سومرا ، ارغون ، ترخان ، مغل ، کلہوڑا ، تالپور) کے عہد تک (انگریزوں کے قیام سلطنت سے پہلے) فارسی نہ صرف سرکاری و دفتری زبان رہی بلکہ علم و ادب کی زبان بھی ثابت ہوئی ۔ فارسی کو مسلم تہذیب و ثقافت کی علامت سمجھا جاتا تھا ۔ اس طرح فاتح و مفتوح قوموں کے میل جول اور اختلاط و ارتباط سے مجموعی طور پر جس زبان نے جنم لیا اس کا نام ہندی یا ہندوی پڑ گیا ۔ بعد میں ہندوستان کی نسبت سے ہندوستانی قرار پایا[3] ۔ پھر وہ وقت آیا جب مسلمانوں نے عہد

---

۱ ۔ نقوش سلیمانی ، ص ۴ ۔
۲ ۔ اردو زبان کی کہانی ، ص ۱۳
۳ ۔ نقوش سلیمانی ، ص ۹۹ ۔

Marfat.com

جہانگیری میں فارسی کے ساتھ ہندی کو رواج دیا اور اس کا نام ریختہ رکھا ۔ بقول مولوی عبدالحق ''یہیں سے اردو کی ابتداء ہوتی ہے''[۱] ۔

اس طویل مدت میں یعنی عہد محمد بن قاسم سے لے کر عہد شاہجہانی تک اردو مختلف صورتوں میں بدلتی رہی اور جب یہ زبان سنسکرت ، پراکرت ، بھاشا ، ہندی ریختہ کے ناموں سے گزر کر اس منزل پر پہنچی جب اس میں عربی ، فارسی ، ترکی ، فرانسیسی ، پرتگالی اور انگریزی وغیرہ کے بیشمار الفاظ و محاورات شامل ہو گئے تو ان تمام زبانوں کے روابط سے جس ایک زبان نے جنم لیا اس کا نام شاہجہان کے عہد میں پہلے اردوئے معلیٰ پھر اردو ہو گیا[۲] ۔

اردو کی جائے پیدائش سے متعلق محققین و مؤرخین کی آرا مختلف ہیں ۔ محمود شیرانی نے پنجاب کو (پنجاب میں اردو) نصیرالدین ہاشمی نے دکن کو (دکن میں اردو) حامد حسن قادری نے دلی و نواح دلی کو (داستان تاریخ اردو) رام بابو سکسینہ نے گجرات کو (تاریخ ادب اردو) مولوی عبدالحق نے دوآبہ گنگا جمنا کو (اردو زبان کی کہانی) شیخ اکرام الحق نے ملتان کو (ارض ملتان) اور پیر حسام الدین راشدی نے سندھ کو (مقالہ اردو کا مولد سندھ مطبوعہ رسالہ اردو کراچی اپریل ۱۹۵۱ء) اردو کا مولد بتایا ہے[۳] ۔

---

۱ ۔ اردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا کام ، ص ۱۶ ۔

۲ ۔ داستان تاریخ اردو ، ص ۱۲ ۔

۳ ۔ راقم الحروف (وفا راشدی) نے اپنی کتاب ''بنگال میں اردو'' (ص ۴) میں ناطق لکھنوی کے حوالے سے یہ لکھا ہے ''اردو کو ایک ایسا سرچشمہ تصور فرمائیے جو شمالی ہند کے پہاڑوں سے جاری ہوا ، دہلی میں آ کر دریا بنا ۔ اس دریا سے بیسیوں شاخیں نکلیں ۔ ایک بنگال کو گئی ایک بہار کو ایک اودھ اور ایک گجرات کو ۔ یہاں یہ شاخ تمام دکن میں پھیل کر ایک سمندر بن گئی ۔ اودھ

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

Marfat.com

پیر حسام الدین کا یہ نظریہ کہ ''سندھ، اردو کا مولد ہے'' اب تک کی تحقیقات کی روشنی میں درست معلوم ہوتا ہے اس کی تصدیق مولانا سلیمان ندوی کے ان الفاظ سے ہوتی ہے۔

''ہندوستان کی متعدد زبانوں کا پہلا گہوارہ سندھ ہے جس کو آج ہم اردو کہتے ہیں اس کا ہیولیٰ اسی وادی سندھ میں تیار ہوا ہو گا''[1]

راشدی صاحب اور ندوی صاحب کے مذکورہ بالا بیانات کو علامہ نیاز فتحپوری جیسے چوٹی کے محقق اور یگانۂ روزگار نقاد کے حسب ذیل خیالات سے مزید تقویت پہنچتی ہے۔

''اس سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں کہ اردو کی بنیاد سب سے پہلے وہ حملہ تھا جو شاہان اسلام[2] نے ہندوستان پر کیا۔ میرے نزدیک وہ اولین تخم ریزی تھی جو عرصہ تک عدم آبیاری کی وجہ سے کوئی نتیجہ پیدا نہ کر سکی لیکن بعد کو جب رفتہ رفتہ شاہان اسلام نے یہاں قیام کر کے مستقل سلطنتیں بنائیں اور باہمی میل جول بڑھنے لگا تو اس تخم کی نشو و نما کے آثار شروع ہوئے اور برج بھاشا میں (جو خود آرین اقوام کی اصل زبان سنسکرت اور ہندوستان کے اصل باشندوں کی زبان سے مل کر تیار ہوئی تھی) فارسی و ترکی الفاظ کی آمیزش اس حد تک ہوگئی

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

میں جو شاخ پہنچی اس کے پانی کو تمام ہندوستان خصوصاً آگرہ اور دہلی کے ادیبوں اور شاعروں نے جمع ہو کر لکھنؤ میں صاف کیا اور صاف کر کے تمام ملک میں نہریں دوڑا دیں''۔ (نظم اردو ص ۱۵)۔

۱۔ نقوش سلیمانی، ص ۳۱۔

۲۔ اس خیال کی تائید محمود شیرانی کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے۔ ''اس زبان کا وجود اس زمانے سے ہے جب مسلمان ہندوستان میں آباد ہوئے۔'' (پنجاب میں اردو ص ۹)۔

Marfat.com

کہ آخرکار خلجیوں کے عہد میں اس درخت کی سب سے پہلی کلی امیر خسرو کی صورت میں نمودار ہوئی'''

علامہ نیاز فتحپوری کے ان خیالات کی روشنی میں کئی باتیں واضح ہوکر سامنے آتی ہیں :

(۱) شاہان اسلام کا سب سے پہلا حملہ سندھ کے راستے ہندوستان پر ہوا اور سندھ ہی ان کی حکومت کا مرکز ہے۔

(۲) آرین قوموں نے سب سے پہلے ہندوستان کے جس خطے میں سکونت اختیار کی وہ سندھ یا ملتان کا خطہ تھا۔

(۳) مسلمان بادشاہوں کے تقریباً ہر عہد میں سندھ یا ملتان علوم و فنون اور شعر و ادب کا مرکز رہا۔

(۴) امیر خسرو سندھ میں آئے اور پانچ سال ملتان میں قیام کیا۔ ان کے قیام سے سندھ اور ملتان کی زبان اور اس کے ادب کو یقیناً آبیاری کا موقع ملا۔

''سندھ میں اردو کا پہلا فقرہ'' کس طرح وجود میں آیا اس کی تاریخ سے متعلق مولانا اعجاز الحق قدوسی رقمطراز ہیں ''سندھی سلطان فیروز کے ٹھٹھہ سے ناکام گجرات جانے کے بعد اپنی کامیابی کو سندھ کے مشہور بزرگ حضرت پیر پٹھو کی کراست قرار دیتے ہوئے کہا کرتے تھے :

برکت شیخ پٹھا ، اک موا اک نٹھا [۲]

---

۱ - مقالہ ''اردو شاعری پر تاریخی تبصرہ'' نگار لکھنؤ جنوری ۱۹۳۵ء۔

۲ - پنجاب میں اردو (ص ۸) میں اس فقرے کو شمس سراج عفیف کی روایت سے نقل کیا گیا ہے۔ ''آٹھویں صدی ھجری کا ایک فقرہ جو فیروز شاہ خلجی ۷۵۲ھ و ۷۹۰ء کے حملہ سندھ سے تعلق رکھتا ہے۔ تاریخ فیروز شاہی میں شمس سراج عفیف یوں نقل کرتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

Marfat.com

"اک سوا" سے ان کا اشارہ سلطان محمد تغلق کی طرف تھا ۔ جس نے ٹھٹھے ہی میں وفات پائی تھی ۔ اک نٹھا سے ان کا اشارہ سلطان فیروز کی طرف تھا جو ٹھٹھے سے ناکام گجرات کی طرف چلا گیا تھا ۔ کہا جاتا ہے کہ نثر میں یہ اردو کا پہلا فقرہ ہے جو سندھ میں بولا گیا [۱] ۔

گزشتہ صفحات کے مطالعہ سے ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے عہد حکومت میں منصورہ (بکھر سندھ) اور ملتان کو زبان و ادب اور علوم و فنون کے اعتبار سے مرکزیت کا درجہ حاصل تھا ۔ سندھ اور ملتان زمانہ قدیم سے تاریخی تہذیبی و ثقافتی طور پر ایک دوسرے سے بہت قریب رہے ۔ اس زمانے میں سندھ میں جو سندھی اور اردو بولی جاتی تھی وہ ملتانی یا سرائیکی [۲] سے بہت قریب تھی ۔ اس زبان کے نمونے چھٹی صدی ھجری (بارھویں صدی عیسوی) کے اہل اللہ و صوفیاء کے کلام میں ملتے ہیں ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

برکت شیخ تھیا اک سوا اک نہا

نقوش سلمانی (ص ۲۵۹) میں مولانا سلیمان ندوی نے اس فقرے کو اس طرح نقل کیا ہے :

برکت شیخ تھیا ، اک سوا ، اک تہا

محققین اس فقرے کے دو لفظوں کے بارے میں اختلاف رکھتے ہیں جیسا کہ اوپر کی نقلوں سے ظاہر ہے ۔ سندھ کے نامور درویش صفت استاد کامل ، ممتاز محقق اور جید عالم ڈاکٹر غلام مصطفے خاں کی جدید تحقیق کے مطابق وہ فقرہ صحیح ہے جسے مولانا قدوسی نے تاریخ سندھ حصہ اول کے ص ۳۰۲ پر درج کیا ہے ۔ یعنی

برکت شیخ پٹھا ، اک سوا اک نٹھا

(حاشیہ مقدمہ ، سندھ کے جدید اردو شعرا) ص ۱۲

۱ ۔ تاریخ سندھ حصہ اول ، ص ۳۰۲ ۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

Marfat.com

ہم اس زمانے کے جس صوفی و عارف شاعر کو سرزمین سندھ سے منسوب کر سکتے ہیں وہ حضرت بابا فرید شکر گنج (۵۶۹ - ۶۶۴ھ - ۱۱۷۳ - ۱۲۶۵ء) ہیں - ان کے اشعار میں ملتانی سرائیکی کے علاوہ عربی، فارسی اور ہندی کی آمیزش بھی نمایاں ہے - ان کے سرائیکی کلام کا تتبع بعد کے صوفی شعرائے سندھ مثلاً سچل سرمست، قادر بخش بیدل، روحل فقیر اور محسن بیکس وغیرہ نے بڑی دل‌آویزی و دلکشی کے ساتھ کیا ہے -

بابا فرید کا نمونہ کلام

ملتانی = چو تنہا روی زیر ایہو زمیں
نیک عمل کن کہ ایہہ ڈات ہے[۳]

(چونکہ اس زمین کے نیچے تنہا جانا ہے اس لیے نیک عمل کرو کیونکہ یہی خیرات ہے)- یہ غزل ریختہ میں ہے- اب فارسی آمیز اشعار دیکھیے:

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

۱ - پیر حسام الدین راشدی - ''سرائیکی یا سریلی جو سندھ کے مشرق حصہ میں بولی جاتی ہے، جس میں بہاولپور کا علاقہ بھی شامل ہے'' - (سندھی ادب ص ۹) -
شیخ اکرام الحق - ''ملتانی کو سرائیکی کہا جاتا ہے چونکہ یہ زبان و ادب سندھ کے صدر مقام کی زبان تھی اس لیے سندھ کے باجگزار علاقے اسے سرائیکی کے نام سے پکارتے تھے'' - (ارض ملتان ص ۳۵۶، ۳۵۷) -

۲ - ولادت ۵۶۹ھ/۱۱۷۳ء (ارض ملتان ص ۳۹) -
ولادت ۵۶۹ - ۶۶۴ھ/۱۱۷۳ - ۱۲۶۵ء وفات - (اردو کی نشو و نما میں صوفیا کا کام، ص ۱۳) -
داستان تاریخ اردو ص ۱۸ پر بابا فرید کا سن ولادت ۵۸۲ھ/۱۱۸۶ء درج ہے جو درست نہیں معلوم ہوتا -

۳ - ارض ملتان ص ۳۹۱ -

Marfat.com

وقت سحر وقت مناجات ہے　　خیز دران وقت کہ برکات ہے
نفس مبادا کہ بگوید ترا　　خسپ چہ خیزی کہ ابھی رات ہے[1]

امیر خسرو (۶۵۳ - ۷۲۵ھ/۱۲۵۵ - ۱۳۲۵ء)[2] حضرت سلطان اولیاء نظام الدین محبوب الٰہی کے مرید و تربیت یافتہ تھے ۔ امیر خسرو نے غیاث الدین بلبن سے سلطان محمد تغلق تک کے گیارہ سلاطین دہلی کے عہد دیکھے ۔ فارسی کے علاوہ ہندی میں گیت ، دوہے اور ریختہ میں غزلیں کہیں ۔ ان کے فارسی و ہندی کلام کے امتزاج کے باعث ریختہ وجود میں آئی ۔ ان کے کئی دواوین موجود ہیں ۔ مورخوں اور محققوں کی متفقہ رائے ہے کہ امیر خسرو نے آج کی اردو زبان کی بنیاد رکھی اس لیے ان کو اردو کا پہلا شاعر تسلیم کیا جاتا ہے[3] ۔

امیر خسرو ۶۸۴ھ (۱۲۸۴ء) میں ارغون ترخان ہلاکو خان اور شاہزادہ محمد سلطان کی جنگ کے پرآشوب دور میں سلتان پہنچے وہاں پانچ سال قیام کیا ۔ اس عرصہ میں (۶۸۶ھ/۱۲۸۶ء) غیاث الدین فوت ہوگیا ۔ ۶۸۸ھ (۱۲۸۸ء) میں ملتان کی عنان حکومت جلال الدین فیروز خلجی کے ہاتھ میں آ گئی[4] ۔ امیر خسرو نے پنجاب ملتان اور سندھ کا دورہ کیا ۔ خسرو کے فکر و فن پر ان علاقوں کی زبانوں کے اثرات مرتب ہوئے جس کا اندازہ امیر خسرو کے اس شعر سے کیا جا سکتا ہے :

منکہ بر سر نمی نہادم گل　　بار بر سر نہاد و گفتا جل[5]

(جل ، نرم جیم ج کے ساتھ ملتانی میں چلنے کو کہتے ہیں) ۔

---

۱ ۔ اردو کی نشوونما میں صوفیا کا کام ، ص ۱۱ ۔ داستان تاریخ اردو ، ص ۱۹ ۔
۲ ۔ داستان تاریخ اردو ، ص ۲۰ ۔
امیر خسرو ۱۲۵۳ - ۱۳۲۵ء نگار لکھنؤ اردو شاعری نمبر ۱۹۳۵ء ، ص ۲۲۵ ۔
۳ ۔ تاریخ ادب اردو ، رام بابو سکسینہ ص ۱۶ ، ۱۷ ۔
۴،۵ ۔ ارض ملتان ص ۵۷ تا ۵۹ ۔ ص ۳۹۲ ۔

Marfat.com

سندھ میں اردو کی ترقی کا ابتدائی دور

امیر خسرو کو اردو کا سب سے پہلا شاعر مانا جاتا ہے لیکن باقاعدہ اردو شاعری کی ابتدا گیارھویں صدی ہجری اور سولھویں صدی عیسوی میں پہلے دکن میں ، بعد میں شمالی ہند میں ہوئی ۔

زبان و بیان اور اسلوب نگارش کے لحاظ سے اردو شاعری کی ترقی کا یہ ابتدائی دور شعرائے متقدمین کے دو ادوار پر مشتمل ہے ۔ طبقہ متقدمین کا پہلا دور ۱۵۵۰ء سے ۱۷۰۰ء تک اور دوسرا دور ۱۷۰۰ء سے ۱۷۵۰ء تک کے شعرائے دکن پر پھیلا ہوا ہے ۔

یہ زمانہ تاریخی اعتبار سے شہنشاہ اکبر (— - ۱۰۱۴ھ/۱۵۵۶ - ۱۶۰۵ء) سے محمد شاہ (۱۱۳۱ - ۱۱۶۱ھ/۱۷۱۹ - ۱۷۴۸ء) کے عہد تک محیط ہے ۔

دور اول کا آغاز سلاطین قطب شاہی ، عادل شاہی اور والیان گول کنڈہ و بیجا پور سے ہوتا ہے ۔ اس دور کے شعراء کی غزلیں عاشقانہ جذبات اور عارفانہ خیالات کی آئینہ دار ہیں لیکن ان کی زبان میں دکنی الفاظ کی آمیزش کثرت سے ہے ۔ سلطان محمد قطب شاہ (۱۶۱۲ - ۱۶۲۶ء) اس دور کا سب سے مشہور شاعر ہے ۔ طرز زبان و بیان کا اندازہ ان اشعار سے کیا جا سکتا ہے :

قطب شہ نہ دے مجھ دوانے کو پند
دوانے کو کچ پند دیا جائے نا
پیاسا نونا سن ہمارا بھنایا
نزاکت عجب سبز رنگ میں دیکھایا

طبقہ متقدمین کے دور دوم کا سب سے نامور اور اردو کا پہلا صاحب دیوان شاعر ولی دکنی (گجراتی) (۱۰۷۹ - ۱۱۵۵ھ) گزرا ہے ۔ اس کے زمانے میں اردو زبان صاف اور روزمرہ کے قریب ہوگئی ۔ خیال میں ندرت اظہار میں جدت آنے لگی ۔ ولی کا یہ شعر دیکھیے کتنا صاف اور بامحاورہ ہے ۔

مفلسی سب بہار کھوتی ہے　　　مرد کا اعتبار کھوتی ہے

Marfat.com

جس زمانے میں ہند میں قطب شاہ کا طوطی بول رہا تھا اسی زمانے میں سندھ میں بھی اردو کے ایک باکمال سخنور موجود تھے ۔ جن کا نام میر محمد بکھری اور تخلص فاضل تھا ۔ فاضل دربار شاہ اکبر اعظم کی ایک برگزیدہ شخصیت اور اعلیٰ منصب دار میر محمد معصوم نامی بکھری (مصنف تاریخ معصومی) کے چھوٹے بھائی تھے ۔ محترمی پیر حسام الدین راشدی اپنے ایک مقالہ میں تحریر فرماتے ہیں :

"میر فاضل ہندی کا شاعر تھا ۔ اپنے زمانے میں اس کا کلام بہت مقبول تھا"[۱] ۔

حقیقت یہ ہے کہ میر محمد فاضل بکھری (ہمعصر قطب شاہ دکنی) کے کلام کی شہرت و مقبولیت سندھ سے نکل کر دلی تک پہنچ گئی تھی ۔ شیخ فرید بکھری نے اپنی یادگار تصنیف ذخیرۃ الخوانین میں فاضل کا ذکر ان توصیفی الفاظ میں کیا ہے :

"شعر بزبانِ ہندی از قسمِ کافی بکمال فصاحت میگفت و قبولیت داشتہ" ۔ (ذخیرۃ الخوانین)

اسی طرح قطب شاہ (۹۸۸ - ۱۰۲۰ھ) سے ولی دکنی (۱۰۷۹ء - ۱۱۵۵ء) تک کے درمیانی عرصے میں سندھ میں ایک اور قادرالکلام صاحب دیوان شاعر کا سراغ ملتا ہے ۔ وہ ہیں ملا عبدالحکیم عطا ٹھٹھوی ۔ عطا ٹھٹھوی (۱۰۴۰ - ۱۱۴۰ھ) نے سو سال عمر پائی ۔ شاہجہان ۱۰۳۷ - ۱۰۶۹ھ/۱۶۲۸ - ۱۶۶۶ء) سے محمد شاہ (۱۱۳۱ - ۱۱۶۱ھ/ ۱۷۱۹ - ۱۷۴۸ء) تک کے چھ شاہان مغلیہ کے دور دیکھے ۔ گرچہ ان کی زبان ہندی آمیز اور فارسی آمیز ہے لیکن ان کی شاعری بہرحال اردو کی شاعری ہے مثلاً :

ز خود خون جگر پینا و جینا
ہر درد و داغ ہم آغوش رہنا

---

۱ ۔ مقالہ سندھ کے اردو شعراء مطبوعہ سہ ماہی اردو کراچی اکتوبر ۱۹۵۱ء ۔

Marfat.com

آشنا بیگانہ ، یار اغیار گشت
خود حقوق ما ہمہ برباد ہے[1]

میرے خیال میں عطا ٹھٹھوی سندھ میں اردو کے پہلے صاحب دیوان شاعر ہیں۔[2]

فائز اور ورو بھی ٹھٹھہ کے رہنے والے تھے۔ عبدالسبحان فائز ٹھٹھوی کے بارے میں صاحب مقالات الشعراء نے لکھا ہے :

''ایہام ہندی خوب نویسد ۔۔۔۔ شعر ہندی و پارسی خوب گفتہ ، اکثر آن در مناقب و مرثیہ واقع''[3]

شیخ ورو ٹھٹھوی نواب صبغت اللہ خان کے عہد صوبہ داری (۱۷۳۰ - ۱۷۳۴ء/۱۱۴۲ - ۱۱۷۳ھ) میں ٹھٹھے میں سوجود تھے ۔ مقالات الشعراء میں ان کا ذکر ان الفاظ میں آیا ہے :

''شیخ ورو از قبیلہ منصبداران جوانی صاف طبیعت بودہ ، در باب مفتیٔ بلدہ ہجو بسیار کردہ :

الا یا ایها المفتی شدہ ریش تو جنگلها
اکھارون بال یک یک کر بناوں خوب کملها''[4]

اس زمانے میں سرکاری و دفتری زبان فارسی تھی۔ سندھی مقامی زبان تھی لیکن اردو بھی عوام میں رواج پانے لگی تھی ۔ مدرسوں اور

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

۱ ۔ پہلا شعر ایک غزل کا ہے ۔ دوسرا شعر اس نظم ''شہر پرآشوب'' سے منقول ہے جو اورنگ زیب عالمگیر کے عہد انحطاط و انتشار سے تعلق رکھتی ہے ۔

۲ ۔ دیوان عطا ۔ مرتبہ راشد برہانپوری سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد نے شائع کیا ہے ۔

۳ ۔ مقالات الشعراء ، ص ۴۸۳

۴ ۔ ایضاً ، ص ۸۲۸

Marfat.com

مکتبوں بلکہ گھروں میں ابتدائی تعلیم عربی ، فارسی کے علاوہ اردو میں باقاعدہ رائج ہو گئی ۔ اردو کو اتنی مقبولیت حاصل ہوئی کہ کچھ ہی عرصے بعد اردو میں شعر و شاعری کے علاوہ مضامین اور کتابیں لکھی جانے لگیں ۔ ٹھٹھہ ، بکھر ، سیوہن ، بوبک ، روھڑی ، حیدرآباد وغیرہ جو اسلامی علوم و فنون اور فارسی ادبیات کے مراکز تھے ، اردو شعر و ادب کی نشو و نما میں بھی پیش پیش تھے ۔ اس عرصہ میں جو مغل صوبہ دار اور اعلیٰ منصب دار سندھ میں تعینات ہوئے وہ تقریباً سب کے سب اہل علم اور اہل ذوق تھے ۔ انہوں نے فارسی کے ساتھ ساتھ اردو شعر و ادب کی ترقی و اشاعت میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ۔ شعراء و ادباء کی ایسی قدردانی و پذیرائی ہوئی کہ بعض مشہور و ممتاز اہل علم و اہل سخن ہندوستان سے سندھ آئے بعض نے سندھ کو اپنا وطن بنا لیا اور خاک سندھ میں آسودگی حاصل کی ۔

میر جعفر علی بینوا ، نواب مہابت خان کاظم صوبہ دار ٹھٹھہ کے عہد (۱۱۳۲ - ۱۱۳۵ھ/۱۷۱۹-۱۷۲۲ء) میں ہندوستان سے ٹھٹھہ پہنچے ۔ شعرائے اردو کے بعض تذکروں میں ان کا تذکرہ موجود ہے ان کا ایک شعر بطور نمونہ پیش خدمت ہے :

بے نوا ہوں زکواۃ حسن کی دے
او میاں مالدار کی صورت

محمد سعید راہبر گوالیاری ، نواب سیف اللہ خان کے عہد گورنری میں ٹھٹھہ میں مقیم تھے ۔ بقول میر علی شیر قانع اردو اور فارسی میں شعر کہتے تھے اور خوب کہتے تھے ۔

"شعر ہندی بسیار گفت و خوب می گفت"[1]

سید محمود صابر رضوی استرآبادی ٹھٹھوی دلی میں پیدا ہوئے ۔ ۱۱۴۰ھ (۱۷۲۷ء) میں اپنے والد کے ساتھ ٹھٹھہ آئے اور یہیں سکونت پذیر ہوئے ۔ بقول قانع :

---

۱ ۔ مقالات الشعراء ، ص ۲۴۲ ۔

Marfat.com

"بزبان ہندی و پارسی دیوانہا متعدد در مرثیہ و در غزلیات و مناقب درست کرد"[1] ۔

بلگرامی سادات کے علماء ، مورخین ، وقائع نویس اور شعراء و ادباء نے بھی سندھ میں گرانقدر خدمات انجام دی ہیں۔ علامہ میر عبدالجلیل واسطی بلگرامی ، ان کے لائق فرزند علامہ سید محمد ان کے شاگرد رشید علامہ غلام علی آزاد سید محمد اشرف اور سید کرم اللہ وغیرہ اپنے وقت کے بلند پایہ عالموں ، اردو اور فارسی کے جلیل القدر ارباب علم و فکر میں شمار ہوتے تھے[2] ۔

میر عبدالجلیل بلگرامی (۱۰۷۱ - ۱۱۳۸ھ/۱۶۶۱ - ۱۷۲۵ء) کے بارے میں پروفیسر مولانا حامد حسن قادری مرحوم رقمطراز ہیں "علامہ جلیل شاعر بے بدل گزرے ہیں ۔ ان کے ایک فارسی قصیدے میں عربی ، فارسی ، اردو تینوں زبانوں میں تاریخیں ملتی ہیں ۔ اردو کی تاریخ کا شعر یہ ہے ع

اسیس دے کے کہی ہندوی سوں یوں لغت
رہے جگت سوں اجل باس یہ وزیر سدا[3]

۱۱۳۴ھ

متقدمین کا دور دوم و سوم اور متوسطین کا دور اول ۱۷۰۰ سے ۱۸۰۰ء تک شعرائے دکن اور شعرائے دہلی سے متعلق ہے ۔ اس صدی

---

۱ ۔ مقالات الشعراء ، ص ۳۵۴ ۔

۲ ۔ مقالہ "سندھ میں اردو کے آثار قدیمہ "تلخیص" تاریخ اردو سندھ "تحریر افسر صدیقی امروہوی" مطبوعہ رسالہ اردو حیدرآباد دکن اکتوبر ۱۹۳۷ء ۔ اس مقالہ کا ایک قلمی نسخہ محترمی افسر صدیقی کی عنایت سے راقم السطور کے نجی کتبخانے میں موجود ہے ۔

۳ ۔ داستان تاریخ اردو ، ص ۳۵ ، ۳۶ ۔ پروفیسر حامد حسن قادری فن تاریخ گوئی میں مستند سمجھے جاتے تھے اس لیے ان کا یہ ارشاد بلا شبہہ سند کا حکم رکھتا ہے ۔

Marfat.com

کے شعرائے ہند سے ان کے ہمعصر شعرائے سندھ کا تقابلی جائزہ آئندہ صفحات (عہد کلہوڑا) میں پیش کیا جائے گا ۔

عہد کلہوڑا (۱۱۳۲ - ۱۱۹۶ھ)/ ۱۷۱۹ - ۱۷۸۲ء) :

سندھی : عہد کلہوڑا سندھی زبان و ادب کے لیے ''عہد زرین'' کہلاتا ہے ۔ اس عہد سے پہلے سندھی زبان عام بول چال تک محدود تھی ۔ اس عہد میں اسے علمی و ادبی حیثیت حاصل ہوئی ۔ عباسی کلہوڑوں کے دور میں دفتری زبان فارسی تھی لیکن کلہوڑوں کی زبان سندھی تھی ۔ انہوں نے سندھی زبان اور اس کے ادب کی نشو و نما میں نمایاں حصہ لیا ۔ تاجدار سندھ میاں سرفراز خان فارسی کے علاوہ سندھی کا جلیل‌القدر شاعر تھا ۔ اس کا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے سندھی میں نعت گوئی کی طرح ڈالی اس کے مناقب و مناجات آج تک سندھ میں زبان زد خاص و عام ہیں ۔

شاہ عبداللطیف بھٹائی جیسے عظیم المرتبت ولی اللہ اس دور کے سب سے ممتاز شاعر تھے ۔ ان کا لازوال و بے مثال شاہکار ''شاہ جو رسالو'' اسی دور کی تخلیق ہے ۔ انہوں نے سندھی زبان و ادب کو نئے رجحانات و خیالات اور نئے الفاظ و محاورات سے مالا مال کیا ۔ عمر ماروی ، لیلیٰ چنیسر ، سسی پنوں ، مومل رانو ، سر کا رایل ، سر کا موڈ ، جام تماچی اور سوہنی مہینوال وغیرہ جیسی غیر فانی منظوم رومانی و عشقیہ داستانوں سے عظیم ادب کا مقام عطا کیا ۔ حمد و مناجات اور وائی جیسی اصناف کی تصنیف سے سندھی ادب میں اسلامی سوچ اور روحانی فکر دیا ۔

حمد ، مناجات ، نعت کے علاوہ وائی (کافی) مرثیہ ، مثنوی، قصیدہ، منقبت اور میلادالنبی جیسی اصناف سخن کی ایجادات کا سہرا اسی دور کے سر ہے ۔ اسلامی تصوف کے ساتھ ساتھ ہندو ویدانت ، جذبۂ حب‌الوطنی اور عارفانہ مضامین شعروں میں شامل ہوئے ۔ اس ضمن میں روحل فقیر ، شاہ عنایت رضوی (متوفی ۱۱۶۰ھ) میاں عیسیٰ بالائی (متوفی ۱۱۶۳ھ) خواجہ محمد زمان لواری والے (۱۱۲۵ - ۱۱۸۸ھ) پیر محمد بقا (متوفی

Marfat.com

۱۱۹۸ھ) صاحب ڈنہ فقیر (۱۱۰۱ - ۱۱۹۹ھ) مخدوم عبدالرؤف بھٹی ہالا کنڈی (متوفی ۱۱۹۹ھ) جیسے شعرائے باکمال اور بزرگان کامل کے اسمائے گرامی سندھی ادب کی تاریخ میں زندۂ جاوید رہیں گے۔

عوامی شاعری بھی اس دور کی پیداوار ہے۔ طالب، حبیب، شاہ حسین، ہلال، منگیل، سید، محمود، قطب، جونیجو، بلاوی، شریف، کسیر، بڈھو، لکھمیر، کھٹی، لطف اللہ اور قاسم نامی عوامی شاعروں نے دیہاتوں اور قصبوں میں رہنے والے عوام کے دلوں کو اپنے سریلے بول اور روح میں اتر جانے والے نغمات لطیف سے سوہ لیا۔

سندھی نظم کی پہلی کتاب ''مقدمۃ الصلواۃ'' کے نام سے منصۂ شہود میں آئی جس کی تصنیف کا سہرا ۱۱۱۲ھ (۱۷۰۰ء) اس عہد کے سخنور مخدوم ابوالحسن ٹھٹھوی (المتوفی ۱۱۶۳ھ) کے سر ہے۔ اس کتاب میں نماز، روزہ، حج، زکواۃ اور روزمرہ زندگی کے دوسرے مسئلے مسائل نہایت آسان زبان اور سادہ پیرائے میں بیان کیے گئے ہیں۔ ابوالحسن نے سندھی کے جدید خط کی بھی بنیاد رکھی۔ (تذکرہ مشاہیر سندھ، ص ۱۲۴، ۱۲۵)۔

عہد کلہوڑا سے پہلے سومرو اور سمہ عہد میں سندھی میں نثرنگاری کی ابتدا ہو چکی تھی لیکن باقاعدہ سندھی نثر کی ایسی کتاب جو علمی و ادبی افادیت کی حامل ہو وہ قرآن کریم کا سندھی ترجمہ تھی۔ اس کتاب کے مترجم اپنے وقت کے مقتدر عالم اور عارف باللہ بزرگ اخوند عزیزاللہ متعلوی تھے۔ (سندھ کی ادبی تاریخ، ص ۲۰۶)۔

مخدوم عبدالرحیم گروہری (المتوفی ۱۱۹۲ھ-۱۷۷۸ء) نے سندھی نثر و نظم میں زیادہ صاف سلیس اور رواں طرز کی داغ بیل ڈالی۔ ان کی نثر و نظم کی تصانیف میں مکتوبات، فتح الفضل اور ابیات سندھی، ادبیات سندھی میں گراں قدر اضافہ ثابت ہوئیں۔
(سندھی نثر کی تاریخ، ص ۵-۶ — سندھی ادب، ص ۵۸)

اس دور میں اکثر و بیشتر ایسے علمائے دین اور بزرگان ادب گزرے ہیں جو نہ صرف عربی و فارسی علوم و ادبیات پر کامل عبور رکھتے تھے

Marfat.com

بلکہ سندھی نظم و نثر میں بھی سند مانے جاتے تھے ۔ ان ممتاز ہستیوں نے عربی و فارسی کے علاوہ سندھی میں بھی متعدد علمی و ادبی کتابیں تصنیف و تالیف کیں جو نہ صرف درس و تدریس اور اصلاح و تطہیر کے کام آئیں بلکہ علوم و فنون کے فروغ کے لیے بھی مفید و مؤثر ثابت ہوئیں ۔ ذیل میں ہم ایسی چند کتابوں اور ان کے مصنفین کا ذکر کرتے ہیں ۔ یہ تمام کتابیں تقریباً اسلامی عقائد ، اسلامی مضامین و موضوعات اور فقہی و دینی مسائل کے بارے میں لکھی گئی ہیں :

(۱) مخدوم ضیاء الدین ٹھٹھوی (۱۰۹۱-۱۱۷۱ھ) — مخدوم ضیاء الدین کی سندھی ۔

(۲) مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی (۱۱۰۴-۱۱۷۴ھ) — فرائض الاسلام ، راحت المومنین ، زاد الفقیر ، تفسیر پارہ تبارک ، تفسیر پارہ عم ۔

(۳) مخدوم محمد شریف رانیؒ پوری ملکی سندھی (تصنیف ۱۱۶۰ھ)

(۴) مولوی علی اکبر — الموال و سہل الاموال (تصنیف ۱۱۶۲ھ)

(۵) مخدوم عبداللہ ٹھٹھوی — کنز العبرت (تصنیف ۱۱۷۵ھ) قصص الانبیاء ، خزانتہ الابرار ، تنبیہ الغافلین ، خزانتہ الاعظم ، خزانتہ الروایات

(۶) مولانا احمد — ترجمہ روضۃ الشہداء (ترجمہ ۱۱۷۲ھ)

(۷) مخدوم عبدالخالق ٹھٹھوی — مطلوب المومنین (تصنیف ۱۱۷۵ھ)

(۷) مخدوم محمد ابراہیم بھٹی ہالا کنڈی — سندھی محمد ابراہیم (تصنیف ۱۱۷۷ھ)

(۹) مولوی عبدالسلام — شمائل نبوی (تصنیف ۱۲۰۹ھ)

Marfat.com

(۱۰) مولانا محمد حسین　　　ترجمہ قصص الانبیاء ، تصنیف سیر بستان (۱۱۷۷ھ)

عربی : کلہوڑوں کے عہد میں عربی زبان اور علم و ادب کو فروغ ہوا ۔ اس دور میں صرف شہر ٹھٹھہ میں چار سو کالج مختلف علوم و فنون کے تھے[1] ۔ سندھ کے کئی شہر اور قصبے مثلاً ٹھٹھہ ، سیوہن ، روہڑی ، حیدرآباد ، بوبک ، خدا آباد ، سکھر وغیرہ اسلامی علوم و معارف کے مرکز تھے ۔ عربی و فارسی زبان میں تعلیم اور تحریر کا رواج عام تھا ۔ اکثر ارباب علم و فضل بیک وقت بزرگان دین بھی تھے اور ماہرین علوم بھی ۔ اپنے راسخ اسلامی عقائد اور دینی رجحانات کی بنا پر اسلامی فلسفہ تصوف اور اسلامی علوم و تواریخ سے خاص شغف رکھتے تھے ۔ فارسی کے علاوہ عربی زبان میں تصوف ، فقہ ، حدیث ، منطق ، فلسفہ ، تاریخ تفسیر ، فتاویٰ اور دیگر علوم و فنون سے متعلق ان کی تصنیفات و تالیفات آج بھی طلبہ و اساتذہ اور مدرسین و مفکرین کے لیے مشعل ہدایت کی حیثیت رکھتی ہیں ۔ ان اولیائے کرام اور علمائے عظام کی تعلیمات نے سارے عالم اسلام کو منور کیا ہے ۔ اللہ کے ان نیک اور برگزیدہ بندوں کی خدمات اور کمالات کا سلسلہ طویل ہے ۔ یہاں عربی زبان سے متعلق ان کی علمی خدمات پر اجمالاً روشنی ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے ۔

مخدوم شیخ ابوالحسن کبیر ٹھٹھوی سندھی ثم مدنی ٹھٹھہ میں پیدا ہوئے ۱۱۳۶ھ یا ۱۱۳۹ھ[2] میں مدینہ منورہ[3] میں وفات پائی ۔ مدینہ میں

---

۱ ۔ عہد اورنگ زیب کے ایک انگریز سیاح الیگزنڈر ہملٹن کا بیان ، بحوالہ مسلمانان کراچی و سندھ کی تعلیم ، ص ۹ ۔

۲ ۔ مولانا غلام رسول مہر نے ابوالحسن کبیر کا سن وفات ۱۱۳۴ھ یا ۱۱۳۸ھ تحریر فرمایا ہے ۔ (تاریخ سندھ جلد دوم ص ۱۰۰۰) ۔

۳ ۔ فہرس الفہارس ج ۱ ص ۱۰۳ الجبری ۱ ، ص ۲۷۳ ۔

Marfat.com

ان کا قائم کردہ مدرسہ موسوم بہ ''مدرسة الشفاء'' آج تک قائم ہے۔ اس مدرسے کے کتب خانے میں شیخ ابوالحسن اور ان کے شاگردوں کی لکھی ہوئی کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ محفوظ ہے۔

مخدوم شیخ ابوالحسن فن حدیث و تحقیق کے حافظ، مستند محقق اور صاحب تدقیق تھے۔ صحابی ستر، مسند امام احمد بن حنبل کے ''اذکار نوبہ'' علامہ حجر کی کتاب ''شرح نخبة الفکر'' پر حواشی مرتب کیے۔ یہ کتابیں مصر اور ہندوستان سے شائع ہوچکی ہیں۔ فقہ کی مشہور کتاب ''ہدایہ'' کی شرح کے علاوہ صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ماجہ اور سنن نسائی پر تعلیقات لکھیں [۱]۔

شیخ محمد حیات سندھی ثم مدنی، ساکن عادلپور ضلع سکھر مقیم حجاز (المتوفی ۲۶ صفر ۱۱۶۳ھ - ۱۷۴۲ء) مدفون جنت البقیع[۲] کا شمار اپنے زمانے کے سب سے نامور محدثوں میں ہوتا ہے۔ مولانا شیخ ابوالحسن سندھی اور مولانا عبداللہ بن سالم بصری سے تکمیل تعلیم کی۔ شیخ ابوالحسن کی وفات کے بعد ۲۴ سال تک ان کی مسند پر بیٹھ کر حدیث کا درس دیا[۳]۔ بقول شیخ محمد اکرام ''آپ مسجد نبوی میں صبح کی نماز سے قبل وعظ کہتے اور ایک جم غفیر آپ کے ارشادات سننے کے لیے حاضر ہوتا[۴]۔

شیخ حیات سندھی کے بے شمار شاگردوں میں شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی، شیخ عبدالقادر کوکبانی، شیخ محمد سویدی، شیخ ابوالحسن صغیر سندھی، شیخ محمد فاخر الہ آبادی، شیخ احمد بن عبدالرحمٰن شامی، شیخ محمد سعید، محمد زاہد سورتی، شیخ عبدالخالق یمنی، سید عبدالرحمٰن

---

۱ - سرزمین سندھ میں علم حدیث (قلمی) ص ۹ -
۲ - فہرس الفہارس ج ۱، ص ۳۶۲، سبحة المرجان ص ۹۵، حجج الکرامہ ابجدالعلوم ص ۸۳۹ -
۳ - سرزمین سندھ میں علم حدیث ص ۹ -
۴ - رود کوثر ص ۶۱۵ -

Marfat.com

العید روسی ، نواب مصطفے خاں شیفتہ ، اور سید غلام علی آزاد بلگرامی جیسے مقتدر علمائے کرام کے نام شامل ہیں [۱] ۔

شیخ حیات کی لاتعداد تصانیف میں سے چند اہم کتابوں کے نام یہ ہیں ۔ الاقیاف علی سبب الاختلاف ، رسالہ فی رد بدعتہ التعزیہ ، تحفتہ الانام فی العمل بحدیث النبی (اس رسالہ کی تلخیص میرزا مظہر جان جاناں کی کتاب ''کلمات طیبات'' میں شائع ہوچکی ہے) شرح ترغیب و ترہیب (منذری) دو جلد ، شرح اربعین (نووی اور ملا علی قاری کی) اور النہی عن عشق المردان و اسوان [۲] وغیرہ ۔

شیخ ابو الحسن صغیر سندھی جن کا اصل نام محمد بن صادق تھا ۱۱۲۵ھ میں ٹھٹھہ میں پیدا ہوئے ۔ تصوف میں درجہ کمال حاصل کیا ۔ ۱۱۷۸ھ میں مدینہ منورہ میں وصال فرمایا ۔ جنت البقیع میں آسودہ ہیں ۔

شیخ ابوالحسن صغیر اپنے وقت کے شیخ علم حدیث اور اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے ۔ نخبة الفکر اور جامع الاصول (مصنفہ ابن الاثیر) کی شرحیں لکھیں ۔ آپ کے دست مبارک سے لکھا ہوا بخاری شریف کا ایک نسخہ کتب خانہ امام میمن کی زینت ہے [۳] ۔

شیخ عبداللہ بن محمد سندھی بھی سندھ سے مدینہ منورہ تشریف لے گئے وہاں چالیس سال تک درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا ۔ وہیں ۱۱۹۴ھ میں جوار رحمت سے پیوست ہوئے ۔

مخدوم محمد معین ٹھٹھوی (المتوفی ۱۱۶۱ھ / ۱۷۴۸ء) بن مخدوم محمد امین بن شیخ طالب اللہ بقول علی شیر قانع ۔ ''جامع علوم معقول و منقول کاشف حقائق علمی و عملی ، شارح دقائق صوری و معنوی ، علامۂ عصر ، مظہر انوار حقائق ربانی'' [۴] تھے ۔

---

۱ ۔ تاریخ سندھ جلد دوم ''مہر'' ص ۱۰۰۱ ۔
۲ ۔ مقالہ سرزمین سندھ میں علم حدیث ، ص ۱۰ ۔
۳ ۔ سندھ میں علم حدیث ، ص ۱۱ ۔
۴ ۔ مقالات الشعراء ، ص ۱۲۱ ۔

Marfat.com

علامہ معین کا یہ مخدوم خاندان اپنے علم و کمال کی بدولت تین پشتوں سے ممتاز تھا[1] ۔ مخدوم معین ، مخدوم شاہ عنایت اللہ ٹھٹھوی ، مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی ، شاہ ولی اللہ دہلوی ، شاہ عبدالقادر مکی ، شیخ جلال محمد اور علامہ میر سعد اللہ پوربی جیسے اکابر اسلام سے مستفیض اور مرشد میاں ابوالقاسم نقشبندی خلیفہ شیخ سیف الدین سرہندی سے بیعت تھے ۔

مخدوم محمد معین کے مدرسۃ العلوم ٹھٹھہ سے فارغ التحصیل علماء و فضلاء نے عربی و فارسی علوم و معارف میں انتہائی کمال حاصل کیا جن میں میر نجم الدین عزلت رضوی ، مولوی محمد صادق حیات سندھی ، جعفری شیرازی ، شرف الدین علی اور میر مرتضیٰ سیوستانی خاص طور پر قابل ذکر ہیں[2] ۔

مخدوم معین کثیر التلامذہ بھی تھے ، کثیر التصانیف بھی ۔ تذکرہ صوفیائے سندھ میں عبدالرشید نعمانی کے مقدمہ دراسات اللبیب (مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ) کے حوالے سے ۱۹ عربی و فارسی تصانیف کی ایک فہرست درج ہے جن میں ''دراسات اللبیب فی الاسوۃ الحسنۃ بالحبیبہ'' ان کی آخری تصنیف ہے[3] ۔ علاوہ ازیں تصوف ، منطق ، فلسفہ ، فقہ اور حدیث میں بھی کئی رسائل[4] ان کی علمی یادگار میں سے ہیں ۔

مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی (۱۱۰۴ - ۱۱۷۴ھ)/(۱۶۸۴ - ۱۷۶۱ء) کا مولد ، مسکن مدفن ٹھٹھہ تھا ۔ سید سعداللہ سورتی کے مرید ، اپنے والد مخدوم عبدالغفور اور صاحب فضیلت عالم مخدوم ضیاء الدین ٹھٹھوی کے شاگرد تھے ۔ مکہ شریف کے نامور محدثین شیخ عبدالقادر صدیقی شیخ عبد بن علی مصری ، شیخ محمد طاہر مدنی اور شیخ علی بن داوی سے حدیث کی سند لی ۔ عربی و فارسی کی ساڑھے تین سو کتابیں ان کے تجربہ

---

۱ ۔ تاریخ سندھ جلد دوم سہر ، ص ۹۹۰ ۔

۲ ۔ تذکرہ علمائے ہند ، ص ۴۷۷ ۔

۳ ۔ تذکرہ صوفیائے سندھ ، ص ۲۴۶ تا ۲۴۸ ۔

۴ ۔ سندھ میں علم حدیث ، ص ۶ ۔

Marfat.com

علمی اور جلالت شان کی شاہد ہیں جن میں ایک کتاب موسوم بہ ''اتحاف الاکابر'' کے علاوہ حیات القاری باطراف البخاری ، فرائض الاسلام ، تحفۃ القاری بجمع القاری اپنے موضوع کی افادیت کے اعتبار سے بے نظیر تصانیف ہیں ۔

مخدوم ہاشم ٹھٹھوی کے تلامذہ میں ان کے فرزند مخدوم عبداللطیف کے علاوہ مخدوم ابوالحسن صغیر ٹھٹھوی اور حاجی فقیراللہ علوی شکارپوری نے عربی و فارسی میں کمال حاصل کیا اور علماء و اساتذۂ وقت کے بلند درجات پر فائز ہوئے[۱] ۔

سید حاجی شاہ فقیراللہ علوی افغانی شکارپوری کا مولد جلال آباد (افغانستان) مسکن و مدفن شکار پور ، تاریخ وفات ۳ صفر ۱۱۹۹ھ ہے ۔ اولیائے اکابر اور برگزیدہ علمی شخصیات میں سے تھے ۔ ان کی ذات گرامی سرچشمہ علوم و فیوض تھی ۔ حرمین شریفین ، افغانستان ، ہندوستان اور سندھ کے علمائے عظام سے علوم ظاہری و باطنی میں کسب فیض و کمال کیا ۔

شاہ فقیراللہ علوی کا مرتبہ علمی دینی و روحانی ہر اعتبار سے بہت بلند تھا ۔ شاہان وقت احمد شاہ ابدالی (افغانستان) نصیر خان بلوچ (قلات) محبت خان بلوچ (مکران) اور میاں سرفراز خان کلہوڑا (سندھ) نے ان کے آستانے میں حاضر ہو کر ذہنی و روحانی تربیت حاصل کی[۲] ۔

شاہ فقیراللہ عربی ، فارسی اور پشتو کے بلند پایہ شاعر ادیب اور مصنف تھے ۔ بقول مولانا غلام رسول مہر ''ان کا کتب خانہ علمی نوادرات و افادات کا بے مثل خزینہ تھا''[۳] مولانا اعجاز الحق قدوسی نے

---

۱ ۔ مخدوم ہاشم ٹھٹھوی کے کوائف و تصانیف تحفۃ الکرام جلد سوم ص ۲۳۰ ، سندھ میں علم حدیث ص ۶ ، مقالات الشعراء ، ص ۸۴۱ تا ۸۴۳ ، تذکرہ علمائے ہند ص ۵۴۹ اور تاریخ سندھ مہر ص ۹۹۲ سے ماخوذ ہیں ۔

۲ ۔ تذکرہ صوفیائے سندھ ، ص ۱۹۰ ۔

۳ ۔ تاریخ سندھ جلد دوم مہر ، ص ۱۰۰۲ ۔

Marfat.com

آقائے حبیبی کے ایک مقالہ "شاہ فقیراللہ جلال آبادی" (مطبوعہ رسالہ سروش (فارسی) شمارہ ۲۱ جلد دوم ۱۵ مارچ ۱۹۵۸ء) کے حوالے سے شاہ علوی کی تصانیف کی ایک فہرست درج کی ہے جس میں ان کی بارہ عربی، تین فارسی اور ایک پشتو کتابوں کے نام ہیں۔ ان کی تمام کتابیں تصوف و سلوک، علم حدیث اور فقہ و تفسیر پر اسناد کا حکم رکھتی ہیں جن میں سے چند یہ ہیں: فتح العجیل، براہین النجات، طریق الارشاد، وثیقۃ الاکار اور مکتوبات شاہ فقیراللہ علوی۔ مکتوبات کا یہ مجموعہ ان کے افکار و نظریات کا عدیم المثال نمونہ ہے[1]۔

میر نجم الدین عزلت بکھری (المتوفی ۱۱۶۰ھ) مخدوم محمد معین ٹھٹھوی کے بھانجے اور میر محمد رفیع بکھری کے بیٹے تھے۔ ان کے شاگردوں نے ان کی زندگی میں علمی مرتبہ حاصل کیا جن میں ٹھٹھہ کے مفتی میاں باقر قابل ذکر ہیں۔

میر صاحب کی عربی تصانیف میں "یک روزی" اور فارسی میں "طوطی نامہ" (جو نخشبی سے زیادہ بہتر ہے) مشہور کتابیں ہیں[2]۔

سید شاہ ولی ٹھٹھوی (المتوفی ۱۱۵۰ھ-۳۷-۱۷ء) شاہ ابوالقاسم کے فرزند اور مخدوم رحمت اللہ ٹھٹھوی (المتوفی ۱۱۳۷ھ) آئینہ رحمت سندھ استاد مخدوم ضیاءالدین ٹھٹھوی کے شاگرد ارشد تھے۔ مختلف علوم سے متعلق ان کی ایک جامع تصنیف "تحفۃ المجالس" ان کی تیز طبع کی روشن یادگار ہے[3]۔

حاجی محمد قائم سندھی (المتوفی ۱۱۵۷ھ) بقول علی شیر قانع "عالم اکمل و فاضل افضل، مجموعہ علم معقول و منقول تھے (تحفۃ الکرام) حدیث میں ثقہ اور معتمد علیہ جانے جاتے تھے "مقالات الشعراء،

۱۔ سرزمین سندھ میں علم حدیث، ص ۷۔

۲۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۵۱۴، تاریخ سندھ جلد دوم مہر، ص ۹۸۴۔

۳۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۵۴۲۔ نزہت الخواطر جلد ششم، ص ۱۰۳۔ تحفۃ الکرام، ص ۵۹۶۔

Marfat.com

ص ۱۲۳۳ - ۱۱۳۶) دوسری دفعہ حج کے لیے حرمین شریفین تشریف لے گئے تو مدینہ منورہ میں اقامت اختیار کر لی ۔ جنت البقیع میں مدفون ہیں ۔ علامہ محمد باقر واعظ اور مخدوم نور محمد نصرپوری حاجی محمد قائم کے شاگردوں میں ہیں' ۔

اس دور میں عربی ، فارسی میں لغات بھی لکھی گئیں جن میں عبدالرشید ٹھٹھوی کی لغت ''رشیدی عربی'' کو بنیادی اہمیت حاصل ہے ۔ سندھ میں عربی کے متذکرہ بالا ارباب علم و فکر کے علاوہ بھی بہت سے محدثین و محققین گزرے ہیں جن میں غوث وقت ، محدث بے مثل ، خواجہ محمد زمان اول نقشبندی (۱۱۲۵ - ۱۱۸۸ھ) ماہر نجوم ، نیرنجات و رمل مخدوم جعفر بوبکانی ، میرزا محمد رحیم خان (المتوفی ۱۱۶۷ - ۱۲۳۵ء) مصنف رسالہ انیس القلوب ، تاریخ سلاطین مغل ، شیخ عثمان ٹھارو ، مخدوم عنایت اللہ اور ان کے دو فرزند مولوی محمد صادق ، میاں محمد سعید واعظ وغیرہ قابل ذکر ہیں ۔

فارسی : عہد کلہوڑا میں فارسی زبان و ادب نے برابر ترقی کی ۔ فارسی سرکاری زبان تھی ۔ شرفاء و علماء فارسی میں لکھنے پڑھنے اور خط و کتابت کرنے کو باعث فخر و عزت خیال کرتے تھے ۔ شاہی مہر ، فرمان ، عہد نامے ، وصیت نامے اور دیگر سرکاری و غیر سرکاری دستاویزات فارسی میں لکھی جاتی تھیں۔ عباسی فرماں رواؤں نے اپنی مقامی زبان سندھی اور مذہبی زبان عربی ہی کو فروغ نہیں دیا بلکہ فارسی کی ترقی و اشاعت میں بھی فیاضانہ حصہ لیا ۔ والی سندھ میاں نور محمد خان عباسی گرچہ دینی رجحانات کا حامل تھا لیکن شاعرانہ مذاق بھی رکھتا تھا ۔ فارسی نثر لکھنے پر پوری طرح قادر تھا ۔ وہ ارباب شعر و ادب کی بہت قدر کرتا تھا ۔ ملکی و انتظامی مصروفیات کے باوجود وہ علماء و فضلاء اور شعراء و ادباء کی محفلوں میں بیٹھتا تھا ، انہیں حسب مقام و حسب مراتب داد و دہش اور انعام و اکرام سے نوازتا تھا ۔ اس

---

۱ - احوال مشائخ کبار ورق ۶ الف بحوالہ تذکرہ علمائے ہند، ص ۴۷۵، - ۴۷۶

Marfat.com

کے ذوق شعری کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ مصرعہ کس طرح تجویز کرتا اور شاعروں سے غزلیں لکھواتا تھا[1]۔

میاں سرفراز خان عباسی سندھی کا ہی نہیں فارسی کا بھی قادرالکلام اور صاحب دیوان سخنور تھا۔ شہادت تخلص کرتا تھا۔ اس کی سخن سنجی، سخن فہمی، نکتہ دانی، دانشمندی اور اہل علم و فن کی قدردانی بے نظیر تھی۔ اس کا فارسی کلام حمد، نعت، منقبت، غزل، قصیدہ تمام اصناف سخن پر محیط ہے۔ سرفراز کا کچھ فارسی کلام ''بیاض علی شیر قانع'' کے اوراق میں بھی محفوظ ہے[2]۔

ٹھٹھہ کے میر عظیم الدین عظیم، میر علی شیر قانع، شیوک رام عطارد اور محمد پناہ رجا اس دور کے اہم شعراء میں سے تھے۔ سب کے سب ارباب سلطنت کے درباروں سے وابستہ تھے۔ عظیم میاں سرفراز خان کے دربار سے اور میر قانع میاں نور محمد خاں، میاں سرفراز خاں اور میاں غلام نبی خاں کے درباروں سے وابستہ رہے۔ ان کی مدح میں قصائد بھی کہے۔ عطارد میاں غلام شاہ اور میاں سرفراز خان کے دربار میں نثر نویس کے عہدے پر فائز رہے۔ رجا کی رسائی لطف اللہ وزیر سندھ تک شایاں شان رہی[3]۔

---

۱ - ایک دفعہ میاں نور محمد نے مندرجہ ذیل مصرعہ طرح — ع

سیہ چشمے ز ہند آورد پیغام رم آہو

لکھ کر ناظم ٹھٹھہ شیخ شکراللہ کے ہاں بھجوایا اور فرمائش کی کہ اس مصرعہ کا پہلا مصرعہ لکھوا کر بھجوایا جائے۔ محسن ٹھٹھوی نے اس زمین میں ایک مرصع غزل کہی اور مجوزہ مصرعہ طرح پر اس طرح گرہ لگائی:

نگہ از زلف تسکین تو شد دام رم آہو
سیہ چشمے ز ہند آورد پیغام رم آہو

(مقالات الشعراء ص ۷۱۹)

۲ - تاریخ سندھ جلد دوم مولانا سہر، ص ۷۲۵ تا ۷۳۰، برائے حالات و انتخاب کلام۔

۳ - عظیم، قانع اور رجا نے والیان کلہوڑا کا زوال اور امیران تالپور کا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

Marfat.com

دربار عباسی سے منسلک منشی عبدالرؤف فارسی کے بلند پایہ ادیب تھے - نثر صاف سلیس اور بے تکلف لکھتے تھے -

محمد داؤد خان عباسی ، میاں نور محمد خاں کے بھائی تھے - بقول مولانا غلام رسول مہر - "کلہوڑا خاندان میں بہ اعتبار علم و فضل سب پر فائق تھے - اہل علم کی پرورش اور بزرگ داشت کا مرکز تھے"[۱] - "صید المراد فی قوانین الصیاد" معروف بہ "باز نامہ" شکار کی تاریخ اور فن پر فارسی میں یہ پہلی کتاب ہے جس کی تصنیف کا سہرا محمد داؤد خان عباسی کے سر ہے - کلکتہ یونیورسٹی کے فیلو اور بورڈ آف اگزامینر کے سکریٹری کرنل ڈی سی فلٹ (Col. D.C. Flit) نے پہلے اس کتاب کا انگریزی ترجمہ شائع کرایا پھر ۱۹۰۸ء میں فارسی کی اصل کتاب (۳۴۳ صفحات پر مشتمل) شائع کرائی -

میاں داؤد کے ایک فرزند محمد علی عالی فارسی نظم و نثر کے باکمال صاحب قلم تھے - قانع کے ہم محفل و ہم نشیں تھے[۲] -

اسی زمانے میں صرف ایک شہر ٹھٹھہ میں ماہرین و مدرسین علوم عربی کے علاوہ فارسی کے نظم نگار اور نثر نگار ، اہل دیوان اور اہل تصانیف کافی تعداد میں موجود تھے - سندھ کے دیگر شہروں اور قصبوں میں بھی فارسی کا رواج عام تھا - مقالات الشعراء اور دیگر تذکرے اس حقیقت کے شاہد ہیں -

مخدوم ابو القاسم ٹھٹھوی ، سید ابو القاسم شکر الٰہی ٹھٹھوی (عربی و فارسی کے اعلیٰ شاعر) ، مخدوم معین تسلیم ٹھٹھوی (مصنف

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

عروج اپنی آنکھوں سے دیکھا - یہ شعراء گرچہ عہد کلہوڑا میں جوان ہوئے لیکن دور تالپور میں وفات پائی اور یہ دور ان کے عروج شعر و فن کا دور تھا اس لیے ان کا تذکرہ اسی دور کے ضمن میں کیا جائے گا -

۱ - تاریخ سندھ جلد دوم مولانا مہر ، ص ۱۰۱ ، ۱۱۱ -

۲ - مقالات الشعراء ، ص ۳۹۴ -

Marfat.com

رسالہ اویسیہ شرح ، رموز عقائد و رموز صوفیہ ، رسالہ بسلسلہ اثبات رفع الیدین فی الصلواۃ ، (نمونہ کلام مقالات ص ۱۲۶) محمد محسن ٹھٹھوی (المتوفی ۱۱۶۲ھ ، ایک ضخیم دیوان کے خالق ، لطافت سخن و سلاست کلام کے بادشاہ ، عقد دوازدہ گوہر ، طراز دانش ، حملہ حسینی ، محک کمال ، انتخاب قصائد کے مصنف) ، شیخ ابراہیم ٹھٹھوی (تصانیف تحفتہ الطاہرین ، صید نامہ ، شرح مخزن اسرار) وغیرہ وہ ناقابل فراموش شخصیتیں ہیں جن کی نگارشات و تخلیقات نظم و نثر فارسی ادب میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں[1] -

عبدالرشید مدنی بھی ٹھٹھہ کے باشندے تھے - فارسی کے خوش فکر شاعر تھے - ان کے ایک طویل فارسی قصیدے کے کچھ اشعار مقالات الشعراء میں شامل ہیں - ان کی دو لغتیں "رشیدی فارسی 'اور' رشیدی عربی" ان کی عربی و فارسی زبان پر دسترس کا ثبوت ہیں[2] -

زیر نظر کتاب کے باب اول (عہد کلہوڑا) میں جن بزرگوں کے تذکرے پیش کیے گئے ہیں ان میں ملا عبدالحکیم ، میر صدر الدین کامل ، میر حفیظ الدین علی ٹھٹھہ کے رہنے والے تھے - یہ تینوں ارباب فکر و سخن فارسی کے اہل دیوان تھے - میر حیدرالدین کامل کا مرتبہ فارسی نظم و نثر میں بہت بلند تھا - علی شیر قانع ، محمد پناہ رجا ، میر ابوالبقا علی سبزواری ، میر حفیظ الدین علی جیسے نامور مورخ ، مصنف ، انشاء پرداز اور نظم نگار کامل کے مشہور تلامذہ میں سے تھے -

حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی بھی اسی دور میں گزرے ہیں جن کا لازوال شاہکار "رسالۂ شاہ" ان کی عربی و سندھی دانی کے ساتھ ساتھ فارسی زبان و ادب پر مہارت کی زندہ شہادت ہے - شاہ صاحب کا فارسی کلام بھی ان کے عارفانہ خیالات کا آئینہ دار ہے - ان کے کچھ فارسی اشعار مقالات الشعراء (ص ۴۲۶) میں شامل ہیں - اس کتاب کے باب اول میں ایک اور بزرگ کا ذکر کیا گیا ہے اور وہ ہیں میر اسد اللہ

---

۱ - مقالات الشعراء ، تذکرہ مشاہیر سندھ ، تذکرہ صوفیائے سندھ -

۲ - مقالات الشعراء ص ۱۹۵ - تاریخ سندھ جلد دوم مہر ، ص ۹۸۲ -

Marfat.com

ساقی جن کا تعلق سرزمین بھکر سے تھا ۔ ساقی فارسی کے بہت اچھے نثر نگار اور سخن سنج تھے ۔ ان کی فارسی سناجاتیں ان کے معیاری اشعار کی ضمانت ہیں[1] ۔

اسی زمانے میں شاہ فقیر اللہ علوی نقشبندی اور میر جان اللہ شاہ رضوی جیسے بہت بڑے اہل اللہ، اہل علم و کمال کے دم سے علی الترتیب شکار پور اور روہڑی علم و ادب اور روحانیت و ثقافت کے خاص مراکز تھے ۔ شاہ فقیر اللہ علوی شکار پوری (المتوفی ۱۱۹۵ھ) عربی ، فارسی ، پشتو کے عظیم المرتبت ادیب اور سخن سنج تھے ۔ ان کے مکاتیب ''مکتوبات شاہ فقیر اللہ علوی'' کے مجموعے عربی اور فارسی زبان میں ہیں ۔ جن کے مطالعہ سے شاہ صاحب کے افکار و خیالات اور علمی و روحانی نظریات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے ۔ اس کے علاوہ ان کی فارسی کتابیں ''شرح قصیدہ بانت سعاد'' اور ''شرح ابیات مشکل مثنوی'' (جس کا ایک قلمی نسخہ کابل میں ہے) شاہ صاحب کی فارسی انشاء پردازی کا بے مثال نمونہ ہیں ۔ فارسی میں شعر بھی کہتے تھے اور فقیر تخلص کرتے تھے ان کی ایک فارسی غزل تذکرہ صوفیائے سندھ کے ص ۱۹۵ ، ۱۹۶ پر منقول ہے[2] ۔

حاجی قائم شکارپوری (المتوفی ۱۱۷۱ھ) شاہ فقیراللہ نقشبندی کے خاص مرید اور تربیت یافتہ تھے ۔ فارسی کے بہت اچھے شاعر تھے ۔ مولانا دین محمد وفائی کا بیان ہے کہ شکارپور شہر کے بارے میں قائم کا ایک طویل فارسی قصیدہ ان کی نظر سے گزرا ہے جس میں مرشد علوی کا احوال بھی منظوم کیا گیا ہے[3] ۔

---

۱ ۔ مقالات الشعراء ، تذکرہ مشاہیر سندھ ، تذکرہ صوفیائے سندھ ۔

۲ ۔ مقالہ شاہ فقیر اللہ جلال آبادی از آقائے حبیبی مطبوعہ رسالہ سروش (فارسی) شمارہ ۲۱ جلد دوم ۱۵ مارچ ۱۹۵۸ء ۔ بحوالہ تذکرہ صوفیائے سندھ ۔

۳ ۔ تذکرہ مشاہیر سندھ ، ص ۱۵۷ ، ۱۵۸ ۔

Marfat.com

میر جان اللہ شاہ رضوی خلیفہ ارشد حضرت صوفی شاہ عنایت میر تخلص کرتے تھے فارسی کے پرگو اور صاحب دیوان شاعر تھے ۔ مثنوی اور قصیدے میں کمال رکھتے تھے ۔ حضرت شاہ عنایت کے واقعہ شہادت کو جس درد انگیز انداز میں نظم کیا ہے وہ ان کے کمال شاعری پر دال ہے[1] ۔

فارسی کے مذکورہ بالا ارباب علم و ادب کے علاوہ اخوند ابوالحسن بے تکلف (استاد قانع) میر احسن ٹھٹھوی ، اکرم ٹھٹھوی ، محمد محسن ٹھٹھوی ، محمد ضیاء ٹھٹھوی ، عطارد ٹھٹھوی ، غلام علی مداح ٹھٹھوی ، میر مرتضی الہام ، حافظ محمد احسن نیرن کوٹی ، سلیمان بیگ اسلم ، آقا حاجی محمد اکسیر ، ابراہیم بالا کنڈی ، مرزا محمد جعفر شیرازی ، شیخ رحمت اللہ سرشار ، محمد محفوظ سرخوش ، محمد علی سیوستانی ، محمد نقی خان عاشق ، شیخ عبدالسبحان فائز وغیرہ نامی شعراء و ادباء کا کاروان پورے سندھ میں جادہ پیما نظر آتا ہے[2] ۔

والیان کلہوڑا کے عہد میں افغانستان ، ہندوستان اور ایران سے بھی فارسی کے اہل علم و اہل ادب سندھ میں آئے ۔ بعض سندھ سے گزر گئے بعض سندھ میں زیر زمین آسودہ ہو گئے ۔ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ اس دور میں ارباب ریاست کی علوم و فنون کی سرپرستی کے باعث سندھ میں فارسی شعر و ادب کا خاصا چرچا تھا ۔

مرزا محمد علی معروف بہ فردوسیٔ ثانی نادر شاہ کے ہمراہ سندھ آئے۔ انہوں نے سندھ پر نادر شاہ کی یورش سے متعلق شاہنامہ لکھا جس کا ایک شعر یہ ہے :

بیک گردش چرخ نیلوفری ‌ ‌ ‌ نہ نادر بجا ماند و نے نادری[3]

---

۱ ۔ تحفۃ الکرام جلد ۳ ص ۱۲۸ ، ۱۲۹ مقالہ میر جان اللہ شاہ رضوی از پروفیسر لطف اللہ بدوی مطبوعہ نئی زندگی (سندھی) شہید نمبر فروری ۱۹۵۷ء ۔

۲ ۔ ان شعرائے کرام کے حالات و کلام کے لیے ملاحظہ ہو مقالات الشعراء ۔

۳ ۔ مقالات اختر ، ص ۴۷ ۔

Marfat.com

ایران ہندوستان اور دیگر ممالک کے نامور سخندانان فارسی و اساتذہ سخن مثلاً شیخ علی حزیں۱ مرزا صائب ، والہ داغستانی ، سید غلام علی آزاد ، عبدالجلیل بلگرامی ، سید محمود صابر رضوی ، سید محمد بلگرامی سید محمد اشرف کی آمد و سکونت سے سندھ کی ادبی انجمنوں میں چار چاند لگ گئے ۔

کلہوڑوں کا عہد سندھی اور فارسی شعر و ادب کی ترقی کا عہد تھا ۔ بارہویں صدی ہجری اور اٹھارھویں صدی عیسوی کا یہ دور اردو زبان اور اس کے ادب کی ترقی کا ابتدائی دور تھا ۔ اس صدی سے پہلے اردو پرانی طرز کی زبان تھی جو ہندی آمیز یا بھاشا نما تھی یا عربی فارسی الفاظ یا ترکیبوں سے مخلوط تھی ۔ بقول بابائے اردو مولوی عبدالحق ''یہ زبان جو بعد میں ریختہ اور اب اردو کے نام سے معروف ہے ایک مدت تک ہندی ہی کے نام سے موسوم رہی چنانچہ میر تقی ، میر حسن یہاں تک مصحفی اپنے تذکروں کو سخن آفرینیاں ہندی اور سخن گویانِ ہندی کے تذکرے کہتے ہیں۲ ۔

---

۱ ۔ سندھ کے ایک بزرگ محقق اور استاد فن حضرت افسر صدیقی امروہوی اپنے ایک مقالہ ''سندھ میں اردو کے آثار قدیمہ'' (موصوف کی عنایت سے اس مقالے کا ایک قلمی نسخہ راقم کے پاس محفوظ ہے) جو اردو کانفرنس علی گڑھ کے اجلاس منعقدہ ۲۹ مارچ ۱۹۳۷ء میں پڑھا گیا تھا ، میں رقمطراز ہیں :

''۱۱۴۵ھ میں شیخ محمد علی حزیں ایران سے آئے اور ٹھٹھہ میں کئی ماہ قیام کیا ۔ اس وقت ملا باقر شہید (المتوفی رجب ۱۱۷۸ھ) اورنگ آباد سے آ کر شیخ کے تلمذ و بیعت سے مشرف ہوئے ۔ ملا باقر ابھی ٹھٹھے میں تھے کہ آفتاب رائے رسوا سیاح ہندوستان (المتوفی ۱۱۷۸ھ) آ نکلے اور یہاں کے چند شعراء کے ساتھ جن میں ملا باقی بھی شامل ہیں بزم شعر و سخن منعقد کی'' ۔

(رسالہ اردو حیدرآباد دکن اکتوبر ، جولائی ۱۹۳۷ء)

۲ ۔ اردو کی نشو و نما میں صوفیا کا کام ، ص ۷۶ ۔

Marfat.com

اردو کی ترقی و توسیع کے اعتبار سے کاھوڑوں کا عہد اردو شعرائے متقدمین کا دور دوم ۱۷۰۰ء سے ۱۷۵۰ء تک شعرائے دکن ولی اورنگ آبادی وغیرہ اور متقدمین کا دور سوم اور متوسطین کا دور اول ۱۷۵۰ء سے ۱۸۰۰ء تک کے شعرائے دہلی، آبرو، حاتم، ناجی، مظہر جان جاناں او ان کے بعد سودا، میر اور درد پر محیط ہے۔ اس دور میں زبان میں دکنی الفاظ کی آمیزش بھی ہے روزمرہ کا استعمال بھی۔

ترے بن مجھ کو اے ساجن تو گھر اور بار کیا کرنا
اگر تونا اچھے مجھ کن تو یہ سنسار کیا کرنا
ہرگز سخن سخت کو لاوے نہ زبان پر
جس دہن میں یک بار وہ نازک بدن آوے (ولی)

آبرو نے تناسب لفظی کو ترقی دی لیکن مرزا مظہر نے معنی کو روح شعر و ادب قرار دیا۔ اردو زبان صاف ہونے لگی اور شاعری کا یہ رنگ ہو گیا۔

خدا کے واسطے اس کو نہ ٹوکو
یہی اک شہر میں قاتل رہا ہے (مظہر)

تاریخوں اور تذکروں سے ثابت ہے کہ ہر دور میں اردو زبان اور شعر و ادب کی تبلیغ و اشاعت میں جن شعرائے کرام کا حصہ رہا ان میں اکثریت صوفی شعراء کی رہی ہے۔ اس دور میں بھی یہی حال تھا۔ اوپر کی سطروں میں دکن اور شمالی ہند کے جن شعرائے اردو کا ذکر آیا ہے ان میں اردو کے پہلے صاحب دیوان شاعر ولی اورنگ آبادی (۱۶۶۸-۱۷۴۴ء) عظیم صوفی تھے۔ شاہ مبارک آبرو خان آرزو، شیخ شرف الدین مضمون، شاہ حاتم، مرزا مظہر جان جاناں، خواجہ میر درد اور محمد رفیع سودا سب کے سب اہل شریعت و شیخ طریقت بزرگ تھے۔ انہیں بزرگان دین کی بدولت اردو شاعری میں عشق مجازی کے ساتھ ساتھ عشق حقیقی کے جذبات عارفانہ خیالات، صوفیانہ نظریات اور مذہبی رجحانات شامل ہوئے۔

اس دور کے سندھی شعراء اردو اور فارسی ہیں شعر کہتے تھے۔

Marfat.com

ہندوستان کے مذکورہ بالا شعراء کے معاصرین تھے اور ان سے ہم چشمی کا دعویٰ کرتے تھے ۔ ان شعراء کے تذکرے کے بغیر اردو شعر و ادب کا کوئی تذکرہ مکمل نہیں ہو سکتا ۔ چند کے نام یہ ہیں ۔ بینوا شہید ، رسوا ، درد سندھی ، محمد سعید راہبر ، غلام مصطفےٰ محزون ، شیخ ورو ، شیخ عبدالسبحان ، فائز ٹھٹھوی ، میر محمود صابر ، محسن شیرازی ، سید فضائل علی خان ، محمد الدین خان ، نظام فیروز جنگ بہادر ، میر جعفر علی بے نوا ، بے قید اور مخدوم محمد معین ٹھٹھوی [1] ۔

مخدوم محمد معین ٹھٹھوی کی ذات گرامی علوم و فیوض اور خدمات و کمالات کا سرچشمہ تھی ۔ وہ عربی و فارسی کے ماہر علوم ، تصانیف کثیر کے مصنف اور علمائے عصر کے یکتائے روزگار استاد تھے ۔ وہ فارسی اور اردو کے بلند پایہ شاعر بھی تھے ۔ فارسی میں تسلیم اور اردو میں بیراگی تخلص کرتے تھے [2] ۔ بقول پیر حسام الدین راشدی ''ان کا دیوان مفقود ہوگیا'' [3] ۔ بیراگی کا کچھ فارسی کلام مقالات الشعراء میں ملتا ہے جس سے ان کے مذاق سخن اور فارسی طرز کلام کا اندازہ کیا جا سکتا ہے لیکن ان کا اردو کلام تلف ہوچکا ہے ۔ ان کے اردو کلام کی عدم دستیابی کے باعث ان کا تذکرہ زیر نظر مقالہ میں شامل نہیں کیا گیا ۔

اس کتاب کے باب اول (عہد کلہوڑا) میں سندھ کے جن ارباب شعر و ادب کی زندگی ، شاعری ، خدمات و کمالات پر روشنی ڈالی گئی ہے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں :

---

۱ ۔ مقالہ ''سندھ کے اردو شعراء'' از حسام الدین راشدی ، سہ ماہی اردو کراچی اکتوبر ۱۹۵۱ء مقالہ ''سندھ میں اردو کے آثار قدیمہ'' از افسر صدیقی مطبوعہ رسالہ اردو حیدر آباد دکن اکتوبر ، جولائی ۱۹۳۷ء ۔

۲ ۔ مقالات الشعراء ، ص ۱۲۱ تحفتہ الکرام جلد سوم ، ص ۲۲۹ ، ۲۳۰ ۔

۳ ۔ مقالہ سندھ کے اردو شعراء ، مطبوعہ رسالہ اردو کراچی ص ۸۶ بابت اکتوبر ۱۹۵۱ء ۔

Marfat.com

ملا عبدالحکیم عطا ٹھٹھوی ، میر حیدرالدین کامل ، شاہ عبداللطیف بھٹائی ، میر اسد اللہ ساقی ، میر حفیظ الدین علی اور روحل فقیر ۔

مخدوم معین بیراگی کے علاوہ یہ شعرائے کرام اولیائے سندھ میں سے تھے جنہوں نے سرزمین سندھ میں اردو کی ترقی و ترویج میں نمایاں حصہ لیا ۔ اوپر کی سطور میں جن سخنوران ہند کا ذکر آیا ہے سندھ کے یہ اہل دل و اہل سخن ان کے ہمعصر تھے ۔ یہ شعرائے سندھ اردو زبان و ادب کی خدمت کے سلسلے میں اپنے ہندی معاصرین سے کسی طرح پیچھے نہیں رہے ۔ بعض حضرات کی شہرت وادیٔ سہران سے گزر کر دہلی اور لکھنؤ تک پہنچ گئی تھی ۔

سندھ کے عظیم صوفی شاعر شاہ عبداللطیف بھٹائی بلاشبہ ہندی یا اردو کے شاعر نہ تھے لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اردو زبان پر ان کے احسانات اردو کے دیگر شعرا سے کچھ کم نہیں ہیں ۔ عربی ، فارسی اور ہندی کے بے شمار الفاظ اور تراکیب جو کلام شاہ کی زینت ہیں آج اردو زبان کے جزو بن چکے ہیں ۔ ''شاہ کا رسالہ'' اس کا زندہ جاوید شاہد ہے ۔

اس دور کی اردو شاعری کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے یہ بات مسلمہ نظر آتی ہے کہ اردو شاعری پر دکنی شاعری کا اثر زیادہ ہے لیکن ایک عجیب بات یہ ہے کہ اسی عہد کے اردو کے سندھی شاعروں کے کلام پر دکنی اثرات کم اور مقامی اثرات زیادہ ہیں ۔ البتہ عہد تالپور میں، دکنی اثرات نظر آتے ہیں جن کی صراحت کتاب ہذا کے باب دوم میں، کی جائے گی ۔

کلہوڑوں کے عہد میں سندھی ارباب نظم و نثر پر دکنی چھاپ نہ ہونے کی ایک وجہ یہ تھی کہ سندھ اس زمانے میں عربی و فارسی علوم و افکار کا مرکز تھا (جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے) اس زمانے کے جن ارباب فکر و نظر کا ذکر کیا گیا ہے ان میں اکثر عربی و فارسی کے علماء بھی ہیں جن کے کلام سے یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ ان اہل سخن کے کلام میں عربی ، فارسی ، ہندی سرائیکی الفاظ ، محاورات

Marfat.com

تشبیہات ، تلمیحات ، استعارات ، تراکیب اور روزمرہ کا استعمال عام ہے ۔ کہیں کہیں عربی و فارسی یا سندھی و سرائیکی کی آمیزش بھی موجود ہے اس طرح ان شعرائے اردو کی زبان دکنی زبان کی بجائے ایک ایسی زبان تھی جو مذکورہ بالا زبانوں سے مرکب ہوتی تھی ۔ اس دور میں سندھ کی اردو شاعری کی بعض اہم خصوصیات یہ تھیں :

(۱) ہندوستان میں زوال سلطنت مغلیہ ، سندھ پر نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی کے پے درپے حملے ، میاں نور محمد کلھوڑا کی جدوجہد آزادی ، ملک میں بدامنی و بے چینی ، انتشار و خلفشار ، انقلابی و سیاسی حالات و حادثات کا بھرپور عکس اس دور کے کلام میں پایا جاتا ہے :

اے مسلمانان وطن بیدار ہے
جور ہے ، بیداد ہے ، فریاد ہے
آشنا بیگانہ ، یار اغیار گشت
خود حقوق ما ہمہ برباد ہے
تنگ دست و طمع گنج و بخت لنگ
پا کنج و سر درد ، دل ناشاد ہے

(عطا ٹھٹھوی)

(۲) اس عہد کے کلام میں خارجیت بھی ہے داخلیت بھی جو شعراء کے دینی رجحانات ، طبعی میلانات ، عارفانہ خیالات اور صوفیانہ نظریات کا آئینہ دار ہے مثلاً :

دکھ سئیں ہوکر دونیم آیا ہوں بندہ مسکین یتیم آیا ہوں

عشق کی آگ جگمگاتی ہے یہ دیا تیل بات باقی ہے

تیرے واصل ہیں دوجی نات نہیں
سب ہوا پھول ایک بات نہیں

(کامل ٹھٹھوی)

Marfat.com

کامل مرشد راہ بتایا روحل وچو روح اللہ پایا
آخر ذات ملی وچ ذاتیں ذنیدا عشق روگا ہی ہے

عشق دی منزل جائیں ، عشق حقیقت عشق طریقت
عشق بناں ایہہ عمر آجائی ، عشق ہی عالم عشق ہی دولت
(روحل فقیر)

کر سرخرو ہر بزم میں ، مجھ کو رسا ہر عزم میں
ساقی کہے ہر بزم میں ، پاشا جیلانی المدد
(اسد اللہ ساقی بھکری)

(۳) اس دور میں تیسری خصوصیت صفت ایہام تھی ۔ اساتذہ دہلی اور شمالی ہند کے دیگر مشہور شعراء کے یہاں صفت ایہام کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں ۔ شاہ مبارک آبرو ایہام کے بادشاہ تھے ۔ میر ، سودا ، قائم چاند پوری ، شاہ حاتم اور سید محمد شاکر ناجی صفت ایہام میں استادانہ کمال رکھتے تھے[1] سندھ کے شعراء بھی اس فن میں اساتذہ ہند سے کم مرتبہ نہیں رکھتے تھے ۔ میر حیدرالدین کامل ٹھٹھوی اور میر حفیظ الدین علی ٹھٹھوی فن ایہام کے ماہرصفت گر تھے جس کا اندازہ ذیل کی مثالوں سے بخوبی ہو سکتا ہے :

یار جاناں کی بات جانے میں
یہ نہ جانے تو اور جانا کیا[2]
(کامل ٹھٹھوی)

اچار ہوا کھٹا پاپڑ لینی ہے مچھی
سرکہ بنا تو آگے سوئی سلونی اچھی
پیلی ہے کیوں کناری سونا نہیں مہر کا
چونی پھوچی ہے باتیں سوتی تو دیکھ سرکا[3]
(علی ٹھٹھوی)

---

۱ ۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو تاریخ ادب اردو ، سکسینہ ص ۸۲ تا ۹۳ ۔
۲ ۔ مقالات الشعراء ، ص ۶۰۰ ۔
۳ ۔ ایضاً ص ۱۸۲ ۔

Marfat.com

عہد تالپور (۱۹۶۰ - ۱۷۸۲/۱۲۵۹ھ - ۱۸۴۳ء)

سندھی : والیان کلہوڑا کی طرح امیران تالپور بھی سندھ کے باشندے تھے ۔ سندھی ان کی مادری زبان تھی ۔ ان میں سے اکثر علماء و فضلاء اور شعراء و ادباء تھے ۔ انہوں نے عربی فارسی اور سندھی زبان و ادب کی فقید المثال سرپرستی کی ۔

حقیقت یہ ہے کہ تالپوروں کے عہد میں سندھی زبان اور اس کے ادب کو غیر معمولی فروغ ہوا ۔ سندھی کے بڑے سے بڑے ارباب فکر و دانش اور اہل شعر و ادب پیدا ہوئے ان میں اکثر و بیشتر اولیائے کرام اور علمائے کرام تھے ۔

عبدالوہاب سچل سرمست (۱۱۵۲ - ۱۲۴۲ھ/۱۷۳۹ - ۱۸۲۶ء) عہد تالپور کے سب سے عظیم صوفی ، سخن سنج ، نکتہ دان اور آشنائے اسرار و رموز تھے ۔ تصوف شاعری اور علم و فضل کے اعتبار سے اس دور میں سچل سائیں کا وہی مرتبہ تھا جو مرتبہ عہد کلہوڑا میں حضرت شاہ عبداللطیف کو حاصل تھا ۔ شاہ صاحب کی طرح سچل سائیں نے سندھی شاعری کو مضامین اور افکار کے لحاظ سے وسیع و بلند کر دیا ۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں فکر و فن کی نئی راہیں نکالیں ۔ اسلامی تصوف ، عارفانہ خیالات ، دینی رجحانات اور حقائق و معارف کے مضامین سے سندھی اور سرائیکی شعر و ادب کو وسعت و رفعت بخشی ۔ سچل کا ایک شعری مجموعہ ''سچل کا سرائیکی کلام'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے جس کے مطالعہ سے انکشاف ہوتا ہے کہ سچل نے حمد ، نعت ، مناجات ، غزل ، دوہوں اور کافیوں جیسی اصناف سے بھی سندھی ادب کو مالا مال کیا ہے ۔ شاہ لطیف نے جس صنف کو ''وائی'' کے نام سے اپنایا تھا سچل نے اسی فن کو ''کافی'' کے نام سے روشناس کیا اور یہ کافی سندھی کی مقبول ترین صنف ثابت ہوئی ۔ سچل کے انداز میں جن دوسرے شعراء نے حمد ، نعت ، مناجات اور صوفیانہ شاعری کو آگے بڑھایا ان میں خواجہ محمد زمان (لواری شریف) (۱۱۲۵-۱۱۸۸ھ) سلا صاحبڈنو فقیر شکارپوری، روحل فقیر ، چمن چارن ، پیر اشرف قریشی ، فتح محمد فقیر (متوفی

محمد عارف صنعت شکار پوری (متوفی ۱۲۶۶ھ - ۱۲۵۹ھ - ۱۸۴۳ء) (مترجم کریما سعدی در زبان فارسی) کے نام بڑی اہمیت کے حامل ہیں - اسی صف میں ایک اور شاعر نظر آتے ہیں جن کا نام مخدوم عبدالرؤف بھٹی ہے - انہوں نے سندھی منظوم میلاد نامہ کا آغاز کیا - انہوں نے سندھی میں سب سے پہلے فارسی عروض اور بحروں کا بھی تجربہ کیا -

شاہ لطیف کے زمانے میں ''وائی'' دو مصرعوں پر مشتمل ہوتی تھی۔ اب تین چار مصرعوں میں کہی جانے لگی اور کافی کے نام سے موسوم ہوئی - سچل کے علاوہ فتح محمد فقیر خلیفہ کرم اللہ شکار پوری (متوفی ۱۲۷۱ھ - ۱۸۵۵ء) حمل فقیر (۱۱۳۰ - ۱۲۹۶ھ/۱۸۱۵ - ۱۸۷۹ء) پیر علی گوہر شاہ اصغر (۱۲۳۱ - ۱۲۶۳ھ/۱۸۱۶ - ۱۸۴۷ء) کی کافیاں نہ صرف مقبول بلکہ زبان زد عام ہوئیں -

دوہے کی مقبولیت بھی بڑھتی گئی - اس دور کے اکثر شعراء نے مسلسل دوہے بھی کہے سچل مراد فقیر ، مولوی ولی محمد ، سید خیر شاہ پردیسی حیدرآبادی (مصنف مکالمہ ٹوپی و پگڑی جنگ نامہ) صدیق فقیر سومرو (مصنف دوہوں کے مجموعے موسوم بہ ''رسالہ'' اور ''درد نامہ'' وغیرہ - دوہوں کے شاعروں میں مولوی ولی محمد کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے عربی کی ایک کتاب ''حکایات الصالحین'' کو سندھی دوہوں میں منتقل کیا اور یہ کتاب ایک مدت تک درسی نصاب میں شامل رہی -

امیران تالپور شیعہ مسلک سے تعلق رکھتے تھے - ایران سے ان کے خاص تعلقات تھے اس لیے سندھ میں ایرانی علماء و شعراء کی آمد و رفت کا سلسلہ بھی جاری تھا - سندھ و ایران کے مذہبی ، تاریخی ، ثقافتی روابط کی بناء پر سندھی زبان اور ادب پر ایرانی ثقافت اور فارسی زبان کا اثر ہوا - خصوصاً سندھ کے فارسی شعراء فارسی طرز شاعری سے متاثر ہو کر سندھی میں فارسی عروض اور بحروں میں شعر کہنے لگے - فارسی اسلوب پر سندھی میں مرثیہ نگاری اور غزل گوئی کا آغاز ہوا - یہ خصوصیت صرف عہد تالپور سے منسوب ہے -

Marfat.com

سید ثابت علی شاہ (۱۱۵۳ - ۱۲۲۵ھ/۱۷۴۰ - ۱۸۱۰ء) سندھی کے سب سے پہلے مرثیہ نگار تھے۔ ثابت علی نے عربی فارسی بحروں میں سندھی غزلیں کہیں، رجزیہ اشعار کہے، رزمیہ شاعری کی اور سندھی شعر و ادب کو فن کا درجہ دیا۔ سندھی زبان میں فارسی الفاظ و محاورات تشبیہات و استعارات اور مضمون آفرینی کا سہرا سب سے پہلے ثابت علی شاہ ثابت جیسے ہمہ رنگ شاعر کے سر ہے۔ سندھی میں ثابت علی کو وہی مقام حاصل ہے جو اردو کے مرثیہ نگاروں میں میر انیس و میر دبیر لکھنوی کو ہے۔ سندھی شعراء میں ثابت شاہ جیسا کوئی دوسرا مرثیہ نویس اور مرثیہ خوان پیدا نہیں ہوا۔ سندھی مرثیہ میں ان کی تصنیف "جنگ نامہ میاں عبدالنبی خان باعزت خان" مرثیہ نگاری کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔

خلیفہ گل محمد ہالا کنڈی (۱۲۲۶ - ۱۲۷۲ھ/۱۸۱۸ - ۱۸۵۶ء) سندھی کے پہلے صاحب دیوان شاعر تھے۔ ان کا دیوان بمبئی سے شائع ہو چکا ہے۔ یہ مجموعہ کلام سندھی بیت، غزلیات، دوہوں اور کافیوں پر محیط ہے۔ یہ سارا کلام عربی و فارسی عروض و اصول پر کہا گیا ہے ان کے اشعار میں عربی و فارسی الفاظ و تراکیب کا استعمال کثرت سے ہوا ہے۔

ثابت اور گل کے علاوہ عربی و فارسی ضوابط کی پابندی کرنے والوں میں سچل، ملا صاحبڈنون، صنعت شکارپوری، خلیفہ کرم اللہ شکارپوری، اشرف قریشی، حمل فقیر اور خلیفہ نبی بخش (جن کی رزمیہ نظمیں حب الوطنی اور جذبۂ جہاد سے معمور ہیں) کی غزلیات سندھی ادب کی بیش قیمت سرمایہ ہیں۔

عہد کلہوڑا میں سندھی مثنوی کی ابتدا شاہ لطیف کی منظوم داستانوں، مومل رانو، عمر ماروی وغیرہ سے ہو چکی تھی لیکن یہ داستانیں زیادہ تر تلمیحات و استعارات کی صورت میں نظم کی گئی تھیں۔ مسلسل قصے کہانیوں کو مثنوی کی صورت میں لکھنے کا باقاعدہ رواج تالپوروں کے زمانے میں پڑا۔ حفیظ کی مومل رانو، خلیفہ حاجی عبداللہ کی لیلیٰ مجنوں (تصنیف ۱۲۰۸ھ) حمل فقیر لغاری کی ہیر رانجھا،

Marfat.com

عمر ماروی اور خلیفہ نبی بخش کی سسی پنوں اس دور کی لازوال مثنویاں ہیں۔

روحل فقیر کے تین صاحبزادے شاہو فقیر، غلام علی فقیر، دریان خان دیوان دلپت رائے صوفی (وفات ۱۲۵۷ھ) ان کے بھائی چین رام ساقی شکارپوری (وفات ۱۲٦۷ھ) مخدوم محمد عارف سیوہانی (وفات ۱۲۴۷ھ) فقیر عثمان لاڑکانوی (وفات ۱۲۷۹ھ) اور پیر محمد راشد روضہ دھنی (۱۱۷۰-۱۲۲۳ھ) اس دور کے اہم شعرا گزرے ہیں۔

گزشتہ سطور میں عرض کیا جا چکا ہے کہ سندھی نثر میں تصنیف و تالیف کا آغاز عہد کلہوڑا میں اخوند عزیز اللہ متعلوی اور مخدوم عبدالرحیم گروہڑی کی کتابوں سے ہو چکا تھا تالپوروں کے زمانے میں نثر میں کچھ اور کام ہوا۔ خلیفہ محمود نظامی کی کتاب "مجمع الفیوضات" اس دور کی بڑی معرکہ آرا کتاب ہے۔ (سندھی نثر کی تاریخ ص ٦)

عربی: میران تالپور کا عہد عربی و فارسی علوم و ادبیات کے لیے ایک ترقی یافتہ عہد تھا۔ سندھ کے مختلف شہروں قصبوں اور دیہاتوں میں مکتب اور مدرسے قائم تھے جن میں عربی و فارسی درس و تدریس اور اسلامی تعلیمات کا باقاعدہ انتظام تھا۔ ارباب سلطنت کی علم دوستی اور ادب نوازی کی بناء پر ان کے مراسم ایران کے قاچاری حکام، شریف مکہ، امام مسقط اور اسلامی ممالک کے نامور علماء و فضلاء، شعرا و ادباء کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہا۔ اس دور میں اکثر علماء و اساتذہ ایسے تھے جو سندھ میں پیدا ہوئے لیکن تحصیل علم کے بعد عرب ممالک میں جا کر آباد ہوئے۔ وہاں علمی و دینی خدمات انجام دیں۔ سرزمین حجاز میں مدفون ہوئے۔ کچھ ایسے تھے جنھوں نے مکہ، مدینہ، مصر، عراق وغیرہ میں تعلیم پائی اور سندھ میں واپس آکر درس و تدریس، تبلیغ و تعلیم میں زندگی گزار دی۔ ایسے بھی تھے جو عرب، عجم، افغانستان کے باشندے تھے لیکن ترک وطن کر کے وادی سہران میں بس گئے اور ان کے دم سے سہران کی وادیاں تجلیات الٰہی اور انوار محمدی سے جگمگا اٹھیں۔

Marfat.com

ان اولیائے کرام ، علمائے عظام نے قرآن ، حدیث ، تفسیر ، فنون ، فقہ ، تاریخ ، تصوف ، فلسفہ سے متعلق عربی میں کتابیں لکھیں ، مختلف موضوعات پر تحقیق و تدقیق سے علم و ادب کی نئی راہیں نکالیں ۔ ان کی تصنیفات و تالیفات نہ صرف مدارس و مکاتب کے نصاب میں شامل ہوئیں بلکہ عربی علوم و فنون کی گرانقدر سرمایہ ثابت ہوئیں ۔

شیخ محمد عابد انصاری سیوستانی ثم مدنی (المتوفی ۱۲۵۷ھ - ۱۸۴۱ء بمقام مدینہ منورہ) سیوستان (موجودہ سیوہن شریف) کے مشہور علمی و روحانی خاندان کے چشم و چراغ تھے ۔ شیخ الاسلام حافظ یعقوب کے پوتے ، مولانا احمد علی کے فرزند اور مولانا محمد حسین شیخ تلمیذ محمد حیات سندھی کے بھتیجے تھے ۔

شیخ عابد کلہوڑوں کے آخری اور تالپوروں کے ابتدائی زمانے کے جلیل القدر عالم اور صوفی تھے ۔ سندھ ، ہند ، یمن مصر، مدینہ کے علمائے کرام نے ان کی فاضلانہ عظمت کا اعتراف کیا ہے ۔ ان کی تصنیفات و تالیفات میں المواہب الطفہ شرح مند الامام ابی حنیفہ (سند کی روایت) ، طوالع الانوار شرح در مختار (فقہ فتاویٰ) ، شرح بیتالوصولی شرح بلوغ المرام من ادلتہ الاحکام (مصنفہ حافظ ابن حجر عسقلانی) اور ایک ضخیم سندوں کی تالیف ثبت (تین حصوں میں) جیسی نادر کتابوں کے نسخے پیر جھنڈو یمن اور مدینہ کے کتب خانوں میں موجود ہیں ۔ شیخ محمد عابد کے تلامذہ اور فیض یافتگان دنیا کے بعض ممالک مثلاً عرب ، ایران ، افغانستان ، ہندوستان وغیرہ میں موجود تھے جنہوں نے اسلامی علوم و معارف کے سلسلے میں کارہائے نمایاں انجام دیے ۔[1]

مخدوم محمد عارف سیوہانی (متوفی ۱۲۴۷ھ) سیوہن کے مشہور فقیہ تھے ۔ انہوں نے فقہ حنفی کی مشہور کتاب "ہدایہ" (حاشیہ نجوم الھدایہ)

---

۱ - فہرس الفہارس ص ۵ ، ۷ ، ۶ - ۲ ، الیانع الجنی مطبوعہ جدید پریس دہلی ص ۶۹ - ۷۳ ، و حصر الشارد بحوالہ سرزمین سندھ میں علم حدیث حصہ دوم (قلمی) ص ۲ ۔

Marfat.com

اور تصوف کی کتاب "فتح الفضل" پر حواشی لکھے ہیں جو ان کی عالمانہ بصیرت کے شاہد ہیں -

مخدوم عبدالواحد سیوہانی (۱۱۵۰ - ۱۲۲۴ھ/۱۷۳۷ - ۱۸۰۹ء) کے والد مخدوم دین محمد عہد کلہوڑا میں قاضی اور ان کے دادا مخدوم عبدالواحد کبیر ایام اورنگ زیب میں سیوہن کے مفتی تھے مخدوم عبدالواحد علوم فقہ و فتاوی کے یگانہ روزگار عالم و فاضل تھے - مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی نے الرحیم مشاہیر نمبر میں مخدوم عبدالواحد کی ۱۹ کتب اور رسائل کی تفصیل درج کی ہے جن کے کچھ نسخے کتب خانہ پیر حسام الدین راشدیاور پیر جھنڈو میں محفوظ ہیں[1] -

پیر محمد راشد (۱۱۷۰-۱۲۳۳ھ) کی تصنیفات شرح اسماء اللہ الحسنی جمع الجوامع کے علاوہ مکتوبات و ملفوظات (مرتبہ خلیفہ محمود نظامی خلیفہ محمد حسین مہیر) ان کی علمی و روحانی عظمت اور افکار و معارف کے آئینہ دار ہیں -

مخدوم محمد ابراہیم ٹھٹھوی (مرید خواجہ صفی اللہ سرہندی وفات ۱۲۱۲ھ) نے کلہوڑوں کا آخری اور تالپوروں کا ابتدائی دور دیکھا - شرعی مسائل اور فتاویٰ میں مستند مانے جاتے تھے - دینی مباحث و مسائل پر ان کی کئی تصانیف ہیں جن میں اماطلہ اذی العبید عن طریق جواز استعمال اموال الکافر العنید مشہور ہے - اس کتاب کی وجہ شہرت یہ ہے کہ اس میں ذمیت کی ماہیت پر بحث کی گئی ہے - ۴۵ دلائل و شواہد سے ثابت کیا ہے کہ ان کے زمانے میں سندھ کے غیر مسلم حربی تھے - ذمی نہیں تھے[2] - یہ کتاب انہوں نے ملکی پالیسی کے متعلق اپنے ایک بیان کی وضاحت میں لکھی تھی ان کی بعض تصانیف کے قلمی نسخے مدرسہ مظہرالعلوم کراچی اور سندھ یونیورسٹی حیدرآباد میں موجود ہیں - مخدوم عربی کے شاعر بھی تھے - انہوں نے شیخ عثمان ہارو کی ہجو میں عربی نظم لکھی تھی -

---

۱ - الرحیم مشاہیر نمبر (سندھی) ، ص ۸ - ۹ -

۲ - رسالہ دعوت الحق اگست ستمبر ۱۹۵۲ء ص ۴۳ -

Marfat.com

شیخ عثمان ہارو بھی اس زمانے کے پائے کے عالم تھے - انہوں نے مخدوم ابراہیم کی مذکورہ بالا کتاب کی تردید میں ایک کتاب عربی میں لکھی تھی جس میں مخدوم کی اس رائے سے اختلاف کرتے ہوئے لکھا کہ جودھپور دارالحرب نہیں دارالکفار ہے[1] -

شیخ محمد حسین (متوفی ۱۲۳۰ھ) علوم دین و علوم ایران (طب) کے جامع تھے ان کی تصنیف البیان للشرب عن شرب الدخان علم طب کی بے نظیر کتاب ہے -

شاہ عبدالرحمان سندھی لکھنوی المتخلص بہ موحد (۱۱۶۱-۱۲۴۵ھ) نے سندھ سے ہجرت کر کے ہندوستان میں سکونت اختیار کی - سندھی، عربی، فارسی اور اردو کے بہت بڑے صوفی، عارف، عالم اور شاعر و ادیب تھے - ان زبانوں میں ان کی تصانیف ان کے تبحر علمی کی ضمانت ہیں -

شاہ عبدالرحمن کی فلسفہ توحید سے متعلق عربی کتاب "کلمۃ الحق" نولکشور لکھنو سے شائع ہوئی تو علماء کی توجہ کا مرکز بن گئی - مولانا شیخ عبدالحلیم لاہوری نے اس کتاب کے رد میں ایک مبسوط رسالہ لکھا جس میں مولانا عبدالرحمن کے خلاف کفر کا فتویٰ صادر کیا - شاہ اسماعیل نے مولانا عبدالرحمن کے موقف و متن کی تائید و تصدیق کی - کلمۃ الحق کا اردو ترجمہ "وحدت الوجود" کے نام سے اللہ والے کی قومی دکان لاہور نے شائع کیا ہے - مولانا عبدالرحمن نے ایک عربی رسالہ شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے رد میں بھی لکھا تھا[2] -

تالپور دور کے دیگر بزرگان علم و فضل میں میاں کامل کٹباری (متوفی ۱۱۵۰ - ۱۲۳۹ھ - مولانا حیات کٹباری (متوفی ۱۲۵۵ھ) میاں محمد حسن کٹباری، مولانا عبدالکریم گنجہ (وفات ۱۲۳۰ھ) مخدوم قاضی احمدی کھمڑوی (متوفی ۱۲۵۵ھ) مخدوم محمد عاقل کھمڑوی (متوفی ۱۲۳۲ھ) سید محمد صالح ثانی جیلانی گھوٹکی (۱۱۹۰ -

---

۱ - تاریخ سندھ (عہد کاھوڑا) از مولانا مہر، ص ۹۹۵ -
۲ - نزہتہ الخواطر، ج ۷، بحوالہ تذکرہ مشاہیر سندھ، ص ۶-۱۶۲ -

Marfat.com

۱۲۴۹ھ) کے عربی کتب و رسائل آج بھی اہل دل و اہل فن کے لیے مشعل رشد و ہدایت کی حیثیت رکھتے ہیں۔

عہد تالپور میں فارسی زبان کو درباری زبان کی حیثیت حاصل تھی لیکن فارسی بولنے اور لکھنے پڑھنے کا رواج بھی عام تھا۔ اس دور میں فارسی زبان اور اس کے ادب نے خاص طور پر فروغ پایا۔ علماء، شعراء، ادباء اور اہل فن کی بے مثال پذیرائی ہوئی۔ اکثر ممتاز اہل علم و دانش اور ارباب شعر و ادب ارکان سلطنت کے اس فیض و عنایت سے وابستہ رہے۔ ایران، افغانستان اور دیگر ممالک کے شعراء و ادباء کی آمد و رفت اور سکونت سے وادی مہران شعر و ادب کا مرکز بن گئی تھی۔ اس کا اصل سبب یہ تھا کہ ارباب اقتدار بہت علم دوست، اہل ذوق، اہل دل اور اہل نظر تھے۔ انہوں نے خود بھی علم و ادب کی گرانقدر خدمات انجام دیں کتابیں لکھیں، شعر کہے، دیوان مرتب کیے۔ ان کی فارسی تخلیقات و نگارشات آج بھی سندھ میں زبان و ادب کا لازوال سرمایہ ہیں۔

فاتح سندھ، میر فتح علی خان خود عالم، ادیب یا شاعر نہ تھے لیکن ان کے دربار میں اس وقت کے مقتدر ارباب علم و فن جمع تھے۔ عظیم، عطارد، رجا، میر فتح ان کے درباری شعراء تھے ان میں عظیم کو ملک الشعراء کا مقام حاصل تھا۔

میر کرم علی خان کرم (متوفی ۱۲۴۴ھ (۱۸۲۸ء) مدفون بمقام حیدرآباد) فارسی کے صاحب دیوان شاعر تھے ان کا دربار مرجع فن و شعر تھا۔ عظیم، ثابت شاہ، منشی صاحبرائے آزاد، آقا محمد عاشق اصفہانی، میرزا خسرو بیگ، میر صابر علی صابر، میر سید علی مشتاق، عبدالمجید جوکھیہ مجیدی، آخوند نور محمد ہالائی، سلیمان حاجی، میرزا مظہر، میر کاظم شاہ سرخوش، سید طباطبائی، میر ہوتک افغانی اور نواب ولی محمد خان ولی لغاری جیسے شعرائے کرام میر کرم علی کے دامن نعم و کرم سے وابستہ تھے[1]۔

۱۔ مقالہ تالپور حکمرانوں کے علمی کارنامے از احسن کربلائی مطبوعہ مہران جو موجوں، ۱۹۶۴ء، ص ۷۳۔

Marfat.com

بقول ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ "زبدۃ المعاصرین اور لحک خسروی "جیسے فارسی کے مشہور تذکرے میر کرم علی کے دور درخشاں کی ادبی یادگار ہیں" (سندھ میں اردو شاعری ص ۷۷) ۔

میر مراد علی خان (۱۱۸۸ - ۱۲۴۹ھ) مدفن حیدرآباد) نے اپنا فارسی دیوان "دیوان علی" اور ایک تذکرہ "لحک خسروی" مرتب کیا ۔ "طب مراد" نامی کتاب لکھی جو ان کے فن طب پر مہارت کی زندہ شہادت ہے ۔

میر صوبدار خان میر (ولادت ۱۲۱۷ھ (۱۸۰۲ء) بمقام حیدرآباد) ، فتح علی خان کے فرزند اور ولی عہد تھے ۔ جنگ میانی میں انگریزوں کے ہاتھوں شکست کے بعد اپنے چچا زاد بھائی میر محمد نصیر خان جعفری آخری فرمانروائے حیدرآباد کے ہمراہ گرفتار ہو کر کلکتہ میں اسیر فرنگ رہے جہاں ۱۲۶۲ھ (۱۸۴۶ء) کو قید حیات سے آزاد ہو گئے ۔

میر صوبدار خان کو شعر و ادب کے علاوہ فن طب سے بھی خاص شغف تھا ۔ طب کے موضوع پر ان کی ایک تصنیف "خلاصۃ التداوی" کا سراغ ملتا ہے ۔ فارسی نظم میں متعدد تصانیف چھوڑی ہیں ۔ تین دیوان مرتب کیے جن میں ایک "دیوان میر" کا سن تصنیف ۱۲۴۰ھ (۱۸۲۴ء) ہے ۔ اس شعری مجموعے میں ۳۱۴ غزلیں شامل ہیں ۔ صنعت مثنوی میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے ۔ منظوم خطوط کے مجموعے کے علاوہ میر سندھ کی چند مثنویوں کے نام اور سن تصنیف یہ ہیں :

(۱) فتح نامہ (۱۲۴۴ھ - ۱۸۲۸ء)
(۲) سیف الملوک و بدرالجمال (۱۲۴۷ھ - ۱۸۳۱ء)
(۳) خسرو شیریں (۱۲۵۱ھ - ۱۸۳۵ء)
(۴) ماہ و مشتری (۱۲۵۲ھ - ۱۸۳۶ء)
(۵) جدائی نامہ (۱۲۶۰ھ - ۱۸۴۴ء)[1]

---

۱ ۔ تکملہ مقالات الشعراء ، ص ۵۶۳ تا ۵۹۳ ، تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند (تیرہویں جلد مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی لاہور ، ص ۵۳۹) ۔

Marfat.com

میر محمد نصیر خان جعفری (پیدائش ۱۲۱۹ھ بمقام حیدرآباد) فرزند میر مراد علی خان سندھ کے آخری فرماں روا تھے ۔ جنگ میانی میں شکست کے بعد ایران و شہزادگان کے ساتھ اسیر فرنگ ہوئے ۔ ۱۲۶۱ھ (۱۸۵۳ء) میں بمقام کلکتہ قید فرنگ و بند غم سے ہمیشہ کے لیے رہائی پائی ۔

فارسی کے صاحب طرز انشاء پرداز اور خوش فکر سخن سنج تھے ۔ نثر میں "مکاتیب جعفری" اور نظم میں "سفرنامہ جعفری" ان کی یادگار تخلیق ہیں ۔ ان دونوں میں "قید فرنگ" کے دوران سندھ ، بمبئی اور بنگال کے سفر اور دیگر واقعات سے متعلق دردناک تاثرات بیان کیے گئے ہیں ۔

نواب ولی محمد خان ولی لغاری (۱۱۶۵-۱۲۴۷ھ ۱۷۵۲-۱۸۳۲ء) حکومت تالپور کے نامور وزیراعظم اور بہادر سپہ سالار تھے ۔ فارسی کے صاحب دیوان شاعر جلیل القدر نثرنگار ، حکیم حاذق ، جید عالم ، متعدد کتب نظم و نثر کے مولف و مصنف ۔ خرد نامہ (علم اخلاق) نزھتہ الابدان (علم طب) کے علاوہ ساقی نامہ ، موعظت نامہ اور مثنوی ہیر رانجھا ان کی علمی بصیرت اور شعری رفعت کی مظہر ہیں ۔

سید ثابت علی شاہ (۱۱۵۳ھ بمقام ملتان ۱۲۲۵ھ (۱۸۱۰ء) بمقام سیوہن) میر کرم علی کے درباری شاعروں میں ثابت علی شاہ ثابت کو ممتاز درجہ حاصل تھا ۔ ثابت شاہ تالپور دور کے بہت بڑے مرثیہ خوان تھے ۔ میر انیس و میر دبیر اور سید صابر علی شاہ کے مرثیے میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا ۔ ان کا فارسی دیوان اور مراثی ان کی فارسی دانی و سخن فہمی کی غیر معمولی مہارت و درک کے غماز ہیں ۔

ٹھٹھہ کے شکر اللہی شیرازی سادات ، سید عزت اللہ کا خاندان علمی روحانی و ادبی اعتبار سے بہت ممتاز سمجھا جاتا تھا ۔ میر علی شیر قانع بن عزت اللہ ان کے بھائی سید ضیاء الدین ضیاء بھتیجے محمد عظیم الدین عظیم اور قانع کے فرزند میر غلام علی مائل نے فارسی علم و ادب کی ترقی و ترویج اور توسیع و اشاعت میں بے نظیر کارنامے انجام دیے ۔ یہ حضرات عہد تالپور کے اکابر ادب میں سے تھے ۔

Marfat.com

میر علی شیر قانع کی ولادت ۱۱۴۰ ہجری میں عہد کلہوڑا میں اور وفات ۱۲۰۳ھ میں دور تالپور میں ہوئی۔ قانع سندھ کے مشہور مورخ ، محقق ، مصنف ، تذکرہ نگار اور باکمال شاعر تھے۔ دیوان سمیت ان کی تصنیفات و تالیفات کی تعداد بیالیس سے زیادہ ہیں جن میں دس سے زائد مثنویاں شامل ہیں۔ میاں غلام شاہ کلہوڑا کی فرمائش پر "تاریخ عباسیہ" لکھی۔ قانع کی دو کتابیں مقالات الشعراء اور تحفة الکرام سندھ کی تاریخ، تصوف اور ادب پر بنیادی مآخذ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ مقالات الشعراء ۱۱۷۴ھ سے ۱۲۰۲ھ یعنی ۲۷ سال کی طویل مدت میں لکھی۔ یہ کتاب ۷۱۹ فارسی کے قدیم اور قانع کے معاصر شعراء کا پہلا جامع اور وقیع تذکرہ ہے[1]۔

تحفة الکرام (سال تصنیف ۱۱۸۰ تا ۱۲۰۳ھ) تین حصوں میں ہے۔ یہ کتاب سندھ کی تاریخ ، جغرافیہ ، سلاطین ، امراء و وزراء ، اولیاء ، علماء ، انبیاء ، خلفاء و حکمائے اسلام کے حالات و واقعات سے متعلق ایک اہم اور مبسوط دستاویز ہے[2]۔

ضیاء الدین ضیاء (۱۱۶۰ - ۱۲۲۹ھ/۱۷۴۷ - ۱۸۱۴ء) والی میرپور خاص ، میر ٹھارو خان بن میر فتح خان مانکانی کے درباری شاعر تھے۔ ضیاء نے میر ٹھارو خان کی خواہش پر عظیم ٹھٹھوی کی مثنوی ہیر رانجھا کی تقلید میں قصہ ہیر رانجھا کو نظم کیا۔ اس مثنوی کے علاوہ فارسی میں ضیاء ٹھٹھوی کا ایک دیوان اور کئی بیاضیں[3] ان کی شاعرانہ صلاحیتوں کی شاہد ہیں۔

---

۱ - مقالات الشعراء پیر حسام الدین راشدی کے مقدمہ و حواشی کے ساتھ ۱۹۵۷ء میں سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد کے زیر اہتمام منظرعام پر آچکا ہے۔ قانع کے یہ حالات و کوائف اسی ایڈیشن سے ماخوذ ہیں۔

۲ - تحفة الکرام کا اردو ترجمہ (مترجم اختر رضوی) مع تصحیح و حواشی مخدوم امیر احمد و ڈاکٹر نبی بخش بلوچ، سندھی ادبی بورڈ نے ۱۹۵۹ء میں شائع کیا ہے۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

Marfat.com

محمد عظیم الدین عظیم ۱۱۶۲ - ۱۲۲۹ھ/۱۷۴۹ - ۱۸۱۴ء) کا شمار فارسی کے چوٹی کے شعراء میں ہوتا ہے۔ عباسیوں کے دور میں پیدا ہوئے۔ دونوں حکومتوں نے عظیم کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف کیا۔

"فتح نامہ"عظیم ٹھٹھوی کا ایک عظیم تاریخی کارنامہ ہے۔ یہ مثنوی جو تین ہزار اشعار پر مشتمل ہے ۱۲۰۹ھ (۱۷۹۴ء) میں شاہنامہ فردوسی کے انداز میں لکھی گئی۔ عظیم نے میر فتح علی خان کی فرمائش پر ۱۲۱۴ھ (۱۷۹۹ء) میں اٹھارہ سو اشعار کی مثنوی ہیر رانجھا لکھی۔ یہ فارسی ادب کا شاہکار ہے۔ عظیم کا فارسی کلام مثنویوں کے علاوہ قصائد، غزلیات، رباعیات، خمسات، مسدسات اسلام اور مرثیوں پر محیط ہے[1]۔

میر غلام علی مائل (۱۸۸۱ - ۱۲۵۱ھ) بھی میر کرم علی خان کرم کے دربار سے وابستہ رہے۔ فارسی کے قادرالکلام شاعر تھے۔ ان کے فکر و فن کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ قصائد مراثی سلام مناقب نعت کے علاوہ غزلیات و قطعات کا وافر ذخیرہ ان کے کلام میں موجود ہے۔ تاریخ گوئی و نظم نگاری کے فن میں یکتا و یگانہ تھے۔ ان کے اکثر تاریخی قطعات ان کے دور کے حالات و واقعات کی عکاسی کرتے ہیں۔ کلیات مائل ۱۹۵۹ء میں محمود احمد عباسی اور محمد حبیب اللہ رشدی کی ترتیب، حواشی اور مقدمہ کے ساتھ سندھی ادبی بورڈ کی جانب سے زیور اشاعت سے آراستہ ہو چکا ہے[2]۔

(بقیہ حاشیہ صفحہٴ گزشتہ)

۳۔ ضیاء ٹھٹھوی اور دیگر شعراء کی بیاضوں اور مخطوطات سے سندھی ادبی بورڈ میں اس کے سکریٹری غلام ربانی اگرو اور نگران کتب خانہ انور ہالائی (ایڈیٹر گل پھل) کے کرم و نوازش سے راقم کو استفادے کا شرف حاصل ہو چکا ہے۔

۱۔ دیوان عظیم مرتبہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان (سابق صدر شعبہ اردو جامعہ سندھ سندھی ادبی بورڈ کے تحت ۱۳۸۱ھ (۱۹۶۲ء) میں شائع ہو چکا ہے۔

۲۔ میر مائل ٹھٹھوی کی چھ بیاضوں کے مخطوطات (شعبہٴ مخطوطات نمبر ۲۱) سندھی ادبی بورڈ میں راقم کی نظر سے گزر چکے ہیں۔

Marfat.com

محمد پناہ رجا ٹھٹھوی فارسی کے ایک اہم شاعر تھے ۔ قانع کے استاد بھائی ، ابو تراب حیدرالدین کامل کے تربیت یافتہ تھے ۔ میر محمد لطف اللہ عرف میر ستارہ وزیر سندھ نے رجا کی قدر افزائی کی[1] ۔

اخوند محمد بچل انور (متوفی ۱۲۰۲ھ (۱۷۶۱ء) میر نصیر خان جعفری کے استاد تھے ۔ فارسی مثنوی "میرزا صاحبان" ان کی ادبی کاوشوں کی حاصل ہے[2] محمد عارف صنعت شکارپوری (وفات ۱۲۶۶ھ - ۱۸۴۹ء) کا فارسی دیوان ان کے صاحبزادے میاں محمد امین نے مرتب کر کے پہلی بار ۱۳۱۳ھ (۱۸۹۶ء) میں شائع کیا ۔ اس کا دوسرا ایڈیشن سندھی ادبی بورڈ کی توجہ سے منظر عام پر آیا ہے ۔

مخدوم عبدالواحد سیوہانی (مصنف انشائے واحدی) پیر محمد راشد ، شیخ محمد حیات (وفات ۱۲۱۸ھ مصنف مثنوی داستان جہاد عشق و عقل) خلیفہ محمد کھہڑوی (۱۱۸۹ - ۱۲۶۷ھ/۱۷۷۳ - ۱۸۵۲ء) مصنف رسالہ گلشن اولیاء ، جامع الفیوضات پیر نظام الدین نظامی سرہندی بن خواجہ پیر غلام محی الدین سرہندی وفات ۱۲۵۱ھ-۱۸۳۵ء) مصنف اسرار و رموز نقشبندیہ ، اخوند میاں صاحبڈنو شکارپوری (متوفی ۱۲۵۰ھ - ۱۸۳۳ء) فقیر گل محمد ، اخوند قاسم ہالائی بن نعمت اللہ کی غزلیات تاریخی قطعات ، مثنویاں ، منظومات دواین ملفوظات اور مکتوبات وغیرہ دور تالپور کی پیداوار ہیں[3] ۔

اردو کے جن اولیائے کرام کی حیات اور کلام زیر نظر کتاب کے باب دوم (عہد تالپور) میں شامل ہیں ان میں سچل سرمست ، اخوند قاسم ہالائی بن اخوند محمود ، مراد فقیر زنگیجہ فارسی کے قادر الکلام شعراء تھے ۔ فارسی کی مختلف اصناف پر ان کے کلام کے مجموعے سندھ کے فارسی ادب میں قابل قدر اضافہ ہیں ۔

---

۱ - مقالات الشعراء ، ص ۲۲۳ ۔

۲ - Persian Poets of Sind P-211 ۔

۳ - مقالات الشعراء ، تذکرہ لطفی جلد دوم ، تذکرہ مشاہیر سندھ الرحیم مشاہیر نمبر ۔

Marfat.com

اُردو : عہد تالپور اردو زبان و ادب کی ترقی کا دور تھا ۔ یہ دور نثر اردو کا دوسرا دور تھا ۔ مرزا رفیع سودا نے نثر میں خلاصہ مثنوی شعلہ عشق ، دیباچہ کلیات ۔ (۱۷۸۱ء) میں لکھا ۔ محمد حسین کلیم نے فصوص الحکم ، رفیع الدین دہلوی نے (۱۷۷۶ء) میں اور شاہ عبدالقادر دہلوی نے اردو میں قرآن مجید کا ترجمہ کیا ۔ میر عطا حسین تحسین کی نو طرز مرصع (۱۷۹۸ء) بھی اسی دور کی پیداوار ہے[1] ۔ یہ کتابیں مذہب اور حکایات سے متعلق ہیں اور ان کی عبارتیں فارسی آمیز الفاظ سے آراستہ ہیں ۔

تالپوروں کا یہ دور نظم اردو کے لحاظ سے شعرائے متقدمین کا دور سوم اور متوسطین کا دور اول (۱۷۵۰ تا ۱۸۰۰ء) شعرائے دہلی آبرو ، حاتم ، تاجی ، مظہر جان جاناں ، میر تقی میر ، خواجہ درد اور متوسطین کا دور دوم و سوم (۱۸۰۰ تا ۱۹۵۰ء) میر حسن ، انشاء ، جرأت ، مصحفی ، ناسخ ، آتش جیسے باکمال شعراء اور ان کے تلامذہ پر مشتمل ہے ۔

اس عہد کی خصوصیت یہ ہے کہ اس دور میں اردو شاعری کی تمام اصناف کمال کو پہنچیں ۔ دکنی کے بجائے فارسی اثرات نمایاں ہوئے ۔ نحیف الفاظ ، متروک تراکیب ، پست خیالات کی جگہ جاندار الفاظ ، حسین تراکیب اور بلند خیالات نے لی ۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ خواجہ میر درد کا کلام عامیانہ اور غیر اخلاقی مضمون و خیال سے پاک ہے ۔ میر درد کی زبان اور طرز ادا میر تقی میر جیسی ہے لیکن تصوف کی چاشنی اور درد و اثر کے اعتبار سے منفرد ہے ۔ تصوف و عرفان کا رنگ جس قدر میر درد کے کلام میں نکھرا نکھرا نظر آتا ہے اس سے پہلے کسی اور شاعر کے یہاں مفقود ہے ۔

انشاء اللہ خان انشاء نے اردو کی ترقی و توسیع کے لیے نئے نئے تجارب اختیار کیے ۔ نئی نئی اصطلاحات سے اردو کو مالا مال کیا ۔

---

۱ ۔ داستان تاریخ اردو ، ص ۵۷

Marfat.com

نظیر اکبر آبادی اسی زمانے کے سب سے بڑے عوامی شاعر تھے۔ وہ اردو کے شیخ سعدی، عاشقانہ رنگ کے استاد، ناصحانہ شعرگوئی کے ساہر، عوامی زندگی کے عرفان و وجدان سے آشنا، آدمی و آدمیت کے اسرار و رموز کے پیامبر اور نیچرل شاعری کے بانی و موجد تھے۔

اس دور کے اساتذہ اردو کا رنگ شاعری دیکھیے:

سمجھے تھے ہم تو میر کو عاشق اسی گھڑی
جب سن کے تیرا نام وہ بے تاب سا ہوا

(میر تقی، ۱۱۳۷ - ۱۲۲۵ھ)

سینہ و دل حسرتوں سے چھا گیا
بس ہجوم یاس جی گھبرا گیا
وحدت نے ہر طرف ترے جلوے دکھا دئے
پردے تعینات کے جو تھے اٹھا دئے

(میر درد، متوفی ۱۱۹۹ھ)

غصے میں ترے ہم نے عجب لطف اٹھایا
اب تو عمداً اور بھی تقصیر کریں گے

(انشاء، وفات ۱۲۳۳ھ)

ناصح میں اور ہم میں ہیں یہ طرفہ صحبتیں
ہم کچھ نہیں سمجھتے وہ سمجھائے جائے ہے

(جرات، متوفی ۱۲۲۵ھ)

ترے کوچے اس بہانے مجھے دن سے رات کرنا
کبھی اس سے بات کرنا کبھی اس سے بات کرنا

(مصحفی، وفات ۱۲۴۰ھ)

آگے کے صفحات میں ہم سندھ کے ان اولیائے کرام کے کلام کا نمونہ پیش کریں گے جن کا ذکر اس دور کے باب میں کیا گیا ہے۔ (یعنی مراد فقیر، قاسم ہالائی، سچل سرمست، شاہو فقیر اور غلام علی فقیر لیکن اس سے قبل یہ ضروری ہے کہ ان عوامل و محرکات پر روشنی ڈالی

Marfat.com

جائے جو عہد تالپور میں اردو زبان اور اس کے ادب کی ترقی و اشاعت میں ممد و معاون ثابت ہوئے واقعہ یہ ہے کہ امیران تالپور نے عربی اور سندھی کے علاوہ فارسی اور اردو زبان و ادب کے فروغ میں جس ذوق و شوق سے حصہ لیا اس کے سائے میں اردو کو پھلنے پھولنے کا خوب موقعہ ملا۔ تالپوروں کا دربارفارسی و اردو ادباء و شعراء کی انجمن سے کم نہ تھا۔ ارباب سلطنت میں میر کرم علی خاں ، میر مراد علی خان علی ، میر صوبدار خان میر ، میر محمد نصیر خان جعفری ، نواب ولی محمد خان ولی لغاری ، نے اردو نظم و نثر میں کتابیں لکھیں۔ ان کی تصانیف اور دواوین نہ صرف فارسی بلکہ اردو سے بھی غیر معمولی دلچسپی کے شاہد ہیں۔ سید ثابت علی شاہ ، عظیم ٹھٹھوی ، ضیاء الدین ضیاء ، غلام علی مائل وغیرہ نہ صرف فارسی بلکہ اردو کے بھی نامور شعراء گزرے ہیں۔

عہد تالپور کے صوفی شعرائے اردو میں شاعر ہفت زبان سچل سرمست کا مقام بہت بلند تھا۔ سچل کا کلام تصوف و تغزل کا دلگداز مرقع ہے۔ ان کا دامن فکر عشق مجازی سے عشق حقیقی تک کے تمام پہلوؤں سے آراستہ ہے۔ شاہ لطیف ، میر درد اور میر تقی کے رنگ میں سچل کے اشعار کا رنگ بہت نمایاں ہے۔

شاہ لطیف کے رنگ میں :

"موتوا"[1] میں ہے بشارت اس عشق کی اشارت
مرنے میں ہے صفائی پاؤ گے تم حیاتی

میر درد کے رنگ میں :

نہ جلوہ گر ہے ہر دو جہاں نے کوئی جلوہ ہے
تری جائے نظر ہے تو نظر سے خود بنا ہوگا

۱۔ "موتوا قبل ان تموتوا" صوفیوں کا مشہور قول ہے۔ اس رنگ تصوف میں خواجہ میر درد کہتے ہیں :

موت کیا آ کے فقیروں سے تجھے لینا ہے
مرنے سے آگے ہی یہ لوگ تو مر جاتے ہیں

Marfat.com

میر تقی میر کے رنگ میں :

تیرے میر ہجر میں پیارا روتا ہوں زار زار
وعدے نے تیرے ہم کو اب منتظر کیا ہے

عارفانہ خیالات اور صوفیانہ نظریات کی تبلیغ و اشاعت اس دور کی شاعری کی خصوصیات میں سے ہے چنانچہ سندھ کے دیگر شعراء بھی سچل کے ہم خیال و ہم نوا ہیں۔ مثال کے طور پر یہ شعر ملاحظہ ہو :

کبھو پربھو ہم کون ہوں کم آیو سنسار
چوراسی لکھ جات کم جولیوت ہے اتار

(مراد فقیر)

اس دور کے بعض شعراء نے کلہوڑوں کے زوال اور تالپوروں کے اقتدار کا درمیانی زمانہ اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اس پرآشوب دور کے عصری تقاضوں، انقلابی حالات اور سیاسی واقعات کو محسوس کیا۔ آخری عباسی فرمانروا میاں عبدالنبی کی سازش، تیمور شاہ افغانی کی تحریک پر سندھ پر سردار مدد خان افغانی کی چڑھائی نے مراد فقیر کو بہت متاثر کیا۔ انہوں نے عصری محسوسات کو نظم کی زینت بنا دیا۔ اس تاریخی واقعہ کو منظوم تاریخ میں محفوظ کر دیا اپنے ایک شعر میں اہل سندھ سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں ظالم مدد خان کو نکال باہر کرو، یہ یہودی اور میاں عبدالنبی یزید ہیں۔

ماروں مدد کوں دور کرو
چھوڑو سمجھے یہودی یزید میاں

یہ صوفی شعراء بیک وقت سندھی، سرائیکی، ہندی، فارسی اور اردو میں باقاعدہ شاعری کرتے تھے۔ ان زبانوں کے اختلاط و اتصال سے نئے نئے شعری تجربے کرتے تھے۔ یہ آمیزش ان کے کلام میں جابجا نمایاں ہے۔

مکھ تیرے سر بہار ہے چنتا کرو ست کاء
جو تم پوچھو چاہ سوں سو سبھ دیوی بتاء

(مراد فقیر)

Marfat.com

جھلکار مکھ ترے کا ہے بجلی کے مانند
برسات مجھ انکھیاں کی ہے بادلی کے مانند
نئین نرگس ، دہن غنچہ کیا ہے ، زلف ہے سنبل
ہوا ہے رشک گلشن کے تیرا رخسار ہر ساعت

(قاسم ہالائی)

شاہو شاہ کے سر نے آیا ، پریت لاگی تب موری
غلام علی اب گیان گلی میں ملیو شیام کشوری

(فقیر غلام علی)

گزشتہ سطور میں عرض کیا گیا تھا کہ عہد کاہوڑا کے سندھی شاعروں کے کلام پر دکنی اثرات کم اور مقامی اثرات زیادہ ہیں جبکہ دور تالپور میں دکنی اثرات صاف طور پر نمایاں ہیں ۔ چند مثالیں دیکھیے :

ہے گریہ زاری عشق میں نے خواب نے آرام ہے
جس دل سے برہا لگ چکا سب سوں و مانا تعلق ہوا

(سچل)

جن تیرے ہاتھ سوں پیالہ پیا
اس کے سرسوں سبھی خمار گیا

(قاسم ہالائی)

گگن منڈل ہوں دامنی چمکے انحد کی گھنگھوری
آپ سوں آپ ہیں کھینچ لیوے پائے پریم کی ڈوری

(فقیر غلام علی)

عہد برطانیہ (۱۲۵۹ - ۱۳۱۸ھ ۱۸۴۳ - ۱۹۰۰ء/۱۳۱۹ - ۱۳۶۷ - ۱۹۰۱ - ۱۹۴۷ء)

سندھی : ۱۲۵۹ھ (۱۸۴۳ء) میں جنگ میانی[1] میں تالپوروں کی شکست کے بعد سرزمین سندھ پر انگریزوں کا غاصبانہ تسلط ہو گیا ۔ جب انگریز

---

۱ ۔ ملاحظہ ہو ضمیمہ نمبر ۳ ۔

Marfat.com

برسر اقتدار آئے سندھی زبان اور اس کا ادب جادۂ ترقی پر گامزن تھا۔ فارسی زبان عدالتوں دفتروں اور پڑھے لکھے گھرانوں میں رائج تھی۔ انگریزوں نے ہندوؤں کی حمایت میں مسلمانوں کے ساتھ امتیازی سلوک کیا۔ سندھ کے عوام سے رابطہ قائم کرنے، ان کی زبان و ثقافت کو سمجھنے کے لیے سندھی زبان سیکھی۔ اسلامی تہذیب و معاشرت، تاریخ و ثقافت کو برباد کرنے کی غرض سے سندھی زبان و ادب پر کاری ضرب لگائی۔ فارسی کو مسلمانوں کی علمی و ثقافتی زبان سمجھ کر اس کے ختم کرنے اور اس کی جگہ سندھی زبان کو عام کرنے کے منصوبے کو فوری طور پر عملی جامہ پہنایا۔ سندھی زبان کے مروجہ حروف[1] کو بدل کر سندھی، عربی کے مشترکہ حروف تہجی مقرر کیے۔ کمشنر سر بارٹل فرئیر کی نگرانی میں ۱۸۵۳ء میں عربی کے صوتیاتی اساس پر عربی کے ۲۹ حروف مستعمل حروف میں بڑھا کر ۵۲ حروف پر مشتمل سندھی حروف تہجی کی تشکیل کی گئی[2]۔

عربی خط نسخ میں حروف تہجی کی ترتیب و تشکیل کے بعد انگریزوں نے سندھی کے قواعد (گرامر) اور لغتیں خود بھی لکھیں اور مقامی اہل علم و قلم سے لکھوائیں۔[3]

۱۸۵۳ء میں کراچی کے علاوہ سندھ کے دوسرے شہروں مثلاً حیدرآباد، ٹھٹھہ، شکارپور، خیرپور وغیرہ میں انگریزی مدارس کا قیام عمل میں آیا جہاں انگریزی کے ساتھ ساتھ سندھی تعلیم بھی لازمی قرار دی گئی۔ ۱۸۶۰ء میں محکمہ تعلیم بھی قائم کر دیا گیا۔ فارسی زبان کی اہمیت بتدریج ختم ہو گئی۔ ملازمت و تجارت کے لیے سندھی سے واقفیت لازمی تھی۔ کل ہند سطح پر اردو کو عدالتی زبان کی حیثیت حاصل ہوئی۔

۱۔ سندھی ادب ص ۸۳۔

۲۔ مسلمانان کراچی و سندھ کی تعلیم ص ۶۸ تا ۷۱؛ سندھی ادب کے مختلف رجحانات ص ۱۵ سندھی نثر کی تاریخ، الانہ، ص ۸۔

۳۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو سندھی ادب ص ۸۳، ۸۴۔ سندھی ادب کے رجحانات ص ۲۳۔

Marfat.com

جب فرنگی فرمانروائی ارر جابرانہ طریق حکمرانی کا اولین منصوبہ پایہ تکمیل کو پہنچا تو برطانوی سامراج نے سندھی کی سرپرستی ترک کر دی ۔ علمائے دین کی مخالفت اور عوام کے جذبہ تنفر کے باوجود پورے ملک ہند و سندھ کی عدالت ، دفتر کوچہ و بازار میں انگریزی زبان کا سکہ رواں دواں ہو گیا لیکن فرزندان سندھ کے حوصلے بلند تھے ان کی کوششوں سے سندھی زبان و ادب کی ترقی و اشاعت کے ایک نئے باب کا آغاز ہوا ۔ سرکاری و غیر سرکاری سطح پر چند درسی کتابوں کی ترتیب و اشاعت کے بعد قواعد تاریخ، جغرافیہ، ریاضی، الجبرا، علم الابدان، منطق ڈرائنگ اور دیگر علوم و موضوعات سے متعلق نظم و نثر میں تصنیف تالیف اور ترجمے کا طویل سلسلہ شروع ہو گیا ۔

دیوان نندی رام نے سرکار انگلشیہ کی سرپرستی میں سندھی میں پہلی جماعت کی کتاب ''باب نامہ''، سیکھا نشونروار (تعلیم سے متعلق سنساری نروار (طبیعیات) لکھنے کے علاوہ ۱۸۵۴ء میں تاریخ معصومی (فارسی) اور ''ایسپ کی کہانیاں'' (Stories of Esop) (انگریزی) کو سندھی ادب میں پیش کیا ۔ منشی آدھا رام نے ۱۸۶۱ء سے ۱۸۷۱ء تک کے عرصے میں ''راس بلاسی'' (انگریزی) کے علاوہ راء ڈیاچ اور سورٹھ ، کامی و کامروپ قصہ مہر منیر و بدر منیر کو انگریزی و فارسی زبانوں سے سندھی میں منتقل کیا ۔ دیوان کورمل نے ۱۸۶۲ء میں ہندی ڈرامہ رتنا ولی اور انگریزی تاریخ ہسٹری آف کالمبس کا ترجمہ کیا ۔ دیوان کیول رائے کی تین کتابیں گل ، گل شکر اور سوکڑی ۱۸۶۴ء سے ۱۸۷۰ء تک کی تصانیف ہیں ۔

سید میراں محمد شاہ اول (۱۸۲۹ - ۱۸۹۱ء) نے ۱۸۵۵ء میں سدھا تورو اورکدھا تورو (ہندی) اور ۱۸۶۱ء میں مفیدالصبیان (فارسی) کو سندھی حروف و خطوط سے آراستہ کیا ۔ غلام حسین محمد قاسم قریشی (۱۸۵۲ء میں) ''زمیندار کی کہانی'' اور عبدالرحیم محمد وفا عباسی کی

---

۱ ۔ سندھی نثر کی تاریخ ، ڈاکٹر الانہ ، ص ۶۸ ۔

Marfat.com

کہانیوں سیف الملوک اور بدرالجمال (۱۸۷۹ء) بہرام شاہ ، عجائب شاہ ، جمجھ سلطان ، وکیوڈرا تار ، سسی پنوں ، عمر ماروی ، بلے اور چوہے وغیرہ سے سندھی میں کہانی نویسی کی داغ بیل پڑی ۔

سندھی نثر کی ابتدا پہلے عہد کلہوڑا پھر دور تالپور میں ہوچکی تھی۔ یہ زمانہ انیسویں صدی عیسوی کے شروع اور بیسویں صدی کے نصف اول کا ہے ۔ سندھی نثر کا دوسرا دور عہد برطانیہ میں ۱۸۴۳ء کے بعد شروع ہوتا ہے جو قیام پاکستان تک کے کامیاب دور کا احاطہ کرتا ہے ۔ اس دور میں سادگی ، سلاست و فصاحت ، مقامی محاورات و استعارات سے سندھی نثر کو ایک نیا اور دلکش روپ ملا ۔ ناول ، ڈرامے ، انشائیہ کا شوق عام ہوا ۔ پھر تاریخی و تحقیقی کاموں کا بھی افتتاح ہوا ۔

مرزا قلیج بیگ اس دور کے سب سے بڑے محسن ادب تھے ۔ انہوں نے مختلف علوم و فنون پر چار سو سے زائد کتابیں سندھی ، عربی ، فارسی، بلوچی ، انگریزی اور اردو میں لکھیں ۔ جن میں طبع زاد تخلیقات اور ترجمہ شدہ نگارشات دونوں شامل ہیں ۔ بیک وقت مورخ ، محقق ، ادیب اور مترجم کی حیثیت سے ان کا کوئی ثانی نہیں ۔ تاریخ ، ثقافت ، اخلاق مذہب سے متعلق ان کی نصابی کتب، ناول ، ڈرامے ، افسانے، ترجمے مطبوعہ و غیر مطبوعہ صورت میں ان کے کتب خانہ[1] ٹنڈو ٹھورو میں محفوظ و موجود ہیں ۔

قلیج بیگ کے نہج پر نوجوانوں میں کام کرنے کی نئی راہیں استوار ہوئیں ۔ سندھی ادب میں نئے رجحانات کا احساس ہوا ۔

قاضی عبدالغفور ہالائی نے امیر حمزہ لطف اللہ محمد اسحاق اخوند (۱۸۴۲ - ۱۹۰۲ء) نے فسانۂ عجائب ، گل خندان ، حاجی امام بخش خادم (۱۸۶۱ - ۱۹۱۸ء) نے قصہ چہار درویش اور حاتم طائی نامی قصے کہالیوں کو سندھی قارئین سے روشناس کرایا ۔ ہدایت اللہ مشتاق (نثر

---

۱ - راقم کو ڈاکٹر محمد اسماعیل بن ڈاکٹر ابراہیم خلیل شیخ کی معیت میں کتب خانہ قلیج سے استفادہ کا شرف حاصل ہو چکا ہے ۔

Marfat.com

مرصع کے بانی اور ہدایت الانشاء ، مصباح العاشقین کے خالق) مولوی حکیم فتح محمد بھوانی (دیباچہ تفسیر قرآنی بعنوان نور الایمان فی حیات النبی ، ابو الفضل و فیضی ، میرن جی صاحب کمال و زوال ، آفتاب ادب) عبدالرزاق میمن اور ڈاکٹر ہوتچند گربخشانی (۱۸۸۴ - ۱۹۴۷ء) اسداللہ شاہ ٹھڑائی کے علمی مذہبی ، تاریخی و ادبی کارنامے آئیندہ نسلوں کے لیے مشعل راہ ثابت ہوئے -

اس دور کے دیگر نثر نگاروں کی فہرست میں محمد ہاشم گڑھی یاسینی محمد قاسم گڑھی یاسینی ، سید اسداللہ شاہ ، سید فضل اللہ شاہ اور ان کے خاندان کے دیگر افراد کے علاوہ اور بھی نام شامل ہیں -

نثاروں کی طرح ناظموں نے بھی ایک نئے ولولہ اور ایک نئی اُمنگ کے ساتھ مختلف اصناف سخن میں طبع آزمائی کی - حسن خیال ، حسن بیان ، لطف زبان ، صوفیانہ و عارفانہ خیالات ، رزمیہ و بزمیہ منظومات نے سندھی شعر و سخن کو نئے حسن و جمال کی آراستگی سے قابل رشک بنا دیا - سندھی کے شعری ادب میں غزل ، مثنوی ، قصیدہ ، طنز و مزاح ، ہجو ، قطعہ اور قطعہ تاریخ سب کچھ جمع ہو گیا -

اس دور میں باقاعدہ مشاعرے کا سلسلہ شروع ہوا - سندھی کے اخبارات و رسائل[1] بھی جاری ہوئے - خلیفہ گل محمد (۱۷۸۴ - ۱۸۵۶ء) سندھی کا وہ پہلا صاحب دیوان شاعر ہے جس نے سب سے پہلے اپنا دیوان حروف تہجی کے لحاظ سے مرتب کیا -

ہزہائنس میر حسن علی خان (۱۲۴۰ - ۱۳۲۴ھ/۱۸۲۴ - ۱۹۰۹ء) فرزند میر نصیر خان جعفری (آخری تاجدار سندھ) کی "شاہنامہ سندھ" اور غلام مرتضیٰ شاہ مرتضائی کی شاہ نامہ ، سکندر نامہ وغیرہ معرکہ آرا مثنویاں ہیں -

اللہ بخش ابوجھو (متوفی ۱۳۱۹ھ مطابق ۱۹۰۱ء) نے مولانا الطاف

---

۱ - ملاحظہ ہو سندھی صحافت نامی کتاب (در زبان سندھی) از کریم بخش خالد مطبوعہ ۱۹۵۵ء -

Marfat.com

حسین حالی کی "مد و جزر اسلام" کی تقلید میں اور شمس الدین بلبل نے اکبر الہ آبادی کے تتبع میں طنزیہ و مزاحیہ شاعری کی طرح ڈالی ۔[۱]

قصیدہ نگاروں میں عبدالحسین سانگی ، مرزا قلیج بیگ ، شاہ نجمی ، شمس الدین بلبل اور غلام محمد شاہ گدا کے نام سرفہرست ہیں ۔

کافیاں اور دوہے ایسی صنفیں ہیں جو سندھ کے عوام و خواص میں شروع سے مقبول رہی ہیں لیکن غزل کا نکھار اس زمانے کے شعراء کے ذوق عجم کی غمازی کرتا ہے ۔ اس قبیل کے شعراء میں مصری شاہ ، مہدی شاہ ، خیر محمد ، فقیر بھاونی ، سلیمان شاہ ، فقیر بیدل ، محسن بیکس محمد امین ہالائی ، محمد رمضان فقیر ، میر سانگی ، فقیر عثمان لاڑکانوی ، صاحبڈنو شاہ ، حسن بخش شاہ کا تعلق برطانیہ کے صد سالہ دور حکومت کی اول نصف صدی اور قطب جہانیاں پوٹہ ، سوبھا فقیر لغاری ، ولی محمد لغاری ثانی ، کلیم اللہ شاہ ، پیر کمال کا تعلق دوسری نصف صدی سے رہا ۔

جن اہل سخن نے شعر و سخن اور فکر و فن کی ایک نئی بساط بچھائی ، سوز و گداز ، درد و اثر کا جادو جگایا ان کی فہرست طویل ہے ۔ اکثر کا کلام رسائل و اخبارات یا دواوین وکلیات کی صورت میں زیوراشاعت سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آ چکا ہے ۔ البتہ کچھ ایسے بھی ہیں جن کے افکار و آثار ملفوظات و مخطوطات اور دستاویزات کی شکل میں موجود ہیں ۔

عربی : زبان و ثقافت کے سلسلے میں برطانوی سامراج کی جابرانہ طرز حکومت اور آمرانہ سلوک نے فرزندان سندھ کی تاریخ و ثقافت کا رخ موڑ دیا ۔ اسلامی ثقافت کے تحفظ و سلامتی اور ملی بقا و استحکام کی خاطر وادی مہران کے صوفیاء ، علماء ، اساتذہ ، معلمین اور مبلغوں نے قومی جدوجہد کے ایک نئے دور کا آغاز کیا ۔ شہر شہر ، قریہ قریہ ، گاؤں گاؤں دینی مدارس قائم کیے گئے ۔ سندھی کے ساتھ ساتھ عربی و فارسی علوم و فنون کی تعلیم و تبلیغ کا بندوبست کیا گیا ۔ جس کا مفید و موثر

---

۱ ۔ مقالہ سندھی شعراء کی قومی شاعری مشمولہ مجلہ صریر خامہ قومی شاعری نمبر ، ۱۹۶۶ء ، مرتبہ وفا راشدی مطبوعہ جامعہ سندھ ۔

Marfat.com

نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ تاریخ ، ثقافت ، سیاست ، علم ، ادب اور روحانیت کے ہر میدان میں اہل اللہ ۔ اہل صفا ۔ اہل علم اور اہل فن پیدا ہوئے جنہوں نے سندھ کے گوشہ گوشہ ، ملی وقار ۔ قومی حمیت اور علمی و روحانی عظمت کا پرچم بلند رکھا ۔ تجلیات الٰہی اور انوار محمدی سے دلوں کو سنور کیا ۔

سلسلہ قادریہ کے ایک برگزیدہ بزرگ مولانا نور محمد شہداد کوٹی (۱۲۰۶ - ۱۲۹۶ھ) وہ محسن قوم ہیں جنہوں نے برطانوی دور کی ابتدا ہی میں علوم اسلامی کی افادیت و اہمیت کو محسوس کیا ۔ شہداد کوٹ ضلع لاڑکانہ میں مدرسہ نور محمدیہ کی بنیاد رکھی ۔ یہ وہ پہلی درسگاہ ہے جہاں تحصیل علم کی خاطر دور دور سے طلباء آتے تھے ۔ مولانا نور محمد کے بے شمار تلامذہ سندھ اور بلوچستان میں پھیلے ہوئے تھے ۔ مولانا نور محمد کے دو لائق فرزند مولانا گل محمد اور مولانا غلام صدیق اور ان کے فیض یافتگان مولانا محمد ابراہیم گڑھی یاسینی، محمد قاسم گڑھی یاسینی ، مولانا داد محمد ، عبدالحکیم ، مولانا حسن قریشی ، علامہ حسن اللہ پاٹائی علی شاہ راشدی اور مولانا غلام محمد ملکانی نے گراں قدر خدمات انجام دیں ۔

ایک، وہ وقت بھی آیا کہ مدرسہ نور محمدیہ کچھ عرصے کے لیے بند ہو گیا تو مولانا نور محمد کے پوتے اور مولانا غلام صدیق کے بیٹے مولانا عبدالحلیم کنڈوی (متوفی ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۹۳۶ء) نے دوبارہ اس سرچشمہ دین کو مدرسہ عربیۂ حلیمیہ کے نام سے جاری کیا ۔

اسی زمانے میں سرسید احمد خاں کے ایک رفیق کار جسٹس امیر علی کی تحریک[1] پر سندھ کے سرسید حسن علی آفندی نے ۱۸۸۴ء میں نیشنل محمڈن ایسوسی ایشن سندھ کے زیر تنظیم سندھ مدرسۃ الاسلام[2] کراچی کی بنا ڈالی ۔[3]

---

۱ - ملاحظہ ہو خطبہ صدارت جسٹس امیر علی ، تیرہویں سالانہ اجلاس منعقدہ ۱۸۹۹ء بمقام کلکتہ زیر اہتمام ایجو کیشنل کانفرنس علیگڑھ ۔

۲ - یہ وہی دانش کدہ ہے جس کے سب سے نامور طالب علم بانی

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

Marfat.com

اسی سال مولانا عبداللہ ولد شیخ عبدالکریم نے کراچی کے ایک محلہ کھڈ میں مدرسہ مظہرالعلوم کی بنیاد رکھی ۔ مولانا عبداللہ کی وفات کے بعد ان کے بیٹے مولانا محمد صادق دیوبندی نے مدرسہ کو بام عروج پر پہنچایا ۔ مدرسہ مظہر العلوم کے اساتذہ میں حافظ محمد اسماعیل ولد مولانا صادق دیوبندی ، حکیم محمد سیوستانی ، اللہ ورا بروہی ، مولانا محمد مدنی اور کوثر اعظمی کی علمی و دینی کتابیں طالبان حق و صفا کے لیے مشعل راہ ثابت ہوئیں ۔

اس دور کی علمی و دینی درسگاہوں میں مدرسہ دارالرشاد پیر جھنڈو کو بڑی اہمیت حاصل ہے ۔ مولانا پیر رشداللہ شاہ صاحب العلم اس کے بانی و سرپرست اور مولانا عبیداللہ سندھی اس کے ناظم و صدر مدرس تھے ۔ مدرسہ دارالرشاد نے دارالعلوم دیوبند کے نہج پر پورے برصغیر پاک و ہند میں شاہ ولی اللہ کے افکار و معارف کے تعارف و اشاعت اور سیاسی سماجی ، تہذیبی و ثقافتی زندگی میں قرآن حکیم کی روشنی میں ذہنی و فکری انقلاب برپا کرنے میں عدیم المثال خدمات انجام دی ہیں ۔ دارالرشاد کے تحت کتب خانہ اور مطبع قائم تھے ۔ ''ہدایت الاخوان'' کے نام سے ایک

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

پاکستان قائداعظم محمد علی جناح تھے ۔

۳ ۔ یہ وہ زمانہ تھا جب پورا سندھ مع کراچی صوبہ بمبئی کا ایک حصہ تھا ۔ باوجود غالب اکثریت مسلمان سیاسی اعتبار سے انتہائی غیر اہم اقلیت تھے ۔ زمینداری اور تجارت غیر مسلمانوں کے ہاتھ میں تھی ، تعلیم میں پسماندگی کا یہ عالم تھا کہ ۱۸۸۳ء میں صرف تین مسلمان گریجوایٹ تھے ۔ مساجد وغیرہ کے چھوٹے چھوٹے مدارس عربی کے سوا ان کا کوئی تعلیمی ادارہ نہ تھا اور بقول مسٹر حاتم علی علوی ۱۹۳۵ء تک یہ کیفیت تھی کہ سندھ کے سرکاری و نیم سرکاری اسکولوں میں غیرمسلم لڑکیوں کی تعداد مسلمان لڑکیوں سے زائد تھی ۔ مسلم طالبات کی تعداد ساٹھ اور غیر مسلم طالبات کی تعداد پندرہ ہزار تھی ۔

ع ببیں تفاوت رہ از کجاست تابہ کجا

(سید الطاف علی بریلوی ، علیگڑھ تحریک کا شاہکار ، ص ۴ ، ۵) ۔

Marfat.com

رسالہ بھی شائع ہوتا تھا۔ اس ادارے کے شعبہ تصنیف و تالیف نے عربی و سندھی کی نادر و نایاب کتابیں بھی شائع کیں ۔ اس مدرسے کے مدرسین کی فہرست میں سندھ اور بیرون سندھ کے مشہور و ممتاز علماء کے نام شامل ہیں جن میں مولانا عبیداللہ سندھی ، مولانا نورالحق دیوبندی ، مولانا نجم الدین، مولانا محمد ہمدانی لغاری، محمد اکرام ، احمد علی لاہوری محمد علی شاہ ، خدا بخش ، ولی محمد حاجی پوری اور مولانا غلام مصطفے قاسمی قابل ذکر ہیں ۔

مولانا عبیداللہ سندھی دیوبندی اس دور کے بہت بڑے انقلابی رہنما، تاریخ ساز شخصیت، مفسر قرآن، شیخ الحدیث اور مجاہد اسلام تھے ۔ ان کی بے پناہ خدمات تاریخ اسلام کا ایک درخشاں باب ہے ۔ مولانا سندھی کے شاگردوں اور فیض یافتگان میں سندھ اور ہند کے چوٹی کے علماء شامل ہیں ۔ مولانا کی چند عربی تصانیف یہ ہیں ۔

(۱) التمہید لائمة الجدید (مخطوطہ)

(۲) التمہید التعریف ائمة التجدید

(۳) تفسیر سورہ سبا

(۴) خلاصة القرآن

(۴) الہام الرحمن فی تفسیر القرآن

علامہ خوشی محمد سندھ کے ایک بہت بڑے عالم دین ، شمالی سندھ اور بلوچستان کے اکثر علماء کے استاد تھے جن میں مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی ، مولانا خلیفہ عبدالعزیز ، حافظ محمد بخش ، شاہ محمد بکڑو ، عبیداللہ چانڈیو ، عبدالکریم قریشی اور مولانا محمد نواز وغیرہ نے علوم عربیہ میں ممتاز مقام حاصل کیا ۔

سندھ کے وہ مقامات بھی اسلامی علم و ثقافت اور تصوف و روحانیت کے مراکز تھے جہاں دینی مدارس تھے اور جہاں اہل علم و اہل اللہ کے آستانے تھے مثلاً :

ٹنڈو سائیں داد ، ٹکھڑ۔ خواجہ محمد حسن جان بہت بڑے ولی اللہ

Marfat.com

مبلغ اسلام اور عربی و فارسی کے عالم و مصنف تھے ، شفاء الامراض ، ترجمہ عہد و مواثیق ، اصول الاربعہ فی تردید الوھابیہ طریق النجات مع رسالہ التنویر فی اثبات التقدیر ، القضا الصحیح ، رسالہ تہلیلیہ ، تذکرۃ الصلحاق بیان الاتقیاء ، رسالہ فی باب صحتہ الجمعتہ فی القری ، لغات القرآن ان کی چند عربی تصانیف ہیں ۔

حافظ سید اسداللہ شاہ فدا ٹکھڑائی کی عربی تصنیفات میں الاقمار فی جواب الاستار ، رسالہ علم تجوید و جنۃ النعیم فی استخراج لغات القرآن الکریم و تحفۃ الخداق فی ترجمۃ التریاق کا سراغ ملتا ہے ۔

ہالا : حاجی محمد ہالائی ، عربی تصانیف ، الفاوی المحمدیہ فی احکام فی سنتہ سید المرسلین حل الترکیب منطق ، رودایہ ، خلاصہ الاصول ۔

شکار پور : مولانا عبدالغفور ہمایونی ، تصانیف : الدرالمنثور اور فتاویٰ ہمایونی پر متعدد مضامین ۔ مولانا علی نواز علوی مصنف البشارہ الاہل بشارہ ۔ مولانا عبدالرحمن میمن (مجموعہ رسائل) پاٹ شریف ۔ علامہ محمود صدیقی پاٹائی (اسور عامہ) ۔

سورہ ضلع نواب شاہ ۔ قاضی عبدالرؤف مورائی (از ارشاد الحق الٰی اھواء افساد المشرک) ۔ رضا محمد ڈیرو تعلقہ کھکھڑ ضلع دادو ۔ مولانا عبدالکریم ڈیرو تصانیف ، مقدمہ تفسیر قرآن ، المکاتیب الجدیدہ ، صبغتہ الخشوع راحت القلوب من لسان المحبوب وغیرہ ۔

دور برطانیہ کے دیگر علماء و اساتذہ عربیہ اور ان کی تصانیف کی فہرست طویل ہے ۔ ان سب کا ذکر یہاں ممکن نہیں ۔

فارسی : سرزمین سندھ میں انگریزوں کی حکومت کا سکہ رواں ہونے کے فوراً بعد فارسی کی جگہ انگریزی نے لے لی ۔ یہ وہ زمانہ تھا جب فارسی کا آفتاب اقبال نصف النہار پر پہنچ چکا تھا ۔ سارا کاروبار فارسی زبان میں کیا جاتا تھا ۔ عربی مسلمانان سندھ کی دینی و علمی زبان تھی ، فارسی کی اہمیت تہذیبی و ثقافتی زبان کی حیثیت سے باقی تھی ۔ عربی

Marfat.com

علوم کی تحصیل و تعلیم دینی اعتبار سے لازمی تھی جبکہ فارسی فنون و ادبیات پر دسترس کو طرۂ امتیاز سمجھا جاتا تھا[1] ۔

انگریزوں کے دور اقتدار میں والیان کلہوڑہ اور امیران تالپور کی سجی سجائی محفلیں اجڑ گئیں ۔ جو ارباب نظم و نثر زندہ تھے انھیں کے دم سے فارسی کا چرچا باقی تھا ۔ گاہے گاہے شعر و سخن کی محفلیں جم جاتی تھیں ۔ میر شہداد خان حیدری (متوفی ۱۲۸۴ھ مطابق ۱۸۶۷ء بمقام کلکتہ) خلف اکبر میر نور محمد خان صاحب دیوان تھے ۔ ''دیوان حیدری'' ان کی یادگار ہے ۔ میر حسین علی خان حسین (متوفی ۱۲۹۵ھ مطابق ۱۸۷۸ء) برادر خورد میر شہداد خان کلکتہ میں اسیر فرنگ تھے ۔ رہا ہو کر حیدرآباد آئے اور وہیں وفات پائی ۔ ''دیوان حسین'' کے علاوہ نثر میں مناقب علوی ، شاہد الامامت ، لب لباب ، ان کی انشاء پردازی کی آئینہ دار ہیں ۔

میر حسن علی خان حسن فرزند میر محمد نصیر خان جعفری انیس سال کی عمر میں اپنے والد کے ساتھ کلکتہ میں نظربند رہے ۔ ۱۲۷۹ء کو قید حیات سے آزاد ہوئے ۔ ان کے دو دیوان (اردو اور فارسی) ان کے شاعرانہ ذوق کے شاہد ہیں ۔ نثرنگاری میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے ۔ انہوں نے ایک عیسائی مبلغ پادری فانڈر کی کتاب ''میزان الحق'' کے رد میں ''لسان الحق'' لکھی ۔

---

۱ ۔ پیر سید علی محمد راشدی برادر معظم پیر سید حسام الدین راشدی اپنی تعلیم و تربیت کے بارے میں ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں :
''وقت کے دستور کے مطابق ہمارے گاؤں کی مسجد میں مکتب تھا ۔ ہمارے استاد مسجد کے امام تھے ۔ عربی اور دینیات کے علاوہ فارسی بھی پڑھاتے تھے ۔ ہم نے فارسی کی اہم ابتدائی کتابیں مثلاً کریما پند نامہ ، نام حق ، محمود نامہ ، گلستان ، بوستان ، سکندر نامہ ، شرح ملا جامی وغیرہ شرح و مطالب کے ساتھ انھیں سے پڑھیں'' (ترجمہ) ۔ (پیش حرف (سندھی) ب ، ج کلیات ادیب فارسی)

Marfat.com

میر علی نواز خان ناز (۱۲۹۱ - ۱۳۵۴ھ/۱۸۸۴ - ۱۹۳۵ء) ولد میر امام بخش خان والی ریاست خیرپور سندھی ، سرائیکی اور اردو کے علاوہ فارسی کے صاحب دیوان شاعر تھے۔

مرزا مراد علی بیگ بڈھل (متوفی ۱۳۳۴ھ ، ۱۹۱۵ء) مرزا فتح علی بیگ فتح کے چھوٹے صاحبزادے تھے ، مرزا فتح ، میر کرم علی، میر مراد علی اور نصیر خان جعفری کے درباروں سے وابستہ رہے۔ میر حسن علیخان کے استاد تھے ۔ مرزا بڈھل نے اپنے بڑے بھائی مرزا قاسم بیگ سے اصلاح لی ۔ مرثیہ اور قصائد میں خاص ملکہ تھا ۔ اردو ، فارسی اور سندھی میں شعرکہتے تھے۔ ایک دیوان کے علاوہ کلیات مراثی، مختار نامہ، حملہ حیدری (دو جلد)، سفر نامہ کربلا اور شگوفہ ماتم ان کی شعری تصانیف ہیں ۔ مرزا قربان علی قربان ، مرزا فتح علی بیگ کے پوتے تھے ۔ مناجات ، مناقب اور نعتوں میں خاص شہرت کے مالک تھے ۔

نواب ولی محمد خان لغاری (وزیراعظم حکومت تالپور) اور ان کی اولاد میں کئی افراد اپنے علم و فضل اور فن و ادب سے وابستگی کی بنا پر تالپوری درباروں میں باریاب رہے ۔ عہد برطانیہ میں فکر و فن کا چراغ روشن رکھا ۔ جن میں نواب غلام اللہ شاہ لغاری ، حمل خان لغاری، نواب اللہ داد خان صوفی ، تاج محمد خان اور ولی محمد خان ولی (ثانی) فارسی کے اہل تصانیف اور اہل دیوان و اہل سخن گزرے ہیں ۔

میر عبدالحسین سانگی امیران تالپور کے آخری شہزادے تھے ۔ وہ آخری فرمان روائے سندھ میر نصیر خان جعفری کے پوتے اور میر عباس علی خان کے چشم و چراغ تھے ۔ انہوں نے آخری دم تک نہ صرف سندھی فارسی اور اردو زبان و ادب کی سرپرستی کی بلکہ ان تینوں زبانوں میں منظوم و منثور نگارشات چھوڑیں۔ حضرت شاہ لطیف کی زندگی ، شخصیت اور شاعری پر فارسی میں سب سے پہلے کتاب لکھنے کا سہرا سانگی کے سر ہے ۔ سانگی کا فارسی کلام ان کے دیوان اور کلیات میں محفوظ ہے ۔ بزم سانگی کے اساتذۂ سخن اور ارباب فن میں غلام محمد گدا ، سید غلام مرتضیٰ مرتضائی ، میاں وڈل حیدری ، فضل محمد ماتم ، مرزا قلیج

Marfat.com

بیگ ، فاضل شاہ اخوند لطف اللہ ، مرزا محمد حسن شیرازی ، مرزا محمد تقی نائب قندھاری اور مولانا ابوالحسن لکھنوی نے دربار تالپور کی روایت کو زندہ رکھا تھا ۔

میر سانگھی کے علاوہ جن اولیائے کرام کے تذکرے اس باب میں شامل ہیں ان میں سے اکثر فارسی کے نثر نگار اور صاحب دیوان شاعر تھے ۔ ان کی فارسی تصانیف کا ذکر بھی ان کے تذکرے میں کیا گیا ہے ۔

فقیر قادر بخش بیدل ، مولانا محمد عاقل لاڑکانوی ، مولوی بہاءالدین بہائی اور غلام محمد شاہ گدا برطانوی دور کے چوٹی کے شعرا تھے ۔ ان شعرائے کرام نے فارسی کی تمام اہم اصناف سخن غزل ، قصیدہ ، مثنوی ، رباعی اور قطعہ وغیرہ میں طبع آزمائی کی اور فارسی ادب کو اپنے زرین خیالات ، عارفانہ تخیلات اور نئے نئے استعارات و تشبیہات سے مالا مال کر دیا ۔

فقیر قادر بخش بیدل (۱۲۳۰ - ۱۲۸۹ھ/۱۸۱۴ - ۱۸۷۲ء) اس دور کے سب سے بڑے صوفی ، شاعر اور صاحب علم و فضل تھے ۔ عربی ، فارسی، سندھی، سرائیکی اور اردو میں ان کی تصانیف دیوان ، مکتوبات و ملفوظات علم و ادب کے گراں مایہ خزانے ہیں ۔ ان کی فارسی تصنیفات و تالیفات میں ریاض الفقیر (غزلیات) سلوک الطالبین (دیوان) ، منہاج الفقیر (غزلیات) رموز العارفین (منظومات) مصباح الطریقت (مجموعہ غزلیات فارسی و اردو) فی لطیف الاحادیث (علم تصوف کے باطنی نکات) لغات میزان الطب ، انشائے قادری (خطبات و مقالات) اور مثنوی دلکشا بیدل کی صوفیانہ عالمانہ اور شاعرانہ عظمت کی مظہر ہیں ۔

اخوند محمد قاسم ہالائی بن نعمت اللہ قریشی (متوفی ۱۲۹۸ھ (۱۸۸۱ء) فارسی عربی سندھی کے نامور شعراء میں سے تھے۔ مشاعروں میں پابندی سے شرکت کرتے تھے ۔ ان کا فارسی کلام ہفت روزہ مفرح القلوب میں شائع ہوتا تھا ۔ قصیدہ گوئی میں خاص شہرت پائی ۔

مخدوم محمد ابراہیم خلیل ٹھٹھوی کا سب سے بڑا کارنامہ تکملہ

Marfat.com

مقالات الشعراء کی تصنیف ہے ۔ میر علی شیر قانع کے تذکرہ مقالات الشعراء کے بعد تکملہ ، سندھ کے فارسی شعراء کا مبسوط جامع تذکرہ ہے ۔ پہلے مسکین بعد میں خلیل تخلص رکھا ۔ فارسی کے دو دیوان موسوم بہ دیوان مسکین دیوان خلیل کے خالق تھے ۔ ان کا شمار ٹھٹھہ کے ممتاز شعرا اور نثرنگاروں میں ہوتا ہے ۔

میر جان اللہ شاہ عاشق (متوفی ۱۸۹۳ء) صوفی شاہ عنایت کے معتقد اور میر مراد علی شاہ کے مرید تھے ۔ تصوف اور شاعری میں منفرد تھے جس کی زندہ شہادت ان کا فارسی دیوان ہے ۔

مولوی بہاء الدین بہائی ۱۲۴۹ - ۱۳۵۳ھ/۱۸۳۳-۱۹۳۹ء) عربی و فارسی کے بہت بڑے عالم تھے ان کی تصانیف کی تعداد فارسی میں سترہ اور سندھی میں چار ہیں[1] ۔

برطانیہ کے صد سالہ دور حکومت میں فارسی کے بہت سے نثر نگار بھی پیدا ہوئے ۔ تاریخ ریاست نصیر پور کے مورخ خان بہادرخداداد خان کی تصنیف لب تاریخ سندھ (۱۳۱۸ھ ۱۹۰۰ء) اس دور کی آخری نثری تصنیف ہے ۔

پیر حزب اللہ شاہ مسکین نے بہاء الدین بہائی اور عاقل عاقلی جیسے نکتہ رس و نکتہ سنج اساتذہ سے مشورۂ سخن کیا ۔ دیوان مسکین اور ایک رسالہ ان کی فارسی دانی پر دال ہے ۔

۱۷۵۵ء میں فارسی کا پہلا ہفت روزہ مفرح القلوب اور اس کے بعد کئی ہفت نامے خورشید ، اقبال اور اصلاح وغیرہ جاری ہوئے ۔ ان اخبارات میں فارسی مضامین کے علاوہ مشاعروں میں پڑھے جانے والے فارسی کلام بھی شائع ہوتے تھے ۔

اردو: عہد برطانیہ بلاشبہہ سندھ اور ہند میں اردو زبان و ادب کی

---

۱ ۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مہران سوانح نمبر ۱۹۵۷ء ، ص ۱۲۹ ، ۱۳۰ ۔

Marfat.com

ترقی و ترویج اور نشر و اشاعت کے لیے سازگار ثابت ہوا[1] ۔ مغلوں کے زوال و شکست کے بعد ہندوستان پر انگریزوں کا آفتاب حکومت طلوع ہوا تو ۱۸۳۴ء میں فارسی کے بجائے اردو کو دفتری زبان قرار دیا گیا ۔ گورنر جنرل لارڈ ویلزلی کے زیر نگرانی ۴ مئی ۱۸۰۰ء میں فورٹ ولیم کالج کلکتہ کی بنا ڈالی گئی جہاں سب سے پہلے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازموں کو فارسی و ہندوستانی (اردو) زبانوں میں بہتر سے بہتر تعلیم دی جانے لگی[2] ۔

فورٹ ولیم کالج کے قیام سے پہلے اردو نظم و نثر کی کئی کتابیں موجود تھیں مثلاً دہ مجلس ، فصوص الحکم ، ترجمہ قرآن شریف اور نو طرز مرصع وغیرہ ۔ یہ کتابیں زیادہ تر عربی و فارسی سے ترجمہ کی گئی تھیں ۔ مذہبی کتابوں کے علاوہ دوسری کتابیں مذہبی رنگ اور قصے کہانیوں پر مشتمل ہوتی تھیں ۔ فورٹ ولیم کالج کے مصنفوں، مولفوں اور مترجموں نے پرانی روش سے ہٹ کر تصنیف ، تالیف اور ترجمہ کا ایک نیا طرز اختیار کیا ۔ عربی، فارسی اور سنسکرت کے غیر مانوس ثقیل اور بے ترتیب الفاظ مقفیٰ و مسجع عبارات کے بجائے بے تکلف ، بامحاورہ اور فصیح و بلیغ عبارت آرائی کی طرح ڈالی ۔ فورٹ ولیم کالج کے مصنفین کی تصنیفات و مطبوعات نثر اردو کے اولین ادب پاروں کی حیثیت رکھتی ہیں ۔

---

۱ ۔ سندھ پر تسلط سے پہلے ہندوستان پر انگریزوں کا قبضہ ہو چکا تھا ۔ نئے گورنر جنرل کی ہدایت پر جا بجا اسکول اور کالج قائم کیے گئے جہاں انگریزوں کو فارسی اور ہندوستانیوں کو انگریزی زبان کی تعلیم ضروری قرار دی گئی لیکن ہندوستان کے حالات و کوائف ، تہذیب و تمدن ، ثقافت و معاشرت سے بہرہ ور ہونے اور وہاں کے تعلیم یافتہ طبقے سے رابطے کے لیے انگریزوں کے نزدیک اردو سے بہتر کوئی اور زبان اس کام کی صلاحیت نہ رکھتی تھی اس لیے انہوں نے اردو کو رواج دینے کا فیصلہ کیا ۔ فورٹ ولیم کالج اس سلسلے کی پہلی کڑی تھی ۔ (بنگال میں اردو ، ص ۲۵ تا ۲۹) ۔

۲ ۔ ارباب نثر اردو ۔ ص ۱۱ ۔

Marfat.com

فورٹ ولیم کالج کے مصنفین میں میر امن دہلوی کی "باغ و بہار" (سن تالیف ۱۸۰۲ء) اردو نثر میں سب میں پہلا طویل افسانہ یا ناول ہے۔ یہ کتاب دلی کی ٹکسالی زبان کے حسن و لطافت کا ایک شاہکار ہے۔ حیدر بخش حیدری کی چار کتابوں قصہ مہر و ماہ، قصہ لیلیٰ مجنوں، طوطا کہانی اور آرائش محفل (قصہ حاتم طائی) کے علاوہ باغ اردو، گلشن ہند، ہفت پیکر، مرزا کاظم علی جواں کا اردو ترجمہ شکنتلا (کالی داس کا ڈرامہ جو اردو کا پہلا ڈرامہ ہے) اور میر شیر علی افسوس کے دیوان کے علاوہ باغ اردو اور آرائش محفل اس دور کے نثری کارنامے ہیں۔

فورٹ ولیم کالج کے نگران اور اردو کے محسن و سرپرست ڈاکٹر جان گلکرائسٹ کے اردو قواعد، لغات، لسانیات، صرف و نحو اور فن عروض سے متعلق متعدد کتابیں اردو نثر کے فروغ میں ممد و معاون ثابت ہوئیں[1]۔

مرزا رجب علی بیگ سرور لکھنوی (۱۷۸۷ - ۱۸۶۷ء) کا فسانۂ عجائب اردو نثر کا پہلا تخلیقی کارنامہ ہے۔ لیکن رجب کی رنگین عبارت آرائی، قافیہ پیمائی، عربی و فارسی تراکیب کی بنا پر ان کی طرز تحریر رواج نہ پا سکی۔

مرزا غالب نے اردو نثر کو سادگی و بے تکلفی اور روانی و سلاست کے ساتھ ساتھ تکلفانہ و مکالمانہ انداز عطا کیا۔ ان کے خطوط میں ان کا یہ اسلوب بدرجہ کمال نمایاں ہے۔

سرسید احمد خان اور ان کے رفقاء[2] جن میں اردو کے عناصر خمسہ شامل ہیں نے اردو نثر کو بامحاورہ زبان، سلاست و روانی، سادگی و دلکشی حلاوت و لطافت سے ایک نئی زندگی بخشی۔ سرسید احمد خان کے تہذیب الاخلاق ان کی تصانیف اور ان کے رفقاء کی علمی و فکری کاوشوں

---

۱ - سیر المصنفین، ص ۵۴، ۵۵۔

۲ - سرسید احمد خان اور ان کے رفقاء، از ڈاکٹر سید عبداللہ، مکتبہ کاروان لاہور۔

Marfat.com

کی بدولت جدید نثر اردو کا آغاز ہوا ۔ ڈپٹی نذیر احمد کے اخلاقی و اصلاحی ناول ، محمد حسین آزاد کی آب حیات ، مولانا الطاف حسین حالی کی حیات جاوید ، حیات سعدی علامہ شبلی نعمانی کی سیرت النبی ، نواب محسن الملک مرزا فرحت اللہ بیگ کے مخصوص انداز تحریر نے نثر کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا ۔

مولانا عبدالحلیم شرر کے تاریخی و مذہبی ناول ، رتن ناتھ سرشار ، مرزا ہادی رسوا کے منفرد ناول ، مولانا راشد الخیری کے عورتوں کی زبان و محاورات سے آراستہ ناول ، سلطان حیدر جوش ، سلطان حیدر یلدرم کے طرز نو کے افسانے ، امانت لکھنوی کا ڈرامہ اندر سبھا ، آغا حشر کاشمیری کے ترجمہ شدہ و طبعزاد ڈرامے ، لالہ سری رام اور عبدالغفور خان نساخ کے تذکرے ، خمخانہ جاوید ، سخن شعراء اردو ادب میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں ۔

اس کے بعد اردو نثر کی تمام مروجہ اصناف پر تخلیق ، تحقیق ، تنقید ترجمہ اور تالیف کا ایک طویل سلسلہ جاری رہا ۔ ۱۹۳۶ء میں ترقی پسند تحریک سے اردو ادب میں نئے رجحانات ، نئے میلانات ، نئی طرز ادا کا آغاز ہوا ۔ نام نہاد ترقی پسند مصنفین کی بے راہ روی و فحش نگاری نے نہ صرف ادب بلکہ معاشرے پر بھی ضرب کاری لگائی ۔ کمزور ذہنوں کو غیر فطری جنسیاتی و نفسیاتی الجھنوں کا شکار بنا دیا ۔ اس ضمن میں میرا جی کی شاعری سعادت حسن منٹو اور عصمت چغتائی کے افسانے فراموش نہیں کیے جا سکتے ۔ منشی پریم چند کرشن چندر ، غلام عباس افسر میرٹھی کے ناول اور افسانوں نے بلاشبہہ افسانوی ادب کو ادب برائے زندگی کے حقیقت پسند واقعات سے روشناس کیا ۔

ترقی پسندوں کا ایک دوسرا گروہ وہ تھا جس نے ترقی پسندی کی بے راہ روی اور غیر حقیقت پسندانہ روش سے ہٹ کر شاعری اور نثر نگاری کے مختلف پہلوؤں پر زندگی آموز اور زندگی آمیز تخلیقات گراں مایہ سے گلستان ادب کو سدا بہار بنا دیا ۔ ان میں ناول نگار ۔ افسانہ خواں ، ڈرامہ نویس ، تذکرہ نگار ، مورخ ، محقق ، نقاد سب ہی

Marfat.com

شامل ہیں ۔ ان مشاہیر ادب اور اکابر فن میں مولانا ابوالکلام آزاد ، علامہ سلیمان ندوی ، قاضی عبدالغفار ، رشید احمد صدیقی ، احسن مارہروی، نیاز فتحپوری ، ڈاکٹر محی الدین قادری زور ، نصیرالدین ہاشمی ، عبدالقادر سروری ، کلیم الدین احمد ، آل احمد سرور ، احتشام حسین ، خواجہ حسن نظامی ، مجنوں گورکھپوری ، عبدالمجید سالک ، چراغ حسن حسرت ، صلاح الدین احمد ، ڈاکٹر عندلیب شادانی اور ڈاکٹر وحید قریشی کے نام تاریخ ادب اردو میں ہمیشہ زندہ رہیں گے ۔

اہل سندھ اردو نثر و نظم کے اس نشاۃ ثانیہ میں باخبر تھے ۔ سرسید کی تعلیمی تحریک کے ساتھ ساتھ اردو نثر کی تحریک سے سندھ کے ارباب علم و ادب متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور انہوں نے بھی اردو کے ہر شعبہ میں جولانی طبع کے جوہر دکھائے ۔ اس زمانے میں جبکہ سندھ میں سندھی ، عربی و فارسی ، زبان و ادب عروج پر تھا سندھ کے اہل فکر و فن نے اردو میں بھی ناول افسانوں ، ڈراموں کے علاوہ سیرت ، سوانح ، تذکرہ، تاریخ ، تحقیق و تنقید کی کتابیں لکھیں جن کی نشاندہی عہد برطانیہ باب میں کی گئی ہے ۔ یہاں سندھ کے چند ارباب نثر اردو کے نام درج کیے جاتے ہیں ۔

فقیر قادر بخش بیدل ، غلام شاہ لغاری ، شاہ نقشبندی ، مخدوم ابراہیم خلیل ، امین ہالائی حزب اللہ شاہ رشدی ، مولانا عبیداللہ سندھی ، فضل اللہ شاہ سائیں ، عبدالغنی، میر عبدالحسین سانگی ، زرک خان لاشاری، جمال الدین علوی ، شمس الدین بلبل ، اور مرزا قلیچ بیگ ۔ مرزا قلیچ بیگ اس حیثیت سے امتیازی شان کے حامل ہیں کہ انہوں نے سب سے پہلے سندھ میں ناول ، افسانہ اور ڈرامہ لکھنے کا آغاز کیا اور سندھ میں اردو ادب کو فن کا درجہ بخشا ۔

حکومت برطانیہ کا یہ دور اردو شاعری کا بہترین زمانہ ہے ۔ یہ زمانہ انشاء ، جرأت ، ناسخ و آتش اور ان کے تلامذہ کے بعد غالب ، ذوق ، مومن ، ظفر ، انیس و دبیر کے دور اول امیر، داغ ، جلال کے دور دوم اور اقبال ، ظفر علی خان ، شاد ، حسرت ، فانی ، یاس اور وحشت کے دور سوم پر مشتمل ہے ۔

Marfat.com

مرزا غالب اردو کے سب سے بڑے غزل گو شاعر ہیں ۔ وہ غزل میں جدید طرز فکر و فن کے بانی و موجد ہیں ۔ غالب کی شاعری جودت فکر کی معراج ہے ۔ انداز بیان ، لطافت زبان ، مسائل تصوف فلسفہ زندگی، زندگی کے طرب و نشاط ، رفعت تخیل ، وسعت خیالی اور شوق و ظرافت ان کی شاعری کے وہ محاسن ہیں جو ان کے فن کا طرہ امتیاز ہیں[1] ۔

انیس و دبیر اردو کے بہت بڑے شعراء ہیں ۔ انہوں نے مرثیہ گوئی کے فن کو معراج کمال تک پہنچایا ۔ محل اردو کو نت نئے الفاظ ، محاورات ، تشبیہات و استعارات سے سجایا ۔ واقعات کی عکاسی ، جذبات کی ترجمانی ، خیالات و محسوسات کی فراوانی ، زبان و بیان کی شگفتگی ، برجستگی اور روانی جیسی انیس و دبیر کے مرثیوں میں ہے وہ کسی اور شاعر کے ہاں کہاں ۔

مرزا داغ دہلوی زبان کے بادشاہ اور حسن کے عکاس ہیں ۔ روزمرہ محاورات ، سادگی و پرکاری ، رنگینی و دلکشی ان کی غزل کی جان ہے ۔ امیر مینائی واردات قلب اور اخلاق مضامین کو پیراہن شعر سے آراستہ کرنے میں خاص اسلوب کے مالک ہیں ۔ جلال لکھنوی درد و اثر اور جذبات نگاری میں بے مثل ہیں ۔

محمد حسین آزاد اور الطاف حسین حالی کی قومی ، ملی ، اخلاق ، سیاسی ، معاشرتی اور حب الوطنی کے جذبات سے معمور نظموں سے نظم نگاری کی بنیاد پڑی ۔ ان کے مسدس ، مثنوی اور نیچرل نظموں نے نظم نگاری کو ایک نیا رخ دیا ۔ مولانا اسماعیل میرٹھی کی نظمیں بھی اسی قبیل کی ہیں جو حقیقت و معرفت ، اخلاقیات اور قومی و ملی جذبات کی عکاسی کرتی ہیں ۔ اکبر الہ آبادی ظرافت کے شہنشاہ ہیں ۔ انہوں نے ظریفانہ انداز میں مغربی تہذیب اور گمراہ کن تعلیم کا پردہ چاک کیا اور قوم کو اخلاقی و تعمیری سوچ کی طرف مائل کیا ۔

اکبر الہ آبادی کے بعد عصر جدید کے سب سے بڑے شاعر

---

۱ ۔ طوالت کے خیال سے یہاں اشعار بطور مثال پیش نہیں کیے جائیں گے ۔

Marfat.com

علامہ اقبال کے دور انقلاب کا آغاز ہوتا ہے ۔ کلام اقبال قرآن و حدیث کی تفسیر ، اسلامی اقدار اور اخوت و بیداری کا پیغام ہے ۔ ان کی تعلیمات و پیغامات نے مسلمانان ہندکو احساس خودی و خود اعتمادی اور اپنی قوت عمل و فکر سے اپنی دنیا آپ بنانے کی ترغیب دی ۔ فکر اقبال نے مملکت اسلامی کا تصور اور اس کی تعبیر دی اور پاکستان ایک حقیقت بن کر دنیا کے نقشے پر ابھر آیا ۔

علامہ اقبال کے معاصرین میں حسرت موہانی ، یاس چنگیزی ، عزیز لکھنوی ، اصغر گونڈوی ، شاد عظیم آبادی ، بیخود موہانی ، بیخود دہلوی ، جلیل مانکپوری ، نوح ناروی ، ناطق لکھنوی ، آرزو لکھنوی ، سیماب اکبر آبادی ، اثر لکھنوی اور وحشت کلکتوی وہ اساتذہ فن اور ماہرین سخن تھے جنہوں نے اردو غزل کو دلکش و دلفریب ، جدید رجحانات ، رنگا رنگ خیالات اور نو بہ نو موضوعات سے نہ صرف رفعت و وسعت عطا کی بلکہ گل نو بہار کے حسن و رنگ سے حیات جاودانی بخش دی ۔

یہ وہ زمانہ تھا جب اردو کے مشاہیر ادب اور اکابر سخن کا طوطی بول رہا تھا ۔ سندھ کے شعراء و ادباء دہلی لکھنو اور کلکتہ کے مشاعروں اور ادبی محفلوں میں شرکت کرتے تھے ۔ بیرون سندھ کے ارباب شعر و ادب بھی سندھ میں آیا کرتے تھے اس طرح ایک دوسرے کے رابطے کا سلسلہ کسی حد تک قائم تھا ۔ اساتذہ کے دواوین اور ان کی نثری و شعری تخلیقات و نگارشات سندھ میں بھی پہنچ رہی تھیں ۔ ان باتوں کے باوجود حیرت انگیز بات یہ ہے کہ سندھ کے شعراء و ادباء نے اپنی انفرادیت قائم رکھی ۔ سندھ کی علمی روایات اور ثقافتی اقدار کا یہ اثر تھا کہ یہاں کے شعرائے کرام نے دہلی لکھنؤ اور دکن کے افکار و آثار کو نشان راہ نہیں بنایا ۔ شاید یہی وجہ ہے کہ سندھ کے اردو شعراء کا کلام اس مزاج اور اس معیار سے قریب نہیں جو اردو شاعری کا طرۂ امتیاز رہا ہے ۔ اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ شعرائے سندھ نے شاعری کو صرف شاعری کے لیے نہیں بلکہ علم و ادب کے فروغ کی خاطر اپنایا ہے ۔ انہوں نے جو کچھ کیا ہے اس میں ان کی انفرادیت جھلکتی ہے ۔ اس میں

Marfat.com

ان کا اپنا اسلوب زبان اور اپنا انداز بیان ہے جسے نظرانداز نہیں کیا جا سکتا ۔ اس پہلو کی زندہ شہادت ان کے کلام سے جابجا ملتی ہے ۔

سندھ کے اردو شعراء کی چند خصوصیات ذیل میں بیان کی جاتی ہیں :

(۱) سندھ کے اکثر اردو شعراء کے کلام پر عربی و فارسی کا مجموعی اثرغالب ہے ۔ یہ شعراء عام طور پر بیک وقت عربی، فارسی، سندھی، سرائیکی اور ہندی کے عالم ہوتے تھے یا ان زبانوں اور ان کی ادبیات پر پوری نظر رکھتے تھے ۔ اس لیے ان کا کلام کہیں اردو فارسی کی دلفریب آمیزش ، کہیں سندھی سرائیکی کا دلکش امتزاج اور کہیں سرائیکی ہندی اردو کا حسین روپ نظر آتا ہے ۔ ان کی اردو شاعری کا مزاج کسی نہ کسی مذکورہ بالا زبان یا زبانوں سے ہم آہنگ ہے ۔ مثلاً یہ اشعار دیکھیے :

مکھ ماہی دا نور تجلی ، صورت حسن حقانی
مکھ ماہی دا قبلہ کعبہ ، عشق امام حقانی
(فقیر بیدل)

جدائی میں جین مشکل ، سجن بن حال حیران ہے
جسی دن سوں سجن بچھڑیا، میری دل رہی جل جل
(ابراہیم شاہ فقیر)

جو مزا دائمی تھا پایا ہے
دست کر دست بادہ نوشاں نوش
(امین ہالائی)

مسکین ساہیا موہنی ، سندر روپی نار
لاکھ چھلاوے ہر جیناں ، بھٹاوے سنسار
(غلام اللہ مسکین)

من بہ ہجرت رقیب در وصلت
برقیباں چین کرم مت کر
(مسکین راشدی)

روحی خفی ذاتی سرکی نفی اثباتی پروری
لامکاں لولاک وچ ہے ، اعظم جہان اکبری
(حسن بخش شاہ)

Marfat.com

ستگور ایسی بھگتی لائی ہے
جن نے لوں لوں نام دھیائی ہے

(قطب جہانیاں پوٹہ)

الکھ اکم کوئی انت نہ پاوے
لاکھ لکھیا کون کون لکھے رہے

(مصری شاہ نصرپوری)

سندھی : عرض ہندی زبان یہ آ بھی کریان (میں ہندی زبان میں عرض کرتا ہوں)

اردو : ساقیا ساغر شراب پلا (شاہ گدا)

(۲) اکثر شعرائے کرام کسی نہ کسی سلسلہ طریقت کے مبلغ ہیں - اللہ اور رسول کے دین کی تبلیغ و اشاعت اور اسلام کی خدمت ان کی زندگی کا نصب العین ہے - یہی وجہ ہے کہ ان کا کلام توحید و رسالت کا پیغام ، حمد و نعت ، تصوف و معرفت کا گنجینہ ہے -

(۳) دوہے ، دوہڑے ، کافیاں سندھی کی بے حد مقبول اصناف ہیں اور سندھ کے شعراء ان صنفوں کے دیوانہ وار عاشق ہیں - اس لیے انھوں نے اردو میں بھی ان صنفوں کے حسن و جمال کو خاص فنکارانہ تجربات کے ساتھ نکھارا ہے -

(۴) اس دور میں شمالی ہند کی اردو شاعری پر دکنی اثرات بہت کم ہوگئے - سندھ کے شعراء کے کلام پر اس کا اثر برائے نام رہ گیا -

(۵) انفرادی و مقامی اثرات کے باوجود شعرائے سندھ کے کلام میں وہ محاسن شعری بھی ملتے ہیں جو شعریت کی جان اور تغزل کا حسن ہیں - ان کے ہاں بھی صاف و شستہ رواں دواں، اشعار کی کمی نہیں - ان کی غزل بھی سلاست و فصاحت ، چستی و برجستگی ، فکر و تخیل کی آئینہ دار ہے - کہیں کہیں مضمون افرینی ، لطف زبان ، حسن ادا ، واردات قلب ، لطیف تشبیہات و استعارات سے ان کی غزل رنگ تغزل کا عمدہ نمونہ معلوم ہوتی ہے - اس رنگ کے چند اشعار پیش خدمت ہیں :

Marfat.com

گلشن کی خبر خوب صبا باد سے پوچھو
تصویر قد سرو کی شمشاد سے پوچھو
(قاسم قادری)

توری زلف میں زنجیر ، موری گل میں دام ہے
تم دید میں دم عید ، جا جم کا جام ہے
(یوسف نانک)

ہوائے بیخودی آئے ، خودی کی دھول اُڑ جائے
صدف کر سینہ کو اپنا عجب گوہر چھپایا ہے
(دین شاہ فتح)

مرغ دل کو دام گیسو میں نہیں جینے کا غم
اک خیال اس کو مگر اس خال کے دانے کا تھا
(نصیر نقشبندی)

جس کو ہے داغ جگر اس کو نہیں آرام دل
عشق میں پکا نہیں ، وہ بے خبر ہے خام دل
(حمل فقیر)

نہ دل مانے نہ تن مانے ، ہر اک اپنی طرف پھیرے
کروں میں کیا نظر ایسی جو مشکل آن کے گھیرے
(نظر فقیر)

ہمیں اسرار وحدت کا نفی اثبات میں دیکھا
سراسر نور بیرنگی ظہور ذات میں دیکھا
تیرے حسن کی دیکھ تجلی اے رشک حور
سورج کہوں کہ چاند کہ نور خدا کہوں
(فقیر بیدل)

تیرے دام سے میرے دل کو چھڑا کون سکے گا
تقدیر کے لکھے کو مٹا کون سکے گا
(امین ہالائی)

Marfat.com

دنیا سرائے ماتم جس کو بقا نہیں ہے
عاشق مدام رہتے دیدار کے جن میں

(فقیر ولی محمد لغاری)

کل جو اس گل کا گزر جانبِ گلزار ہوا
اس کے عارض کی طرف دیکھ کے گل زار ہوا

(شاہ گدا)

خود شمع سا ہے روشن اس عشق کی بدولت
عاشق کو عشق ہی سے حاصل ہو زندگانی

(سائیں غنی)

مشہور اپنا نام تو مستانہ ہو گیا
اپنے جنوں میں خلق کا افسانہ ہو گیا

(میر سانگی)

لحظہ اک دیدار سے فارغ کبھی رہتے نہیں
چشمِ موسیٰ کو تو حسرت رہ گئی دیدار کی

(قلیچ بیگ)

گئے سب ہاتھ خالی دولت دنیا کی نعمت سے
ہزاروں مرد کار آئے، ہزاروں نابکار آئے

(زیرک لاشاری)

یاد آیا یار کا ناخن حنائی در چمن
لالہ سا ہم اپنے دل داغ حسرت لے چلے

(وڈل علوی حیدری)

اذان دین کے بلند اعلان سنے سارا تمام عالم
حکم حق نے دیا ہم کو کہا احمد نبی اکمل

(جمال الدین علوی)

انگریزوں نے برصغیر پاک و ہند پر سو سال سے زائد عرصے حکومت کی ۔ اس عہد کی ایک صدی کے شعر و ادب کا نہایت مختصر جائزہ بھی

Marfat.com

اس مقدمہ کے صفحات میں پیش کرنا ممکن نہیں اس لیے ایک سرسری نظر ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس سے کم از کم یہ اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ اس زمانے میں اردو کے مشہور و ممتاز اہل فن اساتذہ سخن کے مقابلے میں سندھ میں اردو کے پروانوں نے کس والہانہ جذبہ عشق کے ساتھ شمع اردو کو روشن رکھا۔

عہد پاکستان (۱۳۶۶ - ۱۴۰۰ھ/۱۹۴۷ - ۱۹۸۰ء)

تمہید: ۱۹۰۶ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے قیام کے بعد دس کروڑ مسلمانان ہند تیس کروڑ ہندوؤں کے مقابلے میں ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے۔ قائداعظم محمد علی جناح کی ولولہ انگیز و بصیرت افروز قیادت، بے مثل تدبر، سیاست و فراست کی بدولت سات سمندر سے آنے والے غاصب فرنگیوں سے آزادی چھین لی گئی۔ ہزاروں جانیں آزادی کی راہ پر قربان ہو گئیں۔ ہندوستان تقسیم ہو گیا۔ ملت اسلامیہ ہند کی ایک آزاد مملکت جمہوریہ پاکستان کے نام سے معرض وجود میں آئی[1]۔

سندھی: ۱۹۴۷ء سے پہلے سندھی ادب دو قومی نظریات پر مبنی دو مختلف تحریکوں کے سائے میں نشو و نما پا رہا تھا۔ ایک تحریک ہندوؤں کی تھی۔ ہندوؤں نے کچھ ایسے لسانی و ادبی ادارے قائم کر رکھے تھے جن کا مقصد سندھی ادب کو سنسکرت اور ہندی الفاظ و محاورات سے آراستہ کرنا اور ہندو نظریات کے مطابق ڈھالنا تھا۔ دوسری جانب مسلمانوں کی ایسی ادبی انجمنیں[2] عالم وجود میں آئیں جن کا نصب العین سندھی ادب کو اسلامی نظریات کے تحت عربی و فارسی الفاظ و محاورات سے سجانا تھا۔

انقلاب ۱۹۴۷ء کے بعد ہنود نے ہندوستان کا رخ کیا تو ان کی ادبی تنظیمیں اپنی موت آپ مر گئیں۔ ملت اسلامیہ سندھ کو سندھی

۱۔ تحریک پاکستان کے تاریخی پس منظر کے بارے میں ملاحظہ ہو ضمیمہ نمبر ۴۔

۲۔ ملاحظہ ہو ضمیمہ نمبر ۵، سندھی ادب کے سرچشمے۔

Marfat.com

زبان و ادب کی ترقی و ترویج اور نشر و اشاعت کے لیے وسیع و عریض میدان ملا ۔ ادبی انجمنوں کے علاوہ سرکاری و غیر سرکاری اشاعتی و مطبوعاتی اداروں ، پریس اور اخبارات و رسائل کا اجراء ہوا¹ اس طرح نئی تنظیم اور نئے عزم و امنگ کے ساتھ انفرادی و اجتماعی طور پر سندھی ادب و صحافت کے مختلف شعبوں میں مسلسل کاموں کا آغاز ہوا ۔

عہد پاکستان کا یہ دور سندھی زبان و ادب کے لیے بڑا مبارک ثابت ہوا ۔ آزادی کے اس دور میں سندھی ادب کو خوب پھلنے پھولنے کا موقع ملا ۔ ۱۹۴۷ء میں حصول آزادی کے بعد سندھی کے جو بزرگ مورخین محققین ، ناقدین ، ادباء و شعرا پاکستان کے حصے میں آئے تھے ، ان میں مولانا دین محمد وفائی (ایڈیٹر الوحید ، مصنف تذکرہ مشاہیر سندھ) ، مولانا دین محمد ادیب ، غلام محمد شہوانی ، احمد غلام علی چھاگلا ، مخدوم محمد صالح بھٹی ، ڈاکٹر داود پوتا ، محمد بخش واصف ، محمد صدیق میمن ، محمد صدیق ساغر ، عثمان علی انصاری ، مولانا عبدالواحد سندھی ، احسان احمد بدوی ، گل حسن ، میراں محمد شاہ ثانی میر ، عبدالرزاق قاضی ، علامہ آئی آئی قاضی ، اے کے بروہی ، ڈاکٹر شیخ محمد ابراہیم خلیل (مصنف ادب و تنقید) لطف اللہ بدوی (مصنف تذکرہ لطفی) ، احسن کربلائی ، مولائی شیدائی ، محمد اسماعیل عرسانی ، عطا محمد حامی ، لعل محمد لعل ، شیخ عبداللہ عبد ، پروفیسر علی نواز جتوئی ۔ پروفیسر محبوب علی چنا ، علی محمد راشدی ، مخدوم امیر احمد، حسام الدین راشدی، ڈاکٹر نبی بخش بلوچ ، ابراہیم جویو اور مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی سندھی ادب کے اکابر ارباب فکر و دانش ہیں ۔ ان کی تصنیفات و تالیفات سندھی ادب میں مشعل را کی حیثیت رکھتی ہیں ۔

دوسری صف میں ڈاکٹر غلام علی الانا، رشید احمد لاشاری مرحوم، کریم بخش خالد ، ایاز قادری ، قیوم صائب اور منظور نقوی وغیرہ ہیں ۔ ان اہل قلم نے نہ صرف سندھی زبان کو جدید استعارات و محاورات ،

---

۱ ۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو ضمیمہ نمبر ۵ (اشاعتی ادارے ، سندھی صحافت) ۔

Marfat.com

تشبیہات و تلمیحات سے آراستہ کیا بلکہ اس کے ادب کو تاریخ ، ثقافت ، جغرافیہ اور تحقیق ، تنقید ، عروض ، نصاب ، مذہب ، اخلاقیات ، سوانح اور تذکرے سے متعلق نئے نئے موضوعات سے بے حد وسعت و رفعت ، تازگی و شگفتگی بخشی -

ڈاکٹر داود پوتا ، علامہ آئی آئی قاضی ، میراں محمد شاہ ثانی ، آغا تاج محمد ، ڈاکٹر شیخ ابراہیم خلیل اور ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ نے شاہ عبداللطیف بھٹائی کی زندگی ، شخصیت اور کلام پر بے پناہ کام کیا ہے -

مرزا قلیج بیگ اور ان کے معاصرین کے بعد پاکستان کے ابتدائی دور میں بہت اچھے ناول ، افسانے اور ڈرامے لکھے گئے جو سندھی ادب کا قیمتی سرمایہ ہیں[1] -

تحریک پاکستان میں حصہ لینے والے ادیبوں اور صحافیوں کے علاوہ شاعروں کا ایک گروہ بھی برسرِ پیکار اور برسر عمل رہا - ان کی پرجوش ولولہ انگیز اور حب الوطنی کے جذبات سے معمور قومی و ملی نظموں ، نغموں اور گیتوں نے سندھ کے عوام و خواص میں احساس آزادی اور جذبہ بیداری کی روح پھونک دی - ان نظم نگاروں میں مخدوم محمد زمان ، طالب المولیٰ ، ڈاکٹر ابراہیم خلیل ، غلام احمد نظامانی ، مخدوم صالح بھٹی ، اختر ہالائی ، میراں محمد شاہ ، حافظ محمد احسن ، لطف اللہ بدوی ، سرشار عقیلی ، ضیاء الدین بلبل ، عطا محمد حامی کی قومی "منظومات" تاریخی افکار ہیں - اور ایک عہد کے قومی نکتہ نظر کی عکاسی کرتی ہیں - تحریک پاکستان سے متعلق ان تمام نظموں کے مجموعوں کی اشاعت اور ان کا تحفظ قومی اداروں کا قومی فریضہ ہے -

دور اول کے متذکرہ بالا شعراء نے قومی و ملی نغمات کے علاوہ رومانی نظمیں ، غزلیں ، گیت ، دوہے ، بیت ، کافیاں ، مثنویاں ، مرثیے

---

۱ - مذکورہ بالا ارباب قلم کی تصانیف کا ذکر ضمیمہ ۵ میں اشاعتی اداروں کی مطبوعات کے ذیل میں کیا گیا ہے - طوالت کے خوف سے یہاں تصانیف کے نام نہیں دیے گئے -

Marfat.com

قصائد اور رباعیات بھی کہی ہیں ۔ ان تمام اصناف پر پوری قدرت ، ندرت ، جدت کے ساتھ طبع آزمائی کی ہے ۔ ہر بول اور ہر رنگ میں جادو جگایا ہے ۔ ان کے افکار رنگا رنگ سے سندھی کا شعری ادب گلستان سدا بہار بن گیا اس ضمن میں چند اور اہل سخن کے نام بھی آتے ہیں اور وہ ہیں شیخ عبدالرزاق راز ، لعل شکار پوری ، عبداللہ عبد ، سرور علی سرور ، عبداللہ خواب ، رشید احمد لاشاری ، محمد خان غنی ، منظور نقوی ، مظفر حسین جوش ، سلیم ہالائی ۔ انور ہالائی احسن کربلائی ، عبدالرحیم گدائی وغیرہ ۔

۱۹۳۶ء کی ترقی پسند تحریک نے اردو کی طرح سندھی کو بھی متاثر کیا ۔ اس تحریک کے اثرات سہران کی موجوں میں بھی شامل ہوئے ۔ جو موجیں صاف و شفاف پانی کی آغوش سے اُتریں انہوں نے سہران کے موتیوں کو اپنے خوش رنگ و خوش آہنگ سے ایسی چمک دمک بخشی کہ آنکھیں خیرہ اور دل روشن ہو گئے ۔ جو موجیں آب کثیف کی گود سے اُبھریں وہ زہر آلود ہوگئیں ۔ سندھی کے ترقی پسند مصنفین کا تعلق انھیں دو گروہوں سے ہے ۔

پہلا گروہ صحت مند رجحانات اور حقیقت پسندانہ میلانات کا علمبردار رہا ہے ۔ سندھ ہاری کمیٹی کے مشہور و جوان مرد لیڈر حیدر بخش جتوئی سندھ میں ترقی پسند تحریک کے بانی اور مبلغ اعظم تھے ۔ ان کی تحریک اور شاعری نے سندھی عوام اور فنکاروں میں نہ صرف فکری بلکہ علمی رجحان پیدا کیا ۔ انسان اور انسانی عظمت ، زندگی اور اس کی حقیقتوں سے آشنا کیا ۔

شیخ ایاز سندھ کے سب سے بڑے ترقی پسند شاعر ہیں ۔ وہ نہایت قد آور اور زور آور مفکر ہیں ۔ سندھی شاعری میں ان کا مرتبہ وہی ہے جو اردو میں فیض احمد فیض کا ہے ۔ شیخ ایاز اردو[۱] کے بھی نامور شاعر ہیں ۔ وہ صاحب طرز ادیب بھی ہیں ۔ شیخ ایاز نے اردو شعر و ادب سے

---

۱ ۔ شیخ ایاز کے پہلے اردو مجموعہ کلام کا نام ''بوئے گل نالۂ دل'' (مطبوعہ ۱۹۵۸ء) اور دوسرے کا نام ''کف گلفروش'' ہے ۔

Marfat.com

وابستگی اور سندھی اردو اشتراک سے سندھی شاعری میں بڑی ندرت اور وسعت پیدا کی ہے۔ ان کی غزل، نظم، گیت، کافیاں دوہے وغیرہ نئے خیالات اور نئے طرز فکر و فن کے حامل ہیں۔ ان کی شاعری میں ایسا سحر ایسا حسن ہے کہ سندھ کی اصلی زندگی اور حسن ان کے پیکر شعر میں سمٹ آیا ہے¹۔ ''شاہ جو رسالہ'' کا مکمل منظوم اردو ترجمہ شیخ ایاز کا شعری کارنامہ ہے۔

شیخ ایاز کے ہمعصر و ہم نوا ساتھیوں میں علی احمد بروہی، مولانا غلام محمد گرامی مرحوم (ایڈیٹر سہ ماہی مہران) بشیر مورانی، محمد ابراہیم جویو، عبداللہ شیخ کے علاوہ شمشیر الحیدری۔ تنویر عباسی۔ نیاز ہمایونی، عبدالحلیم جوش، شعبان بخت، رشید بھٹی، نور عباسی، الطاف عباسی، مصطفیٰ حیدر جتوئی مرحوم (بن حیدر بخش جتوئی مرحوم) تاج بلوچ، نثار بزمی، عبدالغفور عابد، امداد حسینی، نفیس احمد ناشاد (پربھونا شاد) ڈاکٹر علی نواز شوق اور محمد اسحاق راہی وہ اہم نام ہیں جو سندھی شعر و ادب کی آبرو ہیں۔

گزشتہ بیس پچیس برسوں میں اچھے افسانے اور ناول بھی لکھے گئے۔ سندھی کے جن فنکاروں نے ناول کی تکنیک اور افسانوں کے فن کو معراج کمال پر پہنچایا ان میں غلام ربانی (افسانوں کا مجموعہ ''آب حیات'') جمال ابڑو (مجموعہ بدمعاش)، سراج الحق میمن (ناول پڑاڈ وسوئی سڈ) آغا سلیم (ناولٹ) امر جلیل (ناولٹ) نسیم کھرل۔ علی احمد بروہی (مزاحیہ افسانے)، ابراہیم جویو، ایاز قادری، الطاف قادری، آغا سلیم، رشید احمد بھٹی، غلام نبی مغل، رسول بخش بلوچ، مرزا مراد علی ممتاز، مرزا، ٹھاکر شرما، شوکت حسین شواد، نجم عباس، عبدالقادر جونیجو، مظہر میمن، تنویر جونیجو، سحر امداد، لعل جسکانی، میر خادم حسین

۱۔ شیخ ایاز کے سندھی کلام کا منظوم اردو ترجمہ فہمیدہ ریاض نے کیا ہے جسے انسٹی ٹیوٹ آف سندھالوجی سندھ یونیورسٹی نے (زیر نگرانی ڈاکٹر غلام علی الانا) ۱۹۷۹ء میں ''حلقہ میری زنجیر کا'' کے نام سے نہایت دلکش و جاذب نظر انداز میں شائع کیا ہے۔

Marfat.com

تالپور ، بادل جمالی، مشتاق کاملانی ، غلام نبی ڈیہر، علی بابا ، منظورقریشی وغیرہ وہ تخلیق کار ہیں جو افسانوی ادب کے نئےپرانے چراغ ہیں ۔ انہوں نے اپنی کہانیوں میں سماجی زندگی ، حقیقت نگاری ، دیہاتی ماحول ، عوامی زندگی اور زندگی کے مسائل و مصائب اور خوشیوں کو فنکارانہ انداز میں پیش کیا ہے ۔ ان چراغوں سے مستقبل میں مزید چراغ روشن ہونے کے امکانات روشن ہیں ۔

ان افسانہ نگاروں میں سے بعض نے دلکش و دلگداز ناول ، ناولٹ اور ڈرامے بھی تخلیق کیے ہیں ۔ ٹی وی اور ریڈیو ڈرامے بھی اردو کی طرح سندھی میں بھی ادب کا حصہ بنتے جا رہے ہیں ۔ اس فن میں نت نئے تجربات کی بقا و بناء پر ٹی وی ریڈیو تمثیلوں کا معیار اعلیٰ ہوتا جا رہا ہے ۔ حال ہی میں مشہور فنکار ممتاز مرزا کے ٹی وی اور ریڈیو ڈراموں کا ایک خوبصورت اور دلفریب مجموعہ ''آخری رات'' (زیب ادبی مرکز حیدرآباد ۱۹۸۰ء) کے نام سے احمد شیخ (طابع سندھی پرنٹنگ پریس) کے حسن ذوق کی بدولت منظر عام پر آیا ہے ۔ ''آخری رات'' جدید فن ڈرامہ نویسی کا قابل قدر نمونہ ہے ۔

عصر حاضر میں نئی نسل کا ایک کاروان نئے عزم ، نئی اسنگ ، جوش اورنئے ولولے کے ساتھ رواں دواں ہے ۔ ناول، افسانہ، ڈرامہ کی طرف صحت مندانہ رجحان پایا جاتا ہے ۔ سندھ کی تہذیب و ثقافت اور زندگی کے حالات و کوائف سے متعلق تخلیقات معرض وجود میں آ رہی ہیں ۔ نوجوانوں میں اسلامی روایات اور انسانی اقدار کا احترام موجود ہے ۔ لیکن مطالعہ اور محنت کی سخت ضرورت ہے ۔ تاریخ و تحقیق سے دلچسپی کم پائی جاتی ہے ۔ اس لیے قومی نقطہ نظر سے یہ بات بہت اہم ہے کہ ذہین اور ابھرتے ہوئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی اور صحیح سمت ان کی رہنمائی کی جائے ۔ اس صورت میں سندھی ادب کی مزید ترقی و ترویج اور توسیع و اشاعت کے امکانات وسیع ہو جائیں گے ۔

عربی : تخلیق پاکستان کے وقت سندھ میں عربی مدارس کی تعداد بہت کم رہ گئی تھی ۔ سیوہن ، مٹیاری ، امروٹ ، لاڑکانہ اور ٹھٹھہ

Marfat.com

وغیرہ کے بڑے مدرسے اب نہیں رہے - ذیل میں چند ایسے قدیم و جدید مدرسوں کے نام درج کیے جاتے ہیں جن کا سرچشمہ علم و فیض و ادبی سندھ کے ہر چہار طرف جاری و ساری ہے - ان مدرسوں میں علوم اسلامیہ کی تعلیم دی جاتی ہے جن میں درس نظامیہ بھی شامل ہے - بعض درسگاہوں کی تعلیم دینیات اور عربی کی ابتدائی درس و تدریس تک محدود ہے -

بیت الحکمت شاخ کراچی ، مظہرالعلوم محلہ کھڈہ (بانی مولانا عبیداللہ سندھی) کی مطبوعات میں سطعات تصنیف شاہ ولی اللہ ، تالیف مولانا سندھی اور مولانا سندھی کی عربی تفسیر الہام الرحمٰن (جلد اول پارہ الم) مرتبہ مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی قابل ذکر ہیں -

مجلس علمی کی بنیاد ۱۹۳۰ء میں مولانا شبیر احمد عثمانی نے ہندوستان میں رکھی ۱۹۴۸ء میں یہ ادارہ کراچی منتقل ہو گیا - ناظم اعلیٰ مشہور عالم دین مولانا محمد یوسف بنوری مرحوم تھے - اب مولانا طاسین اس کے نگران ہیں - مدرسہ عربیہ نیو ٹاؤن اس ادارے کے تحت چل رہا ہے - مجلس علمی نے اب تک اسلامی علوم کی عربی فارسی اور اردو میں پچاس کتابیں شائع کی ہیں - عربی مطبوعات حجاز ، مصر اور دیگر اسلامی ممالک میں بیحد مقبول ہیں -

ادارہ تبلیغ القرآن کراچی (قیام ۱۹۵۰ء نگران مولانا فیروزالدین روحی) کی جانب سے عربی اور اردو کی کوئی بیس کتابیں شائع ہو چکی ہیں جن میں تفسیر قرآن کریم (تین سپارے) اور اس کا انگریزی ترجمہ مع تفسیر ایمان افروز کارنامہ ہے -

حیدرآباد میں شاہ ولی اللہ اکیڈمی نے حضرت شاہ ولی اللہ ، مولانا عبیداللہ سندھی اور مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی کی عربی تصانیف اور تفاسیر کی بیحد مفید کتابیں شائع کی ہیں -

سندھی ادبی بورڈ کی عربی کتابوں کی فہرست یہ ہے :

مرتب	مطبوعات
(۱) مولانا مخدوم امیر احمد	بذل القوۃ

Marfat.com

(۲) مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی — المتانة فی مرامة الخزانة

(۳) ڈاکٹر نبی بخش بلوچ — دیوان ابی عطا

(۴) مولانا نعمانی — دراسات اللبیب ، ذب الذبابات (حصہ اول و ثانی) مقدمہ کتاب التعلیم وغیرہ ۔

شمس العلماء ڈاکٹر عمر بن داود پوتا عربی کے بہت بڑے عالم ، مفکر ، محقق اور انشاء پرداز تھے ۔ وہ ماہر تعلیم و ماہر لسانیات اور خالص اسلامی ذہن وفکر کے حامل تھے ۔ تخلیق پاکستان کے وقت نظامت تعلیمات سندھ کے ڈائریکٹر تھے ۔ ان کے عہد تک سندھ بشمول کراچی میں میٹرک تک عربی زبان کی تعلیم لازمی نصاب میں شامل تھی ۔ ڈاکٹر داود پوتا کی تحریک اور الحاج سید علی اکبر شاہ (سیہڑ والے) مولانا محمد صادق (معلم مدرسہ مظہر العلوم) حکیم مولوی محمد سیوہانی اور مخدوم امیر احمد جیسے علمائے دین اور ماہرین عربی کی کوششوں سے حیدرآباد میں جامعہ عربیہ کی بنا رکھی گئی ۔ بعد میں عربی یونیورسٹی کی تحریک چلی لیکن اسلام دشمنوں نے علوم عربیہ اور معارف اسلامیہ کی دانشگاہ کا یہ شجر لگنے نہ دیا ۔ ڈاکٹر داود پوتا متعدد عربی مقالات کے خالق اور عربی کتب کے مصنف بھی تھے ۔ ان کی ایک عربی کتاب موسوم بہ ''المرشد المبتدین'' (سہ حصص) پاکستان بننے سے پہلے ثانوی جماعتوں کے نصاب میں پڑھائی جاتی تھی لیکن یہ اسلامی و عربی نصاب اس وقت ختم کر دیا گیا جبکہ اسلامی مملکت میں اس نصاب کی اشد ضرورت تھی ۔ ڈاکٹر داود پوتا کی ایک انگریزی کتاب ''عربی شعر کا فارسی شعر پر اثر'' شائع ہو چکی ہے جس کے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب ان تمام زبانوں کے شعر و ادب پر بھی نہایت محققانہ و ناقدانہ نظر رکھتے تھے ۔

۱۹۴۷ء کے وقت سندھ میں بہت سے علماء ، فضلا ، فقہاء ، محققین و معلمین موجود تھے جنہوں نے عربی زبان میں قرآن ، حدیث ، تفسیر ، فقہ ، فلسفہ ، منطق ، طب اور دیگر موضوعات سے متعلق بے شمار

Marfat.com

کتب و رسائل لکھے ہیں ۔ ان میں سے بعض اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں ۔ اور بعض بقید حیات ہیں جن کے دم سے عربی علوم و فنون اور اسلامی تعلیمات کا سرچشمہ جاری ہے ۔ جامعیت کے ساتھ چند علماء اور ان کی تصانیف کا ذکر کیا جاتا ہے ۔

مولانا دین محمد وفائی عربی کے بھی بلند پایہ عالم تھے جس کی تصدیق ان کی تصانیف سے ہوتی ہے ۔ اظہار الکرامتہ من مسئلہ الخلافتہ والامامتہ مولانا کی عربی تصنیف ہے جبکہ تقویۃ الایمان (موسوم بہ توحید الاسلام) اور تجرید البخاری (پانچ جلد ۔ موسوم بہ الہام الباری) کا سندھی میں ترجمہ و تفسیر ہے ۔ آخرالذکر کا اردو ترجمہ شیخ عبدالمجید سندھی نے کیا ہے ۔

مولانا عبدالکریم ڈیرو (۱۳۱۵ - ۱۳۷۳ھ) بانی مدرسہ رضا محمد گوٹھ ۔ رضا محمد ڈیرو تعلقہ کھکڑ ضلع دادو کی عربی تصانیف ہیں ۔ مقدمہ تفسیر القرآن ۔ المکاتیب الجدیدہ ، صفیحۃ الخشوع ، راحتہ القلوب من لسان المحبوب ۔

مولانا حاجی سید محمد شاہ مہاجر مدنی (بانی مدرسہ عربیہ گھوٹکی) نے عربی کی کئی کتابوں کا سندھی اور اردو میں ترجمہ کیا ہے ۔ مثلاً اردو میں القول المختتم فی زکواۃ الغنم اور سندھی میں جمال القرآن ، قرۃ العین فی زیارت الحرمین وغیرہ ۔

مولانا محمد یوسف عباسی معلم شعبہ عربی نور محمد ہائی اسکول کی عربی تصنیف ''معلم الصرف'' نصابی کتب میں اہمیت کی حامل ہے ۔

مولانا محمد ہاشم انصاری (استاد مخدوم امیر احمد) مولانا عبدالکریم چشتی شکارپوری اور دیگر معلمین و محققین کی عربی تصانیف و تالیفات کی فہرست طویل ہے ۔

اس مقالے کا پانچواں دور (عہد پاکستان) میں جن اہل سلوک اور اہل اللہ علمائے کرام کے تذکرے باعث زینت ہیں ان میں اکثریت ایسے حضرات کی ہے جو سندھی ، فارسی اور اردو کے علاوہ عربی کے بھی عالم اور ماہر ہیں ۔ انہوں نے عربی میں کتابیں تصنیف بھی کی ہیں تالیف بھی اور عربی کتب کے ترجمے بھی کیے ہیں ۔ **جن کی**

Marfat.com

تفصیلات ان کے تذکروں میں موجود ہیں - یہاں ایسے چند علماء کے نام لکھے جاتے ہیں -

عبداللہ جان سرہندی اعتصام حزب البحر (اربعین مجاہدین چہل حدیث) شاہ غلام رسول قادری (حقیقت صراط مستقیم ، اجلال محمدی) ، محمد ابراہیم گڑھی یٰسینی (رسالہ حکم فوٹو گراف) ، مولانا دین محمد ادیب (اشرف العلوم ، اصلاح الاحوال ، حقوق البیت) پیر صبغت اللہ ایرانی (ترجمہ کتاب الحکم) مخدوم امیر احمد (بذل القوۃ فی حوادث سنۃ النبوۃ ، حیواۃ القاری جرح البخاری) ، محمد ہاشم جان سرہندی (ترجمہ رسالہ نافعۃ العقائد الصحیحہ ، طریق النجات) سید زوار حسین شاہ (تالیف مکتوبات معصومیہ ، ترجمہ گلدستہ مناجات) ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان (قرآنی عربی ، ضیاء القرآت) تفسیر المقام المحمود پارہ عم) مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی (المتانہ فی مراسۃ الخزانہ ، تفسیر الہام الرحمن، تفسیر سورہ سبا ، تفسیر خلاصۃ القرآن ، لمحات ، تفہیم القرآن ، ابناء الانباء اسعان النظر اور سندھی ترجمہ مع تفسیر قرآن حمائل شریف) اور پیر بدیع الدین شاہ کی تصنیف بھی ہے -

عربی ہماری دینی ملی اور قرآنی زبان ہے - پاکستان کے ابتدائی دور میں پاکستان کی قومی زبان کا مسئلہ مہینوں اخبارات اور عوام میں زیر بحث رہا - سر آغا خان مرحوم نے موتمر عالمی کے اجلاس منعقدہ ۱۹۴۹ء میں اپنے خطبۂ صدارت میں عربی کو قومی زبان بنانے پر زور دیا تھا - ۱۹۷۲ء کی مسلم سربراہ کانفرنس لاہور میں پاکستان کے علماء و سکالروں نے عربی میں تقریریں کیں اور عرب ممالک کے سربراہوں نے عربی میں تبادلہ خیالات کیا -

موجودہ حکومت پاکستان نے اسلامی نظام کے قیام و نفاذ کی غرض سے نہایت مثبت اقدامات کیے ہیں - فعال و مستعد کمیٹیاں اور مجالس عمل قائم کی ہیں - ان سب کارروائیوں اور سرگرمیوں کا بنیادی ذریعہ اظہار و ابلاغ عربی زبان ہی ہے - عربی کے فروغ کے لیے ٹیلی ویژن اور ریڈیو میں روزانہ عربی کے درس دیے جاتے ہیں - پاکستان نیشنل سنٹروں میں بھی عربی تعلیم کا انتظام کیا گیا ہے - حکومت پاکستان ان تمام اداروں

Marfat.com

اور مدرسوں کی بھرپور سرپرستی کر رہی ہے جو عربی زبان و ادب کی اشاعت اور اسلامی علوم کی تبلیغ کے سلسلے میں منظم کام کر رہے ہیں ۔ محکمہ اوقاف نے مساجد میں بھی عربی درس و تدریس کا اہتمام کیا ہے سندھ میں عربی ، فارسی اور اردو وغیرہ سے زیادہ پرانی زبان ہے ۔ اہل سندھ کو عربی سے دینی ، دلی اور روحانی لگاؤ رہا ہے ۔ شہروں ، محلوں ، قصبوں اور قریوں میں اب بھی دینی مدرسے اور مکتب برسر عمل ہیں ۔ اس طرح سندھ کا گوشہ گوشہ تجلیات الٰہی اور انوار محمدی[ص] سے روشن ہے ۔

فارسی : عہد برطانیہ میں فارسی کی سرکاری حیثیت ختم ہونے اور اس کی جگہ انگریزی کے نفاذ کے بعد فارسی کی ترقی کے لئے فضا زیادہ سازگار نہیں رہی لیکن اس کے باوصف سندھ کے اہل ذوق و اہل دانش کی کوششوں سے مدرسوں میں فارسی کی تعلیم جاری رہی اور فارسی پڑھنے لکھنے کی روایت قائم رہی ۔

سندھ کے آثار قدیمہ اور مساجد و مقابر پر تاریخی کتبے فارسی میں آج بھی موجود ہیں ۔ مکلی قبرستان (ٹھٹھہ) کے تقریباً تمام مقبروں کے کتبے فارسی میں ہیں ۔ اولیائے کرام اور بزرگان دین کے لوح مزار فارسی قطعات و تواریخ سے مزین ہیں ۔ حضرت لعل شہباز قلندر ، حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی ، حضرت سچل سرمست ، حضرت قادر بخش بیدل ، حضرت نوح سرور ہالائی اور خواجہ عبدالرحمن سرہندی وغیرہ کی درگاہوں کے فارسی اشعار اور تاریخیں سندھ میں فارسی زبان و ادب کے گہرے اثرات کا بین ثبوت ہیں ۔ حیدرآباد اور نواح حیدرآباد میں والیان کلہوڑا اور امیران تالپور کے قبوں پر فارسی خطوط و نقوش فارسی کی اہمیت و افادیت کی یاد دلاتے ہیں ۔

پاکستان کے دور آزادی میں بہت سے اہل علم اور اہل ادب نے فارسی زبان و ادب کی ۔ آبیاری کی اس کے گلشن میں رنگا رنگ پھول کھلائے ۔ فارسی کے بے شمار دواوین ، تصانیف اور تخلیقات و نگارشات منصۂ شہود پر آئیں ۔ جن بزرگ ارباب علم و فن نے اپنی فارسی دانی کا

Marfat.com

لوہا منوایا اور جن کی کاوشوں سے فارسی شعر و ادب نے فروغ پایا ان کا بھرپور تجزیہ پیش کرنا اس مقدمہ میں ممکن نہیں لہذا ایک سرسری نظر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

ڈاکٹر داود پوتا فارسی کے ممتاز ادیب اور محقق تھے۔ ان کی فارسی کتابوں میں نغمات حافظ، عیار دانش، ابوالفضل، انتخاب نظم و نثر فارسی، تالیف تاریخ معصومی، تالیف چچ نامہ فارسی اساتذہ اور طلباء دونوں کے لیے مشعل ہدایت ثابت ہوئیں۔

قاضی عبدالرؤف موراٹی (۱۲۹۹-۱۳۶۳ھ) ساکن مورہ ضلع نواب شاہ) فارسی کے بہت بڑے انشاء پرداز اور شاعر تھے۔ ان کی منظوم تصنیف ''تنزیہ از تشبیہ'' ان کی شاعرانہ عظمت کی مظہر ہے۔ مولانا عبدالکریم ڈیرو (۱۳۱۵ - ۱۳۷۳ھ) بانی مدرسہ رضا محمد، عربی و فارسی کے جید عالم تھے۔ ان کی تصانیف عربی سے زیادہ فارسی میں ہیں جن کی تعداد ۲۵ سے زائد ہے۔ ان کے طلباء و تلامذہ آج مشاہیر سندھ میں شامل ہیں۔ چند فارسی کتب یہ ہیں۔ اخلاق نامہ امام غزالی، اعتقاد نامہ امام ربانی، فوائد دینیہ، تعلیم قرآن، معلم القرآت، فضائل آل و اصحاب وغیرہ۔ مولانا یوسف عباسی معلم نورمحمد ہائی اسکول حیدرآباد نے علم عربی صرف کے بارے میں فارسی میں ایک بہت مفید کتاب موسوم بہ ''معلم الصرف'' لکھی جو نصابی کتب فارسی میں شامل ہوئی۔

دین محمد ادیب فارسی کے ممتاز عالم، نقاد، انشا پرداز اور پرگو شاعر تھے۔ فارسی تصانیف نثر میں منبع الانام، زاد الادیب اور کلام کا مجموعہ کلیات ادیب تمام اصناف سخن پر حاوی ہے۔

ڈاکٹر شیخ محمد ابراہیم خلیل سندھی اور اردو کی طرح فارسی کے بھی استاد فن ہیں۔ ان کا مجموعہ منظومات ''گلزار خلیل'' کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ حمد و نعت منقبت، مرثیہ، قصیدہ اور غزل نظم غرض کہ ہر صنف پر ان کے افکار عالیہ فکر و فن کا عمدہ مرقع ہیں۔

پیر حسام الدین راشدی، پیر علی محمد راشدی، ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ، مخدوم امیر احمد، لطف اللہ بدوی، راشد برہانپوری اور

Marfat.com

مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی سندھ کے نامور محقق ، مصنف ، مورخ اور مؤلف ہیں ۔ فارسی علوم و ادبیات پر وسیع و گہری نظر رکھتے ہیں ۔ اس زبان میں ان حضرات کا علمی کام فارسی ادب کے فروغ کے سلسلے میں عدیم المثال ہے ۔ ان کی فارسی تصنیفات و تالیفات نہ صرف سندھ بلکہ برصغیر پاک و ہند کے فارسی ادب میں اہمیت کی حامل ہیں ۔

پیر حسام الدین راشدی : مقالات الشعراء ، تکملہ مقالات الشعراء ، مثنوی چنیسر نامہ ، مثنوی مظہر الآثار ، مثنویات و قصائد قانع ، تاریخ مظہر شاہجہانی ، ترخان نامہ، مکلی نامہ ، حدیقتہ الاولیاء روضۃ السلاطین، منشور الوصیت ، ہمت نامہ وغیرہ ۔

ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ : دیوان غلام ، لب تاریخ سندھ ، تاریخ طاہری ۔

مخدوم امیر احمد : ترجمہ چچ نامہ ، تحفتہ الکرام ، تاریخ طاہری ، تاریخ معصومی ۔

مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی : سطعات ۔

سندھی ادبی بورڈ کی خصوصی توجہ سے فارسی کے نادر و نایاب مخطوطات حسب ذیل مرتبین کی کاوشوں کی بدولت منظرعام پر آچکے ہیں ۔

دیوان عطا (مرتبہ راشد برہانپوری) ، تحفۃ الطاہرین (آغا بدر عالم درانی) مثنوی ہیر و رانجھا (حفیظ ہوشیارپوری) ، تاریخ تازہ نوائے معارک (عبدالحئی حبیبی افغانی) کلیات سائل (محمود احمد عباسی) فتح نامہ (شیر محمد نظامانی) دیوان صنعت (لطف اللہ بدوی وغیرہ) ۔

عبداللہ جان شاہ آغا سرہندی کی مونس المخلصین اور برگ سبز قابل قدر کتابیں ہیں اول الذکر فن سوانح نگاری اور آخرالذکر فن طب سے تعلق رکھتی ہے ۔

اسماعیل جان روشن سرہندی (مصنف دیوان روشن ، انشائے روشن ، نسیم چمن ، جواہر نفیسہ) محمد اسحاق جان سرہندی (فارسی مقالات ، شتر تاریخی عمرکوٹ ، سخنوران زبان فارسی در سندھ، حافظ شیراز) ضلع

Marfat.com

تھرپارکر کے نامور شعراء اور نثرنگار ہیں ۔ ان کے دم سے اس علاقے میں سندھی شعر و ادب کی فضا قائم ہے ۔

ہالا بھی شروع سے علم و ادب کا مرکز رہا ہے ۔ یہاں بھی فارسی کے ادباء و شعراء اپنی فارسی دانی و فارسی گوئی کی شمع روشن کیے ہوئے ہیں ۔ ان میں مخدوم طالب المولیٰ ، قاضی غلام محمد اور انور ہالائی وغیرہ قابل ذکر ہیں ۔

انقلاب ۱۹۴۷ء کے بعد ہندوستان سے ارباب علم و ادب نے سندھ میں بھی ہجرت کی ان میں فارسی کے علماء، ادباء اور شعراء بھی شامل ہیں ۔ کراچی ، ٹھٹھہ ، حیدرآباد ، ٹنڈو محمد خان نگھڑ ساتلی ہالا سعید آباد ، پیر جھنڈو، خیر پور ، سکھر نواب شاہ، پہلے ہی علم و ادب کے مراکز تھے ۔ اب ان مرکزوں کی اہمیت پہلے سے زیادہ ہے ۔

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان ایک عظیم المرتبت استاد ، بلند پایہ محقق اور تاریخ گوئی کے ماہر ہیں ۔ انہوں نے فارسی دان حکمران ، فارسی شعراء و ادباء کے تذکرے ، سوانح خانقاہ مظہریہ ، مکتوبات و ملفوظات امام ربانی کی تصنیف ، تالیف ، ترتیب و تدوین کا تحقیقی کام جس کمال فن اور ماہرانہ و محققانہ انداز سے کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے ۔

پیر صبغت اللہ شاہ ایرانی کی مادری زبان فارسی ہے ۔ فارسی نظم و نثر پر غیر معمولی قدرت رکھتے ہیں ۔ ان کی فارسی تصانیف اور تمام اصناف سخن پر محیط فارسی کلام فارسی کے اعلیٰ و ارفع معیار کا ضامن ہے ۔

مبداء و معاد ، معارف لدنیہ ، گلدستہ ، مناجات ، حضرت امام مجدد الف ثانی اور دیگر بزرگان دین کے مخطوطات و مکتوبات کو جس خوش اسلوبی و خوش طبعی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے وہ ان کتابوں کے مولف ، مرتب اور مترجم سید زوار حسین شاہ کی فارسی زبان و ادب پر ان کی بے پناہ قدرت و مہارت کی دلیل ہے ۔

رئیس امروہی ، رزی جے پوری ، شاہ اکرام حسین ، پروفیسر منظور حسین شور فارسی کے مشاق اور قادرالکلام سخنور ہیں ۔ ان کے قطعات تاریخ ، قصائد ، مثنویاں اور نظمیں شعری ادب کے شاہکار ہیں ۔

Marfat.com

الیاس عشقی اور پروفیسر حضور احمد سلیم حیدرآباد (سندھ) کے دو ایسے جلیل القدر فنکار ہیں، فارسی ادب کا خصوصی مطالعہ اور فارسی شہ پاروں کی تخلیق جن کی زندگی کا مخصوص و محبوب مشغلہ ہے۔ عشقی نے جدید فارسی غزل کو جس روایت، جس جدت، ندرت اور شگفتگی کے ساتھ زندہ رکھا ہے پورے سندھ میں ان کا کوئی حریف نہیں۔ اس حقیقت کی تصدیق الیاس عشقی کے تازہ اور پہلے شعری مجموعہ فارسی "شہر آشوب" سے بخوبی ہوتی ہے۔ پروفیسر حضور احمد سلیم (صدر شعبۂ فارسی جامعہ سندھ) فارسی علوم اور ادبیات کے ہردلعزیز استاد ہیں۔ انہوں نے جس لگن اور محنت سے جامعہ میں فارسی زبان و ادب کی خدمت انجام دی ہے وہ لائق تحسین ہے۔ وہ فارسی کے منفرد شاعر اور صاحب طرز انشاء پرداز ہیں۔ وہ کئی بار ایران کا دورہ کر چکے ہیں۔ اہل ایران ان کی فارسی دانی کے معترف اور فارسی گوئی کے مداح ہیں۔ حضور احمد سلیم نے فارسی میں درسی کتابیں بھی لکھی ہیں۔ اور تحقیقی کتابیں بھی۔ انہیں فارسی نظم و نثر کے ترجمہ کا بھی خاص ملکہ ہے۔ کتاب فارسی اول و دوم، ارمغان فارسی، دبستان فارسی اور خزینۂ دانش نصاب میں شامل ہیں۔ آموزگار فارسی اور دوبیتی نامہ بابا طاہر مع اردو منظوم ترجمہ فارسی ادب میں قابل قدر اضافہ ہیں۔ حضور احمد سلیم کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے علامہ اقبال کے کلام کے بعض حصوں کا اردو میں منظوم ترجمہ جس ندرت کے ساتھ کیا ہے اس کے مقابلے میں زیادہ سے زیادہ شہرت رکھنے والے شاعروں کے ترجمے ماند پڑ گئے جن میں فیض احمد فیض کے ترجمہ کلام اقبال کو بطور مثال پیش کیا جا سکتا ہے۔ ۱۹۷۷ء میں حضور احمد سلیم کا منظوم اردو ترجمہ "انتخاب پیام مشرق" اقبال اکیڈمی لاہور سے شائع ہو چکا ہے۔

موجودہ صورت حال یہ ہے کہ اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں فارسی اختیاری مضمون کی حیثیت رکھتی ہے۔ بعض علمی مدرسوں میں فارسی کی تعلیم دی جاتی ہے لیکن سندھ میں اس کا مستقبل تشویشناک ہے۔ اس لیے کہ ہماری نئی نسل کی طبیعت فارسی کی طرف مائل نہیں ہوتی ان میں فارسی ذوق کا فقدان ہے۔ بہرحال صورت حال کچھ بھی ہو تاریخی

Marfat.com

روایتوں اور ثقافتی نقطۂ نظر سے فارسی زبان و ادب کا تحفظ اور اس کا فروغ ہمارا اسلامی و قومی فریضہ ہے ۔ اس سے غفلت قومی حقائق سے چشم پوشی کے مترادف ہوگی ۔

اردو : اردو زبان اب دنیا کی بڑی زبانوں میں سے ایک ہے ۔ یہ زبان عہد بہ عہد بتدریج مختلف مراحل سے گزر کر بین الاقوامی حیثیت حاصل کر چکی ہے ۔ امریکہ ، برطانیہ ، روس ، چین ، جاپان ، ایران ، ترکی ، اٹلی اور جرمنی وغیرہ کے کتب خانوں میں اردو کتب و رسائل کے نادر و نایاب مطبوعات و مخطوطات کے بہت بڑے ذخائر موجود ہیں ۔ وہاں کی یونیورسٹیوں میں اردو کے شعبے قائم ہیں ۔ اردو زبان و ادب میں مختلف علوم و فنون سے متعلق علمی و تحقیقی کاموں کا سلسلہ جاری ہے ۔ ان ملکوں میں نہ صرف نصابی سطح پر اردو درس و تدریس کا انتظام ہے بلکہ اردو کی اہم کتابوں اور مضامین کے ترجمے اور غیر ملکی ادبیات کو اردو میں منتقل کرنے کا باقاعدہ اہتمام بھی ہے ۔

متحدہ ہندوستان میں اردو ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ زبان کی حیثیت سے راج کر رہی تھی لیکن ہندو رہنماؤں کی تنگ نظری اور مسلم دشمنی کی بناء پر اردو کو مسلمانوں کی زبان قرار دیا گیا ۔ اس کی جگہ ہندی یا ہندوستانی کو دیوناگری رسم الخط میں لکھنے پڑھنے کی پرزور مہم چلائی گئی ۔ خدا کا شکر ہے کہ پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد اردو کو کفرستان سے نجات مل گئی ۔

کسی قوم کی پہچان اور اس کی شان اس کی اپنی زبان اور اپنی تہذیب و ثقافت سے نمایاں ہوتی ہے ۔ تخلیق پاکستان کے فوراً بعد بانی پاکستان اور گورنر جنرل قائداعظم محمد علی جناح نے اعلان کیا تھا کہ "پاکستان کی سرکاری و قومی زبان صرف اردو ہو گی"[1] ۔ گزشتہ حکومتوں نے

---

۱ ۔ قائداعظم کی یہ تاریخی تقریر ڈھاکہ کے جلسۂ عام میں خود اپنے کانوں مورخہ ۲۱ مارچ ۱۹۴۸ء سے سننے کی سعادت حاصل ہوئی ۔

Marfat.com

اپنے اپنے طور پر اردو زبان کو قومی زبان کی حیثیت دینے کی کچھ کوششیں کیں لیکن افسر شاہی ذہنیت ہمیشہ قومی مفاد کی راہ میں حائل رہی۔ جب انگریزوں نے برصغیر پاک و ہند میں قدم جمایا تھا تو فوراً انگریزی زبان رائج کر دی تھی۔ آج آزادی کے ۳۲ سال گزر جانے کے بعد بھی انگریزی زبان پاکستان کے دفتروں، عدالتوں، تعلیمی اور کاروباری اداروں میں جوں کی توں موجود ہے۔ تاریخ اقوام عالم شاہد ہے کہ فاتح قوموں نے جس ملک کو فتح کیا وہاں اپنی قومی زبان کا سکہ جاری کر دیا اور مفتوح قوموں کے نام و نشان مٹا دیے۔

اس سائنسی اور ٹیکنالوجی کے دور حاضر میں دنیا کی ساری قومیں اپنے اپنے ملک اور قوم کی نمائندگی اپنی ملکی و قومی زبانوں میں کرتی ہیں۔ ایک پاکستان ہے کہ یہاں اردو کو آج تک قومی زبان کا مقام حاصل نہ ہو سکا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا بڑا فضل و کرم ہے کہ وہ وقت آ گیا ہے انشاء اللہ جلد ہی اردو قومی زبان[1] کی حیثیت سے اپنا مقام حاصل کر لے گی۔ ایک تازہ اطلاع[2] کے مطابق "حکومت پاکستان نے "مقتدرہ قومی زبان" کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا ہے جس کا بنیادی مقصد اردو کی قومی حیثیت اور منصب کے پیش نظر حکومتی اور سماجی زندگی کے تمام شعبوں میں اس کا نفاذ اور فروغ ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ذیلی کمیٹیاں، بھی بنائی گئی ہیں جس کے ارکان میں ملک کے چوٹی کے ماہرین، دانشور، مؤرخین، محققین اور مفکرین شامل ہیں۔ یہ مقتدر حضرات

۱۔ تفصیلی رپورٹ کے لیے دیکھیے اردو نامہ از ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، مطبوعہ روزنامہ نوائے وقت کراچی، ۱۲ - ۲۹ مئی ۱۹۸۰ء۔

۲۔ مقتدرہ قومی زبان (جس کے صدر ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی تھے) کا پہلا اجلاس ۲۰ اکتوبر ۱۹۷۹ء منعقد ہوا۔ ذیلی کمیٹی کے اراکین میں ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ، ڈاکٹر وحید قریشی اور ڈاکٹر سید عبداللہ کے نام شامل ہیں۔

Marfat.com

اردو کو قومی حیثیت دلانے اور قومی زبان کی حیثیت سے عدالتوں دفتروں تعلیمی و کاروباری اداروں میں نافذ کرنے کے سلسلے میں پوری تن دہی اور انہاک سے مصروف عمل ہیں ۔ بڑی مستحسن بات یہ ہے کہ خود سربراہ مملکت اور حکومت پاکستان کے اعلیٰ نمائندوں نے بھی اردو کو نہ صرف ملکی بلکہ بین الاقوامی سطح پر اپنانے (بذریعہ تحریر و تقریر) کی روایت قائم کر دی ہے ۔

کراچی، حیدرآباد، ٹھٹھہ، ہالہ ، ٹنڈو محمد خان، ٹکھڑ ، میرپور خاص خیرپور ، سکھر ، نواب شاہ ، شکار پور اور لاڑکانہ وغیرہ شروع سے نہ صرف سندھی بلکہ اردو زبان و ادب کے بھی مراکز رہے ہیں ۔ ان شہروں اور علاقوں میں ادبی انجمنوں کی ادبی سرگرمیاں اردو کے حق میں مفید ثابت ہوئی ہیں ۔ ادبی نشستوں اور مشاعروں نے شاعروں اور ادیبوں کو ہمیشہ متحرک رکھا ہے ۔ ۔

تشکیل پاکستان کے ابتدائی دور میں انجمن ترقی اردو بورڈ ، سندھی ادبی بورڈ کراچی ، نیز کراچی کے دیگر سرکاری و غیر سرکاری اشاعتی و طباعتی اداروں کے قیام ، اردو رسائل و اخبارات کے اجرا سے اردو کی نشر و اشاعت وسیع پیمانے پر ہوتی رہی ہے ۔ اردو کتب و جرائد رسائل و اخبارات کے بہت بڑے ذخیرے جمع ہو چکے ہیں اور یہ سلسلہ جاری ہے ۔ اس طرح اردو سندھ کے ہر کوچہ و بازار میں عام ہو گئی ۔ مقامی زبانوں کے میل جول سے اردو کی ہیئت میں تبدیلی بھی آئی ۔ صوتیاتی و لسانی اعتبار سے اردو نے سندھ میں بولی کی حیثیت سے کیا صورت اختیار کر لی اس کی تفصیل یہاں بیان نہیں کی جا سکتی ۔ زیر نظر مقدمہ کے گزشتہ صفحات سے یہ حقیقت واضح ہو چکی ہوگی کہ حصول آزادی سے قبل ہر مکتبۂ فکر و ہر مدرسۂ خیال کے ارباب علم و کمال سندھ و بیرون سندھ کے اکثر شہروں اور قصبوں میں موجود تھے ۔ انقلاب ۱۹۴۷ء کے بعد ہندوستان کے مختلف صوبوں سے منتقل ہونے والے اہل علم و اہل قلم پاکستان کے تمام علاقوں میں پھیل گئے ۔ سندھ کے شہروں اور قصبوں میں سکونت اختیار کرنے والوں کی تعداد بہت بڑی ہے ۔ ان کی آمد و سکونت سندھی اور اردو دونوں زبانوں کے لیے نیک فال ثابت

Marfat.com

ہوئی ۔ سندھ میں ہجرت کرنے والوں نے محبت اور لگن سے سندھی زبان سیکھی اور اس کے علوم و ادبیات سے آگاہی حاصل کی ۔ سندھ کے قدیم باشندوں نے اپنے بھائیوں کو دلوں میں جگہیں دیں اور آنکھوں میں بسا لیا ۔ نئے و پرانے سندھیوں کے میل جول اور اخوت و محبت کے نتیجے میں سندھ میں پاکستانی قومیت اور پاکستانی نظریے کو تقویت پہنچی ۔ زبان اور ثقافت کو توانائی و شگفتگی ملی ۔ سندھی اور اردو سگی بہنوں کی طرح رہتی بستی اور پھلتی پھولتی رہیں ۔ نئی بہار آئی تو نئے نئے پھول کھلے ۔ ہر دل ہرا اور ہر روح شگفتہ ہو گئی ۔ آج سندھ کا یہ ریگزار سندھی اور اردو دونوں کے لالہ زار و گل زار کا روح پرور ، دلنواز و دلفریب سماں پیش کرتا ہے ۔

یگانگت و محبت ، اتحاد و یکجہتی ، افہام و تفہیم کے سائے میں وادیٔ سہران میں اردو زبان و ادب نے اس دور میں جس تیزی سے ترقی کی ہے وہ حیرت انگیز ہے۔ اسلامیات شخصیات ، سائنس و طب ، جغرافیہ، تاریخ تذکرہ ، سوانح ، سیرت ، تحقیق اور تنقید کے ہر شعبہ میں بہت مفید کام ہوتا رہا ہے ۔ البتہ افسانے اور ناول اس عرصے میں بہت کم لکھے گئے ۔ ڈاکٹر احسن فاروقی مرحوم سندھ کے ممتاز ناول نگار تھے ۔ ڈاکٹر حسرت کاسگنجوی نے چند ناول لکھے ہیں لیکن ان کے افسانے زیادہ معیاری ہیں ان کے افسانوں کا مجموعہ ''ادھا سورج ادھا سایہ'' شائع ہو چکا ہے ۔ حسرت کو سندھ میں جدید فن افسانہ نگاری کا نمائندہ کہا جا سکتا ہے ۔ اردو میں ریڈیائی ڈرامے کافی لکھے گئے ہیں ۔ ٹیلیویژن کے بعض ڈرامے کامیاب ہیں لیکن فن ڈرامہ نگاری جمود کا شکار ہے ۔

جن ارباب نثر[1] نے اپنے تحقیقاتی و تنقیدی مضامین و مقالات ۔ تصنیفات و تالیفات سے سندھ میں اردو زبان و ادب کو نئی توانائی اور نئی زندگی بخشی ان میں پیر علی محمد راشدی (جنگ اور اخبار جہاں کے صفحات

---

۱ ۔ سندھ میں کراچی اردو کا سب سے بڑا مرکز ہے یہاں ارباب نظم و نثر اردو کافی تعداد میں موجود ہیں ۔ مقدمہ کی طوالت کے خیال سے کراچی کے اہل قلم کا ذکر یہاں نہیں کیا جا رہا ہے ۔

Marfat.com

مشرق اور مغرب) پیر حسام الدین راشدی (متعدد تاریخی و تحقیقی تصانیف) ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ (سندھ میں اردو شاعری) اے کے بروہی ڈاکٹر شیخ ابراہیم خلیل (تاریخ بیت اللہ ، اقبال کا علم الکلام ، سندھ کی قومی شاعری)[1] پروفیسر محبوب علی چنہ مرحوم (سندھی ادب کے نئے رجحانات) ، کریم بخش خالد (مضامین اظہار) ، ڈاکٹر عبدالمجید سندھی (اردو نامہ میں مطبوعہ مقالات) ، ڈاکٹر نجم الاسلام (دبستان دہلی کی نثر) ڈاکٹر سخی احمد ہاشمی - شبلی کا ذہنی ارتقاء (ڈاکٹر احمر وفائی (جگر ، حالات و افکار) آغا تاج محمد مرحوم (عکس لطیف) ڈاکٹر خان رشید مرحوم (تین مثنویاں) ڈاکٹر احسن فاروقی مرحوم (اردو ناول کی تنقیدی تاریخ ، ادبی تخلیق اور ناول) ڈاکٹر شرف الدین (اردو سندھی کے لسانی روابط) رشید احمد لاشاری مرحوم (سچل حیات و کلام ، معلم اردو) اعجاز الحق قدوسی (تاریخ سندھ) شیخ عبدالرزاق راز (فاتح سندھ ، سلطنت دہلی) آفاق صدیقی (عکس لطیف ، ریگزار کے موتی) ڈاکٹر ندیم ندوی . افسر صدیقی (تالیف مخطوطات انجمن ترقی اردو) اور احقر وفا راشدی مصنف بنگال میں اردو ، سنہرا دیس پیام نو - کیف و عرفان اور دیگر مقالات و مضامین جو پاک و ہند کے رسائل میں شائع ہوتے رہے ہیں) کے نام اور کام کا ذکر تاریخ ادب اردو خصوصاً سندھ میں اردو ادب کی تاریخ کی تکمیل کے لیے ناگزیر ہے -

اس دور میں سندھ میں جن ارباب نظم نے جدید رجحانات اور نئے عصری تقاضوں کو اپنایا ، اپنے اچھوتے خیالات اور معنی آفرین فکر و فن سے شعری ادب میں جان ڈالی ان میں اہل دیوان بھی ہیں اور تصانیف منظوم کے خالق بھی - شیخ ابراہیم خلیل (گلزار خلیل) شیخ ایاز (بوئے گل نالۂ دل ، کف گل فروش ، منظوم ترجمہ رسالہ شاہ لطیف) رزی جے پوری ، الیاس عشقی ، حمایت علی شاعر (آگ میں پھول مٹی کا قرض) اشتیاق اظہر (نغمہ و شعر) شیخ عبدالرزاق راز (دھڑکنیں) برگ یوسفی ،

---

۱ - مطبوعہ مجلہ صریر خامہ قومی شاعری نمبر مرتبہ وفا راشدی شائع کردہ سندھ یونیورسٹی ، ۱۹۶۶ء -

Marfat.com

صادق دہلوی (وجدان صادق ، رباعیات صادق) افسر صدیقی (شہاب تخیل) وغیرہم وہ شعرائے کرام ہیں جنھوں نے بڑی مہارت اور شوق و ذوق کے ساتھ فن و شعر و نکات سخن کی آبیاری کی ۔ شاعری کی ہر صنف میں نئے تجربے اور نئے انداز کے ساتھ طبع آزمائی کی ۔ آج ان کے افکار رنگا رنگ ، حسن خیال و حسن کلام کی آب و تاب سے وادی مہران کی ادبی و شعری محفلیں ضوفشاں ، شاد اور آباد ہیں ۔

اس مقالے کے پانچویں دور میں جن اہل اللہ اور اہل سلوک کے تذکرے شامل ہیں ان کے حالات اور خدمات کے مطالعہ سے بخوبی اندازہ ہو گا کہ سندھ میں اردو کی ترقی و ترویج اور تبلیغ و اشاعت میں ان حضرات نے غیر معمولی خدمات انجام دی ہیں ۔ ان ارباب نظم و نثر نے تاریخ ، تحقیق ، تنقید ، تذکرہ ، سوانح اور سیرت وغیرہ کے تمام شعبوں میں بہت کام کیا ہے ۔ ان میں سے بعض کا شمار نہ صرف سندھ بلکہ برصغیر کے ممتاز اور نامور مورخین ، محققین ، ناقدین اور تذکرہ نگاروں میں ہوتا ہے ۔ مثلاً مخدوم امیر احمد ، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان ، مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی ، پروفیسر علی نواز جتوئی اور پروفیسر حضور احمد سلیم ۔

ان کے علاوہ شاہ اکرام حسین سیکری ، شاہ بشیرالدین نجفی ، علیم الدین علمی قادری میر بدیع الدین شاہ ، سائیں عبدالرشید ہاشم جان سرہندی ، عبداللہ جان سرہندی ، محمد یاسین گڑھی یلسینی ، پیر صبغت اللہ شاہ ایرانی ، پیر اسحاق جان سرہندی، مرزا افضل بیگ اور پیر محب اللہ شاہ وغیرہ کے تاریخی و تحقیقی مقالات اور کتابیں سندھ میں اردو ادب میں گرانقدر اضافے کا باعث ہیں ۔

اس دور میں سندھی عربی اور فارسی کتابوں کے اردو میں ترجمے کئے گئے ۔ اس طرح ان زبانوں کا لسانی و ثقافتی رشتہ ایک دوسرے کے ساتھ مزید مربوط و مضبوط ہو کر گلشن ادب اردو میں نیا رنگ آیا اور رنگ برنگ پھول کھلے ۔

عبداللہ جان سرہندی نے عربی کی چہل حدیث ، پیر صبغت اللہ شاہ نے کتاب الحکم ، ہاشم جان سرہندی نے طریق النجات اور العقائد الصحیحہ کو اردو میں پیش کیا ۔

Marfat.com

سید زوار حسین شاہ ، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ قاسمی نے عربی اور فارسی کی متعدد کتابوں کے ترجمے کئے اور تفسیریں لکھی ہیں جن کی تفصیلات ان کے تذکروں میں دیکھی جا سکتی ہیں ۔

مولانا دین محمد ادیب اور طالب المولیٰ نے متعدد نظم و نثر کی سندھی و فارسی تخلیقات و نگارشات کو زیور اردو سے آراستہ کیا ہے ۔ مخدوم امیر احمد نے سندھی رسالہ شاہ لطیف کو اردو نثر کا روپ دے کر سب سے پہلے اردو دنیا کو روشناس کرایا ۔

منظومات کا منظوم اردو ترجمہ کار کمال ہے ۔ ایسے با کمال مترجمین میں پہلا نام قاضی علی اکبر درازی کا آتا ہے جنہوں نے سچل سرمست کی فارسی مثنویاں و صلت نامہ وغیرہ کو بدرجہ کمال اردو میں منتقل کر دیا ہے ۔ پرفیسر حضور احمد سلیم کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے نہ صرف ایران کے مشہور شاعر بابا طاہر کے دوبیتی نامہ کو اردو کا جامہ دے کر اہل پاکستان سے روشناس کرایا بلکہ علامہ اقبال کے منتخب فارسی کلام کو اردو نظموں کا رنگ و آہنگ دے کر نئی سج دھج سے پیش کیا ۔

زیر نظر مقالے کے ”دور پنج“ کی محفل میں ایسے شعرائے کرام بھی شریک ہیں جن کی نظم نگاری اور جادو بیانی نے اردو شاعری کی دنیا کو نئے حسن اور نئے اُفق سے خوبصورت بنا دیا ہے ۔ مولانا دین محمد ادیب ، صبغت اللہ شاہ ایرانی ، سید زوار حسین شاہ ، شاہ اکرام سیکری ، عبدالشکور نظامی ، غلام رسول قادری ، علی قادری وہ اہل دیوان اساتذہ فن اور اہل کمال سخنور ہیں جن کے تذکروں کے بغیر تذکرہ شعرائے اردو مکمل نہیں ہو سکتا ۔

یہ سب نکتہ دان و نکتہ رس ارباب فکر و فن اللہ کے فدائی اور رسول کے شیدائی ہیں ۔ اس لیے ان کا کلام بھی انہیں معبود و مقدس ہستیوں کی وصف و مدح کے لیے وقف ہے ۔ ان اللہ والوں نے نعتیہ شاعری کو دوسری اصناف کی نسبت زیادہ اہمیت دی انہوں نے حضور اکرم ؐ کے حضور میں والہانہ عقیدت اور مستانہ جذبہ وارفتگی کے ساتھ نذرانہ عقیدت پیش کیا ۔ ان کی صوفیانہ زندگی اور فکر و دانش نے ہر طرف اجالا کر دیا ہے ۔ اگر ان اہل اللہ کی نعت گوئی

Marfat.com

کا تجزیہ کیا جائے تو ایک علیحدہ مضمون درکار ہوگا۔ اللہ نے توفیق دی تو کسی اور موقع پر یہ سعادت حاصل کروں گا۔

اس محفل میں شریک شعرائے کرام نے اپنے خیالات و احساسات سے تنگنائی غزل کو وسعت و رفعت بخشی ہے۔ گرچہ اکثر اہل سخن کا انداز تغزل روایتی ہے جن غزل گو سخن وروں نے قدیم طرز سخن کو اپنایا اور روایت کو برقرار رکھتے ہوئے جدید اسلوب فن کی نشو و نما کی ہے ان میں ان دین محمد ادیب، زوار شاہ اور سلیم جان سرہندی کے نام اہم ہیں۔ حضور احمد سلیم کا طرز سخن اور اسلوب فن سب سے الگ، سب سے جدا ہے۔ سلیم بلاشبہہ جدید غزل کے نمائندہ فنکار ہیں۔ مقدمہ طویل ہو چکا ہے اس لیے انتخاب کلام پیش نہیں کیا جا رہا ہے۔

اوپر کی سطروں سے کسی حد تک اندازہ ہو گیا ہو گا کہ سندھ کے اولیائے کرام نے شروع سے آج تک ہر دور میں حقیقت و معرفت، علم و عرفان اور شعر و ادب کا چراغ روشن کیا ہے، چراغوں سے چراغ جلتے رہے، نگاہیں روشن اور دل منور ہوتے رہے ہیں۔ اللہ کے ان نیک اور برگزیدہ بندوں نے بلا امتیاز نسل و مقام سندھی، عربی، فارسی اور اردو زبان و ادب کی ترقی وترویج اور تبلیغ و اشاعت میں نہایت اخلاص و ایثار کے ساتھ حصہ لیا ہے۔ سرزمین سندھ میں یہ چاروں زبانیں اپنی بہنوں کی طرح مل جل کر رہتی آئی ہیں۔ یہ زبانیں بتدریج ایک دوسرے پر اثر انداز ہوئیں۔ سندھی اور اردو نے عربی و فارسی کے علاوہ ایک دوسرے کے اثرات قبول کیے۔ سندھی اور اردو کے الفاظ، محاورات، استعارات و خیالات میں غیر معمولی اضافہ ہوا جس کے خوشگوار نتائج یہ برآمد ہوئے کہ جہاں سندھی زبان اور اس کے ادب نے بے پناہ ترقی کی وہاں اردو زبان اور اس کے ادب کو بھی خوب سنورنے اور نکھرنے کے مواقع فراہم ہوئے۔ سندھ میں اردو زبان کی اہمیت و افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ یہ اردو زبان اب ترقی یافتہ زبان کی حیثیت رکھتی ہے۔ اردو نظم و نثر کی تمام اصناف اور علوم و فنون کے تمام موضوعات پر مشتمل تخلیقات و نگارشات سے مالا مال ہے۔ بلاشبہہ اردو کو یہ مقام اور یہ مرتبہ عطا کرنے میں سب سے زیادہ حصہ اولیائے سندھ کا ہے۔

———

Marfat.com

دوسرا حصہ

عہد کلہوڑا

عہد تالپور

عہد برطانیہ (دور اول)

عہد برطانیہ (دور ثانی)

عہد پاکستان

Marfat.com

Marfat.com

پہلا دور

(۱۱۳۲ھ-۱۱۹۶ھ/۱۷۱۹ء-۱۷۸۲ء)

عہد کلہوڑا

ملا عبدالحکیم عطا ٹھٹھوی

میر حیدر الدین کامل

شاہ عبداللطیف بھٹائی

میر اسد اللہ ساقی

میر حفیظ الدین علی

روحل فقیر

Marfat.com

Marfat.com

ملا عبدالحکیم عطا ٹھٹھوی

(۱۰۴۰ - ۱۱۴۰ھ)

ملا عبدالحکیم عطا ٹھٹھوی فارسی اور اردو کے یگانۂ روزگار شاعر اور سلسلہ قادریہ کے صوفی مشرب بزرگ تھے - ٹھٹھہ کے ایک ممتاز علمی و ادبی خاندان سے تعلق رکھتے تھے - ان کے والد اور برادر معظم اپنے وقت کے جید عالم اور مقتدر شاعر تھے[۱] -

عطا عہد شاہ جہانی میں ۱۰۴۰ھ میں پیدا ہوئے اور دور عالمگیری کے بعد عہد کلہوڑا میں ۱۱۴۰ھ میں وفات پائی - ٹھٹھہ ان کا آبائی وطن، مولد ، مسکن اور مدفن تھا - عطا عربی ، فارسی اور ہندی کی تعلیم کی تکمیل کے بعد بیس سال کے سن یعنی ۱۰۶۰ھ میں شعر و شاعری کی طرف مائل ہوئے - شعر و سخن کا ذوق ورثے میں ملا تھا لیکن ذوق کی تہذیب اور شاعرانہ مذاق کی جلا نواب ظفر خان احسن[۲] کے زیر سرپرستی ہوئی - میر علی شیر قانع لکھتے ہیں ''عبدالحکیم عطا را او تربیت کردہ نمود شاعری داد''[۳] -

عبدالحکیم عطا وہ خوش نصیب شاعر تھے جنہوں نے سو سال عمر پائی - صرف ان کی شاعری کی عمر اسی برس تھی اس لحاظ سے وہ ایک

---

۱ - مقدمہ دیوان عطا ، ص ۲ -

۲ - نواب ظفر خان شہنشاہ ہند شاہجہان کی جانب سے ۱۰۶۳ھ سے ۱۰۶۷ھ تک ٹھٹھہ کے گورنر رہے - سخن فہم بھی تھے سخن سنج بھی - احسن تخلص کرتے تھے - علم دوست اور ادب نواز حاکم تھے - ارباب علم و فکر کی بہت قدر کرتے تھے -

۳ - مقالات الشعراء بحوالہ مقدمہ دیوان عطا ، ص ۴ -

Marfat.com

تاریخ، ایک عہد تھے۔ انہوں نے شاہجہان سے محمد شاہ تک کے چھ سلاطین[1] کے دور دیکھے۔

اس طرح عطا کے افکار و آثار تقریباً ایک صدی کی طویل مدت پر محیط ہیں۔ وفات عالمگیر ۱۱۱۸ھ (۱۷۰۷ء) سے ۱۱۳۱ھ تک کا زمانہ بہت ہی بدنظمی، بدحالی اور بد امنی کا زمانہ تھا۔ ٹھٹھہ میں بھی بدعنوانی، سماجی خلفشار، اشراف گردی کا دور دورہ تھا۔ عوام قحط و وبا کے شکار بھی رہے۔ مغلیہ دور کے ان انقلابی و زوال پذیر حالات کی تصویریں عطا نے اپنے اشعار و افکار کے کینویس پر نہایت مصوری و فنکاری کے ساتھ پیش کی ہیں۔ ان کی ایک فارسی نظم ''شہر آشوب'' ان تمام کوائف کی بھرپور عکاسی کرتی ہے۔ شہر آشوب[2] کے دو ابتدائی اشعار یہ ہیں:

بشنو کہ بیان میکنم احوالِ وطن را
یعنی کہ بتھتہ بود این کیف و کماھی
کولی و کپاھی شدہ شیطان زمانہ
دجال جھان ھمچو کسالی شدہ کاھی

ماحول و معاشرے کی تباہ حالی، عوام کے حقوق کی پامالی، جبر و تشدد، فتنہ و فساد اور اہل وطن کی کلفتوں، صعوبتوں کا حال انہوں نے اپنی ایک اردو نظم میں بیان کیا ہے۔ ان کا خطاب صرف ٹھٹھہ یا سندھ کے ساکنوں سے نہیں بلکہ ہندوستان کے تمام مسلمانوں سے ہے۔ اس سے ظاہر ہے یہ ناگفتہ بہ حالات وادی سندھ تک محدود نہ تھے بلکہ پورا ملک انتشار و خلفشار میں مبتلا تھا۔

اے مسلمانان وطن بیدار ہے — جور ہے، بیداد ہے، فریاد ہے
آشنا بیگانہ، یار اغیار گشت — خود حقوقِ ما ہمہ برباد ہے
تنگ دست و طمع گنج و بخت لنگ — پا کج و سر درد، دل ناشاد ہے

۱۔ تاریخ سندھ۔ اعجاز الحق قدوسی۔
۲۔ پوری نظم کے لیے ملاحظہ ہو دیوان عطا مرتبہ راشد برہانپوری۔

Marfat.com

- - - تند و طمع کند و وقت بند (تا) شدہ زین تنگنا نکشاد ہے
دھر چنگیز و هلاکو دھریان بغض ہے دم دشمناں فصاد ہے
جزسکوت وشکر جائے شکوہ نیست کار بے اصلاح پر افساد ہے

عطا کی شاعری کا سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ انہوں نے اپنے زمانے کی معاشرتی تمدنی ، ساجی حالات کے ساتھ ساتھ تاریخی ، سیاسی و مذہبی واقعات کو اشعار کے قالب میں محفوظ کر دیا ہے - ان کی شاعری صحیح معنوں میں تاریخ کے ایک عہد ، ایک دور کی ترجمانی کرتی ہے -

جھوک شریف (میراں پور) کے شہرہ آفاق ولی اللہ حضرت صوفی شاہ عنایت اللہ[1] کی گرفتاری اور شہادت (۱۱۳۱ھ) تاریخ سندھ کا ایک اندوہناک واقعہ ہے - عطا نے حسب ذیل اشعار اسی واقعہ سے متاثر ہو کر کہے ہیں -

عطا اس بھوک سوں ہم نوک رہتا زخوردن ساگ لولی سوک رہتا
مری جان دیکھا پھر دکھ نہ دینا کہ محتاج توکی مفلوک رہتا
دو کلجگ از دعا گویان مقابل داد پایا مراد جوک رہتا
زیا افراط افطار فقیران کیوں اخیا بہ آدھی بھوک رہتا
ترا پیوستہ جشن است و مرا فقر نظر پر مور کی مملوک رہتا
چگونہ سند بستا باز سکھ ہوں عنا دی گرمیاں جھوک رہتا
ترا عمر خضر فیاض غازی عطا درد اعیان سلوک رہتا

عطا کی شاعری کا ایک حصہ ان کے ذاتی تاثرات و احساسات کا آئینہ دار ہے - ۱۱۱۸ھ سے ۱۱۲۹ھ تک کا زمانہ عطا کی بیکسی و عسرت کا زمانہ تھا - اس کی عکاسی بھی ان کے اشعار میں ملتی ہے - مثلاً :

غبر فقیر مرا روپ رو برنگ بھبوت
نہ کلجگ است کہ از بھوک جوگیاں ساریت
بہ سینہ سوختہ پھر دیکھ نہ دکھ دینا
ز دل شکستہ نہ پینا لہو سمجھ ای میت

---

۱ - جنگ جھوک اور شاہ عنایت کی شہادت کے لیے ملاحظہ ہو تاریخ سندھ حصہ ششم - جلد اول ص ۲۸۵ مرتبہ غلام رسول مہر -

Marfat.com

به اہل ترس نہ سینا (میان بناید است)
کہ داب مردم دانا باہل درد پریت

ہر بیت ایں غزل را دارم چو داغ سفید
تاریخ ایں غزل شد داغ دل عطائی
۱۱۲۹ھ

داغ دل عطائی ، تاریخ حال تست
۱۱۲۹ھ
از خار خار سینہ خراشیدہ بودہ ای

''داغ دل عطائی'' سے ۱۱۲۹ھ کا سال نکلتا ہے ۔ عطا کے شاعرانہ مرتبہ کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ٹھٹھہ کے گورنر نواب ظفر خان احسن ان کے خاص قدردان تھے۔ علمی و ادبی مجالس میں عطا کو ممتاز حیثیت حاصل تھی ۔ میر قانع کے ایک بیان سے بھی پتہ چلتا ہے کہ کلام عطا عوام و خواص میں یکساں مقبول تھا ۔ ان کے مناقب کابل اور پشاور تک میلاد کی محفلوں میں پڑھے جاتے تھے ۔ میر قانع کہتے ہیں :

''لک بیت باختتام رسانیدہ ، مقبول الکلام مابین خاص و عام بودہ ، زبانی شیخ محمد زاہد شنیدم کہ در کابل و اطرافہای پشاور مناقب او را در مولود ہا میخوانند ۔''[1]

عطا ٹھٹھوی کو اپنی سخن سنجی پر ناز تھا ۔ مقبولیت کے باوصف ان کو زمانہ سے ان کے فن کی ناقدری کا گلہ رہا ۔ شکوہ سنجی کا یہ تاثر ان کے فارسی و اردو دونوں کلام میں موجود ہے ۔ اپنے دیوان کے بارے میں کہتے ہیں :

نسخہ ابیات دیوانم گزشت از سی ہزار
لیکن ایں قدر گیر را نیست اکنون جوہری

---

۱ ۔ مقالات الشعراء ، ص ۴۴۲ ۔

Marfat.com

عطا کے اس شعر سے ظاہر ہے کہ ان کے اشعار کی تعداد تیس ہزار سے زیادہ تھی - اُن کے اس دعویٰ کی تائید صاحب مقالات الشعراء نے ان الفاظ میں کی ہے -

''دیوانش نیزاز سی هزار بیت متجاوز است''[1]

سید محمد مطیع اللہ راشد برہانپوری نے بڑی محنت ، مطالعہ و تحقیق سے دیوان عطا مرتب کیا ہے - اسے سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد نے شائع کیا ہے - عطا کے فارسی کلام کا ایک ضخیم قلمی نسخہ اس دیوان میں مدغم ہے - دیوان عطا میں ۱۳۱ اشعار کا ایک ساقی نامہ ، کے علاوہ کچھ ترجیع بند ، مخمس ایک سو رباعیاں اور تقریباً نو سو غزلیات ہیں - بقول راشد برہانپوری عطا کے اس مخطوطے کے مختلف صفحات حواشی و بین السطور میں خود ان کے ہاتھ کے لکھے ہوئے اردو اشعار شامل ہیں اور یہ سب اردو کلام بقول مرتب ۱۱۰۰ھ تک کا ہے[2] - فاضل مرتب نے اس تمام اردو کلام کو زیر نظر دیوان کے صفحات ۱۳۴ تا ۱۳۷ اور ۴۵۹ تا ۴۶۱ میں محفوظ کر دیا ہے -

''میر علی شیر قانع تحفۃالکرام میں رقمطراز ہیں - ''ملا عبدالحکیم عطا جامع اخلاق حسنہ کامل تورع و تقوی بوده ، سی سال کامل بقیام لیل و صیام نهار بیک وضو بعد نماز عشا تا دم صبح در انشاء نعت نبوی و منقبت مرتضوی و ائمہ کرام علیہم السلام بسر برده لک بیت باختتام رسانید - چند دیوان و چند مثنوی سوای آن دارد و کلامش بطرز قدما سلیس و فصیح واقع ، عمر طبعی یافتہ ، معتقد خاص و عام زیستہ ، لباس سبز و شاعری در اولادش مخلف ماند -''[3]

میر قانع کی اس عبارت سے ثابت ہے کہ عطا نہایت روشن خیال ، وسیع المشرب ، با شرع ، پاکباز اور عبادت گزار انسان تھے - میر قانع

---

۱ - مقالات الشعراء ، ص ۴۴۲ -
۲ - مقدمہ دیوان عطا ، ص ۱۲۱ ، ۱۳۴ تا ۱۳۷ -
۳ - تحفۃ الکرام - جلد سوم - ص ۳۴۳ -

Marfat.com

کی مندرجہ بالا سطور سے عطا کے اخلاق و عادات کے علاوہ ان کی شخصیت و عظمت اور ذوق شعر و سخن پر بھی روشنی پڑتی ہے عطا کے دینی عقائد ، مذہبی رجحانات ، صوفیانہ خیالات اور فقیرانہ صفات کا عکس ان کے اشعار میں بھی ملتا ہے -

عطا فقیر مسلمان - - - - - -
پناہ پتر اتیتان پریم کی پرتیت
- - - - - - - - بدید گوان کسی
وضع گدائی مرا نہ رسم نہ ریت
در ایں خرابہ جیون کھیتی است
بریں اکھاڑہ تیوں کھیلنا نہ ہار نہ جیت
فقیر پیر عطا اهل وصل دانشمند
چوبھاٹ بھگتہ ـ- - - - کبت - - - - -

عطا کے کلام میں سندھی معاشرے کے عوامل ، مقامی و عوامی اصلاحات و محاورات کی کمی نہیں انہوں نے فارسی اور اردو کے طرز سخن کو بہت قریب کر دیا ہے - فارسی غزل کی طرح اردو غزل میں بھی حسن و عشق کے تاثر کو پیش کیا ہے - دلی جذبات و احساسات کی ترجمانی انہیں خوب آتی ہے -

عطا فسطا کہاں خاموش رہتا — سخن گزار زبان بر گوش رہتا
ازیں کلجگ گزرنا - - - - - — کہ اس دکھ سوں - - کوش رہتا
ز سوز سینہ حرم - - - - - — اگو از گرمئی دل جوش رہتا
چو مجنوں ذو فنوں زار اینجا — کہ بے پرواز خود بے ہوش رہتا
ز خود خون جگر پیتا و جیتا — بہ درد و داغ ہم آغوش رہتا
مسافر را ہمیں آب و غذا خوش — کز اشک و آہ دوشا دوش رہتا
چوگل رنگ حنا بندی بر زید — چو نیلوفر کہ نیلی پوش رہتا
بھر دم آدمی بے چارہ بے تاب — بغمہا غوطہ نوشا نوش رہتا

عطا نے اپنے زمانہ کے لحاظ سے قدیم رنگ اور قدیم انداز سخن کو اپنایا ہے - یہی وجہ ہے کہ اردو ہندی فارسی آمیزش ، **الفاظ** و

Marfat.com

تراکیب کا استعمال ان کے ہاں کثرت سے ہوا ہے ۔ قافیہ پیمائی کے لیے ایسے الفاظ جو اب نہ صرف متروک ہیں بلکہ وجدان کو کھٹکتے ہیں ۔ انہوں نے اپنانے سے گریز نہیں کیا ۔ اس غزل کے قوافی پر نظر ڈالیے تو معلوم ہوگا کہ شعر کہنے کے لیے ایسے قافیوں کا استعمال ضروری تھا ۔

حیف است اے عطا ـ ـ ـ ـ ـ ـ
لاچار لادنا ولت پت لپیتنا
ہشیار کھیلانا دکھ اپنا نہ سوجھنا
سب چھوڑنا نہ مال پرایا سمیٹنا
جوے سدھار جاگ کیا نیند بایلی
صد ھا رہا زمانہ کبھی داو جیتنا
ـ ـ ـ ناوجھولنا نہ لڑکپن گیا ابھی
ـ ـ ـ اتیت کلجگ و پردیس جیتنا
ـ ـ ـ کیا کہ گیا کھیت کا نسمے
ـ ـ ـ تکسلے ـ ـ ـ کھلیان دیکھنا
ـ ـ ـ دن گیا کہ پوت کلا تور پھٹ پڑی
ـ ـ ـ چوتا نت نسری پاپ کھینچنا
کہنا کہ آگا پیچھا پگار ہے
ـ ـ ـ پھرے کہ دنیا لینا نہ پہنچنا
ـ ـ ـ سلہارے پر گھٹ پڑا رہا
ـ ـ ـ دل نہ سانگے رجنا و چھوٹنا
ـ ـ ـ بھولنا کہ ابھی رات ہے نہ دن
ـ ـ ـ سالیانہ کا نہ سینا نہ آکھنا
ـ ـ ـ غزل کہنا بات چیت سن
ـ ـ ـ پیا کچھ اپنا حال دیکھنا

عطا ٹھٹھوی کا زمانہ وہ زمانہ تھا جب جنوبی ہند اردو شاعری کا مرکز تھا ۔ عطا کے اردو کلام سے ثابت ہے کہ سندھ میں عموماً اور ٹھٹھہ میں خصوصاً اردو زبان اور اردو شعر گوئی کا آغاز ہو چکا تھا ۔ اس اعتبار سے عطا اردو شاعری کے دور اول کے شاعر تھے ۔ ولی ، آبرو ،

Marfat.com

مضمون ، ناجی ، مظہر جان جاناں ، حاتم وغیرہ جیسے شعرائے کرام عطا کے معاصرین میں سے تھے ۔

عطا نہایت مشاق اور قادرالکلام سخن سنج تھے ان کا ذوق شعری ، شعرائے متقدمین کے مذاق سے ہم آہنگ تھا ۔ بقول میر قانع :

''شعرش مذاق متقدمین دارد''[1]

عطا کی زبان اور فکر و فن کا انداز وہی ہے جو اس زمانے میں دکنی و جنوبی ہند کے شعراء کا طرۂ امتیاز تھا ۔ عطا نے اردو میں سیاسی نظمیں بھی کہی ہیں ۔ قطعات بھی ، غزلیات بھی ۔ اردو میں ان اصناف سخن پر سندھ میں سب سے پہلے جس شاعر نے طبع آزمائی کی وہ عطا ٹھٹھوی ہیں ۔ ملا عبدالحکیم عطا ٹھٹھوی کو ''سندھ میں اردو کا پہلا شاعر'' کہا جا سکتا ہے ۔

* * *

۱ ۔ مقالات الشعراء ، ص ۹ ۔

Marfat.com

میر حیدر الدین کامل

(۱۱۰۰ - ۱۱۶۳ھ)

نام حیدرالدین ، کنیت ابوتراب ، تخلص کامل ۔ ٹھٹھہ کے مشہور خانوادہ امیر خانی سادات کے چشم و چراغ تھے ۔ یہ خاندان علم و فضل ، کشف و کرامات اور خدمات و کمالات کی بناء پر معزز و معتبر تھا ۔ ان کا سلسلہ نسب[1] یہ ہے :

''میر حیدرالدین ابو تراب کامل بن میر رضی الدین خان فدائی[2] بن میر ابو الکلام شہود[3] بن میر ابو البقا امیر خان[4] بن میر ابوالقاسم نمکین[5] بن ملا میر سبزواری ۔''[6]

میر کامل کی تاریخ ولادت ان کے تلمیذ ارشد اور ہمعصر مورخ و تذکرہ نگار میر علی شیر قانع نے اپنے تذکروں میں کہیں نہیں لکھی ۔ کسی اور تذکرے سے بھی پتہ نہیں چلتا ۔ پروفیسر ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی نے اپنے ایک مقالہ (مطبوعہ اردو نامہ کراچی شمارہ ۱۵) میں میر کامل کی تاریخ پیدائش کے بارے میں قیاس آرائی کی ہے کہ :

''ان کی پیدائش غالباً دسویں صدی کے آخر یا گیارہویں صدی کے بالکل شروع میں ہوئی'' ۔ ڈاکٹر نبی بخش بلوچ نے ''سندھ میں اردو شاعری'' (ص ۵) میں تاریخ ولادت ۱۱۰۰ھ (اس ؟ کے ساتھ) لکھی ہے ۔ راقم نے یہاں اسی سال ولادت کو مصدقہ جانا ہے ۔''

کامل مجموعہ کمالات و جامع الصفات درویش تھے ۔ ان کی ساری زندگی فقر و قناعت ، صبر و شکر خود داری و بے نیازی اور عزلت پسندی میں گزری ۔ ان کے آبا و اجداد اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے لیکن انھوں نے عسرت و مسکینی کے باوجود کبھی سرکاری عہدہ قبول نہیں کیا ۔ حاکم

Marfat.com

ٹھٹھہ نواب مہابت خان کاظمؔ اور دوسرے اہل ثروت نے ان کی خدمت میں وظیفے اور نذرانے پیش کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے -

میر کامل ہمہ وقت حال و قال ، ذکر خدا و ذکر رسول میں مستغرق رہتے - ان کی بابرکات محفل میں اکثر ارباب علم و فکر اور اہل شعر و ادب جمع ہوتے اور ان کے سرچشمہٴ علم و عرفان ، کشف و کرامات سے مستفیض ہوتے -

صاحب مقالات الشعراء نے کامل کے حسن اخلاق اور اصناف حسنہ کی صراحت ان الفاظ میں کی ہے :

''جناب کامل آں امیر بے نظیر سراپا کمال و مرجع ارباب کمال بودہ ، فقر اختیاری برگزیدہ ، حصور و مجردی زیستند باوجود آنکہ معیشت شان بعسرت کلی بود و اکثر ارباب دول مثل نواب مہابت خان کاظم وغیرہ حکام بسماجت ہا وظیفہ و نیاز عرض می کردند ، از ہیچ کدام قبول نہ فرمودہ ، ہم وا راہ عزلت گرین و گوشہ گیر از ابنای دنیا می بودند و ہرکہ از اہل دول وغیرہ بخدمت شان فائز می شد ، بے بہرہ نمی ماند ، صحبتش غیر قال حال و قال اللہ وقال الرسول نبودہ ، اوقات بابرکات در تحزن دائمی و استغراق بسر می رفت ، خوارق بسیار از ایشان سرزدہ است -''[۸]

کامل زندگی بھر مجرد رہے لیکن ان کی معنوی و روحانی اولاد کی تعداد کافی تھی - ان کے تلامذہ میں محمد پناہ رجا[۹] (متوفی ۱۱۹۷ھ) میر ابوالبقا بھرور علی سبزواری ٹھٹھوی[۱۰] اور میر علی شیر قانع[۱۱] جیسے فارسی کے بلند پایہ مورخ ، شعراء و ادباء کے نام شامل ہیں - میر قانع کامل کے یگانہ عصر شاگرد تھے - قانع نے اپنے استاد سے مستفیض اور صحبت یافتہ ہونے کا اعتراف کیا ہے :

''فقیر چندی فیض صحبتش دریافتہ''[۱۲]

قانع نے مقالات الشعراء کے علاوہ تحفة الکرام میں بھی اپنے استاد کے فیض و صحبت کا ذکر نہایت عقیدت و ارادت سے کیا ہے - وہ رقمطراز ہیں :

Marfat.com

"استاد محقق مجرد زیستہ ، در کمالات ، آنجناب کتابہا باید ، بسا اہل دل صحبتش سرمایہ فیوضاة ظاہری و باطنی می دانستہ ، اغلب بزرگان بہ قوم ارادت بہ وے سلوک داشتند ، ہرگز رجوع بہ دنیا نفرسودہ و بعمل فسطوقہ (کذا) کن فی الدنیا کانک غریب اوعا بری سبیل ، زیستہ ۔"[۱۳]

میر کامل ، قانع پر بیحد شفقت فرماتے تھے ۔ میر قانع بھی اپنے استاد کا بہت احترام کرتے تھے ۔ مقالات الشعراء (ص ۲۱۴ ، ۲۵۲ ، ۲۵۴) کے حوالے سے تحفۃ الکرام (اردو) کے پیش لفظ (ص ۲۶ ، ۲۷) میں تحریر ہے ۔

"۱۱۵۵ھ میں میر حیدر کامل جیسے استاد کامل سے ان کی (میر قانع کی) ملاقات ہوئی اور انہیں بزرگ کی صحبت کے اثر سے ان کے چھوٹے ہوئے شوق اور بچھڑے ہوئے ذوق میں پھر جولانی آئی ۔ ان کی شاگردی اختیار کر کے نئے سرے سے انہوں نے مشق سخن شروع کر دی ۔ میر کامل نے ان کا تخلص مظہری رکھا جس سے ان کی تجدید شاعری کا سال ۱۱۵۵ھ برآمد ہوتا ہے بعد میں قانع تخلص اختیار کیا" ۔

کامل نے ۱۱۶۴ھ میں دنیائے فانی سے کوچ کیا ۔ قانع نے تاریخ وفات نکالی ۔

"ان للمتقین جنت" (مقالات الشعراء ، ص ۶۷۰)
۱۱۶۴ھ

میر حیدرالدین کامل ایک جید عالم ، یکتائے روزگار سخن سنج اور بلند پایہ انشاء پرداز تھے ۔ سندھی ، فارسی اور اردو میں شعر کہتے تھے ۔ تینوں زبانوں میں علیحدہ علیحدہ دیوان مرتب کیے[۱۴] دس دیوان تدوین کی غرض سے اپنے شاگرد رشید محمد پناہ[۱۵] رجا کے سپرد کیے اب ان نسخوں کا کوئی پتہ نہیں چلتا ۔ مقالات الشعراء اور دوسری بیاضوں میں ان کے کچھ فارسی اور اردو اشعار ملتے ہیں ۔

کامل کو سندھی اشعار کہنے کا شوق تھا گرچہ سندھی زبان پر پوری طرح قادر نہ تھے بقول صاحب مقالات :

Marfat.com

"زبان سندھی نہ دانستند و دران شعر می فرمودند"[۱۶]

انھوں نے سندھی میں جو کچھ کہا وہ تلف ہو چکا ہے۔ فارسی شاعری میں ان کا مقام بہت بلند تھا۔ میر قانع کے الفاظ میں "شعر فارسی ہم اغلب برعنوان ایہام سرزد طبیعت گرامی می شد"[۱۷]

کامل اردو کے بھی مسلم الثبوت استاد تھے۔ ان کا زمانہ وہ زمانہ تھا جب آفتاب مغلیہ زوال کے بادل میں روپوش ہوگیا۔ اور سندھ میں کلہوڑوں کی قسمت کا ستارہ چمکا۔ عہد مغلیہ میں ہند سے سندھ میں جو حکام اور صوبہ دار وغیرہ آتے تھے ان میں بعض شعراء بھی ہوتے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ٹھٹھہ علم و ثقافت اور شعر و ادب کے مرکزوں میں سے تھا۔ ہندوستان کے مختلف گوشوں سے اردو کے شعراء[۱۸] بھی ٹھٹھہ میں آئے۔ بہت سوں نے وہیں سکونت اختیار کر لی۔ ان حضرات کی آمد و سکونت کے باعث سندھ کی فضا عموماً اور ٹھٹھہ کی فضا خصوصاً شاعرانہ تھی۔ یہ دور اردو شاعری کا پہلا دور تھا۔ ولی دکنی، ہاشمی بیجاپوری، ناجی، مظہر جان جاناں، حاتم، آبرو وغیرہ کی شاعری کا چرچا ہر چار طرف تھا۔

اس عہد میں میر کامل کی شہرت ٹھٹھہ اور سندھ کی حدود سے نکل کر دلی اور لکھنو تک پہنچ چکی تھی۔ کامل کا اردو کلام متنوع موضوعات اور رنگا رنگ خیالات کا دلکش مرقع ہے۔ صنعت ایہام بہت مشکل فن ہے لیکن ان کا یہ فن نکتہ عروج پر نظر آتا ہے۔ میر قانع یہ کہتے ہیں:

"ہر چند اشعار ہندی ایشان عالمگیر است، اما فقیر آنچہ یاد دارد می نویسد[۱۹]۔ در ایہام ہندی بے مثل و دوہرہ و کبت نکات غریب و صفات عجیب و سایر اقسام از ایشان بسیار برزبانہاست"[۲۰]

کلام کامل کے مطالعہ سے پیر حسام الدین راشدی کی اس رائے گرامی کی بھی تصدیق ہوتی ہے:

"کامل کا ایہامی شعر اس دور کے ہندوستانی ایہام گو شعراء سے بھی کسی صورت میں کم نہیں ہے"[۲۱]۔

اب یہ شعر دیکھیے۔ صنعت ایہام کی کتنی خوبصورت مثال ہے:

Marfat.com

یار جانا کی بات جانے میں   یہ نہ جانے تو پھر جانا کیا

(جانا : پہلے مصرعے میں جانا بمعنی محبوب اور دوسرے مصرعے میں جانا مصدر ہے ۔

جانے : پہلے مصرعے میں جانے فعل ہے جانا مصدر کا ، دوسرے مصرعے میں جانے فعل ہے جانا مصدر کا) ۔

ذیل میں اس غزل کے باقی اشعار نقل کیے جاتے ہیں :

پیارے لڑکے ہمیں ستانا کیا
ہر گھڑی لڑکے روس (روٹھ) جانا کیا
پھر سخن پاک سچ چلے ہیں کیوں
بات ہے بیچ میں بتانا کیا
یو جلا کھبل میں یو جانا ہوں
اے شمع رُو پتنگ اڑانا کیا
دلبری میں سکج سو کچھ ناہیں
دل چرانے میں دل چرانا کیا
شمع کہتی جلی جلی بتیاں
کاٹنا سر ، جلا جلانا کیا
تیغ غمزے کی زور کاسل پر
جو بہانا تو پھر بہانا کیا

میر کاسل کی زبان وہی ہے جو اردو شاعری کے ابتدائی دور کی زبان تھی کوں ، لوں ، میں ، آوے گا ، بناوے گا وغیرہ جیسے الفاظ جو اب متروک ہیں اس دور کے مشہور شعراء ولی ، ناجی ، میر ، حاتم ، آبرو وغیرہ کے ہاں کثرت سے استعمال ہوئے ہیں ۔ کاسل نے بھی ان شعراء کی پیروی کی ہے ۔ اس اعتبار سے ان کی اردو بھی قدیم اردو ہے ۔ مثال کے طور پر چند اشعار ملاحظہ ہوں ۔

عشق اب ڈھول ہے زلیخا کا   اس سوں آگے ہے چاہ میں یوسف
دکھ سیں ہو کر دو نیم آیا ہوں   بندہ مسکین یتیم آیا ہوں
تو بناوے گا میرا جملہ کاج   ہے ترے پر تمام میری لاج

Marfat.com

کامل نے اپنے اردو اشعار میں عربی فارسی و ہندی کے الفاظ ، تراکیب ، تشبیہات و اصطلاحات کہیں فقرے کہیں مصرعے کی صورت میں استعمال کیے ہیں ۔ مثلاً :

دریں سوں ترے خال کی پرچائیں پڑی ہے
یا از تپِ خورشید ، رخت جائیں پڑی ہے

اس جگت کے دبیر سب دیکھے
خان و سلطان امیر سب دیکھے

ذرہ کی سہر سوں لگی ہے بیت
شمع کے درس کا پتنگ اتیت

وہ الف قامت جو میرا رام ہوئے
رام کے سو مجھ الف آرام ہوئے

مندرجہ ذیل نعتیہ اشعار اردو و فارسی کا حسین امتزاج ہیں ۔

دے مجھے ساز بخش سا ماتم — رحم کن رحم از غلامانم
انبیا تو ہے اصفیا تو ہے — ثم باللہ شہ ہوا تو ہے
پا شکستہ فتادہ ام در چاہ — میں برا ہوں مجھے اٹھا پاشاہ
صد ہزار درود سو تسلیم — رسد از من بہ تو صد تعظیم
کس چنیں شیر مرد را کم دید — دید یعنی چہ بلک کس نہ شنید

میر کامل کے اردو کلام کا بیشتر حصہ فصاحت و بلاغت ، سلاست و روانی ، جدت و ندرت کا عمدہ نمونہ ہے ۔ ماحول کی عکاسی ، مقامی تشبیہات ، عوامی محاورات و ضرب الامثال ان کے کلام کی خصوصیات ہیں ۔

خال رخسار پر اچنبا ہے
کال کی کھیت میں اگا ہے تیل

عشق کی آگ جگمگاتی ہے
یہ دیا تیل بات باقی ہے

کیوں نہ وہ دل اڑن کھٹولے ہوئے
شوق سوں جس نے چار پر پائے

Marfat.com

کامل نے غنی ٹیکری پر لاکھ لکھاوے
کیوں ٹوٹا گھڑا پھر تو گھڑاو تو گھڑوی گا
وعدے ہوئے دروغ جو اس لب سوں ہم سنے
یہ لعل قیمتی دیکھ جو تھی نکل گیا
خط تیرے کا شوق اکھیاں کا لکھا
ہرن کون سبزی بنا چارہ نہیں
زلف اکھیاں پہ آن لٹکے ہیں
دام بادام دو دو اٹکے ہیں

کامل کی شاعری کا یہ پہلو بھی اہم ہے کہ انہیں تصوف و معرفت سے خاص شغف تھا ۔ ان کے جو اشعار ، صوفیانہ و عارفانہ خیالات کے حامل ہیں ان میں عشق مجازی سے عشق حقیقی تک کے فلسفہ توحید ، نظریہ حال و قال و ھمہ اوست نہایت واضح طور پر بیان کیا گیا ہے ۔ مثلاً

تیر واصل ہیں دو جئی تات[1] نہیں
سب ہوا پھول ایک پات نہیں

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان میں میر کامل کی ایک منقبت ۶۷ بند پر مشتمل ہے ۔ اس منقبت کی زبان صاف سلیس اور شستہ ہے پہلے والہانہ عقیدت کے ساتھ اپنے دکھ درد کا اظہار کیا ہے پھر اپنی فلاح و نجات کے لیے حضرت علی کے واسطے سے دعا کی ہے اس منقبت کا پہلا بند یہ ہے :

اے شہ دوسرا میں چیرا ہوں
نام تیرا مدام تیرا ہوں
بھوت ندیاں دکھوں کی تیرا ہوں
آمدد کر لہر میں گھیرا ہوں
یا علی میں غلام تیرا ہوں

---

۱ ۔ تات بمعنی طلب ، جستجو ۔

Marfat.com

حواشی

۱ ۔ ملاحظہ ہو تذکرہ امیر خان از حسام الدین راشدی ۔

۲ ۔ **میر رضی الدین خان فدائی :** (المتوفی ۱۱۲۰ھ) فارسی کے باکمال صاحب دیوان شاعر تھے ۔ قصیدہ گوئی میں ید طولی رکھتے تھے ۔ میر قانع لکھتے ہیں :

''بمحاسن والا موصوف در شعر کامل وقت گذشته ، فدائی تخلص می فرمود ، صاحب دیوان است'' (تحفة الکرام ، ج ۳) ۔

۳ ۔ **میر ابوالمکارم شہود :** (المتوفی ۱۰۷۳ھ مدفن سیوہن) ایک مقتدر صاحب علم و فضل اور صاحب کشف و کرامات تھے ۔ بہت اعلیٰ و پاکیزہ شاعری کرتے تھے ۔ ان کی دو مثنویاں پری خانہ سلیمان اور بدیع الجمال و سیف الملوک بے نظیر ہیں ۔
(مقالات الشعراء ، ص ۳۴۹)

۴ ۔ **میر ابوالبقا امیر خان :** (المتوفی ۱۰۵۷ھ مدفن صفہ صفا ، ستین جو تھانہ) مشہور جاگیر دار ، بہادر جرنیل اور نامور صوبہ دار تھے ۔ جونا گڑھ ، ٹھٹھہ ، بدین ، گجابہ ، آباوڑہ اور سیوہن وغیرہ کے علاقوں کے حاکم رہے ۔ ان کے عہد صوبہ داری میں شہنشاہ شاہ جہان کی ہدایت پر ٹھٹھہ کی عظیم الشان یادگار مسجد کی تعمیر کی گئی ۱۰۵۴ھ میں اس مسجد کی تعمیر کا کام شروع ہوا تین سال یعنی ۱۰۵۷ میں تکمیل کو پہنچا ۔

۵ ۔ **میر ابوالقاسم نمکین :** (المتوفی ۱۰۱۸ھ مدفن صفہ صفا) پہلے قندھار میں میرزا محمد حکیم (المتوفی ۹۹۳ھ) برادر اکبر اعظم کے ملازم تھے ۔ بعد میں اکبر کی براہ راست ملازمت اختیار کی ۔ بکھر گجرات اور سیوہن کے صوبہ دار رہے ۔ روہڑی کا صفہ صفا (ستین جو تھان) ان کی یادگار ہے ۔ اس کے بالائی حصے پر میر ابوالقاسم اور ان کے افراد خاندان کے مزارات ہیں ۔ نمکین تخلص کرتے تھے ۔ صاحب سیف و قلم تھے ''منشآت النمکین'' ان کی ایک یادگار تصنیف ہے اور انڈیا آفس لائبریری میں محفوظ ہے ۔

Marfat.com

۶ - **ملا میر سبزواری :** متولی درگاہ امام موسیٰ رضا موضع بیجک (بتل تیچک) ہرات کے رہنے والے تھے - (مآثر الامرا ، ذخیرۃ الخوانین بحوالہ تذکرہ امیر خانی ، ص ۷) -

۷ - **محمد منعم خان خانخانان :** عرف سہابت خان کاظم ، وزیراعظم شاہ عالم ۱۱۲۲ھ میں ٹھٹھے میں آئے اور ۱۱۲۵ھ میں وہیں انتقال کیا - موصوف شاہنواز خان مصنف مآثر الامرا کے دادا تھے - شاعر تھے ، کاظم تخلص تھا - مآثر الامراء ، ص ، ۳ ، ۷۱۳ ، بحوالہ اردو نامہ شمارہ ۱۵) -

۸ - مقالات الشعراء ، ص ۲۵۳ -

۹ - ایضاً ص ۶۷۰ -

۱۰ - تذکرہ امیر خان ، ص ۲۵۳ -

۱۱ - مقالات ، ص ۲۵۴ ، ۲۱۴ -

۱۲ - ایضاً ص ۶۷۰ -

۱۳ - تحفۃ الکرام ، جلد ۳ ، ص ۲۰۹ -

۱۴ - حاشیہ پیش لفظ تحفۃ الکرام (اردو) ص ۲۶ -

۱۵ - مقالات ، ص ۶۷۰ -

۱۶ - ایضاً -

۱۷ - ایضاً -

۱۸ - اس دور کی شاعری کا ایک جائزہ مقدمہ کتاب ہذا میں پیش کیا جا چکا ہے -

۱۹ - مقالات ، ص ۶۷۳ -

۲۰ - ایضاً ص ۶۷۱ -

۲۱ - مقالہ سندھ کے اردو شعراء از حسام الدین راشدی ، اردو کراچی ، اپریل ۱۹۵۱ء -

---

Marfat.com

شاہ عبداللطیف بھٹائی

(۱۱۰۲ھ-۱۱۶۵ھ/۱۶۹۰ء-۱۷۵۲ء)

تمہید : زبدۃ العارفین ، قدوۃ السالکین ، سرتاج الشعراء حضرت سید شاہ عبداللطیف بھٹائی رحمۃ اللہ علیہ ان صوفیائے کرام اور اولیائے عظام میں سے تھے جن کی ذات بابرکات کی بدولت ریگزار سندھ میں تجلیات الٰہی اور انوار محمدی کی ضیاء پاشی ہوتی رہی ۔ اسلامی تہذیب و تمدن کی کرنیں پھوٹیں اور جن کی رشد و ہدایات ، کشف و کرامات اور علوم و فیوض کا سرچشمہ آج تک جاری و ساری ہے ۔

ولادت : شاہ عبداللطیف کی ولادت باسعادت ۱۱۰۲ھ مطابق ۱۶۹۰ء میں ہالا حویلی[1] میں ہوئی ۔ شاہ صاحب کے والد ماجد سید حبیب شاہ اصلاً مٹیاری کے باشندے تھے ۔ ہالا حویلی نامی دیہہ میں سکونت پذیر تھے جہاں شاہ لطیف جیسے روشن دماغ و روشن ضمیر پیدا ہوئے ان کی پیدائش کے بعد ان کے والد محترم نے کوٹری[2] میں اقامت اختیار کر لی تھی ۔

خاندان : شاہ صاحب کا خاندان ان چند گھرانوں میں سے ایک تھا جو اپنی عظمت و رفعت ، علوم و فیوض کے اعتبار سے سندھ میں بہت بلند

---

۱ ۔ ہالا حویلی بھٹ شاہ سے چار میل کے فاصلے پر مٹیاری کے قریب ضلع حیدرآباد کی تحصیل ہالا کا ایک چھوٹا سا قصبہ تھا ۔ اب یہ قصبہ اُجڑ چکا ہے ۔ شکستہ مقبرے اور کھنڈرات اس مقام کی بربادی کے نوحہ خواں ہیں ۔

۲ ۔ یہ وہ کوٹری نہیں ہے جو شہر حیدرآباد کے مغربی جانب دریائے سندھ کے کنارے واقع ہے بلکہ بھٹ شاہ کے قریب کوٹری نام کا ایک اور قصبہ تھا جو اب ویران ہو چکا ہے ۔

Marfat.com

سمجھا جاتا تھا ۔ بقول ایچ ٹی سارلے شاہ صاحب نے اپنی خاندانی عظمت اور دنیاوی راحت کو کبھی باعث اعتنا نہ سمجھا ۔

شاہ صاحب کا تعلق ہرات کے علوی سادات سے تھا ۔ شاہ صاحب کا سلسلہ نسب امیرالمومنین حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے اس طرح جا ملتا ہے ۔

شاہ عبداللطیف بن سید حبیب شاہ بن سید عبدالقدوس بن سید جمال شاہ بن عبدالکریم شاہ بن گل محمد شاہ بن ضیاء اللہ شاہ بن عبدالمومن شاہ بن سائیں شاہ بن حاجی شاہ بن جلال محمد بن شرف الدین بن میر علی شاہ بن حیدر شاہ بن میر علی شاہ ہرانی بن محمد شیرازی بن محمد ترمذی بن علی شاہ بن یوسف شاہ بن حسین شاہ رضا شیرازی بن ابراہیم بن علی حوارسی بن حسین الاکبری شیرازی بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام زین العابدین بن امام حسین علیہ السلام بن حضرت علی علیہ السلام ۔"[1]

شاہ عبدالکریم بلڑی : شاہ لطیف کے جد امجد حضرت شاہ عبدالکریم بلڑی (۹۴۴ - ۱۰۳۲ھ) اپنے وقت کے سب سے بڑے صوفی منش اور شاعر بے مثل تھے[2] ۔ ان کے لاتعداد مریدوں اور عقیدتمندوں نے ان سے روحانی علمی و ادبی فیض پایا ۔ ان کے ابیات میں کافیوں کو بڑی شہرت ملی ۔ شاہ عبدالکریم کی ولادت مٹیاری میں ہوئی تھی لیکن ان کی ابدی آرام گاہ بلڑی ضلع حیدرآباد میں مرجع خلائق ہے[3] ۔

شاہ صاحب کے والد : شاہ صاحب کے والد بزرگوار حضرت سید شاہ حبیب بھی ایک درویش صفت اور فرشتہ سیرت انسان تھے ۔ ظاہر ہے کہ شاہ صاحب نے خالص درویشانہ ماحول اور مذہبی فضا میں پرورش پائی ۔ ان کی اولین تعلیم و تربیت ان کے پدر شفیق کے زیر نگرانی ہوئی ۔

---

۱ ۔ عکس لطیف ، حصہ اول ، ص ۲۱ ۔

۲ ۔ سندھی ادب ، ص ۲۸ ۔

۳ ۔ مضمون روہی پاکستان کا خاندان ، از احمد شیر (نذر لطیف) ص ۱۰۳ ۔

Marfat.com

کیا شاہ صاحب اُمی تھے ؟ شاہ صاحب کے بچپن کے بارے میں یہ روایت مشہور ہے کہ جب ان کے معلم اخوند نور محمد بھٹی نے ان سے ''الف'' کے بعد ''ب'' پڑھنے کے لیے کہا تو شاہ صاحب نے یہ کہہ کر آگے پڑھنے سے انکار کر دیا کہ ''الف'' کے بعد کوئی چیز نہیں - اس واقعہ کے بعد شاہ صاحب کے کسی استاد کا ذکر کسی تذکرے میں نہیں ملتا جس سے ثابت ہے کہ انہوں نے کسی استاد کے پاس درسی تعلیم حاصل نہیں کی اور نہ کسی مکتب میں داخلہ لیا - غالباً اسی وجہ سے میر علی شیر قانع نے اپنی ایک کتاب میں ایک جگہ لکھا ہے :

''اُمی ہونے کے باوجود خدا تعالیٰ نے ان کے قرطاس دل پر جملہ علوم نقش کر دیے تھے''[۲]

حقیقت یہ ہے کہ شاہ صاحب امی نہ تھے - تاج محمد آغا نے ''عکس لطیف'' میں ڈاکٹر گربخشانی کے مقدمہ لطیفی اور محمد بخش واقف کے شرح لطیفی کے حوالے سے لکھا ہے کہ شاہ لطیف کو متعدد علوم مثلاً عربی ، فارسی ، سرائیکی ، ملتانی ، ہندی پنجابی وغیرہ پر کافی دسترس حاصل تھی - سندھی زبان تو ان کی مادری زبان تھی[۳] -

ڈاکٹر داود پوتہ رقمطراز ہیں ''ظاہری تعلیم کے اولین مراحل طے کرنے کے بعد آپ نے باطنی علوم کی طرف توجہ فرمائی اور خصوصاً تصوف کا تو پورا مطالعہ کیا - قرآن مجید ، مثنوی مولانا روم ، دیوان حافظ اور رسالہ کریمی سندھی اکثر ساتھ رہتے - ان چاروں کتابوں کا ان کے کلام پر گہرا اثر پایا جاتا ہے''[۴] سارلے اور لیلیٰ رام وٹن کے بیانات سے بھی اس حقیقت کی تصدیق ہوتی ہے -

---

۱ - یہاں یہ نکتہ قابل توجہ ہے کہ شاہ کے رسالے کے جن نسخوں کا آغاز سر کلیان سے ہوتا ہے اس کا پہلا سر ''الف'' سے شروع ہوتا ہے اور اس سر کا پہلا مصرعہ یہ ہے :

اول اللہ علیم اعلیٰ عالم جو دٹی

۲ - تحفۃ الکرام ، جلد سوم ، ص ۱۵۳ -

۳ - عکس لطیف ، ص ۲۵ -

۴ - نذر لطیف ، ص ۱۳ -

Marfat.com

ان بیانات سے ثابت ہےکہ شاہ لطیف امی نہ تھے ۔ وہ علوم ظاہری و باطنی کے بحر بیکراں تھے ۔ علوم و عرفان ، شعر و ادب میں شاہ صاحب کا مقام سندھ میں سب سے بلند اور اعلیٰ ہے ۔

وفات : شاہ عبداللطیف نے ۲۶ سال کی عمر میں بھٹ شریف[1] میں سکونت اختیار کی اور وہیں واصل باللہ ہوئے ۔ یہ وہ مبارک مقام ہے جہاں شاہ صاحب نے روحانیت و معرفت اور شعر و تصوف کو معراج کمال پر پہنچایا ۔ شاہ صاحب نے میاں نور محمد خان[2] کلہوڑہ کی وفات سے دو سال قبل ۶۳ سال کی عمر میں ۱۴ صفر ۱۱۶۵ھ مطابق ۱۷۵۲ عیسوی کو وصال فرمایا ۔

مزار : شاہ عبداللطیف بھٹائی کی وفات کے وقت ان کے مریدوں کی تعداد لاکھوں تک تھی عقیدت مندوں کی تعداد بے اندازہ ہے۔ فرمانروائے سندھ میاں غلام شاہ کلہوڑا (۱۱۶۱ - ۱۱۸۶ھ) نے ۱۱۶۷ھ (۱۷۵۴ء) میں اپنے مرشد کا مزار پر انوار تعمیر کرایا ۔ تالپوروں کے عہد حکومت میں میر نصیر خان نے اس کی مرمت کرائی ۔ تحفۃ الکرام کے مصنف

---

۱ - بھٹ سندھی میں ریت کے ٹیلے کوکہتے ہیں ۔ جب یہ مقام شاہ صاحب کا روحانی مسکن بنا تو یہ ویران علاقہ آباد ہو گیا اور اس کا نام بھٹ شاہ یعنی شاہ صاحب کا ٹیلہ قرار پایا ۔ بھٹ شاہ ہالہ شہر سے چھ میل کے فاصلے پر مشرق جانب نشیبی خطے میں واقع ہے ۔ شاہ صاحب کا روضہ مبارک اونچے ٹیلے پر ہے ۔

۲ - میاں یار محمد خان کلہوڑہ کی وفات کے بعد اس کا فرزند نور محمد خان ۱۱ محرم ۱۱۳۲ھ مطابق ۱۳ نومبر ۱۷۱۹ءکو مسند نشین ہوا (ص ۳۵۴) نور محمد خان کی ولادت ۹۱ - ۱۰۹۰ھ مطابق ۸۰ - ۱۶۷۹ء (ص ۵۳۹) اور وفات ۱۲ صفر ۱۱۶۷ھ مطابق ۹ دسمبر ۱۷۵۳ء بمقام سرکھات کورسرہ ریاست جیسلمیر میں ہوئی ۔ (ص ۵۳۸ - تاریخ سندھ عہد کلہوڑہ) جلد ششم حصہ اول از غلام رسول مہر ۔

Marfat.com

علی شیر قانع نے درست لکھا ہے کہ صبح و شام ان کی درگاہ[1] پر عجیب روح و سرور اور صفا و حضور رہتا ہے -

شاہ صاحب کے احاطہ درگاہ میں ان کے آس پاس کے کئی آسودگان سندھ ، علماء و مشائخ کے مزارات ہیں جن میں شاہ صاحب کے پدر بزرگوار سید شاہ حبیب ، شاہ صاحب کے چچا زاد بھائی شاہ جمال ، شاہ صاحب کے خلیفہ خاص تمر فقیر ، خانوادہ تالپور کے آخری شہزادہ میر عبدالمتین سالگی اور ہمارے عہد کے ایک بڑے عالم و محقق ڈاکٹر داود پوتہ قابل ذکر ہیں[2] -

شاہ شاحب کے ایک باکمال مرید اور ہمعصر شاعر محمد پناہ[3] رجا تلمیذ میر حیدر الدین کامل نے کئی تاریخیں[4] کہیں - ہر ایک سے مادہ تاریخ ۱۱۶۵ھ نکلتا ہے - شاہ صاحب کی درگاہ مبارک کے ایک کتبہ پر رجا کا حسب ذیل قطعہ تاریخ منقش ہے -

شاہ صاحب ذوالمناقب سیدی عبداللطیف
آں کہ قطب وقت خود بودست در مردان حق
چوں ز جام ارجعی مخمور نوش وصل شد
گفت ملہم غیب سال رحلتش رضوان حق
۱۱۶۵ھ

---

۱ - راقم الحروف کو شاہ صاحب کے روضہ مقدس کی زیارت کی سعادت نصیب ہے -

۲ - بھٹ شاہ ثقافتی مرکز اور درگاہ کے ترقیاتی و تعمیراتی منصوبے کی تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو ''لطیفی تحریک'' مرتبہ کریم بخش خالد ، ۱۹۷۷ء -

۳ - رجا کے حالات و کلام کے لیے ملاحظہ ہو 'مقالات الشعرا' ، ص ۲۲۴ ، ۲۳۲ -

۴ - غلام رسول مہر نے تاریخ سندھ (عہد کلہوڑہ) جلد ششم حصہ دوم میں رجا کی دو تاریخوں کی نشاندہی کی ہے -

Marfat.com

شاہ کا عہد : تاریخی اعتبار سے شاہ لطیف کا عہد بڑا انقلاب آمیز اور شورش انگیز تھا ۔ جب شاہ نے عالم رنگ و بو میں آنکھیں کھولیں شہنشاہ ہند اورنگ زیب عالمگیر دہلی کے تخت پر جلوہ افروز تھا ۔ جب شاہ کی عمر اٹھارہ سال کی تھی اورنگ زیب (۱۰۶۸ - ۱۱۱۹ھ/۱۶۵۷ - ۱۷۰۷ء) نے وفات پائی ۔ عالمگیر کے بعد محمد شاہ (۱۱۳۱-۱۱۶۱ھ/ ۱۷۱۹ - ۱۷۴۸ء) اور احمد شاہ غازی (۱۱۶۱-۱۱۶۷ھ/۱۷۴۸-۱۷۵۴ء) نے یکے بعد دیگرے عنان حکومت سنبھالی ۔ اس عرصے میں سندھ میں کلہوڑہ خاندان کے اقتدار کا اثر بڑھتا گیا ۔ نور محمد خان کلہوڑہ کو اپنی حکومت قائم رکھنے کی کوشش میں بڑے سے بڑے طوفانوں کا سامنا کرنا پڑا ۔ نادر شاہ نے دلی کو لوٹا ، سندھ کو ایران کا زیر نگیں کیا اس کے بعد دلی پر احمد شاہ ابدالی کا حملہ ، افغانستان کا قیام ، سندھ کا تابع و مطیع ہونا ، برصغیر میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی آمد ، ان تمام تاریخی واقعات کے رونما ہونے تک شاہ صاحب بقید حیات تھے[۱] ۔

حقیقت یہ ہے کہ شاہ صاحب سلطنت مغلیہ کے زوال اور حکومت برطانیہ کے آغاز کے درمیان ایک ایسی کڑی ہیں جس کو مربوط کیے بغیر شاہ صاحب کی شاعری اور اس کے پس منظر کو سمجھنا ممکن نہیں ۔ شاہ صاحب کو سیاست و سلطنت کے عروج و زوال سے کوئی دلچسپی نہ تھی لیکن ایک عظیم صوفی شاعر کی حیثیت سے وہ سندھ میں انسانی و قومی زندگی کے تغیر و انقلاب سے بیحد متاثر ہوئے ۔ اس دور کے احساسات و تاثرات کے نقوش ان کے افکار میں بہت گہرے ہیں ۔

سیر و سیاحت : کائنات ، خالق کائنات ، حیات و ثبات کے اسرار و رموز ، حقائق و معارف سے آگہی کے جنون میں درویشوں ، جوگیوں ، سنیاسیوں کی صحبتیں اختیار کیں ۔ تیرتھ گاہوں ، زیارت گاہوں ، عبادت گاہوں میں حاضری دی ۔ اندرون سندھ و بیرون سندھ کے مختلف علاقے حیدرآباد ،

---

۱ - یہ تاریخی کوائف تاریخ سندھ جلد دوم ، قدوسی کے صفحات ۴۱۸ تا ۴۴۶ سے ماخوذ ہیں ۔

Marfat.com

سلیر کراچی ، بھنبور ، جیسلمیر ۔ کچھ ۔ کاٹھیاوار ۔ لسبیلہ ، مکران وغیرہ کی سیر و سیاحت کی جہاں کہیں گئے وہاں کے مذہبی و سماجی رسومات ، معاشرتی ماحول ۔ ثقافتی کوائف اور عوامی زندگی کا بہت قریب سے مطالعہ و مشاہدہ کیا ۔

عشقیہ داستانیں و شاعری : شاہ صاحب نے عوامی زندگی کے ہر پہلو اور ہر شعبہ پر حکیمانہ و صوفیانہ نظر ڈالی ہے ۔ ان کے اکثر و بیشتر اشعار زبان زد خاص و عام ہیں اور ضرب المثل کی طرح مشہور ہیں ۔ شاہ صاحب نے جن مقامات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا وہاں کے مشہور واقعات اور عشقیہ داستانوں کو منظومات کا حسین و لطیف روپ دے کر لازوال بنا دیا ۔

شاہ جو رسالو : شاہ جو رسالو یعنی ''شاہ کا رسالہ''[1] شاہ عبداللطیف

---

۱ ۔ سندھ یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر اور سندھی و اردو کے مشہور و ممتاز شاعر شیخ ایاز نے شاہ کے رسالے کا مکمل منظوم اردو ترجمہ کیا جو مع پیش لفظ ڈاکٹر رضی الدین صدیقی ، نظرثانی ڈاکٹر غلام مصطفے خان سابق صدر شعبہ اُردو جامعہ سندھ ۱۹۶۳ء میں سندھ یونیورسٹی کے زیر اہتمام شائع ہو چکا ہے ۔ رشید احمد لاشاری مرحوم نے ۱۹۵۴ء میں شاہ کے دیوان اول کا منظوم اردو ترجمہ ''روح لطیف حصہ اول'' (مطبوعہ آر ایچ برادرس حیدرآباد) اور ۱۹۶۴ء میں ''رسالہ شاہ'' کی پہلی سے تیسری داستان تک کا منظوم اُردو ترجمہ ''ارمغان لطیف حصہ اول'' (مطبوعہ بزم ادب شعبہ سندھی جامعہ اسلامیہ حاجی عبداللہ ہارون کراچی) کیا تھا ۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ شاہ جو رسالو کا لفظی اور لغوی ترجمہ اردو میں سب سے پہلے مخدوم امیر احمد مرحوم پرنسپل اورینٹل کالج حیدرآباد نے کیا تھا ۔ اس نسخے کا اصل مسودہ مخدوم صاحب کے فرزند مخدوم غلام احمد صاحب کے پاس راقم کی نظر سے گزر چکا ہے ۔ علاوہ ازیں شاہ کی بعض نظموں کے منظوم ترجمے اردو میں مشہور شاعر پروفیسر آفاق صدیقی کی جولانی طبع کا نتیجہ ہیں جو متعدد رسائل کی زینت بن چکے ہیں ۔

Marfat.com

کی فکر و خیال کی معراج کمال کا شاہکار ہے[1] ۔ شاہ صاحب کا یہ عدیم المثل مجموعہ کلام تصوف ، موسیقی اور شعریت کا خیال انگیز ، روح نواز و دلگداز مرقع ہے ۔ سندھ کے چپے چپے میں شاہ کے اشعار نہایت عقیدت و محبت سے پڑھے اور سنے جاتے رہے ہیں ۔ ان ابیات کی خصوصیت یہ ہے کہ دیہاتی ہو یا شہری ، ان پڑھ ہو یا تعلیم یافتہ ، مفکر ہو یا محقق[2] سب ہی بقدر شوق و بقدر ذوق اس سے محظوظ و مستفید ہو سکتے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ آج شاہ صاحب کی وفات کو دو صدیاں گزر جانے کے باوجود ان کے کلام کی مقبولیت میں روز افزوں اضافہ ہے ۔

گنج : تحقیقات کی روشنی میں یہ بات درست ہے کہ شاہ صاحب اپنے ابیات کو جمع کرنے یا انہیں محفوظ رکھنے کے سلسلے میں قطعی بے نیاز تھے ۔ اس سلسلے میں مختلف روایتیں ہیں ان کے مریدوں اور خوشہ چینوں نے شاہ صاحب سے جو کلام سنا تھا اپنی اپنی یادداشت پر مرتب کیا ۔ اس اندازے سے جو نسخہ تیار ہوا وہ پہلے ''گنج'' اور بعد میں ''شاہ جو رسالو'' کے نام مشہور ہے ۔

ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ نے بڑی تحقیق و جستجو سے ۳۱ غیر مطبوعہ قلمی نسخوں اور ۱۳ مطبوعہ نسخوں کی تفصیلات اپنی قابل قدر

---

۱ ۔ رچرڈ ایف برٹن اپنی کتاب "Sind and the Races that inhabit the valley of Indus" میں لکھتا ہے "The poetical fame of Sayyed Abdul Latif rest principally upon his celeberate eomposition "The Shah J. Risalo" (P-83 Chapter IV).

۲ ۔ ڈاکٹر ایچ ٹی سارلے ، آرنسٹ ٹرمپ ، ڈاکٹر میری شیمل ، علامہ آئی ۔ آئی قاضی ، ڈاکٹر داود پوتا جیسے نامور اسکالرس کی بھی یہی رائے ہے ۔ مولانا غلام رسول مہر نے تاریخ سندھ جلد ششم حصہ دوم ص ۱۰۶۷ میں) درست لکھا ہے کہ کسی زبان میں سندھ نے شاہ صاحب جتنا حقایق گو شاعر آج تک پیدا نہیں کیا ۔

Marfat.com

کتاب ''شاہ جی رسالی جا سرچشمہ'' (شاہ کے رسالے کا سرچشمہ) میں پیش کی ہیں - گنج نامی نسخوں میں ۱۲۰۷ھ میں فقیر عبدالعظیم عرف رول شاہ کے قلم سے لکھا ہوا نسخہ فقیر میاں اسماعیل خلیفہ تمر فقیر کا نسخہ مشہور ہیں -

رسالے کی ترتیب : شاہ صاحب کے رسالے کی ترتیب و تدوین کی دو قسمیں ہیں - پہلی قسم کے نسخوں کا آغاز سر سسی اور دوسری قسم کے نسخوں کی ابتدا سر کلیان سے ہوتی ہے - اس کے سروں کی یہ تقسیم ہندوستانی علم موسیقی کے مطابق ہے - سروں کو فصلوں یا داستانوں میں تقسیم کیا گیا ہے - یہ داستانیں بیت اور وائی پر مشتمل ہیں - وائی کو اب سندھی ادب میں کافی[3] کا نام دیا گیا ہے - اس کافی سے سندھی غزل گوئی کا آغاز ہوا ہے[4] - ہر داستان کے آخر میں ہندی ٹھمری کے طرز پر سندھی وائی لکھی ہے - یہ بیت اور کافیاں شاہ کی موسیقی کی دھن میں ہیں -[5]

---

۱ - Preface P-2 by Dr. N. A. Bloch contained in "Latif and the Modern World" by Prof. Akram Ansari Printed by Sind Printing Press Hyderabad.

۲ - ''شاہ جی رسالی جا سرچشمہ'' کو شاہ عبداللطیف ثقافتی مرکز بھٹ شاہ نے ۱۳۹۴ھ - ۱۹۷۴ء میں سندھ پرنٹنگ پریس حیدرآباد سے طبع کرا کر شائع کیا - راقم پریس مذکور کے طابع اور زیب ادبی مرکز کے ناشر احمد شیخ کا دلی ممنون ہے کہ ان کی عنایت سے راقم کو اس نسخے کے علاوہ ڈاکٹر بلوچ صاحب کی ان تمام کتابوں سے استفادے کا موقع ملا جو ان کے پریس میں طبع ہوئیں -

۳ - ''وائی'' شاہ لطیف کے دلاویز سحر موسیقی و شعر نے ایک نیا روپ دھارا شعر میں ایک نیا رجحان ایجاد ہوا جس کو وائی کہتے تھے اور جو ترقی پاتے پاتے سچل سرمست کی کافی بن گئی - (سندھی ادب کے مختلف رجحانات ، ص ۷ - ۸) -

۴ - عکس لطیف ، ص ۵۰ -

۵ - Preface P-2 Shah Jo Risalo Edited by Dr. N. B. Bloch 1974.

Marfat.com

شاہ اور رومی : شاہ لطیف کا کلام سراپا قرآن و حدیث کی تفسیر ہے ۔ مولانا روم نے اپنی مثنوی کے بارے میں فرمایا تھا :

مثنوی مولوی معنوی　　　هست قرآن در زبان پهلوی

اور شاہ لطیف کا ارشاد ہے :

اس کلام کو معمولی اشعار نہ سمجھو یہ آیات ربانی ہیں ۔
یہ آیات پڑھنے والوں کو اپنے محبوب حقیقی سے ملا دیتی ہیں ۔

شاہ اور نور محمد : میاں نور محمد کلہوڑہ والئی سندھ بڑے علم دوست اور صاحب علم و کمال حاکم تھے ۔ شاہ صاحب سے بیحد ارادت رکھتے تھے ۔ بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ نور محمد نے شاہ صاحب کی خدمت میں مثنوی روم کا ایک قلمی نسخہ[1] بطور تحفہ پیش کیا تھا ۔ شاہ صاحب اس نسخہ کو ہمہ وقت اپنے ساتھ رکھتے اور اشعار جھوم جھوم کر پڑھتے ۔ شاہ صاحب نے بطور خاص مثنوی روم کا مطالعہ کیا تھا ۔ ان کے فکری نقوش پر تعلیمات روم کا رنگ نمایاں ہے ۔ مولانا رومی سے عقیدت کا اظہار شاہ صاحب نے اپنے اشعار میں بھی کیا ہے[2] ۔ ایک بیت کا ترجمہ یہ ہے :

طالب حق حسن ، رومئی بے مثال
دودہ کر پردہ ، نظر میں رکھ جمال

وحدت الوجود : شاہ عبداللطیف نے اپنے کلام میں توحید الٰہی ، حب رسول ، حقیقت و معرفت ، شریعت و طریقت اور حیات و کائنات کے اسرار و رموز کو شرح و بسط سے بیان فرمایا ہے ۔ وحدت الوجود یا ہمہ اوست یعنی سب کچھ اسی ایک کی ذات واحد ہے وہ جو سب سے

---

١ ۔ عکس لطیف ص ٢٣ ۔

٢ ۔ مولانا رومی سے متعلق چھ بیت سرا یمن کلیان میں شامل ہیں ۔ ملاحظہ ہو ص ٢٣ شاہ جو رسالو نسخہ بمبئی ١٩٥٨ء مملوکہ ڈاکٹر شیخ ابراہیم خلیل ۔

Marfat.com

بڑا ہے اس کی محبت اور قرآن الٰہی کا اتباع تصوف کی روح ہے[1] - عارفین کامل اور صوفیائے کرام کا نکتہ تصوف و معرفت اس روح کی علامت ہے - مولانا رومی ، شاہ ولی اللہ دہلوی اور شاہ لطیف جیسے بزرگان دین کا بنیادی نظریہ اسی قدر مشترک کا حامل ہے - اہل صفا کا ایمان ہے کہ اندر کی آواز اسی ذات باری کی وحدانیت کی گواہی دیتی ہے - خالق و مخلوق عبد و معبود ، ظاہر و باطن سب کچھ اس کی ذات میں مدغم ہے - مولانا رومی فرماتے ہیں :

هر که راه اسرار حق اوبختند ۔ لهر کردند و دهانش دوختند
جمله ذرات عالم در نهان ۔ با تو میگویند روزان و شبان
خلق آب و نطق خاک و نطق گل ۔ هفت محسوس حواس اہل دل

سندھ میں مخدوم محمد معین الدین ٹھٹھوی نے جو شاہ صاحب کے ہمعصر اور رفیق خاص تھے ، ولی اللٰہی فلسفہ کی کھل کر حمایت ، تقلید و تبلیغ کی ہے لیکن شاہ صاحب ؒ نے شاہ ولی اللہ کی تعلیم کو اپنانے کے بجائے اپنے جد اعلٰی حضرت شاہؒ عبدالکریم بلڑی کی راہ سلوک اختیار کی[2] - شاہ صاحب نے مولانا رومی کے فلسفہ معرفت سے بھی بطور خاص استفادہ کیا ہے - شاہ ولی اللہ کی تعلیم کی بنیاد علم و قلم ، عقل و فہم ، دماغ و سراغ پر رکھی گئی تھی جبکہ شاہ عبدالکریم کے نزدیک منزل مطلوب تک پہنچنے کا وسیلہ دل و نگاہ ، عشق و محبت تھا -

شاہ صاحب فرماتے ہیں :

وحدت کثرت تھی کثرت وحدت کل
حق حقیقی ھیکڑو بوی بی بھل
ہو ہلا چوھل باللہ سند و سجنٹین

ترجمہ : وحدت میں کثرت بنی اور سب کثرت وحدت ہو گئی
وہ حق ہے اور درحقیقت ایک تو اسے بھول کر غیر کو مت پکار
خدا کی قسم ہر جگہ اس دوست کا شور و ہنگامہ ہے -

---

۱ - روح تصوف مولانا اشرف علی تھانوی ، ص ۸ -

۲ - مقالہ ''بھٹائی کے کلام میں وحدت الوجود کا مسئلہ'' از ڈاکٹر داود پوٹہ مشمولہ مہران جاموتی ، ص ۱۷ -

Marfat.com

شاہ نے فلسفہ تصوف کو محض ایک نظریے کے طور پر نہیں بلکہ جزو زندگی بنا کر اپنایا تھا اجزائے ترکیبی کل میں سمو کر تخلیق کائنات و تعمیر حیات کا راز بن گئے۔ تلاش حق اور راہ حق کے نکات کو شاہ صاحب نے اپنے کلام میں بڑی صراحت سے بیان کیا ہے۔۔۔۔۔ اینما تولوا فثم وجہ اللہ کی تفسیر شاہ صاحب نے اپنے بیت میں اس طرح پیش کی ہے :

ایک فکر در لکھ ، کوڑیں گینٹس گڑ کھیون
جیذ الا کریان پرکھ، تیز الا صاحب سامھون

ترجمہ : ایک قصر لاکھ دروازے ہیں اور کروڑوں کھڑکیاں ۔
جس طرف نظر پھیرتا ہوں ادھر اسی صاحب (خدا) کا جلوہ نظر آتا ہے ۔

اللہ کی محبت ، رسول کی محبت ، انسان کی محبت اور ان محبتوں کے تعلق سے کائنات و حیات سے محبت کے واضح تصورات کے خد و خال شاہ صاحب کے افکار جمیل میں حسن و لطافت کے ساتھ صاف و شفاف نظر آتے ہیں ۔

اول اللہ علیم اعلی عالم جوذنی

ترجمہ : اللہ سب سے اول اعلی علیم اوز سارے عالم کا مالک ہے ۔

قادر پنھجی قدرت سین قائم آہ قدیم
وہ قادر ہے ، اپنی قدرت سے قائم اور قدیم ہے ۔

والی ، واحد ، وحدہ رازق رب رحیم
والی واحد رازق رب رحیم ہے

سو ساراہ تھود ہٹی جئی حمد حکیم
اس سچے مالک کی تعریف کر ، اس حکیم کی حمد بیان کر

کرے پان کریم ، جوڑوں جوڑ جھان جیون
وہ قادر کریم صانع مطلق ہے وہی سارے جھان کی امید بر لانے والا ہے

Marfat.com

وحدہ لا شریک لہٗ جن اتو سیں ایمان
جنھوں نے ایمان سے کہا کہ خدا ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں

تن مجیو محمد کارٹی قلب سان لسان
انھوں نے دل و زبان سے اس محمد کو بھی مانا

او فائق میں فرسان ، اونڑ کہ نہ اولئا
جس کے لیے یہ دنیا بنی اللہ کے فرمان میں فوقیت حاصل کی

وحدہ جے وڈھئا الا اللہ سین اور ین
ترجمہ : جنھوں نے وحدت کے صحیح معنی سمجھے وہ الا اللہ کا ذکر کرتے ہیں

شیون حقیقت گڈ یو طریقت تو رین
وہ اپنے دل کو حقیقت سے ملا کر طریقت کے ترازو میں تولتے ہیں

معرفت جی ماٹھ سین ، ذلیا ذلیا نذر ذورین
معرفت کی خاموشی اختیار کر کے پردیس کی خاک چھانتے پھرتے ہیں

سکھ نہ سنا گڈ ھیجو یھی نہ ووزین
وہ نہ چین سے سوتے ہیں نہ آرام کرتے ہیں

کاینؤ کو رین عاشق عبداللطیف چئی
اے لطیف ایسے عاشقوں نے اپنے سر شانوں سے کٹا ڈالے
(سر کلیان ۔ داستان اول)

قرآنی آیات و الفاظ : مندرجہ بالا اشعار سے جہاں ایک طرف شاہ صاحب کا نظریہ تصوف واضح طور پر سامنے آتا ہے وہاں دوسری جانب یہ بات بھی قابل تحسین ہے کہ انہیں قرآنی آیات ، قرآنی الفاظ اور قرآنی ارشادات کی ترجمانی میں بے انتہا قدرت حاصل تھی ۔ یہ کمال حیرت انگیز ہے کہ مصرعے کے مصرعے اور فقرے کے فقرے عربی الفاظ و قرآنی آیات

Marfat.com

کے نگینے میں اس طرح جڑ دیے ہیں کہ وہ شعر کے سانچے میں ڈھل کر انگشتری پر نور و پر رنگ کی طرح دل و نگاہ کو جذب کر لیتے ہیں۔

شاہ صاحب اور زبان : سندھ میں اسلام کی آمد سے عربی زبان نے رواج پایا۔ عربی اسلامی علوم و معارف کا سرچشمہ ہے۔ عہد مغلیہ میں فارسی نے عروج پایا۔ شاہ صاحب کے عہد میں جہاں کلہوڑوں نے عربی و فارسی روپ کو فروغ دیا وہاں سندھی زبان و ادب کی سرپرستی کی شاہ صاحب نے عربی، فارسی، سندھی ان تینوں زبانوں کو اپنے علمی و دینی تبلیغ اشاعت، تصوف و عرفان، شعر و نغمہ کی ترقی و ترویج کے لیے اپنایا۔

سندھی : کلام لطیف کی بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ آسان سندھی میں ہے۔ عربی فارسی، سرائیکی ہندی اور اردو کے سادہ اور عام فہم الفاظ کے موزوں و بر محل استعمال نے کلام کی افادیت میں بے انتہا اضافہ کر دیا ہے۔ استعارات، تلمیحات، تشبیہات کے باوجود طرز ادا دلکش اور انداز بیان پرکیف، موثر، دلآویز و دلپذیر ہے۔ شاہ صاحب کی بدولت سندھی زبان جدید تقاضوں سے ہم آہنگ ہوئی۔ سندھی ادب میں نئے رجحان کا آغاز ہوا۔ حمد و نعت مناجات جیسی اصناف سندھی میں شامل ہوئیں اور پیر حسام الدین راشدی کے الفاظ میں ''نہ صرف زبان کو نئے الفاظ، محاوروں اور ترکیبوں سے مالا مال کر دیا بلکہ سندھی شعر کے محدود دامن کو نئے اسلوب نئے مضامین اور گونا گوں تخیلات سے بھر دیا''[۱]۔

فارسی : شاہ صاحب کے زمانے میں روز مرہ اور بول چال کی زبان سندھی تھی لیکن درباروں اور دفتروں میں فارسی زبان رائج تھی۔ امراء و شرفاء کے گھروں میں فارسی زبان بولی جاتی تھی۔ شاہ صاحب فارسی زبان پر مکمل عبور رکھتے تھے۔ فارسی میں بھی پختہ اور معیاری شعر کہتے تھے۔ راقم کا خیال ہے کہ شاہ جو رسالو کی بے انتہا مقبولیت کے

۱۔ سندھی ادب، ص ۳۳۔

Marfat.com

باعث اہل نقد و نظر اور تذکرہ نگاروں نے ان کی فارسی شاعری کی طرف توجہ نہ دی - یہی وجہ ہے کہ ان کا فارسی کلام کہیں یکجا نظر نہیں آتا - میر علی شیر قانع نے مقالات الشعراء میں ان کے مختصر سے حالات کے بعد یہ تین اشعار نقل کیے ہیں -

آئینہ دل چو صاف باشد | برعکس ہمہ معاف باشد
یعنی چوبد و شدی تو لاحق | چیزی نبود در ونت جز حق
پس ہر چہ کنی ز تو نباشد | تو رفتہ بغیر او نیا شد[1]

شاہ صاحب کے زمانے میں سندھ میں سندھی اور ہندی (جو اب اردو کہلاتی ہے) بولی جاتی تھی - سبزی فروش بھی یہی زبان بولتے تھے - اس بات کی تصدیق حسب ذیل واقعہ سے ہوتی ہے :

''کہتے ہیں کہ ایک دن شاہ عبداللطیف بھٹائی دوپہر کے وقت آرام کر رہے تھے کہ باہر سے ایک سبزی فروش کی یہ آواز سنی ''سوئا ! پالک ! چوکا''[2] شاہ صاحب اس آواز پر خوفزدہ ہو کر اٹھے - فقیروں کو عجب لاحق ہوا اور سبب دریافت کیا - شاہ صاحب فرمانے لگے کہ بابا آپ نے سبزی فروش کی آواز سنی؟ جو یہ کہہ رہا تھا جو کوئی پلک سویا وہ چوکا (خطا کار) ہے[3] - (ترجمہ مولانا غلام مصطفی قاسمی)

شاہ صاحب کے جملہ افکار عالیہ کا غائر و بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ ان کے ہر سر ، ہر بیت اور ہر وائی (کافی)

---

۱ - مقالات الشعراء ، ص ۴۲۶ -

۲ - سوئا = سویا پالک — پالک ساگ چوکا - خطا کار
تصوف کے نقطہ نظر سے ان تین الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص ایک پلک سویا (غافل ہو گیا) وہ چوک گیا (حقیقت و معرفت کی نعمتوں اور اللہ کی رحمتوں سے محروم ہو گیا) -

۳ - مقدمہ لطیفی (شاہ جی سوانح عمری) ڈاکٹر ہوتچند گربخشانی ، ص ۵۳ درنتی سندھی پبلیکیشن ، کراچی یونیورسٹی ، طبع ورسٹی مارچ ۱۹۷۷ء -

Marfat.com

میں عربی و فارسی کے ایسے بے شمار الفاظ موجود ہیں جو اب اردو زبان و ادب کے جز بن چکے ہیں ۔ اسی طرح ان کے کلام جمیل میں ہندی اور اردو کے الفاظ بھی کثرت سے ملتے ہیں ۔ ایسے الفاظ و محاورات و تراکیب کی ایک طویل فہرست پیش کی جا سکتی ہے لیکن طوالت کے خیال سے یہاں تفصیلی تجزیہ ممکن نہیں ۔ شاہ کے جو اشعار اوپر پیش کئے گئے ہیں ان میں اس قسم کے الفاظ موجود ہیں ۔

ذیل میں چند اشعار نقل کیے جاتے ہیں جن سے اندازہ ہوگا کہ شاہ صاحب نے ہندی اور اردو الفاظ کو کس انداز سے اپنے ابیات میں سمویا تھا ۔ اگر انھیں معلوم ہوتا کہ ان کے بعد اردو اتنی ترقی کر جائے گی جتنی کہ آج کے دور میں کر چکی ہے تو یقیناً وہ اردو (ہندی) میں بھی باقاعدہ شعر کہتے جس طرح فارسی میں کہے ہیں ۔

ساری سد سبق شریعت سندو ، سھنی
طریقتان لکو وھی ، حقیقت جو حق
معرفت نرکھہ ، اصل عاشق کی (سر سوھنی)

وائی :

تھنید و تن طبیب ، دارون مھجے درد جو
(میرا دوست میرا طبیب ہوگا ، میرے درد کی دوا کے لیے)
بکی دیندم با جھہ جی اچی شال عجیب ، دارو مھجے درد جو
(امید ہے کہ ایسا ہی ہوگا دوست مجھے عنایت کی دوا دے گا ،
میرے درد کی دوا کے لیے)
پربن اچی پان کیؤ ، سند و غور غریب
دارو مھجے درد جو
(اے دوست خود آ کر مجھ غریب کے حال پر غور کرو) ،
میرے درد کی دوا کے لیے)
ذکھند و سنبھوئی دور کیؤ ، سنجھوں تن طبیب
دارون مھجے درد جو
(سب بیماریاں دور کر دے ، میرے تن سے اے طبیب
میرے درد کی دوا کے لیے)

Marfat.com

ادیون عبداللطیف چے ھاتک آہ حبیب
دارون مھجے درد جو
(بہنوں عبداللطیف کہتا ہے ، وہ حبیب میرا حکیم ہے) میرے
درد کی دوا کے لیے)

دیکھیے قرآنی آیت پر کس خوبصورتی سے گرہ لگائی ہے -

سوئی راہ رد کرے ، سوئی رہنما (وہی گمراہ کرنے والا وہی رہنما ہے)

و تعز من تشأ و تذل من تشأ (وہ جسے چاہے عزت دے جسے چاہے ذلت دے)

اردد زبان میں مصرعہ سر سا رنگ کا جز ہے

دو میں دلدار عالم سب آباد کریں

یہ اشعار بہت صاف اردو میں ہیں - ایسی مثالیں شاہ کے کلام میں جا بجا ملیں گی -

بلبل روئے این دن کہاں بھئی گلزار
ان کی قیامت آج ہے جن کے بچھڑے یار[1]
لا الہ کر ارسی الا اللہ سے دیکھ
محمد صورت رب کی اس میں نہ میکھ

حضرت امیر خسرو دہلوی (۱۲۵۳ - ۱۳۲۴ء) جیسے جامع الصفات اور مجموعہ کمالات درویش شاعر کو اردو کا سب سے پہلا شاعر کہا جاتا ہے[2] - طبقہ متقدمین کے دور اول کے اردو شعراء میں ولی دکنی (۱۶۶۸-۱۷۴۴ء) میر تقی میر (۱۷۱۰ - ۱۸۱۰ء) اور خواجہ میر درد (۱۱۳۳-۱۱۹۹ھ) کا اردو کی ترقی میں نمایاں حصہ رہا[3] - یہ شعرائے کرام شاہ عبداللطیف کے معاصرین تھے -

---

۱ - ع تم کیا گئے کہ ہم پہ قیامت گزر گئی
۲ - تاریخ ادب اردو ، رام بابو سکسینہ ، نسخہ نولکشور ، ص ۱۶-۱۸ -
۳ - نگار لکھنؤ اردو شاعری نمبر - ۱۹۳۵ء -

Marfat.com

شاہ عبداللطیف بھٹائی اردو کے اسی ابتدائی دور سے تعلق رکھتے تھے۔ شاہ صاحب کی خدمت اردو کی تاریخ مرزا غالب ، ذوق اور داغ دہلوی کے زمانے سے پہلے مرتب ہوئی۔ اس اعتبار سے یہ کہنا نامناسب نہ ہوگا کہ اردو کی ابتدائی ترقی و ترویج میں جس طرح امیر خسرو نے ہند میں حصہ لیا تھا اسی طرح شاہ لطیف نے سندھ میں حصہ لیا تھا۔

Marfat.com

میر اسد اللہ ساقی

(المتوفی ۱۱۸۱ھ)

نام میر اسداللہ ، تخلص ساقی ، وطن بکھر ، اپنے نام اور تخلص کے بارے میں خود کہتے ہیں :

مست گردم ز بادۂ کوثر
اسداللہ ساقیم باشد

وہ اپنے وقت کے مشہور طبیب تھے - حکیم میر یعقوب کے شاگرد تھے اپنی علمی استعداد اور شاعرانہ مرتبے کے باعث ارباب علم و دانش میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے -

میر اسداللہ بکھری کی تاریخ ولادت معلوم نہ ہو سکی - میر علی شیر قانع نے تحفۃ الکرام فارسی (ص ۱۳۱) اور مقالات الشعراء نسخہ قدیم (ص ۲٦۷) میں ان کا ذکر کیا ہے اور انہیں اپنا ہمعصر بتایا ہے - میر قانع کے ایک بیان کے مطابق ساقی کا سن وفات اغلباً ۱۱۸۱ھ متعین کیا جا سکتا ہے -

اسداللہ ساقی نے طب و تاریخ کے موضوع پر کئی کتابیں لکھیں جن میں ذخیرہ خوارزم شاہی کی تلخیص مشہور ہے - یہ کتاب طب سے متعلق ہے - یہ دراصل سید اسماعیل جرجانی (۵۰۳ھ) کی تالیف ہے - اس کی بارہ جلدیں قطب الدین بن ابو سبکتگین خوارزم شاہ کے نام معنون ہیں[1] -

میر اسداللہ ساقی متقی پرہیزگار اور خدا ترس انسان تھے - ان کی زندگی کے شب و روز خدمت خلق اور عبادت الٰہی کی روشنی سے درخشندہ

---

۱ - تذکرہ مشاہیر سندھ ، ص ۱۱۸ -

Marfat.com

و تابندہ تھے ۔ فارسی اور اردو میں اعلیٰ و ارفع شعر کہتے تھے ۔ ان کے افکار عالیہ ان کے بلند و پاکیزہ خیالات روحانی جذبات کے آئینہ دار ہیں ۔ بارگاہ رب العزت میں دست بدعا ہوتے ہیں تو کس لب و لہجہ اور عجز و انکساری کے ساتھ اس کا اندازہ ان کی ایک مناجات سے لگایا جا سکتا ہے ۔ مخمس میں ان کی یہ مناجات ان کی مہارت سخن اور عظمت فن کی غماز ہے ۔ اس کے تین بند نذر قارئین ہیں :

اے انیس بزم عز و شان رب العالمین
رحم کن بر حال زار تو ارحیم الراحمین
ہر مدت فریاد می دارم همیں سالم جبیں
قرب دہ بادوستان یا جامع المتفرقین
لا تذرنی رب فرداً انت خیرالوارثین

چوں غمی دارم بدہ آرام در دنیا و دیں
جز تو دیگر نیست غمخوارم بدل دارم یقیں
یاد فرمائی ، کردارم درد ہر دل پر حزیں
زود فریادم برس بر نالہ اندوہگین
لا تذرنی رب فرداً انت خیرالوارثین

دیگراں دارم عجائب آرزوئی خوشتری
دہ مرا جاے بفضل خود بفردوس بریں
ساقی کوثر دھد جام شراب و انگبیں
ایں هم حاجات گفتم کن اجابت کہ قریں
لا تذرنی رب فرداً انت خیرالوارثین

اسد اللہ ساقی نے مختلف اصناف سخن پر طبع آزمائی کی ۔ ہر صنف میں اپنے ذہنی و قلبی نقوش ثبت کر دیے ۔ حمد و نعت کے علاوہ بزرگان دین کی شان میں والہانہ عقیدت اور جوش و ولولہ کے ساتھ منقبتیں کہیں جن سے ان کے مذہبی عقائد اور فکری رجحانات آشکارا ہیں ۔

غوث الاعظم حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی سے بے پناہ عقیدت رکھتے تھے ۔ انہیں اپنا روحانی پیر مانتے تھے ۔ ذیل کے اردو اشعار ان کی

Marfat.com

ذہنی کیفیت اور دلی جذبات کے مظہر ہیں :

روزی مری رسوال کر   اعدا مرے اس حال کر
ہر سطلبم فی الحال کر   یا شاہ جیلاں المدد
کر سرخرو ہر بزم میں   مجھ کو رسا ہر بزم میں
ساقی کہے ہر بزم میں   یا شاہ جیلاں المدد

Marfat.com

میر حفیظ الدین علی

(۱۱۲۰ - ۱۱۹۰ھ)

میر حفیظ‌الدین المتخلص بہ علی کے والد میر حافظ الدین ، ٹھٹھہ کے مشہور امیر خانی سادات سے تعلق رکھتے تھے - رضی‌الدین فدائی ، میر حفیظ الدین کے دادا اور میر ابوالکلام شہود جد اعلی تھے - میر حیدر الدین کامل جیسے سربرآوردہ عالم و شاعر علی کے چچا تھے - ظاہر ہے کہ علی کا تعلق ایک ایسے درویش علمی گھرانے سے تھا جن کا سرچشمہ علم و فیض نہ صرف ٹھٹھہ بلکہ سندھ کے گوشے گوشے میں‌جاری تھا[۱] -

حفیظ الدین علی ۱۱۲۰ھ میں اپنے آبائی وطن ٹھٹھہ کی خاک سے اٹھے اور ۱۱۹۰ھ میں وہیں پیوند خاک ہوئے -

علی کی تعلیم و تربیت خالص علمی و ادبی ماحول میں ہوئی - انھوں نے اپنے بزرگوں کے زیر شفقت و عاطفت علوم ظاہری و باطنی کی منازل طے کیں - انھیں اپنے چچا میر حیدر الدین کامل سے بہت قرب حاصل تھا - وہ ان کی ذات و صفات سے خاص طور پر متاثر تھے - یہی وجہ ہے کہ بقول پیر حسام الدین راشدی :

"علوم و فنون میں اپنے چچا کے مماثل تھے -"[۲]

علی فارسی اور اردو (ہندی) کے خوش فکر شاعر تھے - شاعری میں انھوں نے پوری مہارت کے ساتھ چچا میر کامل کا تتبع کیا ہے - میر علی قانع ، علی کے بہت مداح تھے - انھوں نے علی کو "خسرو ثانی" کہا ہے -

۱ - میر حفیظ الدین علی کے سلسلہ نسب کی تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو صفحات گزشتہ میں تذکرہ و حواشی میر حیدر الدین کامل -

۲ - مقالہ سندھ کے اردو شعراء - سہ ماہی اردو کراچی ، ص ۸۶ ، اکتوبر ۱۹۵۱ء -

Marfat.com

علی کی شعر گوئی سے متعلق قانع کا تبصرہ یہ ہے :

''باوجود کم سوادی و بصارت بصر و کری گوشهادر زمین لطائف و غرائب شعر بزبان هندوی ، خسرو ثانی است ۔ معانیها را کہ وی در دهرها و کبت و ابیات و نکات هندی می بندد ۔۔۔۔۔ چون در پارسی پو یہ کم دارد بیک بیتش قانعم ، اغلب کلام وی در هندوی طرز ایهام واقع ، اماچہ ایهام کہ از دوسہ و چهار پنج معنی هم گاه گاهی تجاوز دارد ۔''[1]

علی ہندی دوہروں ، گیتوں اور ابیات میں خیالات و نکات کو سمونے میں کامل قدرت رکھتے تھے ۔ فارسی میں کم اور ہندی (اردو) میں زیادہ کہتے تھے ۔ میر کامل کی طرح ''صنعت ایہام کا تجربہ انھوں نے اپنے اشعار میں کمال فن کے ساتھ کیا ہے ۔ قانع نے علی کی اس صنعت کی مثالیں پیش کرتے ہوئے مندرجہ ذیل دو بیت نقل کیے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ علی کو ایہام کی صنعت ، زبان و بیان میں بلا کی قدرت حاصل تھی ۔ ایک ایک شعر میں بیک وقت ایک دو نہیں بلکہ پانچ پانچ چھ چھ معنی پائے جاتے ہیں ۔

پہلے شعر میں آچار ، کھٹا ، پاپڑ ، لینی ، مچھی (مچھلی) ، سرکا ، سوئی (سوئیاں) اور سلونی (نمکین) جیسی کھانے کی متعدد اشیاء اور ان کی صفات معنویت کے ساتھ جمع کر دی ہیں :

آچار ہوا کھٹا پاپڑ لینی ہے مچھی
سرکا بنہ تو آکے سوئی سلونی اچھی[2]

اسی طرح دوسرے شعر میں — پیلی ، کناری ، مہر کا سونا ، چونی (دوپٹہ) ، سوتی ، آرائش پوشاک سے متعلق ہیں ۔ یہ بھی صنعت ایہام کی حیرت انگیز مثال ہے :

پیلی ہے کیوں کناری سونا نہیں مہر کا
چونی پھوچی ہے باتیں ، موتی تو دیکھ سرکا[3]

---

۱ ۔ مقالات الشعراء ، تذکرہ میر حفیظ الدین علی ، ص ۱۸۱ ۔
۲ ۔ مقالات الشعراء ، تذکرہ میر حفیظ الدین علی ، ص ۱۸۲ ۔
۳ ۔ ایضاً ، ص ۱۸۲ ۔

Marfat.com

روحل فقیر

(۱۱۳۲ - ۱۱۹۴ھ)

روحل خان زنگیجہ عرف روحل فقیر سندھ کے صف اول کے اہل ذوق اولیائے کرام میں سے تھے۔ ان کی زندگی تبلیغ علم و دین اور فروغ شعر و ادب کے لیے وقف تھی۔ روحل خان کے والد ماجد کا نام شاہو خان زنگیجہ[1] تھا۔ روحل کو زنگیجہ ذات کے سپوت ہونے پر فخر تھا۔ کہتے ہیں:

باپ میرا شاھو ناہیں ، اس گھر ناہیں سات
جتنے ہم جایا نہیں ، کال ورن نہیں جات

لوک آکھے ہے روحل بولیندا کوئی آکھے ہے ذات زنگیجا
نہیں روحل نہیں ذات زنگیجا اے کہے سر اللٰہی ہے

شاہو خاں میاں دین محمد کلہوڑا (المتوفی ۱۱۱۱ھ) کے امراء میں سے تھے۔ میاں نور محمد کے عہد میں عمر کوٹ کے حاکم تھے۔ ''پدما جی بھٹ''[2] (پدما جی کا ٹیلہ) نامی دیہہ میں ان کا مسکن تھا۔

روحل خاں کی ولادت ۱۱۳۲ھ میں ''پدما جی بھٹ'' میں ہوئی۔ ان کی پیدائش کے متعلق خود روحل کا یہ بیت ان کے ابیات میں شامل ہے:

سیلے سنگی ، ست ساتھی ، پر گھٹ آئے
پورنماس چکورا آیا ، گھر شاہو کے پائے

---

۱ - سندھ میں زنگیجہ خاندان جتوئی بلوچ نامی قبیلہ کی ایک شاخ ہے۔
۲ - یہ دیہہ عمر کوٹ اور کھاروڑے کے درمیان واقع تھا کہتے ہیں کہ اب وہاں ''روحل کا کنواں'' کے نام سے پختہ کنواں ہے جو اس دور کی نشاندہی کرتا ہے۔

Marfat.com

روحل کی تعلیم و تربیت ان کے والد مکرم کے زیر نگرانی ہوئی۔ عربی ، فارسی اور سرائیکی میں بہت اچھی استعداد حاصل کی۔

کلہوڑوں کا عباسی خاندان شاہو خاں کی خدمات کا بہت معترف و مداح تھا۔ میاں غلام شاہ کلہوڑا کے دور میں روحل پہلے توشہ خانے کے ناظم رہے۔ بعد میں جیسلمیر ، جودھ پور اور بیکانیر کے سفیر کے عہدے پر فائز ہوئے۔ فرائض منصبی اعلیٰ صلاحیتوں کے ساتھ بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیے جہاں کہیں تعینات رہے اپنے اخلاق حسنہ اور موثر دینی و روحانی پیغامات کے ذریعے ہر خاص و عام کو متاثر کیا۔ جس علاقے میں رہتے اس علاقے کی زبان سے بھی اچھی طرح واقفیت حاصل کر لیتے جس کی بناء پر انھیں اپنے خیالات و نظریات دوسروں تک پہنچانے میں مدد ملتی۔ مقامی لوگ ان کی بے حد قدر کرتے تھے۔ بجیہ سنگھ راجہ جودھ پور ان کا اس قدر گرویدہ ہوا کہ انھیں ایک عرصہ تک جودھ پور سے جانے نہ دیا۔

روحل فقیر سندھ کے وہ پہلے سرکاری اعلیٰ عہدے دار تھے جنھوں نے نہ صرف اسلامی تصوف اور ہندومت کا وسیع مطالعہ کیا بلکہ اپنے تبلیغی مشن کو کامیاب بنانے کی خاطر اپنے مطالعہ و معلومات کی روشنی میں عملی اقدامات کیے۔ جودھ پور کے دوران قیام انھوں نے پنڈتوں سے مناظرے کیے۔ پنڈت الیسر سنکھ راج بجیہ سنگھ کا ایک نورتن تھا اس کے ساتھ روحل کا مناظرہ ایک تاریخی واقعہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ الیسر سنکھ جیسے ممتاز پنڈت کو اس نظریئے کا قائل کر دیا کہ اسلامی تصوف ہندو ویدانت پر حاوی ہے۔ روحل کے ہندی منظوم رسالہ موسوم بہ "اگم وارتا" مذکورہ بالا مناظرے کے سوالات و جوابات کا مرقع ہے۔

سب سے پہلے اسلامی تصوف کے ساتھ ساتھ ہندو وحدانیت کے فلسفے کو بھی شعر کے سانچے میں ڈھالنے کا سہرا روحل فقیر کے سر ہے۔ اس ایجاد کو سچل سرمست نے ترقی کی منزل تک پہنچایا۔[1]

۱۔ سندھی ادب ، ص ۳۶۔

Marfat.com

روحل نے ہندو تصوف و شعر سے واقفیت کی غرض سے کبیر داس کی شاعری کا بھی مطالعہ کیا تھا ۔ وہ اپنے مرتبہ کو کسی طرح کبیر کے مرتبے سے کم نہ سمجھتے تھے ۔ اس قسم کے خیالات کا اظہار انھوں نے ایک شعر میں کیا ہے جس کا مطلع اور مقطع یہ ہیں :

ہوں میں تسکل تسکل سوں نیارا
میں داس کبیر کہایا . . .

کہت روحل ہم روحل ناہوں
کبیر روپ ہمارا

روحل کا تبلیغی مشن اس درجہ کامیاب تھا کہ سندھ کے بیشتر علاقوں خصوصاً جودھ پور ، جیسلمیر ، تھر کے بہت سے راجپوت اور مکھیواڑ ہندو روحل فقیر کے ہاتھوں مشرف بہ اسلام ہوئے اور بیعت کی۔ ۱۱۳۰ھ میں میراں پور عرف جھوک شریف کے عظیم بزرگ صوفی شاہ عنایت اللہ نے حکومت وقت کے ہاتھوں جام شہادت[1] نوش کیا ۔ ان کی عظمت و شہادت سے روحل بے حد متاثر تھے وہ صوفی شہید سے خاص عقیدت رکھتے تھے ۔ اسی عقیدت کی بناء پر روحل صوفی شہید کے ایک صاحبزادے صوفی عزت اللہ شاہ کے مرید ہوئے ۔ اپنے مرشد کے بھائی صوفی سلام اللہ شاہ[2] کی معیت میں بعض ریگستانی علاقوں کی سیر و سیاحت کی اور روحانی تربیت سے مستفیض ہوئے ۔

---

۱ - کلک قانع خادم خدام ذوالمجد و همم
بوده قطب عهد خویش او سال وصالش زد رقم
۱۱۳۰ھ

مقالہ ''شاہ شہید صوفی'' از پرنسپل محبوب علی چند ''مہران جاسوتی'' مطبوعہ پاکستان پبلیکیشنز کراچی ۔

۲ - صوفی سلام اللہ شاہ نے زندگی کے آخری ایام میں میراں پور کی سکونت ترک کر کے ڈیراتھر کے ٹیلہ ضلع خیر پور میں قیام فرمایا جہاں ۲۵ ذی الحج ۱۱۸۳ھ کو رب حقیقی سے جا ملے ۔ صوفی عزت اللہ شاہ نے ۱۲ جمادی الثانی ۱۱۸۷ھ کو رحلت کی ۔

Marfat.com

روحل فقیر اپنے پیر و مرشد صوفی عزت اللہ شاہ اور صوفی سلام اللہ شاہ کی قربت کی خاطر ملازمت ترک کر کے جھوک شریف میں قیام پذیر ہوئے ۔ پھر کوٹلہ جو کوٹ ڈرجی کے قریب ضلع خیر پور میں واقع ہے ، میں سکونت اختیار کی ۔ زندگی کے آری دنوں میں کنڈڑی میں اقامت پذیر تھے ۔ وہاں دھیان گیان ، ذکر و فکر میں منہمک رہے ۔ اسی عالم استغراق میں ۱۱۹۴ھ[1] کو ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی ۔ کنڈڑی میں ان کا مزار پرانوار زیارت گاہ عوام ہے ۔

روحل فقیر کی منظوم تصانیف میں چار ہندی رسائل من پربودھہ ، ادھت گرنتھ ، اگم وارتا اور سرب گیان ان کی یادگار ہیں ۔

روحل کے سندھی ، سرائیکی اور ہندی کلام پر مشتمل ایک مجموعہ لطف اللہ بدوی نے ''کنڈڑی وارن جو کلام'' کے نام سے مرتب کیا تھا جسے ۱۹۶۴ء میں سندھی ادبی بورڈ نے ۱۷۸ صفحات پر ڈیمی سائز میں شائع کیا ہے ۔

روحل نے مادری زبان سرائیکی اور علاقائی زبانوں سندھی و ہندی میں بھرپور شاعری کی ہے ۔ انھوں نے شاعری کو اسلامی تصوف کی اشاعت اور دینی نظریات کے اظہار کا بہترین ذریعہ بنایا ۔ انھوں نے مختلف اقسام شعر کی ایجاد و اختراع کو فروغ دیا[2] ۔ ان کا کلام مختلف اصناف دوہے ، چوپائی ، شبد ، دھڑا ، سی حرفی ، کافیاں ، بیت وغیرہ پر مشتمل

---

۱ ۔ پروفیسر محبوب علی چنہ نے اپنی کتاب سندھی ادب کے مختلف رجحانات میں روحل کا سن وفات ۱۱۸۸ھ (ص ۸) لکھا ہے ڈاکٹر نبی بخش خاں بلوچ کی سندھ میں اردو شاعری (ص ۲۹) میں ۱۱۹۴ھ درج ہے ۔ لطف اللہ بدوی نے کنڈڑی وارن جو کلام کے دیباچہ میں یہی سن رقم کیا ہے ۔ آخرالذکر سن وفات درست معلوم ہوتا ہے گرچہ اس سن کو بھی مستند نہیں کہا جا سکتا ۔ روحل کے سن وفات کی طرح سن ولادت میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے ۔

۲ ۔ سندھی ادب کے مختلف رجحانات ، ص ۸ ۔

Marfat.com

ہے ۔ سلوک و شعر میں امام غزالی ، مولانا رومی اور نور الدین جامی کے افکار و نظریات سے استفادہ کیا ۔ جامی کا ارشاد ہے :

اے دل طلب کمال در مدرسہ چند
تکمیل اصول و حکمت و ہندسہ چند
ہر فکر کہ جز ذکر خدا وسوسہ ہست
شر مے ز خدا بدار ایں وسوسہ چند

مولانا رومی نے فلسفہ زندگی اور مقصد حیات کی یوں ترجمانی کی ہے :

زندگی مقصود بہر زندگی ست   زندگی بے بندگی شرمندگی ست
جز خضوع و بندگی و اضطرار   اندر ایں حضرت ندارد اعتبار

روحل کا کلام نکات توحید ، فکر و اجتہاد ، مسائل تصوف سے متعلق ان بزرگانِ دین اور شعراء متقدمین کے نظریات سے ہم آہنگ ہے ۔ روحل کہتے ہیں :

چشمہ آبِ حیات تا را ۔ دل اندر حوض حضوری
سردی سودی پسندی عاشق پریت جنھاں دی پوری

روحل کی کافیوں اور سی حرفیوں میں عشقِ حقیقی کا بھرپور تاثر ملتا ہے :

کافی   کامل مرشد راہ بتایا   روحل و چو روح اللہ پایا
آخر ذات ملی وچ ذاتیں   ذیندا عشق اوگاھی ھے

سی حرفی :

عشق دی منزل جانیں ، عشق حقیقت عشق طریقت
عشق بنا ایھہ عمر اجائی ، عشق ہی عالم عشق ہی دولت
. . . . عشق ہی ملت
روحل قول ایوھونا فاسد ، عشق عبادت عشق سی طاعت

توحید الٰہی اور انوار الٰہی کی تصویر اپنے اشعار میں بڑی فنکاری و چابکدستی سے بنائی ہے ۔ ایک ایک شعر میں عارفانہ رنگ پوری رعنائی کے ساتھ نمایاں ہے :

Marfat.com

صفت کرو سلیمان کی ، جو آدانت مدھہ ہو
سو ایک ایک اکھنڈ ہے نہ دوجا کو

"الف" ایک الکھ ہے جوئی سب گھٹ بھیتر دیکھیا سوئی
جہاں دیکھوں تیاں نرسل نور ترب نر نتر ہے بھر پور
"ب" بادل بن برسے دھار بجلی چمکے انت اپار
بھوے امرت پریمی پورا پہنچے بتاں کوئی والا سورا

خدا شناسی کے ساتھ ساتھ خودی و خود شناسی کی تلقین شاعرانہ انداز میں قدیم شعراء کے ہاں شاذ و نادر ہی کی گئی ہے اس موضوع کو شعری پیراہن میں سجانے اور ہندی نما اردو شاعری میں سمونے کی اولیت روحل فقیر کو حاصل ہے -

اپنا روپ پہچان ، سمجھ من درسن بھی
جیسے سنکھ آجا سنکِ ڈولے ، آپ نہ چینے بھری بھولے
جانئے ہؤ آجان
کھسوری لیے میرگھ کے سا نہیں تن ٹھن ڈھونڈھے سونگے تا نہیں
ہو رہیا حیران
جن تم کو نتجے کو جانیا رتا رام سکسل گھٹ مانیا
سو سادھو پروان
تین لوک میں تمرا ۔ واسا کاھے پھرت ہؤ آدا سا
جان سکے تو جان
میری پریت صاحب سنگ لاگی روحل بھیت بھرم کی بھاگی
آتم میں غلطاں

روحل فقیر کا کلام ، ان کے بلند پاکیزہ و سنجیدہ خیالات اور دینی و روحانی کیفیات کا آئینہ دار ہے :

کاھے پھرو بنواس
شبد کی سادھو کر سمرنا بچپن کا کر پاس
پھٹو ساگر پار ترن کو جب ساسوں میں ساکن

Marfat.com

کوئی دھرت پکے ما نہیں کین کون گنگا پیاس
شنگھ بھوکا جے پھرے مول نہ کھاوے گھاس
تیرا صاحب تجھ ہی ما نہیں تم تجو اور آس
میر دئے صاحب ملے ، اچرج اچنبا ھاس
ستگر روحل ہم کون پلنا کٹی جسم کی پھاس
دن این مجھ کو رہئے تیرے چرن کی سن پیاس

Marfat.com

Marfat.com

دوسرا دور

(۱۱۹۶ھ - ۱۲۵۹ھ/۱۷۸۲ء - ۱۸۴۳ء)

عہد تالپور

مراد فقیر زنکیجنہ

اخوند قاسم ساون بالائی

سچل سرمست

شاہو فقیر

غلام علی فقیر

Marfat.com

Marfat.com

مراد فقیر زنگیجہ

(۱۱۴۲ھ - ۱۲۱۱ھ/۱۷۳۰ء - ۱۷۹۸ء)

مراد فقیر زنگیجہ کے والد محمد حیات خان، بلوچ کے زنگیجہ نامی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے - مراد فقیر، روحل فقیر کے گاؤں پدماجی بھٹ (پدما کا ٹیلہ) میں ۱۱۴۲ھ (۱۷۳۰ء) میں پیدا ہوئے - مراد فقیر کا روحل فقیر سے خاندانی تعلق تھا - مراد، روحل سے دس سال چھوٹے تھے - دونوں نے ایک ہی جگہ پرورش پائی اور تعلیم حاصل کی - روحل کے تقدس و تقوی اور علم و فضل سے بے حد متاثر تھے - ان کی صحبتوں سے فیض یاب ہوئے یہاں تک کہ ان کے ہاتھوں بیعت[1] کی اور اپنی صاحبزادی کو ان کے نکاح میں دیا - اس رشتے کے تعلق سے روحل کے دو بیٹے تھے - ایک خدا بخش خان اور دوسرے دریا خان -

جب روحل فقیر نے پدما جی بھٹ سے ہجرت کی تو مراد فقیر بھی ان کے ہمراہ کوٹلہ میں جا بسے - بعد میں روحل فقیر نے کنٹری میں بود و باش اختیار کی لیکن مراد فقیر کوٹلہ ہی میں رہے جہاں انھوں نے ۱۲۱۱ھ (۱۷۹۸ء) میں دار فانی سے کوچ کیا - ان کا مقبرہ کوٹلہ میں ہے -

مراد فقیر کا زمانہ کلہوڑہ خاندان کے زوال کا پرآشوب زمانہ تھا - انھوں نے تالپوروں کے اقتدار کا سورج طلوع ہوتے بھی دیکھا - کلہوڑوں کے آخری فرمانروا میاں عبدالغنی نے تیمور شاہ والی افغانستان کی مدد طلب کی - ۱۱۹۵ھ (۱۷۸۱ء) میں سردار مدد خان افغان نے سندھ پر چڑھائی کی - قتل و غارت، آتش زنی جیسی بربریت و جارحیت سے سندھ کو تاخت و تاراج کیا - اس سانحہ سے مراد فقیر کے دل میں کلہوڑوں کے لیے نفرت اور تالپوروں کے لیے محبت کا جذبہ پیدا ہوا انھوں نے اس الم انگیز واقعہ سے

---

۱ - تذکرہ لطفی، حصہ دوم، ص ۳۵۷ -

Marfat.com

متعلق اپنے تاثرات کو شعر کے قالب میں ڈھال دیا ۔ ایک شعر میں ظالم مدد خان کو سندھ سے مار کر نکال باہر کرنے کی تلقین کرتے ہیں :

مارو مرد کوں دور کرو   چھوڑ ونجے یہودی یزید میاں

تالپوروں کی فتح و کامرانی پر مراد فقیر بہت خوش ہوئے اور اپنے شعروں میں ان کو دعاؤں سے یاد کیا ۔ حاکم خیر پور میر سہراب خان تالپور نے مراد کی بڑی قدر و منزلت کی ۔

مراد فقیر کی مادری زبان سرائیکی تھی ۔ سندھی ، فارسی ، مارواڑی اور ہندی زبانوں میں کامل قدرت رکھتے تھے ۔ سرائیکی کے ممتاز شاعر تھے ۔ سندھی کے دوھے[1] بہت بلند پایہ ہیں ، ان کے دوھوں میں فلسفہ خودی کی گونج ہے ، ان کی بدولت سندھی ادب میں دوھوں کو عروج حاصل ہوا ۔ فارسی میں بھی شعر کہتے تھے ۔ بقول ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ — "مارواڑی اور سندھی آمیز ہندی میں دوھرہ گیت اور بھجن کہے ہیں ۔ روحل اور مراد کے اشعار جو ہندی کے بحور و اوزان میں ہندی ہی کے اصناف سخن پر مشتمل ہیں ۔ اردو کے ابتدائی ارتقائی دور یعنی دور ہندی کا ایک مثالی نمونہ ہیں ۔"[2]

فارسی میں فرید الدین عطار کے کلام سے بطور خاص استفادہ کیا ۔ ان کے اتباع میں فارسی اشعار کہے ہیں ۔ مراد فقیر نے روحل فقیر کی طرح اپنے کلام میں صوفی شاہ عنایت شہید کی تعلیمات اور شاہ عبداللطیف بھٹائی کے افکار و نظریات کی تبلیغ و اشاعت کی ہے[3] ۔ ان کے کلام میں عشق کی داخلی کیفیت ، درد ، فکر ، فقہ ، نفی ، اثبات اور ہمہ اوست کے نظریات ملتے ہیں ۔ شعر میں معنویت ، مطلوب و مقصود کی جستجو اور وحدت کی روح پنہاں ہے ۔ ان اشعار سے مراد کے عقائد و خیالات بہت واضح ہیں :

قدر خود را (مگر) نمی دانی   ذات قدسی کمال انسانی
خود پرستی مکن کہ خود بینی   کار کفر است در مسلمانی

---

۱ ۔ سندھی ادب ، ص ۶۵ ۔
۲ ۔ سندھ میں اردو شاعری ، ص ۳۴ ۔
۳ ۔ کنڈری وارن جو کلام ، ص ۲۸ ۔

Marfat.com

اھرمن نفس را مقید کن　　کہ توئی آیت سلیمانی
عیب خود را اگر شناس شوی　　خود بخود دم زنی "زمن رانی"
از خضر آب زندگی مطلب　　کہ تو سرچشمہ آب حیوانی
کنج عزلت گزین کہ خواھی یافت　　در گدائی مراد سلطانی

مراد فقیر کا کچھ کلام "کنڈری وارن جو کلام" میں محفوظ ہوگیا ہے ۔ اس مجموعے کے ۱۶۹ سے ۱۷۳ تک کے صفحات سرائیکی کلام پر محیط ہیں ۔ جن میں دوھڑا ، سی حرفی اور کافیاں شامل ہیں ۔ مراد فقیر نے سرائیکی اور ہندی میں روحل فقیر کا بہت کامیاب تتبع کیا ہے نمونہ کلام یہ ہے :

کافی

قادر اندر قلوب گزارے　　زھندار دلدے تخت هزارے
روح اتا رنگ یار پیارے　　ھر دم ویکھیں تے سکھ پائیں

مراد اندر وچ دلبر ویرا　　گھر فقیر دے کر وچ کھیرا
دنیا ہے یہ رین بسیرا　　مکھڑا کول تے باجمون آنائیں

شبد

سکھی ری چلو پیا کے دوار

پریم کو بادل رین اس برسے ، رم جھم امرت دھار
گگن منڈال انحد گرجے ، ڈھ ڈس میگھہ ملار
نرمل نیز نام سوں بسجے ، من کو میل اتار
چت من جتیں بجلی چمکے ، پرگھٹ جوت اپار
بیونت سانت بوند سکھ ابجے ، تجیئے تسکل و کار
چوں کنول کی سیوا کریئے ، مانگوں دان دیدار
کہت مراد یہ مکت کور ماگ ، لیوتنت سار

دوہڑے

سکھ تیرے سر بھار ہے چنتا کرو مت کاہ
جو تم پوچھو چاہ سوں سو سبھ دیوں بتا

Marfat.com

نا کوئی جیئے نہ کوئی مرے جوتی جوت سماء
جیسے جل ترنگ پھرے ھیرا جل مل جاء

کہو پربھو ہم کون ہوں کہ آیو سنسار
چورا سی مکھ جات کم جو لیوت ہے اوتار

پھند سوئے

پربت کی ریت ، ابھے میرے میت ، جیسے من جیت کے پنچھا مارے
آئی تب جیت ، پوری پرتیت ، سئے سبھ دویت ، جو وست وچارے
بھیو نردوکھ ، نہ ہر کہہ نہ سوکھ ، نہ بندہ نہ موکھ ، نہی گھٹ دھارے
جس سادہ سادھ مراد آئی تس ہوں مل ہوں ہل ہوں بلہارے

Marfat.com

آخوند قاسم ساونی ہالائی

(۱۱۳۵ - ۱۲۱۵ھ)

حضرت مخدوم نوح رحمۃ اللہ علیہ کی سرزمین ہالا قدیم (ضلع حیدر آباد) میں آخوند ساونی[1] خاندان علم و ادب، سلوک و صفا، شعر و سخن اور عربی و فارسی کی تعلیم و تدریس کی وجہ سے خاص شہرت کی حامل رہی ہے۔ اس خاندان میں بڑے بڑے علماء و فضلاء، شعراء و ادباء، حافظ و قاری اور عالم و دانشور گزرے ہیں۔ محمد قاسم نام کے دو شخص اسی سربرآوردہ خاندان کے سپوت تھے، ایک آخوند محمد قاسم[2] بن نعمت اللہ قریشی۔ دوسرے آخوند محمد قاسم بن آخوند محمود ساونی ثانی الذکر نے اپنی ایک فارسی غزل کے ایک شعر میں اپنے نام و تخلص کے ساتھ ولدیت یوں لکھی ہے:

مرید تست قاسم ابن محمود　　　دلش را بخش آرام اے دلارام

(قاسم نامہ، قلمی نسخہ)

آخوند محمد قاسم ساونی ہالائی کے والد محترم آخوند محمود ہالائی اپنے وقت کے عالم دین، ماہر تعلیم اور صاحب سلوک بزرگ تھے۔ عربی، فارسی و سندھی کے درس و تدریس کے میدان میں امتیازی حیثیت کے مالک تھے۔ وہ نصرپور میں معلم تھے۔ درس و تدریس کے فرائض آخری عمر تک انجام دیتے رہے۔ ۱۱۷۲ھ میں نصرپور میں انتقال کیا اور وہیں مدفون[3] ہیں۔

۱۔ مقالہ "ہالا پرانا کا علم و ادب" از قاضی محمد اعظم، مطبوعہ الرحیم (سندھی) مئی، جون ۱۹۷۵ع، ص ۵۔

۲۔ آخوند محمد قاسم ساونی ہالائی بن نعمت اللہ قریشی (۱۲۲۱ھ مطابق ۱۸۰۶ء - ۱۲۹۸ھ مطابق ۱۸۸۱ء) جید عالم، صاحب فیض اور

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

Marfat.com

آخوند محمد قاسم کی صحیح تاریخ ولادت معلوم نہ ہو سکی - سندھ میں اردو شاعری (ص ۶۷) میں ۱۱۴۵ھ ؟ درج ہے اور یہ سن ہنوز تحقیق طلب ہے -

آخوند قاسم کی ابتدائی زندگی نصرپور میں گزری جہاں ان کے والد مکرم مدرس تھے - انھی کی نگرانی میں عربی ، فارسی ، سندھی کی تعلیم حاصل کی - والد کی رحلت کے بعد قاسم نے بھی پیشہ مدرسی اختیار کیا - ان کا پہلا تقرر ان کے والد مرحوم کے عہدے پر ہوا - بعد میں ٹنڈوجام خان میں اقامت اختیار کی - وہاں میر جام خان کے صاحبزادے میر بیدی خان کے اتالیق رہے - درس و تدریس کے ساتھ ساتھ خدمت علم و ادب اور شعر و سخن بھی ان کا مشغلہ حیات تھا - صوفیوں کی صحبتوں میں رہے اور صدق و صفا کی راہ میں زندگی وار دی -

۱۲۱۵ھ میں ہالا میں فوت ہوئے - ان کا مقبرہ منورہ ہالا میں واقع ہے[1] - آخوند قاسم ایک برگزیدہ معلم ہی نہ تھے وہ یکتائے عصر عالم دین اور شاعر عالی وقار بھی تھے - ان کا تخلص قاسم تھا - سندھی ، فارسی اور اردو میں شاعری کرتے تھے - ہر زبان کی نگارشات پر ان کی قادرالکلامی و شگفتہ بیانی کے نقوش ثبت ہیں - فارسی میں ان کا دیوان "دیوان قاسم" کے نام سے موجود ہے اور نوادرات میں سے ہے - دیوان قاسم کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ تالپور حیدر آباد کے ذخائر میں محفوظ ہے - اس نسخے کی آخری عبارت یہ ہے :

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

سندھی کے صاحب دیوان شاعر تھے - فارسی میں بھی بہت معیاری شعر کہتے تھے - دیوان قاسم (سندھی) مرزا قلیچ بیگ کے مقدمہ کے ساتھ شائع ہو چکا ہے - جریدہ "مفرح القلوب" کے اکثر شمارے ان کے فارسی کلام سے مزین ہیں - (مزید حالات و کلام کے لیے ملاحظہ ہو تذکرہ لطفی ، ص ۳۲۹ تا ۳۳۶ - حاشیہ تکملہ مقالات الشعراء ، ص ۳۶۶ تا ۳۷۵) -

۳ - الرحیم مشاہیر نمبر ، ۱۹۶۷ء ، ص ۹۳ -

۱ - "ہالا پرانا کا علم و ادب" ، ص ۶ -

Marfat.com

"بتاریخ ششم شہر رجب المرجب ۱۲۱۲ھ روز یکشنبہ کاتب الحروف فقیر حقیر پر تقصیر محمد تقی غفراللہ الہا و ذنوبہما ۔"

دیوان کے مندرجات حسب ذیل عنوانات کے تحت ہیں :

"مدح ایک در صفت مخدوم نور ہالا کندی ایک مدح پسر خود میاں محمد حیات ایک غزل فارسی ۔ ۸۷ غزل اردو کی تعداد ۸'۔

دیوان قاسم کا ایک اور نسخہ خطی صوبراج خانی کے ذخیرہ کتب میں موجود تھا ۔ اس کی تاریخ کتابت ۹ شوال ۱۲۳۰ھ ہے[۲] ۔

قاسم کے مجموعہ کلام کا ایک قلمی نسخہ موسوم بہ قاسم نامہ ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ کی ملکیت ہے ۔ قاسم نامہ کا آغاز فارسی غزل کے اس مطلع سے ہوتا ہے :

آید خیال خال تو در قلب لالہ را
چشم تو داد سر بیابان غزالہ را

قاسم ساوَنی ہالائی فارسی اور اردو کے بلند پایہ شاعر تھے ۔ فارسی شعراء میں حافظ اور سعدی سے بے حد عقیدت رکھتے تھے ۔ ان اساتذہ عجم کے کلام کا خصوصیت کے ساتھ مطالعہ کیا ۔ انھی کے تتبع میں غزلیں کہیں ۔ حافظ و سعدی کی شان میں تحسین آمیز اشعار بھی کہے ۔ مثلاً :

بہر خدا چشانم ساقی مئے حقیقت
گاہے ز جام حافظ گاہے ز جام سعدی
قاسم تمام گیرد ہر روز فیض معنی
گہ از کلام حافظ گہ از کلام سعدی

دیوان قاسم اور قاسم نامہ میں اردو غزلیں بھی شامل ہیں ۔ کلام قاسم کے مطالعے سے اس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ نہ صرف نصرپور اور ہالا بلکہ سندھ کے مختلف علاقوں میں اردو زبان اور شعر و ادب کا ذوق پایا

---

۱ ۔ مہران جو سوجوں ، ص ۴۵ ۔
۲ ۔ حاشیہ تکملہ مقالات الشعراء ، ص ۴۸۰ ۔

Marfat.com

جاتا تھا ۔ ان کے اشعار سے اس بات کا بھی سراغ ملتا ہے کہ اس دور کے اساتذہ کا کلام بھی قاسم کی نظروں سے گزرا ہو گا ۔ انھوں نے اپنی اردو شاعری میں ان تمام قواعد و ضوابط کو ملحوظ رکھا ہے جو ان کے ہم‌عصر شعراء کے پیش نظر تھے ۔ دکنی زبان اور طبقہ متوسطین کے شعراء اردو کی تمام خصوصیات سے ان کے اشعار مملو ہیں ۔ ان کی بعض غزلوں میں ولی دکنی کے زبان و بیان کی چھاپ ہے ۔ یہ اس بات کی غمازی ہے کہ وہ ولی سے متاثر تھے ۔ حقیقت یہ ہے کہ قاسم نے واقعی ولی کی پیروی کی ہے ۔ ایک مقطے سے اس بات کی شہادت بھی ملتی ہے :

اے آشنا کرم سوں ایک بار آ درس دے
مشتاق ہے تمہارا قاسم ولی کے مانند

اس زمانے کے رواج کے مطابق سوں ، کوں ، تمہارے ، تجکوں ، مورے ، ہووے جن ، آوے ، ساں وغیرہ جیسے الفاظ کثرت سے استعمال ہوئے ہیں :

جب ہووے میرا سریجن بے حجاب
ذرہ‌ساں گردش میں آوے آفتاب
مستی مدہ سیتی اس کوں کام کیا
جن نے پیا ہے پیو کی انکھیاں سوں شراب
آج مل جاوے گا تیرے تئیں صنم
قاسما بیجا ہے اتنا اضطراب
بزم میری سوں جب نگار گیا
تب مورے جیو کا قرار گیا
قاسما اب تری دعا سوں رقیب
پیو کی مجلس سوں بے‌وقار گیا

اداسی ہوں سدا ہم نے پیا درسن تمارے کا
خدا کے واسطے آ کر دکھا دیدار ہر ساعت

خدا کے واسطے مجھ کو منع نہ کر قاسم
کہ دل ضعیف کوں دیتا ہے خوش قرار قدح

Marfat.com

ہندی کے الفاظ مثلاً سریجن ، مکھہ جگت ، نین ، سجن ، جیون بھی ان کے اشعار میں ملتے ہیں :

میرے دل کھس گیا وہ دلربا شوخ
پکرتا ہے جیون خس کون کہربا شوخ
(کھس گیا = چھین کر لے گیا)
جگت کے خوبرو یاں میں ہمن نے
نہیں دیکھا کہیں تجھ سا پیا شوخ
نگہ کر مہربانی کی نین سوں
پیا قاسم سیتی مت ہو سدا شوخ

عشاق پاس رات نہ آناں عبث عبث
مکھ مجھ سوں اے نگار چھپاناں عبث عبث
عشاق بن مخالف کون اے سجن سمجھ
حسن و جمال اپنا دکھاناں عبث عبث

فارسی الفاظ و تراکیب اور تشبیہات کے ساتھ اس قسم کے خوبصورت اشعار بھی کہے ہیں :

جھلکار مکھ ترے کا ہے بجلی کے مانند
برسات مجھ انکھیاں کی ہے بادلی کے مانند
نیناں تری ہیں نرگس دو گال گل کھلے ہیں
ہے دہن تنگ تیرا ایکل کلی کی مانند
پہنا ہے آج شاید پیو صندلی قبا کوں
رنگ جہاں ہوا ہے سبھ صندلی کے مانند
نین نرگس ، دہن غنچہ کیا ہے زلف ہے سنبل
ہوا ہے اشک گلشن کے ترا رخسار ہر ساعت
گلشن جمال کے اوپر سجن تو ہے سورج
ہوا سنیر تیرے مکھ سیتی چندا کا راج

اب ذیل میں چند ایسے اشعار پیش کیے جاتے ہیں جو صاف اور سادہ ہیں اور خیال و معنی سے لبریز :

Marfat.com

مجھے حوالہ کیا یار گلعذار قدح
ہزار جان گرامی کروں نثار قدح
خبر نہیں ہے دو جگ کی مرے تئیں ہرگز
کہ بے حساب دیا ہے مجھے خمار قدح
خدا کے واسطے مجھ کو منع نہ کر قاسم
کہ دل ضعیف کوں دیتا ہے خوش قرار قدح
جگت سوں بیکل تجھ عشق میں جو ہے قاسم
وہ ڈھونڈھ ڈھونڈھ ترے در اوپر پھرا ہے آج
طالب نہیں جو کوئی اسی پاس دم بدم
اے جان جاں توں تو ہے جاناں عبث عبث
اپنے حضور بار دے مشتاق کوں کبھی
اتنا ارے نگار ستاناں عبث عبث
ہر لحظہ اے نگار نگہ کے شراب سوں
اغیار کوں پیالہ پلاناں عبث عبث
جو درد عشق سوں نہیں آگاہ قاسما
احوال اپنا اس کوں سناناں عبث عبث
پھر میرے پاس وہ سجن آیا
شکر للہ کہ انتظار گیا
جن ترے ہاتھ سوں پیالہ پیا
اس کے سر سوں سبھی خمار گیا

Marfat.com

سچل سرمست

(۱۱۵۲ء - ۱۲۴۲ء/۱۷۳۹ء - ۱۸۲۷ء)

سندھ کے عظیم وجودی درویش اور ہفت زبان شاعر عبدالوہاب فاروق سچل سرمست کے والد ماجد کا نام میاں صلاح الدین فاروق بن میاں محمد حافظ عرف صاحبڈنہ فاروقی[1] تھا جن کا سلسلۂ نسب حضرت عمر فاروق سے جا ملتا ہے۔ سچل کے جد امجد مجاہد اسلام فاتح اعظم محمد بن قاسم کے ہمراہ حجاز سے سندھ میں آئے۔ پہلے سیوستان (موجودہ سیوہن شریف) میں سکونت اختیار کی پھر قریہ درازہ ریاست خیر پور میں رس بس گئے۔ درازہ کا یہ فاروق خاندان[2] علم و دانش تصوف و عرفان کے اعتبار سے پورے سندھ میں ممتاز رہا ہے۔ سچل کے اسلاف طریقت میں سلسلۂ قادریہ سے منسلک تھے۔[3] خواجہ پیر میاں عبدالحق خاکی اپنی ایک منقبت کا آغاز اس

---

۱ - سچل کے دادا حضرت صاحبڈنہ (۱۱۰۱ - ۱۱۹۲ھ) درگاہ درازہ کے بانی، اپنے وقت کے بے نظیر عالم دین اور باکمال سالک و شاعر گزرے ہیں۔ سچل نے اپنے جد اعلیٰ خواجہ عبیداللہ گیلانی اور دادا محمد حافظ عرف صاحبڈنہ کے حوالے سے اپنی اعلیٰ نسبی کا یوں ذکر کیا ہے:

دادا محمد حافظ تھیں دا وچ درازین ڈیرا
دست تھیں دے اصلون آھا مقصد سارا میرا
شاہ عبیداللہ اسانڈا خواجہ پیران پیران
آل نبی اولاد علی ہی حضرت میران میران

۲ - سچل کا حسب نسب مقدمہ منصور ثانی سچل سرمست مرتبہ پروفیسر عطا محمد حامی ص ۵، ۶ - سچل سرمست جو خاندان از محمد یعقوب چانگ نئی زندگی جون ۱۹۵۲ء -

۳ - ملاحظہ ہو مقدمہ دیوان آشکار مرتبہ مخدوم امیر احمد (نسخہ فارسی)

Marfat.com

مطلع سے کرتے ہیں جس میں خدا اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت غوث الاعظم کا ذکر فرماتے ہیں :

پھر خدا و مصطفیٰ یا غوث رب العالمین
دل کی کریں سید صفا یا غوث رب العالمین

منصور ثانی سچل سرمست وادی مہران میں ضلع خیر پور کے ایک گاؤں درازہ میں ۱۷۳۹ء مطابق ۱۱۵۲ ھجری میں پیدا ہوئے۔ ان کا اصل نام عبدالوہاب فاروقی تھا۔ سچل سرمست کے نام سے شہرت دوام ملی۔ ان کے بزرگ انھیں پیار سے ''سچے ڈنہ''[1] (سندھ میں اس شخص کو کہتے ہیں جو بلاخوف و خطر حق گوئی کو اوصاف انسانی میں بڑا جوہر سمجھتا ہو) بچپن سے نیکی اور سچائی ان کا شعار تھی اس لیے لوگ انھیں سچل اور سچو بھی کہتے ہیں۔

سچل سرمست عربی ، فارسی ، سندھی ، سرائیکی (ملتانی) ، پنجابی ، ہندی اور اردو میں شعر کہتے تھے۔ بقول پروفیسر محبوب علی چنہ ''ان کے اشعار آبدار کی تعداد سندھ کے تمام شعراء کے کلام سے زیادہ ہے۔''[2] فارسی میں آشکار اور فدائی ، اردو ، سندھی اور دیگر زبانوں میں سچل ، سچل ڈنہ ، سچو تخلص کرتے تھے۔

حافظ سچل سرمست کی ابتدائی تعلیم حافظ عبداللہ قریشی کے آغوش فیض میں ہوئی۔ کم سنی میں قرآن مجید حفظ کیا اور علوم دین سے بہرہ ور ہوئے۔ جب چھ سال کی عمر میں ان کے پدر بزرگوار کا سایہ شفقت ان کے سر سے اٹھ گیا تو ان کے چچا خواجہ میاں عبدالحق فاروقی نے اپنے زیر عاطفت ان کی تعلیم کے فرائض انجام دیے۔ سچل ان کی نگرانی میں نہ صرف فارسی و عربی تعلیم سے آراستہ ہوئے بلکہ علم تصوف و معرفت اور علم باطنی کے اسرار و رموز سے واقف ہوئے۔ حضرت خواجہ میاں عبدالحق

---

۱ - الرحیم مشاہیر نمبر مرتبہ مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی ، ص ۱۶۵ ، ۱۹۶۷ء -

۲ - سندھی ادب کے مختلف رجحانات ، ص ۱۰ -

Marfat.com

فاروق المتخلص بہ خاکی ایک جید عالم دین، صوفی منش بزرگ ، سندھی و فارسی کے خوش ذکر شاعر تھے ۔ سچل ان کی علمی شخصیت اور دینی عظمت سے خاص طور پر متاثر و مستفیض ہوئے ۔ ان کے ہاتھ پر بیعت کی جس کا اعتراف انھوں نے اپنے اکثر اشعار میں اس طرح کیا ہے :

گر بگوئی میشوم واقف از آن اسرار راز
بس تو کن با صدق دل روئے بہ سو شہر دراز
ہست آنجا پیر عبدالحق عارف اولیاء
می کند آن سر وحدتش مسکین نواز .

شان و شوکت پیر ما بالاتر است　　ہمچو او کس نیست در عالم علا
آشکارا خاک پائے پیر باش　　تا شوی از دولت حق بادشاہ

سچل سرمست نے ۱۴ رمضان المبارک ۱۲۴۲ ھجری ۱۱ اپریل (۱۸۲۷ء)[1] میں رحلت فرمائی ۔ درازہ کا وہ مقام جو کبھی سچل سائیں کا مولد و مسکن تھا وفات کے بعد معرفت و روحانیت کا مرکز بن گیا ۔ آج ان کا روضہ مقدس مرجع خاص و عام ہے ۔ حضرت فقیر بیدل نے ان کی وفات حسرت آیات سے متعلق ایک سندھی میں اور دو فارسی میں قطعات تاریخ کہے :

چوں سالک سچو زین طلسم مجاز　　سوئے آشیاں رفت چوں شہباز
زہے صاحب وقت ، منصور وقت　　کہ بے مثل بودہ بہ شعر گداز
دلم جست سال وصالش ز جاں　　بگفتہ کہ دریائے زخار راز

مندرجہ ذیل قطعہ تاریخ سچل کے لوح مزار پرانوار پر کندہ ہے :

در بیابان ازل ترکیب شد مخروج عشق
کو ز دریائے محبت کرد بیروں موج عشق

---

۱ ـ مختصر سوانح حیات سچل سرمست تحریر قاضی علی اکبر درازی یکم جنوری ۱۹۷۳ء مطبوعہ دیوان آشکار مع جلد اول اردو ترجمہ (قاضی درازی) مطبوعہ محکمہ اوقاف سندھ حیدر آباد نومبر ۱۹۸۱ء ۔

Marfat.com

از خدا بودی صدیق و پیش احمد شد سچو
از علی صادق یقین و پیشوا مخروج عشق
سال او را بنشیٔ بر لوح تقدیر این نوشت
بود بر برج ہوا و آفتاب اوج عشق

سچل سرمست نے سندھ میں دو حکومتوں کے عہد عروج و زوال دیکھے - کلہوڑہ حکومت کا انجام اور دور تالپور کا آغاز - ایران تالپور سچل کی صوفیانہ زندگی ، بے مثل اخلاق و کردار اور عالمانہ و شاعرانہ عظمت کے بے حد قائل تھے - میر رستم خان بن سہراب خان حاکم خیرپور بھی ان کا بہت معتقد تھا - یہاں تک کہ اس نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی[1] - اس خاندان کے ایک رئیس میر علی صفدر خان تالپور نے سچل کا پہلا فارسی مجموعہ کلام ''دیوان آشکار'' پورے اہتمام سے شائع کرایا تھا -[2]

سچل کو شاہ قلندر سے بے حد عقیدت تھی - شاہ قلندر نے ان کی زندگی میں توحید و رسالت کے عشق کا رس گھول دیا تھا - انھوں نے لال شہباز قلندر سے بے انتہا شیفتگی و ارادت کا ذکر اپنے اشعار میں یوں کیا ہے :

قلندر جوگی کیسے بین بجائے
تو شاہ بے نیازی دم زن ''انی انا اللہ'' شہباز پاک بازی دم زن ''انی انا اللہ''

وحدت کا اُڑ کے آیا شہباز دل پہ میرے
اب مٹ چکے ہیں سارے آداب شکرُ للہ

سچل کا زمانہ کئی اعتبار سے بڑا مبارک اور اہم زمانہ تھا - شاہ عبداللطیف بھٹائی بقید حیات تھے - جب شاہ لطیف نے وفات پائی تو سچل کی عمر تیرہ برس تھی - یہ وہ دور تھا جب فضائے سندھ شاہ صاحب جیسی

---

۱ - ''تعلقات بہ حکام وقت''، مقدمہ دیوان آشکار ، مرتبہ مخدوم امیر احمد -
۲ - مضمون سچل سائیں کے ادبی تبرکات ، از قاضی علی مردان درازی ، مطبوعہ نئی زندگی جون ۱۹۵۲ء -

Marfat.com

عظیم المرتبت ہستی کے روحانی ، علمی و ادبی فیوض سے معمور تھی ہر سو شاہ لطیف کی حیات آفریں ، معرفت انگیز صداؤں سے قلوب انسانی مسرور و منور ہو رہے تھے ۔ ایسے مبارک و متبرک زمانے میں سچل کا آغوش حیات میں آنکھیں کھولنا یقیناً فال نیک ثابت ہوا ۔ ان کے کانوں میں اللہ اکبر کی آوازیں گونجیں ۔ ہوش سنبھالا تو قرآن حکیم اور حدیث نبوی کے علاوہ صحیفہ لطیف کے گہوارہ تعلیمات و پیغامات میں اپنی فکر و دانش کی تہذیب و تدوین کی اور پاکیزہ زندگی کو اپنایا ۔ روح کی پاکیزگی ، دل کی صفائی ، قلب کی وسعت و بلندی نے سچل کی تعلیمات کو اُجاگر و پائیدار کیا ۔ ان کے افکار جمیل پر شاہ صاحب کا پرتو جا بجا ملتا ہے ۔

سچل صوفی منش تھے ۔ فلسفہ تصوف کو محض ایک نظریے کے طور پر نہیں بلکہ جزو زندگی بنا کر اپنایا تھا ۔ یہ اجزائے ترکیبی کل میں سمو کر تخلیق کا روپ دھار گئے اور تخلیق کا راز بتلا گئے ۔ جس ماحول میں سچل نے پرورش پائی ، تعلیم و تربیت سے آراستہ ہوئے وہ خالص دینی اور مذہبی ماحول تھا ۔ شاہ عبداللطیف[1] اور لعل شہباز قلندر[2] کی تعلیمات نے ان کے دل و دماغ پر گہرا اثر کیا تھا ۔ وہ ان بزرگوں کے پیغامات سے خاص طور پر متاثر ہوئے ۔ تلاش حق اور راہ حق کے فلسفے کو شاہ صاحب نے اپنے رسالوں میں بڑی وضاحت و صراحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے ۔[3] شاہ صاحب کی یہ آواز سچل کے قلب و دماغ میں رس بس گئی ۔ شاہ صاحب کے زمانے کے عوامل و کوائف اور گرد و پیش کے تقاضوں نے سچل کے فکر و فن پر فطری اثر ڈالا ۔ سچل نے ارشادات لطیف پر عمل کیا ۔ ان کے تمثیلی کلام کا تتبع کیا ۔[4] جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ مختلف راہوں سے گزر کر اپنے لیے ایک نئی راہ متعین کی ۔

---

۱ ۔ ملاحظہ ہو ''شاہ کا رسالہ'' ۔

۲ ۔ ملاحظہ ہو تذکرہ شہباز مؤلفہ ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی (نسخہ سندھی) ۔

۳ ۔ گزشتہ صفحات میں راقم نے شاہ لطیف کے تذکرے میں اس موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے ۔

۴ ۔ مقدمہ از حکیم محمد صادق رامپوری سچل جو سرائیکی نام ، ص ۳۱ ۔

Marfat.com

شاہ لطیف کی طرح سچل نے بھی جا بجا اس انداز میں حق کا پیغام دیا ہے ۔ ''سوتوا قبل ان تموتوا'' ۔ میں جو درس حق دیا گیا ہے اس کی ترجمانی سچل نے اپنے اشعار میں یوں کی ہے :

''سو توا'' میں ہے بشارت کس عشق کی اشارت
مرنے میں ہے صفائی پاؤ گے تم حیاتی
ہوں جانتا بقا میں ، اس حسن پہ انتہا میں
حق کی قسم تو حق ہے بن جا تو ذات ذاتی
اس شمع پر پتنگے آتے ہیں کیا اچھل کر
ترسیں گے وہ نہ ہرگز جن کو ملے حیاتی
منصور کا یہ قصہ معراج ہے سراسر
سولی یہ دیکھ لے تو اثبات میں ثباتی
سمجھا سچل نے بیشک مجھ میں ہے حق سمایا
جب سے ہے دل لگایا دوئی رہی ہے جاتی

سچل کے اسلامی تصوف کے فلسفے میں اناالحق ، وحدت الجود ، ہمہ اوست ، نفی اثبات ، فنا ، بقا ، موت و زیست ، حق و باطل ، ظاہر و باطن ، خیر و شر ، ذکر و فکر ، حال و قال کے تمام پہلو نظر آئیں گے ۔ سچل نے ان تمام نکات کو شعری آئینے میں جا کر انسانی ذہنوں کو حقیقت پسندی ، حق شناسی و حق گوئی سے سرشار و ہمکنار کر دیا ہے :

منصور ہو یا سرمد ہو یا شمس الحق تبریز ہوا
اس تیری گلی میں اے دلبر ہر اک کا سر قربان ہوا
اگر اثبات کو سمجھا نہ ہرگز تو گدا ہو گا
گدا گر تو نہیں ہرگز یقیناً خود خدا ہو گا
فنا کی بات باطل ہے اگر تو ہم سے سچ پوچھے
خدا ہے تو بقا اللہ نہ ہرگز تو فنا ہو گا
نہ جلوہ گر ہے ہر دونوں جہاں میں نے کوئی جلوہ
تری جائے نظر ہے تو نظر سے خود لٹا ہو گا
زمین پر کیا فلک پر کیا وگر کیا عرش و کرسی پر
دروں بیروں ہمہ چرچا توکلی جا بجا ہو گا

Marfat.com

"ہو الاول ہو لآخر ہوالظاہر ہوا لباطن"
یہاں بھی وہ وہاں بھی وہ ، سچل پھر تو کجا ہو گا

دوئی کا دین باطل ہے نکل باہر تو مذہب سے
یہ وحدت کا ہے حکم اب وار چپکے سے چلاؤں گا
"وبی یسمع و بی یبصر" نشانی حق کی یہ پائی
"وبی ینطق" کو پہچانا تو سب باتیں بتاؤں گا
بتایا مجھ کو مرشد نے نہیں تم غیر حق ہرگز
"ولا موجود الا ہو" یہ نقارہ بجاؤں گا
"ہو الظاہر ہوالباطن" وہ حق موجود دو جگ میں
کہا سولی پہ جو منصور نے میں وہ کہاؤں گا
سچل تو سر معنٰی ہے جو کچھ دیکھا وہی پایا
دل و جان عشق کی اس آگ میں یارو جلاؤں گا

سچل سرمست کی شاعری کا بیشتر حصہ سندھی ، سرائیکی اور ملتانی زبانوں پر مشتمل ہے ۔ مرغ نامو ، وحدت نامو ، قتل نامو ، سندھی مرثیہ اور سچل جو رسالو ، سچل جو کلام عرف عاشقی الہام مرتبہ سرگواسی مانو فقیر مطبوعہ ۱۹۵۲ء سچل کی سندھی شعری تصانیف ہیں ۔ "سچل جو رسالو" مرتبہ مرزا علی قلی بیگ برادر مرزا قلیج بیگ مطبوعہ الیکٹرک ابوالعلائی پریس آگرہ میں ایک سو پچاس ڈوہیڑوں کے علاوہ غزلیں اور کافیاں ہیں ۔ "کافی" وہ صنف ہے جسے "وائی" کے نام سے شاہ لطیف نے ایک نیا روپ دیا اور سچل نے اسے انتہائی عروج تک پہنچایا[۱] ۔ سندھی اردو کے ممتاز شاعر شیخ ایاز کی رائے میں "سچل کے جدید سندھی گیت اور کافی نے شاعری میں بڑی دلکشی کے ساتھ ایک نئی روح پھونک دی ہے ۔ ان کی کافیوں میں گداز اور شیرینی ہے ۔"[۲]

---

۱ ۔ سندھی ادب کے مختلف رجحانات ، ص ۱۰ ۔
۲ ۔ ۱۴ جون ۱۹۵۴ء میں سکھر میں سچل سرمست کی برسی کے موقع پر جناب شیخ ایاز کی صدارتی تقریر بعنوان "سچل سرمست کی عظمت" (سندھی) مطبوعہ نئی زندگی ، مئی ۱۹۵۵ء سے اقتباس ۔

Marfat.com

سچل فارسی گوئی میں ید طولی رکھتے تھے اس زبان میں بھی بڑی مہارت اور روانی کے ساتھ شعر کہتے تھے ۔ متعدد تصانیف ان کی غیرفانی یادگار میں سے ہیں ۔ ''دیوانِ آشکار'' میں فارسی غزلیں اور کافیاں ہیں اس کے متعدد ایڈیشن مختلف اداروں نے شائع کیے ہیں ۔ ایک نسخہ مخدوم امیر احمد مرحوم نے اپنے مقدمہ کے ساتھ مرتب فرمایا تھا جسے سچل ادبی اکیڈیمی لاہور نے شائع کیا ہے ۔[1] علاوہ ازیں مثنوی معنوی رومی اور فرید الدین عطار کی منطق الطیر کے طرز پر حسب ذیل مثنویاں سچل کی اہم شعری تخلیقات ہیں ۔

رہبر نامہ ، سوز نامہ ، وصلت نامہ ، تار نامہ ، عشق نامہ ، ساقی نامہ ، گداز نامہ اور راز نامہ ۔

سچل جو سرائیکی کلام[3] مرتبہ مولانا محمد صادق رامپوری مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ ١٩٥٩ء کا پہلا حصہ سرائیکی ڈوہیڑوں ، سی حرفیوں اور کافیوں پر محیط ہے ، سارا کلام مختلف سروں میں دعا ، نعت ، حسن و عشق ، ہیر رانجھا ، تصوف وغیرہ جیسے موضوعات کا احاطہ کرتا ہے ۔

دوسرا حصہ پچاس اردو غزلیات کا دلکش و دلگداز مرقع ہے ۔ ان کا یہ اردو کلام کہیں میر تقی میر اور کہیں خواجہ میر درد کے رنگ میں ڈوبا ہوا ہے ۔ جہاں تک سندھی و سرائیکی شاعری کا تعلق ہے وہ تو شاہ لطیف کا کوئی دوسرا روپ ہے لیکن اردو کلام خواجہ میر درد سے ہم آہنگ ہے ، زبان و بیان کے اعتبار سے سچل میر درد سے قریب ہیں ان

---

١ ۔ دیوان آشکار کے اس نسخے کی ایک جلد راقم کے نجی کتب خانے میں محفوظ ہے ۔

٢ ۔ پروفیسر عطا محمد حامی نے آخری پانچ مثنویوں کے سندھی میں ترجمے کیے ہیں اور وہ تراجم ان کی کتاب ''منصور ثانی سچل سرمست'' میں شامل ہیں ۔

٣ ۔ اس مجموعہ کلام کا ایک نسخہ راقم کی ذاتی لائبریری میں موجود ہے ۔

Marfat.com

کا اسلوب و طرز ادا وہی ہے جو درد کا ہے ۔ درد کے رنگ[1] میں یہ اشعار ملاحظہ فرمائیے :

کروں میں کس کو بھلا اپنے حال سے آگاہ
ترے ہی درد سے قصہ مرا تمام ہوا
جو اپنے سر پہچانے انا سرہ وہ انسان ہے
بڑی ہے بات الفت کی وہ ہے مشکل نہ آسان ہے
وہی ظاہر وہی باطن وہی ہم تم کا بہانہ ہے
نکل اس کفر اور اسلام کی حد سے یہ فرمان ہے
مری آنکھوں نے اے دلبر عجب اسرار دیکھا تھا
مثال ابر اس خورشید کا انوار دیکھا تھا

ظاہر ہو یا باطن اندر ہو یا باہر
سچل سپرد تیرے ہر باب شکر للہ
میں بار بار ہوں خود کچھ بھی نہیں تفاوت
سمجھا انا کے معنی دیگر کلام کیا ہے
تحقیق الحقیقت ساری ہے اس خدائی
سچل ہے جب وہ مالک تو پھر غلام کیا ہے
حق پاک ہے حق پاک ہے حق خالق افلاک ہے
گہ خرم و بیباک ہے گہ خود بخود نمناک ہے

عشق مجازی ہو یا حقیقی ، عشق کے بغیر زندگی کوئی زندگی نہیں ۔ کائنات کا وجود اور حیات کی تشکیل عشق کے سربستہ راز میں مضمر ہے ۔ محبوب کی طلب اور عشق کی تڑپ وہ کیفیت ہے جو حیات کو تابندگی اور استقامت بخشتی ہے ۔ عصر قدیم میں رومی و حافظ اور عصر جدید میں لطیف و اقبال نے فلسفہ عشق کو اپنے کلام میں بڑی وضاحت کے ساتھ

---

۱ ۔ ملاحظہ ہو مقالہ "درد کا تصوف" بشمولہ "تحریر و تقریر" از ڈاکٹر غلام مصطفی خان ، مطبوعہ ۱۹۵۷ء ۔

Marfat.com

پیش کیا ہے ۔ عشق کی راہیں آسان بھی ہیں اور کٹھن بھی ۔ جو ہم نفس ناہموار و دشوار گزار راہوں سے گزر کر منزل مقصود تک پہنچتا ہے وہی محبوب کی قربت کی لذتوں سے سرشار و بدمست ہوتا ہے ۔ سچل نے عشق مجازی کی چوٹ کھائی تھی یا نہیں اس کا تو علم نہیں لیکن مجازی دنیا کے محبوب سے خوب جی کھول کر گفت و شنید کی ہے ۔ تصوراتی لطف اندوزی ، بدمستی و سرشاری ان کے حصہ میں آئی ہے ۔ مزید برآں چونکہ انہیں تصوف و معرفت سے فطری لگاؤ اور گہرا تعلق تھا ، صوفیانہ زندگی سے روحانی وابستگی تھی اس لیے وہ عشق کے اسرار و رموز اور کیف و کم کی نعمتوں سے خوب آشنا تھے ۔ ان کے افکار عالیہ میں روحانی اسرار کی جستجو اور روحانی اضطراب کی کیفیت ہے ۔ اس حقیقت کا انکشاف ان کے فارسی نگارشات سے ہوا ہے ۔ ان کی اردو منظومات بھی عشق کے بھرپور تاثر کا اعلیٰ نمونہ ہیں ۔ پہلے اس صوفی منش شاعر بے بدل کا ایک فارسی شعر دیکھیے :

آشکارا ، گزر ز مذہب ہا   در رہ عشق چہ گنہ چہ ثواب

اب اردو اشعار نذر قارئین ہیں :

بہتر ہے ایسی زندگی بن عشق ہے شرمندگی
بن عشق ہے شرمندگی بہتر ہے ایسی زندگی
عشق عجب آفات ہے نے کشف و کرامات ہے
تقویٰ نہ کوئی نات ہے تس میں نہ موجودات ہے
اے یار تو نے سر دیا ترا نام تب عاشق ہوا
منصور نے جب سر دیا تب سوں ہے وہ الحق ہوا
اس عشق ''انا الحق'' کا یہی نعرہ لگا میزاں میں آ
جب سر خود ظاہر کیا ہر حال تو نازک ہوا
سیکھے گا عشق جو بھی جھیلے گا وہ مصیبت
سر جان صنم پہ صدقے سچل یہ جسم سارا
عشق ہے امام میرا دیگر امام کیا ہے
میخانہ میں ہوا ہوں جرعہ یا جام کیا ہے

Marfat.com

اس کو خبر اس راز کی ہے عشق کا جس پر اثر
سر دے سچل اس راہ میں مقصد یہی ہو گا مگر
آخر یہ مطلب پا لیا مرشد نے ہم سے یہ کہا
بن عشق دلبر کے سچل کیا کفر کیا اسلام ہے

سندھ کے ایک ایسے شاعر نے جس کی زندگی صوفیانہ طرز پر گزری ہو خلاق و مخلوق کی عبادت و خدمت کے لیے وقف ہو ، مختلف زبانوں میں شعر کہنے کی بے پناہ صلاحیت رکھتا ہو ، جب اردو زبان میں طبع آزمائی کی تو اپنے باکمال معاصرین سے کسی طرح پیچھے نہیں رہا ۔ اشعار خالص تغزل کے رنگ کے ہیں ، جن میں واردات قلب ، محبوب مجازی کے غمزے و عشوے ، انداز و اطوار کی عکاسی اور حسن و عشق کی ترجمانی کی گئی ہے ۔ وہ سوز و گداز ، غم و الم ، شوخی و بیباکی کی کیفیتوں سے بھرپور ہیں ۔ ایسے اشعار پر میر تقی میر کا اثر بدرجہ کمال غالب ہے :

تیرے صبر ہجر میں پیارا روتا ہوں زار زار
وعدے نے تیرے ہم کو اب منتظر کیا ہے
اتنی بھی بے نیازی یار نہ کر سچل سے
اس کی گلی میں تم نے اک دن گزر کیا ہے
بیچارہ اک نہیں میں آشفتہ اس صنم کا
کتنے ہوئے ہیں حیراں دیکھ کر حسن یزالی
دل کو ترا جادو لگا نے صبر نے آرام ہے
تیری طرف سے اے صنم نے خط نے پیغام ہے
آتش لگا دی جان سوں فریاد پر فریاد ہے
مرتا ہوں تیرے ہجر میں یہ سوز اک صمصام ہے
اس حال کی اپنی خبر کس کو سناؤں اے صنم
جنجال ہے یہ زندگی ، مرنا ہی میرا کام ہے
آنکھوں میں جادو ہے تری لوٹا ہے تو نے دل مرا
ہے زلف کی وہ پیچ میں اس پر سچل یہ دام ہے
دلبر کے دل پہ میں تو دیوانہ ہو رہا ہوں
یارو میں دو جہاں سے بیگانہ ہو رہا ہوں

Marfat.com

تجھ کو تو درد نہیں یار نے سچل سے کہا
میں نے رو رو کے کہا تجھ کوئی اعتبار نہیں

سچل کی ولادت ولی دکنی کی وفات (۱۷۴۴ء) سے پانچ سال پہلے ہوئی، جب سچل نے شعر و ادب کی دنیا میں قدم رکھا تو اردو شاعری پر سلطان محمد قلی قطب شاہ اور ولی دکنی کی چھاپ تھی[1] - زبان و بیان میں دکنی الفاظ و محاورات کی آمیزش تھی - وہ الفاظ و تراکیب جو آج متروک ہیں اس زمانے میں عام طور پر رائج تھیں - حسن کلام و حسن خیال کا خیال کم رکھا جاتا تھا - دلی جذبات کی ادائیگی، اپنے مخصوص انداز میں کرتے تھے - ذیل میں اس رنگ کے چند اشعار پیش کیے جاتے ہیں :

گلشن ہے تو پیارے بلبل ہے دل ہمارا
رنگ بانس دونوں تجھ میں پھل ہے پھلیا ہوا
ترے درشن کوں اے محبوب آتے ہیں جیباں سب
دیکھ درشن جو ہوویں رکھ جل اشکوں رقیباں سب
(قلی قطب شاہ)

دل بیتاب کہ اک آن نہیں اس کو قرار
زلف دلدار تو ہمسر ہے پریشانی میں
مدت ہوئی سجن نے دکھایا نہیں جمال
دکھلا کے اپنے قد کوں کیا نہیں نہال
اب جدائی نہ کر خدا سوں ڈر
بے وفائی نہ کر خدا سوں ڈر
رحم کر اوس پر کہ آیا ہے ولی
درد دل کا تجھ کوں درماں بوجھ کر
(ولی دکنی)

آبرو پر وہ پیچ مرتا تھا   مکھ دکھا کر اسے جلائے جا
(آبرو)

---

۱ - ملاحظہ ہو تاریخ ادب اردو از رام بابو سکسینہ مطبوعہ نولکشور (نسخہ ہندی) -

Marfat.com

سچل کی شاعری کا ڈھانچہ بھی دکنی اردو اور دکنی اصطلاحات کی بنیاد پر تشکیل پایا ۔ سچل نے بھی وہی طرز ادا اختیار کیا جو اس زمانے کے شعراء کا طرۂ امتیاز تھا ۔ اسی قبیل کے چند اشعار دیکھیے :

بیمار ہوں ترے برہ کا چھوٹنا میرا مشکل ہوا
یہ درد میرا دیکھ کر افلاطون لایعقل ہوا
اے یار تم آتا نہیں مجھ پر شفا بخشی کرو
اس درد میرے کی دوا آنا ترا اک پل ہوا
عاشق وہی جو غم ہوا دونوں جگ اک دم ہوا
دن رات اس ماتم ہوا اکھیاں کا اب آگم ہوا
کرتا ہوں اے ہریجن اس باب شکراللہ
اس برہ نے کیا ہے بیتاب شکراللہ
تیرے جو نین دیکھے حیرت میں پڑ گیا ہوں
تو نے کیا ہے مجھ کو بیخواب شکراللہ

سچل کی غزلیں رنگِ تغزل کا عمدہ نمونہ ہیں ۔ معیاری بھی ہیں محاسن شعری سے بھی مزین ہیں ۔ زبان صاف ، سلیس ، انداز بیان دلچسپ ، الفاظ کا استعمال مناسب و موزوں ہے ۔ بعض مقام پر طرز ادا کی دلکشی نے شعر کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا ہے ۔ ہجر و وصل ؛ چھیڑ چھاڑ ، وفا و جفا ، بے اعتنائی و بے التفاتی ، بے رخی ، غمزہ ، شوخی ، وغیرہ جو غزل کے دور قدیم کی خصوصیات میں سے ہیں ، ان کے ہاں بڑی دلنشینی و دلپذیری کے ساتھ موجود ہیں :

مجھ کو فنا کرے گی اے جاں تری جدائی
فرقت میں تیری درد کرتا ہوں میں گدائی
تیرے فراق سے میں دیوانہ بن چکا ہوں
مجھ کو ہوئی ہے حاصل الفت میں جگ ہنسائی
دو چار دن کا میلہ دو چار دن فراق
سیکھی کہاں سے تو نے یہ ستم آشنائی
معشوق کی نگاہ سے دل خوش ہوا ہے میرا
فرقت کا غم مٹایا کہتا ہوں حمداللہ

Marfat.com

غلام علی فقیر نے کوئی تخلص اختیار نہیں کیا ۔ سرائیکی ، سندھی اور ہندی میں شعر کہتے تھے ۔ ہر زبان کے اشعار میں غلام علی بطور تخلص لکھا ہے ۔ ان کا نظریہ سلوک و صفا وہی تھا جو ان کے بزرگانِ سلف کا تھا ۔

شاعری میں بھی انھوں نے اپنے بزرگوں سے فیض پایا لیکن ایک چیز جو انھیں اپنے خاندان کے صوفی شعراء میں ممیز کرتی ہے وہ ہے ان کی کافی ۔ انھوں نے دیگر صنفوں کی نسبت کافی کو پسند کیا اور اس فن میں نمایاں کامیابی حاصل کی ۔ ان کے کلام میں کافیوں کی تعداد خاصی ہے ۔ ان کی کافیوں میں ان کا منفرد رنگ نمایاں ہے ۔ ان کے خیالات و نظریات کی بھرپور عکاسی پائی جاتی ہے ۔ ان کا ہندی کلام روحل اور شاہو کے ہندی کلام سے زیادہ صاف ہے ۔ اردو الفاظ و محاورات کا استعمال بڑی خوش اسلوبی سے کیا گیا ہے ۔

روحل فقیر اور مراد فقیر کی ہندی شاعری کے طرز پر ایک ہوری کا نمونہ دیکھیے :

پریم نگر کے سانجھ ، شیام سوں کھیلوں ہوری
بندرا بن موں بنین بجاوے ، چشان لاوت چوری
عطر عبیر کی دھوم ستی ہے ، کیسر بھرت کٹوری
گگن منڈل موں دامنی چمکے ، انحد کی گھنسگھوری
آپ سوں آپ ھیں کھینچ لیوے ، پائے پریم کی ڈوری
شاہو شاہ کے سرتے آیا ، پریت لاگی تب موری
غلام علی اب گیان گلی میں ، ملیو شام کشوری

Marfat.com

شاہو فقیر

(۱۱۶۵ھ - ۱۲۳۰ھ/۱۷۵۲ء - ۱۸۱۵ھ)

حضرت روحیل فقیر کا حلقہ تلامذہ اور دائرہ ارادت وسیع تھا۔ خود ان کے خاندان میں کئی اچھے شعراء و ادباء گزرے ہیں۔ مراد فقیر ان کے عزیز قریب تھے۔ روحل کی اولاد میں شاہو خان فقیر، غلام علی اور دریا خان نے تاریخ و تصوف اور علم و ادب کی دنیا میں نمایاں خدمات انجام دیں۔

شاہو خان زنگیجہ عرف شاہو فقیر، روحل فقیر کے فرزند اکبر اور خلیفہ ارشد تھے۔ روحل کی وفات کے بعد شاہو فقیر درگاہ روحل کے سجادہ نشین ہوئے۔[1]

شاہو خان ۱۱۶۵ھ (۱۷۵۲ء) میں بمقام کنڈری (ضلع خیرپور) میں پیدا ہوئے اور وہیں ۱۲۳۰ھ (۱۸۱۵ء) میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ ان کا مزار مبارک کنڈری میں واقع ہے۔

شاہو فقیر نے تصوف و شریعت اور علم و دانش کے گہوارے میں پرورش پائی۔ ان کی تعلیم و تربیت ان کے عالم باعمل اور سالک بے بدل باپ کی خاص نگرانی میں ہوئی۔ سندھی سرائیکی اور ہندی میں مناسب تعلیم حاصل کی۔ تینوں زبانوں میں شعر کہا۔ تخلص شاہو لکھا ہے۔ صوفیانہ زندگی اور ذوق شعری میں اپنے والد کی پیروی کی۔ اپنے اکثر اشعار میں اپنے مرشد باپ، شفیق استاد کا نہایت عقیدت و احترام سے ذکر کیا ہے۔

اس زمانے کی روایت کے مطابق ان کا کلام ہندی آمیز اردو میں موجود ہے۔ اس قسم کا کلام زیادہ تر سندھی، ہندی اور اردو الفاظ و

۱۔ تذکرہ لطفی، حصہ دوم، ص ۳۷۳

Marfat.com

تراکیب پر مشتمل ہے ۔ اسے ریختہ بھی کہہ سکتے ہیں ۔ لیکن چونکہ شاہو فقیر ، روحل فقیر اور ان کے خاندان کے دیگر شعراء نے اسلامی تصوف کے ساتھ ساتھ دیو مالا ، ہندو مت اور رامائنی قصہ کہانیوں کو بھی منظوم کیا اس لیے ان کے ہندی سے مخصوص لگاؤ کا اندازہ کیا جا سکتا ہے ۔

شاہو فقیر اور ان کے والد روحل کے درمیان یہ منظوم مکالمہ[1] دیکھیے

شاہو فقیر

'کر پتری کم جاینا ، کبدہ پری پہچان
شاہو اب عرض کرے ، دیئو سرب گیان
گیان بناں کم کو پڑے ، جب ستگر کہہ سمجھاء
شاہو پر دیا کرو ، دیو ترت دکھا

(گرونگر یعنی مرشد کے مسکن و موقف کو کم سمجھا گرچہ کم علمی کی پہچان ہو گئی شاہو عرض کرتا ہے کہ اسے صحیح علم سے نوازا جائے ۔ گیان یعنی علم کے بغیر کچھ سمجھ میں نہیں آتا اے مرشد کامل شاہو پر کرم کریں اور اسے اپنی تعلیم و رہبری کی روشنی دکھائیں) ۔

روحل فقیر

ستگر پری پرس ہے ، سدا بے پرواہ
روحل او زاجا بھئے ، راجن نے پتشاہ
اننگ آکٹر نہ ملے ، نین نین بھرپور
روحل بچن بولئے ، کر چکے ہنسا سور

(سچے مرشد کے مسکن اور موقف والا مرد حوصلہ مند اور لا پرواہ ہے ، اس کے ہاں ہوس کی کبھی گزر نہیں ۔ اس کی آنکھیں عشق حقیقی سے سرشار ہیں ۔ انھیں ہنس کر چکھے جا سکتے ہیں (ان آنکھوں کا علم صرف دانا و بینا کو ہو سکتا ہے) ۔

---

۱ ۔ ... سندھ میں اردو شاعری ، ص ۳۷ - ۳۸ سے ماخوذ ۔

Marfat.com

غلام علی فقیر

(۱۱۸۰ - ۱۲۵۵ھ/۱۷۶۷ - ۱۸۳۹ء)

فقیر غلام علی زنگیجہ جو غلام علی فقیر کے نام سے مشہور تھے ، روحل فقیر کے منجھلے صاحبزادے اور شاہو فقیر کے چھوٹے بھائی تھے ۔

غلام علی فقیر کی ولادت ۱۱۸۰ھ (۱۷۶۷ء) میں اور وفات ۱۲۵۵ھ (۱۸۳۹ء) میں ہوئی ۔ کنڈری نامی گاؤں ان کا مولد و مسکن و مدفن ہے[1]۔ انھوں نے اپنے پیچھے دو فرزند چھوڑے ۔ روحل فقیر ثانی اور فقیر نواب خان ۔ دونوں نے فقر و تصوف میں مقام حاصل کیا ۔ دونوں اپنے والد محترم فقیر غلام علی سے بیعت تھے ۔ روحل فقیر ثانی نے غلام علی فقیر کے وصال کے بعد ان کی جگہ سجادہ نشینی کا دستار پہنا ۔ فقیر نواب خان سندھی کے شاعر تھے ۔ کافی گوئی میں شہرت پائی ۔ اس صنف میں اپنے والد سے خاص طور پر استفادہ کیا ۔

غلام علی فقیر نے اپنے بڑے بھائی شاہو فقیر کی نگرانی میں تعلیم و تربیت پائی اور علوم ظاہری و باطنی سے آگہی حاصل کی ۔ برادر اکبر کی رحلت کے بعد مسند سجادگی پر جلوہ افروز ہوئے ۔ لائق باپ اور فائق بھائی کی تعلیمات کی بڑی حسن و خوبی سے تبلیغ کی ۔ اپنے علم و عمل سے دوسروں کو مستفیض کیا ۔ اپنے کلام میں روحل اور شاہو سے مستفیض ہونے کا ذکر کیا ہے ۔

کل فقیر کون کیتم سجدہ ، شاہو شاہ ہمارا
میں نے کیا
پیر اساڈا ظاہر ہویا ، شاہو شاہ ڈدا وندا
ہمارا کہلاتا ہے

---

۱ - تذکرہ لطفی ، ص ۲۷۴

Marfat.com

ہاتھوں میں اس کے کاجل ہاتھوں میں اس کے لالی
پیتا ہے خوب بھر بھر وہ جام پرتگالی
وہ شاہ عشق آیا دیکھو سچل تماشا
فرار ہو چکی ہے اب میری عقل ساری
یہ ہے طریق مشکل آساں نہ اس کو سمجھو
اس عشق میں اے یارو ، موجود صد جفا ہے
سر کی نہ کر تمنا گر راہ عشق پوچھی
یہ قتل عاشقوں کا الفت میں ہی روا ہے
اس کو خبر نہیں ہے اس عشق کی اے یارو
جو شخص ہے یہ کہتا معشوق بے وفا ہے
آشفتگان ہزاراں قربان سر کریں گے
سچل غریب مسکین درگاہ کا گدا ہے

مری آنکھوں نے اے دلبر عجب اسرار دیکھا تھا
میانِ ابر اس خورشید کا انوار دیکھا تھا
جلایا طور سینا کو تھا جس نور تجلی نے
ترے کوچے میں اس انوار کو اظہار دیکھا تھا
مرا تو کام تھا اس ہادی و رہبر کی صورت سے
اسی صورت کا میں نے ہر جگہ دیدار دیکھا تھا
برابر ہیں بھر جا جس طرح سورج کی یہ کرنیں
بھر مظہر اسی انداز سے انظار دیکھا تھا
کہا اک بار اس نے بالیقین کلمہ انا الحق کا
رہ اسرار میں منصور کو بر دار دیکھا تھا
کنارا تھا نہ جس کا تو سچل اس بحر میں آیا
نگونسار اس میں ہر اک طالب دیدار دیکھا تھا

Marfat.com

تیسرا دور

(۱۲۵۹ھ-۱۳۱۸ھ/۱۸۴۳ء-۱۹۰۰ء)

عہد برطانیہ (دور اول)

خلیفہ نبی بخش لغاری قاسم قادری
دریا خان زلکیجہ
فقیر یوسف ٹالک
سید قنبر علی شاہ
فتح دین شاہ جہالیاں پوٹہ
غلام شاہ لغاری
شاہ نصیرالدین نقشبندی
حمل فقیر لغاری
غلام حیدر فقیر
نظر علی فقیر زلکیجہ

فقیر قادر بخش بیدل
سید مہدوی شاہ بخاری
اللہ داد خان صوفی لغاری
صوفی ابراہیم شاہ فقیر
مخدوم ابراہیم خلیل نقشبندی
مخدوم امین بالائی
نواب غلام اللہ خان لغاری
حزب اللہ شاہ مسکین راشدی
حسن بخش شاہ
محمد محسن بیکس

Marfat.com

Marfat.com

خلیفہ نبی بخش خان لغاری قاسم قادری

(۱۱۹۰ھ - ۱۲۸۰ھ/۱۷۷۶ء - ۱۸۶۳ء)

خلیفہ نبی بخش خان لغاری قاسم قادری، طریقہ قادریہ کے صاحب طریقت بزرگ تھے۔ ان کے والد بزرگوار کا نام بالاج خان لغاری تھا۔ خلیفہ نبی بخش خان لغاری ۱۱۹۰ ھجری مطابق ۱۷۵۶ عیسوی میں سیٹھی نامی آبائی دیہات میں تولد ہوئے۔ اب وہ مقام تحصیل ٹنڈو باگو کے نام سے مشہور ہے اور ضلع حیدرآباد میں واقع ہے۔

عربی و فارسی کی معمولی تعلیم مقامی مکتب میں حاصل کی۔ ذاتی مطالعہ اور مشق و ریاضت سے علم و ادب میں بہت اچھی استعداد حاصل کی۔ ۱۲۱۵ھ میں جب گلشن حیات میں پچیسویں بہار سے لطف اندوز ہونے کا وقت آیا تو کسی کی صحبت نے بیقرار کیا اور ازدواجی زندگی کا آغاز ہوا۔ دو دلوں نے باغ وفا میں محبت کے پھول کھلائے لیکن رفیقہ زندگی کی زندگی نے وفا نہ کی اور وہ ہمیشہ کے لیے داغ مفارقت دے گئیں:

روئے گل سیر ندیدم و بہار آخر شد

شریک حیات کی قبل از وقت موت اور دائمی جدائی نے نبی بخش کے دل و دماغ کو ماؤف کر دیا اور جہان رنگ و بو سے ایسے بیزار ہوئے کہ دنیائے حق و معرفت میں سکون قلبی تلاش کیا۔ نبی بخش خان کے ایک خالہ زاد بھائی محمد قاسم صوفیانہ خیالات کے اللہ والے آدمی تھے، اہل اللہ کی صحبتوں میں رہتے تھے، درگاہ راشدیہ قادریہ کے موجودہ سجادہ نشین حضرت پیر پگاڑو (سائیں پیر سکندر شاہ مردان ثانی) کے جد اعلیٰ حضرت پیر محمد راشد (روضے دھنی) (۱۱۷۱ - ۱۲۳۳ھ) اس زمانے کے بہت بڑے جید عالم، عظیم المرتبت صوفی اور جلیل القدر روحانی بزرگ تھے۔ حضرت محمد قاسم لغاری حلقہ راشدیہ سے تعلق رکھتے

Marfat.com

تھے ۔ انھوں نے نبی بخش خان کو پریشان حال دیکھ کر مشورہ دیا کہ جو مزا عشق حقیقی میں ہے وہ عشق مجازی میں کہاں ؟ حقیقت و معرفت کا راستہ اختیار کر کے دیکھو تمہاری دنیا ہی بدل جائے گی ۔ نبی بخش اپنے بھائی محمد قاسم کی محبت مین حضرت روضے دہنی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں پیش ہوئے اور ان کے مبارک ہاتھوں سے شرف بیعت[1] حاصل کیا ۔ نبی بخش لغاری نے جس محنت ، ریاضت اور ذوق و شوق سے اپنے مرشد اعلیٰ کی رشد و ہدایت پر عمل کیا اس سے وہ بہت خوش ہوئے اور انھیں مسند خلافت سے نوازا ۔ درویشی میں ایسا لطف آیا کہ انھوں طریقہ قادریہ کی تبلیغ و اشاعت ، عبادت و ریاضت اور علمی و دینی خدمت کے لیے اپنی باقی عمر کو وقف کر دیا ۔

پیر سائیں محمد راشد (روضے دہنی) کے وصال کے بعد ان کے جانشین فرزند پیر سائیں سید صبغت‌اللہ شاہ (حجر دہنی) المتوفی ۱۲۴۶ھ (۱۸۳۱ء) کے حلقہ ارادت میں خلیفہ نبی بخش[2] کو امتیازی مرتبہ حاصل تھا ۔ اپنے تبلیغی مشن کی خاطر پیر صبغت اللہ شاہ کے ہمراہ سندھ ، کاٹھیاوار اور گجرات وغیرہ جیسے دور افتادہ مقامات کی سیاحت[3] کی ۔ پیر صبغت اللہ شاہ کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے پیر سائیں سید علی گوہر شاہ اصغر (بنگلے دہنی) (المتوفی ۱۲۳۶ھ مطابق ۱۸۴۳ء) کے عہد سجادہ نشینی کا سلسلہ پیری و مریدی اور علمی و ادبی خدمات کا شہرہ عروج پر تھا ۔

پیر سائیں سید حزب اللہ شاہ (تخت دہنی) (۱۲۵۸ - ۱۳۰۸ھ) خلیفہ صاحب کے جوان سال ہمعصر تھے ۔ اس طرح خلیفہ صاحب نے خاندان راشدیہ کی مسلسل چار برگزیدہ ہستیوں کی آنکھیں دیکھیں ۔ ان صوفیائے کرام کے علاوہ خلیفہ صاحب کے معاصرین میں کئی علمائے دین ، اصفیائے کرام اور متعدد ادباء و شعراء حضرات گزرے ہیں جن میں روحل مراد ، عبداللہ فقیر ، سچل سرمست ، فقیر محمد صدیق سومرو ، فقیر بیدل ، سید

---

۱ ۔ خلیفی جو رسالو مرتبہ ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ ۔ ص ۲۵

۲ ۔ خلیفی جو رسالو ۔ ص ۱۸

۳ ۔ تذکرہ صوفیائے سندھ ۔ ص ۲۷۱

Marfat.com

فقیر علی شاہ بھارونی عرف شریف وغیرہ کے اسمائے گرامی تاریخ علم و عرفان میں ہمیشہ حرمت و احترام سے لیے جائیں گے۔

۱۲۵۹ھ مطابق ۱۸۴۳ء میں جب خطہ سندھ پر فرنگیوں کا تسلط ہوا تو اس انقلاب عظیم سے ان گنت لوگ بے یار و مددگار اور بے گھر بار ہو گئے۔ خلیفہ نبی بخش خان لغاری کو بادل ناخواستہ اپنی جائے سکونت تبدیل کرنی پڑی اور وہ اپنے آبائی گاؤں میٹھی کی رہائش ترک کر کے شہر حیدرآباد سے چھ میل کے فاصلہ پر مغربی جانب ایک ویران مقام پر اقامت پذیر ہوئے۔ ان کی موجودگی دوسروں کے لیے حزم و ہمت اور موجب خیر و برکت ثابت ہوئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہاں انسانوں کی آبادی ہو گئی۔ اس بستی کا نام خلیفہ صاحب کی نسبت سے ''خلیفی جی سیٹھی'' پڑ گیا۔ خلیفہ لغاری نے اس غیر آباد علاقے کو آباد کیا اور وہاں کے باشندوں کو اللہ، اس کے رسول، رسول کے دین اور دین کی عظمت سے آگاہ کیا۔ اس نو آباد بستی میں بھی ان کے مریدوں، شاگردوں اور عقیدتمندوں کی تعداد میں بہت اضافہ ہوا۔

خلیفہ نبی بخش خان لغاری قادری نے اپنے نو آباد کردہ گاؤں ''خلیفی جی سیٹھی'' میں ۱۲۸۰ھ (۱۸۶۳ء) کو نوے سال کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

خلیفہ نبی بخش اردو، سرائیکی، سندھی اور ہندی کے خوش فکر شاعر تھے۔ بقول ڈاکٹر غلام علی الانہ ''سندھ کے عظیم ترین رزمیہ شاعر تھے۔ ان کی نظمیں حب وطن اور جذبہ جہاد سے سرشار ہیں''[۱]۔ ان کے بھائی حضرت محمد قاسم میدان تصوف میں ان کے پہلے ہوتے ان کا دل سے احترام کرتے تھے۔ بطور عقیدت انھوں نے اپنا تخلص قاسم رکھا۔ شاہ سندھ، ولی کامل حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی (۱۰۰۲ھ - ۱۱۶۵ھ) رحمۃ اللہ علیہ سے ان کی عقیدت لامحدود تھی۔ اس لیے ''شاہ جو رسالو''

۱۔ مضمون ''سندھی ادب اور زبان'' مطبوعہ ماہنامہ پیغام۔ کراچی۔ اکتوبر، نومبر ۱۹۷۶ء ص ۵۵۔

Marfat.com

کی مناسبت سے انھوں نے اپنے مجموعہ کلام کا نام ''خلیفی جو رسالو'' تجویز فرمایا ۔

محترمی ڈاکٹر نبی بخش بلوچ کا یہ اقدام نہایت مستحسن ہے کہ انھوں نے ''خلیفی صاحب جو رسالو'' کو بڑی محنت اور مطالعہ سے مرتب فرمایا ہے ۔ یہ مجموعہ کلام ۳۰ × ۲۰ سائز کے ۲۳۰ صفحات پر مشتمل ہے ۔ ۱۹۶۶ء میں سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد کے تحت خوبصورت ٹائپ میں چھپ کر منظر عام پر آ چکا ہے ۔

خلیفہ صاحب کا یہ رسالہ ۲۹ سر ، وائیاں ریختہ ، غزلیات ، مناجات کا دلکش و دل فریب گلدستہ ہے ۔ سرائیکی ، ہندی اور اردو کی مختلف اصناف شعری پر ان کی دسترس حیرت انگیز ہے ۔ ہندی اردو کلام ۲۴۲ سے ۲۶۴ صفحات تک محیط ہے ۔ حصہ اردو کا عنوان یہ ہے :

''این جز در زبان ہندوستان در سلوک و مناجات و غزلیات (وائیہائے) و ریختہ (و راگھائے) و پندورا سورہ و سہرا و ھنب و ھوری'' ۔

''در زبان ہندوستان'' یعنی اردو میں اکیس غزلیات اور ۵ ریختہ ہیں ۔ ان کی شاعری کا زیادہ تر حصہ شعر و موسیقی کا روح نواز و دلگداز امتزاج ہے اور یہ قدیم غنائیہ شاعری کی عمدہ مثال ہے ۔ بقول ڈاکٹر نبی بخش بلوچ (رسالہ خلیفہ ص ۲۴۵) ''وائی ، غنائی نظم کی ایک قدیم صنف ہے'' ۔ اس صنف میں خلیفہ صاحب کو ید طولیٰ حاصل تھا ۔ انھیں فن مثنوی میں بھی ملکہ تھا ۔ ان کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے ۱۲۵۴ھ مطابق ۱۸۳۸ء میں سسی پنوں کی معروف داستان کو سرائیکی زبان میں مثنوی کا روپ دے کر اس کی افادیت کو لازوال کر دیا ۔

خلیفہ قاسم قادری کا اردو کلام توحید و سلوک کے اسرار و رموز اور حقیقت و معرفت کا سرور انگیز و روح پرور گنجینہ ہے ۔ حقائق و معارف کی مستی و سرمستی ، مدہوشی و سرشاریت کی کیفیات اور احساسات و جذبات سے ایک ایک شعر معمور و پرنور ہے ۔ اسلوب قدیم ہونے کے باوجود زبان صاف ، سلیس اور رواں دواں ہے ۔

Marfat.com

انتخاب کلام

نقطہ ہائے در سلوک و توحید

ابا شاہ بیرنگ در باغ رنگ
لگی رنگ کی رنگ میں خوب جنگ
لگا عشق کا تب سے ڈنکا تمام
کیا ترک جنت کون آدم امام
تو یلس (کذا) میں دیکھ کن فیکون
کہ پیدا ہوا پلی میں گونان گوں
نہ مشرک نہ مومن نہ میاسن یر (؟)
نہ قاتل یزیدی حسینی نہ حر
نہ ذاکر نہ شاکر نہ غافل غرور
نہ جن و پریزاد ملکی نہ حور
نہ خالق خدا نے خدا سے جدا
یہودی نصاری نہ قوم سدا
ثوابوں سے الفت نہ طالب خطا
مری ذات کا مجھ کون کو دیوے بتا
یہ ہاشم نہ قاسم محمد ملوک
نہ جھگڑا کسی سے نہ کرنا سلوک
اسی دیس میں چل کے آیا جبھی
مذاہب طریقے میں دیکھے تبھی
کیا موج رنگین آب حیات
حباب میں ملیا آب سیں آپ آب
بحر میں پڑی بوند ہو گئی بحر
بحر ہے بحر ہے بحر ہے بحر
بحر سے نکالے بھلا کون بوند
بحر سین ملی بوند ہو گئی سموند
بحر میں یہی بوند موتی امول
وہی پھول پھل ہے وہی جھاڑ پھول

Marfat.com

نظر بیچ آئے عجب ایک کھیل
یہ ہے کھیت بویا نہ ساتھی نہ بیل
کہ آگے بھی تھا آن پیچھے بھی آن
ملیا خان میں ایک ساتھی کا مان
اپیا پہنچ اپنی اصل کے اصل
نہ آیا ہماری نظر میں نقل

مناجات بجناب غوث اعظم

غوث اعظم پیر پیران مدد میری پیر پیران
جو چل آوے سو پھل پاوے کاٹ ہمارے سب تقصیران
ہم ہیں جنوں کے جنم کے داسی صاحب میرے سمیعاً بصیراً
جرم گناہ سب قاسم کے کیجیو معاف صغیراً کبیراً

گلشن کی خبر خوب صبا باد سے پوچھو
تصویر قد سرو کی شمشاد سے پوچھو
بیدرد کو معشوق سے کیا کم ہے یارو
شیریں کی حقیقت بھلا فرہاد سے پوچھو
آتے ہو نہ جاتے ہو ستاتے ہو بھلا کیوں
تقصیر ہے کیا میری پریزاد سے پوچھو
نکلا ہے ستمگر وہ لے کر تیغ ادا کی
مجھ خوں کی خبر خنجر فولاد سے پوچھو
غم درد کی تصویر قاسم کی کن کوں بتاؤں
آواز مری آہ کا تم ناد سے پوچھو

گھر چلی ہمارے چنچل آتا کبھی کبھی
بد خو رقیب کوں بھی ستاتا کبھی کبھی
جس وقت او سریجن آتا ہے انجمن میں

Marfat.com

بیڑا ہمارے ہاتھ سیں کھاتا کبھی کبھی
در پر صدا کھڑا ہو مانند گدا سوامی
اپنی سنجی محفل میں بٹھاتا کبھی کبھی
جلتا ہوں غم کی دھوپ میں تجھ بن سوا سریجن
آب وصل میں قاسم نہاتا کبھی کبھی

مجھ تشنگی کی آگ بجھانے کوں نہ آیا
پھر جام وصل جانی پلانے کوں نہ آیا
تجھ عشق کی آتش میں سدا جلتا رہا میں
ٹک نین بھی نینوں سے ملانے کوں نہ آیا
صد سوال کیے قاسم نہیں بول توں ہم سے
ٹک بیکھ گدائی کا دلانے کوں نہ آیا

ریختہ :

سکھی ری میں کسے سنگ بھیجوں گی سندیسوا
پریم رہے تو اب تو بدیسوا
آؤں کہہ گئے ابھو نہ آئے ڈھونڈ رہی ہوں پورب دیسوا
اٹھو چل قاسم پیا کو لاؤ کر کے جوگن بیسوا

Marfat.com

دریا خان زنگیجہ

(۱۱۹۰ھ - ۱۷۷۷ء / ۱۲۷۰ھ - ۱۸۴۳ء)

دریا خان زنگیجہ مراد فقیر زنگیجہ کے نواسے ، روحل فقیر کے سب سے چھوٹے بیٹے اور غلام علی فقیر کے چھوٹے بھائی تھے ۔ دریا خان کی پیدائش ۱۱۹۰ھ مطابق ۱۷۷۷ء میں اور رحلت ۱۲۷۰ھ مطابق ۱۸۴۳ء میں بمقام کنڈڑی ہوئی[1] ۔ دریا خان سن شعور کو نہ پہنچے تھے کہ ان کے پدر بزرگوار حضرت روحل فقیر کا سایہ عاطفت ان کے سر سے ہمیشہ کے لیے اٹھ گیا ۔ ان کے بڑے بھائی غلام علی فقیر نے ان کی پرورش اور تعلیم و تربیت کے فرائض بڑی ذمہ داری اور خوش اسلوبی سے انجام دیے جس کا خوشگوار نتیجہ یہ نکلا کہ دریا خان فقیری اور شاعری دونوں میدان کے شہسوار ثابت ہوئے ۔

راہ طریقت میں بھی غلام علی فقیر نے ان کی رہبری کی ۔ بھائی کے رشد و ہدایت کو جادہ حیات کے لیے مشعل راہ بنایا اور دین و دنیا میں سرخرو ہوئے ۔ دریا خان کے مریدوں اور عقیدت مندوں میں مسلمانوں کے علاوہ سکھ اور ہندو بھی شامل تھے ۔ انھوں نے اپنے غیر مسلم مریدوں کی رہنمائی کے لیے اپنے کلام میں اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب کے رجحانات کی اچھائیاں بیان کی ہیں اس لیے ان کے ہاں اسلامی تصوف سے قطع نظر دیو مالا اور رامائنی داستانوں کی تلمیحات ، تشبیہات و استعارات ملتے ہیں ۔

اپنے بڑے بھائی غلام علی فقیر کی طرح انھوں نے بھی کوئی تخلص اختیار نہیں کیا اور اپنے کلام میں دریا خاں لکھا ہے ۔ وہ غلام علی فقیر کی تعلیمات و خیالات سے بہت متاثر تھے ۔ روحل اور شاہو سے بھی فیض

---

۱ ۔ تذکرۂ لطفی حصہ دوم ۔ ص ۳۷۶ ۔

Marfat.com

حاصل کیا لیکن غلام علی فقیر کے فکر و فن کا پرتو ان کے ہاں زیادہ واضح اور نمایاں ہے۔

دریا خان نے دوہے بہت کہے ہیں ان کے ہاں سندھی ، ہندی اور اردو کا خوبصورت امتزاج ملتا ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے :

دوہے :

رام رام کے نام سوں جن کو لاگی پریت
دریا خان الیہہ سنسار سوں ہاری لیوی جیت
ہر یار کھو کھوئی نہیں جو کرے پریم پچھان
دریا خان جس گھٹ پریم ہے وہاں ہے ہر گھٹ گیان

شبد :

شام سندر آیوے ، سکھی میرو کان
بندرا بن میں کھیلے ہوری ، سنمکھ صاحب شام کشوری
رادھا روپ نیا پورے
پانچ سکھی مل سنگل گاؤ ، چنگ مردھنگ کی جوت چلاؤ
رنگ اس نال بجا پورے
دریا خان اے پد تب ہین بایا ، سنکر سید میں سہج سہایا
آپ آپے گن گا پورے

بائی :

مت بھولو من مت بھولو ہر نام سمرن مت بھولو
سنکر سید میں الت سہایو کایا کاشی تیر تمہ نایو
من کی پنچ سواس سناو گیان ہنڈولے میں جھولو

Marfat.com

فقیر محمد یوسف نانک

(۱۱۹۲ھ-۱۲۶۹ھ)

مولوی قاضی محمد ہاشم اپنے وقت کے بڑے عالم دین اور درویش صفت بزرگ تھے۔ محمد یوسف ان کے لائق فرزند تھے ۔ محمد یوسف کے سال ولادت کے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے ۔ بعض روایات کے مطابق ان کا سال پیدائش ۱۷۹۲ء مطابق ۱۱۹۲ ھجری[1] قرار پاتا ہے ۔ ان کا آبائی وطن شہر جھل خیرپور میرس تھا ۔[2]

فقیر محمد یوسف کی ابتدائی تعلیم و تربیت ان کے عالم فاضل باپ حضرت قاضی مولوی محمد ہاشم کی خاص نگرانی میں ہوئی ۔ پندرہ سولہ سال کی عمر میں قرآن و حدیث اور عربی و فارسی کی دینی تعلیم سے فارغ ہوئے ۔ ولی صفت پدر کی خصوصی توجہ ، علماء و فضلاء کی صحبتوں اور علم و عمل کی لگن نے ان کو بہت جلد اعلیٰ و ارفع مقام پر فائز کر دیا ۔ ان کا شمار سندھ کے ممتاز ارباب علم و ادب میں ہونے لگا ۔ ان کے علمی و دینی و ادبی مرتبہ سے خوش ہو کر ان کے پدر بزرگوار نے اپنی زندگی ہی میں ان کی دستار بندی کی رسم ادا کر دی تھی اور اپنا خرقہ خلافت بخش دیا تھا ۔

اپنے والد ماجد قاضی محمد ہاشم کی وفات کے بعد ان کی جگہ "قاضی" کے منصب جلیلہ پر مامور ہوئے ۔ فقیر محمد یوسف وسیع القلب ، فیاض

---

۱ ۔ علمی آئینو (سندھی) ۱۹۷۳ء ۔ مرتبہ ڈاکٹر غلام علی الانہ ۔ مطبوعہ سندھیالوجی سندھ یونیورسٹی ۔

۲ ۔ بقول ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ فقیر محمد یوسف ضلع خیرپور کے "اگڑہ" نامی گاؤں میں ۱۲۰۰ھ میں پیدا ہوئے ۔ اگڑہ قوم سے تعلق رکھتے تھے (سندھ میں اردو شاعری ، ص ۹۰) ۔

Marfat.com

اور مخیر انسان تھے ۔ نیک کاموں کے لیے دوسروں کی مالی و عملی امداد میں پیش پیش رہتے تھے ۔ ان کے والد کے قائم کردہ "مدرسہ دارالعلوم" میں درس و تدریس کے فرائض سے فارغ ہو کر مطالعہ کتب ، خدمت انسانی اور اللہ و رسول کے ذکر و اذکار میں مشغول رہتے ۔ مناظر قدرت سے وہ روحانی طور پر محظوظ ہوتے ۔ کائنات و مظاہر کائنات کی رنگا رنگ کیفیات اور علم و عرفان سے وسیع معلومات و مشاہدات کی غرض سے انھوں نے مختلف مقامات کی سیر و سیاحت کی ۔ ہمیشہ راہ طلب اور تلاش حق میں جادہ پیماں رہے ۔

رانی پور میں مرشد حضرت پیر سائیں ابو صالح شاہ جیسے صاحب طریقت و شریعت کی صحبتوں میں کافی عرصہ تک رہے ۔ یہ وہ مقام ہے جو بعد میں "مسکن یوسف" یا فقیر جو کھوٹ (فقیر کا گاؤں) کے نام سے مشہور ہوا ۔ ایک روایت یہ ہے کہ ایک دن فقیر یوسف ہرن کے شکار کو نکلے ۔ جنگل میں شدید طوفان آیا ، پناہ لینے کے لیے قریب کے ایک مکان میں پہنچے ، وہ مکان دراصل ایک پیر فقیر کا ٹھکانا تھا ، صبح صادق کا وقت تھا نماز فجر کا وقت قریب تھا ۔ محفل سماع کی روح پرور آواز نے ان کو بے اختیار کر دیا ۔ وہاں پہنچ کر ہر شخص کو بد مستی و مدہوشی میں غرق پایا ۔ جب محفل سماع اختتام کو پہنچی تو فقیر یوسف کو معلوم ہوا کہ وہ جگہ دراہ کے مشہور شطاری بزرگ حضرت سچل سرمست کی خانقاہ تھی ۔ وہاں وہ سچل سائیں کے قدموں میں بارہ مہینے رہ کر اللہ کی عبادت و ریاضت میں مصروف رہے ۔ سچل سرمست کے ہاتھوں شرف بیعت سے مشرف ہونے کی تڑپ میں وہ دن بھر مٹی کھود کر لاتے اور خانقاہ کی تعمیر کے لیے جمع کر دیتے ۔ اس آزمائش میں کامیاب ہوئے تو حضرت سچل کے حلقہ مریدان میں شامل ہونے کی سعادت حاصل کی ۔ اس کے بعد فقیر یوسف نے سچل سائیں کی خانقاہ میں اعتکاف کے دن کاٹے ۔ انھوں نے سچل سائیں کے زیر رشد و ہدایات ترک نفس کا ریاض اور روح و قلب کو پاکیزہ کیا ۔ ان کی پرکشش و روحانیت آمیز صحبتوں میں نہ صرف طریقت و معرفت کی منزلیں طے کیں بلکہ علم و ادب کی روشنی سے بھی قلب و روح کو منور کیا ۔

Marfat.com

یہ وہ زمانہ تھا جب شہر درازہ ریاست خیر پور کے حاکم میر مراد علی خان تالپور تھے والی خیر پور ایک علم دوست ، ادب نواز ، نیک طبع اور صاحب سلوک فرمان روا تھے ۔ فقیر محمد یوسف نانک کی علمی فضیلت ، عارفانہ زندگی کے علاوہ سچل سائیں کے مرید خاص ہونے کی حیثیت سے ان کی بے حد تعظیم و تکریم کرتے تھے ۔ وہ بھی سچل کے مرید تھے ۔ امور سلطنت میں ان کے اصلاح و مشورے کو لازمی اور صائب جانتے تھے ۔ سچل کے وصال کے بعد میر مراد علی فقیر یوسف کو اپنا پیر و مرشد ماننے لگے ۔ انھوں نے اپنے ذاتی خرچ سے پان اسٹیشن گیٹ سے ایک میل دور کے فاصلے پر گوٹ حبحصن میں ان کی رہائش کا خاص بندوبست کیا ۔ ان کی عقیدت و ارادت کا یہ عالم تھا کہ میر داد علی خان شکار یا سفر کے لیے روانہ ہونے سے پہلے سچل سائیں کے مزار پر انوار کی زیارت کرتے فاتحہ پڑھتے ، پھر فقیر یوسف کے آستانے پر حاضری دیتے۔ میر مراد علی نے فقیر یوسف کو جا گیر بھی بخشنے کی خواہش ظاہر کی لیکن انھوں نے یہ کہہ کر قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ پیروں فقیروں کو جا گیروں سے کام کیا ۔

مولانا دین محمد وفائی نے تذکرہ مشاہیر سندھ کے صفحہ ۲۷۹ پر فقیر یوسف نانک سے متعلق صرف چند سطریں لکھی ہیں ۔ اس تذکرے میں ولادت و رحلت کی سنیں بھی درج نہیں ہیں ۔ ان کی شاعری کے متعلق صرف اتنا لکھا ہے کہ یوسف نانک کا صوفیانہ توحیدی شعر ریاست کی مروجہ سرائیکی زبان اور سندھی و ہندی زبان میں دستیاب ہے ۔ ان کے ہندی کلام کا نمونہ یہ ہے :

گم ہو کے دیکھ نظارا آپ سارا
محبوب کی صورت میں
رکھ خیال ہک ہک دم دا
دم دم وچ خوف ختم دا
دم کر توں جسم وسارا آخر گزارا

---

۱ ۔ تذکرہ مشاہیر سندھ ۔ ص ۲۷۹

Marfat.com

فقیر محمد یوسف نانک عارف کامل ، عالم باعمل اور شاعر بے نظیر تھے ۔ عالم صوفی ، شاعر ، ہر حیثیت میں ان کا مرتبہ بلند تھا ۔ سرائیکی ان کے آباؤ اجداد کی بولی تھی ۔ بلوچی سے بخوبی واقف تھے ۔ عربی ، فارسی ، سنسکرت ، ہندی اور اردو زبانوں پر کامل دستگاہ رکھتے تھے ۔ جس زبان میں جس بے ساختگی سے بولتے تھے اس زبان میں اسی برجستگی سے لکھتے تھے ۔ پانچ زبانوں یعنی فارسی ، سندھی ، سرائیکی ، ہندی اور اردو میں شعر کہتے تھے ۔ ان کی شعری تخلیقات کافیاں ، غزلیات ، قطعات اور نعتوں پر مشتمل ہیں ۔

فقیر صاحب کی ہندی زبان پر دسترس کا ثبوت اس ایک واقعہ سے ملتا ہے کہ ایک دن سچل سرمست اپنے علم و ادب کے بارے میں محو گفتگو تھے ۔ ہندی لسانیات خاص طور پر موضوع گفتگو تھا ۔ فقیر صاحب نے اس بحث میں جس فاضلانہ انداز سے حصہ لیا حضرت سچل ان کی ہندی دانی پر ششدر رہ گئے اور وفور مسرت میں انہیں ہندی کی مناسبت سے نانک کا لقب تفویض کیا اور ہدایت فرمائی کہ ''گرو نانک'' کی عظمت اور ہندی سے مزید واقفیت و آگہی حاصل کرنی ہو تو امرتسر کا سفر اختیار کرو ۔ اس واقعہ کے بعد سے فقیر صاحب نانک تخلص کرنے لگے ۔ اس سے پہلے ان کا تخلص یوسف تھا ۔

نانک یوسف یار نداولیی
بی خبر جیگ بولو پولیی

امرتسر کے سفر میں جو اہل اللہ و اہل علم فقیر یوسف نانک کے ہمسفر تھے ان میں حاجی عبداللہ فقیر ، ڈنڈی فقیر ، بلو فقیر ، اللہ داد فقیر، عرف آتمہ فقیر کے نام شامل ہیں ۔ پہلے لاہور تشریف لے گئے وہاں ان کی کرامات کا چرچا ہوا ، پھر امرتسر میں قیام فرمایا ۔ دوران قیام گرو نانک کے احاطہ میں گرو نانک کی عظمت کی داستانیں سنیں ۔ ان کی تعلیمات کا کا مطالعہ کیا ، تعلیمات کے اثرات کا مشاہدہ فرمایا ۔ فقیر یوسف نانک کے مقام سے بھی ایک دنیا باخبر ہوئی ۔ ان کے عقیدتمندوں ، ارادتمندوں کا حلقہ اور وسیع ہو گیا جس میں مسلمانوں کے علاوہ سکھ اور ہندوؤں کی ایک بڑی تعداد شامل تھی ۔ وہ امرتسر میں بھی محفل سماع منعقد کرتے ،

Marfat.com

اللہ کی راہ اختیار کرنے کی ہر خاص و عام کو دعوت عام دیتے ، لوگ جوق در جوق محفلوں میں شریک ہوتے ۔ فقیر یوسف کی زبان میں اللہ تعالیٰ نے ایسی تاثیر دی تھی کہ کتنے ہی ہندو اور سکھ ان کے ہاتھوں مشرف بہ اسلام ہوئے ۔

فقیر نانک صاحب کے جلسوں و ہم نشینوں میں اس وقت کے نامور صوفی شاعر حضرت فقیر قادر بخش بیدل کے علاوہ شادی فقیر عرف شادی شاہ ، مخدوم عبدالخالق ، حسنیہ فقیر ، فقیر محمد صالح ، حاجی عثمان جاکی ، محمد صدیق ، محمد صالح پیر ، گہرام فقیر جتوئی ، شیر علی فقیر اور یعقوب فقیر جتوئی نامی صوفیائے کرام قابل ذکر ہیں ۔ فقیر صاحب کے دوستوں ، ساتھیوں اور مریدوں میں نہ صرف درازہ ، خیرپور اور سندھ بلکہ ملتان اور پنجاب کے اولیائے کرام کے نام بھی آتے ہیں مثلاً میر علی مراد خان تالپور والی خیرپور کے علاوہ حیدر شاہ کیمیا گر (خیر پور) فقیر غلام علی حیدر شر بھروجہ (خیرپور) فیض حقانی ، حاجی عبداللہ فقیر ، ڈندان فقیر ناریجو ، بلو فقیر ، باہو شاہو اور حسن شاہ (ملتان و پنجاب) وغیرہ ۔

فقیر محمد یوسف نانک کی تاریخ ولادت کی طرح ان کی تاریخ وفات میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے ۔ حضرت فقیر قادر بخش بیدل نے ان کی جو تاریخ رحلت کہی تھی اس میں ۹ جمادی الاول ۱۲۶۹ھ[1] درج ہے وہ تاریخ ذیل کے قطعہ میں شامل ہے ۔

این چہ دورے کہ در زمان رفتہ
عارف کامل از جہان رفتہ

---

۱ ۔ صاحب تذکرہ مشاہیر سندھ اور دوسرے سوانح نگار یوسف نانک کی تاریخہائے ولادت و وفات کے بارے میں خاموش ہیں البتہ پروفیسر محبوب علی چنہ نے کلیات امین کے صفحہ ۲۲۵ پر مخدوم امین محمد امین ہالائی کے معاصرین کی جو فہرست پیش کی ہے اس میں فقیر یوسف کا سن وفات ۱۸۵۳ء رقم ہے ۔

Marfat.com

یوسف مصر جان ، عزیز وجود
جانب ملک جاوداں رفتہ
گشت روپوش زیں تجلی گاہ
بہ نہاں خانہ بے نشان رفتہ
نور حق مدتے بہ پستی ماند
باز بر اوج لامکان رفتہ
سال رحلش فرو بجست سروش
گفت طائر بہ آشیان رفتہ

۱۲۶۹ء

حقیقت یہ ہے کہ علم و آگہی نے ان کے تخیل میں بلندی ، سوچ رفعت اور جذبات میں وسعت پیدا کر دی ۔ انہیں ہر شے میں حسن و جمال کی تلاش رہی ۔ ان کے نزدیک حسن ذوق ، حسن طلب کے بغیر آدمی نہ حسن زندگی سے لطف اندوز ہو سکتا ہے ، نہ عشق حقیقی سے ہمکنار ہو سکتا ہے ۔ بقول یوسف

آهي عشق حسن اسرار یار
هے

فقیر صاحب تصوف میں فلسفہ ، ہمہ اوست اور وحدت الوجود کے ترجمان تھے ۔ عشق و عاشقی کے مقابلے میں انہوں نے اپنے مرشد سچل سرمست کی پیروی کی ۔ وہ علم عروضی کے ماہر تھے ۔ شاعرانہ قواعد و ضوابط کی پوری پوری پابندی کی ۔ وہ فن موسیقی اور علم موسیقی سے بخوبی واقف تھے ۔ شاید اس لیے ان کا کلام شعر و موسیقی کا نہایت حسین مرقع ہے ۔ محاورات ، تلمیحات ، تشبیہات و استعارات کے ساتھ صفت اور محاورات کا استعمال جس فصاحت و بلاغت سے کیا ہے وہ ان کی مہارت فن اور پختگی کلام کا مظہر ہے ۔ ایک ماہر نقاش کی طرح انہوں نے انسان کی ذہنی حالت ، دماغی کیفیت اور گرد و پیش کے حالات و واقعات کی نقاشی بھی کی ہے ۔ انہوں نے سوہنی مہینوال ، لیلی چنیسر ، لیلی مجنوں ، شیریں فرہاد ، عمر ماروی ، مومل رانو ، نوری جام تماچی جیسی لازوال داستانوں کی منظوم تصویریں بھی پیش کی ہیں ۔

Marfat.com

یوسف نانک کا کلام نازک خیالی ، اعلٰی تخیل اور پاکیزہ جذبات کی عکاسی کرتا ہے ۔ عرفان و حقیقت اور ''لا تقنطو من رحمۃ اللہ'' کی تفسیر ہے ۔ ان کی نعتیں سرور کائنات حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت و عقیدت کی ترجمان اور دونوں جہان پر آپ کی فیض کی آئینہ دار ہیں ۔ سرائیکی نعت کا یہ نمونہ دیکھیے :

صدقے تھیواں صدقے میں بردا شہر دراز دا
میں لک واری واری جاواں انھیں بنیا (کذا) والی ناز دا

اردو اور ہندی میں ان کا کلام ملتا ہے البتہ ان کے ایسے اشعار لاتعداد ہیں جو سندھی ، سرائیکی ، ہندی اور اردو کے اجزائے ترکیبی سے صفحۂ شہود پر آتے ہیں ۔ ایسے شعروں کی بھی کمی نہیں جن میں سرائیکی طرز اختیار کیا گیا ہے لیکن ایسے مصرعوں یا شعروں کے دو ایک لفظ کی تبدیلی سے اردو یا ہندی کے اشعار بن جاتے ہیں مثلاً

(۱) اندر باہر اللہ مولی ہے — (۲) آھی عشق حسن اسرار یا
(۳) آل نبی اولاد علی جو کی — (۴) نانک یوسف یار سدائی
(۵) وہ دلبر یار دلبر جو — (۵) درد قبول کریں دلبر جو کرو کا

اشعار :

عشق یار دے عشق دیاں رنداں ، نانک حشر ہزارا
وچ وحدت وچ ھک نکتہ سمجھا ، ہردے عشق اوتارا

اردو ، فارسی اور ہندی کے ایسے الفاظ جو کلام یوسف کے جزویات میں سے ہیں ۔

یوسف یار ، ذات فقیر ، آدم جو ، مست خیامی ، مرد موالی ، درد بحسن ، دیوان ، جان جسم قربان ، عشق عاشقی ، موج صحیح محبت ، محبوب ، حاضر ، ھادی ، مدد علیشاہ ، مرشد عادل فدائی ، یوسفان ، دلبر دلیر ، قادر ، مومن ، خوش خط ، واہ واہ

Marfat.com

سعلی ، اعصا ، صاحب ، حکم ، حکام ، کفار، یار، غریب نما ، بره بدنام سارا ، شاهی ، نصره ، آپ نظاره ، وست سارا ، مسکین بیچاره ، اقرار ، نیارا ، حیرت ، حال علم عمل ، خاصوں خاص وغیرہ ۔

اردو کلام

توری زلف میں زنجیر ، موری گل میں دام ہے
تم دید میں دم عید ، جا جم کا جام ہے
دیتی ہیں سچ تراوت ، نئیں تو نئیں موں
ہم شربت حیات ، وہ روغن بادام ہے
منصب ہے عشق عاشق ، مقصود یک نگاہے
مجھکوں یہ آستانۂ سجدہ سلام ہے
اے او حدیث دلبر ، کس نے سکھائی ہے
ہم نہر (؟) تیر اندازی ، تو صمصام رانی ہے

چوتی[1] تجھی یوں دید موں ، خنجر و کٹارا[2]
برسینی عاشقاں ، عشق ان دوم[3] دام ہے
در پیچ زلف زانک ، یوسف تو آمدہ
شر فشر[4] سین چوتی ناہیں ، چونا[5] کلام ہے

قربان جان کروں میں تم دیدبان ہو
گفتار تو افتاد بحق رام نام ہے
ایسا نہ کسی سے چوتی جیسا تمھاری نینوں
خنجر کٹار یار تو ہم دوار رام ہے

---

۱ ۔ چھوٹی ۔
۲ ۔ کٹارا ۔
۳ ۔ دھوم دھام ۔
۴ ۔ تڑھ پھڑھ ۔
۵ ۔ چھوٹا ۔

Marfat.com

سید قنبر علی شاہ بھاڈائی

(۱۲۰۰ھ - ۱۲۵۴ھ/۱۷۸۵ء - ۱۸۴۷ء)

سید قنبر علی شاہ سندھ کے ان اولیائے کرام شعراء سے تھے جن کو تصوف اور شاعری دونوں شعبوں میں حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی رحمۃ اللہ علیہ سے خاص عقیدت اور والہانہ محبت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے تصوف اور شاعری میں شاہ صاحب کے فلسفہ تصوف اور افکار عالیہ کا پرتو، آب و تاب کے ساتھ نمایاں ہے۔

قنبر علی شاہ نے نہایت پاکیزہ اور باوقار زندگی گزاری۔ جس خاموشی سے انہوں نے علم و عرفان اور شعر و ادب کی خدمات انجام دیں وہ لائق ستائش ہے۔ یہ ان کی بے نیازی اور خاموش خدمت کی دلیل ہے کہ ان کا تذکرہ عام تذکروں میں نہیں ملتا۔

قنبر علی شاہ کی ولدیت سید بچل شاہ بھاڈائی اور عرفیت شریف تھی۔ انہوں نے اپنی عرفیت ہی کو تخلص قرار دیا۔ اس کا سبب غالباً ان کی طبعی شرافت اور اخلاقی میلان تھا۔ ضلع ٹھٹھہ کے شہر سجاول سے کوئی دس میل کے فاصلے پر جنوب کی طرف تحصیل ''جاتی'' کا ایک گاؤں بھاڈ کے نام سے مشہور ہے۔ فقیر علی شاہ کے آبا و اجداد اسی کے باشندے تھے۔ قنبر علی شاہ اپنے آبائی وطن بھاڈ میں ۱۲۰۰ھ مطابق ۸۶ - ۱۷۸۵ء کو پیدا ہوئے۔ ان کی تعلیم و تربیت مقامی مکتب و مدرسے میں ہوئی۔

جب جوان ہوئے تو علائق دنیا نے آ گھیرا۔ نامساعد ماحول نے اس قدر بے چین کیا کہ وہ اپنا آبائی مسکن بھاڈ چھوڑنے پر مجبور ہوئے اور گنبالی نامی گاؤں میں اقامت پذیر ہوئے۔ یہ مقام ضلع ٹھٹھہ کی تحصیل گھوڑا باری میں واقع ہے۔ بالآخر ۱۲۶۴ھ مطابق ۴۸ - ۱۸۴۷ء میں عدم آباد کو ہمیشہ کے لیے منتقل ہو گئے۔

Marfat.com

سید قنبر علی شاہ شریف بھاڈائی نے مذہبی ماحول میں آنکھیں کھولیں اور دین و شریعت کی فضا میں پرورش پائی ۔ وہ بچپن سے صُوم و صلواۃ کے پابند اور اخلاق و اخلاص کے شیدا تھے ۔ بزرگان دین اور علمائے کرام کی بافیض صحبتوں نے ان کے شوق ، علم و عمل اور ذوق شعر و شاعری کو جلا دی ۔ انہوں نے حضرت شاہ لطیف سے والہانہ عقیدت کی بنا پر ''ابیات لطیف'' کا باقاعدہ مطالعہ کیا اور ان کی زرین تعلیمات و عالمگیر پیغامات سے خاطر خواہ استفادہ بھی کیا ۔ انہوں نے شاہ کی بیت اور وائیان کہنے کی مشق کی اور ان اصناف پر جس فنکارانہ انداز سے طبع آزمائی کی وہ ان کی جولانی طبع اور روانی فکر کی آئینہ دار ہے ۔ یہ ان کے پیرو مرشد صاحب کا روحانی فیضان تھا کہ انہوں نے اپنے شعری مجموعے کا نام ''شاہ جو رسالو'' کے تتبع میں ''شریف جو رسالو'' رکھا ۔ اس رسالے میں سندھی ، ہندی اور اردو بیت ، وائیان اور دوہے شامل ہیں ۔ ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ کی اطلاع کے مطابق ''شریف جو رسالو'' ابھی غیر مطبوعہ ہے ان کا اردو کلام کچھ اس طرز کا ہے :

رام بھگت اپکاند ہے ، جیسے سیر پائے ساز
شریف پنیتے بھکیا روٹی کے لحاظ
بھیک مانگنے

---

۱ ۔ دیباچہ خلیفی جو رسالو از خلیفہ نبی بخش لغاری ، ص ۳۴

Marfat.com

فتح دین شاہ فتح جہانیاں پوٹہ

(۱۲۰۵ھ - ۱۲۹۱ھ)

ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ "سندھ میں اردو شاعری" کے صفحہ ۱۲۳ پر رقمطراز ہیں :

"آچ کے مشہور ولی مخدوم جلال الدین جہانیاں جہان گشت کی اولاد میں سے سندھ میں "جہانیاں پوٹہ" خاندان مشہور ہوا - فتح دین شاہ بن ویدھل شاہ اس خاندان کے حیدرآبادی قبیلہ کے جد امجد تھے - انہوں نے حیدرآباد میں سکونت اختیار کی اور موجودہ "ٹنڈو جہانیاں" کو آباد کیا"

حضرت مخدوم جلال الدین جہانیاں جہان گشت، حضرت سید جلال الدین بخاری جلال سرخ[1] کے پوتے اور حضرت سید احمد کبیر کے فرزند تھے - سید جلال الدین بخاری جہانیاں جہان گشت کی ولادت با سعادت اُچ[2] میں شب برات کو ۷۰۷ھ میں ہوئی - عید کے دن ۷۸۵ھ میں ۷۸ سال کی عمر میں واصل اللہ ہوئے - اُچ میں آپ کی درگاہ مبارک مرجع خاص و عام ہے[3]-

اخبار الاخیار میں ہے کہ حضرت جہانیاں جہاں گشت جامع علم ولادیت و سیادیت تھے - آپ نے بہت سیر و سیاحت کی - اکثر اولیا اللہ سے نعمت و برکت حاصل کی - آپ ملتان تشریف لے گئے اور وہاں بقول مصنف سیرالعارفین عید کے دن شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی ، شیخ صدرالدین اور شیخ رکن الدین کے سزاروں پر مراقبہ کیا اور عیدی کے

---

۱ - حاشیہ ص ۴ پر (جلال سرخ) -

۲ - آچ حاشیہ ص ۷ پر -

۳ - ایضاً -

Marfat.com

طور پر آپ کو اللہ والوں کی جانب سے ''مخدوم جہانیاں'' کا لقب ملا۔ مخدوم جہانیاں نے شیخ ابوالفتح رکن الدین نبیرہ شیخ حضرت بہاالدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ سے شرف بیعت و خرقہ خلافت حاصل کیا۔

مخدوم جہانیاں کی عظمت کا اندازہ اس تاریخی واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ اُچ سے ملتان جا کر ۷۵۲ھ میں سلطان فیروز شاہ تغلق اور فرمانروائے سندھ جام مانبیہ کے مابین صلح کرائی۔ سلطان محمد تغلق نے آپ کو ملتان کا ''شیخ الاسلام'' جیسے بلند مرتبہ پر فائز کرنا چاہا لیکن آپ نے قبول نہ کیا اور حج بیت اللہ[۳] کے ارادے سے مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ مکہ معظمہ میں حضرت امام عبداللہ یافعی جیسے بلند مرتبت عالم اسلام کی صحبتوں سے فیض حاصل کیا۔ پھر اپنے وطن اُچ واپس آ گئے اور وہیں مدفون ہوئے۔[۱، ۲]

مخدوم جہانیاں جہان گشت کے دو فرزند سید صدرالدین اور سید ناصرالدین بھکری بھکر میں مدفون ہیں۔[۳]

مذکورہ بالا حالات و واقعات سے ثابت ہے کہ مخدوم جلال الدین جہان گشت کا تعلق سرزمین سندھ سے بہت گہرا تھا۔ آپ کی فیوض و کرامات کی بدولت سندھ کے اکثر علاقے ضیائے توحید و انوار محمدی سے منور ہوئے۔ تذکروں سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مخدوم جہانیاں کی اولاد اُچ سے بھکر تک آباد تھی۔ ڈاکٹر بلوچ صاحب کی تحریر کے مطابق ان کی اولاد میں سے ایک خاندان سندھ میں ''جہانیاں پوٹہ'' کے نام سے مشہور ہوا۔ مخدوم جہانیاں کا اُچ سے ملتان اور مکہ معظمہ تک آنے جانے کا ذکر ان کے سوانح نگاروں نے کیا ہے۔ ممکن ہے کہ اسی دوران انہوں نے کچھ عرصے کے لیے حیدر آباد یا نواح حیدرآباد میں قیام فرمایا ہو۔ اگر وہ خود نہ بھی آئے ہوں تو بھی یہ اغلب ہے کہ جس طرح ان کے صاحبزادے اُچ سے بھکر آ کر آباد ہوئے اسی طرح ان کی اولاد میں سے

---

۱ و ۲ - تحفۃ الکرام، ص ۳۵۹ ''بزم صوفیا'' اخبار الاخیار، ص ۲۹۸ -

۳ - پیش لفظ از حسام الدین راشدی، مطبوعہ تذکرہ صوفیائے سندھ، ص ۱۲، ۱۳ -

Marfat.com

کچھ افراد یا کوئی شخص حیدرآباد کے گرد و نواح میں آ کر بس گیا ہو اور فتح دین شاہ کا تعلق اسی قبیلہ سے ہو۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت مخدوم جہانیاں نے آٹھویں صدی ہجری میں خطہ سندھ میں توحید الٰہی کا جو چراغ روشن کیا تھا اس کو تیرھویں اور چودھویں صدی ہجری تک فروزاں رکھنے کی کوششیں خانوادہ جہانیاں کے جن بزرگان دین نے جاری رکھیں ان میں ویدھل شاہ اور ان کے بعد ان کے بیٹے فتح دین شاہ اور پوتے قطب الدین شاہ جہانیاں پوٹہ کے اسمائے گرامی فراموش نہیں کیے جا سکتے۔

فتح دین شاہ جہانیاں پوٹہ ۱۲۰۵ھ (۱۷۸۹ء) اپنے آبائی محلہ ٹنڈو جہانیاں تعلقہ حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ حضرت ویدھل شاہ جہانیاں اپنے وقت کے صاحب علم صاحب باطن اور صاحب دل درویش تھے۔ انہوں نے اپنے فرزند فتح دین شاہ کی دینی و علمی تعلیم اپنے سایۂ شفقت میں دی۔ انہیں کی خصوصی توجہ سے عربی و فارسی کی ضروری تعلیم کی تکمیل ہوئی۔ فتح دین شاہ نے سلوک و صفا کا درس بھی اپنے صاحب صفا والد کے زیر شفقت لیا۔ جوان ہوئے تو علم و روحانیت کی پیاس اور بڑھی۔ اپنے آبا و اجداد کی طرح صحرا نوردی اور گام بہ گام سیر و سفر کو منزل مقصود تک پہنچنے کا ذریعہ تصور کیا۔

اسی زمانے میں میراں پور (جھوک شریف) کے حضرت فضل اللہ شاہ قلندر (المتوفی ۲۷ جمادی الآخر ۱۲۴۳ھ (۱۸۲۷ء) کے فیضان کا بڑا چرچا تھا۔ فتح دین شاہ نے ارادت و عقیدت سے ان کے دست مبارک پر بیعت کی اور ایک مدت تک ان کی صحبت و خدمت سے فیض یاب ہوتے رہے۔ پھر اپنے مرشد مکرم کے حسب ہدایت اپنے آبائی وطن "جہانیاں پوٹہ" واپس آ گئے جہاں آخری عمر تک خدمت علم و دین میں منہمک و مستغرق رہے۔ ۲۶ محرم الحرام ۱۲۹۱ھ میں وفات پائی۔

فتح دین شاہ، فتح تخلص کرتے تھے۔ فارسی کے صاحب دیوان شاعر تھے۔ سندھی اور اردو میں بھی بہت پختہ شعر کہتے تھے۔ اپنے اشعار میں تخلص فتح دین بھی لکھا ہے مثلاً:

Marfat.com

شدہ روشن دو عالم فتح دیں را
بہ تیغ ہمت مشکل کشائی
چشیدم مغز معنی جز و کل را
بفتح الدین عیان اسرار باشد
درمیان باب وحدت فتح دین را یافتم
از نفی اثبات دیدم شعلۂ اسرار را

سندھی اور اردو میں کافیاں بھی کہیں۔ انہوں نے اپنی غزلوں میں بھی کافیوں کا انداز اپنایا ہے۔ اسلوب سادہ، دلکش اور معنی آفریں ہے۔ خیالات و جذبات میں پاکیزگی، صفائی و روانی ہے۔ وحدت الوجود، نفی اثبات، ہادی حق، مسیحا، الفت، خودی، بے خودی اور جوش و جلال جیسے الفاظ کے برمحل و برجستہ استعمال سے حقائق و معارف کے اسرار و رموز کی طرف بہت لطیف اشارے ملتے ہیں۔ ذیل کی غزل سے ان کا نکتہ نظر واضح ہے:

ہویا مخمور معنی میں کہ ہادی حق بتایا ہے
ملامت کوں سلامت کر، آپ اپنے چھپایا ہے
نہیں درکار عیسیٰ کا مسیحا دم ہمارا ہے
الٹ پٹی الف کی جھاتی کہ جس میں کل سمایا ہے
اللہ کا پرتو الٹ پڑا
محمد شرف آں دانی، الست اسرار آیا ہے
دونوں جگ میں برق بن کر ابر رحمت وسایا ہے
ہوائے بیخودی آئے، خودی کی دھول اُڑ جائے
صدف کر سینہ کو اپنا عجب گوہر چھپایا ہے
جلالی جوش کے جذبے جسم کوں خود جلایا ہے
فتح ہے دین کی ہر دم کفر کوں مر مٹایا ہے

(۱) سید جلال الدین سرخ بخاری بن المؤید علی بن جعفر بن محمود بن احمد عبداللہ حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔

Marfat.com

آپ اپنے وطن بخارا سے چلے تو بھکر میں رہائش اختیار کی۔ سندھ کے دوران قیام ملتان تشریف لے گئے، وہاں حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی کے ہاتھوں شرف بیعت سے مشرف ہوئے اور خلافت کا اعزاز حاصل کیا۔ یہ بزرگ آپس میں چار یار کہلاتے ہیں۔ شیخ بہاء الدین، شیخ فریدالدین، سید عثمان مروندی عرف لعل شہباز قلندر اور سید جلال سرخ۔ (تحفۃ الکرام۔ ص ۳٦۷)۔

جس زمانے میں آپ نے بھکر میں سکونت اختیار کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کی برکت سے آپ کی شادی بھکر کے ایک ممتاز صوفی سید بدرالدین کی صاحبزادی سے ہوئی، جن کے بطن سے حضرت سید احمد کبیر تولد ہوئے۔ وہ مخدوم جلال الدین جہانیاں جہان گشت کے والد تھے۔

حضرت سرخ بخاری ۶۴۴ھ میں بھکر سے آکر اُچ میں سکونت پذیر ہوئے۔ پچانوے سال کی عمر پائی۔ ۶۹۱ھ میں اُچ میں وصال ہوا۔ اُچ میں آپ کا مزار پر انوار مرجع خلائق ہے۔

آپ جہاں جہاں تشریف لے گئے اسلام کی روشنی سے کفر و الحاد کی ظلمتیں چھٹ گئیں۔ ضیائے توحید اور شمع رسالت سے بہت سے گمراہ انسانوں کے تاریک دل روشن ہوئے۔ اُچ میں محلہ بخاریاں مغربی پنجاب میں شہر جنگ سیالاں حضرت جلال سرخ بخاری نے آباد کیے تھے۔

۱۔ اخبار الاخیار، ص ٦۱۔ آب کوثر، تحفۃ الکرام، ص ۳٦۷ - ۳٦۹)
صوفیا، ص ۳۹۵۔

۲۔ اُچ ملتان سے ستر میل کے فاصلے پر جنوب مغرب میں واقع ہے۔

۳۔ تحفۃ الکرام، ص ۳٦۹۔ اخبار الاخیار، ص ۲۹۸۔

۴ و ۵۔ تحفۃ الکرام، ص ۳٦۹۔ ''بزم صوفیا''، اخبار الاخیار، ص ۲۹۸۔

Marfat.com

غلام شاہ لغاری

(۱۲۱۴ھ - ۱۲۷۸ھ - ۱۸۰۰ء - ۱۸۶۱ء)

نواب شاہ لغاری وادی مہران کی ان نامور شخصیات میں سے تھے جو نہ اپنے اعلیٰ حسب و نسب[1] کی بناء پر کمال و معراج کی بلندیوں تک پہنچے بلکہ امور مملکت میں غیر معمولی صلاحیتوں کی بدولت دنیاوی جاہ و منصب کا اعلیٰ مقام بھی حاصل کیا۔ یہی نہیں بلکہ بے پناہ جذبہ خدمت و ایثار کے باعث دنیائے علم و ادب اور جہاں سلوک و شریعت میں زندہ جاوید ہو گئے۔

نواب غلام شاہ لغاری غلام محمد خان نگار کے پوتے، غلام اللہ شاہ اول فقیر لغاری کے صاحبزادے اور نواب ولی محمد خان ولی کے بھتیجے تھے۔[2] ان کا سال پیدائش ۱۲۱۴ھ (۱۸۰۰ء) اور سال وفات ۱۲۷۸ھ (۱۸۶۱ء) ہے۔ جب انہوں نے آغوش مادر میں آنکھیں کھولیں تو ان کے گرد و پیش ثروت و حشمت اور دنیا کی ہر نعمت کی فراوانی تھی۔ مگر گھر کا ماحول رئیسانہ ہونے کے باوجود علم و دین کی خوشبوں سے بسا ہوا تھا۔ ان کی پرورش ناز و نعم سے ہوئی لیکن تعلیم و تربیت کڑی نگرانی میں کی گئی۔ رئیس باپ نے منتخب اساتذہ اور ممتاز علماء کی اتالیقی میں اپنے فرزند ارجمند کو زیور تعلیم و شائستگی سے آراستہ کیا۔ علمی و دینی فضا اور ذاتی ذوق و شوق نے انہیں کامرانی و نام وری کی سعادتوں سے ہمکنار کیا۔

۱۔ ''این خاندان از عہد کلہوڑی تا زمان تالپور در سندھ بسیار معزز و بربسا عہدہائے جلیلہ سرفراز بود، و شعرائے متعدد فارسی و سندھی از این خانوادہ برخاستہ اند''

(تکملہ مقالات اشعراء، ص ۳۵۵)

۲۔ ملاحظہ ہو نسب نامہ تذکرہ صوفی تیسرا دورکتاب ہذا۔

Marfat.com

غلام شاہ لغاری کم عمری ہی سے امور سلطنت میں دخل رکھتے تھے ۔ جب انہوں نے ہوش سنبھالا تو فرمانروائے سندھ میر نور محمد خان تالپور کے عہد میں ان کے والد غلام اللہ شاہ فقیر لغاری عمرکوٹ کی گورنری کے عہدے پر فائز تھے ۔ بیٹے کو ذہین و ہونہار دیکھ کر انہیں اپنا معاون مقرر کیا ۔ اس دوران اسلام کوٹ ضلع تھرپارکر میں سوڈھوں نے بغاوت کر دی ۔ غلام شاہ کو باغیوں کی سرکوبی کے لیے بھیجا گیا انہوں نے ناظم اسلام کوٹ کی حیثیت سے باغیوں کا خاتمہ کر دیا ۔ ۱۲۵۳ھ (۱۸۳۸ء) میں جب نواب غلام اللہ کا انتقال ہوا تو ان کی جگہ ان کے فرزند نواب غلام شاہ کو علاقہ جاتی اور ریاست کچھ کا ناظم اس لیے مقرر کیا گیا کہ وہ انگریزوں کے ساز باز کی نگرانی کریں ۔ ۱۸۳۸ء کا زمانہ تھا جب فرنگی فوجوں کا ایک دستہ سندھ میں ان کے فوجیوں کو اناج اور رسد پہچانے کی غرض سے شاہ شجاع کو کمک پہنچانے کا جھوٹا منصوبہ دکھا کر دریائے سندھ سے ہو کر ضلع ٹھٹھہ کے وکر بندر پہنچا تھا لیکن ناظم ٹھٹھہ غلام شاہ نے خفیہ ذرائع ابلاغ سے اس کا پتہ چلا لیا اور ان کی حکمت عملی اور قبل از وقت مؤثر اقدامات سے فرنگیوں کی یہ سازش ناکام ہو گئی ۔

اس زمانے میں کرنل پائچر[1] حیدرآباد میں انگریزوں کا سفیر تھا ۔ اس نے حکومت برطانیہ کو اس واقعہ سے متعلق جو رپورٹ بھیجی اس کے متن کا خلاصہ یہ تھا ۔

> "۲۷ نومبر کو افٹننت اسٹوک کا خط ملا کہ فوج دریائے سندھ کے دھانے پر پہنچ گئی ہے لیکن غلام شاہ جنھیں میر نور محمد نے ایک ماہ پیشتر وہاں بھیج دیا تھا انہوں نے نہ صرف اناج اپنے قبضے میں لے لیا بلکہ ہر قسم کی رسد کو فوج تک بھیجنے سے انکار کر دیا ہے ۔"

۱۸۴۲ء میں نواب غلام شاہ سکھر میں والی سندھ میر شہزاد خان[2]

---

۱ ۔ برٹش پالیسی سندھ از بی این کھیرا ۔

۲ ۔ میر شہداد خان حیدری (المتوفی ۱۸۵۷ء) ولد میر نور محمد خان

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

Marfat.com

تالپور کے سفیر مقرر ہوئے ۔ اس کے دوسرے سال ۱۸۴۳ء میں سندھ میں انگریزوں کے زیر نگیں آ گیا ۔ سر چارلس نیپئر حاکم سکھر نواب صاحب انتظامی صلاحیتوں کے قائل ہو گئے اور ان کی سفارش پر انگریزوں نے انہیں ۱۸۴۴ء میں سکھر کا نظام سونپ دیا ۔ وہ ۱۸۵۲ء میں اسی ملازمت سے اعزاز کے ساتھ ریٹائر ہوئے ۔

نواب غلام شاہ لغاری ہمہ جہت خصوصیات کے مالک تھے ۔ امور انتظامیہ کے ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ بلند پایہ نثر نگار ، خوش فکر سخن سنج اور دل‌گداز رکھنے والے صاحب سلوک تھے ۔ فن طب سے خاص شغف تھا ۔ علوم ظاہری کے علاوہ باطنی سے آگہی رکھتے تھے ۔

میراں پور (جھوک شریف) کے ناسور بزرگ حضرت فضل اللہ شاہ قلندر (المتوفی ۱۲۴۳ھ) کے مرید تھے ان سے بیحد محبت رکھتے تھے ۔ ان کی بافیض و با برکت صحبتوں سے غیر معمولی استفادہ کیا ۔ اپنے مرشد قلندر سے دلی و روحانی قربت و رفاقت کا ذکر اپنی اکثر کافیوں میں نہایت فخر و جوش کے ساتھ کیا ہے ۔

ریختہ روپ بلاول

مردھنگ مرلی مورے من بجے بجے
باجت تار ستار
رمز ربانی روح باجت ہے ناد انحد گجے گجے
قلب رہیو کسنار
غلام شاہ کوں شاہ قلندر دان دیو سائیں سچے سچے
پریم اس کو حصنار

روپ سارنگ ریختہ

من کی مرلی باجے تار طلب طنبور باجے
دشم دوارے دھن سن لاگے انحد لگنا گاجے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

تالپور فارسی کے صاحب دیوان شاعر تھے صاحب تکملہ مقالات الشعراء نے اپنی کتاب میں ان کا مختصر حال اور کلام تحریر کیا ہے (ص ۱۵۹ تا ۱۶۲) ۔

Marfat.com

غلام شاہ کوں دھیان ذکر سوں دیا قلندر سانجے

ریختہ بروہ

عشقے ذات دیوانہ ہے ، کوئی برھے ذات مستانہ ہے
حسن بن آوے ، اگن لگاوے
لوگ ہیں سوں مات ملت ملئے ہم خفتی خفتانہ ہے
کرتا یاد یگانہ ہے
شاہ قلندر شاہ یہیں کا فضل اللہ فرزانہ ہے
ہم حلقہ بگوش شہانہ ہے
ساقی صاف پیالہ دیا سن مورے میخانہ ہے
خاص خمر خمخانہ ہے
غلا شاہ سر انحد باجے ، کھلیا راز ابانہ ہے
دل اندر دردانہ ہے

کافی روپ رام کلی ریختہ

شاہ قلندر پیر ، پیر قلندر ، موری لاج راکھو
تم ہیں جہاز سہونڈ کو ساجو، تم ہیں ہارو سانگھو[1]
غلام شاہ کو سرن تمہاری نار کرو تم نانگھو[2]

میرے دل رہو صاحب تیرو نام
مطرب ساقی سہج ہارے ، رہو محو مدام
غلام شاہ نوں شاہ قلندر ، دیو بھر بھر جام

ایسی بے شمار کافیاں ہیں جن میں شاہ قلندر کا ذکر بڑی شدت سے کیا ہے ۔ ایسا لگتا ہے جیسے پیر و مرشد کی محبت ان کی رگ رگ میں سمائی ہوئی تھی ۔ زندگی کی ہر منزل پر شاہ قلندر کی یاد روشنی بن کر انہیں راہ حق دکھاتی تھی ۔ یہ شاہ صاحب کا روحانی اثر تھا کہ ان کی

---

۱ ۔ سانگھو = آسرا ۔
۲ ۔ نانگھو = اتھلا پانی ۔

Marfat.com

سوچ اور ان کی فکر ، ان کے فن ، ہر چیز میں ان کے ذکر سے انہیں توانائی و تازگی ملی ہے اور یہ ان کے حضرت مرشد کی کرامات کا کرشمہ تھا ۔

غلام شاہ فارسی کے بلند پایہ ادیب تھے ۔ نثر میں ان کی کئی کتابیں اور رسالے ان کی یادگار میں سے ہیں ۔

(۱) **درد نامہ** میں نواب غلام شاہ نے اپنے مرشد حضرت فضل اللہ شاہ قلندر کے ملفوظات جمع کیے ہیں ۔ اس کتاب میں مندرجہ ذیل سطور سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ملفوظات ۱۶۶۶ء میں نقل کئے گئے ۔ یہ سطریں اس کتاب کے آخر میں یوں ہیں :

"نسخہ دردنامہ از دست حقیر غلام شاہ فقیر لغاری بتاریخ بیست و نہم ماہ رمضان المبارک روز جمعہ سنہ ۱۶۶۶ء صورت تحریر یافت" ۔

(۲) **انیس العاشقین** ۔ یہ کتاب سلوک کے موضوع سے متعلق ہے ۔ یہ "نسخہ شلوک تصنیف نانک شاہ" ۱۲۷۰ھ میں لکھا گیا ۔ اس کتاب کے آخری حصے کی حسب ذیل عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی کتابت خود انھوں نے اپنے ہاتھوں سے ۱۲۷۰ھ میں کی :

"نسخہ سلوک تصنیف نانک شاہ ساکن امرتسر ، مرشدش شاہ امانت‌اللہ صوفی ساکن ولادیت کشمیر ۔ از دست امیدوار عفو صیم بندہ درگاہ اللہی غلام شاہ لغاری بتاریخ بیست و سیوم ماہ ربیع‌الاول سنہ ۱۲۷۱ھ تحریر آمدہ" ۔

(۳) **نسخہ ادویات** ۔ طب کے موضوع پر یہ کتاب اس اعتبار سے خصوصیت رکھتی ہے کہ انہوں نے طبی علوم کے مطالعہ اور تجربات کی روشنی میں طب کے مفید نسخوں کی تفصیلات لکھی ہیں ۔ اس کتاب کا اختتام ان کے ان الفاظ پر ہوتا ہے :

"نسخہ ادویات بعضی از کتابہائے و بعضی آزمودۂ خود بندہ درگاہ غلام شاہ ولد غلام اللہ فقیر لغاری تجویز کردہ نوشتہ شد" ۔

Marfat.com

(۴) **نسخہ ظفر نامہ** ۔ اس کتاب کی تاریخ تحریر اور مقام تحریر کا پتہ اس جملے سے چلتا ہے :

"نوشتہ شاہ ربیع الاول ۱۲۷۴ھ در شہر خانپور" ۔

(۵) **غوثیہ** ۔ یہ کتاب تصوف و طریقت کے موضوع پر لکھی گئی ہے اور غلام شاہ کے نظریہ زندگی و عقائد دینی کا مظہر ہے ۔

ان کی یہ تمام تصانیف فارسی زبان میں ہیں جن کے مطالعے سے نہ صرف ان کی فارسی دانی بلکہ سلوک و صفا ، طب و حکمت جیسے موضوعات سے ان کا غیر معمولی لگاؤ اور فارسی نثرنویسی میں مہارت کے آئینہ دار ہیں ۔

نواب غلام شاہ لغاری بیک وقت کئی زبانوں میں شاعری کرتے تھے ۔ سندھی ، سرائیکی ، فارسی ، ریختہ ، اردو میں ان کا کلام موجود ہے ۔ ان کی کافیوں کی دو ضخیم بیاضوں کا پتہ چلتا ہے ۔ ان کی جو کافیاں ریختہ میں ہیں اس میں ان کے اسلامی رجحانات، فلسفہ ، تصوف ، نظریہ حیات اور شاعرانہ کمال کی جھلکیاں ملتی ہیں ۔

کافی روپ دے گندھار ریختہ

سانچی کیجیے پریت صاحب سوں ، سنچی کیجے پریت
غلام شاہ تم جوش جگا رو ، عشق کی راکھو ریت

ریختہ روپ بروہ و روپ سارنگ

اے تن ہویا گرم گداز تیری تپش سوں موم گلت ہے
عشق صاحب کا شاہین ہویا ، تیز کرے پرواز
بحر وحدت کی موج جگائی ، کیا نشیب و فراز
غلام شاہ کا حال حقیقی ، من اندر ممتاز

Marfat.com

شاہ نصیر الدین نقشبندی

(۱۲۴۳ھ-۱۳۱۸ھ / ۱۸۰۳ء-۱۹۰۰ء)

سرزمین سندھ میں عموماً اور ضلع نواب شاہ میں خصوصاً اللہ تبارک و تعالیٰ کے جن نیک و برگزیدہ بندوں نے علم و دین، تصوف و روحانیت اور حقیقت و معرفت کے نور سے دلوں کو منور، روحوں کو بیدار اور ذہنوں کو تاباں و درخشاں رکھا ان میں پیر شاہ نصیرالدین انصاری نقشبندی نوشہرائی کا اسم مبارک بہت معتبر، بہت ممتاز ہے۔

شاہ نصیرالدین نقشبندی کا سلسلہ نسب[1] سرور کائنات حضور اکرم[ؐ] کے مشہور صحابی حضرت جابر انصاری سے جا ملتا ہے۔ شاہ نصیر کے مورث اعلیٰ حضرت حاجی محمد عثمان افغانستان کے شہر احرار سے ہجرت کر کے نوشہرہ فیروز ضلع میں سکونت پذیر ہوئے۔ شاہ نصیر کے جد امجد حضرت شہاب الدین مشہور بہ سیر دہنی کا مزار مقدس یمن میں ہے۔ شاہ نصیر کے دادا حافظ حاجی عطا محمد انصاری اور ان کے پدر بزرگوار مخدوم پیر عبدالحی انصاری اپنے وقت کے نامور عارفین و سالکین میں سے تھے۔ ان بزرگانِ دین کے دم سے وادی مہران میں نقشبندیہ طریق کو بہت فروغ ہوا۔ شاہ نصیر نے اپنے بیت میں سلسلہ نقشبندیہ سے وابستگی کو باعثِ فخر قرار دیا ہے۔ کہتے ہیں:

شہی نقشبنداں توں سر الاھی
تنھنجی آھہ قائم سدا بادشاھی

شاہ نصیر کی تاریخ پیدائش کے بارے میں تذکرہ نگاروں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ (سندھ میں اردو

---

۱ - مضمون (سندھی) "حضرت پیر شاہ نصیر نوشہروی" از خانزادہ سمیع نوشہروی، مطبوعہ ماہنامہ نئی زندگی - کراچی - جنوری ۱۹۷۸ء -

Marfat.com

شاعری) مولانا دین محمد وفائی (تذکرہ مشاہیر سندھ) لطف اللہ بدوی (تذکرہ لطفی جلد سوم) اور پروفیسر محبوب علی چنڈ (مخدوم امین ہالائی کے معاصرین مشمولہ کلیات امین) وغیرہ نے اپنے اپنے تذکروں میں شاہ نصیر کی تاریخ ولادت تحریر نہیں کی ہے۔ افسر صدیقی امروہی کی ایک قلمی بیاض میں شاہ نصیر کا سنہ ولادت ۱۲۲۳ھ راقم کی نظر سے گزرا ہے۔ خانزادہ سمیع نوشہروی نے بھی اپنے مقالے مطبوعہ نئی زندگی جنوری ۱۹۷۸ء میں یہی سنہ ولادت لکھا ہے۔ راقم کے خیال میں ۱۲۲۳ھ کا سال درست معلوم ہوتا ہے۔

شاہ نصیر کی ابتدائی تعلیم و تربیت ان کے والد ماجد کے زیر نگرانی ہوئی۔ والد کی وفات کے بعد ان کے مرید عثمان فقیر سانگی کی صحبتوں میں نکات معرفت اور رموز حقیقت سے آگاہ ہوئے۔[1] بعد ازاں پیر جھوک شریف سے شرف بیعت حاصل کیا۔

شاہ نصیر نے اپنے عظیم مشن کو تبلیغ و اشاعت کی خاطر اولیائے نقشبندیہ کی معیت میں نہ صرف سندھ بلکہ بیرون سندھ کے دور دراز مقامات کی زیارت و سیاحت کی۔ بمبئی، اجمیر، قندھار، بلوچستان، سرہند شریف کا سفر کیا۔[2]

شاہ صاحب کی ساری زندگی خدمت خلق، عبادت الٰہی، احیائے دین اور فروغ علم و ادب میں گزری۔ شاہ صاحب اور ان کے ارباب بیعت کی فیوض و برکات، خدمات و کرامات کی روشنی نواب شاہ تک محدود نہ تھی بلکہ ریاست خیرپور اور سندھ کے دوسرے علاقوں تک پھیلی ہوئی تھی خصوصاً لاڑکانہ میں ان کے مریدوں کی تعداد کافی تھی۔

شاہ نصیر کے صرف ایک فرزند تھے، پیر صفی اللہ جان۔ وہ بھی صاحب دل و صاحب علم و عرفان درویش تھے۔ نوشہرہ کے پیر شہاب الدین اور ارشاد شاہ بھی شاہ نصیر کی اولاد میں سے ہیں۔

۱۔ تذکرہ مشاہیر سندھ، ص ۷۷۔

۲۔ تذکرہ لطفی، جلد سوم، ص ۳۲۰۔

Marfat.com

شاہ نصیر راگ رنگ ، سماع و سرود کی محفلوں کے بے حد شائق تھے ۔ عالم کیف و مستی کو کسب روحانی کا ذریعہ تصور کرتے تھے ۔

۱۳۱۸ھ مطابق ۱۹۰۰ء میں اس محفل رنگ و بو سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہوگئے ۔ ان کا مزار پرانوار نوشہرہ فیروز میں مرکز روحانیت اور گہوارہ زیارت ہے ۔ ہر سال ۴ ذی القعدہ کو اعلیٰ پیمانے پر عرس ہوتا ہے ۔

شاہ نصیر بہت خوش خط تھے ۔ نصیرا تخلص کرتے تھے ۔ سندھی ، فارسی اور اردو میں روانی کے ساتھ نثر و نظم لکھنے کی بھرپور صلاحیتوں کے مالک تھے ۔ ان کا کلام کیف و سرور ، سرشاری و سرمستی ، حقائق و معارف کا بصیرت افروز مرقع ہے ۔ وحدت الوجود اور ہمہ اوست کے فلسفے کو عارفانہ رنگ میں پیش کرنے کا ملکہ رکھتے تھے ۔

شعرائے عجم میں انہیں حافظ شیرازی کا کلام بہت پسند تھا ۔ دیوان حافظ اکثر ان کے زیر مطالعہ رہتا تھا ۔ فارسی میں کلام حافظ کا تتبع ہی نہیں کیا بلکہ ان کی بعض غزلوں کی خوبصورت تضمینیں بھی کی ہے ۔[1] جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ فارسی کے بھی قادر الکلام شاعر تھے ۔

شاہ نصیر اپنی سندھی کافیوں کی بنا پر سندھ کے خاص و عام میں جانے پہچانے جاتے تھے ۔ ان کے ایسے اشعار کی تعداد کافی ہے جو سندھی اور اردو کی آمیزش سے تخلیق ہوئے ہیں ۔ ان کا ایک سندھی مرثیہ بھی اس ضمن میں لائق مطالعہ ہے ۔ اردو میں شعرائے متقدمین اور اپنے معاصرین کے طرز فکر کو ملحوظ خاطر رکھا ہے ۔ ہر شعر صاف سادہ ، رواں اور دلاویز ہے ۔ غزلوں کے یہ اشعار دیکھیے :

قامت سے ترے سرو خراماں ہے حیراں
لعلوں سے ترے لعل بدخشاں ہے حیراں
مرجاں بھی مرجان سے بے جان رہے ہے
پنجہ کی فساں دیکھ کے غلطاں ہے حیراں

---

۱ ۔ ایک فارسی غزل کی تضمین مخمس کی صورت میں کی ہے ۔ نو بند کا یہ مخمس تذکرہ لطفی جلد سوم کے ص ۳۲۳ ، ۳۲۴ پر شامل ہے ۔

Marfat.com

روتا ہوں ترے ہجر سے شب روز اے دلبر
آنکھوں سے مرے قلزم عمان ہے حیران
نالہ جو کروں ہجر میں شب روز نصیرا
نالوں سے مرے رعد پریشان ہے حیران

پنجۂ مرجان سے اس کے جب پیا جام ہے
اڑ گیا دل سے مرے جو خوف مرجانے کا تھا
ساقیا میخواروں نے کی آج میخواری عجب
زعفراں سا رنگ سارا زرد میخانے کا تھا
مرغ دل کو دام گیسو میں نہیں جینے کا غم
اک خیال اس کو مگر اس خال کے دانے کا تھا
رشک رضواں لیتا ہے اس یار کے دربان سے
اے نصیرا شرمگیں کا شان کاشانے کا تھا

Marfat.com

حمل فقیر لغاری

(۱۲۲۵ھ - ۱۲۹۶ھ/۱۸۰۹ء - ۱۸۷۹ء)

اصل نام حمل خان ۔ لغاری بلوچ کے قبیلہ سیرکانی سے تعلق رکھتے تھے ۔ انہوں نے اپنے قلم سے اپنی ایک بیاض میں اپنا نام "حمل فقیر لغاری سیرکانی" لکھا ہے ان کے والد کا نام عبدالرحیم خان لغاری اور دادا کا نام حمل فقیر لغاری تھا۔ ان کے آباو اجداد کا سلسلہ' نسب حضرت آدم صفی اللہ علیہ السلام سے جا ملتا ہے ۔ اس بیاض میں حمل خان کے خود نوشت حالات اور شجرہ نسب شامل ہیں ۔ اختتام پر ان کے اپنے قلم سے نام اور یہ تاریخ تحریر بھی درج ہے :

"تمام شد از دست حمل فقیر لغاری ماہ جمادی الثانی ۱۲۸۲ھ"[1]

حمل خان اپنے گوٹھ (ریاست خیر پور) میں ۱۲۲۵ھ (۱۸۰۹ع) میں پیدا ہوئے۔ ان کی تعلیم و تربیت نواب سعید خان کے زیر نگرانی ہوئی ۔ عربی و فارسی کی تعلیم کے بعد تعلقہ سکرنڈ ضلع نواب شاہ کے "میر خان لغاری" نامی گاؤں میں منتقل ہو گئے اور وہیں تادم مرگ اقامت پذیر رہے ۔ وہاں ایک مدرسہ قائم کیا اور درس و تدریس کے مشغلے کو مشغلہ حیات بنایا ۔

حمل کی تدریسی صلاحیت اور معلمانہ حیثیت مسلم تھی ۔ اس عہد کے ایرانی تالپور ان کی عظمت اور فضیلت کے بہت قدردان تھے جن میں میر علمبردار خان ، میر شاہنواز خان ، میر بختیار خان ولد رئیس میر خان اور میر علی مراد خان والی خیر پور کے نام قابل ذکر ہیں ۔ آخرالذکر دو امیروں کی جانب سے حمل کو باقاعدہ وظیفے ملا کرتے تھے ۔

---

۱ ۔ ملاحظہ ہو عکس تحریر و شجرہ نسب حمل فقیر لغاری ، کلیات حمل ص ۲ ۔ الف ۔

Marfat.com

حمل خان کے شاگردوں میں ان کے فرزند میاں محمد رحیم کے علاوہ غلام شاہ، میر خان اور میاں بختیار خان جیسے فارسی کے عالم و فاضل گزرے ہیں۔

پیر صاحب پگارو حضرت محمد راشد (روضے دھنی) کی درگاہ سے حمل فقیر اور ان کے بزرگوں کا دیرینہ اراتمندانہ تعلق رہا۔ ان کے خاندان کے کئی افراد صوفیائے راشدیہ کے مرید تھے۔ خلیفہ نبی بخش خان لغاری (جو حضرت پیر پگارو سے بیعت تھے) حمل خان کے ایک بزرگ تھے۔ اس سلسلے سے حمل کے پیر علی گوہر شاہ اصغر (بنگلے دھنی) اور ان کے نامور فرزند پیر حزب اللہ شاہ (تخت دھنی) سے خاص تعلقات رہے[1] لیکن حمل فقیر کی دلی ارادت لواری شریف کے بزرگان دین سے تھی اور اسی نسبت سے انہوں نے طریقہ نقشبندیہ کو اپنایا۔ ان کے پیر و مرشد حضرت شاہ مدنی خواجہ محمد حسن خانوادہ لؤاری[2] کے سجادہ نشین تھے۔ انہوں نے اولیائے لواری کی شان میں متعدد مرحیہ اشعار کہے ہیں ان کے ایسے اشعار بیشتر سندھی میں ہیں اور ان کے مجموعہ کلام میں جا بجا ملتے ہیں۔

حمل کو سیر و سیاحت کا بہت شوق تھا۔ ذاتی مشاہدات اور علمی تجربات کی غرض سے مختلف مقامات کا سفر کیا۔ سندھ کے مختلف علاقوں مثلاً شکار پور، سکھر، نواب شاہ میں تھوڑے تھوڑے عرصے قیام بھی کیا۔

حمل خان فقیر لغاری نے ۲ صفر ۱۲۹۶ ہجری (۱۸۷۹ع) کو "محمود فقیر لغاری" نامی گاؤں میں انتقال کیا۔ ابراہیم شاہ والا قبرستان واقع "میر خان لغاری" میں سپرد خاک ہوئے۔ ان کی اولاد میں میاں محمد رحیم[3] نے فارسی و سندھی میں کمال حاصل کیا۔

۱۔ مقدمہ کلیات حمل۔ ص ۹، ۱۲۔

۲۔ ملاحظہ ہو تذکرہ حضرت شاہ مدنی خواجہ محمد حسن مشمولہ اولیائے لواری شریف اردو ترجمہ عبدالکریم جان محمد تالپور۔

۳۔ محمد رحیم ولد حمل خان کے سوانح حیات اور شاعری کے لیے ملاحظہ ہو ضمیمہ ۴ کلیات حمل ص ۴۷۴ تا ۴۸۲۔

Marfat.com

حمل فقیر کو شاعری اور موسیقی سے فطری لگاؤ تھا۔ حمل کی ایک قلمی بیاض جمال خان کے توسط سے ڈاکٹر نبی بخش کے ہاتھوں میں پہنچی۔ اس قیمتی بیاض کو ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ نے تصحیح و حواشی کے ساتھ مرتب کیا اور اسے سندھی ادبی بورڈ نے ۱۹۵۳ء میں "کلیات حمل" کے نام سے شائع کیا ہے۔ کلیات حمل کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ حمل صرف بلند پایہ عالم، عارف و درویش ہی نہ تھے بلکہ شاعری میں بھی ان کا مرتبہ بہت بلند تھا۔ فارسی سندھی، سرائیکی، پنجابی، ہندی اور اردو میں بلند پایہ شعر کہتے تھے۔ خیالات و موضوعات میں صراحت ہم آہنگی اور رنگا رنگی ہے۔ مختلف اصناف سخن پر نہایت پختگی و شیفتگی سے طبع آزمائی کی۔ سندھی و سرائیکی میں ان کی مثنویاں، کافیاں، قصاید، مناقب، بیت، غزلیات وغیرہ نے بہت مقبولیت حاصل کی۔ سرائیکی میں شعر کہنے کا خاص ملکہ تھا اور بقول پروفیسر محبوب علی چنہ "سرائیکی کلام کو بام عروج پر پہنچانے کا سہرا حمل خان لغاری کے سر ہے"[1]۔ جن شعرائے کرام نے سرائیکی میں کلام حمل کا کامیاب تتبع کیا ان میں سائیں حسین بخش شاہ اور اللہ بخش فقیر کے نام بہت عام ہیں۔[2]

پنجاب میں ہیر رانجھا کے قصے کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔ شہنشاہ اکبر کے ہمعصر شاعر داموڈر، راجہ رنجیت سنگھ کے درباری شاعر اللہ بخش مجروح اور فرخ ملتانی کا عشقیہ قصہ ہیر رانجھا کا رنگ سب سے جدا، سب سے الگ ہے۔ حمل کی یہ مثنوی پرسوز و پر اثر سرائیکی دوہیڑوں اور سی حرفی میں ہے۔ کسی زمانے میں یہ مثنوی سندھ سے باہر بہاولپور، ملتان اور پنجاب کے دیگر علاقوں میں بڑی دلچسپی سے پڑھی اور سنی جاتی تھی۔[3] حمل فقیر، عبداللطیف شاہ بھٹائی اور خلیفہ نبی بخش لغاری کے صوفیانہ خیالات اور شاعرانہ عظمت سے بہت متاثر تھے۔ یہی سبب ہے کہ ان کی شاعری میں زیادہ تر انہیں اولیائے کرام کا

---

۱ - سندھی ادب کے مختلف رجحانات ۔ ص ۱۱ ۔
۲ - کلام حسن بخش شاہ مولفہ عارف المولیٰ ۔ ص ۱۱ ۔
۳ - تذکرہ لطفی ۔ ص ۲۳۶ ۔

Marfat.com

رنگ فکر غالب ہے ۔ حمل اکابر اسلام اور صوفیائے کرام کے بہت معتقد تھے ۔ ان کے کلام کا بیشتر حصہ حمد و نعت کے علاوہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ، غوث الاعظم حضرت عبدالقادر جیلانی اور بزرگان لواری کی مدح میں قصیدے اور مثنویوں پر مشتمل ہے ۔ یہی وہ حصہ ہے جو حمل کے شعری رجحانات ، فکری میلانات اور علمی و دینی عقائد کا بصیرت افروز مرقع ہے ۔

ان کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے سندھی نعت ، منقبت ، مدح ، معجزہ وغیرہ میں اردو کے الفاظ ، مصرعے و فقرے بڑی چابکدستی سے استعمال کیے ہیں ۔ معمولی تغیر و تبدل سے اس قسم کے اشعار اردو کلام کے اجزا معلوم ہوتے ہیں ۔

(۱) ذات احمد جی[۱] سمجھ خدا

(۲) باطن ظاہر وجود ۔ اوّل آخر نور شہود

(۳) شیون[۲] اسماء صفات کمال ۔ خواہ جمال خواہ جلال

(۴) سمجھ حقیقت احمد نام

(۵) اصل حقیقت احمد جان[۳]

(۶) "برزخ کبری" احمد نام

(۷) نور وجود آہی[۴] ظاہر نور

(۸) اول آخر نور قدیم ۔ آہی احمد بلا میم

(۹) "اسم اعظم" اجمال وجود ۔ ظاہر باطن آہ موجود

(۱۰) عالم مطلق موجود جمالی ۔ موجود اول آہ احمد عالی

---

۱ ۔ جی = کی ۔

۲ ۔ شیون = مظہر ۔

۲ ۔ جان = جہان ۔

۴ ۔ آہی = ہے ۔

Marfat.com

(در بیان حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ۔ کلیات حمل ص ۱۴۴ تا ۱۴۶) ۔

"بیت ہندی تصنیف حمل فقیر لغاری" کے تحت یہ چند اشعار دیکھیے :

تجلی تاب ، موہیا مہتاب ، کنگور کباب
آگن کوں آب ، دیا انوارا

جبین کی چین ، دیکھے غمگین ، موہے مسکین
وسارے دین ، دنیا عقبیٰ را

ادگر عین ، سجن دن رین ، چلاوے چین
سناوے سین ، دری پر دارا

جواہر دند ، لب گلقند ، دھان خوش خند
کریگا بند ، ہمہ ہوشیارا

رخش گل فام ، نبوت نام ، ترے تمام
گنسیگت گام ، چلے گینارا

نبی کا نور ، ہویا مشہور ، نیا دل دور
کیا مسرور ، ملک مختارا

شفیع کی شان ، اوپر فرقان ، مکا رحمان
تیا قربان جملہ جگ سارا

حمل دن رات نبی کی نعت ، پڑھو صلواۃ
یہ کلمہ بات تیسی چھٹکارا

حمل فقیر کی غزلیں رنگ تغزل کا عمدہ نمونہ ہیں ۔ زبان صاف ، اسلوب سادہ ہے ، تخیل میں بانکپن ہے ۔ کہتے ہیں کہ وہ جوانی میں کسی کو دل دے بیٹھے تھے شاید اس لیے ان کے عشقیہ اشعار میں دلبری و دلربائی کے تیور دل نواز و دل ساز ہے :

"غزل حمل فقیر نو ساختہ"

جس کو ہے داغ جگر اُس کو نہیں آرام دل
عشق میں پکا نہیں وہ ، بے خبر ہے خام دل

Marfat.com

جس کے دل کا یار کی زلفوں میں ہر دم تھا گزر
اس کا مشکل چھوٹنا ہے، جا پڑا در دام دل
جو سجن دل لوٹ لے گیا وہ کبھی آتا نہیں
رات دن وہ ڈھونڈتا ہے گلبدن گلفام دل
ایک پل مجھ سے جدا ہوے نہیں او ماہرو
دیکھ دل کا درد کانٹوں پہ میرا ہے کام دل
ہر گھڑی ہر وقت مجھ کو یاد ہے وہ دلربا
دم بدم کر کے لیا ہے درد اس کا نام دل
دین و دنیا عیش و عشرت اس کے دل سوں اترے
جس سخی ساقی کے ہاتھوں پر پیا ہے جام دل
ہور حمل کی نہیں کچھ آرزو اس یار بن
اس کا ملنا مانگتے ہیں ہر صبح ہر شام دل

Marfat.com

غلام حیدر فقیر

(۱۲۲۵ھ - ۱۳۱۰ھ)

غلام حیدر فقیر، سید قنبر علی شاہ بھاڈائی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ جونا گڑھ (ہند) کے رہنے والے تھے ان کا سال ولادت ۱۲۲۵ھ بمقام جونا گڑھ اور وفات ۱۳۱۰ھ بمقام سندھ ہے۔

عربی و فارسی کی ابتدائی تعلیم مقامی مکتب میں حاصل کرنے کے بعد سندھی، ہندی، سرائیکی زبان اور ادب سے بہرہ ور ہوئے۔ اوائل عمر سے سلوک و صفا کی جانب مائل تھے۔ زہد و تقویٰ، تزکیہ نفس اور ریاضت و عبادت کا سودا سر میں کچھ ایسا سمایا کہ قول و عرفان کی تلاش و جستجو میں سرگرداں رہے۔ چند سال دنیا والوں کی نظر سے بچ کر جونا گڑھ کے کرنار نامی پہاڑ کے ایک غار میں چلہ کشی کی۔ پھر کرنار سے نکل کر علوم باطنی کی تحصیل اور دین کی تبلیغ و اشاعت کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ انھیں دنوں فقیر کرناری کے نام سے مشہور ہوئے۔ دور دراز مقامات کی سیر و سیاحت کی، کشاں کشاں سندھ پہنچے۔

اس زمانے میں ضلع ٹھٹھہ میں حضرت سید قنبر علی شاہ (۱۲۰۰ - ۱۲۶۴ھ) میں سید سچل شاہ بھآرای اپنے علم و فضل اور تصوف و معرفت کے اعتبار سے بہت بلند مقام رکھتے تھے۔ غلام حیدر فقیر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت و خلافت کی سعادت حاصل کی۔ چند برس آستانہ مرشد میں حقائق و معارف کے نکات سے آشنا ہوئے۔ ۱۲۶۴ھ/۱۸۴۷ء میں جب ان کے پیر و مرشد واصل اللہ ہوئے تو کچھ عرصے تک ان کے مزار مبارک کی خاک دھول کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنایا اور روحانی فیض پایا۔

سرور کائنات حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو "میر تافلہ" اور اپنے پیر حضرت قنبر علی شاہ کو "تاجوں کا تاج" کہتے ہیں:

Marfat.com

دھن تو نام سلیمان کوں ، دھن تو محمد میر
دھن توشہ مردان کوں دھن تو شیر شبیر

پیر میرا پاک ہے سر "تاجوں کا تاج"
سریا ہر کوئی کاج جو مرے اندر آئیا[1]

غلام حیدر عرف فقیر کرناری نے اپنے پیر حضرت سید قنبر علی شاہ کی صحبت میں رہ کر شعر و ادب سے بھی لگاؤ پیدا کیا ۔ شاعری کا ذوق انھی کی ہم نشینی کا مرہون منت ہے ۔ تخلص تیرھا (جس کے معنی شہباز کے ہیں) اپنایا۔ شروع شروع میں اپنے کلام پر اصلاحیں اپنے مرشد سے لیں ۔ سندھی ، ہندی ، سرائیکی اور اردو میں شعر کہتے تھے ۔ وائی اور بیت زیادہ لکھتے تھے ۔ شاید یہی سبب تھا کہ یہ اصناف ان کے کلام میں زیادہ نمایاں ہیں ۔ سید قنبر علی شاہ حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی سے روحانی عقیدت رکھتے تھے ۔ ان کے کلام کا اتباع باعث فخر و مسرت تصور کرتے تھے ۔ شاہ جو رسالو کی تقلید میں اپنے دیوان کا نام "رسالو" تجویز کیا تھا ۔ اسی طرح فقیر کرناری نے اپنے پیر و مرشد قنبر علی شاہ کی پیروی میں اپنے مجموعہ کلام کا نام رسالہ رکھا ۔ فقیر کرناری کے کلام سے انکشاف ہوتا ہے کہ ان کی شاعری کا سرمایہ بہت مختصر ہے لیکن جو کچھ کہا ہے اس زمانے کی زبان ، اسلوب ، طرز سخن کو پیش نظر رکھ کر کہا ہے ۔ ان کے کلام کا بیشتر حصہ سندھی، سرائیکی ، ہندی ، اردو کی آمیزش ہے ۔کوں ، کول ، سنگ ، سنگی ، موکوں ، مرنے جنم ، داسا ، ناسا وغیرہ جیسے الفاظ کی ان کے ہاں کثرت ہے ۔ یہی ان کا اصل رنگ شاعری ہے جس کا اندازہ ان اشعار سے ہو سکتا ہے :

موکو مورے گرد کا ہے بھرواسا   ہوں میں جنم جنم کا جس کا داسا
(بھروسہ)

---

۱ ۔ میرا پاک پیر جو تاجوں کا تاج ہے ، کے طفیل میرے سب کام انجام پا گئے ۔

Marfat.com

ایسا گرد میں پورن پایا جس نے میٹی، تن کی تاسا
(مٹایا)

نہ میں کسی کے سنگ ہوں نہ کوئی میرا سنگھا
میں جس کے سنگ ہوں وہ ہمارا سنگی

دیکھے جب چشم پیارے تو ہم مستاں ہو جاتے
سروپا کوں برہنہ کر اگر عریاں ہو جاتے

مرا محبوب اب آیا ہمارے کول آ دیکھو
گئی دل کی صفا کر کے گھمگھٹ کوں کھول آ دیکھو

نہ دے آزاد مجھ دل کو تو اے آرام جان سمجھو
یہ خوبی کچھ نہیں رہتی سدا اے مہربان سمجھو

Marfat.com

نظر علی فقیر زنگیجہ

(۱۲۲۵ھ - ۱۲۶۵ھ/۱۸۱۱ء - ۱۸۴۹ء)

حضرت روحل خان المعروف بہ روحل فقیر سندھ کے ایک مشہور صوفی شاعر تھے - ان کے خاندان میں کئی صوفیائے کرام ایسے گزرے ہیں جنہوں نے شاعری میں بھی شہرت حاصل کی - فقیر شاہو خان زنگیجہ، فقیر غلام علی زنگیجہ، فقیر خدا بخش اور فقیر دریا خان زنگیجہ حضرت روحل فقیر کے صاحبزدگان تھے جنہوں نے سلوک و طریقت کے ساتھ ساتھ میدان شعر و ادب میں بھی نام پیدا کیا -

نظر علی فقیر زنگیجہ اس فقیر گھرانے کے صاحب علم و عمل درویش تھے - وہ حضرت روحل فقیر کے پوتے اور سائیں خدا بخش فقیر کے بیٹے تھے - نظر علی فقیر کی پیدائش ان کے آبائی قصبہ کنڈڑی (خیر پور) میں ۱۲۲۵ھ (۱۸۱۰ - ۱۱ء) کو ہوئی - عالم نو عمری یعنی ۱۸ سال کے سن میں ان کے والد محترم کا سایہ ۱۲۴۳ھ (۱۸۲۷ - ۱۸۲۸ء) ان کے سر سے اٹھ گیا - ان کے چچا حضرت فقیر دریا خان زنگیجہ نے انہیں اپنے سایہ شفقت میں لے لیا، اپنی اولاد کی طرح ان کی پرورش کی اور مناسب تعلیم و تربیت سے آراستہ کیا - نظر علی بھی اوائل عمر سے اپنے مشفق و مخلص چچا سے بہت مانوس تھے - ان کی نگرانی میں علم ظاہری سے بہرہ ور ہوئے - ان کے زیر تربیت تصوف و شریعت کے نکات سے آگہی حاصل کی - یہاں تک کہ انہیں کے ہاتھوں بیعت کی - اپنے پیر و مرشد کے فیض و کرم کا اظہار بعض اشعار کی زبانی کیا ہے :

دل دھیان دریا گیان خان گوردانا ھرہ دیجیے
نظرعلی میری پریت آوکی، آپ چھانی کیوں کیجیے

نظر علی فقیر ۱۲۶۵ھ مطابق ۴۹ - ۱۸۴۸ء میں اپنے رب حقیقی سے جا ملے - ان کے چچا دریا خان کا انتقال پانچ سال بعد یعنی ۱۲۷۰ھ مطابق ۵۳ - ۱۸۵۲ء میں ہوا -

Marfat.com

نظر علی فقیر زنگیجہ عربی ، فارسی ، سندھی ، سرائیکی اور اردو پر کامل قدرت رکھتے تھے ان تمام زبانوں میں ان کی شاعری ان کی قادرالکلامی اور قدرت زبان کی غمازی کرتی ہے ۔ انہیں ترجمے کا بھی بہت اچھا درک تھا ۔ اس کا اندازہ ان اشعار سے ہوتا ہے جن کو انہوں نے فارسی سے اردو میں منتقل کیا ۔ ایک شعر کا ترجمہ نموناً درج ذیل ہے :

دلم دلدار می جوید ، تنم آرام می خواهد
عجائب کشمکش دارم ، کہ جانم مفت می کاهد
دل چاہے دلدار کو ، تن چاہے آرام
دھبدھبا میں دونوں گئے ملا ملی نہ کرم

نظر علی فقیر نے راہ سلوک میں وہی مسلک اختیار کیا جو ان کے دادا حضرت روحل فقیر اور چچا دریا خان زنگیجہ کا مسلک تھا ۔ نظر علی نے اپنی شاعری میں اسی مسلک کو ذریعہ اظہار بنایا شاعری میں بھی انہیں بزرگوں کی پیروی کی ۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے اشعار توحید ہادی ، تزکیہ نفس ، ہمہ اوست ، نفی و اثبات، فنا و بقا ، بے ثباتی حیات اور حق کی لازوال قوت وحدت کا ترجمان ہیں ۔ نکتہ توحید کو اس میں کس خوبصورت انداز میں پیش کیا گیا ہے :

نظر علی گور صاحب جانو اس بن اور نہ دوجا جانو

ان کے کلام کا ایک قلمی نسخہ درگاہ کنڈڑی خیرپور میں موجود ہے ۔ یہاں دو کافیاں نقل کی جاتی ہیں ، پہلی کافی صاف اور سلیس ریختہ میں ہے ، دوسری کافی ہندی و سرائیکی کا خوبصورت آمیزہ کہا جا سکتا ہے ۔

ریختہ

ادھر دل مجھ سے کہتا ہے چل تو یار کے ڈیرے
ادھر تن مجھ سے کہتا ہے تو رکھ مجھکو مت دے رے
جو کہنا دل کا سنتا ہوں تو وہ رہتی ہے مکھر میرے
اگر تن کی سنوں باتیں تو پھر دکھ دیوے بہتیرے
نہ دل مانے نہ تن مانے ، ہر اک اپنی طرف پھیرے
کروں میں کیا نظر ایسی جو مشکل آن کر گھیرے

Marfat.com

ھندی سرائیکی آمیزش :

دیکھ تو ھری میرے ھر دے بسے ، میں تو اور کچھ نہیں جانوں
سادہ سنگت وڈ بھاگ آوے ، مستک بھاگ سے پربھو پاوے
آتم رام دھاؤں

سم سم پر یہ پایو جنھیں ، انند سکھ ہے گھٹ تنھیں
گیت گرو گن گاؤں

دھن دھن سادھجے ھر ناہے ، نن میں مست مگھن متوالے
آتم الٹ سماؤں

گور دریا خان پیالہ جو پایا ، جنم مرن کا دکھ مٹایا
انحد ناد بجاؤں

نظر علی انباسی دھیاون ، انبھو دیس میں نگر بساؤں
امرا (پور) پد پاؤں

Marfat.com

فقیر قادر بخش بیدل

(۱۲۳۰ھ - ۱۲۸۹ھ/۱۸۱۴ء - ۱۸۷۲ء)

سندھ کے دوسرے مقامات کی روشنی بھی شروع سے اہل علم و فضل اور اہل تصوف و عرفان کا مولد و مسکن رہا ہے - فقیر قادر بخش بیدل اسی خطہ' روحانیت افزا کے بہت بلند پایہ صوفی شاعر تھے -

قادر بخش بیدل کے والد ماجد حضرت محمد حسن رحمۃاللہ علیہ روھڑی کے مشہور بزرگان دین میں سے تھے - موصوف حسب و نسب کے اعتبار قریشی تھے - وہ پارچہ بافی کا کام کرتے تھے اس لیے یاٹولی[1] مشہور ہوئے - اس زمانے میں سلسلہ قادریہ کے مشہور و معروف عارف کامل حضرت صوفی شاہ عنایت اللہ شہود[2] (۱۰۶۵ھ/۱۶۵۶ء - ۱۱۳۰ھ/۱۷۱۸ء) سائیں جھوک شریف کے کمال تصوف و معرفت کی بڑی شہرت تھی - حضرت محمد حسن آپ کے ہاتھوں شرف بیعت سے مشرف ہوئے اور خرقہ خلافت حاصل کیا -

روایت ہے کہ خلیفہ محمد حسن کی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی - ایک دن آپ کے مرشد حضوت صوفی شاہ شہود نے آپ کو اپنے آستانے میں افسردہ دیکھ کر افسردگی کی وجہ دریافت کی - خلیفہ موصوف نے فرمایا :

> "اعلی حضرت یہ بندہ عاجز نرینہ اولاد کی نعمت سے محروم ہے - حضور دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ، جو بڑا رحیم وکریم ہے - اپنا فضل و کرم فرمائے - اس کے خزانے میں کیا کمی ہے" -

صوفی صاحب جی نے بارگاہ ایزدی میں دعا کی اور فرمایا :

---

۱ - سندھ میں اردو شاعری - ص ۱۱۲ -

۲ - تذکرہ صوفیائے سندھ از اعجاز الحق قدوسی -

Marfat.com

"انشاء اللہ تمہاری مراد بر آئے گی ۔ تمہارا لال صاحب کمال ہوگا عالم معرفت میں عروج پائے گا ۔ اس کے حرم سے روھڑی کا پرچم بلند رہے گا" ۔

بفضل رب کریم خلیفہ محمد حسن کے گھر جو شمع روشن ہوئی اس کا نام عبدالقادر رکھا گیا ۔ وہ آگے چل کر "فقیر بیدل" اور قادر بخش بیدل کے نام سے مشہور ہوئے ۔

عبدالقادر کو ان کے پدر بزرگوار نے پانچ سال کی عمر میں قرآن حکیم کی تعلیم کے لیے مقامی مسجد کے مکتب میں بٹھا دیا ۔ وہ بچپن سے ذکی و ذہین تھے ۔ بارہ برس کے سن میں پہنچتے پہنچتے قرآن ، حدیث ، دینیات کی تعلیمات مکمل کر لیں ۔ پھر اپنی خداداد ذہانت اور ذاتی محنت و صلاحیت کی بنا پر فقہ ، فلسفہ دین ، تصوف ، علم الکلام اور دیگر علوم دینی پر کامل دستگاہ حاصل کر لی ۔ حساس اور خاموش طبع تھے ۔ اپنے درویش باپ کے ہمراہ اکثر علماء و فضلاء اور بزرگان دین کی صحبت میں گزارتے تھے ۔ آخری عمر تک سیر و سفر ، خلوت ، عبادت ، مطالعہ ، فکر و استغراق ، تصنیف و تخلیق اور درس و تدریس میں مصروف رہے ۔ کہتے ہیں کہ بارہ برس کی عمر میں فقیر بیدل نے برابر تین رات خواب میں دیکھا کہ ایک لنگوٹ بند قلندر ان سے مخاطب ہیں :

"ہمارے پاس آ جاؤ"

انھوں نے روھڑی سے سہون شریف تک کا سفر عالم جذب میں دیوانہ وار طے کیا ۔ حضرت لال قلندر شہباز سیوستانی کے روضہ مبارک تشریف لے گئے ۔ ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی اپنے ایک مقالہ[1] میں لکھتے ہیں کہ "وہاں سے آپ کو (یعنی بیدل کو) شعر کہنے کی اجازت ملی اور آپ نے دو غزلیں فارسی اور اردو میں کہا" ۔ اردو غزل ذیل میں پیش کی جاتی ہے :

---

۱ ۔ بیدل کی اردو شاعری ۔ از عبدالمجید سندھی سہ ماہی اردو نامہ کراچی شمارہ ۱۱ ۔ ص ۸ ۔ ۹ ۔

Marfat.com

دل وحدت طلب فارغ ز قید جسم و جاں ہو گا
کہ بیٹھک عاشقان دائم بملک لا مکاں ہو گا
اڑ جا چھوڑ کے پنجرا جسم کا گھر پیا چاہے
کہ اوپر عرش اعظم کے تمہارا آشیاں ہو گا
اٹھا اس فرش خاکی سے قدم چڑھ جا فلک اوپر
کہ سات آکاس ہمت کے آگے اک نرواں ہو گا
بھروسے جسم کے مت کرو اسم کی بات یوں مت کہو
صفت کوں چھوڑ آگے چل کہ بیچون بے نشاں ہو گا
طلب مطلوب طالب کوں کھو کر جان وحدت میں
کہ بسر ذات بے رنگی محیط بے کراں ہو گا
وہی اول وہی آخر وہی ظاہر وہی باطن
خودی کے ترک میں مخفی جو ہے وہ جب عیاں ہو گا
روٹی کے وہم سے بیدل نرا دل گر ہوا فارغ
ظہور اس ذات مطلق کا جہاں چاہے وہاں ہو گا

بیدل نے روھڑی واپس آکر وہ دونوں غزلیں اپنے استاد کو دکھائیں تو انہوں نے دیکھتے ہی فرمایا کہ "یہ دونوں غزلیں تو پنجاب کے ایک شاعر بیدل کی ہیں۔ اتنا سنتے ہی آپ وجد میں آئے اور دوسری تین غزلیں عربی، فارسی اور اردو میں کہیں۔ اردو کی غزل یہ ہے:

ھمیں اسرار وحدت کا نفی اس بات میں دیکھا
سراسر نور بے رنگی ظہور ذات میں دیکھا
نفی جب تک نہ ہو ہرگز نہ پاوے ذوق اثباتی
اسی شطرنج کا ہم جیتنا اب سات میں دیکھا
کوئی جو ہو رہا عاشق الکھ بیچوں منزہ پر
اروپ اور روپ کا اس نے لقا لمحات میں دیکھا
نہ ہو اے بوالہوس راغب پیالے کا بہ پنداری
کہ جام و تیغ ہم واللہ سن کے ہاتھ میں دیکھا

Marfat.com

کسی منصور سے پوچھا سبب افشائے معنی کا
کہا میں مطلب والا ابھی اسرار میں دیکھا
یہ بیدل سن ، وفی انفسکم، اس معشوق ہمدم سے
کہ ہم مصباح احدیت اسے مشکات میں دیکھا

ابھی چودہ سال کے تھے کہ بیدل کے پدر بزرگوار کا سایہ ان کے سر سے اٹھ گیا ۔ انھوں نے اپنے والد محترم کے پیر حضرت صوفی شاہ عنایت‌اللہ شہید[۱] خلیفہ ارشد میر جان اللہ شاہ[۲] سے بیعت کی ۔ قادر بخش بیدل کو اوائل عمر سے تلاش حق اور جستجو معرفت کا شوق تھا ۔ ذوق جنوں کے عالم میں انھوں نے دور دور کی سیاحت کی ۔ بزرگوں کے آستانوں اور اللہ والوں کے درباروں میں حاضری دی ۔ آلام و مصائب کی گھاٹیوں سے گزر کر مظاہر قدرت کے مشاہدات اور دنیا کے رنگا رنگ تجربات کی روشنی میں نہ صرف دنیاوی علوم سے سرفراز ہوئے بلکہ روحانی کسب و کمالات سے آگہی حاصل کی ۔

---

۱ ۔ بیدل کو صوفی شاہ شہید سے روحانی عقیدت تھی ۔ انھوں نے ان کی شہادت (۱۱۳۰ھ/۱۷۱۸ء) کے دلدوز واقعہ سے متاثر ہو کر ایک دل سوز مرثیہ کہا جس کے چند اشعار یہ ہیں :

عشق چندیں حملہ بر عشاق بے سرو پا نمود
بر رخ صاحب دلان صد رہ در رحمت کشود
سوجھی صغرا قیامت در ہزار وسی و صد
سر بریفون صوفی بیخود کمالش را فزود

(مضمون شاہ شہید صوفی "از پرنسپل محبوب علی چنہ مطبوعہ "مہران جاموتی" (سندھی) پاکستان پبلیکیشن ص ۳۴۴) ۔

۲ ۔ میر جان اللہ شاہ رضوی (المتوفی یکم ربیع الاول ۱۱۷۷ھ بمقام روہڑی) متخلص بہ میر کے علم و عرفان کا چرچا سکھر اور روہڑی میں عام تھا ۔ فارسی کے بلند پایہ صاحب دیوان شاعر تھے ۔ ایک مثنوی بھی یادگار ہے ۔ (تحفۃ الکرام اردو ص ۳۹۷ ، مضمون از پروفیسر لطف اللہ بدوی نئی زندگی شہید نمبر ۔

Marfat.com

ع جو ہو ذوق یقین پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

دوران سفر بیدل نے پیر گوٹھ (خیر پور) میں سندھ کے مشہور ولی اللہ پیر محمد راشد رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ میں اعتکاف کیا ۔ اس عرصے میں پیر پگارو حضرت صفت اللہ شاہ[1] (۱۱۸۳ھ/۱۷۷۹ء - ۱۲۴۶ھ/ ۱۸۴۱ء) کے فرزند عزیز سید علی گوہر شاہ کے استاد مقرر ہوئے ۔ انھوں نے تلمیذ ارشد کو عربی و فارسی کی جامع و مانع تعلیم کے جوہر سے آراستہ کیا ۔ مثنوی مولانا روم بھی شرح و بسط سے پڑھائی ۔ بیدل کی باکمال و با فیض تعلیمات کی بدولت سید علی گوہر شاہ[2] نہ صرف تصوف و معرفت کے علوم بیکراں سے بہرہ ور ہوئے بلکہ عربی و فارسی کے عالم اور اعلیٰ درجہ کے شاعر بن گئے ۔

بیدل فقیر پیر گوٹھ سے فارغ ہو کر ضلع خیرپور کے ایک قصبہ پریان لو میں تشریف لے گئے ۔ یہ مقام روہڑی سے آٹھ میل کے فاصلے پر واقع ہے ۔ وہاں کے ایک برگزیدہ درویش حضرت مخدوم محمد اسمعیل کے روضہ پر کسب فیض کیا ، پھر خیر پور ہی کی سب سے مشہور و مقدس زیارت گاہ حضرت سچل سرمست کی درگاہ عالیہ کی زیارت کی اور دونوں آسودگان خیرپور کے قدموں میں کچھ عرصے رہ کر اپنے آبائی شہر روہڑی واپس آ گئے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی ۔ ذریعہ معاش کی غرض

---

۱ - الرحیم مشاہیر ، سندھ نمبر مرتبہ مولانا غلام مصطفٰے قاسمی ۔ ص ۲۵۔

۲ - پیر سید علی گوہر شاہ (اول) راشدی اصغر تخلص کرتے تھے ۔ ۱۲۳۱ھ (۱۸۱۶ء) میں پیدا ہوئے ، ۱۲۶۳ھ (۱۸۴۷ء) میں فوت ہوئے ۔ والد حضرت پیر سید صبغت اللہ شاہ راشدی کی وفات کے بعد سجادہ نشینی کی پگڑی ان کے سر بندھی اور پیر پگاڑو سوم کے لقب سے ملقب ہوئے ۔ سندھی کے صاحب دیوان شاعر تھے ۔ محفل راگ و سماع کے شیدائی تھے ۔ ان کی کافیوں کا رنگ اوروں سے جدا تھا اس لیے اسی صنف میں انھیں زیادہ شہرت ملی ۔
(سندھی ادب از حسام الدین راشدی ، ص ۷۵ ، الراحیم ، مشاہیر نمبر ص ۲۹) ۔

Marfat.com

سے کپڑے اور دیگر اشیاء کا کاروبار کیا ۔ فکر معاش کے بعد ہمہ وقت فکر الٰہی ، ذکر محمدی اور خدمت خلق میں گزارتے ۔ ان کے مریدوں اور عقیدتمندوں میں ہر مذہب و ملت کے لوگ یعنی ہندو ، مسلمان سب ہی شامل تھے ۔

۱۶ ذیقعد ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء میں بیدل کا وصال ہوا ۔ ان کا مزار پرانوار روہڑی اسٹیشن سے متصل زیارت گاہ خاص و عام ہے ۔

فقیر بیدل نے جب اس جہان میں قدم رکھا تو سندھ میں اقتدار تالپور کا دور تھا اور جب دار فانی سے دارالبقاہ کی راہ لی اس وقت انگریزوں کی سلطنت کا سورج نصف النہار پر جلوہ گر تھا ۔ حضرت لال شہباز قلندر سیوستانی ، شاہ عبداللطیف بھٹائی اور سچل سرمست بیدل کے کے نامور بزرگان اسلاف میں سے تھے ۔ اسے حسن اتفاق کہیے یا ان بندگان خدا کا روحانی اعجاز کہ جب شاہ صاحب نے وفات پائی اس وقت سچل سائیں اس دنیا سے رخصت ہوئے ۔ اس وقت فقیر بیدل نے حیات بے ثبات کی تیرھویں بہار کو آنکھوں سے لگایا تھا ۔ یہ مذکورہ بالا ارباب علم و عرفان کا فیضان تھا کہ فقیر بیدل کو اپنے زمانے میں وہی مقام عالیہ عطا ہوا جو مقام حضرت شاہ لطیف اور حضرت سرمست جیسے اکابر سندھ کو اپنے اپنے زمانے میں حاصل تھا ۔[1]

بیدل نے حضرت عثمان مروندی المعروف بہ لعل قلندر شہباز سیوہانی ، شاہ لطیف اور سائیں سچل کی مدح میں اردو قصیدے بھی کہے اور ان کی خدمت اقدس میں خراج عقیدت پیش کیا ۔ سائیں قلندر کی شان میں کہتے ہیں :

قلندر آفتاب اولیاء ہے　　　قلندر مظہر صدق و صفا ہے
قلندر صورت شیر خدا ہے　　　قلندر عض ذات کبریا ہے
مرا مرشد مکمل ہے قلندر
حسینی حیدر سلطان سرور

---

۱ ۔ سندھی ادب مولفہ حسام الدین راشدی ، ص ۹۰ ۔

Marfat.com

قلندر مخزن اسرار مولا است　　قلندر مطلع الانوار مولا است
قلندر منبع آثار مولا است　　قلندر مجمع اطوار مولا است
مرا مرشد مکمل ہے قلندر
حسینی حیدر سلطان سرور
دلا مت ڈر ز ہول روز محشر　　پکڑ لے دامن ابن پیمبر
شہ شاہاں عرفان دین پرور　　قطب ارشاد عشاقاں کا رہبر
مرا مرشد مکمل ہے قلندر
حسینی حیدر سلطان سرور

قادر بخش بیدل کا شمار سندھ کے اکابر علم و ادب میں ہوتا ہے ، صوفی ، شاعر ، مصنف ، انشاء پرداز ، ان کی ہر حیثیت مسلم و مستند تھی۔ عربی ، فارسی ، سندھی ، سرائیکی اردو اور ہندی زبان و ادب پر مکمل عبور رکھتے تھے ۔ ہر زبان میں نظم و نثر بڑی مہارت سے لکھتے تھے ۔ بقول ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی "نظم و نثر میں آپ کی اٹھارہ تصانیف ہیں ۔ ایک کتاب عربی زبان میں ہے ۔ ایک واقعہ کربلا سے متعلق ہے"[۱] مجموعی طور پر ان کی تصنیف و تالیف کا موضوع آیات قرآنی، کلمات حدیث، مسائل تصوف اور فلسفہ و فقہ کے باریک سے باریک نکات کی تشریحات و توضیحات سے تعلق رکھتا ہے ۔

بیدل کی چند اہم کتاب کے نام یہ ہیں ۔

(۱) رموز العارفین (فارسی نظم)
(۲) تقویۃ القلوب (نثر)
(۳) ریاض القمر
(۴) سلوک الطالبین
(۵) رموز قادری
(۶) منہاج الحقیقت
(۷) لہر البحر
(۸) وحدت نامہ

---

۱ ۔ اردو نامہ کراچی ، شمارہ ۱۱

Marfat.com

(۹) الفوائد المعنوی
(۱۰) قرۃ العین فی مناقب السبطین
(۱۱) فی لطف الاحادیث
(۱۲) سرور نامہ
(۱۴) لغات میزان الطب
(۱۵) پنج گنج
(۱٦) مصباح الطریقت

''پنج گنج'' کے نام سے حضرت امیر خسرو دہلوی کی ایک تصنیف فارسی میں موجود ہے ۔ بیدل نے اسی نام سے سندھی میں ایک کتاب لکھی جس میں قرآن کریم اور حدیث مبارک کی روشنی میں مولانا روم اور شاہ کے کلام کی مطالب و تشریحات پیش کی ہیں ۔ عربی و فارسی کے بعض مقتدر شعرائے کرام مثلاً جامی، عزیزی ، سعدی ، حافظ اور شاہ حسن بصری کے کلام اور شاہ لطیف کے کلام کا تقابلی مطالعہ نہایت عالمانہ اور مفکرانہ انداز میں پیش کیا ہے ۔

مصباح الطریقت ۔ بیدل کا دیوان ہے جو اردو اور فارسی کلام پر مشتمل ہے ۔

دیوان بیدل کے نام سے سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد نے بیدل کا جو مجموعہ کلام شائع کیا ہے اسے عبدالحسین شاہ موسوی نے سلیقہ اور خوش اسلوبی سے مرتب کیا ہے ۔ اس شعری مجموعے کے دو ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں ، ایک ۱۹۰۴ء میں اور دوسرا ۱۹٦۱ء میں ۔ یہ دیوان رائل سائز کے ۲۹۲ صفحات پر محیط ہے ۔ اس دیوان کے شروع میں بیدل کی حیات و نگارشات پر (سندھی زبان میں) شرح و بسط سے روشنی ڈالی گئی ہے ۔ حصہ نظم کی ترتیب کچھ یوں ہے ۔

ابیات سندھی زیر عنوان وحدت نامہ ، فرائض نامہ وغیرہ
سرائیکی کافیاں (مناقب ، مخمس ، مرثیہ وغیرہ) ص ۱۵۱ تا ۲۵۳
اردو ہندی کلام ۔ ص ۲٦۴ تا ۲٦۹
فارسی کلام ۔ ص ۲۷۰ تا ۲۷٦

Marfat.com

عربی کلام - ص ۲۷۷ تا ۲۸۲

علاوہ ازین بیدل کا ایک غیر مطبوعہ شعری مجموعہ موسوم بہ "غزلیات فقیر بیدل" مخطوطہ جناب عطا محمد حامی پروفیسر گورنمنٹ کالج خیرپور کی ملکیت ہے۔ اردو اشعار کل سات صفحات پر رقم ہیں اور صرف غزلیات ہیں۔ جناب سید علی احمد زیدی نے "سندھ میں اردو مخطوطات" (ص ۵۳) میں اس قلمی نسخے کا ذکر کیا ہے۔ زیر تبصرہ مجموعے کی پہلی غزل کا پہلا شعر یہ ہے:

نیم شب کے راز کا بیدل جونہی واقف ہوا
بولنے میں کچھ نہیں خاموش رہنا خون ہے

اب آخری غزل کا آخری شعر ملاحظہ ہو۔

تیری خدمت میں بیدل شرف و عزت پایا
تیرے عز و شرف کا اولیا اصفیا حافظ

سندھ کے مشہور و ممتاز دانشور، مورخ اور محقق محترمی پیر حسام الدین راشدی نے ایک جگہ[1] تحریر فرمایا ہے کہ "حضرت قادر بخش اردو میں طالب تخلص کرتے تھے"۔ محمد موسیٰ سومرو اپنے مضمون[2] "سندھ کا ایک برگزیدہ صوفی شاعر" میں لکھتے ہیں کہ "سندھی اور فارسی میں ان کا تخلص بیدل اور اردو میں طالب تھا"۔

لیکن فارسی مجموعہ کلام "سلوک الطالبین" اور جملہ کلام اردو کے مطالعہ سے ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی کے اس بیان کی تصدیق و تائید ہوتی ہے کہ "آپ اردو میں بھی بیدل تخلص کرتے تھے۔ صرف فارسی کے ایک چھوٹے دیوان "سلوک الطالبین" میں آپ نے طالب تخلص کیا ہے"[3]۔

---

۱ - مقالہ بعنوان "سندھ کے اردو شعراء" مطبوعہ سہ ماہی اردو کراچی اکتوبر ۱۹۵۱ء۔

۲ - مطبوعہ ماہنامہ پیغام کراچی جون ۱۹۷۶ء (مرتبہ عبدالحلیم جوش)۔

۳ - مقالہ بیدل کی اردو شاعری، مطبوعہ اردو نامہ کراچی، شمارہ ۱۱ ص ۹، ۱۰۔

Marfat.com

ان کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف ہر دور کے اہل نقد و نظر نے کیا ہے۔ اردو فارسی کے مشہور شاعر و محقق حفیظ ہوشیارپوری مرحوم مصنف "مقام غزل" فرماتے ہیں :

"قادر بخش بیدل اپنی وسعت بیان کو کسی ایک زبان تک محدود نہ کر سکا اور اس نے عربی ، فارسی ، اردو اور سندھی کو اپنے خیالات کا ذریعہ بنایا۔ اس کا تصوف صحت مندانہ اور اس کا عشق سخت کوش ہے"۱۔

بیدل نے سندھی شاعری میں شاہ لطیف کا اور اردو شاعری میں سچل سرمست کا تتبع کیا ہے۔ سندھی میں شاہ صاحب کی وائی (ہندی دوہے) اور سچل سائیں کی کافیوں کے طرز پر کافیاں کہی ہیں۔ سچل نے "کافی" کی صنف کو علم عروض کے قواعد اور فنی ضوابط کے تحت فروغ دیا ہے۔ اور اس صنف میں عوام میں مقبولیت حاصل کی ہے۔ بیدل نے بھی اس نہج پر خوبصورت کافیاں کہی ہیں جو اب سندھی میں عوامی شاعری کا خاص جزو ہیں۔ دو کافیوں کے یہ روپ دیکھیے۔

کافی

وہ بیرنگی آپ آدم بن کیسے آیا
روپ کا اوڑھ نقاب احد و عبد لڑایا

۱۔ وہ اروپ سروپ ہو آیا عشق و حسن کا کھیل کھلایا
دونوں وہ القاب ، ساجن سر دھرایا

۲۔ کہاں وہ پہنے پوش عرب کا ہوئے ساقی جام طرب کا
کہاں وہ دست رباب، گیت اناالحق گایا

۱۔ مقام غزل مرتبہ شان الحق حقی مطبوعہ ۱۹۷۳ء حفیظ ہوشیارپوری کا پہلا اور اب تک آخری مجموعہ کلام ہے۔

۲۔ خطبہ صدارت ثقافتی کانفرنس زیر اہتمام لطیف اکیڈمی سکھر منعقدہ ۱۹۵۹ء اس خطبے کا قلمی نسخہ اس کانفرنس کے موقع پر خود حفیظ مرحوم نے (وہ ان دنوں حیدرآباد ریڈیو اسٹیشن کے ریجنل ڈائریکٹر تھے) اپنے دستخط سے اس خاکسار راقم کو عنایت فرمایا تھا جو اس کے ذاتی کتب خانے میں محفوظ ہے۔

Marfat.com

۳ ۔ کہاں فقیہہ مشائخ قاضی ملا ، مومن ، نیک نمازی
کہاں دوست خراب ، بسعی رنگ لگایا

۴ ۔ خلق الاشیا سمجھ اشارت فھو عینھا محض بشارت
بیدل شوق شتاب ، سر صحیح سمجھایا

کافی روپ ہوری سرائیکی

اج پیا ہوری کھیلن آیا
سبیں رنگی ہے رنگ سہایا

سبیں روپ اروپ سہاوت وحدت کثرت رمز رلاوت
نوع بہ نوع جانی جلوہ پایا

بند رانب نین کھیلے ہوری شام سندر دل لٹ لی زوری
چشم آھندے سانوں جٹیک لایا
(چشم اس کے میں جادو لایا)

بیدل کا اردو کلام عموماً عارفانہ ہے ۔ اکثر و بیشتر اشعار میں فلسفہ تصوف کا بیان اور حکیمانہ رموز و نکات آشکارا ہیں ۔ فلسفہ خودی ، خدا شناسی اور اللہ کی وحدت کے سربستہ راز کو علامہ اقبال نے جس عالمانہ انداز میں پیش کیا ہے وہ ان کی علمی بصارت اور روحانی بصیرت کا غماز ہے ۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں :

خودی کا سر نہاں لا الہ الا اللہ
خودی ہے تیغ فسان لا الہ الا اللہ
یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں لا الہ الا اللہ
خرد ہوئی ہے زمان و مکاں کی زناری
نہ ہے زماں نہ مکاں لا الہ الا اللہ
یہ نغمہ فصل گل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں لا الہ الا اللہ

Marfat.com

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذاں لا الہ الا اللہ
(ضرب کلیم)

حیرت و مسرت کی بات ہے کہ لا الہ الا اللہ کے سر نہاں کا یہ ایمان افروز پیغام علامہ اقبال (المتوفی ۱۹۳۸ء) سے کوئی ستر سال پیشتر سندھ کے ایک عظیم شاعر بیدل عوام کے دلوں میں سمو چکے تھے۔ یہ اور بات ہے کہ دونوں کا طرز فکر، عہد و زماں کے اعتبار سے مختلف ہے۔ حضرت بیدل ارشاد فرماتے ہیں:

وجود ایک ہے بس لا الہ الا ھو
نہ کر دوئی کی ہوس لا الہ الا ھو
وھی ہے مرغ وھی آشیاں لا ھوتی
وھی ہے عین قفس لا الہ الا ھو
وھی ہے قافلہ سالار دشت پیمائی
وھی ہے بانگ جرس لا الہ الا ھو
وھی ہے لیلیٰ و مجنوں وھی ہے بلبل و گل
وھی ہے شکر و مگس لا الہ الا ھو
وھی ہے بیدل فانی وھی ہے؟
وھی ہے آتش و خس لا الہ الا ھو

وحدت الوجود، ھمہ اوست، وحدت میں کثرت، کثرت میں وحدت، فنا و بقا، نفی و اثبات اور ذکر و فکر کے موضوعات اور ان موضوعات کے باریک نکات کی ترجمانی سندھ کے اکثر صوفیائے کرام نے اپنے افکار و آثار میں کی ہے۔ قلندر شہباز، شاہ لطیف، سچل سرمست جیسے عظیم اولیائے عظام نے فارسی، سندھی اور اردو میں رموز تصوف، مسائل بیان کیے ہیں۔ بیدل کے فکر و خیال کی فضا پر انھیں بزرگوں کے فانوس تخیل کا پرتوضو فگن ہے:

سیس روپ اروپ سہاوت
وحدت کثرت راز رلاوت

Marfat.com

نہیں بندہ حقیقت میں سمجھ اسرار معنی کا
خودی کا وہم برہم زن پیچھے بے خود خدائی کا
بنے انسان کی صورت برھہ کے واسطے آیا
نیاز و ناز کرتا ناظر و منظور کے اولے
کہاں عارف کہاتا ہے، کہاں رندی بتاتا ہے
حقیقت کا ظہور، دیکھ سو دستور کے اولے
بہت مذہب ہیں کثرت میں نہ جا بدل مشقت میں
ہوا جو فرق وحدت میں اسے ملت سوں کیا مطلب

انا الحق، منصور، طور وغیرہ جیسی تاریخی تلمیحات اور صوفیانہ اصطلاحات نے سچل کے کلام کو بہت بلند کر دیا ہے جس کی تقلید میں بیدل نے بھی بہت عمدہ شعر کہے ہیں:

"انا الحق" جب کہوں گا میں سر میدان آؤں گا
گلی اب چھوڑ دلبر کی طرف دیگر نہ جاؤں گا
سنو "منصور" کی صافی "اناالحق" سے وہ سلطان ہے
ہوا اس سے ہے روشن عشق یہ اس کا فسانہ ہے
(سچل)

"انا الحق" آپ کہتا ہے وہی منصور کے اولے
جو مارے دم "انا اللہ" کا درخت طور کے اولے
محفل بخت میں ممتاز ہیں ارباب علوم
محکمہ عشق میں منظور ہے منصور کی بات
کسی منصور سے پوچھا سبب افشائے معنی کا
کہا میں مطلب والا، ابھی اسمات میں دیکھا

یہ کائنات، یہ موجودات، فرش و عرش اور حد نگاہ کی تمام رنگینیاں و رعنائیاں در اصل سفر عشق کا مظہر ہیں۔ مجاز سے حقیقت تک کی تمام منزلیں عشق کی بدولت طے ہوتی ہیں تب کہیں زندگی پر حیات کا راز منکشف ہوتا ہے، کائنات کا حسن و رنگ نکھرتا ہے۔ اللہ والوں کے کرب و جذب، رندی و مستی، بیخودی و مدہوشی، یہ سب کچھ عشق

Marfat.com

کی جلوہ فرمائیاں تو ہیں ۔ سچل کہتے ہیں :

عشق عجب آفات ہے نا کشف کرامات ہے
تقویٰ نہ کوئی طاقت ہے تن میں نہ موجودات
عشق ہے امام میرا دیگر امام کیا ہے
میخانہ میں ہوا ہوں جرعہ یا جام کیا ہے

بیدل کا ارشاد ہے :

بالیقیں عاشق و معشوق حقیقت میں ایک ہیں
لوگ کہتے ہیں عبث ناظر و منظور کی بات
دو جگ کا بادشاہ ہے مست شراب عشق
عالی ہے ہر جناب سے لاشک جناب عشق
شہر صفت نہ رہ توں ہوس کے حجاب میں
باہر نکل کے دیکھ رخ آفتاب عشق
دوزخ کی آگ کب ہے جلاوے اسی کے تئیں
جسم سوختہ کا جی ہوا کل کباب عشق
زہاد پر نہیں سر وحدت کا منکشف
گر فتح یاب چاہیں تو مت چھوڑ باب عشق
تنبور چرخ کا نہ بنایا حکیم قدر
جب کون ہے بزم راز میں قلقل رباب عشق
تابع ہیں عاشقاں کے چہ ابرو چہ آفتاب
دوزخ بہشت جانتا ہے آب و تاب عشق
جوئی کہ پوچھتا ہے عشق کون چیز ہے
کہہ بیدل اس کے تئیں کہ ابھی سن جواب عشق[1]

---

۱ ۔ علامہ اقبال کے نزدیک عشق کا مقام یہ ہے ۔

عشق کی گرمی سے ہے معرکہ کائنات
علم مقام صفات ، عشق تماشائے ذات

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

Marfat.com

جہاں بیدل کے دل میں عشق الٰہی کی شمع فروزاں تھی وہاں وہ عشق مجازی کی کیفیتوں سے بھی ہمکنار تھے ۔ ان کا نظریہ یہ تھا کہ عشق کی حقیقی منزل تک پہنچنے کے لیے مجازی محبوب کی چوٹ کھانا ضروری ہے :

میں ہوں مشہور عشق بازی میں
خاصہ درد و غم مجازی میں

انہیں مجازی دوست کے حسن و جمال میں محبوب حقیقی کا اصل روپ نظر آتا ہے ۔ یہی وہ حسین تصور ہے جس میں گم ہو کر عاشق اپنے حقیقی عشق کی رہبری حاصل کرتا ہے ۔

مکھ ماہی دا نور تجلی ، صوت حسن حقانی
مکھ ماہی دا قبلہ کعبہ ، عشق امام حقانی

بیدل کے عارفانہ کلام سے قطع نظر ان کی غزلیں حسین تغزل ، حسن کلام اور حسن خیال کا عمدہ نمونہ ہیں ۔ خوبصورت تشبیہ و استعارے اور دل و نگاہ کی باتیں ان سے خوب بن پڑتی ہے :

حیران ہوں کہ قد کو تمہارے میں کیا کہوں
طوبیٰ کہوں کہ سرو کہ لعل وفا کہوں
تیرے حسن کی دیکھ تجلی اے رشک حور
سورج کہوں کہ چاند کہ نور خدا کہوں
ابرو تمہارے کو جو ہیں شکل ہلال عید
محراب سجدہ طاعت اہل صفا کہوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

عشق سکوت و ثبات ، عشق حیات و ممات
عشق کے ہیں معجزات ، سلطنت فقر و دین
عشق کے ادنٰی غلام ، صاحب تاج و نگیں
عشق مکان و مکیں ، عشق زمان و زمیں
عشق سراپا یقیں اور یقیں فتح باب

(ضرب کلیم)

Marfat.com

تیرے نین پرخمار کو سرمست بادہ ناز
یا بے خودی کا جام یا سحر بلا کہوں
مژگاں ترے کو جو کہ ہیں جنگل عقاب کے
ناوک کہوں کہ نوک سنان جفا کہوں
خال سیہ ترے کو جو ہے عکس داغ دل
اسود ہجر کہ دانہ مرغ ہوا کہوں
لب لعل تیرے سے در دندان چمکتے ہیں
میں اس شفق کے رنگ کو پروین نما کہوں

رات تجھ بن پکار رکھتے ہیں	دن سبھو انتظار رکھتے ہیں
لعل لب کی قسم کہ گوہر اشک	محض بہر نثار رکھتے ہیں
نزہت وصل یاد کر کے مدام	چشم کوں آبدار رکھتے ہیں
برق رفتار کے تماشا میں	دیدہ پر بہار رکھتے ہیں
محفل درد عشق میں بیدل	عزت و افتخار رکھتے ہیں

بس کہ ہیں نین تیرے ناز کے ساغر میں مست
کیا کروں اس کے آگے نرگس مخمور کی بات

آج گلشن میں چلو دیکھو کہ چرچا اور ہے
باغ میں گل رخ کے آنے سے تماشا اور ہے
مرتا ہوں تیرے ناز کا آغاز ہے ہنوز
خونی کفن پہ نازک انداز اور ہے

نازنیں سب ہیں سنگدل لیکن	تو ہے ممتاز بے نیازی میں
برق و رخسار کے تماشا میں	دیدہ ابر بہار رکھتے ہیں

قدیم شعرائے اردو نے دکنی زبان میں جو اشعار کہے اس کا رواج دکن، دلی اور شمالی ہند تک نہ تھا بلکہ سندھ میں بھی پایا جاتا تھا۔ ولی دکنی، شاہ مبارک آبرو، قلی قطب شاہ، شاہ حاتم، مرزا جان جاناں

Marfat.com

مظہر وغیرہ کے ہاں سبھو ، کیسو ، سوی ، سوں ، توں ، کوں ، بیچ ، کھاوے ، آوے ، جاوے ، اوس ، اوسے ، تلک وغیرہ جیسے الفاظ کا استعمال کثرت سے ہوا ہے ۔ یہ طرز سخن[1] اس زمانے کی شاعری کا طرہ امتیاز سمجھا جاتا تھا حالانکہ اب اس قسم کے الفاظ متروک ہو چکے ہیں اور شعری محاسن کی ضد سمجھے جاتے ہیں ۔ ذوق و وجدان کو بھی قبول نہیں ۔ سندھ میں جن اہل سخن نے اس طرز سخن کی کامیاب تقلید کی ہے ان میں حیدرالدین کامل ، سچل سرمست اور قادر بخش بیدل سرفہرست ہیں ۔ اس رنگ کے چند اشعار بطور مثال پیش خدمت ہیں :

تیرے درشن کوں اے محبوب آتے ہیں حبیباں سب
دکھا درشن جو ہوویں راکھ جل اسکوں رقیباں سب
(قلی قطب شاہ)

اب خدائی نہ کر خدا سیں ڈر — بے وفائی نہ کر خدا سوں ڈر
اے ولی غیر آستانہ یار — جبہہ سائی نہ کر خدا سوں ڈر

دل بے تاب کہ اک آن نہیں اس کو قرار
ولے جنت میں رہنا ہی نہیں درکار عاشق کوں
نین میں نین جب ملائے گا — دل کے اندر مرے سمائے گا
(ولی)

عشق اب ڈھول ہے زلیخا کا
اس سوں آگے ہے چاہ میں یوسف
(حیدر الدین کامل)

ہے گریہ زاری عشق میں ، نے خواب ، نے آرام
جس دل سے برھا لگ سکا ، سب سوں وہ لا تعلق ہوا
اے یار تو نے سر دیا ، ترا نام تب عاشق ہوا
منصور نے جب سر دیا تب سوں ہے وہ الحق ہوا[2]

---

۱ ۔ ایسی بے شمار مثالیں "اردو غزل" از ڈاکٹر یوسف حسین خان میں موجود ہیں ۔

۲ ۔ "سچل کا سرائیکی کلام" مرتبہ حکیم محمد صادق رانیپوری ۔

Marfat.com

سید مہدی شاہ بخاری

(۱۲۳۰ھ - ۱۲۹۷ھ)

سید مہدی شاہ بخاری حلقہ راشدیہ کے اولیائے کرام سے تھے۔ تصوف اور شاعری دونوں میں خاص مقام رکھتے تھے۔ ان کے آبا و اجداد بخارا سے نکلے تو سندھ کا رخ کیا۔ تحصیل میرپور خاص تھرپارکر کے میر واہ گورجانی نامی گاؤں میں قیام کیا اور وہیں کے ہو رہے۔

مہدی شاہ بخاری کے دادا کا نام سید علی محمد شاہ بخاری اور والد کا نام شاہ بخاری تھا۔ پرواہ گور جانی میں یہ خاندان اپنے علم اور خدمت کی بدولت بہت معزز سمجھا جاتا تھا۔ مہدی شاہ ۱۲۳۰ھ میں اپنے آبائی قصبہ میں پیدا ہوئے۔ جمادی الثانی ۱۲۹۷ء کو وہیں فوت ہوئے۔ میرواہ گورجانی کے مشہور قبرستان ولیؒ ملوک شاہ میں مدفون ہوئے۔

شاہ صاحب نے اس زمانے کے رواج کے مطابق عربی، فارسی، سندھی اور اردو کی تعلیم اپنے گھر پر پائی۔ ان زبانوں میں اچھی استعداد حاصل کی ان کے بزرگ حضرت پیر پگاڑو کے حلقہ ارادت میں شامل تھے۔ مہدی شاہ نے اس برگزیدہ خاندان راشدیہ کے ممتاز ولی اللہ حضرت پیر سید حزب اللہ شاہ راشدی (۱۲۰۸ - ۱۲۵۸ھ) کے دست مبارک پر بیعت کی۔ آپ کے زیر رشد و ہدایت اپنے قلب کو منور کیا۔ صدق و صفا کی تعلیم و تربیت کی تکمیل کے بعد ہمہ وقت درس و تدریس، تبلیغ دین خدمت خلق اور فکر سخن میں مصروف رہتے۔

فن موسیقی سے بہت دلچسپی تھی۔ عیدی تخلص کرتے تھے۔ سندھی، سرائیکی اور اردو میں ڈوب کر شعر کہتے تھے۔ کافی گوئی میں ملکہ رکھتے تھے۔ بڑی خوبصورت کافیاں کہی ہیں۔ شعر و موسیقی کا جیسا حسین امتزاج ان کی کافیوں میں ملتا ہے اس کی مثال اس دور کے شعراء کے ہاں بہت کم ملتی ہے۔

Marfat.com

صوفیائے کرام اور اولیائے عظام سے انھیں عقیدت تھی ۔ اپنے شعروں میں ان کا ذکر والہانہ انداز میں کیا ہے ۔ ایک کافی میں پہلے بزرگان دین کی عظمت و بلندی کا ذکر کرتے ہیں پھر حضرت غوث الاعظم عبدالقادر جیلانی اور طریقہ قادریہ کی عظیم المرتبت شخصیتوں بہاء الدین زکریا ، صدرالدین ، رکن الدین ملتانی کی خدمت میں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں :

ایسے بادل سخی سواپڑ جواں موہن متوالے اے
ہک ہک احسن ہک ہک افضل ہک ہک بے مثالے اے
آل غوث دھردا ہویا بہاؤ الدین بجالے اے
صدرالدین رکن کا پوتا صاحب جوش جلالے اے

بعض کافیوں میں سندھی ، پنجابی ، سرائیکی اور ہندی الفاظ بڑی چابکدستی سے استعمال کیے ہیں مثلاً گل (بات) ھک (ایک) تھئی (ہوئی) گھٹانا (کم کرنا) طوفان (ڈر) وغیرہ اس طرح طور ، موسیٰ تجلی ، اور وحدت و معرفت کے دیگر نکتوں کو اپنی کافیوں میں جس سہارت سے سمویا ہے وہ انھیں کا حصہ ہے ۔ مثال کے طور پر یہ کافی دیکھیے :

وہ جلوہ کا جھلکار ، رنگی رخسار ، اس جناب مدنی کا
میں تحتھا الانہار ، دیکھو اسرار ، سہیل یمنی کا
کج نرگس چشم خماری ، کج کار غلاماں کاری
کوہ طور موسیٰ تکراری
غمزہ ہے غمخوار ، قلبی دار ، گوہر کل بدنی کا
کج زلف لیلة القدر ، کج کار غلاماں کثرت
کج ظاھر ہے زنہار ، زلف کی تار اب ارنی کا
لب احمر سرخ اناری ، کیا لال موتی مرواری
کیا بجمل بید خماری
کیا چھرے کا چمکار جھونک کی تار ، هیرا کیا گدنی کا
جا مہدی اس جا مرے شرم میں دولہ کے دھوتے
خنان ڈوبے آہ نہ کرے
سردار اوپر ہموار ، تیل کی کار ، حسینی حسنی کا

Marfat.com

(۲)

ایک گل موری مان ، تو اے میری جان ، پیاری وان
مشک و عنبر ہرگھر کے مانیں جھاڑ جھٹ سونگھے بھول بن جائیں
بھو رہیا حیران
مہدی روپ نہ رنجن درشن ، کیسی گوپی لا کھوں کرشن
دل پھر تھئی مستان

سندھی میں ان کی کافیاں مشہور ہیں ۔ سندھی کافیوں کے بعض مصرعے کے مصرعے اور فقرے کے فقرے اردو میں ہیں :

۱ ۔ سیر سرو سالاری کا جا کے تم گلشن میں دیکھو
۲ ۔ دیکھو یار کا دیدار ، جو اسرار بن آئیا

سید مہدی شاہ مہدی کو ہندی و فارسی سے بھی لگاؤ تھا جس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ انھوں نے اپنی کافیوں میں ان زبانوں کے الفاظ بھی اردو کافیوں میں بڑی خوبصورتی سے سجاتے ہیں مثلاً :

تجھ میں دنیا کی دولت لگا کون سکیگا
ہفت کشور کی مایا سرکار سلیمانی
سکندری خزانے کوں گھٹا کون سکیگا
چاہ زنخ کا قیدی در غب غب غرق رھیا
یوسف جیسے بندہ کوں چھٹا کون سکیگا
ازدھا زلف کی عاصا ، موسیٰ کی کرامات
اس کا کل کی ناگن کو الٹا کون سکیگا
عیسیٰ موسیٰ نبی میرا محمد علیہ السلام
اس مہدی کی شجاع شاہی کوں تھا کون سکیگا

Marfat.com

الله داد خان صوفی لغاری

(۱۲۳۸ھ - ۱۳۰۰ھ/۱۸۲۳ء - ۱۸۸۴ء)

نواب ولی محمد خان ولی[۱] لغاری ولد غلام محمد خان نگار[۲] کے چار بیٹے تھے - نواب الٰہداد خان صوفی ، نواب احمد خان[۳] (متوفی ۱۲۷۰ھ) غلام حیدر خان اور محمد خان -[۴]

---

۱ - نواب ولی محمد خان ولی لغاری (۱۱۶۵ھ (۱۷۵۲ء) - ۱۲۴۷ھ (۱۸۳۲ء) وادی مہران کے ان درویش صفت امیروں میں سے تھے جنھوں نے اس سرزمین میں اسلامی تہذیب و ثقافت کی تشکیل اور صحت مند معاشرے کی تعمیر و تطہیر میں نمایاں حصہ لیا تھا - ان کی علم دوستی اور ادب پروری مشہور تھی - مزاج منکسرانہ ، دل عاجزانہ اور طبیعت فقیرانہ تھی - شاہ عنایت اللہ صوفی کی درگاہ میرانپور شریف کے معتقد اور میاں فضل اللہ صوفی کے مرید تھے (تذکرہ لطفی جلد دوم ص ۱۲۹) -

نواب ولی محمد حکومت تالپور میں مدبر وزیر اعظم ، بہادر سپہ سالار اور نامور حاکم رہے - ان کی حکمرانی سیوہن سے جیکب‌آباد تک پھیلی ہوئی تھی - میر فتح علی خان تالپور کے دور میں عبدالنبی کلہوڑا والی سندھ کے خلاف جنگ ہالائی ۱۱۹۶ھ (۱۷۸۱ - ۸۲ء) میں انھوں نے شجاعت و دانشمندی کے جوہر دکھائے (تاریخ سندھ جلد دوم ص ۷۸۵ قدوسی) - شہر حیدرآباد کے شمالی جانب مقابر تالپور کے درمیان ان کا مقبرہ واقع ہے - ولی لغاری فارسی کے صاحب دیوان شاعر اور جلیل القدر انشاء پرداز تھے - حکیم حاذق اور جید عالم بھی تھے - متعدد کتب نظم و نثر کے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

Marfat.com

نواب الٰہداد خان لغاری، نواب ولی محمد خان ولی لغاری جیسے لائق باپ کے فائق بیٹے تھے ۔ جب نواب الٰہداد خان نے عالم رنگ و بو کی آغوش میں آنکھیں کھولیں ان کے گرد و پیش عیش و آسائش اور دولت و ثروت کی فراوانی تھی ۔ ہوش سنبھالا تو امیر باپ کی فقیرانہ زندگی اور صوفیانہ طرز عمل کے سائے میں ان کی تربیت ہوئی، جس کا اثر یہ ہوا کہ بچپن سے ہی آرام و آسائش اور جاہ و حشمت کی زندگی پر فقر و غنا اور زہد و صفا کی زندگی کو ترجیح دی ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

مصنف و مؤلف بھی ۔ نثر میں ان کی کتابیں ''خرد نامہ'' (علم اخلاق) اور نزھة الابدان (علم طب) ہیں ۔ ساقی نامہ، سوعظت نامہ اور مثنوی ہیر رانجھا ان کی شعری تخلیقات ہیں ۔ علاوہ ازیں ایک ضخیم دیوان ان کے علمی ادبی آثار میں سے ہے دیوان کے اول و آخر اشعار حسب ذیل ہیں :

ابتدا ۔ الٰہی جوہر آرا ساز شمشیر زبانم را
چو خورشید درخشان کن در نظم بیانم را

انتہا ۔ بے کامیاب دلربا خواھد دلے کام ترا
سویش نمی آئی چرا تو کاروان کیستی

(تکملہ ص ۶۲۲ تا ۶۲۶)

۲ ۔ غلام محمد خان نگار ولد جام ودود خان ولد منگن خان ایران تالپور کے جد اعلیٰ میر بہرام خان کے دربار سے منسلک تھے (رکن اعلیٰ کی حیثیت سے) ۔ ۱۱۹۸ھ (۸۴ - ۱۷۸۳ء) میں فرمانروائے سندھ میاں عبدالنبی کلہوڑہ کے ہاتھوں شہید ہوئے ۔ نگار فارسی کے شاعر تھے ایک دیوان اور ایک مثنوی ان کی یادگار میں سے ہیں ۔ (تاریخ سندھ جلد دوم ص ۳۸۷ ۔ تکملہ ص ۳۵۵، ۳۵۵) ۔

۳ ۔ نواب احمد خان کے صاحبزادے ولی محمد خان ثانی (۱۲۹۵ھ - ۱۳۳۲ھ) فارسی کے صاحب دیوان شاعر تھے ۔ ولی محمد خان ثانی کا تذکرہ زیر نظر کتاب کے چوتھے دور میں شامل ہے ۔

۴ ۔ ملاحظہ ہو نسب نامہ ص ۲۲۲ ۔

Marfat.com

نواب اللہداد خان لغاری کی ولادت ۲۷ رمضان المبارک ۱۲۳۸ھ (۱۸۲۳ء) میں بمقام حیدرآباد اور وفات ۱۸ محرم الحرام ۱۳۰۰ھ (۳۰ نومبر ۱۸۸۳ء)[1] بمقام کوٹ لاشاری تعلقہ سیوہن ہوئی۔

نواب اللہداد خان صوفی لغاری فارسی کی اعلیٰ تعلیم سے بہرہ ور تھے۔ نو سال کے تھے کہ ان کے والد بزرگوار چل بسے۔ جب کوئی ان کا سرپرست نہ رہا تو انھوں نے خود اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کا عزم کیا اور اوائل عمری ہی میں حکومت تالپور کے آخری حکمران میر محمد نصیر خان[2] جعفری (۱۲۱۹ - ۱۲۶۱ھ) کی ملازمت اختیار کر لی۔ ۱۸۴۳ء میں سندھ پر انگریزوں کے غاصبانہ تسلط کے بعد وہاں کے ناگفتہ بہ معاشی و اقتصادی حالات سے وہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ تین چار سال مفلسی و تنگدستی کا سامنا کیا۔ ۱۸۴۷ء میں حکومت برطانیہ کے ایک باعزت منصب پر مامور ہوئے اور ۱۸۶۴ء میں اس ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔

صوفی لغاری کے دو فرزندوں نواب حسین علی حسین اور نواب محمد علی نے فارسی شاعری[3] میں شہرت حاصل کی۔ نواب اللہداد خان لغاری شروع

۱۔ الرحیم مشاہیر سندھ (ص ۶۰) اور تکملہ مقالات الشعراء (ص ۳۶۲) میں تاریخ وفات ۲۹ نومبر ۱۸۸۲ء ریکارڈ کی گئی ہے۔

۲۔ میر محمد نصیر خان التخلص بہ جعفری (۱۲۱۹-۱۲۶۱ھ) ولد میر داد علی خان تالپور کے آخری تاجدار تھے۔ علم و ادب کے زبردست سرپرست اور قدردان تھے۔ خود فارسی اور اردو کے بلند پایہ نثرنگار اور نظم نگار تھے۔ ۱۸۴۳ء میں جب انگریزوں نے سندھ پر قبضہ کیا تو انھیں قیدکر کے کلکتے میں نظربند کیا۔ جس طرح بہادر شاہ ظفر کے بعد دلی اور واجد علی شاہ اختر کے بعد لکھنؤ کی ادبی محفلیں اجڑ گئیں اسی طرح نصیر جعفری کی کلکتہ روانگی کے بعد حیدرآباد کی ادبی فضا سونی ہو گئی۔ فارسی کی کئی مثنویاں، سفرنامہ، اردو کا ایک دیوان جعفری کی شاعرانہ عظمت کا آئینہ دار ہیں (تکملہ مقالات الشعراء۔ تاریخ سندھ، قدوسی)۔

۳۔ تکملہ مقالات الشعراء، ص ۳۶۲، ۳۶۳۔ مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ کراچی ۱۹۵۸ء۔

Marfat.com

سے اپنے اخلاق و اخلاص ، پرہیزگاری ، پاکیزگی اور سادگی کے اعتبار سے صوفی صفت آدمی تھے - اسی مناسبت سے انھوں نے اپنا تخلص صوفی اختیار کیا ۔ میدان سلوک میں راہ نقشبندیہ' کا انتخاب کیا اور اس راہ میں ایک بلند مقام حاصل کیا ۔

جرعہ می نوشیدہ ام ، اے دل ز جام نقشبند
زان سبب جان می کنم قربان نام نقشبند
کیست کو بانقشبندان ہمسری سازد مگر
جاودان باشد رضائے حق بکام نقشبند
طعنۂ دارد شریعت ، ہر طریقہ بیش و کم
بر طریق احمدی ، دائم قیام نقشبند
پیر گشتی در ثنا خوانی تو صوفی ، گفت دل
گفتمش نوشیدہ ام یک جرعہ جام نقشبند

صوفی صاحب کا شمار ان کے زمانے کے مشہور شعراء و ادباء اور صوفیائے کرام میں ہوتا تھا ۔ فارسی میں غیر معمولی استعداد کے مالک تھے ۔ فارسی میں ایک دیوان کے علاوہ مثنوی (مسکین ، مثنوی اصغر ، قصہ تسکین و شیدا ان کی یادگار تصانیف ہیں ۔

شہر حیدرآباد ان کا وطن تھا ۔ اپنے اشعار میں اس کی تعریف کی ہے ۔

موذن درگہان صبح بانگ صبح بر دارد
چونا گہ آن مہ من در شب مہتاب بر خیزد
نہ تنہا حسرت کشمیر شہر حیدرآباد است
ز بحرش موج، رشک اندر دل پنجاب برخیزد

دوش آن گل چہرہ گلگوں نمایاں کرد و گفت
خوش گلے از گلستان حیدرآباد توام
دیدہ‌ام صوفی بجز گریہ نماند ہیچدم
در فراق سروران حیدرآباد اے فلک

---

۱ - تکملہ ، ص ۳٦۲

Marfat.com

سندھی ، سرائیکی اور اردو میں بھی خوب طبع آزمائی کی ہے ۔ اردو کلام نعتوں اور غزلوں پر محیط ہے ۔ایک نعت اور دو غزلیات بطور نمونہ نقل کی جاتی ہیں ۔

پہلے کہوں نام خدا جو ہے خدا سب سے بڑا
شب و روز ہے جس کا ثنا ، میری زبان سے ماجرا
مجھ کو خدا و مصطفیٰ ہیں دو جہاں میں آسرا
والشمس ہے رو کی قسم والیل گیسو کی قسم
مشکین اس مو کی قسم مجھ کوں دو ابرو کی قسم
مجھ کوں خدا و مصطفیٰ ہیں دو جہاں میں آسرا
مہ کیا اسی مکھ سے ملنے ، گل کیا اسی گل سے ولے
قرآن صفت اس کے بلے ، جوں ہار ہے اسے گلے
مجھ کوں خدا و مصطفیٰ ہیں دونوں جہاں میں آسرا

مکھ اوپر زلف کوں لایا نہ کرو
رین میں دن کو چھپایا نہ کرو
چشم شوخی سے اٹھایا نہ کرو
مجھکوں صحرا میں پھرایا نہ کرو
گر تجھے ڈر ہے خدا کا تو کسی کو
خنجر چشم سے دکھایا نہ کرو
اس قدر تاب ضعیفاں کوں نہیں
نظر شوخ اُٹھایا نہ کرو
گر تجھے دل نہیں مجھ سے تو غرض
اپنے منہ سیں تو سنایا نہ کرو
غیر کی صحبت میں کبھی مت بیٹھو
شک گوں گیل سے ملایا نہ کرو
گر تجھے پاس ہے صوفی کا عزیز
پاس غیروں کے تو جایا نہ کرو

Marfat.com

متاع عشق جاناں کی اگر لیتے تو ہم لیتے
دل و جاں کی بہا سے یہ ثمر لیتے تو ہم لیتے
ورا پایا ہے میں نے ان لبوں کی تلخ کہتی سیں
اگر شیریں زبانی کی شکر لیتے تو ہم لیتے
یہ آب چشم اس نوخیز لعل ناز بستاں کوں
کیا ہوں پرورش اب تو ثمر لیتے تو ہم لیتے
مریض عشق کا دار و مسیحا سے نہ ہو آخر
دوا اس لب سے ایک بوسہ اگر لیتے تو ہم لیتے
مرے اس شعر دلکش میں اثر کیونکر نہ ہو صوفی
کہ ہر شعر محبت سے اثر لیتے تو ہم لیتے

Marfat.com

Marfat.com

نسب نامہ نوا

غلام محمد خان نگار (شہید

غلا الله

نواب ولی محمد خان ولی
۱۱۶۵ - ۱۲۴۷ھ (۱۸۳۲ء)

نواب جا

نواب الہداد خان صوفی
(۱۲۳۸-۱۳۰۰ھ
۱۸۲۳-۱۸۸۴ء

نواب احمد خان
(متوفی ۱۸۷۰ء)

غلام حیدر خان

محمد خ

نواب ولی محمد خان ولی ثانی (۱۲۵۲ - ۱۳۳۲ء)

غلام الله ثانی
(۱۲۵۴ - ۳
۱۸۳۸ - ۶

نواب حسین علی حسین

نواب محمد علی علی

(تکملہ مقالات الشعرا مطبوعہ

Marfat.com

خان صوفی لغاری

ہوت خان بن جام دودو بن منگن

ل

نواب علی محمد خان علی
(۱۱۶۲ - ۱۲۵۰ھ)

غلام شاہ
(۱۲۱۳ - ۱۲۷۸ھ)
۱۸۰۰ - ۱۸۶۱ء

نواب غلام محمد خان غلام
(۱۲۰۴ - ۱۲۷۹ھ)

علی اکبر خان علی

نظر علی خان
(۱۲۶۰) - ۱۳۳۰ھ)

ادبی بورڈ کراچی ۱۹۵۸ء سے ماخوذ)

Marfat.com

Marfat.com

صوفی ابراہیم شاہ فقیر

(۱۲۴۲ھ - ۱۲۹۱ھ/۱۸۲۶ء - ۱۸۷۵ء)

ضلع ٹھٹھہ کا ایک قریہ، جھوک شریف جو میراں پور کے نام سے معروف ہے، اہل اللہ، اہل علم اور اہل دل حضرات کے فیوض و برکات کا مرکز رہا ہے۔ وادی مہران کے مشہور ولی‌اللہ حضرت صوفی شاہ عنایت شہید (المتوفی ۱۱۳۰ھ - ۱۷۱۷ء) اور ان کے نلسور اخلاف کی بدولت جھوک شریف کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔

صوفی ابراہیم شاہ فقیر اسی برگزیدہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ انھیں ایک مدت تک میراں پور کی سجادہ نشینی کے مسند جلیلہ پر جلوہ افروز رہنے اور اپنے اسلاف کے کارناموں اور ان کے پیغامات کو لوگوں تک پہنچانے کا شرف حاصل رہا۔ ان کی ساری زندگی بزرگان جھوک کی تعلیمات کو عام کرنے، اللہ اور رسول کے دین کو فروغ دینے میں گزری۔

صوفی ابراہیم شاہ اپنے آبائی وطن میر پور نیٹھورہ قریہ جھوک میں مورخہ ۲۷ جمادی الاول سن ۱۲۴۲ ہجری مطابق سنہ ۱۸۲۶ عیسوی کو پیدا ہوئے اور وہیں بتاریخ ۸ ذی الحجہ ۱۲۹۱ ہجری مطابق ۱۸۷۵ء کو تقریباً پچاس سال کی عمر میں پیوند خاک ہوئے۔

سندھی اور اردو دونوں زبانوں میں شاعری کرتے تھے۔ سندھی کے پرگو شاعر تھے اس لیے سندھی اشعار کی تعداد اردو کی نسبت زیادہ ہے۔ اردو میں گاہے گاہے شعر کہتے تھے۔ پھر بھی تیس پینتیس سال کی مشق سخن سے اردو کا تھوڑا بہت سرمایہ جمع ہو گیا تھا۔ ان کے اشعار میں تخلص کہیں صوفی اور کہیں فقیر ملتا ہے۔

صوفی کے ہاں عشق مجازی کا تصور بہت سرسری ہے جو اشعار عشق حقیقی یا حقیقت و معرفت کی طرف اشارہ کرتے ہیں ان میں خیالات سطحی اور مضمون معمولی ہے۔ جذبات میں وہ روانی نہیں جو اچھے شعر کی

Marfat.com

خصوصیت ہے۔ زبان عموماً سندھی آمیز ہے۔ بعض اشعار زبان کی ناہمواری کے باعث وجدان کو کھٹکتے ہیں۔ بہر کیف یہ بات لائق ستائش ہے کہ انہوں نے اردو میں شعر کہا اور جو کچھ کہا وہ اردو کی ترقی کے باب میں، مستحسن اقدام ہے۔

ذیل میں دو غزلیں پیش کی جاتی ہیں۔ ایک کے مقطعے میں فقیر اور دوسرے کے مقطعے میں صوفی تخلص کیا ہے۔

جدائی میں جیں مشکل، سجن بن حال حیران ہے
جس دن سوں سجن بچھڑا، مری دل تب رہی جل جل
وداع کی آگ بجلی جیوں، ابر چشماں جوں باراں ہے
لگا ہے عشق موں دل سوں، نہیں سونا سہی اک پل
غذا ہے طعام خون خوردن، بساطی سیج خاراں ہے
بڑھے ترے عشق کے امراض، جن کا ہوا نہیں درماں
شفائے دِرد سودایانؔ، بدست غم گساراں ہے
چڑھیاں ترے چشم کیاں فوجوں آیاں سر پرفقیراں چل
کیا بند قید زلفاں سوں، رہو[1] بس[2] دل پکاراں ہے

حسن کی فوج لوٹے ہوں کہاں جاواں میں فریادی
بحر کی تیغ کوٹھے ہوی،[3] دیکھو سجناں کی بیداری
گدا ہوں وہ پیا ور کے اخزاں ساماں سکندر کے
بجز دیدار کے دلبر کے، عمر جاندی[4] ہے اڑادی[5]
پیالہ مے الستی کا، دیا پر یار مستی کا
کٹھیا کال وہم ہستی کا، کیا از قیدی آزادی
صفا صوفی جو رہنے ہوں جگر، کا خون کھاتے ہوں
سجن کے پاس جاتے ہوں، نہ کر مجھ سوں بیداری

---

۱ - وہ -   ۲ - ھر -   ۳ - کاٹا ہے -   ۴ - جاتی ہے -
۵ - ضائع -

Marfat.com

مخدوم ابراہیم خلیل نقشبندی

(۱۲۴۳ - ۱۳۱۷ھ/۱۸۲۷ - ۱۸۹۹ء)

نام محمد ابراہیم ، تخلص مسکین اور خلیل ، نسباً صدیقی ، مذہباً حنفی ، طریقت نقشبندیہ ۔ ان کے والد ماجد کا نام مخدوم عبدالکریم تھا جن کا سلسلہ نسب حضرت مخدوم کرم اللہ قدس سرہ سے جا ملتا ہے جس کی ترتیب یہ ہے :

مخدوم عبدالکریم بن مخدوم غلام حیدر بن مخدوم عبدالکریم بن مخدوم محمد زمان بن مخدوم عنایت اللہ بن مخدوم محمد امین بن محمد مخدوم کرم اللہ"[1] ۔

اس شجرے سے ظاہر ہے کہ مخدوم محمد ابراہیم خلیل بزرگان نقشبندیہ[2] اور علمائے اسلامیہ کی جلیل القدر اولاد میں سے تھے ۔ ماہ جمادی الاول ۱۲۴۳ھ مطابق ۱۸۲۷ء کو ٹھٹھہ میں پیدا ہوئے ۔ کئی تواریخ ولادت میں سے ایک تاریخ یہ ہے :

سال میلادش بسر الہام گفت دل
"**گوهر درج شرف علم لدن**

۱۲۴۳ھ

آٹھ سال کی عمر میں قرآن کریم قرأت کے ساتھ ختم کیا ۔ اپنے پدر بزرگوار مخدوم عبدالکریم اور دادا مخدوم غلام حیدر سے عربی و فارسی ،

---

۱ ۔ تکملہ مقالات الشعراء ، ص ۱۶۷ ۔

۲ ۔ مخدوم خلیل نے تکملہ (ص ۱۶۷ تا ۲۱۰) میں اپنے بزرگوں کے علم و فضل ، عظمت و کرامات کے بارے میں بالتفصیل روشنی ڈالی ہے ۔

Marfat.com

فقہ و حدیث کی بنیادی کتابیں معنی و مطالب کے ساتھ پڑھیں جن میں گلستان سعدی ، بوستان سعدی ، مجموعہ صرف و نحو ، کافیہ ، کنزالدقائق اور توضیح قابل ذکر ہیں ۔ علوم ریاضی و منطق سے بھی واقف تھے ۔

مخدوم ابراہیم خلیل ٹھٹھوی کی تصنیفات و تالیفات میں سب سے اہم تالیف ''تکملہ مقالات الشعراء'' ہے ۔ میر علی شیر قانع ٹھٹھوی نے ''مقالات الشعراء'' لکھا تھا ۔ خلیل نے دیگر شعراء کے تذکرہ بطور ''تکملہ مقالات الشعراء'' میں ۱۱۷۴ھ (۱۷۶۰ء) سے لے کر ۱۳۰۶ھ (۱۸۸۸ء) تک کے سندھی شعراء کے جامع و مبسوط تذکرے لکھے ہیں اس طرح دو عہد کے ایک سو ۲۸ سال کے فارسی شعر و ادب کی تاریخ محفوظ ہو گئی ہے ۔ اس کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی[۲] میں ہے ۔ تکملہ مقالات الشعراء ۱۹۵۸ء میں پیر حسام الدین راشدی کی تصحیح و حواشی کے ساتھ سندھی ادبی بورڈ کے زیر اہتمام شائع ہو چکا ہے ۔

مخدوم ابراہیم خلیل نقشبندی ٹھٹھوی نے ۴۷ سال کی عمر میں ۱۳۱۷ھ مطابق ۱۸۹۹ء میں انتقال کیا ۔ مخدوم ابوالقاسم نقشبندی کے قبرستان واقع ٹھٹھہ میں مدفون ہیں ۔ متعدد شعرائے سندھ نے تواریخ وفات کہیں ۔ مولانا عبدالکریم درس کراچوی کی بیاض میں تاریخیں محفوظ ہیں ان میں سے ایک یہ ہے :

ادیب کامل یکتائے دوراں
فروغ بزم ارباب فضائل
خلیل نقشبند لوح دلہا
از و فیضان حق میگشت حاصل
بحق پیوست آن حق گوے حق جوے
بروز آورد کو میداشت در دل

۱ ۔ مقالات الشعراء سندھ کے فارسی شعراء کا پہلا مفصل تذکرہ ہے یہ پیر حسام الدین راشدی کے مقدمہ و حواشی کے ساتھ سندھی ادبی بورڈ کے تحت منظر عام پر آ چکا ہے ۔

۲ ۔ تاریخ سندھ ، جلد ششم از غلام رسول مہر ، ص ۳۰ ۔

Marfat.com

فلک سال وصالش گفت اے درس
بگو ''بستان جنت کرد منزل''

۱۳۱۷ھ

ابراہیم خلیل اپنے وقت کے ممتاز عالم دین تھے ۔ فارسی نظم و نثر کے ادیب و شاعر کی حیثیت سے بھی ان کا مرتبہ بلند تھا ۔ میاں محمد زاہد بن میاں عبدالواسع شاکرانی سے مشورہ سخن کیا ۔ اپنے استاد موصوف ہی کے حسب ہدایت اپنے نام کی مناسبت سے اپنا تخلص خلیل رکھا ۔ ان کے دوسرے شعری مجموعے کا نام ''دیوان خلیل'' تجویز پایا ۔ مکاتیب کا جو مجموعہ مرتب کیا وہ ''انشائے مائدہ خلیل'' کے نام سے موسوم ہے ۔ خلیل سے پہلے مسکین تخلص کرتے تھے ۔ ان کے پہلے مجموعہ کلام کا نام ''دیوان مسکین'' اور ایک مرقع خطوط کا نام ''کشکول مسکین'' ہے ۔

خلیل نے اپنے خود نوشت سوانح (تکملہ ، ص ۲۱۳) میں یہ دلچسپ انکشاف کیا ہے کہ اگر وہ سندھی زبان میں کچھ کہتے تو اپنا تخلص اداسی رکھتے ۔ سندھی میں اداسی فقراء کی ایک قسم کو کہتے ہیں ۔ ان کے اس خیال سے دو باتیں منکشف ہوتی ہیں ۔ ایک یہ کہ انہوں نے سندھی میں شاعری نہیں کی ۔ دوسرے یہ کہ وہ حقیقی معنوں میں درویش منش شاعر تھے ۔

غلام محمد شاہ گدا خلیل کے ہمعصر تھے ۔ خلیل گدا سے دس سال بڑے تھے ۔ گدا بڑے مخلص آدمی تھے ۔ ان کی صحبتوں میں بڑی بڑی محفلیں جمتی تھیں ۔ سندھی کے بڑے سے بڑے شعراء و ادباء ان کے جلیس و ہمنشیں تھے جن میں میرعبدالحسین سانگر ، میروڈل علوی حیدری میر میاں صاحبڈنو شاہ ، شمس العلماء ، مرزا قلیج بیگ ، آخوند لطف اللہ لطف حیدرآبادی ، اخوند محمد قاسم ہالائی ، سید غلام مرتضی شاہ مرتضائی ، فضل محمد ساتم ، سید غلام مجتبیٰ شاہ حافظ حامد ٹکھڑائی اور محمد ہاشم مخلص وغیرہ ان کے قریبی معاصرین تھے ۔

---

۱ ۔ حاشیہ تکملہ مقالات الشعراء ، ص ۲۵۰ ۔

Marfat.com

خلیل بھی شاہ گدا کی شخصیت اور شاعری سے بہت متاثر تھے ۔ ان کے اور گدا کے دوستانہ تعلقات تھے ۔ انھیں کی صحبتوں میں خلیل کو اساتذہ اُردو مثلاً ناسخ ،آباد ، آتش اور میر کے دواوین کے مطالعہ کا موقع ملا جن سے متاثر ہو کر اردو میں شعر کہنے کا شوق پیدا ہوا اور چند غزلیں کہیں ۔ اپنے خود نوشت حالات میں رقمطراز ہیں :

''زبان ہندی را فقیر نداند مگر از سبب اثر صحبت سید غلام محمد گدا تخلص کہ چار پنج روز در بلدہ[۱] بودہ و ذکرش در باب الکاف بیاید ، و دیوان ناسخ و آباد و آتش را دیدہ شد ۔ ازان این قدر اثری شدہ کہ چند غزل گفتہ شد''[۲] ۔

خلیل کے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ سندھ کے مختلف شہروں خصوصاً حیدرآباد اور ٹھٹھہ میں فارسی کے علاوہ اردو شاعری کا کافی چرچا تھا ۔ دھلی اور لکھنؤ کے مشہور شعراء و اساتذہ کے دواوین پڑھے جاتے تھے اور یہ کہ اس زمانے میں سندھ کا شمالی ہند سے ادبی رابطہ قائم ہو چکا تھا ۔

راقم کو خلیل کا اردو کلام حاصل نہ ہو سکا ۔ پیر حسام الدین راشدی کے گرانقدر مقالہ بعنوان ''سندھ کے اردو شعراء''[۳] میں مخدوم ابراہیم خلیل ٹھٹھوی کا مختصر سا تذکرہ ملتا ہے لیکن اس میں بھی کوئی اردو شعر درج نہیں ہے ۔ شاید اس کا سبب یہ ہے کہ بقول راشدی صاحب ''مخدوم ابراہیم کے کلام کا کوئی نمونہ نہیں ملا''[۴] ۔

البتہ ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ نے خلیل اور گدا کے دوستانہ مراسم سے متعلق ایک واقعہ تحریر فرمایا ہے اور خلیل کا ایک اردو شعر نقل کیا ہے ۔ ڈاکٹر موصوف کا ارشاد ہے :

---

۱ ۔ گدا کا قیام ٹھٹھہ مراد ہے ۔
۲ ۔ تکملہ ، ص ۲۱۳ ۔
۳ ۔ مطبوعہ سہ ماہی اردو کراچی اکتوبر ۱۹۵۱ء ص ۲۰ ۔
۴ ۔ مطبوعہ سہ ماہی اردو کراچی اکتوبر ۱۹۵۱ء ، ص ۲۰ ۔

Marfat.com

''سید غلام محمد شاہ گدا شہر ٹھٹھہ میں سید کریم بخش عزیز کے یہاں ٹھہرے تھے ۔ ابراہیم خلیل ان کے یہاں جایا کرتے تھے اور وہ بھی بلا ناغہ روزانہ ایک دو مرتبہ ان کے یہاں تشریف لے آتے تھے ۔ ایک دن نہ آ سکے تو خلیل نے یہ رباعی لکھ کر ان کی خدمت میں بجھوائی :

بدیں قدر چہ آیا رمیدہ ای از من
بحیرتم کہ چساں آرمیدہ ای از من
منت مدام شب و روز آرزو مندم
تو از چہ دامن دل را کشیدہ ای از من

گدا کو جیسے ہی رقعہ ملا ، چل پڑے اور کافی فاصلہ طے کرتے ہوئے خلیل کے یہاں پہنچے اور آتے ہی فرمایا :

خلیل سے جو گدا لحظہ دمیدہ ہو
تو پھر زمانے میں کس طرح آرمیدہ ہو

عصر کو دوبارہ تشریف لائے تو خلیل نے کہا :

کہاں ہے لحظہ ، دو شب ایک دن جدائی تھی
مجھے ہر صبح بھی اک شام بینوائی تھی'

اس ایک برجستہ شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ خلیل اُردو میں بہت صاف اور عمدہ شعر کہتے تھے ۔

---

۱ ۔ سندھ میں اردو شاعری ، ص ۱۸۰ ، ۱۸۱ ۔

Marfat.com

مخدوم امین محمد امین ہالائی

(۱۲۵۴ھ - ۱۳۰۳ھ/۱۸۳۸ء - ۱۸۸۶ء)

حضرت غوث الحق مخدوم لطف اللہ سہروردی المعروف بہ مخدوم نوح سخی سرور صدیقی رحمۃ اللہ علیہ[1] (۹۱۱ھ - ۹۸۸ھ/۱۵۰۰ - ۱۵۸۶ء) بن مخدوم نعمت‌اللہ بن شیخ محمد اسحاق بر صغیر کے ان اولیاء کرام میں سے تھے جن کے دم سے وادی مہران کی فضا ضیائے علم و عرفان سے تاباں و درخشاں رہی ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب بتیسویں پشت پر امیرالمومنین سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رض[2] سے جا ملتا ہے۔ آپ کی درگاہ شریف بمقام ہالا[3] ''درگاہ سروری'' کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت مخدوم امین محمد ثالث عرف ''پکھن دھنی'' (پکن ڈنی) حضرت مخدوم نوح کی اولاد میں سے تھے۔ علامہ ڈاکٹر داود پوتہ مرحوم اپنی کتاب ''سرھا گل'' میں رقمطراز ہیں:

''امین محمد سائیں عرف ''پکھن دھنی'' اسرار ہائے الٰہی کے عارف، الستی محبت کی بحر امواج، فیوضات یزدانیہ کے شارح و ترجمان

۱۔ حضرت مخدوم نوح کے سوانح حیات، خدمات و کرامات کے لیے ملاحظہ ہو: ماہنامہ الرحیم (سندھی) ستمبر اکتوبر ۱۹۷۶ء، مطبوعہ شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد سندھ، تذکرہ صوفیائے سندھ مولفہ اعجاز الحق قدوسی اور تحفۃ الکرام از میر علی شیر قانع۔

۲۔ تحفۃ الکرام اردو ص ۳۶۹ - ۳۷۰، تصنیف میر علی شیر قانع ٹھٹھوی۔

۳۔ ہالا شمال میں حیدرآباد شہر سے ۳۵ میل کے فاصلے پر واقع ہے اس کی مشرق جانب پانچ میل کے ایک اونچے مقام پر حضرت شاہ لطیف بھٹائی کی درگاہ مبارک ہے۔ ضلع حیدرآباد ان دو عظیم ہستیوں کی ابدی آرام گاہوں کی بدولت خاص اہمیت رکھتا ہے۔

Marfat.com

اور فطرت غوث الحق صاحب فیض و الفتوح کے سلسلہ عالیہ میں تیرھویں سجادہ نشین ہیں'' (ترجمہ) ۔

پروفیسر محبوب علی چنا نے کلیات امین (ص ۳۰۸ - ۳۰۹) میں سجادہ نشینان درگاہ شریف ہالا کی سن وار تفصیل پیش کی ہے :

(۱)	حضرت غوث الحق مخدوم لطف اللہ عرف مخدوم نوح	دستار اول	۹۱۱ھ - ۹۹۸ھ
(۲)	حضرت مخدوم امین محمد صاحب اول	" دوم	۹۵۲ - ۱۰۱۵ھ
(۳)	حضرت مخدوم ابوالحمید عرف ابوالخیر صاحب	" سوم	۹۸۰ - ۱۰۵۰ھ
(۴)	حضرت مخدوم عبدالخالق	" چہارم	۱۰۳۰ - ۱۱۸۱ھ
(۵)	حضرت مخدوم محمد زمان اول	" پنجم	۱۰۵۵ - ۱۱۱۷ھ
(۶)	" مخدوم میر محمد اول	" ششم	۱۰۹۹ - ۱۱۴۹ھ
(۷)	" مخدوم محمد زمان ثانی	" ہفتم	۱۱۱۹ - ۱۱۸۴ھ
(۸)	" مخدوم میر محمد ثانی	" ہشتم	۱۱۵۱ - ۱۲۰۲ھ
(۹)	" مخدوم محمد زمان ثالث	" نہم	۱۱۸۰ - ۱۲۲۲ھ
(۱۰)	" مخدوم میرل معصوم	" دہم	۱۲۲۱ - ۱۲۲۳ھ
(۱۱)	" مخدوم امین محمد ثانی	" یازدہم	۱۲۰۵-۱۲۵۲ھ
(۱۲)	" مخدوم محمد زمان رابع	" دوازدہم	۱۲۳۳-۱۲۶۹ھ
(۱۳)	" مخدوم امین محمد ثالث	" سیزدہم	۱۲۵۴-۱۳۰۳ھ

حضرت مخدوم امین محمد ثالث کے اخلاف میں عصر حاضر کے موجودہ سترھویں سجادہ نشینی کا شرف محترم حضرت مخدوم محمد زمان سادس طالب المولیٰ قبلہ زید عمرہ کو حاصل ہے جس کی ترتیب یہ ہے :

(۱۴)	حضرت مخدوم محمد زمان خامس	دستار چہاردہم	۱۲۷۸-۱۳۳۱ھ
(۱۵)	" مخدوم ظہیرالدین عرف پریل جام	" پانزدہم	۱۲۸۰-۱۳۴۵ھ
(۱۶)	" مخدوم غلام محمد عرف گلن جام	" شانزدہم	۱۳۰۳-۱۳۶۳ھ
(۱۷)	" مخدوم محمد زمان سادس طالب المولیٰ زید عمرہ	" ہفدہم تولد ۹ محرم الحرام ۱۳۳۸ھ	

Marfat.com

حضرت مخدوم امین محمد ثالث المتخلص بہ امین کے والد ماجد حضرت سائیں مخدوم محمد زمان رابع درگاہ سروری کے بارھویں سجادہ نشین تھے ۔ حضرت مخدوم زمان نے عین عنفوان شباب یعنی ۳۶ سال کی عمر میں بتاریخ ۱۹ صفر ۱۲۶۹ھ (۱۸۵۳ء) کو رحلت فرمائی ۔ آپ کی وفات حسرت آیات کے بعد آپ کے فرزند اکبر مخدوم امین محمد پندرہ سال کی عمر میں سجادہ نشینی کے مسند جلیلہ پر فائز ہوئے ۔ خانوادہ سروری کے حسب روایات ان کی دستار بندی ہوئی اور اس کے بعد حضرت مخدوم امین محمد نے سندھ میں اپنی خدمات و کرامات کی بدولت طریقہ عالیہ سہروردیہ کے علم کو بلند و روشن رکھا ۔

مخدوم امین مخدوم کی ولادت ، باسعادت [1] شعبان ۱۲۵۴ھ مطابق ۲۶ اکتوبر ۱۸۳۸ء کو شہر ہالا ضلع حیدرآباد سندھ میں ہوئی ۔ مخدوم امین محمد نے اپنی پندرہ سال کی عمر تک یعنی اپنے مرد مومن باپ کی حیات تک ان کے زیر شفقت و عاطفت تربیت پائی ۔ اس زمانے میں شہر ہالا کہنہ کے مشہور ساونی[2] خاندان کے ایک ممتاز مدرس اور عالم دین آخوند محمد قاسم بن آخوند محمود ساونی اپنے علم و فضل اور دینی خدمات کی بدولت بڑی شہرت رکھتے تھے ۔ مخدوم امین محمد نے آخوند محمد قاسم جیسے کامل بزرگ اور صاحب درس و تدریس سے عربی و فارسی اور دیگر دینی علوم کی تعلیم حاصل کی ۔ آخوند محمد قاسم اردو اور فارسی کے اعلیٰ درجہ کے

---

۱ ۔ محترمی پروفیسر محبوب علی چنا مرحوم نے ''کلیات امین'' کے مقدمہ (ص ۱۷) اور مکرمی ڈاکٹر نبی بخش بلوچ نے'' سندھ میں اردو شاعری (ص ۱۵۳) میں سنہ ولادت ۱۲۵۴ھ تحریر فرمایا ہے لیکن مولانا دین محمد وفائی نے تذکرہ مشاہیر سندھ (ص ۱۷۴) میں ۱۲۵۶ھ درج فرمایا ہے جو اول الذکر دو حضرات کی تحریروں کی روشنی میں درست نہیں معلوم ہوتا ۔

۲ ۔ ملاحظہ ہو مقالہ ''علم و ادب میں ہالا قدیم کا حصہ'' از قاضی محمد اعظم مطبوعہ الرحیم (سندھی) مئی جون ۱۹۷۵ء ، شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد ۔

Marfat.com

شاعر بھی تھے اس لیے انھوں نے اپنے شاگرد رشید کو تعلیمات اسلامیہ کے ساتھ ساتھ رموز سخن اور نکات شاعری سے بھی آگاہ کیا۔

شہر ہالا شروع سے علم و عرفان اور شعر و ادب کا گہوارہ رہا ہے۔ مخدوم امین اوائل عمر میں سلوک کے بابرکت میدان میں سروری جماعت کے ایک سیلانی درویش حضرت فقیر سہیل عرف سیلو المتوفی ۱۸ ربیع الآخر ۱۳۰۲ھ مطابق ۱۸۸۵ء) کی روحانیت آمیز صحبتوں سے فیضیاب ہو کر مقامات طریقت پر گامزن ہوئے۔ فقیر سیلو کی ابدی آرام گاہ ان کے روحانی مرشد حضرت غوث الحق مخدوم نوح کے احاطہ درگاہ[1] میں واقع ہے۔ مولانا دین محمد وفائی مرحوم[2] کا بیان ہے کہ مخدوم امین محمد کو اپنے ایک ہمعصر ولی اللہ پیر سید شہیدالدین العلم الثالث (جھنڈی والے) سے بے حد عقیدت و ارادت تھی اس لیے وہ انھیں سے بیعت تھے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے مخدوم امین محمد کو دنیا کی بیکراں رحمتوں اور دنیا کی تمام نعمتوں سے نوازا تھا۔ انھوں نے شان و شوکت کی زندگی گزاری لیکن خدمت خلق اور عبادت الٰہی سے ایک پل کے لیے بھی کبھی غافل نہ ہوئے۔ ان کی فیاضی، دردمندی اور اخلاص و ایثار کی چھاؤں میں ان کی ذات گرامی سے مریدوں، عقیدت مندوں، غریبوں، عزیزوں اور سارے اپنے بیگانوں نے بقدر استطاعت و بقدر ذوق فیض پایا۔

مخدوم امین کے مریدوں اور عقیدتمندوں کا حلقہ وسیع تھا جن میں اکثر اہل علم و ادب اور ارباب نور و بصیرت تھے۔ مخدوم امین محمد عرف پکھن دھنی نے ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۰۳ھ مطابق ۲۹ جون ۱۸۸۶ء میں وفات پائی۔ گوشہ درگاہ سروری میں محو خواب ہیں۔

ان کے وصال کی متعدد تاریخیں ان کے معاصر شعراء اور بعد کے ارباب فکر و فن نے کہی ہیں جن میں سے مخدوم محمد ابراہیم نقشبندی

۱۔ فقیر راقم الحروف کو درگاہ سروری ہالا کی زیارت کا شرف حاصل ہے۔

۲۔ تذکرہ مشاہیر سندھ، ص ۱۷۳۔

Marfat.com

ٹھٹھوی ، قاضی عبدالمعالی ھالائی ، نقی سعداللہ نیازی ھالائی اور عبداللہ کے قطعات تاریخ طبع ہو چکے ہیں - قاضی عبدالمعالی ھالائی نے اپنے دو قطعات میں دو مختلف تاریخی مادے نکالے ہیں - پہلا قطعہ چھ اشعار اور دوسرا قطعہ آٹھ اشعار پر مشتمل ہے -

مادہ اول — سال و صلش چو جستم ازمن گفت
لیلۃ القدر روز ''اربع بود''
۱۳۰۳ھ

مادہ دوم — چو جستم سال تاریخش زہاتف
بگفت این قطب ختم الاولیا بود
۱۳۰۳ھ

مخدوم محمد ابراہیم نقشبندی ٹھٹھوی نے بھی اپنے دو تاریخی قطعات میں دو مختلف مادے نکالے ہیں پہلے قطعے کے دو شعر اور دوسرے قطعے کے دس اشعار ہیں - قطعہ اول یہ ہے :

دریغا شب قدر در ماہ رمضان — عیاں شد عزائے امین محمد
خرد گفت تاریخ ترحیل او را — بخلد است جائے امین محمد
۱۳۰۳ھ

پروفیسر محبوب علی نے ''کلیات امین'' کو محنت مطالعہ اور تحقیق سے ایڈٹ کیا ہے - اس کلیات کے ابتدائی حصے میں مخدوم امین کے حالات زندگی اور شخصیت کے بارے میں شرح و بسط سے روشنی ڈالی ہے - ''پیش لفظ'' خانوادہ مخدوم کے مایہ ناز سپوت اور عہد حاضر کے جلیل‌القدر دانشور ، شاعر و ادیب حضرت مخدوم محمد زمان طالب المولیٰ سجادہ نشین درگاہ سروری کے علمی و ادبی بصیرت کا مرقع ہے - ''کلیات امین'' ڈیمی سائز کے ۳۸۲ صفحات پر محیط ہے جسے سندھ کے ایک اہم قومی ادارہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد نے ۱۹۶۶ء میں نفیس و نظر افروز انداز میں شائع کیا ہے -

''کلیات امین'' میں مخدوم امین محمد امین کی نگارشات منظوم چار زبانوں سندھی ، فارسی ، سرائیکی اور اردو میں موجود ہیں - امین سندھی

Marfat.com

کے ایک باکمال شاعر تھے ۔ شاہ لطیف اور سچل سرمست کی طرح ان کی کافیاں صوری و معنوی اعتبار سے سندھی ادب کا بصیرت افروز خزینہ ہیں ۔ ان کی کافیاں و مرثیے میلاد اور مجلسوں میں عام طور پر پڑھے جاتے تھے اور یہ آج بھی عوام کے زبان زد ہیں ۔ ایک سندھی "کافی" کے یہ بول دیکھیے :

"ادنیٰ" کاں تجھ عبدی آیا
"وحدت" جا تن ورق و رایا
قرب قرابت ، رمز ر ریجھایا
پیر پرت محمد[۳] ذی پایاں پایاں

ترجمہ
میں ایک ادنیٰ عبادت کی طرف راغب ہوا
اور جب وحدت کے ورق الٹے
اس کی قربت اور رمز سے آشنا ہوا
پھر میرا قدم عشق محمد کی طرف بڑھتا ہی گیا

امین کا کلام وحدت‌الوجود کے معنوی و دقیق خیالات اور تصوف و طریقت کے وسیع و دقیق علامات سے مملو ہے ۔ تصوف میں بابا خواجہ فریدالدین شکرگنج اور پیر پگاڑا، میرعلی اصغر شاہ کے پیرو تھے لیکن یہ ان کی بصیرت کا کرشمہ ہے کہ انھوں نے قادریہ ، سہروردیہ ، چشتیہ بزرگان دین کے فیضان کی روشنی میں سلوک کی ایک الگ راہ نکالی ہے جو جدید عصری و سائنسی تقاضوں سے ہم آہنگ ہے ۔ سچ ہے :

ع دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

ان کا اسلوب موثر، طرز ادا دلکش اور روح پرور ہے۔ یہ خصوصیات سندھی ، سرائیکی ، فارسی اور اردو چاروں زبانوں کی شاعری میں پائی جاتی ہیں ۔ انھیں نعت گوئی سے خاص شغف تھا ۔ ان کی نعتیں مذکورہ بالا ہر زبان میں موجود ہیں ۔ ان کا کلام ان تمام صفات سے مرصع ہے جو اس عہد کے صوفی شعرائے کرام کا طرہ امتیاز سمجھی جاتی تھیں ۔ توحید و تصوف ، وحدت و کثرت ، ہمہ اوست عشق و وحدت کے نکات و رموز کو سادہ الفاظ میں بیان کر دیا ہے ۔ ان کی نعتیں سرور کائنات محسن انسانیت سے بے پناہ عقیدت اور عشق بیکراں کی آئینہ دار ہیں :

Marfat.com

ہر دم ہے امین میری شفاعت پہ محمد
گردش میں زمانے کو لٹا کون سکے گا

مخدوم امین ہالائی کو فارسی سے بھی خاص لگاؤ تھا ۔ حضرت لعل شہباز قلندر[۱] سے انھیں والہانہ عقیدت تھی ان کی فارسی شاعری کا رنگ مرغوب تھا اس لیے ان کے رنگ میں انھوں نے اشعار لکھے ہیں مثلاً :

اے یار ما چہ دانی تو شیوہ ز رندان
شہباز بر شکارم تو کے ز اہل رندان

انھوں نے خالص فارسی میں بھی غزلیں لکھی ہیں اور فارسی آمیزاردو میں بھی ۔ اردو اشعار میں فارسی الفاظ و تراکیب ، تشبیہات ، استعارات اور روزمرہ کو برجستگی و شگفتگی کے ساتھ اپنایا ہے ۔ اس رعایت سے تکرار لفظی کا بھی کمال دکھایا ہے مثلاً اردو فارسی آمیزش کی یہ غزل ''دست در دست بادہ نوشاں نوشتہ'' نذر قارئین ہے :

اے امیں نزد ما سی آمد دوش
از من و عشق یار جوشاں جوش

یار مست و خراب آیا ہے
ساغر سرخ ناب لایا ہے
جو مزہ دائمی تھا پیا ہے
دست در دست بادہ نوشاں نوش
من کی میں نے مراد ہے پائی
عالم افلاک سے صدا آئی
حال بدمست زلف لہرائی
بانگ بوسے کی گرم گوشاں گوش
آ ملا جسم و جان کا جانی
جاں میری تھی جس کی مہمانی
دیکھ دلبر مرا ہے لاثانی
گئے رقیبوں کے حال ہوشاں ہوش
لوگو محفل میں کیا کروں اظہار
میں نے دیکھا وہ دلربا دلدار
اب تو اک بات سے بھی ہو گئی چار
یار کہتا ہے جو خموش خموش

---

۱ ۔ حضرت لعل قلندر شہباز سندھ کے عظیم المرتبت ولی اللہ ہی نہ تھے فارسی شاعری میں بھی ان کا مقام بہت بلند تھا ملاحظہ ہو ''شہباز کی شاعرانہ عظمت'' از وفا راشدی مطبوعہ ماہنامہ الولی حیدرآباد شمارہ ستمبر اکتوبر ۱۹۷۵ء ۔

Marfat.com

مخدوم امین نے قدیم اساتذہ کے رنگ میں اچھی غزلیں کہیں ۔ وہ ایک صاحب دل شاعر تھے ۔ ''دل کے مضمون کو بڑی خوش اسلوبی سے باندھا ہے۔

عشق میرا ہے، تمہاری عقل ہے افراسیاب
دل کے میداں مظفر رستم دستاں رہا
شعلہ دل سے میرے آسماں بھی جلتا ہے
آگ تو بجھتی نہیں میری چشم کی نم سے
دام تیرے سے میرے دل کو چھڑا کون سکے گا
تقدیر کے لکھے کو کون مٹا سکے گا
افسوں گری کرتے ہیں خود وہ مرے دل پر
بیچوں سے مجھے اس کے چھڑا کون سکے گا

ذیل میں مختلف خیالات و جذبات کے متعدد اشعار ان کی غزلوں سے پیش کیے جاتے ہیں جس سے ان کے انداز تغزل اور جولانی طبع کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے ۔

آہ و فریاد و فغاں پر میرے یہ ہنستے ہیں لوگ
کوئی کہتا ہے کہ جی اور جان سے بھی مرا رہا
مار کر میرا ہے ملتا خون ہی خرگاہ کو
دست و پا دونوں ہیں رنگیں قاتل کف ترا رہا
اے امین اس بات پر انصاف ہے اس آن میں
سینکڑوں سر گم ہوئے گم راہ کا رہبر رہا

وہ لائے مرے حق میں چھری سینے پہ میرے
اس ہاتھ حنائی کو ہٹا کون سکے گا
مژگاں کے تیروں سے تو زخمی ہیں ہزاروں
گھائل کو تیرے دیکھ بچا کون سکے گا
گر آپ چلن ہار ہو اے میرے پیارے
اس داغ جدائی کو مٹا کون سکے گا
ہر دم ہے امین میری شفاعت پہ محمد
گردش میں زمانے کو لٹا کون سکے گا

Marfat.com

یار کیوں ہوتے ہو خفا پھر دوبارہ ہم سے
آج کیوں الٹا گیا میرا ستارہ ہم سے
خنجر دست حنائی کے ہزاروں کشتہ
"تشنہ ہیں تیرے سجن زلف کے ہر ہر خم سے"

Marfat.com

نواب غلام اللہ خان مسکین لغاری

(۱۲۵۴ھ - ۱۸۳۸ء/۱۳۰۳ھ - ۱۸۸۶ء)

نواب غلام اللہ خان لغاری نسباً نواب اور طبعاً فقیر تھے - وہ نواب غلام اللہ خان لغاری (اول) بن غلام محمد خان نگار کے پوتے، نواب جان محمد خان راول) کے فرزند اور نواب الٰہداد خان صوفی ولد نواب ولی محمد خان ولی کے بھتیجے تھے - فقیرانہ مسلک اور شاعرانہ ذوق انہیں ورثے میں ملا تھا - قادریہ مشرب کے بزرگ تھے - اپنے قلم سے خود کو "غلام اللہ فقیر صافی العلوی سبز پوش صوفی القادری" اور اپنے مریدوں کو "غلام اللہیان سبز پوش" لکھتے تھے - نہایت حلیم الطبع منکسرالمزاج اور نیک طبع انسان تھے ان کی روحانی کشش اور اخلاق بلندی کا یہ عالم تھا کہ مسلمان تو مسلمان ہندو بھی ان کے حلقہ بیعت و ارادت میں شامل تھے -

اللہ تبارک و تعالیٰ نے غلام اللہ فقیر کو دین و دنیا دونوں کی نعمتوں سے مالا مال کیا تھا - تعلقہ شہداد پور "سیتاری" میں ان کی جاگیر تھی اور وہی مقام ان کا مسکن و مدفن تھا - غلام اللہ خان کا سال ولادت ۱۲۵۴ھ (۱۸۳۸ء) اور سنہ وفات ۱۳۰۳ھ (۱۸۸۶ء) ہے -

ان کی تعلیم و تربیت خود ان کے والد ماجد نواب جان محمد خان کی خاص نگرانی میں ہوئی - عربی، فارسی، سندھی کی ابتدائی تعلیم سے فارغ ہو کر کئی زبانوں کے ادبیات کا بطور خود مطالعہ کیا اور اتنی استعداد بہم پہنچائی کہ سندھی، سرائیکی، ہندی میں پختگی کے ساتھ شعر کہے - فارسی اور عربی میں بھی طبع آزمائی کی ان کے بعض اشعار خود ان کے قلم سے لکھے ہوئے اور ان کے دستخط کے ساتھ موجود ہیں مثلاً ان کا یہ شعر ان کے دستخط شدہ فارسی کلام کا ایک جزو ہے -

کاروان تجارت دوراں، برسرش آشیاں بلای بود
چند کمتر ازیں رهایانند، گوش میداں همی هلای بود

Marfat.com

غلام اللہ خان کا تخلص مسکین تھا جس سے ان کے مزاج و طبع کی سادگی اور انکسار ظاہر ہے ۔ مسکین کے جملہ کلام کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کو ہندی زبان سے خاص شغف تھا ۔ اس زبان پر غیر معمولی قدرت رکھتے تھے ان کے کلام کا ایک حصہ ہندی الفاظ و تراکیب کا بہت عمدہ نمونہ ہے ۔ ان کی ہندی آمیز شاعری سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ وہ ہندو مسلمان اتحاد کے دل سے خواہاں تھے ان کے نزدیک سب سے بڑی اہمیت ذات پات ، رنگ و نسل کی نہیں بلکہ انسانی مساوات. عالمی نسل انسانی کی باہمی محبت و اخوت ، فلاح و بہبود اور سلامتی و تحفظ کی تھی ۔ جہاں انھوں نے اسلامی تصوف کے نکات کو اردو زبان میں واضح طور پر بیان کیا ہے وہاں ہندو مت کے شبدوں اور شلوکوں کے نظریات کو بھی فراغ دلی سے عوام تک پہنچانے کی کوشش کی ہے ۔ وہ بلاشبہہ اخوت اسلامی کے علمبردار اور عظمت انسانی کے پیغامبر تھے ۔ ان کا عارفانہ کلام انھیں نکتہ ہائے حیات و کائنات کا عکاس ہے ۔ نمونہ کلام یہ ہے :

لا الہ ، نفی سوں مر گیا ، اس اس جنم مٹایا
الا اللہ ، کیا استھانا ، آواگوں گنوایا

صوفی نام کہاون ایسا جیسا نام ھری کا
ناکو نام ٹھام اس جنکا ، ناکو ھندہ پری کا

لاگی چھان سری نگر کی ، ثریا سکل گمان
انحد کی گھنگھور سیں پایا پریم گیان

من بھر مڑیا موھنا محرم من کا مسیت
کبد ھیا ڈوبتی سا چاون کی پریت

نت ات لاگے لاگے پریت کا جان ہماری کان
اس شہادت عشق کی ناگو نام نشان

Marfat.com

دم دم کا مرنا بھیا، سکھ سین کبھیو نہ جائے
ہم کہتی ہوں آپ کوں، جلت جلت جل جائے

نیناں بادل برستا ، کرتا نت بہار
این دناں ات میکھ ہے ، آتم دیکھو یار

مسکیں مارگ چالیے ، بن مارگ مت چال
جو نر مارگ نا چلے ، کر میں ہوت کنگال

Marfat.com

پیر سید حزب اللہ شاہ مسکین راشدی

(۱۲۵۸ھ - ۱۳۰۸ھ/۱۸۳۹ء - ۱۸۸۹ء)

حضرت پیر محمد راشد عرف روضے دھنی سلسلہ چشتیہ نقشبندی کے یکتائے روزگار ولی اللہ اور سندھ کے باکمال شاعر حضرت سید محمد بقا[1] (۱۱۳۵ھ - ۱۱۹۸ھ) کے نامور فرزند تھے - حضرت پیر محمد راشد[1] کا شمار سندھ کے اولیائے عظام میں ہوتا ہے - آپ سندھی و فارسی کے بلند پایہ شاعر[2] اور جلیل القدر مصنف تھے۔ آپ کے علم و عرفان شریعت و روحانت کا چشمہ فیض وادی مہران کے چپے چپے میں آج تک جاری و ساری ہے -[3]

حضرت پیر سید حزب اللہ شاہ عرف بخت دھنی ولد علی گوہر شاہ اصغر ولد صفت اللہ شاہ ولد محمد راشد اسی عالی نسب ، دینی و روحانی

---

۱ - تذکرہ صوفیائے سندھ مولفہ اعجازالحق قدوسی ، ص ۲۶۳ ، - ۲۶۶

۲ - ماہنامہ الرحیم (سندھی) مشاہیر سندھ نمبر ۱۹۶۷ ، مطبوعہ شاہ ولی اللہ اکیڈمی ، حیدرآباد -

۳ - پیر راشد کے انتخاب کلام سندھی کے لیے ملاحظہ ہو ماہی الرحیم حیدرآباد کتابی سلسلہ نمبر ۱ - ۲ ، ۱۹۶۶ء -

۴ - حضرت پیر سائیں سکندر شاہ الملقب بہ شاہ مردان ثانی جو ”پیر پگاڑو“ کے نام سے مشہور زمانہ ہیں ، سلسلہ راشدیہ کے موجودہ سجادہ نشینی کے مسند اعلیٰ پر جلوہ افروز ہیں - پیر سید علی محمد راشدی جیسے معروف دانشور و صحافی اور پیر سید حسام الدین راشدی جیسے ممتاز مؤرخ و محقق اس خانوادہ راشدیہ کے مایہ ناز سپوت ہیں -

Marfat.com

Marfat.com

(پیر محمد راشد

(۶ رمضان ۱۱۷۰ھ - جم

پیر صفت اللہ شا

(۱۱۸۳ - ۵ رم

پیر علی گوہر شاہ اصغر (بنگلے دھنی)

(۴ رجب ۱۲۳۱ھ - ۱۸۱۲ء

۱۱ جمادی الاول ۱۲۶۳ھ - ۱۸۴۳ء)

پیر حزب اللہ شاہ (تخت دھنی)

(۱۸ شوال ۱۲۵۸ھ - ۱۸۳۹ء

۴ محرم ۱۳۰۸ھ - ۱۸۸۹ء)

پیر شاہ مردان شاہ

(کوٹ دھنی)

(صفر ۱۲۷۹ھ - ۱۸۶۰ء

۷ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ

۸ نومبر ۱۹۲۱ء

دختر زوجہ پیر شاہ

والدہ پیر حامد شاہ

پیر صفت اللہ شاہ شہید (۱۳ صفر

۱۳۲۷ھ - ۲ مارچ ۱۹۴۲ء)

پیر شاہ مردان شاہ ثانی عرف

(پیر پگاڑو (موجودہ گدی نشین

۱ - ۱۲۲۳ھ، ص ۲۲ الرحیم مشاہیر سندھ

Marfat.com

ـمی دهنی)
شعبان ۱۲۳۳ھ'

دهنی)
۱۲۳۴ھ)

پیر علی محمد شاہ (۱۷ ربیع اول
۱۳۰۳ - ۱۳ھ ربیع الاول ۱۲۸۴ھ

پیر پیر شاہ (وفات ۱۲ جنوری
۱۹۳۱ء مطابق ۲۲ شعبان ۱۳۴۹ھ

پیر حامد شاہ راشدی
(۳۰ ربیع الثانی ۱۳۰۱ھ - ۱۹۳۷ء

ر علی محمد راشدی
۱۳۲۳ھ-۱۹۰۵ء)

پیر حسام الدین راشدی
ولادت ۲۰ ستمبر
۱۹۱۱ء مطابق
رمضان المبارک ۱۳۲۹ھ)
وفات :

- ۱۹

Marfat.com

Marfat.com

اور ادبی گھرانے کے صاحب دل ، صاحب طریقت اور صاحب بصیرت شخصیت ہیں ۔ ان کا شجرہ نسب یہ ہے ۔[1]

پیر سائیں حزب اللہ شاہ (تخت والا) بتاریخ ۱۱ شوال ۱۲۵۸ھ مطابق ۱۸۳۹ء کو اس دار فانی سے وابستہ ہوئے ۔ ان کے والد بزرگوار حضرت پیر سید علی گوہر شاہ اول اصغر (بنگلے دھنی) (۱۲۳۱ھ - ۱۲۶۳ھ/ ۱۸۱۶ء - ۱۸۴۷ء) کا وصال[2] ہوا تو حزب اللہ شاہ کی عمر صرف پانچ سال کی تھی ۔ باپ کے سایہ عاطفت سے محرومی کے باوجود ان کے اہل خاندان نے ان کی بہترین تعلیم و تربیت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا ۔ اخوند محمد پیر گوٹائی نے قرآن شریف اور دینیات کی تعلیم دی ۔ عربی و فارسی کے جید عالم و محدث مولوی حاجی عیسیٰ نے فارسی و عربی علوم سے بہرہ ور کیا ۔ وسیع مطالعہ ، بے پناہ محنت اور پیہم ریاضت کی بدولت متعدد علوم و فنون مثلاً نقاشی ، کاشی سازی ، خوشخطی ، حکمت، طب ، موسیقی سے غیر معمولی شغف رکھتے تھے ، مختلف فنی کتب و جرائد کا خصوصی دلچسپی سے مطالعہ کرتے ۔ ماہرین فنون سے نہ صرف رابطہ رکھتے بلکہ ان سے تبادلہ خیالات بھی کرتے ۔ انھیں تیراندازی ، شہسواری اور شکار کے فن پر بھی مہارت تھی ۔

عبادت و ریاضت میں ان کی ذات گرامی اپنی نظیر آپ تھی ۔ ۴۵ سال درگاہ راشدیہ کی گدی نشینی اور طریقہ قادریہ کی تبلیغ و ترویج نہایت امیرانہ و فقیرانہ شان سے کی ۔ مورخہ ۴ محرم ۱۳۰۸ھ مطابق ۱۸۸۹ء کو عالم فانی سے پردہ کیا ۔ ان کا مقام ولادت و رحلت پیر گوٹھ خیرپور ہے ۔

پیر سائیں کے ایک استاد مکرم حضرت مولوی بہاءالدین بھائی نے اپنے مندرجہ ذیل تاریخی مرثیہ میں ''مرد شوق خدا'' سے تولد اور ''چراغ

---

۱ ۔ پیر حسام الدین راشدی نے تذکرہ مشاہیر سندھ (حاشیہ ۶ ۔ ص ۱۸۶) میں اپنے بزرگوں کا جو شجرہ پیش کیا ہے زیر نظر شجرہ اسی سے ماخوذ ہے ۔

۲ ۔ الرحیم مشاہیر سندھ نمبر ص ۲۹ ۔

Marfat.com

جہاں سے'' سن رحلت نکالی ہے۔ مولوی بہائی پیر سائیں کی وفات کے وقت ان کے پاس موجود تھے۔[1]

جناب صاحب دستار پیر حزب اللہ
ولی کامل، مردِ خدا، پیر جہان
سخی و صاحب سجادہ و سلیم القلب
وفی و وافی و واقف، راز ہائے نہان
پئے تولد او سال مرد شوق خدا
۱۲۵۵ھ

بروز سہ شوال ھژ دھم میخوان
بظہر چارم عاشورہ نیک روز خمیس
ازین جہان بجہان جنان کشید عنان
راوی خود چو منور نمود جنت را
بگفت سال وصالس خرد چراغ جنان
۱۳۰۸ھ

حضرت پیر سائیں حزب اللہ شاہ کا تخلص مسکین تھا۔ سندھی، فارسی اور اردو میں شاعری کرتے تھے۔ اوائل میں مولوی بہاءالدین بہائی اور مولوی محمد عاقل عاقلی جیسے نکتہ رس و نکتہ سنج اساتذہ کرام نے جادہ شعر و سخن میں ان کی رہبری کی۔ ان کے ایک مجموعہ کلام موسوم بہ ''دیوان مسکین'' کے ایک قلمی نسخہ[2] مملوکہ جناب پیر حسام الدین راشدی کا سراغ ملتا ہے ان کے اردو اشعار کہیں ریختہ کا عمدہ نمونہ ہیں اور کہیں فارسی آمیز بندش و ترکیب کا حسین امتزاج ہیں۔

فارسی غزل

ما فقیرانیم مارا با زرو زیور چہ کار
ہمچو ابراہیم یا سرمایہ آزر چہ کار

۱۔ تذکرہ لطفی جلد سوم، ص ۱۸۳۔
۲۔ حاشیہ تذکرہ مشاہیر سندھ، ص ۱۸۶۔

Marfat.com

چون مرا در حشر از هنگامہ او باک نیست
حرز جان تصویر جاناں دارم و دیگر چہ کار
عکس روے یار مارا جلوہ ہائے دیگر است
از مہ و خورشید نتواں یافت با اخترچہ کار
اولین روز از ادیب عشق و از تدریس او
خواندہ ام حرف محبت را با دفتر چہ کار
از کتابِ حسن ما حرف محبت خواندہ ایم
با سماع قصہ دارا و اسکندر چہ کار
سود سوداں راز دنیا و ز عقبی یافتم
گیسوئے دلبر بکف مشک و با عنبر چہ کار
شکر للہ و وفائے دلبر رعنائے من
جان بجاناں رفت مسکین را جزین دیگرچہ کار

اردو

آتا ہے چمن میں بت گلفام ہمارا
ساقی بخدا بھر دے مجھے جام ہمارا
گر میں نے کیا اس بت طناز کو سجدہ
آئے گا کس کام یہ سلام ہمارا

اردو فارسی آمیزش

من بہ ہجرت رقیب در وصلت — برقیباں چنیں کرم مت کر
گرچہ ما خاطئیم بر گنہیم — پر گنہگار مکھ بہم مت کر
بندہ بارگاہ تستم اے سلطان — اب تو مسکین را جدا مت کر

Marfat.com

حسن بخش شاہ

(۱۲۶۲ - ۱۳۱۸ھ)

سید حسن بخش شاہ طریقہ قادریہ کے مست ملنگ شاعر تھے۔ ان کا سلسلہ نسب غوث الاعظم حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃاللہ علیہ سے جا ملتا ہے۔ سندھ میں حسن بخش کا خاندان جیلانی خاندان کے نام سے مشہور ہے۔ حسن بخش کے والد بزرگوار حضرت پیر گلزار علی شاہ قادری پیر بھاون شاہ گوٹھہ ضلع حیدرآباد کے رہنے والے تھے حسن بخش ۱۲۶۲ھ میں تعلقہ شہداد پور کے ڈنڈھی نامی گوٗں میں پیدا ہوئے۔

حسن بخش شاہ نے اپنے نانا پیر سلیمان علی شاہ قادری کی سرپرستی میں عربی و فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ مطالعہ کا ذوق والد کی صحبت میں فروغ پایا۔ جوانی دیوانی ہوتی ہے۔ جوانی میں وہ بہت زندہ دل، عاشق مزاج اور رنگین طبع تھے۔ محبوب مجازی کی محبت میں سرشار رہتے تھے۔ یہ عالم زیادہ دیر تک قائم نہ رہا دنیا اور اہل دنیا کے ظلم و ستم سہے۔ پھر ایسے حادثات سے دوچار ہوئے کہ طبیعت کا رنگ ہی بدل گیا۔ دنیا بدل گئی۔ عشق مجازی نے عشق حقیقی کا رنگ اختیار کیا۔ ایک ایک سانس محبوب حقیقی کے گیان دھیان کے لیے وقف ہو گیا۔[۱]

موسیقی اور محفل موسیقی کا شوق بچپن سے تھا۔ فن موسیقی سے خاص دلچسپی تھی۔ جب ان کی زندگی میں سنجیدگی اور ذوق علم و ادب نے انگڑائی لی تو انھوں نے خدمت علم و خدمت خلق کو مقصد زندگی قرار دیا۔ مطالعے کے شوق نے علوم عربی و فارسی و ہندی سے بہرہ ور کیا عربی، فارسی سندھی، ہندی کتابوں کا خاصا ذخیرہ ان کے کتب خانہ موسوم بہ ''کتب خانہ میر حسن بخش جیلانی'' جمع ہو گیا تھا۔

۱۔ کلیات امین مرتبہ پروفیسر محبوب علی چنہ۔ ص ۲۷۶۔

Marfat.com

حسن بخش کا زیادہ تر وقت علماء و فضلاء ، شعراء و ادباء کی محفلوں میں گزرتا تھا ۔ پیر صاحب پگارو حضرت سید حزب اللہ شاہ راشدی[1] عرف تخت دھنی سے بے حد ارادت رکھتے تھے ۔ حضرت مخدوم انیس محمد امین ہالائی (پکھن دھنی) اور حضرت حمل خان لغاری جیسے یکتائے روزگار شعرائے کرام اور اولیائے عظام سے ان کے معتقدانہ تعلقات تھے ۔

پیر سائیں حسن بخش نے ۷ جمادی الاول ۱۳۱۸ھ کو اپنے مولد و مسکن ''ڈنڈھی'' میں وفات پائی ۔

پیر سائیں حسن بخش فارسی ، سندھی ، سرائیکی ، ہندی اور اردو کے بلند پایہ شاعر تھے۔ ہر زبان کے کلام میں تخلص کے بجائے حسن بخش لکھتے تھے ۔سندھی اور سرائیکی میں ان کی کافیاں بہت مشہور ہیں ۔ گرچہ اس زمانے میں مصری شاہ ، مہدی شاہ ، خیر محمد فقیر ، ہسبائی ، سلیمان شاہ ، محسن بیکس ، محمد امین ، محمد رمضان فقیر ، میر سانگی ، صاحبد نوشاہ جیسے ممتاز شعراء کی کافیاں بے مثل ہوتی تھیں لیکن حسن بخش کا رنگ خاص تھا[2] سرائیکی شاعری میں انھوں نے حمل فقیر لغاری کا اتباع کیا ۔ اس کے باوجود اس کی انفرادیت مسلم تھی ۔

حسن بخش پرگو اور خوش فکر شاعر تھے بڑی روانی و برجستگی سے شعر کہتے تھے ۔ ان کی یہ خوبی ان کے اردو اشعار میں بھی نمایاں ہے ۔ وہ ایک دردمند دل رکھنے والے انسان تھے ان کے بول میں درد اور کلام میں سوز ہے ۔

حسن بخش کا مجموعہ کلام موسوم بہ ''کلام حسن بخش مرتبہ

---

۱ - ان کی وفات پر دردناک مرثیہ کہا جس کا پہلا شعر یہ ہے :

شاہ حزب اللہ جو ساری ملک میں ماتام ٿیو هے
مئے محبت جو پیالو کوثر پر جام ٿیو

(کلام حسن بخش ۔ ص ٦٧)

۲ - دیباچہ کلام حسن بخش شاہ ۔ ص ۹ ۔

Marfat.com

عارف المولی ۱۹۵۷ء میں سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد کے تحت منظر عام پر آ چکا ہے - اس شعری مجموعے میں حسن بخش کی سندھی ، سرائیکی ، ڈوھیڑوں ، نعت ، منقبت ، مرثیہ ، بیت شامل ہیں - آخری چند صفحات اردو اور ہندی کلام پر مشتمل ہیں -

ان کی شاعرانہ عظمت کا یہ پہلو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ انھیں فارسی ، ہندی اور اردو سے اتنی ہی محبت تھی جتنی کہ سندھی اور سرائیکی سے تھی - انھوں نے ہر زبان میں بڑی لگن اور بڑے ذوق و شوق سے اشعار کہے - سندھی کے بعض اشعار میں فارسی ، ہندی اور اردو کے الفاظ ، فقرے ، ترکیبیں اور مصرعے اس حسن و خوبی سے سجائے ہیں کہ ایک دو لفظ کے الٹ پھیر سے یہ اشعار سندھی کے بجائے اردو کے معلوم ہوتے ہیں مثلاً :

شامل شریعت شیر شکر سے محمد
طالب طریقت فہم فکر سے محمد
حال حقیقت ذوق ذکر سے محمد

عشق اندر سے آگ سجائی جوت جانب جیی جان جلائی کی
موت حسن بخش نور نورانی
قمر سے شمس شرسانا ملائک جن انسانا
حوروں ع پر یوں حیرانا

حسن بخش یا حبیب اللہ
شہنشاہ شاہ شریعت جو ، توکل ع طریقت جو
ہمیشد حال حقیقت جو
سید آھی سخاوت جو ، دولھا دریا رحمت جو
ھادی مرشد ھدایت جو
ابر بارا عنایت جو (نعت ، روپ کمیان ، تین تال)[1]

---

۱ - کلام حسن بخش - ص ۶۲ -

Marfat.com

کلام حسن بخش کی یہ خصوصیت قابل ذکر ہے کہ ان کے فکر و فن کا مرکزی نکتہ اللہ ۔ کلام اللہ اور رسول اللہ کی ذات ، صفات اور توحید و معرفت کی جلوہ فرمائی ہے ۔ ان کا سارا کلام سراسر عارفانہ و صوفیانہ عقائد و نظریات کا آئینہ ہے ۔ ان کا رجحان فکر قرآنی آیات ، تلمیحات و اشارات کے فانوس سے جگمگا رہا ہے ۔ نمونہ کلام

یا رسول اللہ

محبت جام پر مجھ کو پلا دے یا رسول اللہ
شراب مست مدہوشی ملا دے یا رسول اللہ
شاہ علی المرتضی ہادی حسین ہر دوسرا
گل گلزار نبوی کا لادے ، یا رسول اللہ
پیوں سے شوق نیت شافی ٹیوں ہر روز ہر شب کو
نبی ہے نور تجھ نیارا ، ملا دے ، یا رسول اللہ
طمع دنیا ترک کر کے ، چھڑا دے شرک شیطانی
ندورے نفس کارایا جلا دے یا رسول اللہ
سید صفتی ، صفاتی ، ذاتی ہے ذکر خدا
حسن بخش کو ہر دم تو پلا دے یا رسول اللہ

ذوقی ذاتی

ذا کرا پر جام زم زم ، ذوق ذاتی کوثر
پر پیوں سے آب اتر ہے حیاتی ہمسری

Marfat.com

محمد محسن بیکس

(۱۲۷۵ھ - ۱۲۹۸ھ/۱۸۵۸ء - ۱۸۹۹ء)

وادی مہران کے شہر روہڑی کے ایک درویش خاندان میں تین بزرگان دین گزرے ہیں - فقیر محمد حسن، قادر بخش بیدل اور فقیر محمد محسن بیکس - حضرت محمد حسن جھوک شریف کے ایک عارف کامل صوفی شاہ عنایت اللہ شہید[۱] کے مرید تھے - حضرت فقیر محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ فقیر قادر بخش بیدل کے والد ماجد اور محمد محسن بیکس کے دادا حضور تھے -

عبدالحسنین شاہ موسوی دیوان بیکس ص ۳) اور ڈاکٹر نبی بخش بلوچ (سندھ میں اردو شاعری، ص ۱۴۳) کے حسب تحریر فقیر محمد محسن بتاریخ ۲۶ جمادی الثانی ۱۲۷۵ھ[۲] مطابق ۱۸۵۸ء کو روہڑی میں پیدا ہوئے - ان کے والد بزرگوار[۳] نے جو خود ایک سالک، عامل اور شاعر تھے اور فن تاریخ گوئی میں ید طولیٰ رکھتے تھے اپنے اکلوتے فرزند عزیز کی ولادت باسعادت کے مبارک موقعے پر اپنی بے پایاں مسرتوں کا اظہار منظوم صورت میں کیا تھا -

بیست و ششم[۴] جماد ثانی زاد
محسن و مولدش مبارک باد

---

۱ - تذکرہ شاہ عنایت اللہ کے لیے ملاحظہ ہوں - تحفۃ الکرام، تذکرہ صوفیائے سندھ -

۲ - مولانا دین محمد وفائی مرحوم نے "تذکرہ مشاہیر سندھ" میں تاریخ پیدائش ۲۸ جمادی الثانی ۱۲۷۵ (۱۸۵۹ء) لکھی ہے - (ص ۲۴۰) -

۳ - اس قطعہ سے بھی تصدیق ہوتی ہے کہ محسن کی تاریخ ولادت ۲۶ جمادی الثانی تھی - غالباً یہ قطعہ صاحب تذکرہ مشاہیر سندھ کی نظر سے نہیں گزرا ہوگا -

Marfat.com

پنج و هفتاد و یک هزار و دو صد
بدر هجری رسول شاه رشاد
حق تعالیٰ بحق حسنین
از حوادث زمان مصؤن داراد[1]

فاضل باپ نے ناز و نعمت سے اپنے ہونہار فرزند کی پرورش کی لیکن ان کی تعلیم و تربیت کا خاص خیال رکھا ۔ عربی و دینی تعلیمات سے آراستہ کیا ۔ اس زمانے میں سندھ میں قرآن حکیم اور دینیات کے ساتھ گلستان ، بوستان اور سکندر نامہ وغیرہ جیسی فارسی کی ابتدائی مگر اہم کتابوں کا پڑھنا بچوں کی بنیادی تعلیم کا لازمی جزو سمجھا جاتا تھا ۔ اس رواج کے مطابق روہڑی کے ایک مشہور مدرس آخوند سے فارسی کا درس لیا گھر کی علمی و دینی فضا نے محمد محسن کے پڑھنے لکھنے کے شوق کی تہذیب و تدوین کی ۔

رب کریم نے محمد محسن کو حسن صورت اور حسن سیرت دونوں نعمتوں سے نوازا تھا کہتے ہیں کہ انھیں بچپن سے ہی رنگین ، خوبصورت اور صاف ستھرے کپڑے پہننے کا شوق تھا ۔ وسیع القلبی اور فقر و غنا کا یہ عالم تھا کہ اگر کسی بچے کو پھٹے پرانے یا میلے کچیلے کپڑے پہنے دیکھ لیتے تو اسے اپنے کپڑے دے دیتے تھے ۔

سن ۱۲۸۹ھ (۱۸۷۲ء) میں جب محمد محسن کے والد مکرم حضرت قادر بخش بیدل کا وصال ہوا ان کی عمر صرف چودہ (۱۴) سال کی تھی ۔ اس عمر تک انھوں نے اپنے صاحب علم و فضل باپ کے زیر شفقت و تربیت میں جو فیض حاصل کیا وہ ان کی آئندہ زندگی کی تعمیر و تشکیل کے لیے مشعل راہ ثابت ہوا ۔ بیدل سے والہانہ عقیدت و محبت کا ذکر اپنے اکثر اشعار میں کیا ہے :

غلام بار گہ بیکس مدامی باد در پایت
فقیرم شایق و عاشق بود بیدل ترا حافظ

---

۱ ۔ دیوان بیدل مرتبہ عبدالحسنین شاہ موسوی ، ص ۳۳ ۔

Marfat.com

گدایم بر درت بیدل عنایت ساز بار عشق
کہ طالب درد می باشم غلام عرضدار عشق

سگ درگاہ تو بیکس همی نالد ز هستی خود
کنش بیخود زخمر خود بہ بر او را بہ دار عشق

بہ درگاہ شہ بیدل منم از فرقتت نالاں
ز شامت بہ رقیب آن تو می دانی و می دانم
خدا را ساعت با بیکس مسکیں مشتاق
شراب وصلتت نوشاں تو می دانی و می دانم

محمد محسن بیکس نے اپنے والد مرحوم کی وفات حسرت آیات کے بعد سلوک و معرفت اور علم و ادب کی راہ خود متعین کی جس پر وہ آخری دم تک عزم و ہمت اور لگن و انہماک کے ساتھ گامزن رہے۔ علمائے دین اور صوفیائے کرام کی با فیض صحبتوں سے فیض یاب ہوئے۔ کتابوں کے مسلسل مطالعہ، کائنات کے مشاہدات و مظاہرات اور پیہم فکر و عمل سے زندگی کی اعلیٰ قدروں سے ہمکنار ہوئے۔

چودہ پندرہ برس کے سن میں ذوق شعری نے انگڑائی لی۔ اپنے والد کی وفات کے دوسرے سال جب وہ پندرہ برس کے تھے جوش و جذبہ اور ارادت و عقیدت کا ایک طوفان دل میں چھپائے شہنشاہ سیوہن حضرت لعل قلندر شہباز کی درگاہ عالیہ پر حاضری دی اور جب وہ وہاں سے واپس ہوئے تو شہباز سائیں کے فیوض و برکات کے باعث جذبات و خیالات کے ہجوم نے انھیں باقاعدہ شاعر بنا دیا۔ انھوں نے سب سے پہلے جو غزل کہی وہ فارسی زبان میں تھی اس کا ایک ایک لفظ سوز و گداز، راز و نیاز اور وحدت و حقیقت کے اسرار و رموز کا آئینہ دار ہے۔

من نعرہ انا الحق ہر دم زنم بسوزی
من کوس ذات مطلق دمدم زنم بسوزی
سلطان ملک عالی بیرنگ و بے نشانم
طبل خدائے اعظم دمدم زنم بسوزی

Marfat.com

شہباز آشیانہ لاہوت لامکانم
آواز "فن فدایم" دمدم زنم بسوزی
من تحت و فوق ہستم ، موجود زیر و بالا
طنبور عشق عالم دمدم زنم بسوزی
اندر جہان بے شک کردم بہانہ بیدل
بیکس نقارہ وحدت دمدم زنم بسوزی

بیکس کی عمر نے وفا نہ کی وہ اکتالیس (۴۱) سال کی عمر میں ۵ رمضان المبارک ۱۲۹۸ھ مطابق ۱۸۹۹ء میں جنت الفردوس کو سدھارے ۔ اپنی جائے تولد روہڑی میں والد مرشد حضرت فقیر بیدل کے مزار پرانوار کے قرب میں آسودہ ہیں ۔ "پاک محمد محسن شہید شوقش" سے ان کی تاریخ رحلت نکلتی ہے :

آن یار نوجوان کہ خوش بود صحبتش
رفت از جہان بماند از و داغ حسرتش
سال رحیل آن ز خرد جست ، گفت آن
با وصف پاک محمد محسن شہید شوقش

۱۲۹۸ھ

"دیوان بیکس" مولفہ عبدالحسنین شاہ موسوی ۱۹۶۵ء میں سندھی ادبی بورڈ کے تحت منظر عام پر آ چکا ہے ۔ ڈیمی ساز کے صفحہ ۱۴۸ کے اس مجموعہ کلام میں مرتب نے پہلے محمد محسن بیکس کی زندگی ، شخصیت اور شاعری سے متعلق خامہ فرسائی کی ہے ۔ حصہ منظومات سندھی سرائیکی، فارسی اور اردو علی الترتیب کافی ، مناجات ، نعت ، منقبت ، غزل قصہ وغیرہ جیسی اصناف شاعری پر محیط ہے ۔ اردو کلام دوسری زبانوں کی نسبت بہت کم ہے ۔ البتہ سرائیکی اشعار میں اردو کے الفاظ بکثرت استعمال ہوئے ہیں ۔ بقول ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ (سندھ میں اردو شاعری ، ص ۱۴۴) "فقیر محمد محسن نے سندھی ، سرائیکی اور فارسی میں شعر کہا ہے ۔ سرائیکی میں جو کافیاں نظم کی ہیں

Marfat.com

ان میں بعض فقرے اور مصرعے ایسے ہیں کہ ان کو اردو کہا جا سکتا ہے''۔

سندھ میں کافی ایک مشہور و مقبول صنف ہے۔ کافیوں میں دیہات میں رہنے والے عوام کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کی عکاسی بہت خوبصورتی سے کی گئی ہے۔ نظم کی یہ صنف پہلے ''وائی'' کہلاتی تھی جس کے موجد و بانی شاہ عبداللطیف بھٹائی تھے۔ شاہ صاحب کا بیشتر کلام وائی کی صورت میں منظوم ہوا اس لیے اس کی جاذبیت و مقبولیت لازوال ہو گئی۔ سچل سرمست نے وائی کی جگہ کافی کی بنا ڈالی۔ جب سے کافی نے شعری ادب میں رواج پایا اس قسم کی شاعری عوامی شاعری کہلائی۔ سچل کی کافیوں کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ علم عروض اور بحر و رموز کے پابند رہیں۔ سچل کے معاصرین اور ان کے بعد آنے والے شعراء نے زیادہ تر کافیوں کی صورت میں نظمیں کہیں۔ عروج و کمال نے ان کے قدم چومے۔ جن شعراء نے سچل کے بعد سب سے زیادہ کافیاں منظوم کیں ان میں فقیر قادر بخش بیدل اور محمد محسن بیکس کے نام بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ پہلے سچل کی کافیوں کے یہ بول ملاحظہ کیجیے پھر دیکھیے کہ بیدل و بیکس نے کیا انداز اپنایا ہے:

اے یارو، میندا کوئی اختیار نہیں
آ گتا اھو عشق دا اسرار نہیں
درد اھیں دی و ویار قیمت نہیں
اھو جیھا دو مرتبہ عظیمت نہیں
عشق دا سودا شہر بازار نہیں

عشق نہ منصور توذ ایک کیا کیتا
تنہن کوں سرسولی انھیں برھین نیتا
شوق والیان دا کوئی شمار نہیں

لکھ ہزاراں وچوں کوئی عاشق ٹبیا
بے سر و ساماں روٹی لا شک نبیا
ہر کنھن تے عشق دی تلوار نہیں

Marfat.com

گم کی توں یکایک یار وچ
دل جن آون انھیں اعتبار وچ
اپنویں آ گیا مرشد سچل انکار نہیں
(سچل)

وہ بیرنگی آپ آدم بن کے آیا
روپ کا اوڑھ نقاب احد و ابد شرابا

وہ روپ سروپ ہو آیا عشق و حسن کا کھیل کھلایا
دونوں کا القاب ، ساجن مرد ہرایا

کہاں وہ پہنے پوش عرب کا ہوئے ساقی جام طرب کا
کہاں وہ دست رباب گیت انا الحق

کہاں فقیر ، مشائخ ، قاضی ملا مومن نیک نمازی
کہاں دوست خراب بسی رنگ لگایا

خلق الاشیا سمجھ اشارت فھو عینھا محض بشارت
بیدل شوق شباب پر صحیح سمجھایا (بیدل)

اب فقیر بیکس کی کافی کا یہ روپ دیکھیے :

نور نیارا ظاہرا ذاتی ، سیر کرے وچ ہر صفاتی
عجب او ھیندی چال

یاد ہمیشہ سانوں سانول ، باجھوں سہنڑے دی جیوں چنچل
سکندے ثیا ثم سال

ہیرو بیچاری کاھن ھوئی وچ فراقیں سائل ہوئی
درس وا کر نبدے سوال

عین بیرنگی رنگ میں آیا تخت ھزارا جھنگ میں آیا
خوب سجن دا خیال

"لیس فی الدارین الا ھو" بیکس بلبل گل دی گھن بو
پیو عشق دا کیف کلال

بیکس نے حضرت لعل قلندر شہباز سیوستانی کی عظمت کا اعتراف اور ان سے والہانہ عقیدت کا اظہار ایک "کافی روپ گجری" میں اس طرح کیا ہے :

Marfat.com

شہنشاہ قلندر توں ہیں ہادی میرا
سوا تیرے صاحب نہیں اور میرا
کرسی عرش افلاک میں جو نعارا
بھر جا ملک تیرا نظارا
مقبول کرنا یہ ہے عرض ہمارا
کر آباد عشقوں میں میرے دل کا دیرا
ولایت وحدت کا توں ہے ویر واحسی
توں واقف دلوں کا تیرا میں سوالی
ملا یار مجھکوں جو ہے خود خیالی
بھر دل ہے جاری شہا حکم تیرا

بیکس حسن و عشق کے شاعر تھے ۔ فن موسیقی سے انھیں فطری لگاؤ تھا ۔ ایک ماہر موسیقار کی حیثیت سے بھی ان کی شہرت اچھی تھی ۔ ان کی کافیاں حسن کی رعنائی و رنگینی ، دلکشی و دل پسندی اور عشق کے سوز و ساز ، تاثر گداز سے بھرپور ہوتی تھیں ۔ وہ خود صاحب حسن تھے اور حسن کے دیوانہ وار پرستار ۔ اور بقول حافظ شیرازی :

من ازاں حسن روز افزوں کہ یوسف داشت دانستم
کہ عشق از پردۂ عصمت بروں آرد زلیخا را

وہ خوش گلو شاعر تھے ۔ اللہ نے انھیں اچھی صورت کے ساتھ ساتھ ان کے گلے میں رس اور آواز میں جادو بھر دیا تھا ۔ ان کی خوش نوائی و خوش الحانی کی شہرت روہڑی سکھر کے چپے چپے سے گزر کر سندھ کے طول و عرض میں پہنچ چکی تھی[1] ۔ جب وہ اپنی کافیاں ستار پر گاتے تھے تو ان کی دلگداز و روح نواز آواز سے مسحور ہو کر مرد عورت ، بوڑھے جوان بچے سب ہی ان کے ارد گرد پروانوں کی طرح جمع ہو جاتے اور موسیقی کی مد بھری دھن سن کر جھوم جھوم جاتے تھے[2] ۔

---

۱ - Desert Voice by T. L. Vaswani

۲ - The vision of a village song by T. L. Vaswani .

Marfat.com

اس میں کوئی شک نہیں کہ بیکس کی شاعری میں مجاز کا عنصر زیادہ اور حقیقت کا کم غالب ہے۔ انھوں نے اپنی شاعری میں سندھ کے عوام کی معاشرتی و تہذیبی زندگی کی بھرپور عکاسی کی ہے۔ ان کے ہاں محبت، خلوص، مستی، بے خودی اور دوسرے انسانی جذبات و کیفیات کی بہت عمدہ ترجمانی ملتی ہے۔

فقیر قادر بخش بیدل جیسے صوفی شاعر کی رفاقت، بزرگان دین کی صحبت اور روھڑی کی روحانیت آمیز فضا نے بیکس کو بنیادی طور پر سلوک و شریعت، تصوف و طریقت کی جانب مائل کر دیا تھا۔ اس لیے ان کی نگارشات لطیف میں معارف و عرفان کا رنگ بھی نمایاں ہے۔ وہ صاحب دل اور صاحب حال و قال تھے ان کی کافیوں میں کہیں کہیں مولانا روم کے افکار کی تفسیر ملتی ہے:

علم رسمے سر بسر قیل است و قال
نے ازو کیفیت حاصل نہ حال
ما بروں را نہ نگریم و قال را
مادروں را بنگریم و حال را

گرچہ بیکس کی عارفانہ شاعری کا اپنا کوئی مخصوص انداز نہیں لیکن انھوں نے فقیر بیدل کی بصیرت افروز اور عرفان خیز شاعری کا کامیاب تتبع کیا ہے۔ کہیں کہیں سچل سائیں کے طرز سخن کا پرتو بھی جھلکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان اشعار میں انا الحق، منصور، کلیم، طور، وحدت الوجود، المومن حی فی الدارین، کے اشارات ان کی سندھی کافیوں میں ایسے بے شمار مصرعے ملیں گے:

۱۔ دلربا دلدار یار
۲۔ عشق چا اسرار یار
(کا)
۳۔ حال واقف یار ہمدم
۴۔ کر نہ جدائی یار
۵۔ بیکس عشق اندیر کیا
(اندھیر)
۶۔ غارڈ غمزیدار
۷۔ درد مندن جی دل مے
(دردمندوں کے دل میں)

Marfat.com

ایک سندھی کافی کا یہ اردو روپ ملاحظہ ہو۔

پیر مغاں شھورآ بیدل سدا دائم مدام
صاف صافیں سالک سے عارف ھادی مدام
میں
عشقبازی جی جماعت سے سدا ہوا پیشوا
کی میں
معرفت جی موج سے ڈس سئی ستو مہران عام
وجد وحدت جو مدای شاہ کی خمار ہو
شھہ موحد حسن جو ہر رنگ ہر جا ازدھام

اردو نما سرائیکی کلام (کافیاں) :

تیری تصویر مجھکو یاد نا محشر سجن ہو گا
کہاں محشر رہیا اسے دل مدامی بریدن ہو گا
کہاں لیلیٰ کہاتا ہو، کہاں مجنوں بتاتا ہو
کہاں دھڑ ہیر کا نالا کہاں شیدا رانجھن ہوگا
نام
کہاں شیریں کہاں فرہاد، کب مشتاق کب معشوق
کبھی تم زیر لب بالا ، کبھی عرش و زمن ہو گا
کہاں بیدل مرا مرشد ، قلندر شاہ عالم کا
کہاں طالب کہاں مطلوب کہاں خار و سخن ہو گا

شملا شراب رنگ تیرے دل نوں دیوانیاں
عاشقوں کے خون میں تم چھرا رتانیاں

Marfat.com

چوتھا دور

(۱۳۱۹ - ۱۳۶٦ھ/۱۹۰۱ - ۱۹۴۷ء)

عہد برطانیہ (دور ثانی)

قطب الدینؒ شاہ
سوبھا فقیر لاشاری
سید مصری شاہ نصرپوری
فقیر ولی خان لغاری (ثانی)
غلام محمد شاہ گدا
سائیں عبدالغنی قادری
فقیر نظر علی لغاری
میر عبدالحسین سانگی
مرزا قلیچ بیگ
شمس الدین بلبل

زرک خان زیرک لاشاری
میاں وڈل علوی حیدری
پیر رشد اللہ شاہ
مولانا عبیداللہ سندھی
سید کلیم اللہ شاہ
پیر کمال الدین کمال
پیر جمال الدین علوی
پیر بھاون علی شاہ قادری
محمد قاسم گڑھی یاسینی
سید فضل اللہ شاہ

Marfat.com

Marfat.com

قطب الدین شاہ قطب جہانیاں پوٹہ

(۱۲۲۹ - ۱۳۲۸ھ/۱۸۱۴ - ۱۹۱۰ء)

قطب‌الدین شاہ برصغیر کے نامور صوفی حضرت مخدوم جلال الدین جہانیاں جہاں گشت کی اولاد میں سے تھے ۔ قطب شاہ کے دادا کا نام حضرت ویدھل شاہ جہانیاں پوٹہ اور والد کا نام فتح الدین شاہ فتح تھا ۔ سلسلہ نسب اور سلسلہ طریقت دونوں سلسلوں سے ان کا تعلق بہت معزز و معتبر گھرانے سے تھا ۔ ظاہر ہے کہ علم و عرفان کا ذوق ، عبادت و ریاضت کا شوق انھیں ورثے میں ملا تھا ۔

قطب شاہ نے ۱۶ رمضان المبارک ۱۲۲۹ھ مطابق ۱۸۱۴ء میں ٹنڈو جہانیاں ، حیدرآباد کی آغوش میں آنکھیں کھولیں ۔ ۱۶ ذی الحجۃ ۱۳۲۸ھ مطابق ۲۳ دسمبر ۱۹۱۰ء کو ہمیشہ کے لیے آنکھیں بند کر لیں ۔ ٹنڈو جہانیاں میں ان کا مزار مبارک مرکز روحانیت ہے ۔

قطب شاہ نے شروع سے علم و عمل اور شعر و سماع کی فضا میں پرورش پائی ۔ ماحول کے اثرات نے بچپن سے ان کے دل کو نام خدا اور دماغ کو شمع عرفان سے تابندہ رکھا ۔ پیران طریقت کی صحبتوں اور ولی صفت باپ کی شفقتوں نے انھیں علم ظاہری و علم باطنی سے آگاہ کیا ۔ سندھی ، عربی ، فارسی اور اردو کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی ۔

ایام کم سنی ہی سے والد ماجد کے آستانے میں ریاضت و عبادت کی عادت ڈالی ، بہت جلد زہد و تقویٰ ، شریعت و معرفت کی منزلیں طے کیں ان کے والد ان کے ذوق و شوق سے بہت متاثر ہوئے اور اپنے ہاتھوں پر بیعت لی ۔ خرقہ خلافت عطا کیا ۔ والد فتح دین شاہ کی وفات کے بعد ان کے سجادہ نشین ہوئے ۔

قطب الدین شاہ نے اپنا تخلص قطب اختیار کیا ۔ سندھی ، اردو ، ہندی زبانوں پر قدرت رکھتے تھے ۔ تینوں زبانوں میں شعر کہتے تھے ۔

Marfat.com

ہندی سے خاص لگاؤ تھا ۔ ان کی کافیاں اور دوہے ، ہندی الفاظ اور ہندی بندشوں کے خوبصورت بول ہیں ان کے مریدوں ، عقیدت مندوں میں ہندو مسلمان سب ہی شامل تھے ۔ ہندو مت سے آگہی حاصل کی تھی ۔ اہل ہنود کے مذہبی نظریات سے متعلق بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے ۔ مثال کے طور پر شبد کا یہ بول دیکھیے :

ہندو زور اور زوری
کیوں لوٹی ہے دل موری

ست گور ایسی بھگتی لائی ہے
جس نے توں توں نام دھیائی ہے
نابھہ کنول کوں نام اٹھایا
کنٹھ کنول میں پانی لایا
بھنور فنا میں منزل پائی ہے

قطب شاہ کا اردو کلام سراسر ہندی آمیز یا ہندی نما ہے ۔ سندھی الفاظ بھی استعمال کرتے تھے ۔ قرآنی آیتوں اور قرآنی استعاروں کو جامعیت و معنویت کے ساتھ استعمال کرنے کی مہارت رکھتے تھے ۔ کافیوں کے فن میں کمال رکھتے جس کا اندازہ مندرجہ ذیل کافیوں سے ہو سکتا ہے :

ایک ، نام ، سے کام رے بھائی اور کام سمجھ جھوٹا رے
بیتی بھتیرہ مول دانہ نام بنام سبھہ پھوٹا رے
من لہ المولی فلہ الکل ، سخن سچے کا جھوٹا رے
قطب اپنا آپ پہچانا ، گھر ہونے کا لوٹا رے

گھر ہونے
ہستی کا

بھورا من ایسو اوگن کیو ، نام صاحب کا مول نہ لیو
درد روتی چت نہ لائے ، اپنو آپ گنوائے

وقت اجایو ویو
وقت رائگان گیا

Marfat.com

نام بنا گئی عمر اجائی ، سمجھ نو من سرت نہ لائی
در در بھٹکن پیو
در در بھٹکنا پڑا

ستگور ایسا پریم لگایا ہے
پریم لگتے اکھیاں کھلیاں ہر جا درسن پایا اے
ستگور ایسی طاق کھولی ، کبر گئی ہے بی سب بولی
دریچہ دوسری

ہر جا ہو ، ہو ، پایا ہے
ستگور ایسی کنجی پھیری ، بسر گئی ہے تیری میری
ہم کو نام سہایا ہے
ستگور ایسی کنجی لائی ، نام ، بنا گئی بسر سبھائی
ہر جائے حق سہایا ہے
قطب گیتا لا ، جگ سارا ، باقی رہ گیا نام نیارا
اھا ستگور رمز دلائی ہے

Marfat.com

سوبھا فقیر لغاری

(۱۲۳۵ - ۱۳۲۵ھ/۱۸۲۰ - ۱۹۰۷ء)

سوبھا فقیر لغاری کے والد احمد لغاری داود¹ والا نامی دیہات کے رہنے والے تھے۔ سوبھا فقیر ۱۸۲۰ء مطابق ۱۲۳۵ ہجری میں اسی دیہات میں پیدا ہوئے۔ ان کی پیدائش کے کچھ عرصہ بعد ان کے والد اور خاندان کے دیگر افراد نے داود والہ گاؤں کی رہائش ترک کر دی اور ضلع سکھر کے تعلقہ میر پور ماتھیلہ کے ایک گاؤں ''داد لغاری'' میں رہائش پذیر ہوئے۔

عربی و فارسی کی ابتدائی تعلیم کے بعد سندھی اور سرائیکی کی کتابیں پڑھیں پہلے علوم ظاہری سے بہرہ ور ہوئے پھر علوم باطنی کی طرف رجوع ہوئے۔ اللہ والوں کی صحبتیں اختیار کیں۔ پیر محمد عارف کے ہاتھوں شرف بیعت سے مشرف ہوئے۔ پیر محمد عارف، پیر صاحب السیر محکم الدین سیلانی جیسے ولی عصر کے سجادہ نشین تھے۔

علم و ادب، شعر و سخن کے ساتھ ساتھ موسیقی سے خاص شغف رکھتے تھے۔ آواز بہت اچھی پائی تھی۔ مجلس سماع کے بے حد شائق تھے۔ جب سماع کی محفلوں میں گاتے تو حاضرین پر عالم محویت طاری ہو جاتا۔ سماع کے وقت رقت آمیز لہجے میں اللہ کے حضور گریہ و زاری کرتے اور اہل محفل کو مسحور کر دیتے۔

سوبھا فقیر ساری زندگی مجرد رہے۔ طویل عمر پائی۔ ان کی زندگی زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت اور اخلاص و خدمات کا ایک نمونہ تھی۔ ۲۱ ذیقعدہ ۱۳۲۵ ہجری (۱۹۰۷ء) کو اس جہان رنگ و بو سے ہمیشہ

۱۔ داود والا، شہر ڈھیرکی (ضلع سکھر میں) سے پچیس میل دور شمال کی جانب واقع ہے۔

Marfat.com

کے لیے رخصت ہو گئے ۔ ان کی درگاہ مبارک شہر میر پور ماتھیلہ سے سولہ میل دور جنوب مشرق کی جانب گوٹھ عالہائی میں زیارت گاہ عام ہے ۔

سوبھا فقیر ، سوبھا تخلص کرتے تھے ۔ سندھی ، سرائیکی اور اردو میں شعر کہنے کی کامل دستگاہ حاصل تھی ۔ ان کا ایک مجموعہ کلام ''دیوانِ درد عشق'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے ۔ اس میں نظمیں بھی ہیں اور کافیاں بھی ۔ سوبھا فقیر نے کافیوں میں شہرت پائی ۔ سندھ کے بعض علاقوں میں کافیاں گائے جانے کا رواج قدیم ہے ۔ راقم کو سکھر میں وہاں کے چند ایسے بزرگوں سے ملنے کا شرف حاصل ہے جنھیں سوبھا فقیر کی کافیاں آج بھی یاد ہیں ۔

سوبھا فقیر نے اردو کے مشہور عوامی شاعر نظیر اکبر آبادی کی زبان زد عام نظم :

''سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارہ''

کی اپنی ایک کافی میں یوں تضمین کی ہے :

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارہ
سب رمزے چلگئے رٹھرے ، راجھن کون رجھاوے گا
آوت جاوت چل گئی راگت ، بینت کون بجاوے گا
دھانت خیانت چل گئی امانت ، سوبھل کون سڈاوے گا

سوبھا فقیر کی بعض کافیاں بظاہر سرائیکی زبان میں ہیں لیکن اردو کے مصرعے اور شعر جس خوبصورتی سے ان کی کافیوں میں چسپاں ہیں وہ ان کی مہارت فن کے غماز ہیں ۔ یہ مصرعے دیکھیے خالص اردو کے ہیں ان کے عقائد و خیالات کی ترجمانی بھی ہوتی ہے ۔

عارف[1] سر سلطان آنگن میرے آیا

سوبھا عشق[2] جنھیں سر آیا ، سمجھو ساجن پاوے گا

سدا دل یاد پنجتن ہے ، علی ہادی ہمارا ہے

---

۱ ۔ سوبھا اپنے مرشد پیر محمد عارف کی طرف اشارہ کرتے ہیں جن سے ان کو والہانہ عقیدت ہے ۔

۲ ۔ فلسفہ عشق کو چند الفاظ میں عارفانہ لہجہ میں بیان کر دیا ہے ۔

Marfat.com

سید مصری شاہ نصرپوری

(۱۲۴۵ - ۱۳۳۵ھ/۱۸۲۸ - ۱۹۰۶ء)

سید مصری شاہ نصر پوری ، نصر پور[1] کے مشہور مرد قلندر اور درویش صفت شاعر تھے ۔ ان کے والد ماجد حضرت بلند شاہ خانوادہ سادات اصغری کے ایک صاحب کمالات و کرامات بزرگ گزرے ہیں ۔

سید مصری شاہ کی پیدائش ۱۸۲۸ عیسوی مطابق ۱۲۴۵ ھجری میں بمقام نصرپور ہوئی ۔ اوائل عمر میں پدر بزگوار کا سایہ سر سے اٹھ گیا تو ان کے برادر معظم حضرت فتح شاہ نصرپوری کے زیرنگرانی ان کی پرورش اور تعلیم و تربیت ہوئی ۔ قاضی گل محمد گل کی درسگاہ سے عربی ، فارسی اور سندھی کی تعلیم حاصل کی ۔ اپنی کوششوں سے ہندی اور اردو میں بھی استعداد بہم پہنچائی ۔ ان تمام زبانوں پر مکمل عبور حاصل کیا ۔ فن موسیقی کے بھی ماہر تھے ۔ کہتے ہیں کہ ستار بجانے کا زیادہ شوق تھا ۔

شیخ سعدی کی گلستان و بوستان بھی پڑھی اور دیوان حافظ کا بالاستیعاب مطالعہ بھی کیا لیکن مثنوی مولانا روم اور رسالہ شاہ لطیف بھٹائی سے خاص طور پر متاثر ہوئے ۔ ان بزرگوں کے افکار و آثار کا یہ فیض تھا کہ مصری شاہ کو نہ صرف اللہ اور رسول کے دین سے فطری لگاؤ پیدا ہوا بلکہ عبادت و ریاضت اور تصوف و معرفت ان کا اوڑھنا بچھونا ہو گئی ۔ سالکین و عارفین کی صحبتیں اختیار کیں ۔ پندرہ سال

---

۱ ۔ نصرپور سندھ کے قدیم شہروں میں سے ایک ہے ۔ ٹنڈو الھیار (ضلع حیدرآباد) سے آٹھ میل کے فاصلے پر واقع ہے ۔ یہ شہر سلطان فیروز شاہ تغلق کے عہد میں "امیر نصر" کی یادگار کے طور پر ۱۱۷۶ھ (۱۷۶۲ء) میں آباد کیا گیا تھا ۔ تاریخ تحفۃ الکرام ، ج ۳ ص ۱۵۵) ۔

Marfat.com

فقیروں اور درویشوں کے ہمراہ متحدہ ہندوستان کے مختلف مقامات مثلاً کانھیا واڑ ، لاہور ، دھلی ، آگرہ ، اجمیر وغیرہ کی سیر و سیاحت کی مشائخ دین و اولیائے عظام کے مزارات کی زیارتیں کیں قلب کو منور و روح کو تازہ و بیدار کیا ۔ اجمیر شریف میں حضرت خواجہ معین‌الدین چشتی اجمیری[1] کی درگاہ میں قیام فرمایا اور روحانی و باطنی فیضان سے مستفیض ہوئے ۔

مصری شاہ نے مشہور ولی اللہ حضرت شاہ محمود[2] کے دست مبارک پر بیعت[3] کی ۔ درس و تدریس ، رشد و ہدایت ، خدمت خلق اور اشاعت علم و عرفان میں زندگی وار دی ۔ ان کے عقیدت مندوں اور مریدوں کا حلقہ بہت وسیع تھا ۔

۹۰ سال کے تھے کہ ۱۹۰۶ء مطابق ۵ صفر المظفر ۱۳۲۵ء ھجری کو آغوش رحمت میں حیات ابدی پائی ان کی ابدی آرام گاہ درگاہ شاہ محمود کے احاطے میں زیارت گاہ خاص و عام ہے ۔

سید حسام الدین راشدی کا بیان ہے کہ مصری شاہ کا دیوان شائع ہو چکا ہے ۔ ہر سال عرس کے موقعے پر نصر پور میں میلہ لگتا ہے ان کے برادر مکرم پیرعلی محمد راشدی نے اپنی جو یاد داشتیں تحریر فرمائی ہیں ان میں مصری شاہ کے متعلق یہ نوٹ ہے ۔ (بروایت پیر جعفر علی شاہ راشدی مرحوم) کہ وہ صوفی مشرب ، متوکل اور قلندرانہ وضع کے آدمی تھے ۔[4]

سید مصری شاہ نصر پوری تصوف اور شاعری دونوں میں بلند مرتبہ رکھتے تھے ۔ سندھی ، سرائیکی ، فارسی ، ہندی اور اردو میں شعر کہتے تھے ۔ ان کی شاعری حقیقت و مجاز کا حسین و دلکش امتزاج ہے

---

۱ ۔ تذکرہ لطفی ، جلد سوم ، ص ۳۹۶ ۔

۲ ۔ حضرت شاہ محمود غوث الاعظم حضرت محی الدین عبدالقادر جیلانی کی اولاد میں سے تھے ۔ وہ سندھ میں سلسلہ قادریہ کے سوید و مبلغ تھے ۔ (تاریخ تحفۃ الکرام ، ج ۳ ، ص ۱۵۵) ۔

۳ ۔ تذکرہ لطفی ، ص ۳۹۷ ۔

۴ ۔ حاشیہ تذکرہ مشاہیر سندھ ، ص ۲۵۱ ۔

Marfat.com

بلکہ مجاز میں حقیقت کا رنگ بھرنا ان کی شاعری کا طرہ امتیاز ہے۔ اردو کی ایک کافی دیکھیے۔ شراب، ساقی، جام، پیمانہ، میخانہ، یہ سب الفاظ بطور استعارے استعمال ہوئے ہیں۔ شاعر اصل میں عشق حقیقی کی شراب سے مدہوش و سرشار ہے۔ حقیقت معرفت کی بادہ نوشی سے مخمور ہے۔ اس کی یہ خودی و خود پرستی اور کیف و مستی حقائق و معارف کی روشنی دکھاتی ہے۔

رہا ہوں میں روز ازل سے پیاسا
زمیں خاک میخانہ کی من میں آسا

۱۔ کرو جام انعام مئے ناب مستی
خودی خود پرستی مئے خام ہستی

۲۔ نفس نفس نر بھاگ جاوے نراسا

۲۔ تصوف کی طلعت، نہ کچھ دور دم ہے
یہ تشریف تیری کسی پر نہ کم ہے
درد کش درویش دیو دلاسا

۳۔ سہاتا سمک رونق رنگ مینا
قدح کیف قدرت سے بھرپور بھینا
عنایت کرو آب آتش لباسا

۴۔ ارغوان پیمان ساغر سوایا[1]
فلک نیلگوں نوع دیگر میں آیا
ہوا مخمور مصری بھلا ایک ماسا

حیات و کائنات، ارض و سما، دنیائے رنگا رنگی کے فلسفے اور وحدت و کثرت، فنا و بقا کے مسئلے کو حکیمانہ و صوفیانہ رنگ میں پیش کیا ہے۔

بیرنگی بے اختیار رنگا رنگی تو رونق مانی
مہریں لکھ ہزار احد اصل جی کی صفت سچائی

۱۔ ایک پیالہ سے زیادہ۔

Marfat.com

دم اھو دشوار "کن فیکن" جی قید کہانی
کثرت قلزم معنی مصری وی وحدت میں وی و سری

مصری شاہ کافی کی صنف میں ید طولی رکھتے تھے ۔ انھوں نے سندھی کی طرح ہندی اور اردو میں بھی غزلوں کے طرز پر کافیاں کہیں وہ انسان اور انسانیت کی عظمت کے علمبردار تھے ۔ ان کے نزدیک ہندو مسلم سکھ عیسائی ہر مذہب و ملت کے لوگ اللہ کی مخلوق ہیں ۔ دنیا میں یکساں فلاح و بہبود ، امن و آشتی ، محبت و سلامتی کے حق دار ہیں ہندو مسلمان کو بھائی بھائی کی طرح اخلاص و اخلاق کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی تلقین کرتے ہیں ۔ ان کا پیغام پوری انسانیت کے لیے محبت و اخوت کا پیغام ہے ۔ اپنے پیغام کو عام کرنے کی غرض سے انھوں نے اس زمانے کی اکثریت کی زبان یعنی ہندی کو اپنایا ہے :

شبد :

الکھ اگم کوئی انت نہ پاوے
لاکھ لکھینا کون کون لکھے رے
نام نرنجن کا بھیتر باسا
جنگل جوگی کا نہ جھکے رے
سیو و ستگر سنت سدھ سے
ہر کھٹیو پربھو پاس پکھے رے
کر نانک کوئیسر کالی
گھٹ وچ گنگا رام رکھے رے
گرچر نین مصری سیس اتارو
کاشی کرویت ایک کہے رے

اب مصری شاہ کی ایک ہندی کافی نقل کی جاتی ہے ۔ یہ کافی ان کی مہارت فن کی بہترین مثال ہے :

پیتم مت پردیس پدھارو رت ساون کی سانوریا
کالی گھٹا اپن اندھیری برس ڈرا وے بادریا
بار بار پیا بجلی چمک کے چڑھ کر چڑھ چنبریا
کوئی "مور" پیھا بولے دھوم مچے وچ دھا دھریا
رہو ہمارے پاس پیر وا ہیں کیسو نبل کیسریا
مصری ساتھ مقابل بیٹھو من موہن میل مندریا

Marfat.com

فقیر ولی محمد خان لغاری (ثانی)

(۱۲۵۲ - ۱۳۳۲ھ/۱۸۳۶ - ۱۹۱۴ء)

نواب فقیر ولی محمد خان لغاری (ثانی) کے والد کا نام نواب احمد خان (متوفی ۱۸۷۰ء) تھا ۔ ان کے جد امجد نواب ولی محمد خان لغاری (۱۱۶۵ - ۱۲۴۷ھ) ولد غلام محمد خان نگار (شہید ۱۱۹۸ھ) عہد تالپور کے نامور وزیراعظم ، بہادر سپہ سالار ، علم دوست اور فارسی کے صاحب دیوان بلند پایہ شاعر تھے[1] ۔ یہ نواب خاندان اپنے اعلٰی منصب ، شان و ثروت ، جاہ و حشمت کے باوجود فقر و غنا اور علم و عرفان میں اپنی نظیر نہ رکھتا تھا ۔ فقیر ولی محمد خان ثانی کی پیدائش ۱۲۵۲ ھجری مطابق ۱۸۳۶ء میں بمقام ٹنڈو ولی محمد خان[2] میں ہوئی ۔

۱۲۵۹ ھجری مطابق ۱۸۴۳ء میں جب جنگ میانی میں میران تالپور کو شکست ہوئی تو انگریزوں نے آخری فرمانروائے سندھ میر محمد نصیر خان جعفری تالپور کو اقتدار سے محروم کر کے کلکتہ بھیج دیا ۔ نواب احمد خان نے اپنے دو صاحبزادے ولی محمد خان اور بخش علی خان کو لے کر پنجاب کا رخ کیا ۔ چار سال کے بعد ۱۸۴۷ء میں جب سندھ میں امن و امان قائم ہوا تو نواب احمد خان اپنے اہل و عیال کے ساتھ لوٹے اور اپنی جاگیر ''مرزان پور'' (موجودہ تعلقہ سکرنڈ) میں سکونت اختیار کی ۔

---

۱ ۔ احوال وزیراعظم نواب ولی محمد خان ولی کے لیے ملاحظہ ہو حاشیہ تذکرہ نواب اللہداد خان صوفی ، تیسرا دور ، کتاب ہذا ۔

۲ ۔ ٹنڈو ولی محمد خان حیدرآباد شہر کا ایک محلہ تھا جو وزیراعظم ولی محمد خان کے نام سے موسوم تھا ۔ یہ مقام شہر کے مغربی جانب کینٹونمنٹ کے علاقہ میں آباد تھا ۔

Marfat.com

ولی محمد خان کی ابتدائی تعلیم و تربیت آخوند میاں محمد صادق اور اخوند میاں غلام محمد کے زیر نگرانی ہوئی - عربی و فارسی کی تعلیم ان ہی استادوں سے حاصل کی - یہ دونوں اساتذہ سیوھن شریف کے رہنے والے تھے -

علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد علوم باطنی کی طرف مائل ہوئے - بچپن سے فقیروں و درویشوں کی زندگی کو ترجیح دیتے تھے - اپنے والد کی ہدایت پر حضرت صوفی ابراہیم شاہ المتخلص بہ فقیر سجادہ نشین جھوک شریف (میران پور) کے حلقہ طریقت و روحانیت سے وابستہ ہو گئے - محنت و ریاضت سے خرقہ خلافت کا اعزاز حاصل کیا - دل و نگاہ انوار باطنی سے منور ہوئے تو پیر و مرشد سے رخصت ہوئے -

۱۳۳۰ هجری (مطابق ۱۸۸۳ء) میں اپنی آبائی ریاست و جاگیر مرزاں پور کو خیرباد کہا اور تاجپور نامی گاؤں میں رہائش پذیر ہوئے وہاں اپنے زہد و تقویٰ، درس و ہدایات اور فیضان سے بے شمار انسانوں کو حقائق و معارف کے رموز اور حیات و کائنات کے مفہوم و مطالب سے آگاہ کیا - اللہ اور رسول ؐ کی خاطر صالح و بامقصد زندگی کی راہوں میں روشنیاں بکھیر دیں -

۱۳۳۲ هجری (مطابق ۱۹۱۴ء) کو اسی ۸۰ سال کی عمر میں اس دارالفنا سے دارالبقا کی راہ لی - فقیر ولی محمد خان سندھی، سرائیکی، فارسی اور اردو میں شاعری کرتے تھے - ہر زبان میں بڑے اعتماد اور قادر الکلامی سے شعر کہتے تھے - تخلص کے بجائے ''ولی محمد'' لکھا کرتے تھے موسیقی سے خاص دلچسپی تھی - ستار بجانے کا بہت شوق تھا - غالباً یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری کا ایک حصہ شعر و موسیقی کا حسین امتزاج نظر آتا ہے -

ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ نے ولی محمد کا ایک مجموعہ کلام مرتب کیا ہے جو سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد کے تحت شائع ہو چکا ہے - اس مجموعے میں چودہ اردو کافیاں اور ایک شبد شامل ہیں - اس مرقع شعر کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ولی محمد کافی گوئی کے فن میں خاصی مہارت

Marfat.com

رکھتے تھے۔ ان کی اردو کافیوں کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ غزل کی طرز پر کہی گئی ہیں۔ قارئین بیک وقت کافی اور غزل دونوں اصناف کے مشترکہ سرور سے مسرور و بسحور ہو سکتے ہیں۔ ان کے کلام کا رنگ عموماً عارفانہ ہے۔ ان کے اشعار میں تصوف و معرفت کا رنگ ان کی طبیعت اور مزاج سے ہم آہنگ ہے۔ اس رنگ کے چند اشعار دیکھیے:

دیا ساقی مجھے پیالا اتر گیا وہم ہستی کا
سدا اسرار ہم دیکھا عجب صورت پرستی کا
مثل شہاب تھا روشن، حقیقت کا کھلا گلشن
حسن کا ہو گیا درشن ہٹا شک دل شکستی کا
اسی منزل میں ہر عاشق گھیے پر جوش گھیے سالک
گھیے وہ عبد، گہ مالک، گھیے سر بار ہستی کا
صوفی کا دین مذہب وحدت وجود کا ہے
جزو و کل کیا جانے جس کو کٹھن میں
ذاتی سوں مل گئی باقی رہی صفاتی
گم ہو گئی ہے سورت تصویر کے حسن میں
آدم کا ہوش کر کے کرتا ہوں بادشاہی
نہیں کوئی مکاں یکجا رہتا ہوں عشق بن میں
ولی محمد طریق عشق می بینی در این منزل
کہ جز منصور در وحدت کسے بردار کن آوے

ولی محمد اپنے مرشد حضرت صوفی ابراہیم شاہ سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے۔ اس کا اظہار اپنے اشعار میں جا بجا کیا ہے۔ مثلاً:

پیالا مجھ دیا صوفی شراب بے حجابی کا
ہویا دیدار دل اندر صنم کے ماہتابی کا

ولی محمد نہ کسی کو کہہ، طریقت کے کفر ہیں رہ
صوفی کے رمز سے وہ وہ، ہوا مطلب الستی کا

ولی محمد کو سیر و سیاحت کا شوق تھا۔ یہ شوق انھیں ایک بار

Marfat.com

رنگپور تک لے گیا ۔ وہ جذبہ حب الوطنی سے اس قدر سرشار تھے کہ وطن کی محبت کو حج اکبری کے مترادف تصور کرتے تھے اور اس جذبے نے انھیں وطن کی واپسی پر بے تاب کیا ۔ ان تمام حالات و کیفیات کا انکشاف ان کے ان شعروں سے ہوتا ہے :

اے دل گزر مکاں سوں چلنا ہے رہن دن میں
رنگپور کا سیر دیکھا اب جاؤں گا وطن میں
حب الوطن کے معنی یوں حج اکبری ہے
دیکھو ولی محمد تم قلب کے صحن میں

ان کا نظریہ یہ تھا کہ دنیا سے دل لگانے میں ذلت کے سوا کچھ حاصل نہیں ۔ اس جہان فانی کی عارضی لذت اور عیش و عشرت میں خسارہ ہی خسارہ ہے ۔ کہتے ہیں :

دنیا کے در کی لذت کہ جس کا لقب ہے ذلت
روا اس کی نہیں ملت ، مکاں ہے تنگدستی کا
دنیا سرائے ماتم جس کو بقا نہیں ہے
عاشق سدام رہتے دیدار کے جشن میں
ولی محمد نہ رہ غافل دنیا کا عیش و عشرت کل
اسی کو چھوڑ دے بالکل خسارا ہے خرابی ہے

ولی محمد کو اردو کی طرح فارسی زبان پر بھی مکمل عبور تھا ۔ انھوں نے فارسی میں بھی شعر کہے ہیں لیکن اردو اشعار میں فارسی الفاظ و تراکیب کو جس چابکدستی اور حسن کاری کے ساتھ استعمال کیا ہے وہ ان کی مہارت فن پر دال ہے ۔ ہر شعر میں اردو ردیف "کب آوے" کو برقرار رکھتے ہوئے فارسی طرز کی یہ اردو شاعری انھیں کا ایک کامیاب تجربہ ہے ۔ اس طرز کی ایک غزل یہاں نقل کی جاتی ہے ۔ اس غزل میں جذبہ عشق کی مناسبت سے تلمیحات و تشبیہات بھی ہیں اور گلہائے معنی و خیال کا حسین گلدستہ بھی :

صبا دہ مژدہ این سارا کہ آن دلدار کب آوے
وصال یار می خواہم پری رخسار کب آوے

Marfat.com

روم در گلشن خوباں کنم دیدار کب آوے
چو بلبل در چمن پرسم گل و گلزار کب آوے
چو یعقوبے ھجر دارم کہ آن ماہ مصر بینم
زلیخاوار می جویم کہ در بازار کب آوے
بیا ساقی بدہ ساغر کہ من مستم ز عشق او
نہ ترسم بادہ گاکوں بجز میخوار کب آوے
ولی محمد طریق عشق می بینی در این منزل
کہ جز منصور در وحدت کسے بر دار کب آوے

اب ان کی اردو غزل نما کافیوں سے چند ایسے شعروں کا انتخاب پیش کیا جاتا ہے جنھیں غزل کے اشعار کہے جا سکتے ہیں ۔ یہ اشعار تغزل و حسن تغزل کی تمام کیفیتوں کے حامل ہیں :

ظلمات سے سکندر ، خالی نکل گیا وہ
عاشق وصال پیتا ، معشوق کے ذقن میں
دل محو ہو گیا ہے محبوب کے حسن میں
مشتاق ہوں اسی کے بلبل مثل چمن میں

نگہ کر دیکھ یہ ساقی میرے دل کا یقیں قائم
ہمیشہ جام و صہبا سے دماغم پر خمارا ہے
خدا بن حال میرے کا نہیں کوئی دوسرا واقف
کہ ساری رین میں مجھکو ستاروں کے شمارا ہے

Marfat.com

سید غلام محمد شاہ گدا

(۱۲۵۳ - ۱۳۲۲ھ/۱۸۴۷ - ۱۹۰۵ء)

سید غلام محمد شاہ گدا قادری المتخلص بہ گدا نہ صرف سندھ بلکہ برصغیر پاک و ہند کے ایک جلیل القدر صوفی اور عظیم المرتبت شاعر تھے ۔ وہ وادی سہران میں افضل الشعراء ، خاقانی سندھ اور آتش ثانی مشہور تھے ۔

شاہ گدا مشہدی رضوی سادات کے چشم و چراغ تھے ۔ ان کا سلسلہ نسب[1] حضرت امام علی بن موسیٰ رضا تک پہنچتا ہے ۔ یہ خاندان پہلے مشہد سے قندھار منتقل ہوا پھر عباسی حکمران نور محمد کلہوڑہ کے عہد حکومت میں قندھار سے خدا آباد[2] میں آباد ہو گیا ۔ اس زمانہ میں خدا آباد

۱ ۔ گدا کے ہمعصر رفیق و جلیس میر مرتضائی ٹھٹھوی نے اپنی کتاب مثنوی "یوسف زلیخا" میں گدا کے نام و نسب کا حال ان الفاظ میں بیان کیا ہے :

"سید الشعراء سید غلام محمد شاہ گدا بن سید حسن علی شاہ بن سید سچل شاہ بن سید کرم علی شاہ ۔ خانوادہ این سادات اصلاً مشہدی اند و نسب ایشان بہ حضرت امام علی بن موسیٰ رضا منتھی میشود"

(بحوالہ حاشیہ تکملہ مقالات الشعراء ، ص ۵۲۷) ۔

۲ ۔ خدا آباد ۔ یہ شہر کلہوڑوں کا مرکز تھا ۔ یہ مرکز والی سندھ یار محمد خان جس کا خطاب "خدا آباد خان ، ثابت جنگ" تھا کے نام سے میاں غلام شاہ خان کی وفات کے بعد میاں سرفراز خان کے عہد میں قائم ہوا ۔ یہ ہالہ سے دو میل کے فاصلے پر واقع ہے ۔ وہاں تالپوروں کے قبے ہیں ۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

Marfat.com

سندھ کا پایہ تخت تھا ۔ تالپوروں کے دور میں خدا آباد کی رہائش ترک کر کے حیدرآباد میں مستقل سکونت اختیار کر لی ۔

شاہ گدا کے والد بزرگوار سید حسن علی شاہ بجارانی تالپور حاکم میر نصیر خان کے دربار میں ایک اہم اور معزز عہدے پر فائز تھے ۔ گدا کی ولادت باسعادت ۱۲۵۳ ھجری مطابق ۱۸۴۷ء میں بمقام شہر حیدرآباد سندھ میں ہوئی ۔

''مظہر حق'' سے ان کی تاریخ تولد نکلتی ہے ۔ ان کا نام سید
۱۲۵۳ھ
غلام محمد شاہ رکھا گیا ۔ بعد میں انھوں نے اپنا تخلص گدا اختیار کیا ۔

تاریخی اعتبار سے ان کا زمانہ یوں بھی اہمیت رکھتا ہے کہ جب گدا نے اس عالم رنگ و بو میں آنکھیں کھولیں امیران تالپور کا آفتاب اقبال غروب ہو چکا تھا اور اقبال برطانیہ کا سورج چار سال پیشتر طلوع ہو چکا تھا ۔ زوال تالپور کی انقلاب انگیز صورت حال کے باوجود ان کی تعلیم و تربیت سازگار ماحول اور خوشگوار فضا میں ہوئی ۔ قرآن مجید اور سندھی کی ابتدائی تعلیم کے بعد ھالہ کے مشہور آخوند خاندان کے ایک معزز و محترم معلم مولوی آخوند احمد بن عبدالعلیم ھالائی سے باضابطہ فارسی ، اردو اور علوم دینی کی تکمیل کی[1] ۔ مولوی آخوند احمد آخوند حاجی فقیر محمد عاجز أستاد[2] محمد بخش واصف جیسے عالی مرتبت شاعر کے ہمعصر تھے ۔ گدا نے عاجز کی طرز پر عقیدتمندانہ غزل بھی کہی جس کا مقطع یہ ہے :

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

ہوا خوش دل و باغبان دل پذیر
خدا آباد شہر است جنت نظیر

(تاریخ سندھ جلد ششم از مولانا غلام رسول مہر ، ص ۱۰۸۸) ۔

۱ ۔ تکملہ مقالات الشعراء ، حاشیہ ، ص ۵۲۷ ۔

۲ ۔ مقالہ ''فخر الشعراء محمد بخش واصف مرحوم'' از حافظ محمد احسن چنہ ، ماہنامہ الرحیم (سندھی) حیدرآباد ، ستمبر اکتوبر ۱۹۷۶ء ۔

Marfat.com

این جواب آن غزل عاجز گفت است گدا
''آہ سوزان ز دل آندم کہ فرستم بہ سمک''

علوم عربی کی بنیادی تعلیم حافظ حاجی حکیم قاضی سید اسد اللہ[1] شاہ فدا ٹکھڑائی جیسے جید عالم و فاضل اور یکتائے روزگار صاحب نظم و نثر سے حاصل کی ۔ قاضی سید اسد اللہ شاہ فدا حضرت خواجہ عبدالرحمن[2] مجددی سرہندی کے مرید خاص اور متعدد عربی و فارسی کتابوں کے مصنف و مؤلف تھے ۔ گدا نے فدا ٹکھڑائی کی ذات گرامی سے کسب فیض و کمال کا ذکر اپنے ایک شعر میں کیا ہے :

مضامین فہم ، معنی یاب ، صائب فکرت و فائق
سلامت حق رکی ھر جا فدا جھڑی سخندان کی

گدا اردو فارسی اور سندھی کے باکمال شاعر تھے ۔ نثرنگاری میں ید طولیٰ رکھتے تھے[3] شاہ گدا اپنے وقت کے زبردست عالم بھی تھے اور استادان سخن کے استاد بھی ۔ عالم شباب میں میر محمد خان ولد میر غلام علی خان کے گاؤں میں رہائش پذیر تھے اس عرصہ میں میر محمد خان نے ان کے علم و فضل اور شاعرانہ ادراک کی پذیرائی کی ۔ میر صاحب کی نوازشات کا اعتراف گدا نے اس انداز میں کیا ہے ۔

بادشاہ ہفت کشور باد یا رب تا بحشر
صاحب جود و کرم میر محمد خان ما

---

۱ ۔ علامہ اسد اللہ شاہ فدا ٹکھڑائی کی حیات و خدمات کے لیے ملاحظہ ہو ''تذکرہ شعرائے ٹکھڑ از اسداللہ اسد ٹکھڑائی ۔

۲ ۔ مونس المخلصین (فارسی) مصنفہ خواجہ عبداللہ خان شاہ آغا مجددی سرہندی ۔

۳ ۔ ''خود در شعرگفتن بزبان فارسی سندھی و اردو ید طولیٰ دارد و در نثر نیز یکتائے عصر بخود است'' میر مرتضائی ٹھٹھوی (مثنوی یوسف زلیخا ص ۴۹ ۔ ۵۰) بحوالہ حاشیہ تکملہ مقالات الشعراء ، ص ۵۲۷ ۔

Marfat.com

میر محمد خان کی وفات کے بعد ان کے فرزند ارجمند میر شاہنواز خان ان کا بہت احترام کرتے تھے یہاں تک کہ ان کے لیے وظیفہ خاص مقرر کر دیا تھا ۔ شاہی خلعت اور انعام و اکرام سے بھی نوازا تھا ۔ میر بہرام خان ، میر اللہ بخش خان اور حاکم لسبیلہ حاجی جام میر خان[1] بھی گدا سے دلی ارادت رکھتے تھے انھوں نے بھی قدردانی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی ۔

شہزادہ میرعبدالحسین سانگی خلف میر عباس علی خان بن میر محمد نصیر خان آخری تاجدار سندھ کی شاہ گدا سے عقیدت و ارادت کی کوئی انتہا نہ تھی ۔ وہ نہ صرف گدا کی عالمانہ بصیرت اور استادانہ صلاحیتوں سے متاثر تھے بلکہ اپنے آپ کو ایک ادنٰی شاگرد تصور کرتے تھے ۔ سانگی نے جس فیاضی و سخاوت کے ساتھ گدا کو انعام و اکرام سے نہال کیا اور وظیفوں سے شاد کام کیا اس کا اعتراف گدا نے احسان مندانہ لہجے میں کیا ہے ۔

میر عبدالحسین خان صاحب	فیض بخشی میں رشک دریا ہے
امیر ذوالکرام عبدالحسین خان	گل باغ سخا ہے قدردان ہے
امیر زمان میر عبدالحسین	گدا کو سخا سے بھلاتا نہیں

تلاش حق اور ذوق طلب کے جنوں میں شاہ گدا نے دور دراز کی سیر و سیاحت کی ۔ متحدہ ہندوستان کے علاوہ افغانستان ، عربستان ،

---

۱ ۔ جام صاحب میر خان سے کیوں نہ ہو راضی خدا
جس کے عدل و معدلت سے ملک "لس" آباد ہے

فتح سندھ کے بعد جب انگریزوں نے جام میر خان کو نظر بند کیا اور ان کی جگہ لسبیلہ میں پولیٹیکل ایجنٹ مقرر کیا تو اس المناک واقعہ کا گدا کے دل پر بہت گہرا اثر ہوا انھوں نے بارگاہ ایزدی میں جام صاحب لسبیلہ کے اختیار و وقار کی بحالی کی ان الفاظ میں دعا کی ۔

یا الٰہی تو پھر حکومت دے	جام صاحب غریب پرور کو
فتح و نصرت نصیب ہو دائم	اس عظیم الوقار سرور کو

Marfat.com

عراق ، کربلائے معلی ، شاہ نجف ، مشہد مقدس ، کوفہ ، بغداد ، کاظمین اور دیگر مقدس مقامات کی زیارتیں کیں۔ وہاں کے اکابر اسلام سے ملاقاتیں بھی کیں۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے دوران سفر حج بیت اللہ سے بھی مشرف ہوئے۔

شاہ گدا قادریہ طریقت کے بزرگ تھے۔ اللہ تعالیٰ اور سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ ، حضرت حسن حسین ، حضرت ابو بکر ، حضرت عمر ، حضرت عثمان جیسے خلفائے راشدین اور آل نبی سے دلی عقیدت رکھتے تھے۔ غوث الاعظم حضرت محی الدین عبدالقادر جیلانی کو اپنا روحانی مرشد مانتے تھے۔ ان سب اکابر اسلام کی شان میں فارسی ، سندھی اور اردو تینوں زبانوں میں میں رطب اللسان نظر آتے ہیں۔ ان برگزیدہ شخصیات کی مدح میں وقتاً فوقتاً قصائد بھی کہے ہیں۔ یہ قصیدے نہ صرف ان کے دینی و مذہبی عقائد کے ترجمان ہیں بلکہ ان کی مہارت فن اور قدرت کلام کا مظہر بھی۔

آل احمد کا دل و جان سے فدا ہوں اے گدا
روز ازل سے یہ اس بندہ کا اقرار ہوا
اے بنام کبریا یا غوث اعظم دستگیر
اے بحق مصطفیٰ یا غوث اعظم دستگیر
تو علی المرتضی شیر خدا چو جسم و جاں
تو گل باغ سخا یا غوث اعظم دستگیر
واقف اسرار حق محبوب سبحانی توئی
گوہر بحر تمنا یا غوث اعظم دستگیر

شاہ گدا نے انہتر (۶۹) سال کی عمر میں ۴ ذوالقعد ۱۳۲۲ ہجری مطابق ۱۱ جنوری ۱۹۰۵ء[۱] کو خطہ حیدرآباد میں داعی اجل کو لبیک کہا اور اسی تاریخی شہر کے آغا قبرستان میں پیوند خاک ہوئے۔

۱۔ تکملہ مقالات الشعراء ، ص ۵۲۸۔

Marfat.com

حاجی سید غلام محمد شاہ گدا محمد روشن حیدرآبادی (المتوفی ۱۲۵۶ ہجری مطابق ۱۸۶۹ء) کے شاگرد[1] تھے۔ سندھی، فارسی اور اردو کے قادر الکلام شاعر تھے۔ اپنے احباب و معاصرین میں معتبر و ممتاز تھے۔ ان کے علمی و ادبی مرتبہ کے پیش نظر میر عبدالحسین سانگی ان کے سب سے زیادہ معتقد اور قدردان تھے۔ یہاں تک کہ سانگی کو گدا کی شاگردی پر ناز تھا۔ سانگی نے اپنے ایک شعر میں گدا کو "آتش ثانی" قرار دیا ہے۔

فارسی شعر شد بفرمائش
آهی اردو میں آتش ثانی

گدا کو "افضل الشعراء" اور "خاقانی سندھ"[2] بھی کہا جاتا ہے۔

ڈاکٹر شیخ ابراہیم خلیل نے راقم کو بتایا کہ انھوں نے غلام محمد شاہ گدا کے کچھ حالات اور کلام جمع کیے تھے۔ رشید احمد لاشاری نے کلیات گدا مرتب کرتے وقت ڈاکٹر صاحب کے اس مسودے سے استفادہ کیا تھا۔ یہ کلیات ۱۹۵۷ء میں سندھی ادبی بورڈ کے زیر اہتمام منظر عام پر آ چکا ہے۔ دیوان گدا کے پانچ قلمی نسخے موجود ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ان پانچ نسخوں میں سے ایک نسخہ وہ ہو جس کا مولف تکملہ نے ان الفاظ میں کیا ہے۔ "در ذخیرہ راقم الحروف یک بیاض بخط سید گدا موجود است کہ دراں گدا اشعار خود و دیگر شعرا منتخب کردہ است۔ در بیاض مذکور۔ غلام محمد گدائے علی۔ نوشتہ است" اللہ جانے اب یہ نسخہ کس کی تحویل میں ہے۔ ایک قلمی نسخہ پیر حسام الدین راشدی کے نجی کتب خانے میں محفوظ ہے اور ایک نسخہ میر علی احمد تالپور کے پاس ہے۔ لاشاری نے ان نسخوں سے بھی مدد لی ہے۔ ڈیمی سائز کے

۱۔ استاد کی وفات پر گدا نے یہ تاریخ کہی:

چون استاد روشن بجنت روان شد
بگفت اے گدا آہ شیریں سخن رفت
۱۲۸۶ھ

۲۔ مقدمہ کلیات گدا، مرتبہ رشید احمد لاشاری۔

Marfat.com

۴۱۴ صفحات پر محیط اس شعری مرقع مرتبہ لاشاری میں گدا کے سندھی، فارسی اور اردو کلام کو حسن سلیقہ سے ترتیب دیا گیا ہے۔ شروع میں سیر حاصل مقدمہ بھی شامل ہے۔ ابتدا کے دو صفحات میں گدا کی خوبصورت تحریروں کا دیدہ زیب عکس پیش کیا گیا ہے۔ حصہ اردو میں ایک نعت، دو منقبتیں در شان علی، ۲۸ غزلیں، دو فرد اور دو رباعیات ہیں جن کے مطالعہ سے اردو شاعری میں گدا کا کیا مقام ہے کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ ڈاکٹر شیخ ابراہیم خلیل کا ارشاد ہے کہ اس کلیات میں گدا کا وہ اردو کلام شامل نہیں جو تلف ہو چکا ہے۔

مخدوم محمد ابراہیم خلیل ٹھٹھوی گدا کے قریبی دوست اور ہم محفل تھے۔ وہ ان سے دلی عقیدت اور روحانی رابطہ رکھتے تھے۔ انھوں نے اپنی کتاب میں ان کے درویشانہ اوصاف، علمی و ادبی خدمات اور کمالات کی تعریف کی ہے۔ ایک جگہ گدا کی نظم و نثر سے متعلق لکھتے ہیں ''خط مرغوب دارد، نقش نظم و نثر خوب بنگارد، در علم تاریخی کمال دارد، در کلام ھندی نہایت صاحب دستگاہ است۔ در کلام ھندی بغایت مہارت و نہایت خبرت دارد''۱۔ خلیل ٹھٹھوی نے اپنی کتاب میں گدا کی یہ اردو غزل نقل کی ہے۔ یہ غزل کلیات گدا میں درج نہیں ہے۔

گلے میں یار کے شب کو جو ہم نے روغ کیا
دو چار جب ہوا اغیار تب دروغ کیا
برنگ کرمک شب تاب ہو گیا مہتاب
جمال عارض جاناں نے جب فروغ کیا
شب فراق بھی منظور ہم کوں تھی شوکت
سپاہ غم کے لیے ہم نے آہ طوغ کیا
صفائی قلب کی ہر لحظہ کیوں نہ ہو لازم
خدا نے قوت ہماری جو شیر و دوغ کیا
نہ ایک رات بھی وہ ماہ رو ہوا باہر
گدا کے دل نے ہزار اس کے غم کا سوغ کیا۲

۱ و ۲۔ تکملہ مقالات الشعراء، علی الترتیب ص ۵۲۳، ۵۲۵۔

Marfat.com

غلام محمد شاہ گدا شاعری کو عارفانہ تعلیم کا بہترین ذریعہ سمجھتے تھے ۔ خلق خدا کو تعلیمات قرآن کی روشنی میں خوف خدا ، خدمت دین ایزدی شرع اور راہ طریقت کی طرف مائل کرتے تھے ۔ ذکر خدا ، نعت نبی ، وصف علی ، الفت دنیا ، ترک جہان اور حیات کائنات کے اہم سے اہم نکات کو نہایت صاف واضح اور سلیس الفاظ میں بیان کر دیا ہے ۔ ان کی شاعری میں عارفانہ تعلیم کا یہ رجحان بدرجہ کمال موجود ہے ۔

جو کوئی نشہ توحید میں سرشار ہوا
بے گمان ہر دو جہاں میں وہی سردار ہوا
ہفت افلاک و زمین میں ہے جو پنہاں و عیاں
کلمہ کن سے خدا کے ہے وہ اظہار ہوا

وقت سحر وقت مناجات ہے ۔ خواب سحر مایہ ظلمات ہے
شکر خدا قاضی حاجات ہے ۔ ذکر خدا منبع حسنات ہے
نعت نبی صیقل زنگار دل ۔ وصف علی دافع آفات ہے

ان کے کلام میں عشق مجازی سے زیادہ عشق حقیقی کا عنصر کار فرما ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی نعتیں والہانہ اور بیساختہ ہیں ۔ نعت گوئی سے ان کو خاص شغف تھا ۔ اس فن پر ان کی ماہرانہ نکتہ سنجی اور استادانہ پختگی مسلم ہے ۔

یہ حضرت لعل[1] شہباز سے دیوانہ وار شیفتگی کا نتیجہ تھا کہ گدا شاہ نے ان کی زمینوں پر نعتیں کہی ہیں اور ان کی نعتیں شہباز کے قوافی و ردیف سے مرصع ہوتی ہیں ۔ مثلاً شہباز کی غزلیں بہت مشہور ہیں ۔

۱ - ز عشق دوست ہر ساعت درون نامی رقصم
گہی بر خاک می غلطم گہی بر خاک می رقصم

---

۱ - حضرت لعل قلندر شہباز سیوستانی برصغیر کے ایک نامور ولی اللہ ہی نہ تھے بلکہ فارسی کے عظیم شاعر بھی تھے ۔ ان کی فارسی شاعری کے بارے میں ملاحظہ ہو ۔ مقالہ ''حضرت لعل شہباز قلندر کی صوفیانہ شاعری'' از وفا راشدی ماہنامہ راولپنڈی مئی جون ۱۹۷۶ء ۔

Marfat.com

۲ - جائے ز عشق نوشم دنیا و دین فروشم
جز این دگرنہ کوشم مست الست هستم

خاقانی سندھ حضرت گدا شاہ کی ایک فارسی نعت کا یہ رنگ دیکھیے۔

ز عشق سید الابرار مستم
بحمد اللہ کہ من ہوشیار مستم
دلم قمری سرو قامت اوست
مدام از چشم آن سردار مستم
دلم سودائی زنجیر زلفش
کہ من از جلوہ دیدار مستم
چرا حال دلم درهم نباشد
ز شوق شربت دیدار مستم
گدا عشق مرا صد آفریں باد
کہ در هر کوچہ و بازار مستم

اب اردو نعت کا یہ نمونہ نظر قارئین ہے ان کی یہ نعت ، کلیات گدا (ص ۳۳۵ - ۳۳۶) میں ''مخمس در شان رسول بر تضمین قدسی'' کے عنوان سے شامل ہے۔

ختم ہے تجھ پہ نبوت اے شہ مطلبی
تیرے محتاج ہیں سب شاہ و گدا شیخ و نبی
ہے مجھے تیری ثنا سے ہی صفائے قلبی
مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جان باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

سیدا مجھ کو تیری ذات مقدس کی قسم
واسطے تیرے بنے ارض و سما لوح و قلم
نور تیرے سے منور ہوئے دونوں عالم
من بیدل بجمال تو عجب حیرانم
اللہ اللہ چہ جمالست بدیں بو العجمی

ذات اطہر سے شفا خواہ همہ پیر و نبی
ہے شفاعت کی قبا جسم مطہر پہ نبی

Marfat.com

مثل ”قدسی“ کے ہے کہتا یہ گدا تشنہ لبی
سیدی انت حبیبی و طبیب قلبی
آمدہ سوئے تو قدسی پئے درمان طلبی“[1]

گدا شاہ عشق رسول سے اس قدر سرشار و بیخود تھے کہ غزلیں کہتے کہتے عالم محویت میں محبوب مجازی کے تصور سے گزر کر عشق حقیقی کی دنیا میں گم ہو جاتے ہیں - یہی وجہ ہے کہ ان کی غزلوں کے اکثر مقطعے نعتیہ کلام کا جز معلوم ہوتے ہیں :

میں گدا روز ازل سے ہوں محمد کا غلام
دل میں حب شاہ مرداں قلعہ فولاد ہے

مجھے کیا فکر ہے روز جزا کی
رسول اللہ شفیع عاصیاں ہے
غزل یہ غلام محمد گدا کی
زمانے میں ہے داد پانے کے قابل
نہیں اس کے سوا کچھ فخر مجھکو ہر دو عالم میں
کہ ہوں خاک پا آل شہنشاہ مدینے کا
گدا صبح و مسا سائل ہے شاہا آپ کے در پر
سنو اے منبع احسان سوال اپنے کمینے کا

---

۱ - شاہ گدا کی یہ ایمان افروز نعت رسالہ صریر خامہ کے معرکہ آرا نعت نمبر (سلسلہ مطبوعات شعبہ اردو جامعہ سندھ حیدرآباد ۱۳۹۸ھ) مطابق ۱۹۷۸ء میں بھی شائع ہوئی ہے - اس نعت نمبر کو حیات علی شاعر نے شیخ ایاز میاں (وائس چانسلر سندھ یونیورسٹی) کے زیر نگرانی نہایت عرق ریزی اور اہتمام سے مرتب کیا ہے نعتوں کا یہ دلنواز روح پرور اور بصیرت افروز صحیفہ ہر اعتبار سے منفرد متنوع اور لائق مطالعہ ہے - نعتوں اور نعتوں سے متعلق مقالات کے اس نادر مجموعے کی اشاعت سے جامعہ سندھ نے ادب و ثقافت کی ایک گراں قدر خدمت انجام دی ہے -

Marfat.com

غلام محمد گدا کے سندھی کلام میں اکثر غزلیں ایسی ہیں کہ ہر شعر کے دو چار الفاظ کی تبدیلیوں سے پوری کی پوری غزل اردو کی کہی جا سکتی ہے ۔ کلیات گدا میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں ۔ ان کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے سندھی شاعری سے روشناس کرایا ہے ۔ انھوں نے شعری ادب میں عصری تقاضوں سے متاثر ہو کر نیا رجحان نیا میلان پیدا کیا ہے ۔ وہ تشبیہ اور استعارے کے بادشاہ ہیں ۔ اپنے رنگین تصورات اور حسین خیالات سے نہ صرف سندھی بلکہ اردو غزل کو بھی حسن و رنگ کا روپ دیا ہے ۔ ماہ ، مہر ، ماہ رخ ، خورشید ، عالمتاب ، خورشید رخا جیسے الفاظ سے آسمان تخیل کو اس خوبصورتی سے سجایا ہے کہ چاند اور چاندنی[1] کی ٹھنڈک اور سورج کی روشنی میں زندگی حسن و شباب کی گود میں انگڑائی لیتی ہے ۔ یہ سب کچھ فارسی ادبیات کے وسیع و گہرے مطالعہ کا حاصل معلوم ہوتا ہے ۔ شیخ سعدی شیرازی کا شعر ہے :

تواضع زیادت کند جاہ را
کہ از مہر پرتو بود ماہ را

گدا کہتے ہیں :

کرے گا میرے گھر کو روشن وہ ماہ
جسے کوئی بادل چھپاتا نہیں
لب بام آیا ہے شاید وہ ماہ
نکلنے کو اب چاند آتا نہیں ۔
بجز میرے ہے کون اے ماہ پیکر
ترے قدموں پر سر جھکانے کے قابل
دیکھ کر تیرے رخ درخشاں کو
داغ ہے دل میں ماہ تاباں کو

تشبیہات و استعارات کے ساتھ ساتھ رعایت لفظی ، شوکت الفاظ ،

---

۱ - یہ رومانی فضا ، یہ رنگ شاعری عہد حاضر کے شعراء میں اختر شیرانی مرحوم اور ڈاکٹر عندلیب شادانی مرحوم کے ہاں بہت نکھرا نکھرا نظر آتا ہے ۔

Marfat.com

تکرار الفاظ ، خیال افروزی ، مضمون آفرینی کے اعتبار سے گدا کی شاعری میں جدید رجحانات کا رخ پایا جاتا ہے ۔

اس پری رو نے کر دیا ہے بے قدر
لب و دندان سے لعل و گوہر کو
دیکھ کر قامت بلندی دوست
کیوں خجالت نہ ہو صنوبر کو
لب شیریں سے اس کو کیا تشبیہ
قند کو ، انگبیں کو ، شکر کو

کل جو آیا وہ گل اندام گلستاں کے قریب
آ گئی جاں میں جاں بلبل پیہاں کے قریب
مرغ دل جا کے پھنسا زلف پریشاں کے قریب
جیسے بلبل ہو کوئی سنبل و ریحاں کے قریب
آنکھیں پھرتی ہیں مری اس دل ویراں کے قریب
مست جس طرح سے آہو ہو بیاباں کے قریب

کل جو اس گل کا گزر جانب گلزار ہوا
اس کے عارض کی طرف دیکھ کے گل زار ہوا

"خاقانی سندھ" اور "آتش ثانی" نے آتش لکھنوی ، ناسخ لکھنوی اور شمالی ہند کے دیگر شعرائے کرام کے دواوین کا باقاعدہ مطالعہ کیا تھا ۔ وہ اساتذہ قدیم کے افکار و آثار سے کچھ اس طرح متاثر ہوئے کہ خود ان کے فکر و فن میں ان کے اثرات مترشح ہیں ۔ یہی نہیں بلکہ گدا کی شاعری میں ان کے عہد کے ماحول اور عصری تہذیب و تمدن کے اصول ملتے ہیں ۔ زمانے کی خود غرضی و بے وفائی اپنوں کی بے اعتنائی ، طوطا چشمی ، زندگی کی حقیقتوں ، نشیب و فراز ، دکھ سکھ ، حزن و ملال اور لیل و نہار کے اثرات کو انھوں نے لطف زبان اور اسلوب بیان کے ساتھ پیش کیا ہے ۔ نازک خیالی ، پروازیٔ تخیل ، مضمون آفرینی ،

Marfat.com

قافیہ پیمائی ، فصاحت و بلاغت اور صنائع و بدائع وغیرہ ان کے کلام کی خصوصیات ہیں -

جس کا میں بلبل ہوں وہ رشک چمن ملتا نہیں
جس کا میں کمخواب ہوں وہ رشک چمن ملتا نہیں
کوہکن سا کوہکن ہوں مثل مجنوں دشت وار
پھر بھی رشک لیلئی شیریں سخن ملتا نہیں
بادشاہت جن کی تھی وہ آج ہیں مثل گدا
آدمی کو دائما عیش زمن ملتا نہیں
روضہ رشک جناں پر جن کو ہر دم ناز تھا
ہائے ان کے واسطے گور و کفن ملتا نہیں
اے گدا مہر خموشی اپنے منہ پر تو لگا
آہ و زاری سے کبھی غنچہ دہن ملتا نہیں

Marfat.com

سائیں عبدالغنی قادری

(۱۲۶۰ - ۱۳۵۷ھ/۱۸۴۰ - ۱۹۳۸ء)

صوفی محمد عبدالغنی قریشی قادری عرف سائیں غنی اپنے وقت کے مقتدر عالم با عمل ، شاعر بے بدل ، مبلغ اسلام اور ولی کامل تھے۔ وہ ایک ایسے اعلیٰ علمی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے جن کا مسلک فقر و درویشی اور ذریعہ معاش زمینداری تھا۔ سائیں عبدالغنی کے جد امجد ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد دانا پور (بھارت) سے ہجرت کر کے پہلے چند سال احمد نگر (دکن) میں قیام پذیر ہوئے پھر کراچی میں مستقل سکونت اختیار کی۔

سائیں عبدالغنی کی ولادت ۱۲۶۰ ہجری میں کراچی (سندھ) میں ہوئی۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم اپنے بہنوئی حافظ علیم الدین قادری کے زیر نگرانی حاصل کی۔ علوم باطنی کی تربیت اپنے والد بزرگوار مولانا شاہ محمد قریشی کے زیر عاطفت پائی۔ تیرہ سال کی عمر میں سلوک و صفا کی راہ اختیار کی۔ تلاش حق اور سکون قلب کی جستجو میں سخت سے سخت ریاضتیں کیں۔ اجمیر شریف ، احمد نگر (گجرات) اور دیگر مقامات کی خاک چھانی۔ تریسٹھ عارفان کامل اور بزرگان دین کی صحبتوں سے فیضیاب ہوئے[1]۔ پہلے اپنے والد ماجد کے پیر و مرشد پیر پگارا سید محمد بقا مٹھل شاہ قادری کے ہاتھوں بیعت ہوئے بعد میں حضرت شاہ گل حسن قلندر قادری کے حلقہ طریقت سے وابستہ ہو کر اکتساب کمال کیا۔ سائیں عبدالغنی کے فرزند ارجمند صوفی شاہ عبدالرشید نے اپنے ایک مضمون میں اپنے والد مکرم کا جو شجرہ پیش کیا ہے اس میں ان کے سلسلہ طریقت سے متعلق جو اشعار درج ہیں ان میں سے دو یہ ہیں:

---

۱ - حریت میگزین ، ۲ جون ۱۹۷۵ء۔

Marfat.com

گل حسن شاہ قلندر صاحب تجرید اور
حضرت سائیں غنی ذی اتقا کے واسطے
بعد ازاں حافظ غلام رسول صاحب قادری
بو الرجا شیخ طریقت کی دعا کے واسطے[1]

سائیں غنی ۲۱ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ (۲۲ مئی ۱۹۳۸ء) میں سجدے کی حالت میں اپنے رب حقیقی سے جا ملے ۔ تاریخ وفات یہ ہے ۔

قطب ہند آہ سائیں غنی
۱۳۵۷ھ

سائیں غنی متعدد زبانوں عربی ، فارسی ، سندھی ، سرائیکی اور بھاشا سے بخوبی واقف تھے ۔ عربی کو چھوڑ کر ان سب زبانوں میں ان کی تصانیف نظم و نثر میں موجود ہیں ۔ اردو میں ان کے ملفوظات زیور طباعت سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آ چکے ہیں ۔ ان کی چند کتابوں کے نام یہ ہیں :

(۱) ہدایت توحید حق — (۲) ہدایت خود شناسی
(۳) آئینہ قلندری — (۴) دعائے حلقہ شریف
(۵) دعائے میت و ایصال ثواب — (۶) حزب الصلوۃ و السلام
(۷) ذخیرہ ہدایت خزینہ فراست — (۸) دلائل الخیرات
(۹) پستک پریم گیان اپدیش

اردو شاعری میں سائیں غنی کا پایہ بہت بلند تھا ان کے دو مجموعہ منظومات شائع ہو چکے ہیں :

(۱) مثنوی عالم فیض ۔ یہ کتاب پہلی بار ۱۹۱۷ء میں اور دوسری بار ۱۹۶۵ء میں طبع ہوئی ۔ دو حصوں پر مشتمل ہے ۔ پہلے حصے میں ریاضت و مجاہدات کی تشریح کی گئی ہے ۔ دوسرے حصے میں ہندو تصوف اور اسلامی تصوف کا موازنہ ہے اور اس میں اس نکتہ کی صراحت بھی کی گئی ہے کہ اسلام ہی وہ سچا ،

---

۱ ۔ رسالہ مرغوب موحدان مطبوعہ ۱۳۵۸ھ ، ص ۱۳ - ۱۵ ۔

Marfat.com

مکمل و منظم مذہب ہے جو انسان کو شعورِ زندگی سے آشنا کرتا ہے۔

(۲) دوسرا مجموعہ کلام ''عرفان غنی'' کے نام سے موسوم ہے اور روحانی کیفیتوں کا کیف آور مرقع اور علم و بصیرت کا گوہر گراں مایہ ہے۔ ان کی شاعری کا مقصد اللہ و رسول[۲] کے احکامات و تعلیمات کا فروغ، انسانی عظمت کا پرچار اور روحانی و اخلاقی اقدار کا تحفظ تھا۔ وہ اپنی شاعری کو ماحول اور معاشرہ کی اصلاح و تطہیر، ترقی و ترویج کا بہترین نمونہ سمجھتے تھے۔ انھوں نے خیالات و نظریات کو بڑی خوش اسلوبی سے پیش کیا ہے۔ ان کے کلام میں معنویت کے ساتھ ساتھ مضمون آفرینی بھی ہے۔ اور شعری خوبیاں بھی۔ وہ بلا شبہہ برصغیر کے صف اول کے شعرا میں سے تھے۔

خالق و مخلوق، کائنات و موجودات، حقائق و معارف اور عشق و عاشقی کے اسرار و رموز کو نہایت سادگی و پرکاری سے اشعار کے قالب میں ڈھال دیا ہے۔ سچا عشق وہ ہے جو اپنے پروردگار کی ذات باثبات سے ہو۔ ان کے نزدیک عمر جاودانی عشق کے راز نہانی میں مضمر ہے۔

جز عشق خدا سائیں غنی گوشت ہے بے جاں
خواہ پیر زمانہ یا کوئی عالی نسب ہو
معشوق سے نہیں ہے عاشق کی زندگانی
پر عشق ہی سے حاصل ہو عمر جاودانی
پروانہ شمع سے گر واصل ہو جل ہی جائے
پر جسم عشق اس کا ہو جائے غیر فانی
خود شمع ساں ہے روشن اس عشق کی بدولت
عاشق کو عشق ہی سے حاصل ہو زندگانی
گر دل میں عشق پیدا ہو دوستو خدا کا
یہ بھی ہے فضل اس کا بندہ تو شے ہے فانی
گر عشق دل میں پیدا مت وصل کی طرف جا
دنیا و دین دونوں کا لطف لے اے جانی

Marfat.com

معمولی بات تو یہ سائیں غنی نہیں ہے
ہر شخص جس کو سمجھے یہ راز ہے نہانی

اپنی ایک غزل میں پہلے موت کی تین قسمیں بتائی ہیں پھر زندگی اور موت کی اصلیت و ماہیت اس طرح بیان کی ہے -

موت کی تین ہے قسم یارو اس سے واقف ہیں لوگ کم یارو
ایک ہے نیند بھی یہ مثل موت دوم تن سے جو جائے دم یارو
سوم جو موت اختیاری ہو ہے خوشی جس میں اور نہ غم یارو
موت جب زندگی کے ساتھ ہی ہو پھر وجود اور کیا عدم یارو
جسم میرا ہے جگ میں اسکی جان اور مرا ہے وطن عدم یارو
جوں غنی موت سے مرو پہلے پاؤ گے ہستی و عدم یارو

ہستی و عدم ، موت و زیست ، حقیقت و معرفت ، خود آگہی ، خود شناسی ، خدا شناسی کی تعلیم دلنشیں و دلکش الفاظ میں دی ہے -

ہستی سے اپنی آگہ کوئی بشر نہیں ہے
دنیا سے باخبر ہے خود کی خبر نہیں ہے
مشغول سیر میں ہے ہر اک بشر جہاں کے
یاں کی عجیب چیزوں پر کچھ نظر نہیں ہے
ہر ایک غیر شے کی ہستی کا یہ ہے شاہد
اپنی گواہی اس کے مدنظر نہیں ہے
خود کیا ہوں اور کتنی اشیا سے ہوں مرکب
دنیا میں کیا ہوں جس کا مجھ میں اثر نہیں ہے
صورت میں مثل قطرہ معنی میں شکل دریا
ستر خدا سے خالی کوئی بھی شر نہیں ہے
گر جیتے جی نہ پایا پس مرگ پائے گا کیا
گر کچھ ادھر نہیں ہے تو کچھ ادھر نہیں ہے

اسلام کی تبلیغ و اشاعت سائیں غنی کی زندگی کا نصب العین تھا - ان کی تمنا تھی کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اسلام کی تمام نعمتوں اور برکتوں سے نوازے - ساتھ ہی مسلمانوں کو اللہ کے ارشادات ، رسول اللہ

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ اور اولیائے کرام کی صالح زندگی کی روشنی میں عمل نیک کی ہدایت کرتے ہیں :

مسلمانو تمھیں اسلام کی نعمت مبارک ہو
سعادت اور ہدایت شان اور شوکت مبارک ہو
رسول اللہ کے ارشاد کو دل سے بجا لاؤ
خدا کے حکم کی تعمیل کی ہمت مبارک ہو
نبی کے اسوۂ حسنہ پہ دل سے بھی عمل کیجے
کہ تا درگاہ حق سے برکت و رحمت مبارک ہو
شریعت پاک کی تعظیم کی توفیق بخشے حق
معاصی اور شرک و کفر سے نفرت مبارک ہو
خدا کی اور نبی کی اور جملہ اولیاؤں کی
عقیدت ہو مبارک جذب اور الفت مبارک ہو
غنی کی التجا ہے بارگاہ حق تعالیٰ میں
مسلمانوں کو ہر میدان میں نصرت مبارک ہو

سائیں عبدالغنی ایک ایسے ولی اللہ تھے جو دنیا والوں میں رہ کر اہل دنیا کے حالات و کوائف سے بہت باخبر تھے ۔ دنیا کے آلام و مصائب کو قہر خدا سمجھتے تھے ۔ بد اعمالی کے سبب لوگ ایک دوسرے کی ایذا رسانی کے درپے ہیں ۔ مذہب سے دوری کی بناء پر آنکھوں میں شرم اور دل میں خدا کا خوف باقی نہ رہا ۔ کہتے ہیں :

کہیں کس کو مظلوم اور کسی کو ظالم
کہ اک دوسرے کو یہاں کھا رہا ہے
یہ ہے شامت نجس اعمال انساں
کہ قہر خدا خلق پر چھا رہا ہے
زمیں پر ہے بھونچال یا زلزلہ اب
فلک نار آفات برسا رہا ہے
تہ آب سیلاب سے کھیتیاں ہیں
کہ خورشید جوں برف پگھلا رہا ہے

Marfat.com

کہ جھوٹ اور فریب آج کل مصلحت ہے
جو سچا ہے خون جگر کھا رہا ہے
ہے بازار گرم آج لہو و لعب کا
جسے دیکھو اینٹھا ہوا جا رہا ہے
نہ آنکھوں میں شرم اور نہ دل میں ہے ایماں
ہر اک دین و مذہب سے کترا رہا ہے

مطلب کے سوا کوئی نہ پوچھے ہے کسی کو
سید ہو کوئی پیر ہو یا عالی نسب ہو
حاضر ہوں خدا کے لیے ایسے ہیں بہت کم
موجود ہے ہر کوئی جہاں اکل و شرب ہو
ہوں جس کی تمنا میں فرشتے بھی ہراساں
انساں کو میسر ہو وہ کامل جو طلب ہو

———

Marfat.com

فقیر نظر علی خان لغاری

(۱۲٦۰ - ۱۳۳۰ھ/۱۸۴۰ - ۱۹۱۰ء)

نواب نظر علی خان لغاری عہد تالپور کے اس معزز و محترم گھرانے سے تعلق رکھتے تھے جس نے ہمیشہ امیری پر فقیری کو ترجیح دی ۔ اس امیر و کبیر خاندان میں کئی بلند پایہ ادباء و شعراء پیدا ہوئے ۔ سب کے سب درویش صفت لوگ تھے ۔ صوفیانہ زندگی بسر کرتے تھے ۔ اس صوفی خاندان[1] نے اردو[2] اور فارسی زبان و ادب کی ترقی و ترویج میں جو گراں قدر حصہ لیا اسے تاریخ ادب اردو کبھی فراموش نہیں کر سکتی ۔

نواب نظر علی خان لغاری جو اپنے خاندان کے دیگر افراد کی طرح خود کو نواب کے بجائے فقیر کہلوانا اور لکھنا پسند کرتے تھے، وزیراعظم نواب ولی محمد خان لغاری کے برادر زادہ نواب غلام محمد خان کے چھوٹے صاحبزادے تھے ۔ غلام محمد خان المتخلص بہ غلام (۱۲۰۴ - ۱۲۷۱ھ) ابن نواب علی محمد خان علی (۱۱٦۲ - ۱۲۵۰ھ) فارسی کے صاحب دیوان شاعر تھے ۔ والی سندھ نور محمد خان تالپور (۱۲۴۹ - ۱۲۵٦ھ) کے امیر دربار[3] تھے ۔ ان کا فارسی دیوان موسوم بہ "دیوان غلام" مرتبہ ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ سندھی ادبی بورڈ کے زیر اہتمام منظر عام پر آ چکا ہے ۔

---

۱ ۔ ملاحظہ ہو نسب نامہ بسلسلہ تذکرہ نواب الہداد خان صوفی ، تیسرا دور کتاب ہذا ۔

۲ ۔ اس علمی و صوفی خاندان کے فارسی شعراء کے تذکرے مقالات الشعراء اور تکملہ مقالات الشعراء میں موجود ہیں ۔ بعض کے کلیات اور دواوین بھی شائع ہو چکے ہیں ۔ ان میں سے چند کی اردو خدمات کا ذکر دور بہ دور ، زیر نظر کتاب میں کیا گیا ہے ۔

۳ ۔ تکملہ ، ص ۴۵۵ ۔

Marfat.com

نظر علی خان کی عربی، و فارسی و اردو تعلیم ، علمی و اخلاقی ماحول میں ہوئی ۔ یہ وہ زمانہ تھا جب سندھ پر برطانیہ کی حکومت قائم ہو چکی تھی ۔ انگریزوں کے زیر اقتدار محکمہ آبپاشی میں ملازمت اختیار کی ۔ اس عرصہ میں ان کا قیام قصبہ بدین میں تھا ۔ درگاہ لواری شریف کے بزرگان دین کی صحبتوں سے فیضیاب ہوئے ۔ اللہ والوں سے عقیدت ، طبیعت کی سادگی و مسکینی کی بنا پر ملازمت جاری نہ رکھ سکے ۔ استعفا دے کر اپنے وطن تاجپور آ گئے ۔

حصول علم نے انھیں بے چین رکھا جس کی پیاس بجھانے کی خاطر دور دور کا سفر کیا ۔ پہلے راولپنڈی گئے ، رنگون میں قیام کیا وہاں دینی تعلیم کی تکمیل کی ، عبداللہ کے نام سے مشہور ہوئے ۔ ظاہری لوازمات پر باطنی کیفیات کو اہمیت دی ۔ علمی و روحانی زندگی کو اپنایا ۔ حلقۂ ارادت میں اضافہ ہوا ۔ رسم دستار بندی کے بعد عازم حج ہوئے ۔ حج بیت اللہ سے مشرف ہونے کے بعد رنگون واپس ہوئے ۔ کچھ عرصہ کے بعد دوبارہ حرمین شریفین تشریف لے گئے ۔ دوسری بار گئے تو وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی ۔ ۱۳۳۰ ھجری میں دیار حبیب کے زیر رحمت خاک مدینہ سے پیوست ہوئے ۔

فقیر نظر علی صاف اور سلیس اردو لکھتے تھے ۔ اکثر خط و کتابت اردو میں کیا کرتے تھے ۔ مدینہ منورہ میں سکونت کے دوران انھوں نے اپنے عزیزوں اور عقیدتمندوں کو خطوط فارسی یا اردو میں لکھے ۔ اردو میں ایک مکتوب میں لکھتے ہیں :

''میں اب پیر سن ہو گیا ہوں اور میری سکونت مدینہ شریف میں ہے'' ۔

فقیر نظر علی سندھی ، فارسی اور اردو میں شعر کہتے تھے ۔ ان زبانوں میں ان کا کلام موجود ہے ۔ اردو نثر میں خط لکھنے کے علاوہ اردو میں منظوم خطوط بھی لکھا کرتے تھے ۔ ان کے کلام کا بڑا حصہ تلف ہو چکا ہے ۔ ان کے ایک مکتوب منظوم سے یہ چند اشعار نقل کیے جاتے ہیں :

Marfat.com

فتح خیبر کیا لاریب جس نے
پہلوان وہ علی حیدر دکھا دے
دکھا ہمشیرہ زادہ تینوں مجھ کو
اور ان کی آبرو بہتر دکھا دے[1]

---

۱ - نواب نظر علی خان کی کہانی ان کے بھتیجے نواب عرض محمد خان (ولادت ۱۳۱۰ھ) کی زبانی بروایت ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ -

Marfat.com

میر عبدالحسین سانگی

(۱۲٦۷ - ۱۳۴۳ھ/1851 - ۱۹۲۴ء)

خانوادہ حکمران تالپور کے آخری شہزادہ شاعر و ادیب میر عبدالحسین خان سانگی سندھ کی آزاد حکومت کے آخری فرمانروا میر محمد نصیر خان[1] جعفری کے پوتے اور میر عباس علی خان کے صاحبزادے

---

۱ - میر محمد نصیر خان جعفری (۱۲۱۹ - ۱۲٦۱ھ) بن مراد علی خان والی سندھ ۱۸۴۳ء میں انگریزوں کے سندھ پر تسلط کے بعد ۱۷ فروری ۱۸۴۳ء میں گرفتار کیے گئے - پہلے بمبئی پونہ اور ساسور میں مقید رہے اور آخر میں کلکتہ میں محبوس رہے جہاں ۷ ربیع الثانی ۱۲٦۱ھ میں قید حیات سے نجات پائی - قید فرنگ کے آلام و مصائب کا حال اپنے سفر نامہ منظوم میں رقم کیا ہے -

ز "ساسور" اول "بہ پونہ" شدیم دو روز و دو شب نیز آنجا بدیم

سہ روزہ دگر بود آنجا مقام گرفتار از غم بہر صبح و شام

دو ہفتہ چو کشتی بہ پیمودہ راہ بیاید شتابان بوقت پگاہ

بر شہر کلکتہ آمد ز راہ نمودند لنگر دران جائگاہ

میر صاحب فارسی اور اردو میں شعر کہتے تھے اور جعفری تخلص کرتے تھے - بقول ڈاکٹر نبی بخش بلوچ "جعفری علم و ادب کے مربی اور شعر و سخن کے بڑے قدردان تھے"[2] تکملہ مقالات الشعراء میں ان کا تذکرہ اور نمونہ کلام شامل ہیں - حسب ذیل تصانیف[3] ان کی علمی و ادبی خدمات کی مظہر ہیں - (۱) دیوان فارسی (۱۲۳۳ھ) (۲) سفرنامہ جعفری (۱۲٦۰ھ) (۳) مثنوی احوال سفر حیدرآباد تا بمبئی (۴) مثنوی احوال سفر کلکتہ (۵) مثنوی مرزا و

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

Marfat.com

تھے ۔ یہ خاندان برطانیہ کے ابتدائی عہد حکومت میں عرصے تک کلکتہ میں نظر بند رہا ۔ اس زمانے میں یعنی ۱۸۵۱ء مطابق ۱۲۶۷ھ میں بمقام کلکتہ (مغربی بنگال) سانگی کی ولادت ہوئی ۔ ان کی والدہ ایک انگریز خاتون تھیں[1] ۔ ۱۸۶۲ء میں جب سانگی کی عمر بارہ سال کی تھی اپنے چچا ہز ہائنس میر حسین علی خان اور دیگر اہل خانہ کے ہمراہ رہا ہو کر اپنے دیس حیدرآباد سندھ واپس آئے ۔[2] اس کلکتے کو وہ کبھی نہ بھول سکے جس کو اکبر[3] ، داغ[4] اور غالب[5] ہمیشہ یاد کرتے تھے ۔ غالب کا تعلق کلکتے سے اس قدر تھا کہ جب کلکتہ یاد آتا بے اختیار تڑپ اٹھتے ۔

کلکتے کا جو ذکر کیا تو نے ہم نشین
اک تیر میرے سینے میں مارا کہ ہائے ہائے

اور سانگی کے دل کا یہ حال تھا :

پیا رج پرت جو پیالو الایا ایھا الساق
اسانجھو ملک بنگالو[6] الایا ایھا الساق

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

صاحبان (۶) مثنوی مختار نامہ (۱۲۷۱ھ) (۷) مکاتیب جعفری مرتبہ میر حسن علی خان بن جعفری (۸) دیوان جعفری اردو (۱۲۶۱ھ) ۔

۱ ۔ تذکرہ لطفی جلد دوم ص ۵۵ ۔

۲ ۔ سندھ میں اردو شاعری ، ص ۸۳ ۔

۳ ۔ تکملہ مقالات الشعراء تذکرہ جعفری ۔

۱ ۔ حاشیہ تکملہ مقالات الشعراء ، ص ۳۸۳ ۔

۲ ۔ مضمون عبدالحسین سانگی'' از اللہ بخش نظامانی ، ماہنامہ نئی زندگی (سندھی) جنوری ، ۱۹۶۵ء ۔

۳ ۔ مقالہ ''اکبر الہ آبادی اور کلکتہ'' از وفا راشدی ، مطبوعہ ماہنامہ نگار کراچی ، اکبر الہ آبادی نمبر ، ۱۹۶۹ء ۔

۴ ۔ ملاحظہ ہو مثنوی فریاد داغ ، مرتبہ تمکین کاظمی ۔ مقالہ داغ اور کلکتہ ''از وفا راشدی مطبوعہ ماہنامہ قومی زبان کراچی ، ۱۹۷۹ء ۔

۵ ۔ مقالہ ''غالب اور کلکتہ'' از وفا راشدی ، مطبوعہ سہ ماہی اردو نامہ ، کراچی اکتوبر ، ۱۹۷۲ء ۔

Marfat.com

سانگی کی بقیہ زندگی وادی مہران کے تاریخی شہر حیدرآباد میں گزری ۔ اوائل عمر میں سانگی کے والد کا انتقال ہو گیا تو ان کے چچا میر حسن علی خان کے زیر نگرانی ان کی پرورش اور تعلیم و تربیت ہوئی ۔ کلکتہ میں ابتدائی تعلیم سید میرزا حسن علی المعروف بہ میرزا بزرگ وفا بن سید میر علی المعروف بہ ''مومن قلم'' سے حاصل کی ۔ حیدرآباد میں آخوند احمد بن آخوند عبدالعلیم ہالائی کے پاس تکمیل کی ۔ پھر اعلیٰ تعلیم سے آراستہ ہونے کے بعد فرسٹ کلاس اسپیشل مجسٹریٹ کے عہدہ جلیلہ پر فائز رہے ۔ ریٹائر ہونے کے بعد سرکار برطانیہ سے بارہ سو روپے ماہوار بطور وظیفہ ملتے تھے ۔

میر سانگی نے ۱۹۲۴ء یعنی ۱۳۴۳ھ میں اس دار فانی سے رحلت کی ۔ روضہ حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی کے جوار میں ان کی ابدی آرام گاہ ہے[1] ۔

سانگی اردو اور فارسی شعر میں اپنا نام عبدالحسین اور سندھی شعر میں اپنا تخلص سانگی لکھتے تھے ۔ اردو اور فارسی میں مولانا ابوالحسن بن مولانا مہدی حسن لکھنوی سے مشورہ سخن کیا ۔ سندھی میں سید غلام محمد شاہ گدا سے استفادہ کیا ۔ گدا سے اردو کلام پر بھی اصلاحیں لیں ۔ گدا کی ہمہ جہت شخصیت اور ان کی استادانہ حیثیت کے بہت معترف و مداح تھے ۔ گدا سے بے انتہا عقیدت رکھتے تھے اور ان کی بے پناہ عزت و احترام کرتے تھے ۔ انھیں گدا کے ہم محفل و ہم نشیں اور شاگرد ہونے پر فخر تھا ۔

رہ گیا ہوگا جو مضموں کوئی مجھ سے مخفی
برملا اس کو یقیں شاہ گدا کر دے گا

———

استاد سخن آہی گدا شاعر یکتا
بے مثل جو آہی شہہ اقلیم سخن کا

---

۱ ۔ راقم کو حضرت شاہ لطیف اور میر سانگی کے مزارات پر انوار کی زیارت کا شرف حاصل ہے ۔

Marfat.com

سانگی کو علم موسیقی سے بھی شغف تھا ۔ شاہ لطیف کی طرح ان کے اکثر اشعار موسیقی و شعریت کا حسین امتزاج ہیں ۔ شاہ لطیف کی زندگی اور فیضان کو انھوں نے اپنے لیے مشعل راہ بنایا اور ان کے افکار عالیہ سے متاثر ہو کر شعر کہے ۔ شاہ صاحب کو میر صاحب اپنا روحانی مرشد تصور کرتے تھے ۔ اپنی والہانہ عقیدت کا اظہار اس انداز میں کیا ہے ۔

لطف لطیف شامل حالم اگر نہ ہو
تو شاہراہ عشق میں میرا گزر نہ ہو

سانگی امیر زادے تھے ان کے رہن سہن اور رکھ رکھاؤ سے بیشک امیرانہ وضعداری عیاں تھی لیکن اخلاق و کردار ، اخلاص و مسرت اور سادگی و بلند نفسی کے لحاظ سے ایک درویش صفت انسان تھے ۔ مزاج میں فقیری اور طبیعت میں انکساری ان کی شخصیت کی نمایاں خصوصیت تھی ۔ درویشوں اور فقیروں کی صحبتوں میں بہت خوش رہتے ۔ ذہنی طور پر متوسط طبقے اور غریب عوام سے بہت قریب تھے ۔ ان کی شاعری کا ایک حصہ عوامی زندگی کا عکاس ہے ۔ مناظر قدرت اور دلفریبی کائنات کی نقاشی بھی کی ۔ حالات و سماج کے کوائف کا جائزہ بھی لیا ۔ غم جاناں کے ساتھ ساتھ غم دوران کی تصویریں بھی پیش کیں ۔ غرض کہ ان کے افکار جمیل حیات انسانی اور ذہنی ارتقاء کے بہت سے اہم پہلوؤں پر محیط ہیں ۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں ۔

جو دل کے آئنے کو بے غبار رکھتے ہیں
وہ ساری خلق خدا سے بھی پیار رکھتے ہیں

جہاں میں اہل جہاں بے شمار رہتے ہیں
مگر وہ کم ہیں جو یاروں کے یار رہتے ہیں
غریب ملک عدم کو اگر ہیں جاتے تو کیا
ہمیشہ دہر میں کب مال دار رہتے ہیں

سندھی زبان تو سانگی کے آبا و اجداد کی زبان تھی ۔ انھیں عربی فارسی اور اردو زبانوں میں کامل دستگاہ تھی ۔ انگریزی زبان سے بھی

Marfat.com

بخوبی واقف تھے۔ سانگی کے ایک فاضل ہمعصر تذکرہ نگار مخدوم محمد ابراہیم خلیل ٹھٹھوی نے تکملہ مقالات الشعراء میں ان کی یہ اردو غزل نقل کی ہے جسے سانگی نے خود انھیں پیش کی تھی۔ "فقیر ایک غزل ہندی از ایشان بدست رسید مینویسم"[1]۔

جو شب کو آنے کا دلبر نے مجھ سے روغ کیا
میں سمجھا سچ ہے مگر اس نے تو دروغ کیا
کیا جو اس بت کافر نے جلوہ برسر عام
سراج خانہ طارم کو بے فروغ کیا
جلایا شعلہ رخسار گل نے دامن سرو
خیال قامت جاناں نے اس کو طوغ کیا
جو زہر ہاتھ سے دلبر کے مل گیا مجھ کو
پیا جو اس کو تو معلوم مثل دوغ کیا
چمک میں اس کے تو اندھا بھی دیکھ سکتا ہے
زیادہ مہر سے بے مہر نے فروغ کیا
فقیر سلسلہ اپنا رہا ہے "عبد حسین"
کبھی نہ خواہش جاہ و نشان و طوغ کیا

میر سانگی سندھ کے وہ باکمال سخنور ہیں جنھوں نے سندھی ادب کو قدیم رجحانات، پرانے خیالات اور فرسودہ مضامین کے بجائے جدید رجحانات، اچھوتے خیالات نئے نئے موضوعات عطا کیے۔ بات کا ایک انداز پیدا کیا۔ فارسی عروض کے اصول پر بحر و وزن کی پابندی کے ساتھ اردو نظمیں اور غزلیں کہیں۔ انھوں نے قدیم اساتذہ سخن سے بھی استفادہ کیا۔ روایات کو برقرار رکھتے ہوئے جدت طرازی سے بھی کام لیا اور پیر حسام الدین راشدی کے الفاظ میں "سندھی غزل میں ان سے بہتر کوئی شاعر نہیں گزرا"[2]۔ بالخصوص سندھی ادب کو نہ صرف اردو

---

۱ - تکملہ، ص ۳۸۳ -

۲ - سندھی ادب، ص ۹۵ -

Marfat.com

فارسی بلکہ انگریزی کے بھی لاتعداد الفاظ دیے۔ انگریزی کے عام اور ہلکے پھلکے الفاظ کو جس خوبی سے اپنے کلام میں استعمال کیا وہ ان کی غیر معمولی ذہانت ، فطری صلاحیت اور افتاد طبع کی دلیل ہے۔ ان کے کلام میں موج سخن ، فصل گل ، لطف گل ، سرخ رخسار ، داغ لالہ ، زلف سنبل وغیرہ جیسے الفاظ کثرت سے استعمال ہوئے ہیں۔ علاوہ بریں فارسی تراکیب ، اصطلاحات ، استعارات ، تشبیہات ، محاورات کے تجربے سندھی و اردو اشعار میں بھی اس بے ساختگی کے ساتھ کیے گئے ہیں کہ ان میں قند پارسی کا لطف پیدا ہو گیا ہے اور یہ ایک سندھی شاعر کا بڑا کارنامہ ہے۔ غرض کہ ان کا دامن فکر گلہائے رنگا رنگ سے گلستان سدا بہار بنا ہوا ہے۔ سانگی نے حیدرآباد میں سندھی مشاعروں کا سلسلہ جاری کیا اور اس طرح ان کا زمانہ سندھی اور اردو دونوں زبانوں کے شعر و ادب کے لیے بڑا مبارک زمانہ ثابت ہوا۔

سانگی کا دیوان ایسے اشعار سے بھرا پڑا ہے جس میں حسن و عشق کے گہرے نقوش ثبت ہیں۔ رنگ تغزل کے حسین و رنگین اشعار بھی ہیں۔ کلام میں پختگی ، برجستگی اور صفائی ہے۔

دندان و لب کی یاد میں رویا ہوں عمر بھر
کیوں اشک میری چشم کا لعل و گہر نہ ہو

پروانہ وار جلنے کی پروا نہیں مجھے
پروانہ ، شمع روکو مری جب خبر نہ ہو

گر تجھے قدر نہیں ؟ لیک زمانے میں یقیں
یاد رہ جاوے مری مہر و وفا میرے بعد

بہ لطف پیر مغاں مے پرست کامل ہیں
پری کو شیشے میں یکدم اتار رکھتے ہیں

"سیف ابرو" انہوں کی ہے جو کہاں
تیر مژگاں نہیں کٹارے ہیں

ان کی بعض غزلیں سہل ممتنع کا عمدہ نمونہ ہیں :

Marfat.com

مصرعہ غیر ہو گیا دلچسپ
حسن تیرا عجب سہانا ہے
ہے جہاں ساقی و مے و مطرب
اپنا زاہد وہاں ٹھکانا ہے
عمر گزری ہے سیری یار عبث
غم ہجراں میں بے قرار عبث
گل بدن سے ہوا نہ اپنا وصال
رہ گیا دل میں، خار خار عبث
اب ہیں چالیس دو برس گزرے
تب جوانی کا انتظار عبث
ہوں میں عبدالحسین اے زاہد
مجھے دیتا ہے خوف نار عبث

اس میں کوئی شک نہیں کہ عبدالحسین کا اردو کلام اس پائے کا نہیں جس پائے کا سندھی کلام ہے سارا کلام فنی عیوب سے پاک نہیں ہے۔ متروک الفاظ کثرت سے مستعمل ہیں۔ بعض مقامات پر سندھی لہجہ کی کارفرمائی ہے۔ شاعری میں اغراق، غلو اور تجاہل عارفانہ جیسی صفات فن عروض کے محاسن میں سے ہیں لیکن ابتذال ابہام، اسقام وغیرہ محاسن شعری کی ضد ہیں۔ ان کی اردو غزلوں میں، جو کہ، سیف ابرو، انھوں کی، جیسے الفاظ سے وجدان کو ٹھیس پہنچتی ہے۔ اگر ایسے اشعار ان کے دیوان میں شامل نہ ہوتے تو کوئی مضائقہ نہ تھا۔ یہ بہرحال لائق ستائش ہے کہ ان کی زبان صاف اور اسلوب سادہ ہے کہیں کہیں الفاظ کی بندش، بیان کی برجستگی و بے تکلفی اور انداز خیال قابل داد ہے اور یہ ایک سندھی نژاد شاعر کے لیے بہت بڑی بات ہے۔ اب ''دیوان سانگی'' سے کلام سانگی کا ایک اجمالی انتخاب نذر قارئین ہے۔

عشق بازوں کا ہوا خاتمہ بالخیر ابھی
عالم الغیب سے آوے گی ندا میرے بعد
عبدالحسین تیغ زباں بر سر عدو
اک وار ایسا مار جو پھر باخبر نہ ہو
اشک سے جس کے ہووے آب گلاب
یاں مرے گل کا وہ پسینا ہے
کف رنگین یار نازک سے
نہیں ممنوع مے کا پینا ہے
پیر مغاں کے لطف و عنایات دیکھ کر
مسجد سے اٹھ کے ساکن بت خانہ بن گئے

Marfat.com

دو کالے سانپ یار کے لب زہردار ہیں
مشاطہ کچھ سنبھال کے زلفیں سنواریئے
اب ہے عبدالحسین وقت نشاط
کوئے جاناں میں آج جانا ہے
مشہور اپنا نام تو مستانہ ہو گیا
اپنے جنوں کا خلق میں افسانہ ہو گیا
لے کے عبدالحسین کا کل یار
اپنی گردن میں آپ ڈالا سانپ
شمع کے نور سے پگھلتے ہیں
اپنی آتش میں آپ جلتے ہیں
مل کہیں جاوے کوئی صاحب دل
اسی امید پر ہی چلتے ہیں
حسن روز افزوں کو تیرے دیکھ کر اے مہ لقا
ہے خیال یار میں آئینہ حیراں آجکل
دہر میں عبدالحسین ہر طرح کے کھیلے شکار
اب نہ کچھ باقی رہا ہے دل میں ارماں آجکل

میر عبدالحسین سانگی کی کافیاں مجموعی شکل میں ''سوز سانگی'' کے نام سے منظر عام پر آ چکی ہیں ۔ ان کا پہلا دیوان دو حصوں میں ۱۹۰۴ء میں اشاعت پذیر ہوا جو کافیوں ، غزلوں اور قصیدوں پر حاوی ہے - ۱۹۵۲ء میں مسلم ادبی پریس حیدرآباد (سندھ) نے ان کا دوسرا دیوان دو جلدوں میں شائع کیا جو ''دیوان سانگی''[1] کے نام سے موسوم ہے - اس دیوان میں بھی سندھی کے علاوہ فارسی اور اردو کلام شامل ہے - یہ سارا کلام مختلف اصناف سخن پر مشتمل ہے ۔ دیوان کے پہلے حصے میں ایک مبسوط دیباچہ سندھی زبان میں شامل ہے ۔ اس دیباچے کے شروع میں سانگی کے مختصر حالات زندگی درج ہیں پھر ان کی سندھی شاعری کے

---

۱ - دیوان سانگی کا ایک نسخہ راقم الحروف کے نجی کتب خانہ میں موجود ہے --

Marfat.com

مختلف پہلوؤں پر بالتفصیل بحث کی گئی ہے لیکن ان کی اردو شاعری کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی ۔ اس دیوان میں فارسی زبان میں ان کا خلاصہ کلام ملتا ہے ۔ اردو اور فارسی کلام کافی جاندار اور زور دار ہے۔ اس کی افادیت کو کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ۔ سانگی کے فارسی دیوان کا ایک مخطوطہ ان کے ایک عزیز احمد شیخ کے نجی کتب خانہ زیب ادبی مرکز حیدرآباد سندھ میں راقم کی نظر سے گزرا ہے ۔ ڈاکٹر نبی بخش بلوچ نے سانگی کی کلیات مرتب کی ہے اور اسے سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد کے تحت شائع فرما کر سندھی اور اردو کی بڑی گرانقدر خدمت انجام دی ہے ۔

علاوہ ازیں کلام سانگی کے دیگر مجموعے یہ ہیں :

(۱) یک جنگ ۔ فارسی اردو سندھی کلام پر مشتمل ہے ۔

(۲) مثنوی فارسی ۔

(۳) دیوان مراثی خطی (فارسی) ۔

(۴) قصہ گل و رنگ اندام (سندھی) مطبوعہ ۱۹۰۴ء

(۵) لطائف لطیفی (مطبوعہ ۱۹۶۷ء) ۔ سانگی کی فارسی نثر نگاری کا اعلیٰ نمونہ ہے ۔ حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی کی زندگی ، شخصیت ، فن ، شاعری سے متعلق پہلی جامع و مستند کتاب ہے یہ کتاب شاہ پر کام کرنے والوں کے لیے بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے ۔

Marfat.com

مرزا قلیج بیگ قلیج

(۱۲۷۰ - ۱۳۴۸ھ/۱۸۵۳ - ۱۹۲۹ء)

شمس العلماء مرزا قلیج بیگ سندھ کے نامور عالم، ادیب، شاعر، مصنف، مؤرخ، نقاد، محقق، افسانہ نگار اور ڈرامہ نویس تھے۔ وہ مرزا فریدون بیگ کے فرزند ارجمند تھے جو فرمانروائے تالپور میر کرم علی خان کے عہد حکومت میں گرجستان سے ہجرت کر کے سرزمین سندھ میں آباد ہو گئے تھے۔[1]

۱۸۴۳ء میں جنگ میانی میں انگریزوں کے ہاتھوں شکست کے بعد خاندان تالپور کے افراد کو گرفتار کر کے بمبئی اور کلکتے میں نظربند کر دیا گیا۔ انھیں پرآشوب ایام میں مرزا فریدون بیگ نے شاہی محل سے نکل کر حیدرآباد کی ایک نواحی بستی ''ٹنڈو ٹھورو''[2] میں سکونت اختیار کر لی۔ مرزا قلیج بیگ نے ۴ اکتوبر ۱۸۵۳ء (۱۲۷۰ھ) میں اسی پھلیلی کی وادی میں اپنے خورشید حیات کی پہلی کرنیں دیکھیں۔

مرزا قلیج بیگ اوائل عمر سے طباع، ذہین و ذکی تھے۔ قرآن مجید اور دینیات کی ابتدائی تعلیم محلے کے مدرسے میں مولوی آخوند شفیع محمد سے حاصل کی۔ قاضی حاجی احمد مٹیار بن متعلوی نے عربی و فارسی کی تعلیم دی۔ اینگلو ورنیکولر اسکول میں پرائمری تعلیم کے بعد گورنمنٹ ہائی اسکول حیدرآباد سے میٹرک فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا۔ اسی اسکول سے ان کو میرٹ کی بنیاد پر ''ایلس پرائز'' ملا۔ بمبئی کی مشہور درسگاہ

۱۔ مضمون ''حالات مرزا قلیج'' از مولانا عبدالواحد سندھی، ماہنامہ ماہ نو کراچی، فروری ۱۹۵۱ء۔

۲۔ ٹنڈو ٹھورو حیدرآباد شہر کی مشرق جانب پھلیلی نامی پر فضا علاقے میں واقع ہے۔

Marfat.com

الفنسٹن کالج سے بی ۔ اے کیا ۔ مسٹر لکشمن وشنو موھو اور مخدوم مکی جیسے لائق اساتذہ نے قلیج بیگ کی تعلیم و تربیت میں دلچسپی لی ۔ پروفیسر مرزا حیرت نے اس لڑکے کو جوہر قابل دیکھ کر ان کے کیریر پر خاص توجہ دی ۔ انھیں کی سفارش پر قلیج کو ''فیلو شپ'' کا اعزاز بھی عطا ہوا ۔[1]

میٹرک میں تھے کہ والد مکرم کا سایہ سر سے اٹھ گیا ۔ بی ۔ اے کیا طالب علمی کے دوران ۱۸۷۶ء میں والدہ ماجدہ کی ممتا سے محروم ہوگئے ۔ فکر معاش نے متفکر کیا ، تحصیلداری کے امتحان میں امتیازی کامیابی حاصل کرنے کے بعد شکار پور[2] کے تحصیلدار مقرر ہوئے ۔ دیانت داری ، حسن کارکردگی اور بھرپور انتظامی صلاحیتوں کی بدولت ترقی کر کے ڈپٹی کلکٹر کے اعلیٰ عہدے پر فائز ہوئے ۔ تیس برس کی ملازمت کے بعد ۱۹۰۹ء میں ۵۵ سال کی عمر میں پنشن لی ۔

حکومت برطانیہ نے مرزا صاحب کی علمی و ادبی خدمات کے اعتراف میں انھیں ۱۹۲۴ء میں ''شمس العلماء'' کا خطاب تفویض کیا ۔ فرمانروائے ہند کی جانب سے ''قیصر ہند'' کا طلائی تمغہ عطا ہوا ۔ اہل سندھ نے ''محسن زبان سندھی'' اور وفات کے بعد اخبارات و رسائل نے ''سعدی سندھ'' ''بابائے سندھ'' کے القابات سے نوازا ۔

مرزا صاحب نے دو شادیاں کیں ۔ پہلی شادی ۱۸۸۸ء میں سردار بہادر شیخ محمد اسماعیل کی دختر نیک اختر سے ہوئی جو ۱۹۰۴ء میں جنت الفردوس کو سدھاریں ۔ مرزا صاحب نے یہ تاریخ وفات کہی ۔

از سال وفات او نمودم چو سوال
ہاتف بجواب گفت ، ذی عصمت بود

۱۳۲۲ھ

دوسری شادی مرزا قزلباش بیگ کی صاحبزادی سے ہوئی ، ۱۹۰۸ء

---

۱ ۔ مقالہ مرزا قلیج بیگ از محمد ابراہیم جویو ، ماہنامہ نئی زندگی (سندھی) کراچی ، ستمبر ۱۹۶۴ء ۔

۲ ۔ ان دنوں صوبہ سندھ کراچی حیدرآباد اور شکارپور تین ضلعوں پر مشتمل تھا ۔

Marfat.com

میں وہ بھی داغ مفارقت دے گئیں ۔ رفقائے حیات کے پیہم صدمات سے مرزا صاحب کی صحت روز بروز گرتی گئی ۔ کامیاب زندگی گزارنے کے باوجود زندگی سے مایوس ہو گئے ۔ یہاں تک کہ بیس سال پیشتر اپنی قبر اور کفن کا انتظام کر لیا تھا ۔ اپنی تاریخ وفات بھی کہہ ڈالی تھی ۔

عمرم بہ ہمین سال چو ہفتاد شد و ہفت
آمد ملک الموت ز درگاہ حق آخر
از فرط مسرت زدم آہے و بہ مردم
در عالم ارواح رسیدم دم دیگر
تاریخ وفاتم چون دلم خواستہ از غیب
ہاتف ز کرم کرد ندا لخت موقر

۱۳۴۸ھ

سفر حیات کی ۶۷ ویں منزل پر پہنچ کر ۳ جولائی ۱۹۲۹ء کو اپنے ان گنت پرستاروں کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر اپنے معبود حقیقی سے جا ملے ۔ مرحوم کے ایک عزیز دوست نے ہجری میں یہ تاریخ وفات نکالی ۔

گشت ز ذہن و ذکا آخر نصیب
سال رحلش بگو شاغل ادیب

۱۳۴۸ھ

اور سنہ عیسوی میں یہ مصرعہ :

• ہم دگر گوشد ابد شمس غروب

۱۹۲۹ء

مرزا صاحب کے نجی کتب خانہ میں مختلف موضوعات سے متعلق قدیم و جدید کتب کا خاصا ذخیرہ موجود ہے ۔ متعدد علوم و فنون کے نوادرات بھی ہیں ۔ خود مرزا صاحب کے قلم سے لکھے ہوئے کئی سو مسودات محفوظ ہیں ۔ ان مخطوطات کو انھوں نے ''ابکار الافکار'' کے تحت ترتیب دیا تھا جن میں غالب ، ظفر ، ذوق ، داغ ، میر ، مومن ، آتش اور دیگر اساتذہ سخن و شعرائے اردو کے شعری انتخابات شامل ہیں ۔ شعبہ انگریزی کو ''جیمس'' کا نام دیا گیا ہے ۔ مرزا صاحب کے بڑے

Marfat.com

صاحبزادے مرزا اجمل بیگ اور منجھلے فرزند مرزا اسد بیگ اس اہم لائبریری کے مہتمم و نگران ہیں ۔[1]

ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ مرزا قلیج بیگ کی تصنیفات و تالیفات سے متعلق رقمطراز ہیں :

''قلیج بیگ تین سو سے زائد کتابوں کے مصنف، مترجم اور مولف ہیں ۔ ڈراما ، ناول ، مقالات ، تاریخ ، لغت ، فلسفہ تعلیم ، سائنس طب ، تصوف ، سوانح غرض کہ ہر موضوع پر قلم اٹھایا اور اکثر علوم پر کتابیں مرتب کر کے تعلیمی ضرورت کو پورا کیا''[2] ۔

ڈاکٹر پروفیسر میمن عبدالمجید سندھی تحریر فرماتے ہیں :

''مختلف علوم و فنون پر آپ نے چار سو سے زیادہ کتابیں تصنیف و تالیف کیں ۔ تاریخ اخلاق ، نباتات ، صرف و نحو ، علم عروض، علم صنائع و بدائع ، علم قوافی ، فلسفہ ، تصوف ، مذہب ، ادب ، ناول ، قصہ ، مثنوی ، رباعی ، ناٹک ، فلسفۂ اللسان ، تعلیم نسواں غرض ہر علمی اور سماجی ضرورت پر مرزا صاحب کی تصنیف یا تالیف موجود ہے''[3] ۔

کتب خانہ قلیج سے استفادہ اور ان کے فرزندوں سے رابطے کے بعد راقم السطور نے مرزا صاحب کی مطبوعہ و غیر مطبوعہ تصنیفات و تالیفات کے بارے میں جو معلومات حاصل کی ہیں ان کی روشنی میں جملہ کتب کی تعداد چار سو ستاون ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے ۔

---

۱ ۔ راقم کو برادر ڈاکٹر شیخ محمد اسماعیل خلف اکبر تاج الشعراء ڈاکٹر شیخ محمد ابراہیم کی معیت میں کتب خانہ قلیج ، بمقام ٹنڈو ٹھورو ، حیدرآباد سے استفادہ کا شرف حاصل ہے ۔

۲ ۔ سندھ میں شاعری ، ص ۲۵۵ - ۲۵٦ ۔

۳ ۔ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند ، تیرھویں جلد ، ص ٦۰۹ - ٦۱۰ ۔

Marfat.com

مرزا صاحب مندرجہ ذیل زبانوں کے علاوہ ترکی اور پشتو سے بھی واقف تھے لیکن ان زبانوں میں ان کی کوئی تحریر دستیاب نہیں۔

(۱) سندھی کتابیں۔	۳۸۵
(۲) انگریزی	۳۱
(۳) فارسی	۲۲
(۴) عربی	۳
(۵) بلوچی	۱
(۶) اردو	۵
کل تعداد	۴۵۷

رشید فرزانہ پور ڈائرکٹر فرہنگ ایران لاہور نے اپنے ایک فارسی مقالے[۱] میں مرزا صاحب کی کتابوں سے متعلق یہی تفصیلات درج کی ہیں۔

ارباب[۲] ریاست خیرپور نے مرزا قلیچ بیگ کے شایان شان قدر افزائی کی[۳]۔ ان کی فرمائش پر مرزا صاحب نے متعدد کتابیں اخلاقیات اور تعلیم

۱۔ اس مقالہ کا سندھی ترجمہ ماہنامہ نئی زندگی، کراچی، مئی ۱۹۷۵ء میں راقم کی نظر سے گزر چکا ہے۔

۲۔ مضمون مرزا قلیچ بیگ اور ریاست خیرپور محمد علی حداد مطبوعہ ماہنامہ نئی زندگی کراچی، جولائی ۱۹۷۲ء۔

۳۔ ۱۹۰۷ء میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا اکیسواں اجلاس سندھ مدرسۃ الاسلام کراچی میں منعقد ہوا۔ تیرہ سو کے قریب مہمان سردار محمد یعقوب وزیر ریاست خیرپور کی دعوت پر آئے جن میں علاوہ تمام صوبوں کے حیدرآباد دکن، میسور، رنگون، اور برما تک کے نمائندے شامل تھے۔ آنریبل شیخ صادق علی نے کانفرنس کے فنڈ میں پانچ ہزار روپے دینے کا اعلان کیا۔ تین ہزار ہزہائنس میر خیرپور کی جانب سے اور دو ہزار روپے زمینداران[۱]

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

Marfat.com

کے موضوع پر اردو اور سندھی میں لکھیں اور ریاست خیرپور کے نصاب میں شامل ہوئیں۔ چند کے نام یہ ہیں۔

(۱) جواہرالاخلاق ۱۹۱۵ء

(۲) اخلاق القرآن و حدیث ۱۹۱۵ء

(۳) فرائض انسانی ۱۹۱۵ء

(۴) ضمان الفردوس ۱۹۱۵ء

(۵) حقائق الارواح ۱۹۱۷ء

(۶) ریاست خیر پور ۱۹۲۴ء

(مقالہ ارباب خیر پور کی علمی و ادبی خدمات از وفا راشدی ماہنامہ پیغام کراچی، جون ۱۹۷۶ء میں ان کتابوں کی تفصیلات درج ہیں)۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

سندھ کی جانب سے عطا کیے گئے تھے مولانا الطاف حسین حالی نے صدارت فرمائی اور دو بڑی ہی ولولہ انگیز نظمیں پڑھیں۔ مرزا قلیج بیگ نے بھی ارباب خیرپور کی جانب سے اکیس اشعار کا ایک استقبالیہ فارسی قصیدہ پڑھا جس کے چند اشعاز یہ ہیں:

مرحبا اے صاحبان ہند ذوالعز و وقار
مرحبا اے اہل علم و عقل و حکم و اختیار
شد ز تشریف شما ہم سندھ را حاصل شرف
شد ز تشریف شما ما سندیان را افتخار
ماندہ در علم و ہنر پس تر ز دیگر خطہ ہا
آمدہ در سیم و زر مفلس ترین از ہر دیار
طاقت خدمت گزاری کاش اگر می داشتیم
بر شما بے شک ہمہ کردیم گوہرہا نثار
بیش از این لازم نباشد عرض احوال اے قلیج
سامعان ہم دین و ہمدردند و غمگین، غم گسار

(علیگڑھ تحریک اور قومی نظمیں مولفہ الطاف علی بریلوی، ص ۲۵۸ تا ۲۶۹)۔

Marfat.com

تاریخ اردو ادب مرزا صاحب کی ان اردو تصانیف کے تذکرے کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔

(۱) مخزن القوافی المعروف بہ تحفۃ الشعراء۔ فارسی و عربی الفاظ پر مشتمل ردیف و قوافی۔ مطبوعہ پیسہ اخبار لاہور، ۱۸۹۸ء۔

(۲) سودائے خام۔ حصہ اول فارسی اور سندھی کلام کا مجموعہ ہے۔ مطبوعہ ۱۹۱۲ء۔

(۳) حصہ دوم۔ اردو فارسی و سندھی کلام کا مرقع۔ غیر مطبوعہ۔

(۴) خصائص القرآن۔ اللہ اور قرآن کی باتیں۔ سنہ تالیف ۱۹۲۱ء۔

(۵) ابکار الافکار۔ شعرائے متقدمین، متوسطین و متاخرین کے کلام کا دلآویز انتخاب۔ غیر مطبوعہ۔

مرزا قلیچ بیگ انگریزی، عربی، فارسی، سرائیکی، پنجابی، بروہی، سندھی اور اردو کے شاعر تھے۔ ان کی تحریر و تقریر میں دین اور ایمان اور عرفان و بصیرت کا عنصر غالب ہے۔ تصوف سے انھیں خاص لگاؤ تھا دین حق اور عشق رسول کی پیروی و تبلیغ، آدمیت، خدمت، صداقت، اخوت و اتحاد ان کی زندگی کا نصب العین تھا۔ ان کا اپنا ارشاد ہے۔

ہیں ہم صوفی سب کو بلاتے رہیں گے
اور اک دوسرے سے ملاتے رہیں گے
اخوت، دکھائیں گے اور آدمیت
صفت صلح کل کی بھی گاتے رہیں گے
رہیں گے جس اقوام و ملت میں اس میں
صداقت کا ڈنکا بجاتے رہیں گے
کبھی بت کدے میں کبھی میکدے میں
مغوں کو کھلاتے پلاتے رہیں گے
نہ پائیں گے دیر اور مسجد میں جاتی
تو ہم در کا حلقہ ہلاتے رہیں گے

Marfat.com

سنا کر سبھوں کو فسانہ عجائب
بہ نوبت ہنساتے رلاتے رہیں گے
قلیج ایسے ہمدم ملیں گر تو ان کو
تصوف کے نکتے سناتے رہیں گے

رنگ تصوف کے چند اشعار دیکھیے :

ترے عشق کو میں سدا چاہتا ہوں
محبت تری جا بجا چاہتا ہوں
نہ شاہی وزیری سے مطلب ہے میرا
ترے در پہ ہونا گدا چاہتا ہوں
قلیج اس جہاں میں غرض نہ کسی سے
خدا چاہتا ہوں خدا چاہتا ہوں
فکر نہ خوف[1] ماضی کے گناہوں کا قلیج اتنا
قیامت میں شفاعت کو محمد مصطفیٰ آوے

کلیم اور رب کلیم کا رشتہ کلیمانہ ، اس کے راز و نیاز ، اسرار و رموز کوہ طور کی تجلیوں سے منکشف ہوئے ۔ کلیم ، طور ، موسیٰ ، برق ، تجلی جیسے الفاظ نے غزل کے دامن کو وسعت بخشی ہے ۔ یہ الفاظ کہیں تلمیحات ، کہیں تشبیہات اور کہیں استعارات کی صورتوں میں استعمال ہوئے ہیں ۔ اس قسم کے الفاظ نے صوفیانہ شاعری کو بھی چار چاند لگائے اور رنگ تغزل کو بھی نکھارا ۔ غالب سے لے کر مرزا قلیج تک کے ہر دور کے شعراء کے کلام میں یہ الفاظ نگینے کی طرح جڑے ہوئے نظر آتے ہیں ۔

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب
آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہِ طور کی (غالب)
گرے گی طور پر اک اور بجلی
چمکتا ہے رخ روشن کسی کا (داغ)
خستگی کلیم نے نکتہ عجب سمجھا دیا
ورنہ حریف میں بھی تھا اس مژا دراز کا (وحشت کلکتوی)

---

۱ ۔ نہ فکر و خوف ؟

Marfat.com

جلوہ طور کی آرزو اور دیدار یار کی حدت کی دلکش و دلنواز تصویر سندھ کے مرزا صاحب نے کچھ اس طرح بنائی ہے -

لحظہ اک دیدار سے فارغ کبھی رہتے نہیں
چشم موسیٰ کو تو حسرت رہ گئی دیدار کی

(مرزا قلیج)

مرزا غالب نے اردو نثر اور اردو شاعری میں جن ترقی پسند میلانات کی داغ بیل ڈالی تھی - سندھ میں مرزا قلیج بیگ نے اس تحریک کو آگے بڑھایا - سندھ کے مرزا صاحب دہلی کے مرزا ثانی داغ کے علاوہ اسیر و جلال کے جواں سال ہمعصر تھے - انھوں نے اپنے معاصرین کی خصوصیات شاعری کو پیش نظر رکھا - یہی وجہ ہے کہ ان کی مختلف غزلوں میں مختلف اساتذہ کے رنگ و آہنگ نمایاں ہیں - مرزا صاحب شگفتہ مزاج اور زندہ دل شاعر تھے - ان کے کلام میں بھی ان کی شوخی ، بانکپن اور شگفتگی پوری برجستگی اور رفتگی کے ساتھ نمایاں ہے -

لالہ رخا سمن برا سرو قدا تو کون ہے
سنگدلا ستمگرا ماہوشا تو کون ہے
دیکھتے ہی تجھے مرے عقل و حواس اڑ گئے
صبر و قرار دین و دل جملہ گیا تو کون ہے
تیغ نگہ سے اتنے سجن تو نے کیا جہاں کو قتل
حور ، پری ہے یا ملک ، سچ تو بتا تو کون ہے
جاتی نہیں ہے ذہن سے بو (جو) شراب کی
وہ وہ شراب ، اشک ہے کوثر کے آب کی
بل کھا کے زلف نے لیا اک دل بصد کمند
کہہ کیا سکوں حکایتیں اس پیچ و تاب کی
روئے منیر دیکھ کے حالت بدل گئی
شمع طرب کی ماہ کی اور آفتاب کی
دل ایسا محو ہو گیا صحبت میں یار کے
طاقت رہی نہ مجھ کو سوال و جواب کی

Marfat.com

عالم تھا بیخودی کا عجب کیا کروں بیان
مطلق جہاں سے اٹھ گئی حاجت حجاب کی
جل جل گیا رقیب حسد سے اے دوستو
دیکھو تو شکل اس خرِ خانہ خراب کی
مت خوف کر عذاب قیامت کا اے قلیج
لی ہے پناہ میں نے شہ بوتراب کی

مرزا صاحب نے غالب کی جدت طبع ، جودت فکر ، داغ کے روزمرہ محاورات ، لطف زبان ، امیر مینائی کی رعایت لفظی اور جلال لکھنوی کی جذبات آمیزی سے بطور خاص استفادہ کیا ہے ۔ ان کے شعری مجموعے کا نام ، "سودائے خام" ہے جو ان کے صاحب دل اور سودائی عشق کی غمازی کرتا ہے ۔

داغ کا رنگ انھیں زیادہ پسند تھا ۔ اس رنگ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں :

دیدۂ مست اٹھایا نہ کرو فتنۂ خفتہ جگایا نہ کرو
گالیاں دیتے ہو کیوں اے ظالم بے دلوں کو تو ستایا نہ کرو
خون ہوتا ہے جگر عاشق کا لب کو لالی تو لگایا نہ کرو
خنجر و تیر چلایا جاتا آنکھ سے آنکھ لڑایا نہ کرو
غیرت آتی ہے مجھے بے غایت مردم عام میں جایا نہ کرو

مرزا قلیج بیگ نے رباعی ، قطعہ ، تاریخ ، مرثیہ ، قصیدہ ، مثنوی اور غزل غرض کہ اردو کی ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی ہے ۔ غزل ان کی مخصوص صنف تھی ۔ انھوں نے سندھی غزل کو جدید اسلوب ، نئے خیالات ، نئی زندگی اور نیا حسن عطا کیا ۔ اسی طرح سندھ میں سب سے پہلے انھوں نے اردو غزل کو بھی جدت و ندرت ، صفائی و روانی زبان و بیان کے جواہر سے آراستہ کر کے اردو غزل کو بھی ایک نیا روپ دیا ۔ ان کا نام اور کام بہت نمایاں ہے ۔ ان کی غزل میں حسن و شباب کی رعنائیاں و رنگینیاں بھی ہیں اور عشق و سرمستی کی توانیاں بھی ۔ انھوں نے اردو غزل کی روایات کو خوش اسلوبی سے زندہ رکھا ۔

Marfat.com

رشک و بدگمانی رفاقت و شکوہ ، جور و جفا ، سہر و وفا ، ہجر و وصل ، زلف و رخسار ، قتل و ستم ، گل و عارض جیسے لوازمات شعری اور واردات اپنی وسعت و ہمہ گیری اور وسیع دامانی کی بناء پر کبھی انحطاط پذیر نہیں رہی۔ بلانک ورس پروز (نثری نظم) اور نظم آزاد کے دعویداروں نے اس پری پیکر کو رسوائے سربازار کرنے کے لیے کیا کیا جتن نہ کیے لیکن غزل اتنی سخت جان نکلی کہ ہر دور میں اپنا جادو جگا کر رہی اور آج بھی اس کا جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے ۔ اس گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ سندھ کے شعرائے اردو بھی غزل کی ماہیت و اہمیت سے بے خبر نہ رہے ۔ انھوں نے بھی سرزمین سندھ میں غزل کی آبیاری کی ۔ اس ضمن میں مرزا قلیج کی خدمت بڑی اہم ہے ۔

اب مرزا صاحب کا رنگ تغزل دیکھیے ۔

ترے ہجر میں عمر گزری ہے ساری
ترا ساتھ تیرے سدا چاہتا ہوں
سارے عالم میں ہوا اندھیرا
شمع عارض[1] کو چھپایا نہ کرو
خال پر زلف[2] بنا رکھتے ہو
طائر دل کو پھنسایا نہ کرو
قلیج جور و جفا سے نہ ڈر رقیبوں کے
خراب ان کو کرے گا خدا ٹھہر تو سہی
جب دیکھتا ہوں عارض روشن ترا اے جاں
یاد آتا ہے اک پل میں مجھے شمس قمر سے
یک رنگ ترے عشق میں ہر دم ہوں اگرچہ
رگ رگ مری ہلتی ہے ترے ظلم و قہر سے

---

۱ - الٰہی آتش رخسار جاناں ہی بھڑک اٹھے
الٰہی آگ لگ جائے اسے جو پردہ حائل ہے (داغ)

۲ - زرا ڈال دو اپنی زلفوں کا سایہ
مقدر بہت نارسا ہے کسی کا (داغ)

Marfat.com

قتل کو عاشقوں کے اک مژہ کا تیر کافی ہے
دل دیوانہ کو اک زلف کی زنجیر کافی ہے
میں تیرے وصل کی امید قطع کی مطلق
یقین بوسہ[1] نہ دو گے بھلا دیکھو تو سہی
میں نے کی عرض جب اسے بوسہ[2] دو قلیچ کوں
ناز و ادا سے ہنس کے وہ کہنے لگا تو کون ہے

مقطعوں یا شعروں میں تعلی و شیخی سخنوران اردو کا شیوا رہا ہے - مرزا قلیچ بیگ بھی خود ستائی و خود ستائشی کے اس نفسیاتی اثر سے نہ بچ سکے شاید اس لیے کہ بقول علامہ جمیل سطہری :

بقدر پیمانۂ تخیل سرور ہر دل میں ہے خودی کا
اگر نہ ہو یہ فریب پیہم تو دم نکل جائے آدمی کا
(نقش جمیل)

یا

میر شاعر بھی زور تھا کوئی
دیکھتے ہو نہ بات کا اسلوب (میر)
بندش الفاظ جڑنے سے نگوں کے کم نہیں
شاعری بھی کام ہے آتش مرصع ساز کا (آتش)
ادائے خاص سے غالب ہوا ہے نکتہ سرا
صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لیے (غالب)
داغ سا بھی کوئی شاعر ہے بھلا سچ کہنا
جس کے ہر شعر میں ترکیب نئی ، بات نئی (داغ)
صناع مثل آتش ہیں میرزا اثر بھی
دیکھو تو جڑ رہے ہیں الفاظ کے نگینے (اثر لکھنوی)

---

۱ - غنچہ ناشگفتہ کو دور سے مت دکھا کہ یوں
بوسہ کو پوچھتا ہوں میں ، منہ سے مجھے بتا کہ یوں (غالب)
۲ - بوسہ بازی سے مری ہوتی ہے ایذا ان کو
منہ چھپاتے ہیں جو ہوتے ہیں سہاسے پیدا (داغ)

Marfat.com

دلی اور لکھنو کے مرزا صاحبان کے بعد اب سندھ کے مرزا صاحب کو سنیے:

کیا عجب شعر لکھا شاعر شیریں گفتار
جس کے ہر لفظ سے آتا ہے سواد گل قند
راضی ہے صنم میرا قلیج ایسی غزل پر
کمتر نہیں قیمت میں کسی در و گہر سے

مرزا قلیج فارسی ترکیبوں اور تشبیہوں کے دلدادہ تھے۔ ان کے ہاں فارسی و اردو الفاظ کا حسین امتزاج بھی ملتا ہے۔ بعض غزلیں فارسی ردیف و قوافی کے ساتھ کہی ہیں۔

Marfat.com

شمس الدین بلبل

(۱۲۷۷ - ۱۳۳۷ھ/۱۸۵۷ - ۱۹۱۹ء)

ملک الشعراء بلبل سندھ ، شمس الدین بلبل سندھ کے نامور عالم ، مفکر ، شاعر ، ادیب ، صحافی اور مزاح نگار تھے ۔ شمس الدین خان بلبل کے والد مکرم بہادر خان ولد کمال خان سیہڑ کے زمیندار تھے لیکن علم و تصوف سے شغف رکھتے تھے ۔ بلبل کے ماموں آخوند نہال خان سیہڑ ضلع دادو کے مشہور عالم دین گزرے ہیں ۔[1]

دین اسلام کا یہ شمس سن اٹھارہ سو ستاون عیسوی (۱۸۵۷ء) میں سندھ کے ایک شہر سیہڑ میں طلوع ہوا ۔ باسٹھ سال تک اس سرزمین کو اپنی فکر و دانش کی روشنی سے تاباں و درخشاں رکھنے کے بعد سنہ انیس سو انیس عیسوی کے ماہ ستمبر میں ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا ۔

بلبل خوش نوا کی دائمی مفارقت کے رنج و غم کا اظہار ان کے ہمعصر و ہم محفل احباب نے مرثیے اور قطعات کی صورت میں کیا ۔ مرحوم کے رفقائے خاص میر عبدالحسین خان سانگی اور مرزا قلیج بیگ کے قطعات تاریخ وفات حسب ذیل ہیں :

عبدالحسین سانگی :

افسوس زین گلستان شد بلبل خوش الحان
اندر عزائے او گشت توام گل و گلستان
گل از فراق رویش در سینہ داغ بنہاد
وز یاد غم فرو ریخت رنگ و طراوت آن
در بینہ عدد گیر فانی تو واو تشبیہ
تا سال رحلت او گردد عیان بروزان

---

۱ ۔ کتاب "بلبل سندھ" مولفہ ڈاکٹر شیخ محمد ابراہیم خلیل ، ص ۱ ، ۲۔

Marfat.com

گفتا بگوش هوشم پیر خرد کہ گردید
گل از فراق بلبل پژمردہ و پریشان

۱۳۳۷ھ

مرزا قلیچ بیگ :

شاعر ملک سندھ شمس الدین — کہ از و بود عالمی بہ شگفت
بلبلے بود او کہ با منقار — در معنی عجیب او می سفت
بود او شمس بر سپہر سخن — کرد آخر غروب و روی نہفت
سال فوتش بفکر می جستم — زود ہاتف چراغ مجلس گفت

۱۳۳۷ھ

شمس الدین کی تعلیم و تربیت ان کے والد بہادر خان کے زیر نگرانی ہوئی ۔ اس زمانے کے رواج کے مطابق عربی ، فارسی ، سندھی اور اردو کی تعلیم حاصل کی ۔ ذاتی مطالعہ اور سخت محنت سے مختلف علوم اور ادبیات پر حاوی ہوئے ۔

۱۸۷۲ء میں تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد اسی سال داروغہ[1] کے عہدے پر فائز ہوئے ۔ سرکاری ملازمت ان کی طرز فکر ، آزادی طبع اور علمی مزاج کے خلاف تھی اس لیے زیادہ عرصہ ملازمت نہ کر سکے اور ملازمت ترک کر دی ۔

شمس الدین بلبل فطری طور پر ایک ذہین ، طباع ، عالی ظرف ، عالی دماغ اور روشن ضمیر شخص تھے ۔ ان کا زمانہ متحدہ ہندوستان میں انگریزوں کے خلاف حصول آزادی کی جد و جہد کا زمانہ تھا ۔ سرسید احمد خان کی علیگڑھ تحریک نے برصغیر کے تمام صوبوں کے مسلمانوں میں بیداری کی روح پھونک دی تھی ۔ سرسید کی تعلیمی تحریک کے زیر اثر جس بیدار مغز اور دانشمند رہنما نے سندھ کے مسلمانوں کو جدید تعلیم اور انگریزی تعلیم کی طرف راغب کیا وہ خان بہادر حسن علی آفندی[2] تھے ۔

---

۱ ـ بلبل سندھ ، ص ٦ ـ
۲ ـ تذکرہ لطفی جلد سوم ، ص ۳٦۱ ـ

Marfat.com

حسن علی نے علیگڑھ میں سرسید اور ان کے رفقاء سے تبادلہ خیال کیا۔ دارالعلوم علیگڑھ کو دیکھا اور اس کی روشنی میں اپنی اسکیم مرتب کی[1] انھوں نے قومی مقصد کے تحت ۱۸۵۵ء میں سندھ مدرسۃ الاسلام[2] کراچی کی بنیاد رکھی اور ''سرسید سندھ'' کے لقب سے زندہ جاوید ہو گئے۔ سرسید احمد خان کے رفقائے کار مولانا الطاف حسین حالی، علامہ شبلی نعمانی، نواب وقارالملک، نواب محسن الملک کی طرح سندھ کے سرسید حسن علی آفندی کے مشن کو کامیاب و کامران بنانے کی خاطر سندھ کے جن ارباب علم و دانش سے مسلسل محنت و کاوش اور پیہم جد و جہد کی ان میں اللہ بخش ابو جھو[3] مخدوم الشعراء الحاج محمود خادم لاڑکانوی[4] مرزا قلیچ بیگ، میر عبدالحسین سانگی اور شمس الدین بلبل کے اسمائے گرامی ہماری قومی تاریخ میں روشن میناروں کی سی حیثیت رکھتے ہیں۔

شمس الدین بلبل نے تحریک آزادی میں جو گراں قدر خدمات انجام دی ہیں ان کے بعض پہلوؤں کا سرسری ذکر زیر نظر مقالے میں ناگزیر ہے۔ شمس الدین بلبل حسن علی آفندی کے دست راست اور مشیر خاص تھے بلکہ بقول مولانا غلام محمدگرامی ''وہ آفندی کے دست و بازو تھے''[5] سرسید احمد خان نے آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس قائم کی۔ حسن علی آفندی نے سندھ محمڈن ایسوسی ایشن کی داغ بیل ڈالی۔ سرسید نے رسالہ ''تہذیب الاخلاق'' جاری کیا۔ حسن علی نے ۱۸۸۹ء میں ہفتہ روزہ اخبار

۱۔ علیگڑھ تحریک کا شاہکار، سندھ مدرسۃ الاسلام از الطاف علی بریلوی، ص ۱۰۔

۲۔ تذکرہ لطفی جلد سوم ص ۳۶۰۔ علیگڑھ تحریک کا شاہکار سندھ مدرسۃ الاسلام کراچی از سید الطاف علی بریلوی، ۱۹۵۴ء۔

۳۔ اللہ بخش ابو جھو کے حالات و خدمات کے لیے ملاحظہ ہو مقالہ از مخدوم امیر احمد مرحوم، نئی زندگی، کراچی، مارچ ۱۹۶۲ء۔

۴۔ مقالہ شمس الدین بلبل مطبوعہ نئی زندگی کراچی اکتوبر ۱۹۶۵ء۔

۵۔ تذکرہ مشاہیر سندھ از مولانا دین محمد وفائی، ص ۱۹۶۔

Marfat.com

"معاون"[1] - کراچی کا اجرا کیا اور اس کی ادارت کے فرائض بلبل کے سپرد کیے - بلبل نے بحیثیت ایڈیٹر معاون جو اداریے اور مضامین نظم و نثر لکھے وہ نہ صرف ان کے ایک بیباک اور حقیقت پسند صحافی ہونے کے شاہد ہیں بلکہ حسن علی کی سیاسی ، علمی و تعلیمی تحریک کے لیے بیحد موثر و مفید ثابت ہوئے -

بلبل معاون کے علاوہ مختلف اخبارات "کراچی گزیٹ" "خیر خواہ لاڑکانہ" "مسافر حیدرآباد" "الحق" اور "آفتاب سکھر" کے بھی ایڈیٹر رہے۔ ان اخبارات نے جد و جہد آزادی جاری رکھنے اور سندھی مسلمانوں میں سیاسی شعور ، علمی و تعلیمی رجحانات پیدا کرنے میں خاص حصہ لیا ہے۔ انھیں اخبارات کی بدولت ہی یہاں کے عوام میں اسلامی مساوات و قومی وحدت کے جذبات اور آزادی وطن کی تڑپ کے ساتھ ساتھ خود اعتمادی ، خود شناسی اور ترقی و عروج کے احساسات پیدا ہوئے - ۱۹۰۶ء میں انھوں نے سیہڑ میں مدرسۃالاسلام قائم کیا۔ بعد میں وہ مدرسہ ہائی سکول بن گیا اور رہتی دنیا تک بلبل کی زندہ جاوید تعلیمی یادگار رہے گا - بلبل جتنا اچھا لکھتے تھے اتنی اچھی تقریر بھی کرتے تھے - ۱۹۰۷ء میں آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس کا ایک اجلاس[2] زیر صدارت مولانا الطاف حسین حالی منعقد ہوا جس میں برصغیر کے اکابر قوم نے شرکت کی - سرسید احمد خان کے رفیق خاص نواب وقار الملک بھی شریک تھے اس اجلاس میں شمس الدین بلبل نے جو تقریر کی وہ اردو میں تھی اور معرکہ آرا تھی -

سرسید احمد خان نے امام غزالی کی کتاب پر اپنی ایک کتاب میں کچھ اعتراضات لکھے تھے بلبل نے اردو میں ان اعتراضات کے مدلل و عالمانہ جوابات لکھے وہ مضامین مختلف اخبارات و رسائل میں شائع ہوئے -[3]

---

۱ - تذکرہ مشاہیر سندھ ، ص ۱۹۸ -

۲ - تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو رپورٹ "ایجوکیشنل کانفرنس اور سندھ" از حافظ محمد رحیم دھلوی مطبوعہ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس ۱۹۵۳ء -

۳ - بلبل سندھ ، ص ۵۲ -

Marfat.com

شمس الدین بلبل عربی فارسی سندھی اور اردو سے بخوبی واقف تھے۔ عربی کے سوا دیگر تینوں زبانوں میں نظم و نثر بڑی روانی و برجستگی اور شگفتگی سے لکھتے تھے۔ تصوف، تفسیر، حدیث، فقہ، سیرت، مناظرہ، فلسفہ، شعر و عروض، نعت، معانی، سیاست اور تاریخ سے متعلق ان کی تصنیفات و تالیفات موجود ہیں ان کی کتابیں نظم میں کم اور نثر میں زیادہ ہیں۔

نثر کی کتابیں :

(١) قلندری میلہ	حضرت لال شہباز قلندر کے عرس اور میلہ کا دلچسپ حال)	ہری سنگھ پبلیشرز، سیوک پریس لاہور۔
(٢) تیرن جھار (تیرہ برس)	(مزاحیہ رنگ میں اصلاحی مضامین کا مجموعہ)	اسلامی پریس، لاہور۔
(٣) بہار عشق	(عاشقانہ خطوط)	ہری سنگھ پریس، سکھر۔
(٤) آئینہ تجارت مایہ ظرافت	(طنز و مزاح)	اسلامی پریس، لاہور
(٥) جھٹ سوال پٹ جواب	,,	وکٹوریہ پریس سکھر
(٦) (حل تجربات یعنی شمس اللغات	(ظریفانہ رنگ میں الفاظ کے معانی و مطالب)	البرٹ پریس سکھر ١٩٠٥ء
(٧) ظریف الدولہ	(ظریفانہ رنگ میں لفظوں کی تشریح)	,, ,, ,,
(٨) گلزار لطائف	(مجموعہ لطائف)	,, ,, ,,
(٩) عقل اور تہذیب	(اخلاق و معلوماتی)	,, ,, ١٩١٤ء
(١٠) قرض کا مرض اور اس کا علاج	(اصلاحی و تبلیغی)	,, ,, ,,

Marfat.com

(۱۱) صد پند سود مند (اصلاحی)		" " "
(۱۲) مسلمانان سندھ کی تعلیم اور سرکار (اصلاحی)		البرٹ پریس سکھر ۱۹۱۳ء
(۱۳) انگریز اور مسلمان	(سیاسی و اصلاحی)	" " "
(۱۴) مسلمان اور تعلیم	(سیاسی و اصلاحی)	" " "
(۱۵) حرز البیان شرح قانون وقف علی الاولاد		" " "
(۱۶) جام جم	(مسلمانان سندھ کے سیاسی مسائل) ۔	" " "
(۱۷) گنجینہ معرفت	(تصوف و معرفت)	
(۱۸) بحث بازی		
(۱۹) کارونیشن کپ		
(۲۰) شمس المکاتیب فارسی	یہ کتاب بلبل کی فارسی انشاء پردازی کا عمدہ نمونہ ہے ۔	

نظم کی کتابیں : ۔

(۱) دیوان بلبل	سندھی	مفید عام پریس ، لاہور ۔
(۲) دیوان بلبل	(فارسی)	
(۳) بہارستان بلبل	(فارسی ، سندھی اور اردو کلام کا مجموعہ)	
(۴) مداح سرور	(فارسی ، سندھی اور اردو نعتیہ تخلیقات کا مرقع)	
(۵) کریما نیچرل	(سندھی)	البرٹ پریس سکھر

Marfat.com

(۶) رعیا (سندھی) (یہ طویل نظم شیخ سعدی مطبع روشن کراچی
کی کریما کے طرز پر ظریفانہ
رنگ میں لکھی گئی)

(۷) احسن التواریخ یا عمدۃ التواریخ[1]

شمس الدین بلبل نے سندھی ادب میں مزاح نگاری کی بنا ڈالی۔ وہ سندھ کے پہلے شاعر ہیں جنھوں نے اردو کے مشہور مزاح نگار اکبر الہ آبادی کی ظرافت کو اپنایا۔ انھوں نے اکبر کے رنگ اور اپنے مخصوص انداز میں مغربی تہذیب کی خامیوں اور برطانوی حکومت کی چالوں سے عوام کو آگاہ و باخبر کیا۔ مولانا غلام محمد گرامی مرحوم نے درست لکھا ہے کہ ''بلبل کا طنزیہ اسلوب نہایت تعمیری اور افادی ہے''۔[2]

حقیقت یہ ہے کہ بلبل نے نہ صرف خود انگریزی پڑھی بلکہ زوردار الفاظ میں عوام کو بھی انگریزی پڑھنے کی تلقین کی۔ انھیں کا یہ مصرعہ ہے:

''پڑھو انگلش انگلش انگلش''

ڈاکٹر شیخ ابراہیم خلیل اپنے ایک مقالے[3] میں رقمطراز ہیں ''شمس الدین بلبل نے تقاضائے وقت کے مطابق اکبر الہ آبادی کے طرز پر طنزیہ شاعری کی۔ ان کی شاعری میں ماحول و معاشرے کا صحیح عکس پایا جاتا ہے۔ انھوں نے مسلمان نوجوانوں کی بے راہ روی اور ہندوؤں کی اسلام دشمنی پر بھی سخت تنقید کی''۔

---

۱ - بلبل کی کتب نظم و نثر کی یہ فہرست ڈاکٹر شیخ ابراہیم خلیل کی کتاب موسوم بہ ''بلبل سندھ'' سے ماخوذ ہے۔ راقم نے اپنے مشفق و بزرگ کرم فرما ڈاکٹر صاحب قبلہ سے مذکورہ تالیف کے علاوہ بلبل کے حالات، کمالات و خدمات کے بارے میں براہ راست معلومات حاصل کی ہیں۔

۲ - نئی زندگی شمارہ اکتوبر ۱۹۶۵ء۔

۳ - سندھ میں قومی شاعری مشمولہ صریر خامہ قومی شاعری نمبر مرتبہ وفا راشدی، مطبوعہ جامعہ سندھ، ۱۹۶۶ء۔

Marfat.com

سندھ کے ایک قومی شاعر کی حیثیت سے ان کی بے مثل خدمت فراموش نہیں کی جا سکتی اور رشید احمد لاشاری مرحوم کے الفاظ میں ''اس باب الاسلام سندھ میں سب سے پہلے جس شاعر نے صحیح معنوں میں قومی شاعری کو اپنایا اور اس کے ساتھ پاکستان کا تصور پیش کیا وہ بلبل سندھ شمس الدین بلبل تھے'' ۔[1]

بلبل کی دو مثنویاں رحیہا اور کریما ان کی قومی شاعری کا عمدہ و لاجواب نمونہ ہیں ۔

شمس الدین بلبل ایک صاحب دین عالم ، مفکر اسلام اور شاعر عوام تھے ۔ ان کی علم و دانش ، تحریر و تقریر ، تمام قوم اور پوری انسانیت کی اصلاح و فلاح ، رفاہ و بہبود کے لیے وقف تھی ۔ وہ دنیا دار بھی تھے اور دیندار بھی ۔ تصوف سے انھیں فطری لگاؤ تھا ۔ ان کا صوفیانہ مزاج اور درویشانہ زندگی ان کی عظمت کی مظہر تھی ۔ وہ طریقہ نقشبندیہ کے مبلغ تھے ۔ سلسلہ نقشبندیہ کے ایک بزرگ مخدوم نظام الدین صدیقی کے مرید تھے[2] ۔ اللہ اور اس کے رسول[3] کے دین کو فروغ دینے کی خاطر انھوں نے سیہڑ کی ایک مسجد کی امامت[4] کی ۔ خطبات اور درس قرآن کا سلسلہ جاری کیا ۔ قرآن کی تفسیر لکھی ، سیرت ، فقہ اور حدیث سے متعلق سلسلہ وار مضامین لکھے ۔

ان کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے نہ صرف مزاح نگاری میں منفرد و بلند مقام حاصل کیا بلکہ تصوف و معرفت کے خشک مضامین کو اپنی شاعری میں سمو کر ایک صوفی شاعر کا مرتبہ بھی حاصل کیا ۔ ان کے کلام کا خاصا حصہ ایسا ہے جس میں وحدت وجودی و شہودی کے اشارات و اصطلاحات شدت سے پائی جاتی ہیں ۔ گنجینہ معرفت اور مداح سرور کے نام سے ان کی دو کتابیں شائع ہو چکی ہیں جن میں سندھی ،

---

۱ ۔ مضمون ''نظریہ پاکستان اور سندھ کے مسلم شعراء'' روزنامہ جنگ کراچی پاکستان ایڈیشن ، ۱۹۶۳ء ۔

۲ ۔ تذکرہ مشاہیر سندھ ، ص ۱۹۸ ۔

۳ ۔ بلبل سندھ ، ص ۴ ۔

Marfat.com

فارسی اور اردو میں نعتیہ و عارفانہ کلام شامل ہے۔ اس کے مطالعے سے بلبل کے فلسفہ تصوف، اسلامی دینی عقاید وضاحت و صراحت کے ساتھ ہمارے سامنے آتے ہیں۔

مجموعی اعتبار سے بلبل ایک عظیم المرتبت شاعر تھے۔ تمام اصناف سخن پر گہرائی و گیرائی اور وسعت و رفعت کے ساتھ شعر کہنے کی بلاکی صلاحیت رکھتے تھے۔ مثنوی اور قصیدے کے فن میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ وہ دربار ریاست خیرپور سے بھی وابستہ رہے۔ ارباب خیرپور ان کی بیحد قدر کرتے تھے۔[1] انہیں ملک الشعراء کے خطاب سے نوازا۔ اس دور میں متعدد علمی و سیاسی تقریبات اور قومی و ملی تحریکات کے موقعوں پر معرکہ آرا قصائد کہے۔ اس کی مثال سندھی شعراء میں شاذ و نادر ہی ملے گی۔ فارسی اور سندھی قصائد سے قطع نظر ذیل میں ان کے دو اردو قصیدے[2] بطور نمونہ نقل کیے جاتے ہیں جن کے مطالعہ سے ان کی اردو میں شعر گوئی کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

سردار محمد یعقوب وزیر خیرپور کی شان میں قصیدہ:

ساقی مجھے وہ جام مئے جوش فزا دے
جو دل سے مرے پردہ غفلت کو ہٹا دے
یا خم کے عوض دریا آتش کے بہا دے
سب باطل و اوہام کو اکدم میں جلا دے
اس بزم حریفاں میں عجب رنگ جما دے
جو شیخ بھی آئے تو یہاں سر کو جھکا دے
بلبل کو سر مدح کہ ہر بار ہوا ہے
دیکھا تو وہ سردار سزاوار ثنا ہے
جو کام ہے ان کا وہ بجز روے و ریا ہے
جتنی میں کہوں ان کی مدح اتنی روا ہے

١۔ تذکرہ مشاہیر سندھ، ص ١٩٨۔

٢۔ ڈاکٹر شیخ ابراہیم خلیل کی عنایت سے راقم کو بلبل کے ایسے مخطوطات دیکھنے کا شرف حاصل ہوا ہے جن میں خود بلبل کے قلم سے لکھے ہوئے فارسی اور اردو قصائد شامل ہیں۔

Marfat.com

یاں خوبی و اوصاف کی کچھ حد نہیں ہے
وہ فرد ہیں ایسے کہ کوئی رد نہیں ہے

دعائیہ :

بلبل یہ سخن اب بدعا خیر ختم کر
پئے حاضر مجلس سر تعظیم کو خم کر
با تیغ قلم دشمنوں کے سر کو قلم کر
پڑھ نادِ علی ، حاسدوں کا ناک میں دم کر
احباب کو ہر آن مبارک ہو مبارک
سردار کو فرمان مبارک ہو مبارک

دعائیہ قصیدہ در مدح خان بہادر محمد ابراہیم وزیر خیرپور :

سزا ہے حمد بذات جناب رب جلیل
روا ہے نعت بحضرت نبی کریم و جمیل
بجا ہے گر میں دعا و ثنا کروں ان کی
کہ اک ریاست اسلامیہ کے ہیں جو کفیل
وزیر دانشورِ بے نظیر و خوش تدبیر
بلند ہمت و عالی نظر ، امین و حصیل
.... خان بہادر محمد ابراہیم
خلیل احمد و سردار صاحب تفضیل

Marfat.com

زرک خان زیرک لاشاری

(۱۲۷۷ - ۱۳۵۲ھ/۱۸۵۷ - ۱۹۳۲ء)

زرک خان لاشاری بلوچستان کے ایک پٹھان قبیلہ لاشاری سے تعلق رکھتے تھے ۔ ان کا سلسلہ نسب بلوچستان کے مشہور لاشاری سردار میر گہرام سے جا ملتا ہے ۔

زرک خان کے والد دھنی بخش خان لاشاری بلوچستان کی سکونت ترک کر کے جیکب آباد سندھ میں آباد ہوگئے تھے جہاں تحریک آزادی کے تاریخی سال ۱۸۵۷ء میں زرک خان کی پیدائش ہوئی ۔ زرک خان نے اسکول یا کالج سے کوئی سند یا ڈگری حاصل نہیں کی ۔ ان کی تعلیم و تربیت اس زمانے کے رسم و رواج کے مطابق مسجد اور مکتب میں خالص اسلامی ماحول میں ہوئی ۔ قرآن مجید اور دینیات کی تعلیم سے فارغ ہوئے تو ایک جید عالم عبدالحمید خان کی آغوش رحمت میں پشتو اور فارسی پڑھی ۔ آخوند اللہ ورایا خان نے سندھی پڑھائی ۔ زرک خان کے والد کے ایک دوست منشی عبدالعزیز جو ڈیرہ غازی خان کے رہنے والے تھے سے اردو سیکھی اور انہیں کی صحبتوں میں ان کے علمی و ادبی ذوق نے نشو و نما پائی ۔

زرک خان فورٹ سنڈیمن اور موسیٰ خیل بلوچستان میں صوبیدار کے عہدے پر فائز رہے ۔ ۱۹۰۰ء میں پینشن لی ۔ ملازمت کے سلسلے میں زرک خان کی زندگی کا زیادہ حصہ فورٹ سنڈیمن میں گزرا لیکن پنجاب ، سرحد اور افغانستان میں بھی ان کا قیام رہا ۔ مستقل سکونت سندھ میں تھی ۔

زرک خان صوم و صلواۃ کے سخت پابند تھے ۔ اکثر راتیں عبادت و ریاضت اور ذکر و فکر میں گزار دیتے تھے ۔ حسب معمول ۱۴ مارچ ۱۹۳۲ کی رات کو نماز نفل کے بعد ذکر الٰہی میں محو تھے کہ ان کی روح قفس

Marfat.com

عنصری سے پرواز کر گئی (اسی محویت کے عالم) میں اللہ سے جا ملے - جیکب آباد کے خاندانی قبرستان میں مدفون ہوئے۔

زرک خان نے اپنے پیچھے ایک بیٹی اور پانچ بیٹے گل محمد، الٰہی بخش، رشید احمد[1] محمد بخش اور قادر بخش چھوڑے - زرک خان کی رحلت کے بعد یہ خاندان کوٹ دین محمد خان کوسی تعلقہ تھل ضلع جیکب آباد کو چھوڑ کر حیدرآباد سندھ منتقل ہو گیا[2] -

زرک خان شاعر بھی تھے اور موسیقار بھی - رباب بہت عمدہ بجاتے تھے - ان کی رہائش گاہ پر اکثر راگ رنگ کی محفلیں جمتی تھیں - بلوچی ، فارسی ، پشتو اور اردو کے گیت اور نغمات جب رباب پر چھیڑتے تھے تو سامعین و حاضرین پر عجب رقت و محویت طاری ہو جاتی تھی - ان کے ہم محفلوں میں ڈیرہ غازی خان کے مشہور موسیقار اور گیت نگار

---

۱ - زرک خان کی اولاد میں رشید احمد لاشاری نے علم و صحافت ، شعر و ادب میں نام پیدا کیا - رشید نے اپنے والد کی تربیت و صحبت سے فیض حاصل کیا اردو ، سندھی اور فارسی کے ممتاز شاعر اور ادیب تھے شروع میں پیشہ معلمی تھا اور بعد میں کئی رسائل و اخبارات سے منسلک رہے وفات سے چند سال پیشتر ماہنامہ نئی زندگی (سندھی) کراچی کے نائب مدیر رہے - اردو اور سندھی میں کئی علمی ادبی و درسی کتابیں ، پاکستانی اردو قاعدہ ، پاکستانی اردو ریڈر ، خواجہ غلام فرید کی کافیاں ، بلھا شاہ جو کافیاں ، سلطان باہو جا بیت وغیرہ ان کی زندہ جاوید یادگار ہیں - ان میں سچل سرمست کے متعلق ان کی اردو تصنیف خاصی اہمیت کی حامل ہے نہایت منکسرالمزاج ، بردبار دوست نواز اور مخلص انسان تھے راقم کے دوستوں میں تھے افسوس کہ ان کی عمر نے وفا نہ کی اور ۲۰ ستمبر ۱۹۷۰ء کو اللہ کو پیارے ہو گئے پنجابی مصنفین کی ڈائرکٹری مطبوعہ نیشنل بک کونسل آف پاکستان لاہور کے مطابق ان کا سنہ پیدائش ۱۹۲۲ء ہے -

۲ - زرک خان کی کہانی خود ان کے فرزند رشید احمد لاشاری مرحوم کی زبانی -

Marfat.com

رسول بخش میرانی کے علاوہ مولوی عبدالحمید خان کھا کھڑ ، منشی عبدالعزیز ڈیرہ خانی ، رشید احمد کلاچوی ، شربت خان پٹھان ، مولوی قادر بخش ، شیر علی خان اور علامہ عبدالغفور ہمایونی جیسے علماء و فضلاء ، ادباء و شعراء شامل تھے ۔

زرک خان کو داستان گوئی سے بھی دلچسپی تھی ۔ داستان امیر حمزہ کا اردو سے بلوچی میں منظوم ترجمہ کیا ۔ ان کی یہ ادبی خدمت فراموش نہیں کی جا سکتی ۔

سندھ میں سچل سرمست کے بعد اگر کسی شاعر کو شاعر ہفت زبان ہونے کا شرف حاصل ہوا تو وہ زرک خان لاشاری تھے ۔ وہ اردو سندھی پنجابی ، سرائیکی ، پشتو، بلوچی اور فارسی زبان پر پوری طرح قادر تھے ۔ ہر زبان میں زیرک تخلص کرتے تھے ۔ بدیہہ گوئی میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے ۔ ان کا تمام سندھی کلام تقریباً شائع ہو چکا ہے ۔ کچھ اردو کلام مختلف رسائل کی زینت بن چکا ہے ۔ ان کا ایک اردو دیوان (قلمی نسخہ) ان کے صاحبزادے رشید احمد لاشاری مرحوم کے پاس محفوظ ہے ۔

زرک خان زیرک لاشاری سچل کو اپنا روحانی مرشد مانتے تھے ۔ سچل کے تصوف اور شاعری سے خاص طور پر متاثر تھے ۔ اکثر کافیاں اور غزلیں سچل کے تتبع میں کہی ہیں ۔ ذیل کی اردو کافی اس کی ایک مثال ہے ۔

عدم سے تم نہیں آئے ، ارے نادان پردیسی
ٹوٹی ہے آم کی ڈالی ، روتا ہے باغ کا مالی
بغیچہ ہو گیا خالی ، ارے نادان پردیسی
سچل کے بال ہیں کالے ، پلاو دودھ کے پیالے
اللہ سائیں خاک میں ڈالے ، ارے نادان پردیسی

زرک خان خوش مزاج ، خوش طبع ، خوش دل اور خوش گفتار شاعر تھے ۔ ساری زندگی درویشوں کی صحبتوں اور عقیدتوں میں درویشانہ وار گزار دی ۔ تصوف سے انہیں گہرا لگاؤ تھا ۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ، رسول اور آل رسول کی محبت ان کی زندگی کا نصب العین تھی ۔ ان کے کلام کا

Marfat.com

بیشتر حصہ ان کے دینی عقائد اور صوفیانہ خیالات کا مظہر ہے۔ اس قسم کے دو اشعار بطور مثال پیش کیے جاتے ہیں۔

اردو : زبان اپنی سے ہر لمحہ خدا کا نام لیتا رہ
کبھی لب پر ترے زیرک نہ ذکر روزگار آئے

فارسی : نہ بہر عیش در دنیا گل و گلزار می خواھم
الٰہی از تو عشق سید الابرار می خواھم

زرک خان زیرک لاشاری اردو کے بہت اچھے شاعر تھے۔ ان کی غزلوں میں حسن بھی ہے، زندگی بھی، حسن کلام بھی ہے، حسن خیال بھی۔ بطور مشتے نمونہ از خروارے ایک اردو غزل نذر قارئین ہے:

مرے اس گلشن امید میں یا رب بہار آئے
مرے دل کو قرار آئے اگر وہ گلعذار آئے
نہ چھوٹے ہاتھ سے میرے جہاں میں صبر کا دامن
مصیبتٔ زندگی میں سر پہ گر لیل و نہار آئے
گئے سب ہاتھ خالی دوست دنیا بھر کی نعمت سے
ہزاروں مرد کار آئے، ہزاروں نابکار آئے
مرا سایہ بھی جب مجھ سے ہوا فرار جاتا ہے
بھلا وہ کون سی ہے چیز جس پر اعتبار آئے
زبان اپنی سے ہر لمحہ خدا کا نام لیتا رہ
کبھی لب پر ترے زیرک نہ ذکر روزگار آئے

Marfat.com

میاں وڈل علوی حیدری

(۱۲۷۸ - ۱۳۳۸ھ/۱۸۵۸ - ۱۹۱۸ء)

نام - میاں محمد یوسف ، عرفیت - سیون وڈل ، تخلص حیدری ، نسباً علوی ، مشرباً قادری - اپنے قلم سے "علوی القادری سعید پوری المتخلص بہ حیدری لکھا کرتے تھے -

میاں محمد یوسف علوی کے والد محترم کا اسم گرامی میاں یعقوب علوی تھا ; ان کے بزرگوں میں محمد یوسف یوسفائی تصوف و معرفت کی دنیا میں بلند مرتبہ رکھتے تھے - ان کا سلسلہ نسب حضرت ابو ریحان غیاث الدین المعروف بہ شیخ ریحان جیسے عارف کامل سے جا ملتا ہے -

میاں یوسف علوی کی ولادت با سعادت ۱۲۷۸ھ میں قصبہ سعید پور میں ہوئی - ۱۳۲۸ھ میں رحلت فرمائی - شیخ ریحان کے آبائی قبرستان میں آسودہ خواب ہیں -

یوسف علوی اپنے بزرگوار میاں یعقوب علی کے زیر شفقت و عاطفت عربی ، فارسی ، سندھی کی تعلیم سے آراستہ ہوئے بطور خاص علم طب و حکمت پر عبور حاصل کیا - حکیم حاذق مشہور ہوئے -

غلام محمد شاہ گدا اور میر عبدالحسین سانگی میاں وڈل حیدری کے بزرگ ہمعصر تھے اور ان کے خاص رفقاء[1] میں سے تھے - شاہ گدا اپنے دور کے سب سے ممتاز سخن سنج اور استاد زمان تھے - ان کے اس شعر سے ظاہر ہے کہ وہ حیدری کے بہت مداح تھے -

زمانہ میں کوئی بجز حیدری
کسی اور کے گیت گاتا نہیں

---

۱ - ملاحظہ ہو مقدمہ کلیات گدا مرتبہ رشید احمد لاشاری -

Marfat.com

میر عبدالحسین سانگی سے بھی حیدری کے خاص تعلقات تھے - سانگی نے اپنی ایک کتاب موسوم بہ ''لطائف لطیفی'' وڈل حیدری کی نذر کی تو اس میں یہ لکھا -

''امروز تاریخ دہم ماہ اگست ۱۸۹۱ء مطابق تاریخ چہارم ماہ محرم الحرام سنہ ۱۳۰۸ھ --- این نسخہ تصنیف خودم لطائف لطیفی بہ عالیشان رہنمائے سالکان گزیدہ درگاہ عز و جل میاں وڈل علوی القادری سعید پوری المتخلص بہ حیدری بہ یادگیری دارم''[1] -

حیدری نے اپنے اکثر اشعار میں سانگی کے الطاف و اکرام کا اعتراف کیا ہے :

خدمت اقدس و اعلیٰ میں رہوں گا دائم
در دولت سے نہ اللہ جدا کر دے گا
میر ما عبدحسین خاں ترے الطاف تئیں
جیتے جی حیدری ہرگز نہ بھلا کر دے گا

میاں وڈل حیدری طب ، تصوف اور شعر و ادب کے ہر میدان میں ممتاز مقام رکھتے تھے - فارسی ، سندھی اور اردو میں عمدہ نظم و نثر لکھتے تھے - ایک صوفی شاعر کی حیثیت سے انھوں نے جا بجا نظریہ وحدت کی تبلیغ کی ہے :

یقیں وہ منکر وحدت ہے جو قائل ہے کثرت کا
جو زاہد رکھتا ہے تسبیح کے سو دانے رہ رہ کر

حیدری نے اپنے اردو اشعار میں نہ صرف فارسی الفاظ کثرت سے استعمال کیے ہیں بلکہ کہیں کہیں اردو کے ساتھ فارسی مصرعے بھی جڑ دیے ہیں :

دوش فرمود مرا پیر خرابات بہ لطف
مےکشوں میں جو تو مشہور ہوا خوب ہوا

میاں وڈل حیدری کے اردو کلام سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک

---

۱ - یہ عبارت سندھ میں اردو شاعری ص ۲۳۴ سے ماخوذ ہے -

Marfat.com

بلند پایہ غزل‌گو شاعر تھے ۔ ان کی غزلیات حسن تغزل کی آئینہ دار ہیں ۔ ان کی غزلوں میں روایت کے ساتھ ساتھ جدت و ندرت ہے ۔ زبان و بیان کی خوبیاں بھی ہیں ۔ تشبیہات و استعارات کی دلکشی بھی :

رخ دلبر نہیں ہے چاند جو ہو ابر سے مخفی
نقاب اس پر رقیب روسیہ رکھتا ہے تہہ تہہ کر
رموز عشق بازی غیر پر کیوں کر عیاں ہوں گے
وہ خود سیمین تنوں سے سیم کا خواہاں ہے رہ رہ کر

تیغ ابرو سے اگر عشق نظر بچ جائے
خون دل اس کا یقیں دست حنا کر دے گا

ساقی کے سوا مئے کا بھی پینا نہیں اچھا
بے یار کے جگ میں کبھی جینا نہیں اچھا
اے غنچہ دہن شوخ سخن بر مرے دلبر
کیا عطر سے تیرا ہے پسینا نہیں اچھا
قسمت میں نہ جس کو ہو کبھی دوست کا دیدار
اس طرح کا تو دیدۂ بینا نہیں اچھا
اندوہ و غم و یاس و الم اس میں ہیں موجود
تو کیا دل عاشق کا خزینہ نہیں اچھا
دل میں نہ رکھ اے حیدری تو خواہش دنیا
نیکوں کی تو صحبت میں کمینا نہیں اچھا

ان کی غزلیں صاف رواں ، دلکش و دلآویز ہیں ۔ ذیل کی غزلیں دیکھیے اردو کی معیاری غزلوں میں شمار ہو سکتی ہیں ۔

دلربا کوچے سے ترے ہم تو فرقت لے چلے
ہاں در دولت سے تیرے اب یہ ذلت لے چلے
کوہکن سے وامق و فرہاد و مجنوں سے بھلا
وادی الفت میں ہم ان سب سے سبقت لے چلے

Marfat.com

عشق تیرا اے صنم اتنا ستاتا ہے کہ ہم
کفر اور اسلام کے بدلے میں وحشت لے چلے
کیا نصیب اپنا ہے یارو کوچہ دلدار سے
دولت دیدار کے بدلے میں حسرت لے چلے
یاد آیا یار کا ناخن حنائی در چمن
لالہ ساں ہم اپنے دل پر داغ حسرت لے چلے
حیدری روز ازل سے آج تک با درد و غم
شکر ایزد عشق دلبر کا سلامت لے چلے

صنم میرا مسیحائے زماں ہے
دوائے درد دل وہ جان جاں ہے
قدم سرکا نہیں سکتا ہوں یارو
بہت بوجھ اس جدائی کا گراں ہے
سراغ اس کا نہیں پایا کسی جا
نشاں اس کا تو مطلق بےنشاں ہے
نہیں خواہش ہے دل کو بوستاں کی
میرا سینہ تو رشک گلستاں ہے
نہ تھا معلوم اول عاشقی میں
ابھی کا نفع آخر میں زیاں ہے
نہیں لیتا کوئی دل عاشقوں کا
مگر دزدِ حنا تو دزدِ جاں ہے
کدھر بھولے سجن کا نام مجھ سے
سدا جو حیدری ورد زباں ہے

Marfat.com

پیر رشد اللہ شاہ

(۱۲۸۰ھ - ۱۸٦۰ء/۱۳۴۰ھ - ۱۹۲۳ء)

سندھ کا راشدی خان عدیم المثال اسلامی خدمات ، روحانی فیضان اور علمی و ادبی کارناموں کے باعث ہمیشہ سے مشہور و ممتاز رہا ہے - اس خاندان میں ہر دور میں بڑے بڑے اولیائے کرام ، علمائے دین ، مجاہدین اسلام اور ادبائے شہیر گزرے ہیں - خانوادہ راشدی کے موسس اعلیٰ حضرت پیر محمد راشد[1] المعروف بہ روضہ دھنی (۱۱۷۰ - ۱۲۳۳ھ/ ۱۷۵۷ - ۱۸۱۸ء) ولد پیر سید محمد بقا شہید رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ نسب حضرت ابو تراب علی حیدر کرم اللہ وجہہ بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے -

حضرت پیر محمد راشد رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت کے بعد ان کے فرزند اول پیر سید صبغت اللہ شاہ راشدی[2] پیر پگارا اول مشہور بہ تجر دھنی (۱۱۸۳ - ۱۲۴٦ھ/۱۷۷۹ - ۱۸۳۱ء) نے شمشیر اور قلم سے علم دین شریعت اسلام اور ملک و ملت کی جوگراں قدرخدمات انجام دی ہیں وہ ہماری قومی و اسلامی تاریخ کا ایک سنہرا باب ہے - وہ علم باطنی کے امام اور اسلامی فوج کے سربراہ تھے - انھوں نے حر جیسے مجاہدین اسلام عسکری کی تنظیم کی - سندھ میں ان کے لاکھوں مرید تھے جو ان کے ایک اشارے پر اسلام کی خاطر جان و مال نثار کرنے پر آمادہ رہتے تھے - (سید

---

۱ - تذکرہ پیر محمد راشد کے لیے ملاحظہ ہو ''تذکرہ صوفیائے سندھ از اعجاز الحق قدوسی -

۲ - تذکرہ پیر صبغت اللہ شاہ راشدی کے لیے ملاحظہ ہو الرحیم مشاہیر نمبر ۱۹٦۷ء - مرتبہ مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی مطبوعہ شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد سندھ -

Marfat.com

صبغت اللہ شاہ کی دینی تحریک ، سیاسی سرگرمیوں اور خاندانی حالات کے لیے ملاحظہ ہو مولانا غلام رسول مہر کی کتاب "سید احمد شہید" مطبوعہ کتاب منزل لاہور (ض ۳۰۲ ، ۳۰۳ ، ۳۰۸ ، ۳۱۰) -

پیر صبغت اللہ شاہ ، سید احمد شہید بریلوی کے ہم مسلک اور رفیق خاص تھے - انھوں نے سید احمد کی تحریک جہاد میں بھرپور حصہ لینے کی غرض سے اپنے مریدوں کا ایک بھاری لشکر منظم کیا تھا - سید صاحب اپنی ہندوستان گیر تحریک کے سلسلے میں ۱۷ ذیقعد ۱۲۴۶ھ (۲۴ جون ۱۸۲۶ء) میں پیر گوٹھ میں مہمان رہے - اس کے بعد صبغت اللہ شاہ اور سید احمد شہید کے درمیان ان کے مشن کے سلسلہ میں خط و کتابت بھی ہوئی[1] - (سوانح سید احمد شہید ص ۳۰۴) -

پیر صبغت اللہ اور ان کی اولاد کے بے مثال علمی و ادبی ، دینی و روحانی کمالات اور بے نظیر خدمات و کرامات تاریخی نوعیت کی حامل ہیں - پیر صبغت اللہ اپنے والد ماجدؒ حضرت پیر محمد راشد کی وفات کے بعد سجادہ نشیں ہوئے - والد گرامی کی وصیت کے مطابق پگھڑ یعنی پگڑی اپنے پاس رکھی اور پیر پگاڑا اول (پیر پگڑی والے) کہلائے - جھنڈو یعنی جھنڈا اپنے بھائی پیر محمد یسین شاہ کے سپرد کیا جو پیر جھنڈو اول (پیر جھنڈے والے) کے نام سے موسوم ہوئے - شاہ افغانستان تیمور شاہ کے بیٹے زمان شاہ نے یہ علم سندھ میں اشاعت شریعت و تبلیغ اسلام کی خاطر پیر محمد راشد کی خدمت میں از راہ عقیدت پیش کیا تھا -[2]

---

۱ - مکتوب سید حمیدالدین بحوالہ سیرت سید احمد شہید اول ، ص ۴۳ ، مطبوعہ کتاب منزل لاہور ، ملفوظات سید صبغت اللہ شاہ مخطوطہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد -

۲ - راقم الحروف پیر رشد اللہ شاہ کے پوتے حضرت پیر وھاب اللہ شاہ قبلہ کا ممنون احسان ہے کہ انھوں نے از راہ شفقت اپنے عظیم و برگزیدہ بزرگوں سے متعلق ان تاریخی کوائف و حقائق سے آگاہ فرمایا - راقم پیر وھاب اللہ شاہ کے صاحبزادے برادر عزیز

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

Marfat.com

پیر سید ابو تراب سید رشد اللہ شاہ ، پیر جھنڈو اول پیر سید محمد یسین کے پوتے اور جھنڈو دوم سید رشید الدین شاہ کے فرزند ارجمند تھے ۔ اس طرح رشد اللہ شاہ پیر جھنڈو سوم ہوئے ۔ مولانا غلام مصطفے قاسمی اپنے ایک گرانقدر مقالے میں تحریر فرماتے ہیں :

''شروع شروع میں ۱۲۸۷ھ میں پیر رشیدالدین بیعت والا جو راشدی خاندان کے موسس اعلیٰ پیر محمد راشد روضہ دھنی کے پوتے ہیں پیر جھنڈو کی مسند خلافت پر بیٹھے اور آپ نے وہاں حفظ القرآن کا ایک مدرسہ بھی قائم کیا ۔ آپ کی مجلس عالمانہ ہوتی تھی کئی علماء ہر وقت آپ کی مجلس میں شریک ہوتے تھے ۔ ان مجالس میں مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم بھی کبھی کبھی امروٹ ضلع سکھر سے آ کر شریک ہوتے تھے ۔ ۱۳۱۷ھ میں پیر رشیدالدین نے وفات فرمائی اور ان کے مسند پر ان کے صاحبزادے مولانا پیر رشداللہ صاحب العلم رونق افروز ہوئے'' ۔ (مقالہ ''پیر جھنڈو کا کتب خانہ'' ماہنامہ الولی حیدرآباد سندھ ، شمارہ اپریل مئی ۱۹۷۵ء ، ص ۳۵) ۔

مولانا عبیداللہ سندھی کو بزرگان راشدیہ[1] سے خاص عقیدت و قربت تھی ۔ انھوں نے اکثر اپنی تحریر و تقریر میں ان کی با فیض صحبتوں کا ذکر کیا ہے ۔ مولانا اپنے خود نوشت سوانح حیات میں لکھتے ہیں :

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

پیر عبداللہ شاہ کا بھی دلی ممنون ہے کہ ان کی خاص توجہ اور تعاون سے راقم کو کتب خانہ پیر جھنڈو سے استفادے کا شرف حاصل ہوا ۔ یہ محترم حضرات جس اخلاص و محبت اور فراخ دلی سے علمی و دینی کاموں میں مدد فرماتے ہیں وہ ان کی شاندار خاندانی روایات کی یاد دلاتی ہے ۔ ان کے اس طرز کرم سے دلوں میں مردان خدا کی عظمت ماضی و حال کی شمع فروزاں ہوجاتی ہے ۔

۱ ۔ مولانا عبیداللہ سندھی قادری راشدی طریقہ کے سیدالعارفین حضرت حافظ محمد صدیق (بھر چونڈی والے) کے ہاتھوں مشرف بہ اسلام ہوئے اور انھیں سے بیعت کی تھی ۔ (خطبات عبیداللہ ، ص ۶۰) ۔

Marfat.com

"گوٹھ پیر جھنڈا[1] ضلع حیدرآباد میں راشدی طریقے کے پیر صاحب العلم کے پاس علوم دینیہ کا بے نظیر کتب خانہ[2] تھا میں دوران مطالعہ وہاں جاتا رہا اور کتابیں مستعار بھی لاتا رہا۔ میری تکمیل مطالعہ میں کتب خانے کے فیض کو بڑا دخل ہے۔

۱۔ گوٹھ پیر جھنڈو تحصیل ہالا ضلع حیدرآباد سندھ کا ایک چھوٹا سا گاؤں ہے جو بھٹ شاہ (مشرقی جانب) شہر ہالا (مغربی جانب) سے آگے سعید آباد کے قریب حیدرآباد اور سکھر کی ہائی وے پر واقع ہے۔ یہ گاؤں خانوادہ راشدیہ کے نامور علمائے دین، اکابر ملت مجاہدین اسلام اور مشاہیر ادب کا مسکن رہا ہے۔ یہاں مدت سے برصغیر کا ایک مشہور مدرسہ دارالرشاد اور ایک عظیم کتب خانہ قائم ہے جس کی بنا پر یہ خطہ راشدیہ ہمیشہ سے اسلامی تہذیب و ثقافت، علوم و فیوض اور برکات و کرامات کا گہوارہ رہا ہے۔

۲۔ ۱۳۱۹ھ میں پیر رشد اللہ شاہ نے جب مدرسہ دارالرشاد کی داغ بیل ڈالی اس کے اساتذہ اور طلباء کے مطالعہ کے لیے ایک علمی کتب خانہ بھی قائم کیا یہ کتب خانہ نہ صرف سندھ بلکہ پورے برصغیر پاک و ہند میں علوم و فنون کا ایک اہم مرکز ثابت ہوا۔ اس علمی لائبریری سے سندھ اور بیرون سندھ یہاں تک کہ اسلامی ممالک کے بڑے بڑے علمائے کرام نے استفادہ کیا جن میں خاص طور پر علمائے دیوبند بھی شامل ہیں اس زمانے میں اسلامی علوم و فنون کی کتابوں کی تعداد پچیس ہزار تک پہنچ چکی تھی جو کتب خانہ پیر جھنڈو کی ملکیت تھی۔

کتب خانہ پیر جھنڈو کی خصوصیت و اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اکثر قلمی اور خطی نسخے جو دنیا کے کتب خانوں میں نایاب ہیں اس کتب خانے میں موجود ہیں۔ پیر رشد اللہ شاہ اور ان کے مصاحبین و مقربین نے اس کتب خانے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

Marfat.com

اس کے علاوہ حضرت مولانا رشید الدین صاحب العلم ثالث کی صحبت سے مستفید ہوا میں نے ان کی کرامتیں دیکھیں ، ذکر اسماء الحسنیٰ میں نے انھیں سے سیکھا۔ وہ دعوت توحید و جہاد کے ایک مجدد تھے۔

"حضرت مولانا ابو تراب رشد اللہ صاحب العلم الرابع سے علمی صحبتیں رہیں وہ علم حدیث کے بڑے جید عالم اور صاحب تصنیف تھے"۔

(کابل میں سات سال از مولانا عبیداللہ سندھی، ص ۱۰۰ مطبوعہ سندھ ساگر اکیڈمی لاہور ، ۱۹۵۵ء)

رشد اللہ شاہ ۱۲۸۰ھ/۱۸۶۰ء میں اپنے آبائی گاؤں "پیر جھنڈو" میں پیدا ہوئے تاریخ وفات ۶ شعبان ۱۳۴۰ھ مطابق ۲۳ اپریل ۱۹۲۳ء ہے۔

ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت خاندانی روایت کے مطابق گھر کی علمی و دینی فضا میں ہوئی۔ شیخ حسین بن محسن یمانی جیسے مقتدر معلم کے زیر نگرانی متعدد علوم و فنون کی تحصیل و تکمیل کی۔

رشد اللہ صاحب سیف بھی تھے صاحب قلم بھی۔ انھوں نے تحریک خلافت میں بڑی سرگرمی و سرفروشی سے حصہ لیا۔ قید فرنگ کی صعوبتیں بھی جھیلیں ، انگریزوں نے انھیں اس تحریک سے علیحدگی اختیار کرنے کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کے لیے نادر و نایاب کتابیں دنیا کے مختلف کتب خانوں اور علمی درسگاہوں سے لا کر یا نقل کروا کر جمع کی تھیں اس سلسلے میں کتب خانہ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی ، ٹھٹھہ دائرۃالمعارف حیدرآباد ، کتب خانہ جدہ ، مصر وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ علاوہ ازیں سندھی علماء ، مجاہدین و محدثین کی فارسی و عربی تصنیفات و تالیفات کے خطی و قلمی نسخوں کا جتنا نادر و قیمتی ذخیرہ کتب خانہ پیر جھنڈو میں محفوظ ہے وہ سندھ کی کسی لائبریری میں نہیں ہے (راقم نے اس نوٹ کے سلسلے میں اپنی نجی معلومات کے علاوہ مولانا غلام مصطفے قاسمی کی اطلاعات سے بھی استفادہ کیا ہے)۔

Marfat.com

لیے طرح طرح کے لالچ دیے ، مختلف ہتھکنڈے استعمال کیے لیکن اس مرد خدا کے عزم و استقلال میں کبھی جنبش نہ ہوئی ، اپنے موقف و مشن پر مضبوط چٹان کی طرح ڈٹے رہے[1] ۔

پیر رشد اللہ شاہ صاحب العلم کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ پیر جھنڈو میں دینی مدرسہ عالیہ — دارالرشاد — اور عظیم کتب خانہ کا قیام ہے ۔ مدرسہ اور کتب خانے کے تمام اخراجات خود رشد اللہ پورے کرتے تھے ۔ برصغیر پاک و ہند کے ہر گوشے میں ان دونوں تعلیمی و علمی اداروں کے تربیت و فیض یافتگان موجود ہیں ۔ پیر صاحب مکتبہ فکر دیو بند سے مستفیض تھے ۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی سے خاص تعلق رکھتے تھے ۔ اس بارے میں عبیداللہ سندھی ارشاد فرماتے ہیں :

> ''لوگوں کو شاید یہ بھی معلوم نہ ہو کہ مولانا شیخ الہند کا سندھ میں کس قدر اثر تھا ۔ میرے مرشدوں کے سلسلے میں مولانا تاج محمود امروٹی حضرت پیر صاحب العلم الرابع رشد اللہ کراچی کے مدرسہ مظہر العلوم اور گوٹھ پیر جھنڈو کے مدرسہ دارالرشاد کے متعلق علماء کی جماعتیں سب دیوبندی اسکول سے تعلق رکھتے تھے'' ۔

(برصغیر پاک و ہند کے علمی ادبی اور تعلیمی ادارے ص ۵۳)

مولانا پیر رشداللہ نے مولانا عبیداللہ سندھی کو امروٹ (ضلع سکھر) سے بلوایا اور ان کی محبت میں مدرسہ دارالرشاد[2] کا سنگ بنیاد رکھا ۔

---

۱ ۔ رشد اللہ شاہ نے تحریک خلافت میں جو اہم کردار ادا کیا تھا اس کی تفصیلات ان کے پوتے حضرت پیر وھاب اللہ شاہ ساکن پیر جھنڈو کی زبانی معلوم ہوئیں ۔ اگر یہ تمام تفصیلات لکھی جائیں تو سندھ میں تحریک خلافت اور تحریک آزادی سے متعلق ایک ضخیم کتاب منصہ شہود میں آ سکتی ہے ۔ اہل سندھ نے تحریک آزادی میں کیا حصہ لیا تھا اس بارے میں تاریخی حقائق سے بھی آگہی ہو سکتی ہے ۔

۲ ۔ مدرسہ دارالرشاد میں پیر جھنڈو کا قیام ماہ رجب ۱۳۱۹ھ (۱۹۰۱ء)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

Marfat.com

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

میں عمل میں آیا اس کے بانی اور سرپرست پیر رشد اللہ شاہ صاحب العلم اور اول معاون ، معتمد ، منتظم اور صدر مدرس مولانا عبید اللہ سندھی تھے ۔ اس مدرسے کو عالم وجود میں لانے کا اصل مقصد دینی علوم و معارف کی تعلیم و تبلیغ اور شاہ ولی اللہ کے افکار و خیالات کا تعارف اور نشر و اشاعت تھا ۔ اس مدرسے میں کل ہند سطح پر بیشمار علماء و طلباء کو سیاسی ، سماجی ، تہذیبی اور ثقافتی زندگی میں قرآنی انقلاب لانے کی غرض سے ذہنی و فکری تربیت دی گئی ۔ ان اغراض و مقاصد کی تحصیل و تکمیل کے لیے ایک عظیم کتب خانہ کے علاوہ شعبہ تصنیف و تالیف بھی قائم کیا گیا ۔ المطابع کے نام سے ایک مطبع ، "ہدایت الاخوان" کے نام سے ایک رسالہ جاری کیا گیا ۔ مدرسے میں "السواد الاعظم" کے نام سے ایک مجلس افتا بھی قائم تھی جسے مدرسہ مظہرالعلوم کراچی کے اساتذہ کرام کا تعاون حاصل تھا ۔

حافظ محمد یعقوب خاندان راشدیہ کی عدیم المثال خدمات سے متعلق رقمطراز ہیں :

"مدرسہ دارالرشاد سے ہزاروں عالم باعمل پیدا ہوئے جنہوں نے ملک کے مختلف علاقوں میں دینی علوم کی تعلیم و تدریس کی مسندیں آراستہ کیں اور اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے سلسلے میں مدارس قائم کیے۔ یہ تعلیمی مدارس تبلیغ کے سلسلے نہ صرف سندھ بلکہ بلوچستان مکران ، کچھ اور پنجاب تک پھیلے ہوئے ہیں ان کا فیضان آج تک جاری ہے" ۔ (برصغیر پاک و ہند کے علمی ، ادبی اور تعلیمی ادارے ص ۵۷) ۔

صدر دارالرشاد کی غیر معمولی اہمیت اور اس کے اساتذہ و تلامذہ کی ملک گیر خدمات کا اندازہ مولانا عبید اللہ سندھی کے ان الفاظ سے بھی لگایا جا سکتا ہے :

"لوگوں کو یہ معلوم کر کے حیرت ہو گی کہ نان کو آپریشن

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

Marfat.com

مولانا سندھی اس مدرسہ کے اول معتمد اور صدر مدرس مقرر ہوئے۔ مولانا سندھی تحریر فرماتے ہیں :

''مولانا رشد اللہ صاحب العلم الرابع نے ۱۳۱۹ھ میں میری تجویز کے موافق مدرسہ بنانے کا ارادہ کیا یہ نام بھی میری تجویز سے مقرر ہوا۔ میں اس میں شریک ہوا سات سال تک علمی اور انتظامی اختیارات کے ساتھ کام کرتا رہا''۔

مولانا عبیداللہ سندھی کے شاگرد ارشد مولانا غلام مصطفے قاسمی کے ایک بیان کے مطابق ''یہ مدرسہ آگے چل کر سندھ میں دینی علوم کی عظیم درس گاہ ثابت ہوا جہاں برصغیر کے نامور علماء سولانا انور شاہ کشمیری ، مولانا اشرف علی تھانوی ، محدث یعنی حضرت شیخ الہند اور دوسرے اکابر آتے رہے ۔

مولانا پیر رشد اللہ شاہ زبردست عالم دین اور اپنے وقت کے بہت بڑے محدث اور مفسر تھے۔ انھوں نے ''رجال طحاوی'' پر عربی میں ایک عالمانہ کتاب لکھی جس کو علماء دیوبند نے دیوبند سے شائع کیا۔ یہ بڑے پائے کی کتاب مانی جاتی ہے۔

مولانا رشد اللہ صاحب کا کتابوں سے لگاؤ کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ آپ نے جدہ کے کتب خانے میں علامہ خطیب بغدادی کی ''تاریخ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کی تحریک جو خلافت کے زمانے میں کانگریس نے قبول کی ہے وہ مدرسہ دارالرشاد کے ایک دیو بندی استاد مولانا نورالحق کی تجویز تھی''۔

(ایضاً ، ص ۵۸)

(علم و آگہی مجلہ گورنمنٹ نیشنل کالج کراچی ، خصوصی شمارہ ۱۹۷۴ - ۷۵ء مرتبہ پروفیسر ابو سلمان شاہجہانپوری ، ماخوذ از مولانا غلام مصطفے قاسمی)۔

۱ - میری زندگی ، مشمولہ خطبات عبید اللہ ، ص ٦٧ -

Marfat.com

بغداد'' کا ایک قلمی نسخہ دیکھا ۔ اس وقت تک یہ کتاب اشاعت پذیر نہ ہوئی تھی آپ نے اس دور میں زر کثیر خرچ کر کے اس کتاب کی فوٹو نکلوائی اور اس کو اپنے کتب خانے میں رکھوایا ۔ جب مصر والوں کو اس کا علم ہوا کہ اس کتاب کے ایسے بھی شائق ہیں تو انھوں نے اس کو چھاپنا شروع کیا اور چھاپنے کے بعد جدہ والوں سے پیر صاحب کا صحیح پتہ معلوم کر کے ان کی طرف ''تاریخ بغداد'' کا مطبوعہ نسخہ بطور ہدیہ اور تحفہ مفت بھجوا دیا ۔ میں نے اس کتاب کی فوٹو بھی پیر جھنڈو لائبریری میں دیکھی ہے ۔

جس طرح حیدرآباد دکن والوں نے پیر جھنڈو کی علمی لائبریری سے چند نادر کتابوں کی نقلیں لیں اسی طرح مولانا پیر رشد اللہ نے اپنے خاص مقربین سندھی علماء کو حیدرآباد دکن بھجوا کر دائرۃالمعارف کے علمی کتب خانہ سے چند نادر کتابوں کی نقلیں کروائیں[1] ۔

پیر رشد اللہ شاہ عربی کے علاوہ فارسی اور اردو پر بھی کامل عبور رکھتے تھے ۔ ان کے گھر میں فارسی اور اردو بولنے اور لکھنے کا رواج عام تھا ۔ انھوں نے اردو میں بھی کتابیں لکھی ہیں ۔ اردو میں ان کی دو تصانیف کا پتہ چلتا ہے جن میں ایک مطبوعہ اور دوسری غیر مطبوعہ ہے ۔

(۱) **الفارقۃ بین اہل اللہ و بین المارقۃ** (مطبوعہ)
(پیر اور مرید کے لیے ہدایت کرنے والا)

تیرہ صفحات کا یہ مختصر سا رسالہ ۱۳۳۱ھ میں حکیم محمد حنیف ہاشمی کے زیر اہتمام شائع ہوا ۔ یہ کتاب مریدوں کے لیے رشد و ہدایات کا بصیرت افروز مرقع ہے ۔ اس کا ایک نسخہ کتب خانہ درگاہ شریف سعید آباد میں موجود ہے ۔ اس کتاب کی چند سطریں بطور نمونہ نثر نقل کی جاتی ہیں :

---

۱ ۔ مقالہ ''پیر جھنڈو کا کتب خانہ'' از مولانا غلام مصطفے قاسمی الولی حیدرآباد اپریل مئی ۱۹۷۵ء ، ص ۳۷ ۔

Marfat.com

نسب نام

پیر محمد راشد ولد پیر
(۰

صبغت اللہ شاہ اول پیر پگارا اول
(تجر دھنی) (۱۱۸۳ - ۱۲۴۶ھ)

علی گوہر شاہ اصغر (چنگلی دھنی)
(۱۲۳۱ - ۱۲۶۳ھ)

پیر علی محمد شاہ
(۱۲۳۴ - ۱۲۸۴)

حزب اللہ شاہ (تخت دھنی)
۱۲۵۹ - ۱۳۰۸ھ

پیر شاہ
(۱۳۴۹ھ)

شاہ مردان شاہ کوٹ دھنی)
(۱۲۷۹ - ۱۳۴۰ھ)

حامد شاہ راشد
(۱۳۰۱ھ)

صبغت اللہ شاہ دوم شہید
(۱۳۲۷ھ)

شاہ مردان شاہ ثانی پیر پگارا
پیر سکندر شاہ (موجودہ
گدی نشین)

پیر علی محمد شاہ
راشدی ولادت
۱۳۲۴ھ - ۱۹۰۵ء

(یہ نسب نامہ مشفق و محترم حضرت پیر سید و

(۲) عیز
یہ
ذی الحج
موجود .

Marfat.com

الله شاہ

شہید (روضی دھنی)
ھ)

پیر محمد یسین پیر جھنڈو وال

پیر سید رشیدالدین شاہ
پیر جھنڈو دوم متوفی ۱۳۱۷ھ

سید رشد اللہ شاہ پیر جھنڈو سوم

فضل اللہ شاہ پیر جھنڈو
چہارم عرف احسان اللہ شاہ

ضیاء اللہ شاہ

وہاب اللہ شاہ

اللہ شاہ پیر
جھنڈو پنجم

محمد بدیع الدین
شاہ

مد شاہ

پیر حسام الدین راشدی
ولادت ۱۳۲۹ھ - ۱۹۱۱ء
وفات :

شاہ ساکن گوٹھ پیر جھنڈو کے تعاون سے تیار ہوا)

Marfat.com

(٢) عيز
يه
ذى الحج
موجود .

Marfat.com

کی روشنی میں با جماعت نماز کے بعض متنازعہ مسائل پر نہایت عالمیت کے ساتھ بحث کی ہے ۔ اس مذہبی کتاب کو اردو میں لکھنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی اس کی وضاحت مصنف نے شروع میں ان الفاظ میں کی ہے ۔

''ان ایام یعنی سنہ تیرہ سو ھجری میں ''الشمس اللامعہ فی کراھة الجماعة الثانیة'' نظر سے گزری کہ جس میں بلا وجہ وجیہ اور بغیر کسی دلیل صحیح کے جماعت ثانیہ کو مکروہ ٹھہرایا ہے اور جماعت اول کے بعد خواہ جس قدر نمازی جمع ہو جاویں سب کی نسبت الگ الگ پڑھنے کا حکم لگا دیا ۔ عوام بیچارے دھوکے میں پڑ گئے ۔ بلکہ بعض تو شدت تعصب سے حد سے متجاوز ہو گئے لٰہذا مناسب معلوم ہوا کہ ناواقفوں کی تنبیہ اور تفہیم کے لیے اس مسئلے کے متعلق تحقیق لکھی جاوے تاکہ ان بیچاروں کو اصلی مسئلے سے واقفیت ہو جاوے اسی وجہ سے اردو میں لکھنا بہتر معلوم ہوا'' ۔ (ص ۱)

اب اس کتاب کے اصل متن کا ایک اقتباس حسب ذیل ہے :

''کراہت تحریر جماعت معہ اذان و اقامت پر اتفاق مسلم نہیں اور مطلق کراہت سے تحریم کے ہونے کا حال تو پہلے ہی معلوم ہوچکا پس امام ابو یوسف کی روایت جس کو شارح نے صحیح قرار دیا یہ معنی کرنا کہ نفی صرف تحریمہ کی ہے نہ مطلقہ کی صحیح نہیں اور یہ جو کہا کہ مطلق کی نفی سے لازم آوے گا کہ تکرار معہ اذان اور اقامت بھی بہ ترک محراب مکروہ تحریمی ہے لٰہذا تحریمہ ہی کی نفی مراد رکھنا چاہیے تو جواب اس کا یہ ہے کہ اس صورت کا مکروہ ہونا تو حسب روایت اولٰی کے ہے اور یہ روایت دوسری ہے پس اس روایت کے مضمون کو تو پہلی روایت کے مخالف ہونا چاہیے والا دو روایت ٹھہرانا باطل ٹھہرے گا ۔ پس اس میں مطلق کراہت کی نفی سے جو مقتضی ظاہر لفظ کا ہے کوئی خرابی لازم نہیں آتی اور جس نے اس کو صحیح اور راجح قرار دیا اس کے نزدیک ظاہر روایت صحیح و مقبول تھی'' ۔ (ص ۵۹)

Marfat.com

مولانا عبید اللہ سندھی

(۱۲۸۹ - ۱۳۶۳ھ/۱۸۷۲ - ۱۹۴۴ء)

امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی دیوبندی[1] ایک عظیم المرتبت عالم دین ، مفسر قرآن ، مفکر اسلام اور مجاہد قوم تھے ۔ ان کی انقلاب آفرین شخصیت اور درویشانہ زندگی کا ایک ایک لمحہ عالم اسلام کی آزادی و بقا ، ملک و ملت کی اصلاح و فلاح ، قرآنی انقلاب کی تبلیغ اور امام شاہ ولی اللہ کے علوم و افکار کے تعارف اور اشاعت کے لیے وقف تھا ۔ بقول حضرت احسان دانش :

''میرے خیال میں پیغمبر کے بعد ایسے علماء کی ضرورت تھی جو

---

۱ ۔ مولانا عبیداللہ سیالکوٹ میں پیدا ہوئے تھے جب وطن چھوڑا تو سب سے پہلے سندھ کا رخ کیا ۔ وہ اپنے نام کے ساتھ فخریہ ''سندھی'' کیوں لکھتے تھے اور آج تک سندھی کیوں کہلاتے ہیں نیز دیوبند سے تعلق پر بھی انھیں ناز تھا ۔ اس کی وجہ تسمیہ خود مولانا کی زبانی سنئے :

''میں اسے واضح کرنا چاہتا ہوں کہ میری زندگی کا سندھ اور دیوبند سے خصوصی تعلق ہے ۔ میں نے دارالعلوم دیوبند میں تعلیم پائی اور میری علمی و سیاسی تربیت میں حضرت مولانا شیخ الہند خصوصی مربی تھے ۔ جن سے میرا رابطہ ۸۹۹ ہندی سے شروع ہو کر ان کی وفات کے سال ۹۱۹ ہندی تک مسلسل رہا ۔ اس کے بعد ارشاد طریقہ اور تربیت صحبت اور عملی زندگی سندھ کے راشدی مرشدوں کے ظل عاطفت میں شروع ہوئی اور بفضلہ تعالیٰ میرا یہ تعلق آج تک قائم ہے''۔ (مقالات عبیداللہ ، ص ۲۱۶) ۔

Marfat.com

بندگان خدا کو عقائد اور اعمال صالح سے خبردار رکھتے"۔

مولانا عبید اللہ سندھی نے ایک سکھ خاندان میں جنم لیا لیکن عین نوجوانی میں ان کے دل میں چراغ توحید ایسا روشن ہوا کہ وہ ایک درخشندہ ستارہ بن کر دنیائے اسلام میں نمودار ہوئے اور لاکھوں دلوں کو انوار توحید و رسالت سے منور کیا۔

مولانا اپنے خاندان، ولادت ابتدائی تعلیم، قبول اسلام اور اسلامی نام کے بارے میں اپنے خود نوشت حالات[2] زندگی میں تحریر فرماتے ہیں:

"میں ضلع سیالکوٹ کے ایک گاؤں (چیانوالی) میں (ص ۵۷) بشب جمعہ قبل صبح ۱۲ محرم ۱۲۸۹ھ ۱۰ مارچ ۱۸۷۲ء میں پیدا ہوا۔ میرے باپ دادا کا پورا نام رام سنگھ ولد جسپت رائے ولد گلاب رائے ہے۔ کہتے ہیں کہ میرے دادا سکھ حکومت میں اپنے گاؤں کے کاردار تھے۔

"میری تعلیم ۱۸۷۸ء سے جام پور کے اردو مڈل اسکول میں شروع ہوئی ۱۸۸۷ء میں مڈل کی تیسری جماعت میں پڑھتا تھا کہ اظہار اسلام کے لیے گھر چھوڑ دیا۔

۱۸۸۴ء میں مجھے اسکول کے ایک آریہ سماجی لڑکے کے

۱۔ جہان دانش جلد دوم (قلمی نسخہ)۔ حضرت احسان دانش راقم الحروف کے دیرینہ بزرگ محترم اور مشفق کرم فرما ہیں۔ ۱۹۷۶ء میں لاہور میں ان کے دولت کدے میں ملاقات کے دوران جہان دانش کا یہ دوسرا حصہ (قلمی) دیکھنے کا شرف حاصل ہوا۔ جہان دانش کا پہلا حصہ اس قدر جلد فروخت ہو گیا کہ ایسی مقبولیت دوسرے مصنفوں کی بہت کم کتابوں کو حاصل ہوئی ہے۔ احسان دانش کی شاعرانہ عظمت سے سب ہی واقف ہیں لیکن بحیثیت نثر نگار بھی ان کا بہت بلند مقام ہے یہ حقیقت "جہان دانش" کی اشاعت اول سے منکشف ہوئی۔

۲۔ میری زندگی۔ مشمولہ خطبات عبیداللہ سندھی بار اول مطبوعہ سندھ ساگر اکیڈیمی لاہور، قبل از پاکستان۔

Marfat.com

ہاتھ سے (ص ۵۸) "تحفۃ الہند" ملی۔ میں اس کے مسلسل مطالعہ میں مصروف رہا اور بتدریج اسلام کی صداقت پر یقین بڑھتا گیا۔ ہمارے قریب کے پرائمری اسکول (کوٹلہ مغلاں) سے چند دوست بھی مل گئے جو میری طرح تحفۃ الہند کے گرویدہ تھے انھیں کے توسط سے مجھے مولانا اسماعیل شہید کی "تقویت الایمان" ملی۔ اس کے مطالعہ پر اسلامی توحید اور "پرانک" شرک اچھی طرح سمجھ میں آ گیا۔ اس کے بعد مولوی محمد صاحب لکھنوی کی کتاب "احوال الآخرت" کا بار بار مطالعہ کیا۔ اب میں نے نماز سیکھ لی اور اپنا نام تحفۃ الہند کے مصنف کے نام پر عبیداللہ خود تجویز کیا۔

۱۵ اگست ۱۸۸۷ء کو تو کلاً علی اللہ نکل کھڑا ہوا۔ میرے ساتھ کوٹلہ مغلاں کا ایک رفیق عبدالقادر تھا ہم دونوں عربی مدرسہ کے ایک طالب علم کے ساتھ کوٹلہ رحم شاہ میں پہنچے۔ میرے اعزہ تعاقب کرنے لگے تو میں سندھ کی طرف روانہ ہو گیا۔ عربی صرف کی کتابیں میں نے اسی طالب علم سے پڑھنا شروع کر دی تھیں"۔ (خود نوشت، ص ۵۸ - ۵۹)۔

مولانا سندھ کے ایک قصبہ بھر چونڈی ضلع سکھر میں پہنچ کر سیدالعارفین حضرت حافظ محمد صدیق کے ہاتھوں مشرف بہ اسلام ہوئے اور سلسلہ راشدیہ قادریہ میں انھیں سے بیعت کی۔ چند ماہ سیدالعارفین کی صحبت میں رہ کر اسلامی شریعت اور باطنی کیفیت کی روشنی لے کر بھر چونڈی سے رخصت ہوئے۔ حق و معرفت کی جستجو اور طلب علم و عرفان کا جنون دل میں لیے پہلے ریاست بہاولپور کی ایک مسجد میں ابتدائی عربی کتابیں پڑھیں۔ پھر دین پور (ریاست) میں اپنے مرشد سید العارفین کے خلیفہ اول مولانا ابوالسراج غلام محمد کی خدمت میں مولانا عبدالقادر اور مولوی خدا بخش سے ابتدائی دینی کتابیں پڑھیں۔

۱۳۰۶ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ شرح جامی حکمت و

Marfat.com

منطق کی دوسری کتابیں مولانا حکیم محمد حسن اور دیگر اساتذہ سے پڑھیں۔ کتب حکمت و منطق کی تکمیل کے لیے مولانا احمد حسن کانپوری کے مدرسے میں چلے گئے پھر چند ماہ مدرسہ عالیہ رام پور میں مولوی ناظرالدین سے درس لینے کے بعد ۱۳۰۶ھ میں دوبارہ دیوبند واپس آ گئے۔

دیوبند میں شیخ الہند حضرت محمود الحسن، مولانا حافظ محمد احمد، مولانا سید احمد دہلوی وغیرہ جیسے علمائے عظام و مستند اساتذہ کرام کی شاگردی میں دارالعلوم سے دستارفضیلت حاصل کی۔ گنگوہ میں مولانا رشید احمد گنگوہی سے بھی فیضیاب ہوئے۔ پھر دہلی چلے گئے جہاں مولوی عبدالکریم پنجابی دیوبندی اور حضرت مولانا سید نذیر حسین جیسے اہل تحقیق و اہل معارف سے علوم حدیث کی تکمیل کی۔

مولانا عبیداللہ نے ۲ جمادی الثانی ۱۳۰۸ھ (۳۱ جنوری ۱۸۹۱ء) کو پھر سندھ کا رخ کیا۔ اپنے مربی و مرشد حافظ محمد صدیق کی زیارت کے لیے بھر چونڈی (سکھر) پہنچے لیکن دس دن پہلے وہ دنیا سے رخصت ہو چکے تھے۔ اس لیے مولانا اپنے پیر کے دوسرے خلیفہ مولانا ابوالحسن تاج محمود کے پاس امروٹ ضلع سکھر چلے گئے۔ مولانا ابوالحسن کے زیر شفقت و ہدایت ۱۳۱۵ھ تک ان کی صحبت میں رہے اور ان کے کتب خانہ سے مستفید ہوئے۔

مولانا عبیداللہ ۱۳۱۵ھ (۱۸۹۷ء) میں دیوبند میں شیخ الہند کی خدمت میں پہنچے اور ان کے حسب ہدایت امروٹ جا کر اپنی عملی زندگی کا آغاز کیا۔ امروٹ میں ایک مطبع قائم کیا جس کے تحت عربی و سندھی کی نایاب و نادر کتابیں شائع کیں۔ "ہدایت الاخوان" کے نام سے ایک ماہوار رسالہ بھی جاری کیا چونکہ مولانا کی طبیعت کا میلان فطری طور پر تعلیم و تبلیغ اور درس و تدریس کی طرف نسبتاً زیادہ تھا اس لیے پریس اور رسالہ کے کام ختم ہو گئے۔

۱۳۹۱ھ (۱۹۰۱ء) میں مولانا پیر راشد اللہ کی سرپرستی میں مولانا عبیداللہ سندھی کے بھرپور تعاون سے پیر جھنڈو میں مدرسہ دارالرشاد کا قیام عمل میں آیا تو ناظم اعلیٰ اور صدر معلمین کے عہدے مولانا

Marfat.com

سندھی کو تفویض ہوئے۔ یہ مشاغل ان کی طبیعت اور مزاج کے عین مطابق تھے بڑی محنت اور لگن سے کام کرتے رہے بے شمار طلباء ان کے دامن فیض سے مستفیض ہوئے۔

مولانا عبیداللہ سندھی شروع سے اکابر راشدیہ کے بے حد معتقد تھے۔ ایام طالب علمی میں وہ پیر جھنڈو جاتے رہے وہاں پیر رشیدالدین صاحب الثالث بیعت والا کی علمی و روحانی صحبتوں سے فیضیاب ہوتے رہے ان کے کتب خانے سے استفادہ بھی کیا[1]۔ مدرسہ دارالرشاد سے منسلک ہوئے تو پیر رشیدالدین کے صاحبزادے حضرت پیر راشد اللہ شاہ سے وابستگی و شیفتگی رہی۔ مولانا عبیداللہ نے علوم و معارف اور سلوک و صفا کی راہ میں طریقہ قادریہ[2] راشدیہ ہی کو مشعل راہ بنایا۔

حضرت شیخ الہند کے طلب کرنے پر ۱۳۲۷ھ میں پھر دیوبند گئے۔ حضرت شیخ کے حسب حکم جمعیت الانصار دیوبند سے وابستہ ہو گئے اور سندھ سے بھی تعلق رہا۔ مولانا عبیداللہ لکھتے ہیں "چار سال تک جمعیت الانصار میں کام کرتا رہا پھر حضرت شیخ الہند کے ارشاد سے میرا کام دیوبند سے دھلی منتقل ہوا۔ ۱۳۳۱ھ (۱۹۱۳ء) میں نظارۃ المعارف قائم ہوئی اس کی سرپرستی میں حضرت شیخ الہند کے ساتھ حکیم اجمل خان اور نواب وقارالملک ایک ہی طرح شریک تھے[3]"۔

۱۔ ملاحظہ ہو خطبات عبیداللہ، ص ۶۴۔

۲۔ مولانا سندھی اپنے خود نوشت حالات زندگی (خطبات ص ۶۵) میں رقمطراز ہیں — "طریقہ قادریہ اور نقشبندیہ مجددیہ کے اشغال و افکار بھی حسب الاستطاعت حضرت سید العارفین کے خلیفہ اعظم مولانا ابو السراج دین پوری سے سیکھتا رہا۔ اگر میری کوئی دنیاوی ضرورت امروٹ میں پوری نہ ہوتی تو دین پور سے حاصل کر لیتا اس طرح مجھے اپنے مرشد کی جماعت سے باہر جانے کی ضرورت نہیں ہوئی"۔

۳۔ مولانا سندھی کی کہانی خود اپنی زبانی — حیات عثمانی غیر مطبوعہ
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

Marfat.com

پروفیسر محمد سرور (سابق استاد جامعہ ملیہ اسلامیہ دھلی) لکھتے ہیں — "دیوبند سے مولانا عبیداللہ دہلی آ گئے اور پہلے کے بنے ہوئے اسلامی سماج کے خلاف قرآن کے بنائے ہوئے اصولوں پر اسلامی سماج بنانے کی طرح ڈالی ۔ نظارۃ المعارف دہلی کے مدرسے کی تاسیس کا مقصد یہی تھا[۱]۔

۱۳۳۲ھ (۱۹۱۴ء) میں پہلی عالمگیر جنگ عظیم (جو ۱۹۱۸ء تک جاری رہی) چھڑ جانے کے باعث نظارۃ المعارف کا کام ملتوی ہو گیا اور مولانا عبیداللہ اپنے مرشد و استاد حضرت شیخ الہند کے حکم پر کابل (افغانستان) روانہ ہو گئے ۔ اس زمانے میں امیر حبیب اللہ خان افغانستان کے سربراہ مملکت تھے ۔ اس تاریخی سفر کا مقصد اتحاد عالم اسلام اور ہندوستان کو انگریزوں کی آمریت سے نجات دلانا تھا[۲] ۔

۱۹۲۲ء میں افغانستان سے ماسکو (روس) پہنچے ۔ روس کے عرصہ قیام میں مولانا نے سوشلزم کا مطالعہ کیا جس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا بقول مولانا کے "میں اپنی مذہبی تحریک کو جو امام ولی اللہ کے فلسفہ کی ایک شاخ ہے اس زمانے کے لادینی حملے سے محفوظ کرنے کی تدابیر سوچنے میں کامیاب ہوا" (خطبات ص ۶۹) ۔

۱۹۲۳ء میں مولانا عبیداللہ انقرہ (ترکی) چلے گئے ۔ مصطفے اتاترک کا طوطی بول رہا تھا ۔ ترکی میں ایک نئے انقلابی دور کا آغاز تھا جس نے ترک قوم کی زندگی کو نئی طرز تہذیب عطا کی ۔ استنبول میں مولانا نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کے چند اوراق از پروفیسر انوار الحسن شیر کوٹی ص ۲۹۳ - ۲۹۴ بحوالہ ماہنامہ الرشید لاہور دارالعلوم دیوبند نمبر ، فروری ، مارچ ۱۹۷۶ء ۔

۱ ۔ حالات ، تعلیمات اور سیاسی افکار مولانا عبیداللہ سندھی از محمد سرور ص ۳۸ سندھ ساگر اکیڈیمی لاہور ۔

۲ ۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو مقالہ "چند تاریخی حقائق" از صاحبزادہ ظہیر الحق ماہنامہ الولی حیدرآباد سندھ ، جون جولائی ، ۱۹۷۵ء ۔

Marfat.com

قرآنی آئین کی بنیاد پر اسلامی نظام کا ایک پروگرام اردو میں مرتب کیا جس کا انگریزی ترجمہ ظفر حسن ایبک نے — دی کانسٹی ٹیوشن آف دی فیڈریلیٹڈ آف انڈیا (The Constitution of the Federalated of India) کے نام سے کیا اور حکومت ترکی کی منظوری سے قدرے ترمیم کے بعد استنبول میں شائع ہوا۔

مولانا عبیداللہ ۱۳۴۵ھ میں ترکی سے روانہ ہوئے۔ یورپ کے مختلف ممالک اٹلی اور سوئزرلینڈ وغیرہ کی سیاحت کرتے ہوئے سرزمین حجاز میں پہنچے۔ وہاں ابن سعود کی اصل اسلامی حکومت کا نقشہ اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

مکہ معظمہ کے دوران قیام مولانا سے کئی عرب اور ہندی خاندانوں سے علمی تعلقات قائم ہوئے علمائے حجاز اور ان کے کتب خانوں سے استفادہ کیا۔ سارا وقت مطالعہ اور تدریس و عبادت میں گزرتا۔ اردو کی نئی مطبوعات اور نئے رسائل و جرائد بھی زیر مطالعہ رہتے۔ شاہ ولی اللہ اور ان کے خانوادۂ علم کی کتابیں و صحیفے خصوصی مطالعہ میں رہتے۔ (حالات تعلیمات افکار مولانا عبیداللہ از سرور، ص ۳۶)۔

چوبیس برس کے سفر و سیاحت، جد و جہد، مطالعہ و فکر، مشاہدات و تجربات اور درس و تدریس کے بعد مولانا کا محور فکر ایک نکتہ یعنی "قرآنی انقلاب اور حکمت ولی اللہی" کے گرد اپنا نقش جما چکا تھا۔ "اگر مجھے موقعہ دیا جائے کہ میں امام ولی اللہ دہلوی کو اس حکمت کا مجتہد مستقل فرض کر لوں امام عبدالعزیز دہلوی کو اس حکمت کا منتسب مولانا اسماعیل شہید اور مولانا محمد قاسم کو مجتہد فی المذہب کے رتبہ پر تسلیم کر لوں تو میں اس حکمت کا ایسا اسکول قائم کر سکتا ہوں جس میں قرآن عظیم، سنت رسول و سنت الخلفاء الراشدین، تاریخ اسلام کی پوری عقلی تشریح ممکن ہو۔ اس کے بعد تمام مذاہب عالم اور ان کی کتب مقدسہ کی تحقیق و تطبیق اسی اصول پر آسان ہو جائے گی۔۔۔ میرا محبوب مشغلہ فلسفہ امام ولی اللہ کی تعلیم و اشاعت ہوگا"۔ (خطبات، ص ۳۷-۴۷)۔

چنانچہ مولانا نے اپنے اسی نقطۂ نگاہ و مطمح نظر کے حصول اور

Marfat.com

قرآن حکیم کی بنیاد پر ذہنی و فکری انقلاب لانے کی سعی و جہد میں عمر عزیز کا باقی حصہ وار دیا - ۱۹۳۹ء میں حج بیت اللہ سے مشرف ہو کر حجاز سے کراچی¹ پہنچے اس کے بعد دہلی چلے گئے - دہلی میں کچھ عرصہ قیام کیا اور وہاں تفسیر قرآن اور علوم عربیہ کی تدریس جاری رکھی پھر وہاں سے پنجاب² تشریف لے گئے -

---

۱- مولانا کے استقبال کے لیے جو حضرات کراچی پہنچے تھے ان میں مولانا سعید احمد اکبر آبادی ایڈیٹر ماہنامہ برہان دہلی بھی شامل تھے - کراچی سے دہلی کا سفر اور قیام تک سعید صاحب مولانا کے ساتھ رہے اور ان کے درس و صحبت سے مستفیض ہوئے - مولانا سعید احمد نے اس بارے میں دلچسپ احوال تحریر فرمایا ہے جو ماہنامہ الرحیم حیدر آباد (مطبوعہ شاہ ولی اللہ اکیڈیمی) کے شمارہ اگست ۱۹۶۷ء میں شائع ہو چکا ہے - یہ راقم کی خوش قسمتی ہے کہ ۱۹۵۲ء میں جب مولانا سعید احمد مدرسہ عالیہ کلکتہ کے پرنسپل تھے ان سے راقم کی ملاقات اور گفتگو ہوئی تھی اور مولانا عبید اللہ سے اپنے تعلقات کے بارے میں اظہار خیال فرمایا تھا - اس زمانے میں خاکسار راقم الحروف کی ایک کتاب پیام نو (مکتبہ اشاعت اردو کلکتہ) شائع ہوئی تھی جس کا ایک نسخہ مولانا سعید صاحب کی خدمت میں پیش کرنے کا شرف بھی حاصل ہوا تھا - اس امر کا ذکر بھی غیر ضروری نہ ہو گا کہ خاکسار مدرسہ عالیہ کلکتہ ہی سے فارغ التحصیل ہے -

۲- حضرت احسان دانش اپنی زیر طبع کتاب جہان دانش جلد دوم تذکرہ عبیداللہ سندھی زیر عنوان اکابر دیوبند میں لکھتے ہیں —'' - - - واپس آئے تو مولانا جوہر (محمد علی جوہر مرحوم) کے ایما پر کشمیر بلڈنگ میں اخبار کے دفتر میں تقریباً دو سو معززین کو مولانا کے اعزاز میں چائے دی گئی اور وہیں علامہ اقبال پر دو مقالے بھی پڑھے گئے - مولانا عبیداللہ سندھی نے تقریر بھی کی لیکن آج

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

مولانا نے جمنا نربدا سندھ ساگر پارٹی کے اراکین کے تعاون سے ۱۳۵۸ھ میں دارالرشاد پیر جھنڈو اور مظہرالعلوم کراچی میں جمعیت العلمائے سندھ کا ایک مستقل شعبہ قائم کیا۔ پھر ۱۳۵۹ھ میں جامعہ ملیہ دہلی میں مرکزی بیت الحکمت' کی داغ بیل ڈالی۔ مولانا کا منصوبہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ' گزشتہ)

تک وہ تقریر کسی اخبار یا رسالے میں نہیں چھپی یا مقررین و سامعین میں سے کسی نے نہیں دھرائی۔ مجھے اتنا یاد ہے کہ علامہ اقبال کی دو نظموں کے متعلق انھوں نے کہا تھا جن میں ایک تو ''اٹھو میری دنیا کے غریبوں کو جگا دو'' اور ایک اسی قسم کی دوسری نظم تھی''۔

۱۔ **بیت الحکمت**: ۱۶ شوال ۱۳۵۹ھ (۱۷ نومبر ۱۹۴۰ء) میں دہلی میں بیت الحکمت کا افتتاح ہوا۔ اس موقع پر مولانا سندھی کے علاوہ جامعہ ملیہ دہلی کے اساتذہ و طلباء اور ملک کے اکابر و زعما موجود تھے جن میں شیخ الجامعہ ڈاکٹر ذاکر حسین بھی شامل تھے۔ (مقالات عبیداللہ ص ۲۱۰)۔ مولانا کے ایک لائق شاگرد مولانا نور محمد مکی اس کے پہلے سیکرٹری مقرر ہوئے۔ مرکز کا دفتر جامعہ ملیہ اسلامیہ جامعہ نگر دہلی کو بنایا گیا۔ مرکزی بیت الحکمت دہلی کی یہ علمی و تعلیمی تحریک کل ہند سطح پر ملکی و قومی تحریک تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ملک کے مختلف مقامات میں اس کی متعدد شاخیں پھیل گئیں۔

بیت الحکمت لاہور: صدر مولوی خدا بخش اور سیکرٹری بشیر احمد لدھیانوی۔ لاہور میں آج کی طرح اس زمانے میں نشر و اشاعت کی سب سے زیادہ سہولتیں موجود تھیں اس لیے اکثر و بیشتر کتابیں اور رسالے لاہور شاخ کے زیر اہتمام چھپے۔ چند کے نام یہ ہیں:

امام ولی اللہ دہلوی اور ان کا فلسفہ، عمرانیات، معاشیات،

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

Marfat.com

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

رسالہ محمودیہ، جنگ انقلاب (تفسیر سورہ محمد)۔ عنوان انقلاب (تفسیر سورہ فتح)۔ اصول انقلاب (تفسیر سورہ والعصر) قرآنی دستور انقلاب (سورہ مزمل و سورہ مدثر کی حکیمانہ تشریح)

بیت الحکمت کراچی کی شاخ مدرسہ مظہرالعلوم محلہ کھڈہ میں قائم ہوئی۔ صدر شیخ الحدیث مولانا حافظ محمد صادق، سیکرٹری حافظ فضل احمد، ان کے بعد مولانا دین محمد وفائی (مصنف تذکرہ مشاہیر سندھ) مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی (حال ڈائریکٹر شاہ ولی اللہ اکیڈمی، مدیر اعلیٰ ماہنامہ الرحیم سندھی) ماہنامہ الولی (اردو) علی الترتیب سکرٹری اور اراکین مجلس عبدالحمید سندھی مرحوم، دین محمد (علیگ) مولوی عزیزاللہ وغیرہ رہے۔ کراچی شاخ کے تحت شائع ہونے والی کتابوں میں سے چند کے نام یہ ہیں:

۱۔ سطعات از شاہ ولی اللہ طابع و ناشر مولانا عبیداللہ سندھی

۲۔ عربی تفسیر الہام الرحمن جلد اول پارہ آلم از مولانا عبیداللہ سندھی ترتیب تحقیق مقدمہ از مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی۔

گوٹھ پیر جھنڈو میں بیت الحکمت کی شاخ ۲۴ دسمبر ۱۹۳۹ء میں مدرسہ دارالرشاد میں قائم ہوئی۔

مدرسہ دارالسعادت موضع گووو بھوڑ تحصیل شکار پور ضلع سکھر کے زیر اہتمام اس کی شاخ کا قیام عمل میں آیا۔ مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی اس مدرسے کے صدر مدرس، مولوی عزیز اللہ جروار اور مولوی عبیداللہ واللہی اس کی شاخ کے رہنما اساتذہ تھے۔

انھیں مذکورہ حضرات کی کوششوں سے شہداد کوٹ ضلع لاڑکانہ کی ایک شاخ ۴ اگست ۱۹۴۴ء میں محمد بن قاسم ولی اللہ تھیولوجیکل کالج میں اور بعد میں لاڑکانہ ضلع کے گوٹھ پیر بخش بھٹو میں دوسری شاخ قائم ہوئی۔ تمدن عرب (تفسیر سورہ سبا) مصنفہ مولانا سندھی مرتبہ مولانا قاسمی گوٹھ پیر بخش بھٹو شاخ کے تحت منظر عام پر آئی۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

Marfat.com

یہ تھا کہ مستقبل قریب میں بیت الحکمت کے زیر اہتمام مزید دو اداروں کی بنیاد رکھی جائے گی' ایک کا نام "یادگار شیخ الہند" اور دوسرے کا نام شاہ ولی اللہ اکیڈمی" ہو گا۔ (خطبات ص ۲۱۰)۔

مولانا عبید اللہ سندھی نے ۲ رمضان المبارک ۱۳۶۳ھ بروز شنبہ مطابق ۱۱ اگست ۱۹۴۴ء میں بمقام دین پور ریاست بہاولپور (اس وقت بہاولپور صوبہ پنجاب کا حصہ نہ تھا) میں سفر آخرت اختیار کیا۔

حکیم حضرت پیر شاہ اکرام حسین سیگری نے یہ تاریخ سال رحلت کہی۔

سال رحلت مفتاح العلوم مولانا عبید اللہ صاحب سندھی

۱۹۴۴ء

مولانا عبید اللہ سندھی کے اساتذہ کرام اور ان کے بزرگان علم و دانش کا حال اوپر آ چکا ہے۔ اب آئندہ صفحات میں ان کے چند فیض یافتگان، تلامذہ اور رفقائے کار کا اجمالی تذکرہ کیا جاتا ہے۔ ان حضرات کا شمار دور حاضر کے مستند اساتذہ اور مشاہیر علم و ادب میں ہوتا ہے۔ ان میں سے کوئی بھی محتاج تعارف نہیں۔ پھر[۱] بھی مولانا عبید اللہ سندھی کے تعلق سے ان کا ذکر ناگزیر ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

بیت الحکمت کی ایک شاخ بہاولپور میں تھی جس کا افتتاح دین پور میں ۲۱ اکتوبر ۱۹۴۸ء کو ہوا تھا (برصغیر پاک و ہند کے علمی ادبی اور تعلیمی ادارے جلد دوم ۷۵ - ۱۹۷۴ء، مرتبہ ابو سلمان شاہجہانپوری مطبوعہ گورنمنٹ نیشنل کالج کراچی سے ماخوذ)۔

۱ - الحمد للہ مولانا عبید اللہ سندھی کے تلمیذ ارشد اور رفیق خاص اور سندھ کے ممتاز مفکر و عالم دین مولانا مصطفیٰ قاسمی کی سربراہی میں شاہ ولی اللہ اکیڈمی نے پاکستان میں معارف و تعلیمات ولی اللہی اور افکار عبیداللہی کے تعارف اور اشاعت کے سلسلے میں مؤثر و مفید خدمات انجام دی ہیں۔

Marfat.com

(۱) مولانا غلام مصطفٰی قاسمی، ڈائرکٹر شاہ ولی اللہ اکیڈمی، حیدرآباد سندھ ایڈیٹر ماہنامہ الرحیم (سندھی) ماہنامہ الولی (اردو) حیدرآباد

مولانا عبید اللہ کے تلامذہ ارشد اور رفقائے کار میں سے ہیں۔ مولانا قاسمی اپنے استاد محترم المقام سے اپنے شرف تلمذ اور تعلق کا اظہار فخر سے کرتے ہیں۔ سندھ کی اکثر تحریکوں اور منصوبوں میں اپنے استاد مکرم کے ہمراہ و ہم مجلس رہے۔ مولانا عبید اللہ نے اپنے آخری خطبہ مورخہ ۱۲ شعبان ۱۳۶۳ھ میں جمعیت الطلباء سندھ سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا – ”محمد قاسم ولی اللہ تھیالوجیکل اسکول شہداد نگر (ضلع لاڑکانہ) میں مولانا غلام مصطفٰے اور اس کے رفیق قاضی عزیز اللہ کی ہمت سے کھولا جاتا ہے“۔ (خطبات ص ۱۷۴)

مولانا غلام مصطفٰے قاسمی کے حالات اور ان کی خدمت سے متعلق ایک علیحدہ مضمون زیر نظرکتاب کے پانچویں دور میں ملاحظہ فرمائیے۔

(۲) پروفیسر محمد سرور سابق استاد جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی:

مولانا عبید اللہ سندھی کے حالات، تعلیمات سیاسی افکار اور افادات و ملفوظات سے متعلق سب سے زیادہ بنیادی، تفصیلی و تحقیقی کام کرنے کا سہرا پروفیسر محمد سرور کے سر ہے۔ مولانا عبیداللہ جس زمانے میں مکہ معظمہ میں تشریف فرما تھے اس زمانے میں محمد سرور جامعہ ملیہ دہلی میں استاد تھے۔ ۱۹۳۸ء میں مولانا نے انھیں شیخ الجامعہ کے توسط سے مکہ میں درس و تدریس کے لیے طلب کیا اور انھوں نے مولانا کی خدمت میں رہ کر علوم و معارف سے آگاہی حاصل کی ان کے افادات و ملفوظات قلمبند کیے۔ اس بارے میں محمد سرور رقمطراز ہیں — مولانا عبید اللہ صاحب سندھی دیار حرم میں تشریف فرما تھے۔ خاکسار مصنف ان کی خدمت میں پہنچا۔ یہاں ایک عرصے تک مصنف کو مولانا کی خدمت میں بیٹھنے اور ان سے استفادہ کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ (مولانا عبید اللہ سندھی، حالات و تعلیمات، افکار)۔

(۳) مولانا سعید احمد اکبر آبادی، ایڈیٹر ماہنامہ برہان دہلی:

مولانا عبید اللہ سندھی ۱۹۳۹ء میں جلا وطن ہونے کے بعد کراچی

Marfat.com

پہنچے تو ان کے استقبال کرنے والوں میں مولانا سعید احمد اکبرآبادی (سابق پرنسپل مدرسہ عالیہ کلکتہ) بھی شریک تھے ۔ مولانا کے دہلی میں قیام کے دوران ان کی علمی مجلسوں میں شرکت کی اور درس لیا ۔ مولانا سعید احمد لکھتے ہیں ''ان کی (مولانا کی) بڑی تمنا تھی کہ کسی طرح ان سے سبقاً سبقاً حجۃ اللہ البالغہ پڑھ لوں اور پھر ان کے ارشادات کی روشنی میں حجتہ اللہ البالغہ کی شرح اپنے الفاظ میں لکھ ڈالوں اس اہم کام کے لیے مجھ ایسے ہیچمدان کا مولانا کی نظر میں انتخاب میری سب سے بڑی خوش قسمتی تھی (مقالہ مولانا عبید اللہ سندھی ، چند مشاہدات مطبوعہ ماہنامہ الرحیم حیدرآباد اگست ۱۹۶۷ء) ۔

مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم نے محمد سرور کی کتاب ''مولانا عبیداللہ سندھی ، حالات زندگی ، تعلیمات ، سیاسی افکار'' کے خلاف ایک سخت تنقیدی مقالہ لکھا جو ماہنامہ معارف اعظم گڑھ شمارہ ستمبر ۱۹۴۴ء میں شائع ہوا تھا ۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی نے اس مضمون کے جواب میں تفصیلی مقالہ لکھا جو پہلے ماہنامہ برہان میں بالاقساط شائع ہوا اور بعد میں مولانا عبید اللہ سندھی اور ان کے ناقد کے نام سے سندھ ساگر اکیڈمی لاہور سے ۱۹۴۶ء میں کتابی شکل میں شائع ہوا ۔

(۴) ظفر حسن ایبک :

مولانا عبید اللہ کے معتمد خاص اور دست راست تھے ۔ کابل سے ترکی تک کے سفر و قیام میں مولانا کے ساتھ رہے ۔ مولانا کے آرام اور خوشی کے لیے ہر تکلیف برداشت کی اور اس خدمت پر ظفر حسن کو فخر ہے ۔ انھوں نے مولانا سے کابل میں علوم دینیہ بھی پڑھے ۔

مولانا نے ترکی میں جو سیاسی منشور بنایا تھا اس کا انگریزی ترجمہ ظفر حسن نے کیا تھا اور وہ ۱۹۳۶ء میں استنبول میں چھپا[1] ۔

مولانا عبید اللہ ظفر حسن کی خدمت و رفاقت سے کس قدر متاثر تھے اور ان پر کس درجہ شفقت فرماتے تھے اس کا اندازہ خود مولانا کی

---

۱ ۔ ملاحظہ ہو تلخیص و ترجمہ مولانا سندھی کے ساتھی ظفر حسن کی آپ بیتی کا دوسرا حصہ ماہنامہ الرحیم حیدرآباد اپریل ۱۹۶۷ء ۔

Marfat.com

ایک تصویر جس میں ظفر حسن ان کے ساتھ ہیں ، پر ان کی مندرجہ ذیل تحریر سے لگایا جا سکتا ہے - یہ تحریر اردو اور انگریزی دونوں میں ہے جس سے اس امر کا بھی انکشاف ہوتا ہے کہ مولانا انگریزی زبان سے اچھی طرح واقف تھے اور انگریزی خوش خط لکھتے تھے - اس تصویر کا عکس اس مضمون کے شروع میں شامل ہے -

"چھوٹے بیٹوں جیسا پیارا دس سال مسلسل ہر قسم کی خدمات جانفروشی سے کرنے والا ظفر حسن آج سے اپنے خاص اختیارات تفویض کرنے کی یادگار میں اس عکس پر دستخط کرتا ہوں -

استنبول ۴ جون ۱۹۳۶ء عبید اللہ (دستخط)

(۵) مولانا علی محمد کاکے پوتا :

پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کے امتحان میں اول آئے - اورینٹل کالج لاہور کے زمانہ طالب علمی میں مولوی محمد شفیع مرحوم کے توسط سے علامہ اقبال کی خدمت میں پہنچے اور روایت کے مسئلے میں مسلمانوں کے قدیم فلسفے سے کچھ معلومات جمع کر کے علامہ کو پیش کیں جس کا اعتراف انہوں نے اپنے ایک مکتوب میں کیا تھا - مولانا عبید اللہ ہجرت کے بعد وطن واپس آئے تو مدرسہ دارالرشاد پیر جھنڈو میں درس دینا شروع کیا - مولانا کاکے پوتا نے بھی ان سے چند کتابیں پڑھیں (ماخوذ از شذرات ، مولانا غلام مصطفے قاسمی ، الرحیم ، اپریل ۱۹۶۷ء) -

(۶) مولانا عبداللہ لغاری :

مولانا عبید اللہ کے قریبی شاگرد تھے - کابل اور مکہ معظمہ میں ان کے رفیق کار رہے - انہوں نے ایک یہ کارنامہ انجام دیا کہ مولانا عبید اللہ کے ساتھ جہاں جہاں رہے ان کے علمی ، تعلیمی ، سیاسی مشاغل اور سرگرمیوں سے متعلق ذاتی ڈائری لکھتے رہے بعد میں اسے کتابی شکل دی - اب وہ "ذاتی ڈائری" عنقریب منظر عام پر آ جائے گی -

(۷) مولانا بشیر احمد لدھیانوی - استاد دارالرشاد پیر جھنڈو :

انہوں نے اپنی ایک کتاب "قرآنی دستور انقلاب"[۱] (یعنی سورہ

۱- دستور انقلاب مملوکہ کتب خانہ خاص انجمن ترقی اردو کراچی نگران محترم

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

Marfat.com

مزمل اور سورہ مدثر کی حکیمانہ شرح) ضخامت ۲۲۳ صفحات مطبوعہ بیت الحکمت لاہور ۱۳۶۶ھ (۱۹۴۶ء) کو اپنے استاد محترم کی خدمت میں خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے ان الفاظ میں معنون کیا ہے :

”میں ان اوراق کو اپنے کہن سال جواں فکر استاد معظم مجاہد فی سبیل اللہ حضرت مولانا عبید اللہ سندھی کے نام نامی معنون کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں جن کے فیض سے یہ قلمبند ہوئے ہیں اور جنھوں نے مسلمانان ہند کو قرآنی انقلاب اور فلسفہ ولی اللہی سے روشناس کرایا اور جنھوں نے خدائے تعالیٰ کے قانون کو دنیا میں سر بلند کرنے کی کوشش میں اپنا جان و مال اپنے عزیز و اقارب اور ملک و وطن سب کچھ ہیچ سمجھا اور ایک بلند نظر صاحب عزیمت و انقلاب کی طرح زندگی بسر کی“۔

مولانا عبید اللہ کا پیش لفظ ”لمحات طیبات“ کے عنوان سے اس کتاب کے شروع میں شامل ہے۔ مولانا اپنے عزیز شاگرد مولانا بشیر احمد کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں :

”مولوی بشیر احمد صاحب بی ۔ اے لودھیانوی ہم سے قرآن شریف سمجھنے کے لیے مسلسل ملتے رہے ۔ وہ ہمارے افکار لکھتے بھی رہتے تھے ۔ اس طرح انھوں نے کئی سو صفحے تیار کر لیے ۔ ۔ ۔ وہ ہمارے طرز تفکر کا انقلابی نقطہ تدریجاً سمجھنے کے قابل ہو گئے اب ان کی خواہش ہے کہ لوگوں کو پڑھائیں یا پریس کے ذریعے سے پھیلائیں ۔ ہمیں ۔ ۔ ۔ ایسے ہی استاد کی ضرورت تھی ۔ ہم نے انھیں اپنے ابتدائی تجارب میں شریک بنا لیا ہے“ ۔

مولانا عبید اللہ سندھی سراپا انقلاب تھے ۔ اتھاہ ایمان ، عدیم المثال

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

افسر صدیقی امروہی جن کی علم دوستی اور خصوصی توجہ کی وجہ سے راقم کو اس کتاب کے مطالعہ کی سعادت حاصل ہوئی ۔

Marfat.com

دل و دماغ کے حامل ، ان کی انقلاب انگیز زندگی پیہم جد و جہد ، مسلسل مطالعہ و فکر ، بے پایاں مشاہدہ و تجربہ اور بے پناہ عزم و اخلاص ، ایثار و استقلال سے عبارت تھی ۔ انھوں نے قوم و ملک کی فلاح و بہبود اور شوکت و عظمت کی خاطر منصوبے اور لائحہ عمل تیار کیے ۔ اپنے منصوبوں اور مقاصد کی تحصیل و تکمیل کے لیے شب و روز کام کیا ۔ اپنے علم و فضل کی روشنی میں دوسروں کو فکر و عمل کی ترغیب دی ۔ انھوں نے اپنے افکار و خیالات کی تبلیغ اور شاہ ولی اللہ کی نگارشات و پیغامات کی تعلیم و اشاعت کے لیے نہ صرف ملک کے گوشے گوشے میں سیاسی ، علمی اور تعلیمی انجمنیں اور ادارے قائم کیے بلکہ جہاں بھی گئے وہاں کے اجتماعات سے خطابات بھی کیے ۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلامی علوم و معارف ، دینی تعلیمات اور امور سیاست پر جیسی بلند نگاہ اور وسیع نظر مولانا عبید اللہ سندھی کی تھی ان کے معاصرین میں ایسی چند حضرات کی تھی ۔ مولانا عربی ، فارسی ، سندھی اردو ادبیات کے ماہر تھے ۔ ان تمام زبانوں پر ماہرانہ قدرت رکھتے تھے ۔ انگریزی سے بھی خوب واقف تھے ۔ مولانا شعلہ بیان مقرر نہ تھے (یہ بات راقم کو مولانا سعید احمد اکبر آبادی کی زبانی معلوم ہوئی) لیکن وہ اپنی تقریروں اور خطبات میں اس قدر موثر و دلچسپ پیرایہ بیان اختیار کرتے تھے کہ ان کی باتیں دلوں میں اتر جاتی تھیں ۔ ان کی گفتگو کی زبان سادہ اور صاف ہوتی تھی مگر اپنے موقف و نظریہ کو منوانے کی بلاکی طاقت رکھتے تھے ۔ البتہ علمی موضوع اور مباحث میں عالمانہ زبان و بیان کو لازمی قرار دیتے تھے ۔

مولانا نے بے شمار کتابوں کے تعارف ، پیش لفظ ، مقدمات اور تقاریظ لکھیں جو فکر و نظر اور علم و بصیرت سے معمور ہیں ۔ اگر ان کو یکجا جمع کر کے کتابی شکل میں شائع کرا دیا جائے تو "معارف عبید اللہی" کی کئی مفید جلدیں مرتب ہو سکتی ہیں ۔ طبقات کا اردو ترجمہ بھی مولانا عبید اللہ نے کیا تھا جو بالاقساط ماہانہ الولی حیدرآباد (قسط اول اکتوبر نومبر ۱۹۷۲ء) میں شائع ہو چکا ہے ۔

زیر نظر مقالے کی طوالت کے خیال سے مولانا عبید اللہ سندھی کی

Marfat.com

عربی کتابوں کا ذکر کیے بغیر ان کی صرف اردو تصنیفات و تالیفات ، خطبات و مقالات اور ملفوظات کا ایک اجمالی جائزہ پیش کیا جاتا ہے ۔

(۱) اردو کے دو رسالے :

یہ رسالے راقم کی نظر سے نہیں گزرے لیکن غلام مصطفےٰ قاسمی صاحب کا ارشاد ہے کہ دونوں رسالے اردو میں ہیں ان کے بارے میں خود مولانا عبید اللہ رقمطراز ہیں — ''۱۳۱۵ھ میں دیوبند پہنچا ، اپنے مطالعہ کا نمونہ دو رسالے لکھ کر ساتھ لے گیا ۔ ایک علم حدیث میں دوسرا فقہ حنفی میں ۔ حضرت مولانا (شیخ الہند) نے دونوں رسالے پسند فرمائے'' (خطبات ، ص ٦٦) ۔

(۲) افادات و ملفوظات مولانا عبیداللہ سندھی :

مرتبہ پروفیسر محمد سرور مطبوعہ سندھ ساگر اکیڈمی لاہور ۔ ضخامت ۵۱۲ صفحات ۔ اس کتاب کا آخری باب مولانا عبیداللہ کے ملفوظات پر مشتمل ہے جنھیں محمد سرور نے مولانا کی صحبتوں میں رہ کر قلمبند کیے تھے ۔ ان ملفوظات کے مطالعہ سے مولانا کے سیاسی و علمی تحریکات و اجتماعات ، دینی و فکری عقائد و احکام اور تاریخ و سیاست سے متعلق مسائل و مباحث کے متعدد پہلو اجاگر ہوتے ہیں ۔

(۳) کابل میں سات سال :

مطبوعہ سندھ ساگر اکیڈمی ، لاہور ۱۹۵۵ء ۔ سنہ تحریر جمادی الثانی ۱۳۵۲ھ (اکتوبر ۱۹۳۲ء) ، دوران قیام مکہ معظمہ ۔

ایک سو بارہ صفحات کی اس مختصر سی کتاب میں مولانا نے افغانستان (۱۵ اکتوبر ۱۹۱۵ء) سے روس (۱۵ اکتوبر ۱۹۲۲ء) تک کی یادداشتوں پر مشتمل وہ حالات و واقعات ، مشاہدات و تجربات ، مشاغل و مصروفیات قلمبند کی ہیں جو انھیں اس تاریخی سفر اور قیام کے زمانے میں پیش آئیں ۔ مولانا کی یہ تاریخی یادداشتیں پہلے ۱۹۳۶ء میں لاہور سے چھپیں ۔ اس کتاب کے آغاز میں شیخ الاسلام حضرت سید حسین احمد مدنی کا ایک اختلافی مقالہ شامل ہے ۔ کابل میں سات سال کے شروع میں محمد سرور کا ایک دلچسپ اور فکر انگیز مقدمہ بھی زینت کتاب ہے جس سے مولانا کے کابل کے سفر کا تاریخی پس منظر سامنے آتا ہے ۔

Marfat.com

اس کتاب میں مولانا عبیداللہ کی خود نوشت سوانح حیات بھی شامل ہے جس کی بناء پر کتاب کی افادیت میں اضافہ ہو گیا ہے ۔ اس طرح یہ کتاب مولانا کے حالات زندگی اور ان کے خیالات و نظریات کو سمجھنے کے لیے بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے ۔ ان کے حالات زندگی کا یہ حصہ پہلے ۲۷ فروری ۱۹۳۹ء کے روزنامہ انقلاب لاہور (ایڈیٹر عبدالمجید سالک مرحوم) میں شائع ہوا تھا ۔

(۴) خود نوشت سوانح عمری (غیر مطبوعہ) :

دستور انقلاب مطبوعہ مکتبہ بیت الحکمت لاہور کے آخری گردپوش پر مندرجہ ذیل اشتہار درج ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس زمانے میں مولانا کی یہ کتاب زیر طبع تھی ۔ غالباً اب تک شائع نہ ہو سکی ۔

''مولانا عبید اللہ سندھی کی خود نوشت سوانح عمری مع دیگر حالات جو مختلف معتبر ماخذوں سے لیے گئے ہیں'' ۔

(۵) استنبول کا پروگرام :

موسوم بہ نیشنل کانگریس میں تحریک آزادی کا دوسرا دور یعنی کانگریس کمیٹی کابل کا سردار جی پروگرام اور مہا بھارت سردار جیہ پارٹی پروگرام ۔

یہ کتابچہ دراصل مولانا عبید اللہ کا وہ تاریخی و سیاسی پروگرام ہے جسے انھوں نے استنبول (ترکی) میں بیٹھ کر مرتب کیا تھا ۔ پہلے اردو میں ۱۹۲۴ء میں کتابی صورت میں چھپا ۔ اس کا انگریزی ترجمہ مولانا کے سیکرٹری اور ساتھی ظفر حسن ایبک نے ''دی کانسٹی ٹیوشن آف دی فیڈریلیٹیڈ انڈیا (The Constitution of the Federated India) کے نام سے کیا جو استنبول ہی سے ۱۹۲۶ء میں طبع ہوا ۔

استنبول کا پروگرام یا تاریخی و سیاسی منشور جسے ''سردار جی نظام'' بھی کہا جاتا ہے انگریزی اور اردو دونوں زبانوں کے کتابچے کو ہندوستان میں ضبط کر لیا گیا اور اس کے سرکولیشن (Circulation) پر پابندی عائد کر دی گئی ۔

اس منشور میں مولانا نے ہندوستان کی آزادی سے متعلق اپنی تجاویز

Marfat.com

اور دستور العمل کی وضاحت کی ہے اس کے آخری صفحے پر مولانا عبیداللہ سندھی اور ظفر حسن کے کانگریس سردار جیہ کمیٹی کابل کے صدر اور سکریٹری کے دستخط ہیں ۔ اس طرح یہ منشور اپنی اہمیت کے اعتبار سے ایک تاریخی دستاویز ہے ۔ اس دستاویز کی افادیت کا اندازہ محمد سرور کے ان الفاظ سے لگایا جا سکتا ہے :

''اس کی بعض بنیادی باتیں آج بھی اتنی انقلابی اور قبل از وقت معلوم ہوتی ہیں کہ انھیں عوام کے سامنے پیش کرنے کی ہم میں سے شاید ہی کسی کو ہمت ہو ۔''[۱]

(۶) ذاتی ڈائری

مرتبہ مولانا عبداللہ لغاری ۔ تصحیح و نظر ثانی ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان سابق صدر شعبہ اردو جامعہ سندھ ۔ ناشر شعبہ سندھیالوجی جامعہ سندھ ۔

یہ مولانا عبیداللہ سندھی کی ذاتی ڈائری ہے جو مولانا کے افغانستان، روس ، ترکی ، حجاز کے زمانہ قیام میں مطالعہ ، مشاہدات و تجربات اور غور و فکر پر محیط ہے ۔ مولانا لغاری نے اسے بڑی محنت اور لگن سے ترتیب دیا ہے ۔ یہ ڈائری مولانا کی سیاسی و علمی زندگی سے متعلق نہایت اہم اساس و ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے ۔ اس کے بارے میں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب کی یہ گراں قدر رائے بڑی افادیت کی حامل ہے جسے انھوں نے اپنے ایک مکتوب گرامی مورخہ ۱۰ ستمبر ۱۹۷۲ء میں پروفیسر ابوسلمان شاہجہانپوری کے نام تحریر فرمائی ہے ۔ وہ رائے یہ ہے :

''خدا کرے مولانا عبید اللہ کی ذاتی ڈائری ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جلد از جلد منصہ شہود پر آ جائے تاکہ ان کی سیاسی تحریک کے بہت سے گوشے بے نقاب ہو سکیں'' ۔

(۷) خطبات مولانا عبیداللہ سندھی :

ناشر مکتبہ بیت الحکمت لاہور ۔ ناشر کے ان الفاظ سے اس کتاب کے موضوع اور متن کے بارے میں کچھ آگاہی ہو سکتی ہے ۔

'' ۔ ۔ ۔ ۔ جن میں حضرت مولانا نے ہندوستانی نوجوانوں کے

---

۱ ۔ افادات ملفوظات مولانا عبیداللہ سندھی مرتب پروفیسر محمد سرور ناشر سندھ ساگر اکیڈمی لاہور ، ۱۹۷۲ ۔

Marfat.com

سامنے فکر و عمل کی نئی راہیں کھول دی ہیں اور امید و انقلاب کا وہ پیغام دیا ہے جو جمود کو توڑ کر دلوں میں ہلچل ڈال دیتا ہے"۔

(۸) خطبات[1] و مقالات مولانا عبیداللہ سندھی :

ضخامت ۳۲۴ صفحات ۔ مطبع گیلانی الیکٹرک پریس لاہور ۔ ناشر سندھ ساگر اکیڈمی ٹمپل روڈ لاہور ۔ یہ پہلا ایڈیشن ہے جو راقم السطور کے پیش نظر ہے ۔ یہ کتاب قبل از پاکستان شائع ہوئی تھی اس میں کہیں سن اشاعت و طباعت درج نہیں ۔

خطبات و مقالات کے اس مجموعے کو محمد سرور نے مرتب کیا ہے ۔ اس کتاب کے پہلے حصے میں مولانا عبیداللہ کے پانچ خطبات (کلکتہ ، ٹھٹھہ ، مدراس ، حیدرآباد اور شہداد کوٹ) ہیں ۔ شہداد کوٹ ضلع لاڑکانہ سندھ کا خطبہ ان کا آخری خطبہ تھا۔ عرض مرتب ، سے کتاب کا آغاز ہوتا ہے ۔ اس کے بعد مرتب کا نہایت مفید و پر مغز مقدمہ ہے دوسرے حصے میں چھ مقالات ہیں جن کے عنوانات یہ ہے :

جمنا نربدا سندھ ساگر پارٹی کا قیام ، جمعیت خدام الحکمت ، قومی اجتماع بند نیشنل ہے یا انٹرنیشنل؟ ، ہم کیا چاہتے ہیں ؟ ، جامعہ ملیہ دہلی میں یادگار شیخ الہند کا افتتاح اور آخری مقالہ ہے بیت الحکمت (حکمت الامام ولی اللہ دہلوی) جس کے اختتام پر "۱۰ فروری ۱۹۴۲ء ہندی ، بیت الحکمت قاسم العلم لاہور" رقم ہیں ۔

اس کتاب میں مقدمہ کے بعد اور خطبات سے پہلے "میری زندگی" کے زیر عنوان مولانا عبیداللہ کے خود نوشت حالات ہیں جو ۲ فروری

---

۱ ۔ خطبات و مقالات مولانا سندھی کا زیر نظر نسخہ شاہ ولی اللہ اکیڈیمی حیدرآباد کی ملکیت ہے جسے راقم کرمفرمانے مکرم حضرت مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی ڈائریکٹر شاہ ولی اللہ اکیڈیمی سے مستعار لے آیا تھا ۔

Marfat.com

۱۹۳۰ء کے روزنامہ انقلاب لاہور میں شائع ہو چکے تھے ۔ بعد میں "کابل میں سات سال" نامی کتاب میں شامل کیے گئے ۔ مولانا کی خود نوشت سوانح حیات سے نہ صرف ان کی زندگی اور شخصیت کے بہت سے اہم گوشے اجاگر ہوئے بلکہ مولانا سے متعلق بعض اختلافات اور غلط فہمیوں کا بھی ازالہ ہوا ۔

خطبات و مقالات پر مشتمل یہ کتاب مولانا کے افکار اور رجحانات ، خیالات و تعلیمات کے سلسلے میں اس درجہ اہم ہے کہ مولانا کے بارے میں کوئی تحقیقی کام اس کتاب کے حوالے کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا ۔ آغاز کتاب میں پروفیسر محمد سرور رقمطراز ہیں :

"مولانا مرحوم کے خطبات و واقعات کا یہ مجموعہ اہل ملک کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے ۔ اسے مولانا کے افکار و خیالات کی ایک تمہید سمجھنی چاہیئے جو خود حضرت نے اپنے قلم سے مرتب کی ہے" ۔

حقیقت یہ ہے کہ ان خطبات و مقالات کے مطالعے سے مولانا کی سیاسی و قومی تحریکات ، علمی و تعلیمی جد و جہد ، ملی و اسلامی رجحانات ، ولی اللہی نظریات ، اقوام عالم کی تاریخ ، تہذیب و ثقافت کے منظر اور پس منظر کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے ۔

ان خطبات و مقالات کی زبان نہایت صاف سلیس اور شستہ ہے ۔ انداز بیان مؤثر و دلپذیر ان کے برہان و دلائل ، حوالے اور ماخذ مدلل، عالمانہ و محققانہ ہیں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہر خطبہ اور ہر مقالہ کے کسی نہ کسی پہلو سے مولانا کے مطمح نظر اور نقطۂ نگاہ کی وضاحت و صراحت ہوتی ہے ۔ زبان میں کوئی الجھاؤ نہیں کوئی پیچیدگی نہیں ۔ جو بیان ہے واضح، جو بات ہے صاف صاف اور جو الفاظ ہیں موزوں و برمحل ۔

اب ہم مولانا کی اردو نثر کے نمونے کے طور پر ان کے خطبات و مقالات کے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں ۔ یہ عبارات اردو نثر میں ان کی خاص طرز ادا ، اسلوب انشاء اور مخصوص انداز نگارش کی آئینہ دار ہیں ۔

خطبات — یہ مولانا کا وہ خطبہ صدارت ہے جسے انھوں نے علمائے

Marfat.com

صوبہ بنگال (بمقام کلکتہ) کے ایک اجلاس منعقدہ ۳ جون ۱۹۳۹ء میں پڑھا۔

"حضرات ، میں ایسے زمانے میں ہند سے باہر رہا ہوں جسے دور انقلاب کہنا چاہیے۔ بڑی بڑی سلطنتیں فنا کے گھاٹ اتاری جا رہی تھیں ان کی جگہ ہر قوم کے بہادروں کا جو دستہ عمر بھر مصیبتوں میں مبتلا رہا اب پارٹی پالٹکس کے اصول پر اپنی مختصر جماعت کے زور پر نئی حکومتیں بنا رہا تھا ۔ ایسے زمانے میں نئے اور پرانے چوٹی کے سیاست دانوں سے استفادہ کا موقع ملتا رہا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم اس عالمگیر انقلاب کی حقیقت اور اس کے اساسی اسرار سمجھنے کے قابل ہو گئے" ۔ (خطبات ، ص ۸۳) ۔

"ہماری ہندوستانی تہذیب کا عہد قدیم جو ہند تہذیب کہلاتا ہے اور عہد جدید جسے اسلامی تہذیب سمجھا جاتا ہے دونوں مذہبی اسکول ہیں اور آجکل کا یورپین اسکول مذہب سے قطعاً نابلد ہے اس کا مدار فقط سائنس اور فلسفہ پر ہے اسی لیے ہمارے وطن میں اگر اس انقلاب کے سمجھنے کی استعداد پیدا نہیں ہوئی تو سر بسر نقصان ہی نقصان ہمارے حصے میں آئے گا"۔ (خطبات، ص ۸۵) ۔

"اردو میں قرآن عظیم کی تفسیر حدیث و فقہ و تاریخ و تصوف کے اعلیٰ مضامین مسلمانان ہند کو مشترک طریقے سے سکھلائے جائیں اور میں ان دینی خادموں کی تعریف کرنے پر مجبور ہوں جنھوں نے قرآن کا پہلے اردو ترجمہ کیا ۔ مشکواۃ مشارق الانوار در مختار اور احیاء العلوم جیسی کتابوں کا گزشتہ صدی میں ترجمہ کر دیا" ۔ (خطبات ، ص ۹۱) ۔

"میں سفارش کرتا ہوں کہ تفسیر میں فتح الرحمن اگرچہ فارسی ترجمہ ہے ضرور پڑھا جائے وہ اس قدر قواعد پر مشتمل ہے کہ کوئی تفسیر اس کا بدل نہیں ہو سکتی ۔

نحوی عالموں نے جس طرح عربی گرامر کو بے جا استعمال کر کے

Marfat.com

قرآن کو سمجھنے میں تشکیک پیدا کر دی ہے فتح الرحمن اس سے نجات دلاتا ہے جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا۔ اردو کی حفاظت کے لیے فارسی کی ضرورت ہے۔ یہ ترجمہ اگر داخل درس رہا تو وہ مطلب بھی پورا ہو جائے گا۔

اصول التفسیر میں فوز الکبیر اور علم حدیث کی اصولی و فروعی شرح کرنے میں حجتہ البالغہ بے نظیر کتابیں ہیں۔ ایسا ہی اہل سنت کی فقہ مجتہدانہ سمجھنے میں مدد ملتی ہے اور اس اصول کی تشریح میں بے نظیر کتاب ہے کیونکہ فطرت انسانیہ ادیان الٰہیہ کا معیار بنائی گئی۔ الخیرالکثیر[1] فلسفہ الٰہیات کو کتاب و سنت کی شرح میں استعمال کرنے کے قابل بناتا ہے۔ میں سفارش کرتا ہوں کہ یہ سب کتابیں دارالعلوم دیوبند جیسے مرکزی مدارس میں داخل درس کر دی جائیں۔ (خطبات، ص ۹۳)۔

مقالات — اب ہم مولانا عبیداللہ سندھی کے حصہ مقالات سے ایک مقالے کے اقتباسات نذر قارئین کرتے ہیں۔ اس مقالے کا عنوان ہے "یادگار شیخ الہند کا افتتاح، جامعہ ملیہ دہلی میں" اور اس کے آخر میں یہ تاریخ درج ہے۔ ۲۲ نومبر ۱۹۴۰ء ہندی بیت الحکمت جامعہ نگر دہلی۔

"میں بعض دوستوں کے مشورے سے جن میں محترم خواجہ عبدالحئی صاحب کا نام لے سکتا ہوں رمضان ۱۳۵۹ ہجری کے آخر ہفتہ میں دہلی پہنچا۔ آج ۱۶ شوال ۱۳۵۹ ہجری سے جس قدر مستعدین اپنا خرچ خود برداشت کر سکتے ہیں فقط انھیں کی رفاقت میں جامعہ ملیہ کا بیت الحکمت شروع کر دیتا ہوں۔ جسے آگے چل کر "یادگار شیخ الہند" اور

۱۔ الخیر الکثیر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تالیف ہے۔ مولانا عبیداللہ نے اس کا اردو ترجمہ کیا۔ مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی نے اس کتاب کو اپنی تحقیق اور سیر حاصل مقدمہ کے ساتھ شاہ ولی اللہ اکیڈمی کے تحت ۱۹۷۷ء میں شائع کرایا ہے اس کا ایک نسخہ راقم کے ذاتی کتب خانے میں موجود ہے۔

Marfat.com

ولی اللہ اکادمی (Waliullah Academy) کے نام سے پکارا جائے گا"۔ (مقالات ، ص ۲۱۰)۔

یاد رہے کہ ہم اسے کسی عارضی تحریک یا وقتی جوش سے متأثر ہو کر شروع نہیں کرنا چاہتے بلکہ ہم اپنے علم اور تجربہ کا عملی نمونہ قائم کرتے ہیں ۔ شاہ ولی اللہ کے فلسفہ سے ہمارا تعلق پچاس برس سے دنیا جانتی ہے ۔ اس وقت ہم اپنی تحقیقات کا نچوڑ آئندہ نسل کے سامنے لانا چاہتے ہیں ۔

ہم چاہتے ہیں کہ ہندوستانی قوم کے فکر میں ایک معقول خیال کا اضافہ کریں جس سے ایک مسلمان بھی اپنے ہندوستانی ہونے پر اسی قدر فخر کر سکتے ہیں جس طرح دنیا کے عقلمند محبان وطن اپنے وطن کی عزت پر ناز کرتے ہیں ۔ وہ خیال دنیا کے ایک غیر معروف لیکن بہت بڑے فلاسفر امام ولی اللہ دہلوی کا فلسفہ ہے ۔ یہ حکمت جس طرح مسلمانوں کے دو معروف فلاسفروں شیخ اکبر ابن عربی اور امام مجدد سرہندی کے متبعین کو مطمئن کر سکتی ہے اس سے زیادہ ہندو فلاسفی کے مختلف اسکولوں کے نظریات کو گیتا کے اسلوب پر جمع کر رہی ہے جس قدر اہل علم ولی اللہ فلاسفی میں تبحر حاصل کریں گے وہ اپنے ہم خیال ہندوستانیوں پر ہندو ہوں یا مسلمان یکساں اعتماد کریں گے ۔

اس فلاسفی کی تعلیم سے ہمیں ایک اور فائدہ بھی حاصل کرنا مقصود ہے ہم اپنی اس نئی جماعت کو سرکاری یا مذہبی خدمات کے لیے تیار نہیں کر رہے اس لیے انھیں ہم خدمت خلق کا پروگرام ہی دے سکتے ہیں ۔ ولی الٰہی فلاسفی چونکہ تمام ادیان کا مرجع انسانیت اور اس کی تکمیل کو قرار دیتی ہے لٰہذا ہم یقین رکھتے ہیں کہ جس قدر یہ فکر ذہن میں راسخ ہوگا اسی طرح وہ خلق اللہ کا اچھا خادم ہوگا ۔ (مقالات، ص ۲۱۱-۲۱۲) ۔

یاد رکھنا چاہیے کہ امام ولی اللہ دہلوی کے حلقہ مسترشدین میں سندھ کے نامور علماء داخل تھے مثلاً مخدوم معین الدین تتوی جو شاہ عبداللطیف صاحب رسالہ توحید کے رفیق اور مخدوم محمد ہاشم کے مشائخ میں ہیں ۔ وہ شاہ ولی اللہ کو اپنا امام مانتے ہیں ۔ جب امام عبدالعزیز کی

Marfat.com

جمعیت مجاہدین سندھ سے گزری تو راشدی مشائخ میں شیخنا مولانا سید محمد حسن جیلانی اور مولانا سید صبغت اللہ لکیاری اس حلقہ میں شامل ہو گئے ۔ آخر میں میرے مرشد حافظ محمد صدیق (بھرچونڈی) کے دونوں بڑے خلیفہ مولانا غلام محمد (دین پور) اور مولانا تاج محمود (امروٹ) سید صبغت اللہ کے خاندان سے مولانا راشد اللہ صاحب العلم حضرت مولانا شیخ الہند سے ملحق ہو گئے ۔ مولانا شیخ الہند کی یادگار سے جس طرح دیوبند اور دہلی کے سلسلے کی یاد تازہ رہے گی دہلوی دیوبندی رفقاء اور راشدی اخوان طریقہ سے میری پر زور استدعا ہے کہ وہ یادگار شیخ الہند کو ہی اپنے مشائخ کی یادگار سمجھیں ۔ جامعہ ملیہ دہلی میں اس مرکز کو مضبوط بنائیں اور اس کے فروع اپنے ہاں قائم کرنے کی کوشش کریں'' ۔ (مقالات ، ص ۲۰۶ - ۲۱۷) ۔

(۹) **شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ** ،

مولانا عبیداللہ سندھی کی یہ معرکہ آرا کتاب پہلی بار مولانا کی زندگی میں ۱۹۴۴ء میں اشاعت پذیر ہوئی تھی ۔ اس وقت راقم کے سامنے جو کتاب ہے وہ اس کا چوتھا ایڈیشن (۱۹۷۰ء) ہے اور یہ استقلال پریس لاہور سے طبع ہو کر سندھ ساگر اکیڈیمی سے شائع ہوا ۔ کتاب کے شروع میں پروفیسر محمد سرور کا نہایت مدلل و موثر پیش لفظ ، مقدمہ اور کتاب کے آخری حصہ میں مولانا نورالحق علوی[۱] کے حواشی شامل ہیں ۔ مولانا نور الحق نے ان علماء و مصنفین کی فکری و عملی خدمات اور حوالہ جات کی تشریح و وضاحت بھی کی ہے جن کا تعارف یا ذکر اس کتاب کے متن میں آیا ہے ۔

اس کتاب کا اصل متن مولانا عبیداللہ کا وہ مقدمہ ہے جو اس کتاب ''شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ'' کی اشاعت سے پہلے ماہنامہ الفرقان بریلی

---

۱۸ - مولانا نور الحق علوی مولانا عبیداللہ سندھی کے تلمیذ ارشد اور فیض یافتگان میں سے ہیں اورینٹل کالج لاہور کے پروفیسر رہ چکے ہیں ۔ انہوں نے اس کتاب کے حاشیے بڑی محنت ، دیدہ وری اور فکر و نظر سے لکھے ہیں ۔

Marfat.com

(حال مقام اشاعت لکھنؤ) کے نایاب و نادر شاہ ولی اللہ نمبر[1] میں شائع ہوا تھا۔ بعد میں یہ مقالہ ''امام ولی اللہ دہلوی اور ان کی حکمت کا اجمالی تعارف'' (جس کے پہلے صفحے پر کتاب کے نام کے نیچے لکھا ہے از حضرت مولانا عبیداللہ سندھی مدظلہ — الفرقان کے ولی اللہ نمبر ہی کے لیے لکھا گیا) کتب خانہ الفرقان لکھنؤ سے کتابی شکل میں مولانا کے حاشیوں کے ساتھ منظر عام پر آیا اور یہی نسخہ[2] اس وقت راقم کے پیش نظر ہے۔

اس کتاب (مقالہ) کے آغاز میں ''تقریب کے زیر عنوان مولانا محمد منظور نعمانی مدیر الفرقان بریلی (ذیقعدہ ۱۳۵۹ھ) نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ کسی طرح افادیت سے خالی نہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''یہ ایک عمیق علمی مقالہ ہے ـ ـ ـ ـ حوالہ جات اور وفیات کی تفتیش و تحقیق میں بہت وقت لگا۔ ایک ایک حوالہ کے لیے بسا اوقات پوری کتاب پڑھنی پڑی۔ وفایات کی تلاش میں بھی کافی محنت صرف ہوئی لیکن یہ ضروری تھا کیونکہ وفیات کے تعین سے ہر تحریک کا دور معین ہو جاتا ہے''۔

محمد سرور نے ''شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ'' کے پیش لفظ میں تحریر فرمایا تھا:

''اس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ ولی اللہی حکمت کے

۱۔ الفرقان کے شاہ ولی نمبر کا دوسرا ایڈیشن جس میں یہ مقالہ شامل ہے (مطبوعہ ۱۳۶۰ھ (۱۹۴۱ء) محترمی مولانا غلام مصطفی قاسمی کی عنایت و نوازش سے شاہ ولی اللہ اکیڈیمی حیدرآباد کے کتب خانے میں راقم کی نظر سے گزر چکا ہے۔

۲۔ مقالہ ''امام ولی اللہ دہلوی کی حکمت کا اجمالی تعارف'' کا یہ نسخہ محترمی ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب صدر شعبہ اردو سندھ یونیورسٹی کی ذاتی ملکیت ہے۔ راقم الحروف ان کا ممنون احسان ہے کہ ان کی علم نوازی اور پر خلوص اعانت و کرم کی بدولت یہ نسخہ اور اس کے علاوہ ان کے نجی کتب خانے میں کئی دیگر کتابوں سے استفادے کا شرف حاصل ہوا۔

Marfat.com

معارف کو سمجھنے سمجھانے میں جو شغف حضرت مولاناؒ کو رہا ہے اور اس ضمن میں جس قدر تحقیق و کاوش آپ نے فرمائی اور اپنی عمر کا ایک طویل زمانہ اس کام میں صرف کیا اس کی ہندوستان میں کوئی نظیر نہیں مل سکتی“ ۔

اور زیر تبصرہ مقالے سے متعلق حضرت مولانا سلیمان ندوی جیسے مقتدر و ممتاز عالم دین اور مفکر اسلام کی رائے گرامی سند آخر کا حکم رکھتی ہے ۔

”مولانا سندھی کے مضمون کو میں نے بغور پڑھا اور اس یقین کے ساتھ ختم کیا کہ بیشک مولانا کی نظر حضرت شاہ صاحب کے فلسفے اور نظریات پر نہایت وسیع اور عمیق ہے“ ۔

یہ حقیقت ہے کہ معارف و حکمت ولی اللٰہی پر جتنی عمیق و گہری نظر اور قرآن و حدیث فقہ و تاریخ کا جتنا وسیع مطالعہ مولانا عبیداللہ سندھی کا تھا وہ انہیں کا حصہ تھا ۔ ان اکابر و مشاہیر کی گراں قدر آرا کے بعد مزید کسی تنقید و تبصرہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی ۔ زیر تبصرہ کتاب کے پانچ ابواب ہیں جن میں پہلے ملکات اور بعض اہم پہلوؤں کی تشریح کی گئی ہے ۔ پھر قرآن حکیم ، علم حدیث ، قرآن کا بین الاقوامی انقلاب ، فقہ و تصوف ، حکمت و فلسفہ وغیرہ جیسے موضوعات پر بحث کی گئی ہے ۔ مولانا عبیداللہ نے اس مقالے میں امام شاہ ولی اللہ دہلوی کے افکار و نظریات پر قرآن و حدیث کی روشنی میں جس کمال و دلائل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے وہ ان کی دقت نظر اور فکری بصیرت پر دال ہے ۔ یہی نہیں بلکہ علوم ولی اللٰہی کے حوالے سے تاریخ و سیاست کی ایسی راہیں دکھائی ہیں جن پر گامزن ہو کر ملک و قوم عظمت و سربلندی کی معراج سے ہمکنار ہو سکتی ہے ۔

اب مقالہ ”امام ولی اللہ دہلوی کی حکمت کا اجمالی تعارف“ سے چند صفحات کی نقلیں اگلے صفحات پر ملاحظہ فرمائیے ۔ مولانا کی یہ عبارتیں ، یہ سطریں اردو میں ان کی نہایت عمدہ مخصوص طرز نثر نویسی کی بہترین مثالیں ہیں ۔

Marfat.com

"امام ولی اللہ دہلوی اور ان کی حکمت کا اجمالی تعارف"

ایک ایک سورت کو ایک خاص موضوع اور معین مضمون کے لیے مقرر کر کے تسلسل قائم کرنے پر کامیاب ہوا مجھے کسی دوسرے حکیم کا قرار دادہ مضمون سلسلہ کلام الٰہی سے استنباط کرنے کی ضرورت نہیں ہوئی میں معانی کو شاہ صاحب کی حکمت سے باہر جانے نہیں دیتا ۔ عام مفسرین سے جہاں کہیں اختلاف کروں گا وہ شاہ صاحب کے اصول سے تشبت کے تحت میں ہو گا ۔ بعض ایسے مواقع بھی ملیں گے کہ میری سند مولانا شاہ عبدالعزیز اور شاہ رفیع الدین اور مولانا محمد اسماعیل شہید اور مولانا محمد قاسم کے کلام میں ملے گی شاذ و نادر باتیں ایسی ہوں گی جو خود میرے فکر کا نتیجہ ہیں ۔ میں ایسے موقع پر صراحتاً بتا دیا کرتا ہوں کہ یہ میری سوچی ہوئی بات ہے اس کا رد و قبول ہر وقت سامع کے اختیار میں ہے ۔ مگر جن چیزوں میں ائمہ اور اساتذہ کی سند موجود ہے میرا جی چاہتا ہے کہ اہل علم تناسب آیات میں توجہ کریں ۔ اور ان کی تقلید سے اِبا نہ کریں ۔

فصل (۱۲)

عام اہل علم قرآن شریف کی سنت اور اجماع کو ادلہ شرعیہ میں شمار کرتے ہیں ۔ شاہ ولی اللہ صاحب سنت کو قرآن سے مستنبط چیز مانتے ہیں ۔ لیکن اس استنباط کا طریقہ وہ نہیں ہے جو ائمہ فقہا میں مروج ہے ۔ بلکہ حکمت کے اصول[1] پر استنباط کرنے کے طریقے اور ان کے اصول شاہ صاحب کے یہاں علیحدہ مقرر ہیں ۔ "خیر کثیر"[2] میں اس مسئلہ کی انھوں نے تفصیل لکھ دی ہے ۔ اس طرح پر اگر سنت کو مانا جائے تو قرآن کے استقلال پر کوئی زد نہیں پڑے گی ۔

۱۔ اس کی سند شاہ صاحب کی عبارت میں مجھ کو نہیں ملی ۔ حضرت نے فرمایا شاید فوز الکبیر میں ہے ظہیر فلیراجع ۔

۲ ۔ دیکھو خیر کثیر ص ۸۷ وسیاقی تفصیل ذلک فانتظرہ ۱۲ نورالحق علوی ۔

Marfat.com

فصل (۱۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے خلافت راشدہ کے آخری وقت تک یعنی شہادت عثمان (سنہ ۳۵ھ) تک شاہ صاحب کی تحقیق میں مسلمانوں میں کبھی اختلاف نہیں ہوا ۔ اس دور کو وہ دور اجماع کہتے ہیں اس کی تفصیل ''ازالۃ الخفا'' میں مذکور ہے شہادت عثمان کے بعد اختلاف شروع ہوا ۔ اب اجماع وہی مستند ہو گا جو مذکورہ دور اول کے تتبع میں منعقد ہو ۔ شاہ صاحب اس دور کو خیر القرون قرار دیتے ہیں ۔ اس کی پوری تفصیل ''ازالۃ الخفا'' میں موجود ہے ۔ اسے ساری دنیا جانتی ہے کہ اس زمانے میں مسلمانوں کا مستند سوائے قرآن عظیم کے کوئی اور لکھی چیز نہیں تھی اس پر یہ جماعت اپنے پارٹی پالیٹکس کے نظام کو ملحوظ رکھتے ہوئے عمل کرتی تھی ۔ اس پارٹی کی سنٹرل کمیٹی کی طرف اشارہ ہے قرآن حکیم کی ذیل کی آیات میں ''السابقون الاولون من المهاجرين والانصار والذين اتبعوهم باحسان اولئك الذين رضی الله عنهم و رضوا عنه'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور تعلیم سے جو جماعت قرآن پر عمل کرنے کے لیے تیار ہوئی ۔ اس کا وہ مرکزی حصہ جس کا ہر قول و فعل خدا تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ ہے وہ مہاجرین اور انصار کا پہلا طبقہ تھا ۔ اس کی اتباع قرآن پر عمل کرنے کے لیے قیامت تک مسلمانوں کے لیے ضروری ہے ۔ جو چیز اس زمانہ میں متعین ہو گئی اس کو اسی شکل میں اور اُسی معانی میں قائم رکھنا[1] اتباع بالاحسان ہے ۔ زمانے کے تغیرات سے جو نئی چیز قابل بحث پیش آئے وہاں اُس جماعت متبعین بالاحسان کا فیصلہ ماننا ضروری ہو گا ۔ یہ اس دور کے مابعد کے اجماع کا حاصل ہے ۔ اس طرح اجماع قرآن کی حکومت قائم کرنے والی جماعت کے متفقہ فیصلے یا اغلبیت کے فیصلوں کا نام ہوگا ۔ لہٰذا اجماع قرآن سے علیحدہ کوئی نئی چیز نہیں ہے ۔ بلکہ اجماعیات قرآنی اصول کے تشریحی بائیلاز ہوں گے ۔ اس سے کوئی ترقی کن جماعت . جو زمانہ کے طویل عرصہ میں کام کرے ، خالی نہیں

---

۱ - تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ازالۃ الخفا ص ۱۲۱/۱ ص ۷۵/۱ و دیگر مواضع ۱۲ -

Marfat.com

ہو سکتی ۔ اس طرح اجماع بھی قرآن کے مقابل ایک مستقل اصل نہ بنا ۔ بلکہ قرآن کی حکومت قائم کرنے والی جماعت کے اتفاق کا نام ہوا ۔ اس طور سے مسلمانوں میں قرآن کے مستقل درجہ کا تعارف کرانے والی شخصیت امام ولی اللہ دہلوی ہیں ۔[1]

---

۱ ۔ حضرت مولانا الشیخ عم فیضہم نے اگست ۱۹۳۹ء کو تفسیر سورۂ والنجم میں مجھ سے ارشاد فرمایا ۔ ''علماء اصول فقہ لکھتے ہیں کہ اصول دین چار ہیں ۔ کتاب[1] و سنت[2] و اجماع[3] و قیاس[4] درحقیقت یہ تعبیر صحیح نہیں ۔ کیونکہ قیاس تو وہی معتبر ہے جو اصول ثلاثہ سے مستنبط ہو ۔ باقی رہے تین اصول سو ہمیں بڑی محنت کے بعد معلوم ہوا کہ ساری سنت قرآن سے مستنبط ہے ۔ خیرکثیر ص ۸۷ میں اس کی تصریح موجود ہے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء ثلاثہ کے متفقہ فیصلہ کے بغیر کوئی عمل مستند نہیں ہے ۔ کیونکہ حضرت علی کے عہد میں خیرالامم سے مشورہ کا جوہر کھو گیا تھا لہذا اجماع کا مدار بھی کتاب و سنت پر ہوا ۔ بناء علیہ اصل ہے فقط کتاب اللہ ''وما ینطق عن الھوی'' ای ما ینطق بالقرآن عن الھوی۔ ہمارا رسول دین کے معاملہ میں کوئی ہویٰ کی بات نہیں کہتا ۔ ذاتی خواہش کو اس میں کچھ دخل نہیں ۔ اور دین قرآن میں منحصر ہے اور قرآن ہی دین کا قانون اساسی ہے ۔ یہاں ما ینطق سے مطلق نطق مراد رکھ کر وحی متلو اور غیر متلو کو ملا دیا گیا ہے ۔ ہمارے یہاں یہ پسندیدہ نہیں بلکہ مطلق نطق بالقرآن مراد ہے ۔

واضح رہے کہ جب اساسی قانون پر عملدرآمد شروع ہوتا ہے تو مخاطبین کی حالت کے مطابق چند تمہیدی قوانین بنائے جاتے ہیں ۔ فرق یہ ہوتا ہے کہ قانون اساسی غیر متبدل ہوتا ہے اور تمہیدی قوانین ضرورت کے وقت بدل سکتے ہیں ۔ ہم سنت ان تمہیدی قوانین کو کہتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

Marfat.com

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

خلفاء ثلاثہ نے مسلمانوں کی مرکزی جماعت کے مشورے سے تجویز کیے۔ خلافت عثمانیہ کے بعد یہ نظام ٹوٹ گیا کہ تمام کام مشورے سے کیے جائیں۔

تنبیہ: واضح رہے کہ ارشاد ''و شاورھم فی الامر'' میں صیغہ امر وجوب کے لیے ہے جن لوگوں نے امر استحبابی بنایا ہے۔ اُن کی تغلیط امام ابوبکر جصاص رازی (متوفی سنہ ۳۷۰ھ) کی تفسیر ''احکام القرآن'' میں مفصلاً موجود ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو جماعت اس قرآن پر عمل کرنے کے لیے اولین بار پیدا ہوئی جن کو ''السابقون الاولون من المہاجرین والانصار'' کہا جاتا ہے ان کے مشورہ سے قانون تمہیدی بنانا یہ سنت ہے۔ سنت کو ہمارے فقہا حنفیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین میں مشترک مانتے ہیں اور یہی ہماری رائے ہے اور یہ سنت قرآن ہی سے پیدا ہوگی۔ آج کل کی اصطلاح میں اس کو بائلاز کہا جاتا ہے۔ جیسے ''تعزیرات ہند اصل ہے اور ''ضابطہ فوجداری، بائیلاز اول قانون ہے اور دوسرا اس کی تفصیل ہے (اجماع): مشورہ سے کثرت رائے سے بحث سے جو فیصلہ ہو وہ اجماع ہے (فائدہ) سنت کا نازل درجہ یہ ہے کہ حضورؐ نے کچھ ارشاد فرمایا، یا کہا۔ سب نے اس کو تسلیم کر لیا۔ (قیاس) اپنے زمانے کی ضرورتوں کے پیش نظر بائیلاز تیار کر لینا یہ قیاس کہلاتا ہے۔ حضرت عثمان کے بعد بائیلاز تیار کرنے والے حضرات کو ''والذین اتبعوھم باحسان'' کہا جاتا ہے۔ اصل قانون اساسی متعین ہے۔ بائیلاز اُس وقت اور تھے اس وقت اور ہوں گے جن میں زمانہ کے اقتضاآت کے مطابق فروعی تبدیلیاں ہوں گی نئی نئی پیش آمدہ صورتوں کے متعلق تفصیلی احکام کا استخراج ہوگا اور اس کا نام فقہ ہے۔ ان ھو الا وحی یوحی ان ھوای القرآن ۔ فتح الرحمان ۔ بعض حضرات ''ھو'' کی ضمیر

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

Marfat.com

باب سوم ـ علم حدیث

شاہ ولی اللہ سنت کے تمام ابواب کو قرآن عظیم سے مستنبط مانتے ہیں۔ مگر انبیا کے اصول[1] استنباط کو ائمہ فقہا کے اصول فقہ سے علیحدہ قرار دیتے ہیں چنانچہ خیر کثیر[2] میں فرماتے ہیں ۔ میں ''کتاب الصلواۃ'' کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

آنحضرت کے مطلق نطق کی طرف راجع کرتے ہیں تا کہ حدیث شریف بھی اس میں داخل ہو جائے ۔ بے شک احادیث صحیحہ وحی غیر متلو ہیں ۔ مگر اس حصہ کو آیت کے مفہوم میں داخل کرنے سے بعض خرابیاں پیدا ہوتی ہیں ۔ استنباط حضور ملحق با لوحی ہے ۔ اس کو وحی باطنی کہا جاتا ہے ۔ یہی وحی باطنی صوفیہ میں بطور الہام موجود ہے ۔ اور یہی باطنی اقامت قرآن کے لیے کام آتی ہے''۔

۱ ۔ یہ تصریح مجھے نہیں ملی ۔ مولانا نور الحق غفرلہ العلوی

۲ ۔ خیر کثیر کی عبارت حسب ذیل ہے ۔ ''ومن علوم الحدیث تفسیر الحدیث تفسیر القرآن والاستنباط منہ وھو اعظم العلوم ۔ و سنورد علیک من کفافا ۔ امر اللہ سبحانہ با شیاء مطلقۃ کا لصلوۃ والزکواۃ ۔ و کقولہ سبح اسم ربک الاعلے ۔ و سبح بحمد ربک وغیر ذالک ۔ فوقتھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باوقات معینتہ ۔

وامر بامور کقوموا ، و کبر ، واتل ما اوحی الیک ، وارکعوا واسجدوا ۔ فبین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھا ارکان الصلوۃ ۔

واقسم بامور کالفجر ۔ والضحے ، واللیل اذا سجٰی ، والشفق ، ولیال عشر ۔ فاستنبط منھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھا اوقات الصلواۃ ۔ علی تفصیل ذکر فی کتب الاحادیث ۔

و سبح نفسہ فی اوقات و حمد نفسہ فی اوقات فذکر ان المراد الصلواۃ السرایتہ والجھریتہ و بالجملتہ فھذا طریق استنباط صلی اللہ علیہ وسلم ۔ و نحن قد تتبعنا جمیع ما وصل الینا من الاحادیث الواردۃ فی کتاب الصلاۃ فوضح لنا انھا مستنبطۃ کلھا من کتاب اللہ استنباطاً حکمیاً ۔ و عسی ان تحیطہ فی رسالۃ منفردۃ خیرکثیر ص ۸۷ ، ۱۲ ۔

Marfat.com

متعلق تمام صحیح حدیثوں کو قرآن سے استنباط کرنے پر قادر ہو گیا ہوں۔ میرا جی چاہتا ہے کہ اس کے متعلق ایک مستقل رسالہ لکھ دوں''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن عظیم سے خود سمجھ کر (جیسے شاہ صاحب فرماتے ہیں) یا مستقل وحی سے اخذ کر کے (جیسے عام عالم کہتے ہیں) قرآن پر عمل کرنے کا مفصل پروگرام دیا ہے جسے علماء حدیث نے بڑی محنتوں سے دو سو برس کے عرصہ میں جمع کیا اس طرح انبیا کی سیرتوں کو جمع کرنا پہلے زمانے میں بھی رائج رہا ہے۔ سطعات[1] میں شاہ صاحب تصریح کرتے ہیں کہ قرآن عظیم کی طرح ایسی وحی جس کے معانی اور الفاظ مقرر ہو کر نازل ہوں اور پھر قطعی طور پر محفوظ

۱۔ قال الامام ولی اللہ۔ در نفس پیغمبر برکات الٰہی از دو میزاب مے ریزد (میزاب اول) اثر دریائے تشریح چنانکہ حقیقت او را در اقسام ہفت گانہ۔ بیان کردیم ردیکھو ص ۱۱۔ سطعہ ص ۱۵۔ نور) میزاب دوم (از دریائے سر کلام و تعیین و ضعی ازاں منزل بر قلب پیغامبر قرآن باشد۔ اگر میزاب اول پیش دستی کرد و میزاب ثانی تخلف نماید آں حدیث قدسی باشد و آنکہ میزاب کلام پیشدستی نماید و میزاب تشریع تخلف کند۔ محتمل غیر واقع است۔ و کتب الٰہی پیش از قرآن ہمہ بروش حدیث قدسی بودہ اند۔ الا ما شاء اللہ۔ لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرمودہ اند۔ انما کان ینزل علی النبی ما مثل امن علیہ البشر الحدیث۔ دو چیز لازم کتاب الٰہی است یکی برکات ملکوت و استحسان ملا۔ اعلی و رضائی ایشاں از ہر کہ آں کتاب را خواند و در ترویج آں کوشد۔ دیگر بقائے آں کتاب علی ممر الدہور والاعصار۔ و توفیق یافتن امت حفظ آں را۔ اگر ایں دو معنی متخلف شود آں کتاب الٰہی نخواہد بود بلکہ صحیفہ فردے از افراد بشر کہ بہ ارادۂ خود جمع علم پیغمبر کردہ است۔ مانند صحیح بخاری و صحیح مسلم در ملت ما سطعات طبع جدید ص ۱۶۔

محمد نورالحق غفرلہ العلوی شب ۲۱ اپریل ۱۹۳۰ء

Marfat.com

رہیں ، چند ٹکڑوں کے ماسوا کسی مذہب کی کتاب الٰہی میں یہ طریقہ نہیں برتا گیا ۔ عام طور پر ائمہ دین کتابیں اپنے اجتہاد سے جمع کرتے ہیں جو اُس نبی کی سیرت اور اُس کے اقوال کو جمع کر دیتی ہیں یعنی ان ہی کتابوں میں وہ چیز بھی آ جاتی ہے جو براہ راست لفظاً اور معناً مقرر ہو کر نازل ہوئی (جیسے تورات کے احکام عشرہ یا انجیل کے بعض خطبات) نیز وہ چیز بھی آ جاتی ہے جو نبی اپنے اجتہاد سے تعلیم دیتا ہے (یہ فیصلہ شدہ امر ہے کہ اگر نبی کے اجتہاد پر منجانب اللہ گرفت نہ ہو تو وہ حکماً وحی سمجھا جاتا ہے ہماری اُمت میں کتب مقدسہ کی اس قسم کی مثال میں شاہ صاحبؒ صحیح بخاری و صحیح مسلم کو پیش کرتے ہیں[1] ۔

اس بظاہر سادہ تحقیق میں ایک بہت بڑے اشکال کا حل موجود ہے جو کتب مقدسہ کے متعلق ہمارے اہل علم کے اذہان پر مستولی ہے ۔ ہمارے علماء عموماً یہ سمجھتے ہیں کہ اصلی تورات اور انجیل غائب ہوچکی ہے ۔ چونکہ وہ کوئی کتاب قرآن شریف کی طرح محفوظ نہیں دیکھتے ۔ اور اُن کی ذہنیت میں یہ چیز راسخ ہے کہ سابقہ کتب الٰہی بھی قرآن کی طرح نازل ہوئی تھیں ، اس لیے وہ ان کتابوں کو مقدس ماننے کے لیے کسی طرح تیار نہیں ہیں ۔ اس نظریہ سے یہ برا نتیجہ پیدا ہوا کہ قرآن حکیم نے جہاں اہل کتاب کو اپنی کتابوں پر عمل کرنے کی دعوت دی ، اور عمل نہ کرنے کا الزام لگایا ، اُس کی صحیح تفسیر کرنے سے ہمارے علماء عاجز

---

۱ ۔ ''الفرقان''۔ غالباً شاہ صاحبؒ کی یہ تمثیل صرف نوعیت تنزیل اور طریقۂ جمع و تالیف کے لحاظ سے ہے اور یہ یقیناً بالکل صحیح ہے ورنہ جس شخص نے بائبل بالخصوص ''عہد جدید'' کو بغور دیکھا ہے اور ان ''کتب مقدسہ'' کی تاریخ پر جس کی نظر ہے اس کے نزدیک ان کی روایتی حیثیت صحیحین کیا معنی ''معاجم طبرانی'' جیسی کتابوں کے برابر بھی مشکل ہی سے ہو سکتی ہے لیکن اس کے باوجود شاہ صاحب کی اس تحقیق سے وہ مشکل حل ہو جاتی ہے جس کا ذکر مولانا نے آئندہ سطور میں کیا ہے ۔ کما یخفی علی المتبصر المتقیظ ۱۲ ۔

Marfat.com

آ گئے ۔ محض اسرائیلی یا خرافاتی روایات لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں ۔ اگر کتب مقدسہ کو کتب حدیث کی طرح مان لیا جائے تو یہ اشکال من اصلہ رفع ہو جاتا ہے ۔

سورۂ والنجم کی آیت ''ان ھو الا وحی یوحیٰ'' کی دو طرح تفسیر کی جاتی ہے :

(۱) شاہ صاحب کے طریقے پر تحقیق یہ ہے کہ ضمیر ''ہو'' قرآن کی طرف راجع ہے ۔ اور ''ما ینطق عن الھویٰ'' میں بھی نقل قرآنی کے متعلق بحث ہے ۔

(۲) مگر اہل علم کی دوسری جماعت اس آیت کو قرآن سے مخصوص نہیں مانتی ۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام تر اقوال کو ایک طرح کی وحی ثابت کرنے پر زور دیتی ہے اُن کے نزدیک ''وما ینطق عن الھوی'' قرآنی نقل سے مقید نہیں ہے۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول ''وما ینطق عن الھویٰ'' میں داخل ہے ۔ اور اسی کو ''ان ھو الا وحی یوحی'' میں وحی سے تعبیر کیا گیا ہے ۔

(۱) ان حضرات کے نزدیک حدیث کی اصل بھی وحی ہی سے ثابت ہے ۔ فقط الفاظ کا فرق ہے ۔ قرآنی الفاظ وحی سے معین ہوئے ۔ اور حدیث کے الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے طبعی ملکہ سے صادر ہوتے ہیں ۔ مگر معنی سب کے سب وحی ہیں ۔

(۲) پھر ان کے نزدیک یہ فرق بھی موجود ہے کہ قرآن خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک مصحف میں کتابتاً محفوظ کر دیا گیا ۔ اور اس کی روایت بالتواتر قائم رہی ۔ لیکن حدیث میں جو وحی آئی ان کے نزدیک بھی ، نہ تو حضور کے زمانے میں اس کی کتابت ہوئی اور نہ اُس کے لیے تواتر ضروری ہے ۔

ان لوگوں کی اصطلاح پر اگر کتب مقدسہ سابقہ کو کتب حدیث کا

Marfat.com

درجہ دیا جائے تو بطریق اولیٰ اس کو مستبعد نہیں سمجھنا چاہیے ۔ اگر یہ لوگ اس بات کو تسلیم کر لیں تو تمام اشکال حل ہو جائیں گے ۔

(۱) ہمارے کتب حدیث میں بالاتفاق غیر صحیح روایات بھی موجود ہیں ۔

(۲) نیز ان کتب حدیث میں ایک واقع کو مختلف طریقوں سے بھی روایت کیا گیا ہے ۔

(۳) ہماری بہت سی کتب حدیث میں بھی کاتبوں سے غلطیاں ہوتی رہتی ہیں جن کو محققین علماء درست کرتے رہتے ہیں اس کے بعد اگر اناجیل اربعہ کو ہماری صحاح اربعہ (صحیحین ، ابو داؤد ، ترمذی) کے درجہ پر رکھ دیا جائے تو ذرہ برابر اختلاف نظر نہیں آئے گا[1] ۔

میں نے انجیل کی شرح ، مسٹر جنری اسکاٹ کی ، اردو میں مطالعہ کی اُس میں اناجیل اربعہ کے اختلافات کو اُسی طرح جمع کرنے ، اور ترجیح دینے کی سعی کی گئی ہے جیسے ہم کتب حدیث میں کرتے ہیں ۔ اُس دن سے میرے دماغ میں ایک نیا فکر پیدا ہوا ۔ جس سے کتب مقدسہ کی تحریف کا الزام جس طرح عموماً ہم اہل کتاب پر عائد کرتے ہیں اور مولانا رحمت اللہ مہاجر مکی نے ''اظہار الحق'' میں اس کو بڑی شد و مد سے ثابت کیا ہے ، کمزور ہونے لگا اور جو محقق عالم تورات میں تحریف کا انکار کرتے ہیں جیسے امام بخاری ، شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور امام

---

۱ ۔ ''الفرقان'' اناجیل اربعہ کو صحاح اربعہ کے درجہ میں رکھنے کا اگر یہ مطلب ہے کہ ان کی جمع و تالیف اس انداز سے ہوئی ہے جس طرح کہ صحاح اربعہ کی ، تو بے شک قابل قبول ہے ۔ لیکن اگر روایتی استناد میں مساوات مراد ہو تو اس کے لیے بہت سے ناقابل شک حقائق و واقعات سے چشم پوشی کرنا پڑے گی ۔ ہاں تورات کا حال بہ نسبت ، اناجیل کے ضرور کچھ غنیمت ہے لیکن صحاح اربعہ کے درجہ میں تو اس کو بھی نہیں رکھا جا سکتا ۔

Marfat.com

ولی اللہ دھلوی ، اُن کی تحقیق کا مطلب سمجھ میں آنے لگا مگر یہ فکر کبھی مکمل نہیں ہوسکیا جب تک ہم کتب مقدسہ سابقہ کو کتب حدیث کے درجہ پر نہ لے آئیں ۔ جب سطعات میں میں نے شاہ ولی اللہ صاحب کی مذکورہ بالا تصریح پڑھی تو اطمینان کا سانس لیا ۔

Marfat.com

سید کلیم اللہ شاہ

(۱۲۹۳ھ - /۱۸۷۶ء)

سید کلیم اللہ شاہ خانوادہ شاھانی سادات کے چشم و چراغ تھے ان کے دادا کا نام محمد عطا شاہ اور والد کا نام محمد ارشد شاہ تھا۔ ان کے جد اعلیٰ پیر علی مرتضیٰ شاہ سندھ کے عظیم المرتبت ولی اللہ اور حضرت پیر صاحب پگارا کے مورث اعلیٰ حضرت محمد راشد عرف روضہ دھنی کے برادر خورد تھے۔ اس طرح کلیم اللہ شاہ نہایت ممتاز و مقتدر صوفی و علمی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔

کلیم اللہ شاہ کی ولادت ۱۲۹۳ھ (۱۸۷۶ء) کو ضلع لاڑکانہ کے "شاہ گوٹھ" نامی گاؤں میں ہوئی۔ علمی و دینی فضا میں پرورش پائی، تعلیم و تربیت کے لیے پاکیزہ ماحول ملا۔ عربی، فارسی، سندھی اور اردو کی ضروری تعلیم حاصل کی۔ علم طب سے شغف تھا۔ بلا معاوضہ علاج کرتے تھے اس فن کو وہ مخلوق کی خدمت کا ایک بہترین ذریعہ تصور کرتے تھے۔

فن موسیقی کے ماہر تھے۔ گانے کا بہت شوق تھا۔ ان کے ہاں راگ رنگ کی محفلیں جما کرتی تھیں جن میں موسیقار دور دور سے شریک ہوتے تھے۔

سیر و سیاحت کے بھی شائق تھے۔ ایام طفلی میں اپنے والد کے ہمراہ بلوچستان اور سیوی وغیرہ میں قیام کیا۔ تنہا بھی بعض مقامات کی سیر و سیاحت کی۔ مشاہدات و تجربات سے علم باطنی کو جلا بخشی۔

کلیم اللہ شاہ، کلیم تخلص کرتے تھے۔ سندھی، فارسی، سرائیکی اور اردو کے پر گو شاعر تھے اردو اور فارسی میں ان کی غزلیات اور سندھی میں کافیاں موجود ہیں۔ ان کی اردو غزلیں دکنی زبان میں بھی ہیں،

Marfat.com

صاف شستہ سلیس زبان میں بھی ۔ ایک رنگ تو یہ ہے :

غیر از خدا نہ آوے درکار ہیچ کس
ہے خواب سے نہ فارغ بیدار ہیچ کس

بلبل کوں ہے چمن میں اس گل کی امید
مجھکوں ہے اپنے یار کی محفل کی امید

پر یرویوں کی ہے تجھ کوں امامت
امامت ہے امامت ہے امامت
جدائی دن کہوں عین قیامت
قیامت ہے قیامت ہے قیامت
کلیم اللہ چون درِ گوش بندہ
غلامت ہے غلامت ہے غلامت

گر یار خدا آج ملاوے تو کیا عجب
شربت بھی اسی ہاتھ پلاوے تو عجب کیا
ہم چاک دلم چاک ہمارا ہے بدن چاک
با وصل کی سوزن سے ملاوے تو عجب کیا

اور دوسرا رنگ یہ :

داغ جدائی مشکل ، مشکل نہیں اے لوگو
جان فدائی مشکل ، مشکل نہیں اے لوگو
دلبر کے کوچہ جانا یہ عشق ہے نہ ذلت
ہر در گدائی مشکل ، مشکل نہیں اے لوگو

Marfat.com

دل میں آیا کہ چل میں آؤں آج
تیری شفقت کا سر پہ لاوں تاج
کچھ نہیں مانگتا خدا سے مگر
اک رقیبوں کے مرگ کا ہی علاج

Marfat.com

پیر کمال الدین کمال

(۱۲۹۴ - ۱۳۲۸ھ/۱۸۷۷ - ۱۹۱۰ء)

پیر کمال الدین کمال سندھ کے ان اولیائے کرام میں سے تھے جن کے دم سے نواب شاہ کے علاقے میں علم و ادب اور معرفت و روحانیت کا چراغ روشن ہوا۔

کمال الدین کی ولادت ۱۸۷۷ء مطابق ۱۲۹۴ ھجری میں ضلع نواب شاہ کے ایک شہر نوشہرہ فیروز میں ہوئی۔

مولانا فضل محمد نوشہرہ فیروز کے ایک ممتاز عالم دین اور مدرس تھے۔ کمال الدین نے ان سے قرآن، حدیث اور فقہ کا درس لیا۔ ایک مقامی مدرسے میں انگریزی، فارسی، سندھی اور اردو کی تعلیم بھی حاصل کی۔ اپنے ذاتی مطالعہ اور محنت سے متعدد علوم سے بہرہ ور ہوئے۔

کمال الدین سندھ کے شہرہ آفاق ولی اللہ حضرت مخدوم نوح ہالائی رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت کے بیحد قائل تھے ان کے صوفیائے اخلاف سے بھی ارادت و عقیدت تھی جس کی بنا پر اس سلسلے کے ایک بزرگ کے ہاتھوں بیعت کی۔ درگاہ مقدس حضرت مخدوم نوح کی زیارتیں بھی کیں۔ اپنے حلقہ ارادت میں حضرت نوح کے نظریات و تعلیمات کی اشاعت کی۔

محفل سماع سے خاص ذوق تھا۔ غالباً اسی ذوق کے باعث موسیقی سے دلچسپی پیدا ہوئی اور اس فن میں مہارت حاصل کی۔ ان کے آستانے میں اکثر سماع کی محفلیں منعقد ہوتیں جن کا مخصوص انداز تھا۔ ڈھولک اور اک تارے پر کافیاں گائی جاتی تھیں۔ پیر کمال اپنی کافیاں خود بھی گاتے تھے۔

جون ۱۹۰۱ء مطابق ۱۳۲۸ھ کو ان کا وصال ہوا۔ نوشہرہ فیروز جو کبھی ان کا مولد و مسکن تھا اب ان کا مدفن ہے۔

Marfat.com

کمال الدین ان کا نام تھا ، کمال تخلص کرتے تھے ۔ پیر کمال مشہور تھے ۔ پیر کمال کا یہ مجموعہ کلام جس کا ایک قلمی نسخہ ان کا اپنا نسخہ تھا ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ کے پاس موجود ہے ۔ ان کا کلام فارسی ادبیات سرائیکی سندھی اردو سی حرفیوں اور کافیوں پر مشتمل ہے ۔ انھوں نے اردو میں بھی کافیاں کہی ہیں ۔ جو اگرچہ فنی اور عروضی طور پر کمزور ہیں مگر ان کے عقائد و خیالات کی آئینہ دار ہیں ۔ نمونہ ملاحظہ ہو :

اک مصرعہ :

کمال کر کے سر قربانی ، عشق اڈے پر آوے گا

دو شعر :

جب تک اپنا آپ نہ جانے   بازی بسرہ بناوے کیوں
واہ واہ سخن تیری چالی   خوش خیال عجائب عالی

دو کافیاں :

روز و شب مجھ کو تمہاری یادگیری اے صنم
نام تیرا ہے وظیفہ ورد شیریں اے صنم
کچھ مجھے پروا نہیں لیکن ترے دیدار کی
حال میرا عشق تیرے میں زہیری اے صنم
نیم بسمل ہو کے کھاتے ہوں بلائی[1] در بدر
عشق کشتہ کی کرو تم دستگیری اے صنم
ہے خدا تیرا ثنا گو والضحیٰ واللیل میں
طٰہٰ میں تعریف تیری دلپذیری اے صنم

———

واہ وا تماشا لائیا ، آدم بنا کے دم کا
بیرنگ میں رنگ چھپایا ، کر کے اولا[2] اسم کا

---

۱ ۔ بلائی = جگر ۔
۲ ۔ اولا = پردہ ۔

Marfat.com

احدوں[1] بنا کے احمد[3]، پھر میم بن محمد[4]
لولاک چھتر چھلائیا[2] مالک عرب عجم کا
ایسا کمال کرنا، مرنے سے آگے مرنا
پیر مغاں پلائیا، وحدت سے جام جم کا

---

۱ ۔ احدوں = احد میں سے ۔
۲ ۔ لولاک چھتر چھلایا = لولاک لما خلقت الا فلاک کا تاج پہنایا ۔

Marfat.com

پیر جمال الدین علوی

(۱۲۹۶ - ۱۳۵۵ھ/۱۸۷۶ - ۱۹۳۶ء)

پیر جمال الدین علوی صاحب سیف و قلم تھے۔ ان کا شمار وادی مہران کے ان مجاہدان اسلام میں ہوتا ہے جنھوں نے حکومت برطانیہ کے خلاف علم جہاد بلند کیا اور برصغیر کی تحریک آزادی میں نمایاں حصہ لیا۔

جمال الدین علوی کے والد بزرگوار حضرت پیر محمد ہاشم علوی قریہ شاہ ابراہیم دادانی تحصیل حیدرآباد کی ایک برگزیدہ شخصیت تھے۔ ان کا سلسلہ نسب حضرت شیخ ابو ریحان سلطان غیاث الدین المعروف بہ شیخ ایمان سے جا ملتا ہے۔

جمال الدین کی ولادت بتاریخ ۲۷ رجب المرجب ۱۲۹۶ ھجری کو اپنے آبائی گاؤں میں ہوئی۔ مورخہ ۱۲ شوال ۱۳۵۵ ھجری (۲۶ دسمبر ۱۹۳۶ء) میں وفات پائی۔ قبرستان شیخ ایمان میں مدفون ہیں۔

عربی فارسی، سندھی اور اردو کے عالم تھے۔ انگریزی، ترکی، گجراتی اور پشتو سے بھی واقف تھے۔ پیر جمال نے دین کے ساتھ ساتھ دنیا کی بھی خدمت کی۔ سندھ کی سرزمین سے ابھرنے والی قومی تحریکات میں شریک رہے۔ تحریک خلافت کے ایک سرگرم کارکن تھے۔ مسلمانان سندھ کو انگریزوں کی غلامی سے آزاد کرانے کی خاطر حکومت برطانیہ کی کھلم کھلا مخالفت کی۔ عوام کو اپنی پر زور و موثر تحریر و تقریر سے بیدار کیا۔ انگریزوں نے انھیں اس قسم کی تحریک سے باز رہنے کا حکم دیا۔ طرح طرح کی دھمکیاں دیں لیکن وہ مرد مومن اپنے موقف پر ڈٹے رہے یہاں تک کہ بلا خوف و خطر اعلان کر دیا۔

تمہاری ہتھکڑی بیڑی نہیں کافی ڈرانے کو
رکھا جب سر ہتھیلی پر تو کیا پرواہ زنداں کی

Marfat.com

اعلان جہاد اور حق گوئی کی پاداش میں انھیں قید و بند کی صعوبتیں جھیلنی پڑیں ۔ قید فرنگ میں بھی وہ اسلام کی تبلیغ کرتے رہے ۔ جیل خانے کے سربراہ نے انھیں انتباہ کیا تو انھوں نے جواب میں کہا :

اذاں دیں گے بلند اعلان سنے سارا تمام عالم
حکم حق نے دیا ہم کو کہا احمد نبی[۳] اکمل

اعلان حق پر ان کی سزا اور سخت کر دی گئی ۔ انھیں سندھ کے زندان سے تھانہ جیل نواح بمبئی میں منتقل کر دیا گیا ۔ تھانہ جیل میں تحریک خلافت کے چند دیگر سیاسی قیدی بھی مقید تھے جن میں محمد شعیب قریشی اور مولوی نثار احمد مفتی کانپوری بھی تھے ۔ شعیب قریشی پیر جمال کی عزم و ہمت اور جوش و جرات سے بہت متاثر ہوئے ۔ مولوی نثار احمد مفتی کہا کرتے ''اسے جیل نہ سمجھو بلکہ مدرسہ ہی سمجھو'' ۔

پیر جمال الدین علوی کو سندھی اور اردو نظم و نثر پر قدرت حاصل تھی ۔ ان زبانوں میں ان کے علمی و سیاسی مضامین اور اخلاق و ترغیبی نظمیں عوام کی توجہ کا مرکز تھیں ۔ وہ ایک شعلہ نما مقرر ، پر جوش نثر نگار اور بدیہہ گو شاعر تھے ۔ ان کی صاف ستھری اور با مقصد سیاست بلا شبہہ آج کے دور میں مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہے ۔ صوفیانہ زندگی اور علمی و ادبی مشاغل کے باوجود سیاست کے میدان میں جس شان اور جس انداز سے اپنا کردار ادا کیا وہ یقیناً اپنی مثال آپ ہے ۔ ان کے مضامین اور منظومات کا کوئی باقاعدہ مجموعہ دستیاب نہیں تاہم ان کی نگارشات اخبارات و رسائل میں محفوظ ہیں ۔ تھانہ جیل میں قیدیوں کی مرہٹی زبان سن کر حیرت سے کہتے ہیں :

عجب دیکھی قدرت تری یا الٰہی
کہ قسمت وطن سے اٹھا ہم کو لائی
وہاں آکے پہنچے کہ سندھی نہ سمجھیں
یہ اکڑے یہ ٹکڑے یہ کہتے ہیں بھائی

Marfat.com

پیر بھاون علی شاہ ساقی قادری

(۱۳۰۵ - ۱۳۳۷ھ/۱۸۸۶ - ۱۹۱۸ء)

بدین ضلع حیدرآباد میں جس برگزیدہ ہستی نے علم اور دین کا چراغ روشن کیا وہ حضرت درگاہ شاہ قادری تھے - پیر بھاون علی شاہ قادری اسی بزرگ ہستی کے چشم و چراغ تھے - بھاون علی شاہ کی ولادت ۱۸۸۶ء (۱۳۰۵ھ) میں بدین میں ہوئی -

تعلیم و تربیت کی پہلی منزل اپنے عارف و عالم باپ کی شفقت و اخلاص کے سایہ میں طے کی - چودہ سال کے تھے کہ یہ سایہ ان کے سر سے اٹھ گیا لیکن انھوں نے اپنی تعلیم کو منقطع ہونے نہ دیا اپنے ذوق و شوق کی رہنمائی میں عربی ، فارسی ، سندھی اور اردو کے علاوہ انگریزی اور گجراتی زبانوں پر قدرت حاصل کی - دوران تعلیم ۱۹۰۰ء میں جب ان کے والد حضرت درگاہ شاہ قادری کا وصال ہوا تو سجادہ نشینی کے فرائض ان کے سپرد ہوئے -

حصول علم کا شوق اور شاعری کا ذوق فطری تھا - اکثر اوقات مطالعہ کتب میں صرف کرتے - ان کے کتب خانے میں مطبوعہ کتب و رسائل کے علاوہ قلمی نسخوں کی تعداد بھی کافی تھی - اکتوبر ۱۹۱۸ء (۱۳۳۷ھ) میں جب ان کی عمر صرف ۳۲ سال تھی اللہ کو پیارے ہوگئے - ان کا مزار پر انوار ان کے خاندانی قبرستان قادریہ میں واقع ہے -

پیر بھاون علی شاہ قادری اپنے وقت کے ایک بلند پایہ شاعر اور انشاء پرداز تھے - اگر ان کی عمر نے وفا کی ہوتی تو وہ اپنی نگارشات و تخلیقات کا وافر ذخیرہ چھوڑ جاتے - ان کا تخلص ساقی تھا - فارسی، سندھی، اور اردو تینوں زبانوں میں بہت اچھا شعر کہنے کی غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک تھے - اپنے بزرگوں کے قلمی نسخوں کی روشنی میں ایک بیاض مرتب کی جو فارسی زبان میں ہے - اردو میں نثر نگاری کا ثبوت ڈاکٹر

Marfat.com

نبی بخش بلوچ کے اس بیان سے ملتا ہے کہ انھوں نے ''اپنے خاندان کے حالات اردو میں لکھے''¹ شیخ محمد سونار ساکن بدین نے ساقی کے کلام کو ''ساقی جا سخن'' کے نام سے مرتب کیا ہے -

ساقی نے اردو میں غزلیں بھی کہی ہیں اور نعتیں بھی - ان کی زبان صاف ، بیان لطیف اور اسلوب دلاویز ہے - پہلے ایک نعت کا یہ شعر دیکھیے :

حضور داور محشر اکیلا جا کھڑا ہوں گا
بجز تیرے نہ ہووے گا سہارا یا رسول اللہ

پھر یہ اشعار ملاحظہ فرمائیے -

جمال یار و جمال قمر نہ یکساں ہے
ہمارے دیدہ گریاں ابر نہ یکساں ہے

بتا اے مرغ دل تو نے کہاں اپنا وطن چھوڑا
نہ رستہ دشت میں پایا کہاں اپنا چمن چھوڑا
کہاں وہ باغ فردوسی کہاں وہ جنت الماوی
کہاں وہ قصر ملکوتی کہاں ملک عدن چھوڑا
کہاں وہ نرگس شہلا کہاں مشک ختن چھوڑا

۱- سندھ میں اردو شاعری ، ص ۲۳۲ -

Marfat.com

محمد قاسم نقشبندی گڑھی یٰسینی

(۱۳۰۵ - ۱۳۴۹ھ/۱۸۸۶ - ۱۹۲۹ء)

مولانا محمد قاسم نقشبندی گڑھی یٰسینی سندھ کے ان ممتاز صوفی مشرب علمائے کرام میں سے تھے جن کے دم سے علم و دانش اور نیکی و روحانیت کی روشنی دور دور تک پھیلی ۔ ان کے والد بزرگوار حضرت محمد ہاشم¹

---

۱ - **مولانا محمد ہاشم گڑھی یٰسینی** ۱۲۵۹ھ کو شہر شہداد کوٹ ضلع لاڑکانہ میں پیدا ہوئے استاد العلماء مولانا نور محمد کے مدرسے سے فارغ التحصیل ہوئے ۔

مولانا ہاشم درس و تدریس ، فقہ اور فتویٰ نویسی کے ماہر کی حیثیت سے خاص شہرت کے حامل تھے ۔ پہلے شہدادکوٹ کے نواحی گاؤں میں مدرسہ قائم کیا ۔ پھر قلات بلوچستان کے مدرسے کے استاد مقرر ہوئے ۔ ایک مقتدر عالم و معلم کی حیثیت سے وہاں ان کی بے حد قدر افزائی ہوئی ۔ ان کے مرید نواب اسد اللہ رئیسانی نے انہیں قلات میں اپنی جاگیر کے قاضی کے عہدے سے نوازا ۔

امیر گڑھی یٰسین خان صاحب اللہ بخش خان درانی بارکزئی کی استدعا پر وہ گڑھی یٰسین چلے آئے وہاں کی مسجد و عیدگاہ کے متولی کے فرائض انجام دیے بعد میں اپنے ''مدرسہ ہاشمیہ'' کی بنیاد رکھی ۔

مولانا ہاشم کے شاگردوں کی تعداد کا کوئی شمار نہیں اکثر نے علمی مرتبہ حاصل کیا جن میں ان کے نامور فرزند مولانا محمد قاسم بھی شامل تھے ۔ ان کے چھوٹے صاحبزادے مولانا محمد ابراہیم نے بھی ایک جید عالم قاضی اور شاعر کی حیثیت سے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

Marfat.com

گڑھی یاسینی اپنے وقت کے برگزیدہ علمی و دینی شخصیتوں میں شمار کیے جاتے تھے۔

محمد قاسم کی ولادت ماہ ربیع الثانی ۱۳۰۵ھ (۱۸۸۶ء) میں بمقام میاں گوٹھ تحصیل شکار پور میں ہوئی۔ ''صدر اعظم'' سے ان کی تاریخ ولادت نکلتی ہے۔

پرسش از میلاد او کردم سروش
صدر اعظم گفت تاریخش بگوش

۱۳۰۵ھ

تعلیم و تربیت اپنے والد ماجد کے زیر شفقت و عاطفت حاصل کی۔ درس نظامیہ کی کتب بھی اپنے والد سے پڑھیں۔ ۱۳۲۹ھ میں ان کے والد کی رحلت کے بعد تک مولانا عبدالغفور مفتون ہمایونی[1] جیسے استاد کامل اور عارف عامل کی صحبتوں میں رہ کر علوم ظاہری و باطنی سے مستفیض ہوئے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

خاص شہرت حاصل کی۔

میاں جی عبداللہ سرہندی شہداد کوٹی نے یہ تاریخ وفات کہی

جست ہندی چو سال رحلت او
گفت ہاتف ''شد اندرون بہشت''

۱۳۲۹ھ

(مہران سوانح نمبر ص ۱۱۸ تا ۱۳۰، تذکرہ مشاہیر سندھ ص ۲۷۴، ۲۶۵۔ کلیات امین مرتبہ محبوب علی چنہ ص ۲۸۶)۔

۱۔ مولانا عبدالغفور ہمایونی المتخلص بہ مفتون (۱۲۶۱ - ۱۳۳۶ھ/ ۱۸۴۷ - ۱۹۱۸ء) قصبہ ہمایون ضلع سکھر کے رہنے والے تھے۔ پیر سید ابو محمد صالح شاہ رانی پوری کے مرید تھے۔ طب، تاریخ تصوف پر مہارت رکھتے تھے۔ عالم با عمل، عارف باللہ اور استاد باکمال تھے ان کے شاگردوں کی فہرست میں بڑے سے بڑے علماء و

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

Marfat.com

مولانا محمد قاسم ۱۳۲۴ھ میں اپنے والد کی مشہور درسگاہ مدرسہ ہاشمیہ گڑھی یلسین کے نگران مقرر ہوئے ۔ یہ وہ اہم مدرسہ ہے جس میں طالبان علم نہ صرف سندھ کے طول و عرض سے بلکہ افغانستان، بلوچستان، پنجاب ، مکران وغیرہ سے آتے تھے اور علوم عربیہ کی اعلیٰ تعلیم سے آراستہ ہو کر معاشرے میں اعلیٰ مقام حاصل کرتے تھے ۔ اس مدرسے سے بڑے بڑے علماء اور خطیب پیدا ہوئے اور انہوں نے ایک عالم میں علم و عمل کی روح پھونک دی[1] ۔

مولانا محمد قاسم نقشبندی بہت بلند پایہ مدرس ، عالم ، فقیہ ، مفتی خطیب اور ولی کامل تھے ۔ نقشبندی طریقت کے معتقد تھے ۔ سلطان الاولیاء حضرت خواجہ عبدالرحمن مجددی سرہندی سے بیعت[2] تھے ۔

علمی بصیرت اور شرعی نکات کے اعتبار سے مولانا قاسم کی شخصیت مستند و معتبر سمجھی جاتی تھی ۔ لوگ ان کے پاس فتوے دریافت کرنے کے لیے نہ صرف سندھ کے مختلف گوشوں سے بلکہ بیرون سندھ کے دور دراز کے علاقوں سے آتے تھے اور ان کے فتویٰ[3] نامے ان کے دستخط سے حاصل کرنا باعث اطمینان سمجھتے تھے ۔ یہاں تک کہ حاکم بلوچستان نے بھی کئی موقعوں پر ان کے فتاویٰ کی بنیاد پر معاملات کے فیصلے کیے ۔[4]

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

فضلاء کے نام درج ہیں ۔ محفل سماع کے شائق تھے ۔ ان کی آواز میں سوز و گداز تھا ۔ فارسی اور سندھی میں شاعری کرتے تھے ۔ ان کی تصانیف میں فتاویٰ ہمایونی ، دیوان مفتون، فرہنگ ہمایونی (طبی لغت) شائع ہو چکی ہیں ۔

(تذکرہ مشاہیر سندھ ، ص ۲۲۹ تا ۲۳۳ ، کلیات امین ، ص ۲۴۵) ۔

۱ ۔ مہران ، ص ۱۱۸ ۔

۲ ۔ تذکرہ مشاہیر سندھ ، ص ۲۸۵ ۔

۳ ۔ مولانا قاسم کے فتووں کا ایک مجموعہ فتاویٰ (جلد اول) کے نام سے پہلی بار لاہور میں اور دوسری بار افغانستان میں شائع ہو چکا ہے ۔

۴ ۔ مہران ، ص ۱۲۰ ۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

Marfat.com

سولانا قاسم ۴۴ سال کی عمر میں ۱۸ ذی القعد ۱۳۹۴ھ کو اپنے معبود حقیقی سے جا سلے ان کے شاگردوں ، عزیزوں ، دوستوں اور عقیدتمندوں کی بہت بڑی تعداد نے نماز جنازہ میں شرکت کی ۔ ان کے نوحے اور مرثیے لکھنے والوں میں سید عبدالفتاح رضوانی شیخ الدلائل فی المسجد نبوی مدینہ منورہ، سولانا صاحب داد مفتی اعظم پاکستان اور محمد اساعیل جان روشن سرہندی جیسے نامور و مقتدر حضرات شامل تھے ، مرثیے اور تاریخیں عربی ، فارسی ، سندھی اور اردو میں کہی گئیں ۔ یہاں حکیم مطیع الرحمان مطیع کا ایک اردو قطعہ تاریخ وفات نقل کیا جاتا ہے ۔

جو محمد قاسم اہل فیض تھے
عالم بے مثل یکتائے جہان
دے کے داغ غم اسی ذیقعد میں
چل بسے وہ جانب باغ جناں
سال رحلت تم سناؤ اے مطیع
واصل رب ہو گیا فخر زماں

۱۳۹۴ھ

سولانا قاسم کی ابدی آرام گاہ گڑھی یلسین کے اس قبرستان میں زیارت گاہ خلق اللہ ہے جہاں ان کے والد حضرت محمد ہاشم آسودہ ہیں ۔

سولانا قاسم کی مادری زبان سندھی تھی ۔ عربی ، فارسی اور اردو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

سولانا ہاشم حضرت سولانا میاں تاج محمد پیر کٹیار شریف کے مرید تھے ۔ سندھی اور اردو میں مضامین لکھتے تھے ۔ فارسی اور سندھی میں شعر کہتے تھے ۔ فارسی تاریخ گوئی میں مہارت رکھتے تھے ۔ ان کی کوئی تصنیف یا تالیف محفوظ نہیں ہے ۔

سولانا ہاشم ۱۹ شعبان ۱۳۲۹ھ میں اس جہان فانی سے رخصت ہوئے ۔ قبرستان اولیائے گڑھی یلسینی میں ان کا مزار مبارک زیارتگاہ خاص و عام ہے ۔

Marfat.com

پر مکمل عبور تھا ۔ عربی زبان اس فصاحت و بلاغت سے بولتے اور لکھتے تھے کہ اہل عرب نے ان کی تعریف کی ۔ اردو اور فارسی میں اعلیٰ درجے کا شعر کہتے تھے ۔ قاسم تخلص کرتے تھے ۔ ان کے فارسی اشعار کا ذخیرہ کافی ہے جو غزلیات ، تواریخ ، قطعات ، مناجات اور قصائد وغیرہ پر محیط ہے ۔

مولانا قاسم صاحب تصنیف بھی تھے ۔ ان کی تصانیف میں ''فتاویٰ قاسمیہ'' کی ایک جلد اور ''اختیار الکتبار'' شائع ہو چکی ہیں ۔ ان کی غیر مطبوعہ تصانیف کے نام یہ ہیں :

۱ ۔ رسالہ درباره تقلید ۔

۲ ۔ الفاظ القرآن با معنی (فارسی) ۔

۳ ۔ مجموعہ اشعار فارسی و اردو ۔

مولانا محمد قاسم نقشبندی کو اردو سے محبت تھی ۔ خطبات اور تقاریر عموماً اردو میں فرماتے تھے ۔ فتوے بھی اکثر اردو ہی میں لکھتے تھے ۔ ان کے اردو مجموعہ فتاوی قاسمیہ کا قلمی نسخہ مولانا محمد نجم الدین صدر مدرسین و منشی مدرسہ ہاشمیہ گڑھی یلسین کے پاس محفوظ و موجود ہے ۔

نمونہ نثر کے طور پر ان کے مذکورہ بالا مخطوطہ کے صفحہ ۱۲۳ سے ایک فتویٰ کا اقتباس پیش کیا جاتا ہے ۔ زبان سادہ اور عام فہم ہے ۔ عربی و فارسی الفاظ کا غیر ضروری استعمال نہیں کیا گیا البتہ دلائل و اسناد کے طور پر کہیں کہیں عربی محاورات یا کتابی فقرے استعمال کیے گئے ہیں ۔ یہ فتوی مولانا قاسم نے اس وقت صادر فرمایا تھا جب میر فخرالدین جیلانی نے ان سے دریافت کیا تھا :

''جنگلات سرکار برطانیہ کے قبضے میں ہوں اور وہ کسی کی ملکیت نہ ہوں اس صورت میں اگر کوئی شخص لکڑی کاٹتا ہے تو کیا وہ اللہ کے سامنے جواب دہ ہوگا یا وہ حکومت کا قانونی مجرم قرار دیا جائے گا ؟ ۔

Marfat.com

اس کے جواب میں مولانا قاسم کا فتویٰ یہ تھا :

''یہ جنگل ملکیت سرکار نہیں کہا جاوے گا زیرا کہ حربی نصرانیوں کا زمینات پر قبضہ مقید ملکیت کا نہیں ہو سکتا ہے بلکہ جس چیز کو وہ احراز دارالحرب میں لے جاتے ہیں یا اپنی چیز کے ساتھ اس چیز کو اس طرح خلط کرتے ہیں جس سے استہلاک کے معنی پیدا ہو سکتے ہیں جیسا کہ اپنے روپوں سے یا اپنے غلہ گیہوں سے یہاں کے روپیوں یا غلہ گیہوں کو لے کر خلط کریں کہ اس قسم کے خلط ہونے کے بعد تمیز کے معنی جاتے رہتے ہیں تو تب وہ مالک ہو سکتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ زمینات اور اشجار ہندوستان کو وہ اپنی دارالحرب میں نہیں لے گئے ہیں اور تخلط استہلاکی کر چکے ہیں لہٰذا یہ جنگل ملکیت سرکار نصاریٰ کی نہیں ہو گی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جبکہ مذکورہ بات ثابت ہو چکی تب یہ بھی جاننا چاہیے کہ جنگل کی لکڑیوں اور گھاس کا بیع کرنا شرعاً باطل ہے اس لیے کہ یہ اشیاء مباحہ سے ہیں اور کسی کی ملکیت میں داخل نہیں ہیں اور اشیائے مباحہ کا بیع کرنا غیر مشروع اور ناروا ہے کتاب درالمتفی شرح الملتقی کے باب البیع الفاسد میں لکھا ہے :

''ولا یجوز بیع المباحات الحطب الصحرا و حشیشہ انتہی''

جبکہ بیلا کے جنگل میں خدائی سیلاب ، دریا کا پانی آ جاتا ہے اور اس کے درخت خود رو ہیں اور اہل کار فقط درختوں کی نگرانی کرتے ہیں جیسا کہ مستفتی کے استفسار سے ظاہر ہے تو ایسی صورت میں سرکاری ممانعت محض ظلم ہے اور لکڑیوں کے کاٹنے والے پر خدائی مواخذہ نہیں ہے واللہ اعلم بالصواب'' ۔

حرزہ فقیر محمد قاسم الیاسی عفی اللہ عنہ

۲۳ ذی الحجہ ۱۳۴۴ھ

Marfat.com

سید فضل اللہ شاہ

(۱۳۱۳ - ۱۳۵۷ھ/۱۸۹۳ - ۱۹۳۷ء)

پیر سید فضل اللہ شاہ المعروف بہ سید احسان شاہ، تیسرے پیر جھنڈو حضرت پیر سید رشداللہ شاہ کے خلف اکبر تھے[1]۔ اپنے والد مکرم کی وفات کے بعد درگاہ شریف سعید آباد کے مسند سجادہ نشینی پر متمکن ہوئے اور "پیر جھنڈو چہارم" کے لقب سے ملقب ہوئے۔

سید فضل اللہ شاہ کی تاریخ ولادت ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۱۳ھجری اور سال رحلت ۱۳۵۷ ھجری ہے۔ ان کی جائے پیدائش، جائے رہائش اور جائے آسودگی درگاہ شریف سعید آباد[2] (ضلع حیدرآباد) ہے۔

مدرسہ دارالرشاد سعید آباد میں مولانا عبیداللہ سندھی، مولانا احمد علی لاہوری اور مولانا محمد صاحب سندھی جیسے یگانہ روزگار اساتذہ اور نامور علمی شخصیتوں کے زیر نگرانی و زیر تربیت قرآن حکیم، تفسیر قرآن، علوم احادیث اور فقہ کی تحصیل کی۔

خاندانی روایات کے مطابق فقر و سادگی، رشد و ہدایت اور ریاضت و تقویٰ کی زندگی کو اپنایا۔ اپنی تعلیمات و ہدایات کی روشنی سے بے شمار دلوں کو پرنور کیا۔

فضل اللہ شاہ سندھی، فارسی، عربی اور اردو زبانوں سے بخوبی واقف تھے۔ ان کی شاعری کا سراغ نہیں ملتا لیکن سخن سنجی کی بجائے سخن الٰہی کا اچھا درک رکھتے تھے۔ دینی و دنیاوی مصروفیات سے

۱۔ ملاحظہ ہو برائے سلسلہ نسب تذکرہ سید رشد اللہ شاہ۔

۲۔ سعید آباد کے جنوب میں ہالہ ۲ میل پر اور شمال میں پیر جھنڈو ایک میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

Marfat.com

فرصت ملتی تو باقی وقت لکھنے پڑھنے میں گزارتے ۔ تقریر کرنے کی بہت اچھی صلاحیت رکھتے تھے ۔ اکثر مذہبی جلسوں میں ان کے اردو خطبات بڑے شوق سے سنے جاتے تھے ۔ اگر ان کے تمام خطبات جمع کیے جاتے تو ضخیم کتاب مرتب ہو سکتی تھی ۔ ان کے لائق فرزند پیر بدیع الدین شاہ جو خود ایک جید عالم اور ممتاز مقرر و خطیب ہیں نے ان کے کچھ مخطوطات محفوظ کر رکھے ہیں جو کتب خانہ سعید آباد میں موجود ہیں ۔ ان ذخائر میں سید فضل اللہ کی دو اردو تصانیف کا سراغ بھی ملتا ہے ۔

ان تصانیف کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی اردو نثر سادہ اورسلیس زبان میں ہے ۔ دینی و مذہبی موضوعات سے متعلق قرآن و احادیث کی روشنی میں نہایت پر مغز و عالمانہ بحث کرتے ہیں ۔ موقع و محل کے مطابق قرآنی آیات ، عربی و فارسی الفاظ و محاورات کو جس خوبی سے استعمال کیا ہے اس سے ان کی عمدہ نثر نگاری کی شہادت ملتی ہے ۔

المقالة المحبوبہ فی الدعاء بعد الصلواۃ المکتوبۃ (قلمی)

یہ پچاس صفحات کا ایک دینی رسالہ ہے جس میں نماز اور دعا کے فضائل و مسائل بیان کیے گئے ہیں ۔ اس رسالہ پر سنہ تصنیف ۱۳۴۷ھ درج ہے ۔ اس رسالے سے چند سطور بطور نمونہ نقل کی جاتی ہیں :

> ”دعا بعد صلواۃ مکتوبہ با جماعت ہاتھ اٹھا کر مانگنے کے جواز میں کوئی شبہہ نہیں بلکہ مسنون ہے ۔ ۔ ۔ ۔ کیونکہ دعا طلب کرنا ہے حاجت کا تضرع سے ان کے قاضی سے ۔ القاضی المطلق ہو اللہ الواحد الصمد لم یلد ولم یولد تو اب بندہ کو جب اپنی حاجت کے قضا کے لیے طلب کرتا ہے تو بلا خدشہ و خطرہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اپنے قاضی مطلق و شافی برحق میں یقین بالا جابتہ کر کے طلب کرے تو مرتبہ اجابت پاوے“ ۔

انشاءاللہ تعالیٰ اگرچہ دعا بعد صلواۃ مکتوبہ بغیر رفع الیدین کے مستونیت بھی ثابت ہے لیکن ہاتھ اٹھانا داعی کا اولیٰ و ارفع ہے۔ کیونکہ داعی کے لیے مستحسن یہ ہے کہ بعض آداب کی دعا کے لیے مراعتہ کرے ۔

Marfat.com

پس دعا کے آداب کثرت سے وارد ہیں لیکن جو مسئلے مبحوث فیہا سے مناسبت رکھتے ہیں وہ صرف تین ہیں ۔ الاول رفع الیدین فی الدعا ۔ کیونکہ ہاتھ اٹھانا دعا میں تفرع و تواضع ہے ۔ والثانی الدعا مع الجماعتہ کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ دعا با جماعت مانگنا تفرد سے زیادہ مستحسن اجابت و اثابت ہے ۔ الثالث تقدیم عمل صالح لیکون ذالک وسیلة الاجابة کیونکہ یہ بات مسلم اور مرئی ہے کہ جب خادم کوئی ایسا عمل کرے جو عند مالک محبوب ہو اور اس کے بعد کوئی سوال کرے تو اس وقت میں سوال پر اجابت بلاشک ہو جاتی ہے ۔'' (ص ۲ - ۳)

البلاغ الحقیق بالتحقیق العمیق (قلمی)

الشان فضل اللہ شان نے ۱۳۴۹ھ میں خانپور (پنجاب) کے ایک عظیم مذہبی جلسے کی صدارت کی تھی ۔ اس جلسے کے لیے انھوں نے جو خطبہ صدارت ایک طویل مقالہ کی صورت میں لکھا تھا وہ ۳۵ صفحات پر محیط ہے ۔ اس مقالے میں انھوں نے قرآن حکیم کی روشنی میں روحانی و جسمانی امراض اور ان کے علاج کے بارے اپنے مفید خیالات کا اظہار کیا ہے ۔ یہ عبارت اس رسالہ سے پیش کی جاتی ہے ۔

''قرآن شریف میں روحانی و جسمانی اصلاح کے لیے تمام معالج موجود ہیں اور جمیع امراض روحانی و جسمانی کے لیے عجیب و غریب نسخے موجود ہیں اور ہمارے دینی و دنیوی منافع حاصل کرنے کے لیے بھی قرآن کریم میں عمدہ عمدہ طرائق بیان کیے گئے ہیں ۔ بہ طور نمونہ یہاں دو نسخے ایک مرض روحانی کے لیے مثلاً قساوت قلب دوسرا مرض جسمانی کے لیے مثلاً تنگی رزق ذکر کیے جاتے ہیں روحانی امراض کے دفع ان سے صحت پانے کے لیے دوا ذکر اللہ عزوجل کا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

الا بذکراللہ تطمئن القلوب

یعنی خبردار تمہارے قلوب تندرست اللہ کے ذکر سے ہوتے ہیں''۔ (ص ۳)

Marfat.com

Marfat.com

پانچواں دور

(۱۳۶۶ھ-۱۴۰۰ھ/۱۹۴۷ء-۱۹۸۰ء)

عہد پاکستان

۱ - محمد صادق رانیپوری
۲ - خلیفہ غلام اللہ
۳ - عبداللہ جان شاہ آغا سرہندی
۴ - شاہ غلام رسول قادری
۵ - محمد ابراہیم گڑھی یٰسینی
۶ - مولانا عبدالشکور نظامی
۷ - قاضی غلام اکبر درازی
۸ - مولانا دین محمد ادیب
۹ - تاج محمد افغان مشتاق
۱۰ - پیر مصطفیٰ صبغت اللہ شاہ ایرانی
۱۱ - مخدوم امیر احمد
۱۲ - ہاشم جان سرہندی
۱۳ - پیر علی محمد راشدی
۱۴ - سائیں عبدالرشید قادری
۱۵ - سلیم جان سرہندی
۱۶ - مراد خان چانڈیو
۱۷ - سید زوار حسین شاہ
۱۸ - پیر حسام الدین راشدی
۱۹ - ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان
۲۰ - پیر اسحاق جان سرہندی

Marfat.com

۲۱ - پروفیسر علی نواز جتوئی

۲۲ - پیر غلام محی الدین سرہندی

۲۳ - شاہ اکرام حسین سیکری

۲۴ - مرزا محمد افضل بیگ

۲۵ - مخدوم محمد زمان طالب المولی

۲۶ - پیر محب اللہ شاہ

۲۷ - شاہ بشیر الدین مخفی قادری

۲۸ - علیم الدین علمی قادری

۲۹ - مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی

۳۰ پیر بدیع الدین شاہ

۳۱ - پروفیسر حضور احمد سلیم

۳۲ - مخدوم غلام احمد

Marfat.com

محمد صادق رانی پوری

مولوی صادق علی عرف حکیم محمد صادق بن مولوی اللہ بخش بن صادق علی عرف ملا صادق کا سلسلہ نسب حضرت عباس عم النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے[1]۔ محمد صادق کے جد امجد ملا صادق ایک بڑے عالم اور حکیم تھے۔ خواجہ فخرالدین عرف فخر جہان اوحدی کے مرید تھے۔

محمد صادق ۱۸۸۲ء میں چاچڑاں شریف کے پرائمری اسکول میں داخل ہوئے۔ عربی و فارسی علوم کی تحصیل کئی نامور اساتذہ کرام سے کی جن میں میاں اللہ بخش عباسی کھڑنوی، مولانا عبدالغفور مفتون ہمایونی، مولوی عبدالرؤف اور استاد العلماء مولانا الحاج محمد لغاری سانگھڑوی کے اسمائے گرامی ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

محمد صادق رانی پوری کے والد محمد صادق المعروف بہ مولوی اللہ بخش حضرت خواجہ غلام فرید[2] کے خلیفہ تھے۔

۱۔ صادق رانی پوری کے حالات زندگی ان کی خود نوشت سوانح عمری مہران حیدرآباد (سندھ) شمارہ نمبر ۳، ۴ ۱۹۵۷ء سے ماخوذ ہیں۔

۲۔ حضرت خواجہ غلام فرید (۱۳۵۱ - ۱۳۱۹ھ) سندھ اور بہاولپور کے معروف درویش تھے۔ ان کے جد اعلیٰ مالک بن یحییٰ فاتح سندھ محمد بن قاسم کے زمانے میں سندھ میں آئے۔ ان کے والد خواجہ خدا بخش اوحدی طریقہ چشتیہ کے ایک بڑے بزرگ اور فارسی کے صاحب دیوان شاعر تھے۔

چاچڑاں شریف خواجہ غلام فرید کا مولد و مسکن تھا۔ شاہ عبداللطیف کے کلام و پیغام سے متاثر تھے۔ سچل سرمست کی

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

Marfat.com

محمد صادق فن طب پر کامل دستگاہ رکھتے تھے ۔ ان کی حکیمانہ خدمات کے صلے میں نواب صاحب جونا گڑھ نے ۱۹۳۵ء میں ایک سو روپیہ ماہوار وظیفہ مقرر کیا ۔۔

۱۹۲۳ء میں محمد صادق نے پیر سید ابو محمد صالح شاہ اور علامہ دین محمد وفائی کے ساتھ آریہ سماج اور قادیانیت کے خلاف سخت محاذ قائم کیا ۔ اس سلسلے میں انھوں نے اردو اور سندھی میں موثر و مفید مضامین لکھے جو اخبارات و رسائل میں شائع ہوئے ۔ ان کی تحریک کامیاب ثابت ہوئی ۔[1]

والی ریاست خیر پور میر علی نواز خان ، میر غلام فیضان تالپور ، صادق کی علمی فضیلت ، طبی مہارت اور شرافت و فضیلت کے بہت مداح تھے ۔ والی خیر پور کی جانب سے انھیں تاحیات ایک سو روپیہ ماہوار وظیفہ ملتا رہا ۔

فرمانروائے خیرپور خود ایک صاحب علم اور صاحب ذوق سربراہ مملکت تھے ۔ علم و ادب کی سرپرستی میں اپنی مثال آپ ہے ۔ علمائے کرام اور مشائخ عظام سے بے حد عقیدت رکھتے تھے اور ہر طرح ان کی خدمت کے لیے کوشاں رہتے تھے ۔

میر علی نواز کی تحریک پر صادق نے ''دعوۃ الاعتصام بدین اللہ الاسلام'' کے نام سے اردو میں ایک رسالہ لکھا ۔ اس کتابچہ میں عام

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کافیوں کو طبع کیا ۔ سندھی سرائیکی ملتانی میں ان کا کلام موجود ہے ۔ بقول محمد عزیزالرحمان بہاولپور ''ریاستی زبان کی شاعری میں ان کا ایک خاص مرتبہ ہے'' ۔ کہتے ہیں کہ ان کی بیشتر ملتانی کافیاں ملتان کے فرید بابا کے کلام میں شامل ہو گئی ہیں ۔

(کلیات امین ، ص ۲۶۶)

۱ ۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو تذکرہ مولانا دین محمد وفائی ، مطبوعہ مہران سوانح نمبر ۔

Marfat.com

مسلمانوں کو ''دین اللہ'' قائم کرنے ، فرقہ وارانہ روش سے اجتناب کرنے اور توحید پرستی و دین پرستی و دین حقیقی کی طرح راغب ہونے کی تلقین کی۔ ''دین اللہ'' کا انگریزی ترجمہ God's Religion کے نام سے بھی بھی ہوا ۔

انھوں نے ایک اور کتاب اردو میں ''احسان المنادی فی السلا گاندھی'' کے نام سے لکھی اس کتاب میں پیغمبر اسلام سے متعلق ہندو دانشوروں کے خیالات و تبصرے کے ساتھ شامل ہیں ۔ اس سلسلے میں صادق کی خط و کتابت مہاتما گاندھی سے بھی ہوئی تھی ۔ کتاب مذکور میں گاندھی کے خطوط بھی پیش کیے گئے ہیں ۔

محمد صادق رانی پوری اردو فارسی اور سندھی میں شاعری کرتے تھے۔ صادق تخلص کرتے تھے ۔ اپنی سوانح عمری میں ایک جگہ لکھتے ہیں :

''عاجز راقم کو شاعری سے فطری شوق ہے مگر غفلت شعاری کے سبب کلام کا بیشتر حصہ ضائع ہو گیا'''[1] ۔

صادق اردو زبان کے والہ و شیدا تھے ۔ انھیں مشاہیر اردو سے ارادت تھی ۔ اساتذہ اردو کی یاد میں کہتے ہیں :

ہے بزم سخن کا اب رنگ پھیکا
گئے ہیں اٹھ اسیر[2] آزاد[3] و حالی[4]

اللہ اور رسول[ص] کے دین کی ترویج کے علاوہ قوم و ملک کی خدمت اور علم و ادب کا فروغ ان کی زندگی کا نصب العین تھا ۔ ان کی کوئی تحریر خواہ نظم میں ہو یا نثر میں ، سندھی زبان میں ہو یا اردو زبان میں مقصد سے خالی نہ ہوتی تھی ۔ شاعرانہ محویت کے عالم میں بھی انھیں قوم کا خیال آ جاتا ہے ۔

---

۱ ۔ مہران شمارہ ۳ ، ۴ ص ۲۱۶ ۔
۲ ۔ سید مظفر علی خان اسیر ۔
۳ ۔ محمد حسین آزاد ۔
۴ ۔ مولانا الطاف حسین حالی ۔

Marfat.com

ہے شوق سخن صادق کچھ قوم کے حق میں لکھ
بیہودہ تغزل کی یہ محنت و سر جوشی

جب غزل کہتے تھے تو ڈوب کر کہتے ۔ ان کی غزل کا خاص رنگ تھا ۔ شوخی ، سرمستی و سرجوشی کی کیفیت ان کی غزل کا طرۂ امتیاز ہے :

عرض کی غیر سے ہو بزم خالی
تو دلوا دی مجھے فوراً نکالی
بہت ہیں نازنین دل لینے والے
ولیکن ہے ادا اس کی نرالی
سجن برسات کی رت ہے نہ جاؤ
کہاں پھر ایسے ایام و لیالی
کہاں جاتا ہے تو اب سے پلا کر
ادھر تو دیکھ میں بھی ہوں سوالی
دلائے یاد جھوٹے وعدے ان کو
تو بولے "تم ہو اک پاگل خیالی"
دوالہ کر کے الفت میں ہمارا
سناتا چاہتا ہے وہ دوالی
کمر باریک تیری پر ہوں قرباں
اسی سے سیکھ لی نازک خیالی
ہے عرش حسن پر پرواز اس کی
یہ شاہ نازکی ہے تیز بالی
ریاست حسن پر ہے ناز کا حکم
اکیلے آپ کچھ تھوڑے ہیں والی
ہے بزم شعر کا اب رنگ پھیکا
گئے ہیں اٹھ اسیر ، آزاد و حالی

نکاتی ہے تری محرم ، رحمت کی خطا پوشی
آزردہ نہ ہو میکش ، جاری رہے مے نوشی

Marfat.com

کھل جاو ذرا ہم سے ، ہنگام بہر مستی
اس حال میں عاشق سے کیسی یہ حیا کوشی
تمہید پریشانی یہ گل کا تبسم ہے
اک راز ہے سر بستہ غنچہ کی یہ خاموشی
پیغام پریشانی لے آئی ہے کیسی یہ
کرتی ہے نسیم آ کر پھولوں سے جو سرگوشی
رہ جاتی ہے بو باقی مینا ہے اگر خالی
الناس یہیں انداز گو ترک ہے مے نوشی
تاوان محبت تھا یا قرض ہوا خواہی
جان دے کے ہوا حاصل مقصود سبک دوشی
آئے مری تربت پر وہ لے کے رقیبوں کو
کچھ کم نہ ہوئی اب تک قاتل کی جفا کوشی
آنکھوں سے مرے گرتے ہیں لعل و گہر پیہم
کانوں میں اسے کہدو کوئی کر کے یہ سرگوشی
ہے شوق سخن صادق کچھ قوم کے حق میں لکھ
بیہودہ تغزل کی یہ محنت و سر جوشی

غزل کے علاوہ دیگر اصناف سخن مثلاً قصیدہ ، قطعہ رباعی وغیرہ پر بھی طبع آزمائی کی ہے ۔ صاحبزادہ فیض محمد کے ولی عہد تسلیم کیے جانے پر یہ قصیدہ لکھا ۔

ہم محو ذکر حق جو بوقت سحر رہے
جوش دعا تھی دل میں پیاسے مگر رہے
میری زبان پہ جاری تھا اس کا کلام پاک
سن سن کے تھے فرشتے زمین پر اتر رہے
سلطان علی نواز سے اخلاص تھا قدیم
یوں تو تھے مرے دل میں مقامی گزر رہے
یا رب ہو میر فیض محمد مراد مند
حامی ہمیشہ سید خیر البشر رہے

Marfat.com

ان کی رباعی کا ایک اندازہ یہ ہے :

نا اہل سے کب داد وفا لیتا ہوں
صراف سے قدر و قیمت پا لیتا ہوں
وہ دوست کہاں جن سے تھا دل کا پیوند
اب دشمنوں سے سن کے دشنام دعا لیتا ہوں

Marfat.com

خلیفہ غلام اللہ

(وفات ۱۳۷۶ھ - ۱۹۵۶ء)

خلیفہ غلام اللہ کلھوڑہ گوٹھ چودرو شریف تعلقہ وارا کے رہنے والے تھے ۔ ان کی تاریخ پیدائش معلوم نہ ہو سکی ۔ ۱۹۵۶ء (۱۳۷۶ھ) میں وفات پائی جبکہ ان کی عمر سو سال سے زائد تھی ۔

خلیفہ غلام اللہ متقی پرہیزگار اور سیدھے سادے انسان تھے ۔ لکھنا پڑھنا ، نماز روزہ اور دین کی خدمت ان کا اوڑھنا بچھونا تھی ۔

خلیفہ صاحب سندھی ، فارسی اور اردو میں دستگاہ رکھتے تھے ۔ ایک سنجیدہ شاعر تھے ، کئی کتابوں کے مصنف تھے ۔ ان کی دو منظوم کتابیں نقش سلیمانی اور یوسف زلیخا لیتھو پریس لاڑکانہ سے شائع ہو چکی ہیں ۔ قصیدہ اور نعت کے فن میں شہرت رکھتے تھے ۔ مرزا قلیج بیگ کے ہمعصر تھے اور ان کے بہت معتقد تھے ۔ خلیفہ صاحب نے مرزا صاحب کی شان میں ایک لاجواب قصیدہ بعنوان "دعا نامہ در شان مرزا قلیج بیگ"[۱] ۱۹۲۱ء میں کہا تھا ۔ اس قصیدے کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ بیک وقت تین زبانوں سندھی ، فارسی اور اردو کے سولہ اشعار پر مشتمل ہے ۔ زبان و بیان اور فصاحت و بلاغت سے ظاہر ہوتا کہ خلیفہ صاحب قصیدہ کے فن میں ملکہ رکھتے تھے ۔

خلیفہ صاحب بنیادی طور پر صوفی آدمی تھے ۔ ان کا فطری رجحان تصوف کی طرف تھا ۔ ذکر اللہ اور مدح رسول ان کی زندگی کا نصب العین تھا ۔ ان کے افکار کا دائرہ ضیائے نعت سے چمک رہا ہے ۔ اس نعت میں ان کا خاص رنگ نمایاں ہے ۔

---

۱ ۔ یہ مکمل قصیدہ مہران سوانح نمبر (ص ۵۱۹ ، ۵۲۰) میں شائع ہو چکا ہے ۔

Marfat.com

نعت

احمد عرب عزیز اللہ ، وارث ویر ولی اللہ ، لا الہ الا اللہ
اول نور نبی اللہ ، حضرت میر حبیب اللہ ، لا الہ الا اللہ
سرور و سید صفی اللہ ، کامل قرب کلیم اللہ ، لا الہ الا اللہ
رحمت رب رسول اللہ ، اعلیٰ اتم امین اللہ ، لا الہ الا اللہ
الف صلواۃ سلام اللہ ، علیہ غلام ، غلام اللہ ، لا الہ الا اللہ

Marfat.com

عبداللہ جان شاہ آغا سرہندی نقشبندی

(۱۳۰۵ - ۱۳۹۳ھ/۱۸۸۵ - ۱۹۷۳ء)

اصل نام عبداللہ جان ، عرفیت شاہ آغا ، سجادہ نشین درگاہ مجددیہ ٹنڈو سائیں داد ۔ حضرت حاجی خواجہ عبدالرحمن قندھاری[1] سرہندی کے

---

۱ ۔ **خواجہ عبدالرحمٰن** بن خواجہ شاہ عبدالقیم کا خاندان چار پشتوں سے قندھار میں آباد تھا ۔ (تذکرۃ الاولیاء ۔ انیس المریدین ، خواجہ عبدالرحمن المعروف بہ ''قندھاری صاحب'' ۱۲۴۴ھ میں قندھار (افغانستان میں پیدا ہوئے ۔ ۱۲۹۷ھ کو مع اہل و اعیال افغانستان سے ہجرت کی ۔ قلات ، بھاگنا ڈھی ، گڑھی یاسینی اور مٹیاری میں قیام فرمانے کے بعد جنوبی سندھ کے قریہ ٹکھڑ میں سکونت اختیار کی ۔ (مونس المخلصین ، ص ۶۰) ۔ یہ وہ پر آشوب زمانہ تھا جب امیر کابل اور سرداران محمد زئی کی خانہ جنگی کے سبب امیر عبدالرحمن نے امیر ایوب خان کو شکست دے کر خراسان پر اپنا تسلط جما لیا تھا ۔ (مونس المخلصین ، ص ۹ - ۱۰) ۔ ۱۲۹۵ھ میں افغانستان میں انقلاب آیا ۔ غیور افغان نے اسلام کا علم بلند رکھنے کی خاطر انگریزوں کے خلاف جہاد کیا جس میں خواجہ صاحب خود بھی شریک تھے ۔ ہجرت کے وقت ان کے مریدین اور اہل و عیال شامل تھے ۔ قلات وغیرہ کے قیام کے بعد ٹکھڑ تشریف لائے جہاں سید میراں محمد شاہ اول (۱۲۴۵ - ۱۳۰۹ھ) نے ان کا استقبال کیا ۔ (فائق فردوسی میں ص ۷ - ۸) ۔

(بقول مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی — ''خواجہ عبدالرحمن یہاں کے فیض باطنی کے پیاسوں کو سیراب فرماتے تھے ۔ بیسوں خلفاء

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

Marfat.com

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)
آپ کی تربیت سے پیدا ہوئے۔ شمالی ہند میں مولانا عبدالرحمن کے جنوبی سندھ میں لکنہڑ کے سادات خاص طور پر معتقد تھے جن کے اسرار پر خواجہ صاحب نے ترک وطن کر کے لکھہڑ میں سکونت اختیار کی"۔

(شذرات ماہنامہ الولی حیدرآباد ، ا گست ۱۹۷۵ء)

۱۳۱۲ھ میں ٹکھہڑ میں زبردست سیلاب آیا ۔ میر غلام علی خان تالپور رئیس شہر ٹنڈو غلام علی جو حضرت خواجہ عبدالرحمن کے صادق العقیدہ مرید تھے آپ کو اپنے ہمراہ ٹنڈو سائیں داد لے آئے۔ آپ کے لیے وہاں مکان تعمیر کرایا ۔ آپ نے ۱۳۱۵ھ میں ٹنڈو سائیں داد میں وصال فرمایا ۔

جسد اطہر کو ٹکھہڑ لایا گیا جسے ہزاروں اشکبار مریدوں اور عقیدتمندوں نے وادیٔ کوہ گنجہ (ٹکھہڑ) میں سپرد لحد کیا ۔ (مونس المخلصین ، ص ۵ ، ۷ ، ۱۵) ۔

علامہ سید اسد اللہ شاہ فدا نے تاریخ وفات کہی ۔

آہ بے سرسانداز ترحیل آں قیوم دین
ملک و دین علم و عمل جود و کرم فیض و ھدیٰ

۱۳۱۵ھ

مولانا محمد ہاشم گڑھی یاسینی نے یہ قطعہ تاریخ کہا :

شد فلک ز اندوہ در خون تتق
شد ملک ز افسوس پنہاں در شفق
بود خاص فطرت رب الفلک
غفرلہ تاریخ او گفتہ ملک

۱۳۱۵ھ

(کلیات امین ، ص ۲۸۶)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

Marfat.com

پوتے اور حافظ خواجہ محمد حسن[1] جان مجددی فاروقی کے بڑے صاحبزادے تھے ۔ عبداللہ جان نے اپنے آبا و اجداد کی طرح علم و ادب تصوف و معرفت میں اعلیٰ مقام حاصل کیا ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

خواجہ عبدالرحمن کے پدر بزرگوار حاجی خواجہ غلام شاہ عبدالقیوم مجددی فاروقی (۱۲۲۰-۱۲۷۱ھ) ابن ولیِ کامل حضرت حاجی خواجہ فضل اللہ قدس سرہ بڑے پائے کے عالم و درویش تھے ۔ آپ کا مولد ، مسکن مدفن قندھار تھا ۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت مجدد کے واسطے سے حضرت ابو بکر صدیق رض سے جا ملتا ہے ۔

آخوند امیر علی سندھی ہالائی ؒ نے حضرت شاہ عبدالقیوم کی سوانح عمری ، ملفوظات اور کرامات سے متعلق ایک کتاب لکھی تھی ۔ آخوند اسید علی ولد حاجی عبداللہ ولد حافظ نور محمد قریشی عقیلی قریہ ہالا کندی ضلع حیدرآباد کے رہنے والے تھے ۔ سندھ کے ایک قبیلہ سانولی سے تعلق رکھتے تھے ۔ نہایت خوشخط ، شاعر خوش خیال شیریں مقال بزرگ تھے ۔ خواجہ عبدالرحمن کے مرید خاص ان کے کتب خانے میں آخوند امیر علی کی کتابوں کے نسخے ، مکتوبات معصوی ، عمدۃ المقامات اور دیگر مخطوطات موجود تھے ۔ آخوند نے شیخ سعدی کے اس مشہور مصرعہ سے شاہ عبدالقیوم کی تاریخ وصال نکالی ۔

بلغ العلیٰ بکمالہ

۱۲۷۱ھ

"عمدۃ المقامات" میں پہلی بار خانوادہ حضرات مجددی کے حالات و واقعات قلمبند ہوئے ہیں ۔ خواجہ محمد حسن سرہندی نے اسے ۱۳۵۵ء میں اپنے خرچ سے لاہور سے طبع کرا کر شائع کیا ۔

(مونس المخلصین ، ص ۲۳ ، ۳۵ ، ۱۱۰)

۱- خواجہ محمد حسن جان سرہندی مجددی فاروقی (۱۲۷۸ - ۱۳۶۵ھ)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

Marfat.com

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

خواجہ عبدالرحمن قندھاری کے سب سے بڑے فرزند تھے۔ ان کا سلسلہ نسب حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے واسطے سے سیدنا حضرت عمر فاروق سے جا ملتا ہے۔ والد کی وفات کے بعد درگاہ مجددیہ سائیں داد کی مسند پر فائز ہوئے اور علم و عرفان، رشد و ہدایت سے ہزاروں دلوں کو منور کیا۔ کتنے ہی غیر مسلم بھی ان کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔

حاجی حافظ خواجہ محمد حسن جان سرہندی نے پانچ مرتبہ حج بیت اللہ کا شرف حاصل کیا۔ سندھ سے عرب تک کی سیر و سیاحت کی۔ انھوں نے فارسی میں دو سفر نامے موسوم بہ "پنج گنج" اور "سفر نامہ مشرق وسطیٰ" تحریر فرمائے جن میں ذاتی مشاہدات، تاثرات و تجربات قلمبند کیے ہیں۔ سندھ کے مختلف علاقوں میں اپنی نگرانی میں سات مسجدیں تعمیر کرائیں "مدرسہ مجددیہ" کے نام سے ٹنڈو سائین داد، لاڑکانہ، سہیر، کوٹ عمر ضلع حیدرآباد تھرپارکر میں چار مدرسے قائم کیے ان مدرسوں کے اکثر طلباء نے علم و فضل میں ناموری حاصل کی جن میں محمد حسن کے چار فرزند عبداللہ جان شاہ آغا، حاجی عبدالستار، حافظ ہاشم جان اور محمد حنیف جان کی علمی و ادبی خدمات فراموش نہیں کی جا سکتیں۔

خواجہ محمد حسن جان نے اپنے کتب خانے میں عربی فارسی اردو کی قدیم و جدید کتابوں کا بہت قیمتی ذخیرہ چھوڑا۔ مختلف علوم و فنون کے ان ذخائر میں نادر و نایاب کتب اور مخطوطات شامل ہیں۔

خواجہ حسن فارسی کے باکمال شاعر تھے۔ ان کی عربی و فارسی تصانیف و تالیفات کی تعداد پچیس ہے۔ جن میں عربی میں طریق النجات مع اردو ترجمہ، العقائد الحجہ مع اردو ترجمہ، الاصول الاربعة فی تردید الوهابیہ، شفاء الامراض، لغات القرآن،

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

Marfat.com

عبداللہ جان عرف شاہ آغا ۸ جمادی الاول ۱۳۰۵ھ (۱۸۸۵ء) کو قریہ ٹکھڑ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کے ایک مرید حضرت سیف الدین کشمیری نے تقریب ولادت کے موقعے پر ایک طویل قصیدہ کہا جس کے ایک مصرعہ کے اس ٹکڑے سے :

نجم برج فضل و کمال[1]

۱۳۰۵ھ

مادہ تاریخ نکالا ہے۔

عبداللہ جان کی تعلیم و تربیت علمی و دینی ماحول میں ان کے جد امجد خواجہ عبدالرحمٰن قندھاری اور والد ماجد حافظ خواجہ محمد حسن جان سرہندی کی خاص نگرانی میں ہوئی۔ عبداللہ جان مونس المخلصین کے باب چہارم میں اپنی خود نوشت سوانح عمری میں ایک جگہ (ص ۲۳۷) لکھتے ہیں۔

"در ابتدا تعلیم و تربیت من توجہ خاص فرمودند۔ تعلیم قرآن شریف و درسیات فارسی اکثر خود مرا سبق میدادند۔ الا چند روزے قرآن شریف پیش حافظ اسماعیل نقرج و چند سبق فارسی نزد مرحوم شیخ نور محمد ٹکھڑائی خواندہ ام۔ یک بار سبق زدن حضرت ایشان مرا یاد است کتاب بوستان در مسجد نزد حضرت ایشان میخواندم۔ سبق پختہ نکردہ بودم و خواندہ نمی

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

رسالہ در قواعد تجوید، رسالہ عالم برزخ، سرور المحزون اور فارسی میں انیس المریدین، انساب الانجاب، رسالہ تہلیلیہ، تذکرہ العلماء، رسالہ در علم قرات، شرح حکم، عجائب المقدورات، بیان اوقاف، انتخاب رباعیات عمر خیام اور انتخاب دیوان مرزا صائب اصفہانی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

(تلخیص مقالہ "خواجہ محمد حسن جان سرہندی، از وفا راشدی، مطبوعہ ماہنامہ المعارف لاہور جنوری، ۱۹۷۹ء)۔

۱۔ خود نوشت سوانح عمری مونس المخلصین، ص ۲۳۶۔

Marfat.com

توانستم پس یکی از کلاہ افغانی کہ برسر من بودگرفتہ سرمن زدند۔ دیگر بار نماز مغرب نخواندہ با اطفال باری میکردم حضرت ایشان از مسجد بر آمدہ مرا با اطفال بازی کنان دیدند پس از دست گرفتہ دو سہ سیلی برسر و روی من زدند"۔

(مونس المخلصین ، ص ۲۳۷)

ان کے والد نستعلیق خوشخط کی مشق تختی پر بڑی توجہ سے کراتے تھے۔ عطائی نامہ" بترتیب حروف تہجی کی تمام منظومات کو شرح و تفصیل سے پڑھایا۔ دس سال کی عمر میں فارسی کی ابتدائی تعلیم سے فارغ ہوئے تو عربی تعلیم کا آغاز ہوا۔ اسی زمانے میں ان کے والد حج بیت اللہ کی غرض سے روانہ ہونے سے پہلے اپنے ایک مرید حضرت حاجی عبدالقیوم بختیار بحرامی کو عربی کا اتالیق مقرر کیا۔ قرآن مجید کے علاوہ مشکواۃ شریف اور بخاری شریف بھی اپنے والد سے سبقاً سبقاً پڑھا۔ علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل اپنے والد محترمؒ کے سایہ عاطفت و صحبت میں کی۔ عبداللہ جان نے اپنے والد کے علاوہ سندھی، عربی، فارسی اور اردو کی اعلیٰ تعلیم سندھ کے ممتاز علمائے دین اور اساتذہ کرام سے بھی حاصل کی جن میں الحاج الحافظ مولوی لعل محمد متعلوی مٹیاروی، مخدوم حاجی حسن اللہ پاٹائی اور مولوی خیر محمد مگسی وغیرہ کے نام ناقابل فراموش ہیں[1]۔

۱۔ **حاجی حافظ مولوی لعل محمد متعلوی** (ولادت ۲۹ شوال ۱۲۷۳ھ ۱۳۳۴ھ بمقام مٹیاری ضلع حیدرآباد) ابن قاضی رحمت اللہ کی تمام عمر درس و تدریس، مسائل فقیہہ اور شرعی فیصلوں میں گزری۔ انھیں فارسی کے شعرائے کرام کے بے شمار اشعار ازبر تھے۔ کلام جامی و حافظ کی شرح و تفسیر فصاحت و بلاغت کے ساتھ فرماتے تھے۔ ان کے شاگردوں میں کئی نامور اصحاب علم و فقہ گزرے ہیں۔ علمائے کرام دور دور سے الفاظ و عبارت دینی کی تصدیق و تحقیق کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ تیس سال شہر

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

Marfat.com

عبداللہ جان ۸۸ سال کی عمر میں ۱۳۹۳ھ (۱۹۷۳ء)کو فوت ہوئے۔[1] ان کا مزار مقدس ان کے آبائی قبرستان "مقبرہ شریف" میں جو ٹکھڑ اور کتھر کے درمیان واقع ہے) ان کی عظمت رفتہ کی نشاندہی کرتا ہے۔

طب کا پیشہ اختیار نہیں کیا لیکن حکمت و طب سے خاص شغف رکھتے تھے۔ خدمت خلق کے پیش نظر بلامعاوضہ علاج کرتے تھے۔ طب پر ان کی ایک کتاب بھی موجود ہے۔ خواجہ عبداللہ جان معروف بہ شاہ آغا مجددی نقشبندی فاروق سرہندی کی مادری زبان پشتو تھی۔ سندھی بولتے تھے اردو سے محبت کرتے تھے۔ اپنے حلقہ تلامذہ، مریدین و معتقدین کو اردو کی ترویج و اشاعت اور اردو میں تصنیف و تالیف کی تاکید کرتے تھے۔ اردو میں گاہے گاہے شعر بھی کہتے تھے۔ ان کے اشعار محفوظ نہیں رہے۔ اردو کے اساتذہ متقدمین و متوسطین کے دواوین ان کے زیر مطالعہ رہتے تھے۔ شعری ذوق بہت پاکیزہ اور بلند تھا۔ انتخاب شعر کا بے حد شوق تھا۔ ان کی بیاض ان کے شعری شعور اور ذوق آگہی کی آئینہ دار ہے۔

شاہ آغا نے عربی، فارسی، پشتو اور اردو کے منتخب اشعار مرتب کر کے "گلدستہ ابیات" (حصہ اول) کے نام سے شائع کرایا تھا۔ اس کا ایک نسخہ راقم کے پاس موجود ہے۔ یہ گلدستہ $\frac{18 \times 23}{8}$ سائز کے ۳۲ صفحات پر محیط ہے۔ اردو کے مستند شعرائے کرام کے چیدہ چیدہ شعروں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ٹنڈو غلام علی کے مدرسہ میر صاحبان میں باکمال عزت و ناموری درس و تدریس کے فرائض انجام دیے۔ ۱۳۰۰ھ میں زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے۔ (تذکرہ علمائے حال مولفہ مولوی محمد ادریس ٹکھڑائی قلمی نسخہ مملوکہ پروفیسر محمد ایوب قادری، حاشیہ مونس المخلصین، ص ۶۰ - ۶۱)۔

۱۔ راقم نے یہ سن وفات شاہ آغا کے بھانجے حکیم پیر غلام محی الدین سرہندی کی ذاتی ڈائری سے نوٹ کیا ہے۔

Marfat.com

کا انتخاب حسب ذیل عنوان کے تحت پیش کیا گیا ہے جس کے مطالعہ سے آغا صاحب کے حسن و ذوق ، حسن انتخاب اور کیفیت دل کا اندازہ کیا جا سکتا ہے -

کاپی لکھنے کے بعد یہ چند ابیات متفرقہ اور بھی اس گلدستہ میں شامل کیے جاتے ہیں'' یہ چند اشعار بطور نمونہ نقل کیے جاتے ہیں :

آتا ہے داغ حسرت دل کا شمار یاد
مجھ سے مرے گناہ کا حساب اے خدا نہ لے
جفا جو عشق میں ہوتی ہے وہ جفا ہی نہیں
ستم نہ ہو تو محبت میں کچھ مزا ہی نہیں
گزری سیاہ کاری میں یا رب تمام عمر
آدھی شباب میں کٹی آدھی خضاب میں
ظاہر میں مرے نخل کو سرسبز نہ دیکھو
باطن میں جگر خون ہے مانند حنا کے
کھلا ہے باب اجابت بڑھی ہے موج کرم
روا ہے ایسے میں دست دعا اٹھا دینا

(گلدستہ ابیات ، ص ۲۹ ، ۳۰ ، ۳۱)

شاہ آغا سرہندی نے سندھی ، عربی ، فارسی اور اردو میں متعدد کتابیں لکھیں[1] - فارسی اور اردو میں بے شمار مضامین لکھے ان کی تحریر و تقریر کا بنیادی مقصد اسلام کی خدمت ، اللہ اور رسول کے پیغامات کی اشاعت اور علم و دین کی تبلیغ تھی - ان کی چند مطبوعہ کتابوں کے نام یہ ہیں :

---

۱ - پیر غلام محی الدین سرہندی (فاضل طب و جراحت دھلی) سرہندی کلینک ٹنڈو محمد خان کی خصوصی توجہ سے اور مولوی اللہ بچائیو پیش امام و خطیب درگاہ مجددیہ و مہتمم کتب خانہ شاہ آغا سرہندی کی راہنمائی میں راقم کو شاہ آغا کے کتب خانے سے استفادے کا شرف حاصل ہوا - ان حضرات نے شاہ آغا کی بعض تصانیف کے بعض نسخے بھی عنایت فرمائے راقم ان دونوں محترم حضرات کی نوازشات کے لیے سراپا سپاس ہے -

Marfat.com

عربی :

اعتصام حزب البحر — سائز $\frac{۱۸ + ۲۳}{۸}$

زیر اہتمام اقبال محمد خان ، بمبئی جنوب پریس دہلی ۔

فارسی :

(۱) مونس المخلصین ملقب بہ آسوہ حسنہ

مطبوعہ لیتھو آرٹ پریس کراچی ۔ ۱۳۶۶ھ ۔ بانگ درا سائز ، صفحات ۲۶۰

اس کتاب میں مصنف نے اپنے آبا و اجداد کا شجرہ خواجہ عبدالرحمن سرہندی کی سوانح عمری ، والد خواجہ محمد حسن کے سوانح زندگی ، ان کی اولاد اور دیگر حالات کے علاوہ ان کی کرامات ، علمی و ادبی خدمات کا تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے۔ ان بزرگوں کے مریدوں و معاصرین کے تذکرے بھی ہیں ۔

(۲) انتخاب مکتوبات امام ربانی

(۳) برگ سبز معروف بفوائد درخت نیم (طبی) $\frac{۱۸ + ۲۳}{۸}$ صفحات ۸۲

مطبوعہ الیکٹرک لیتھو پرنٹنگ پریس کراچی ، ۱۳۵۰ھ (۱۹۳۲ء) ۔

سندھی : رسالہ مساوات اسلامی ۔ $\frac{۲۰ + ۳۰}{۱۶}$ صفحات ۲۴ ۔

مقام اشاعت ٹنڈو سائیں داد ، ۱۳۸۹ ہجری

عربی اردو ۔ اربعین مجاہدین چہل حدیث ۔ تقطیع $\frac{۱۸ + ۲۳}{۸}$

صفحات ۲۴ ۔ مطبوعہ باہتمام مولوی صاحب داد سلطان کوٹی معلم الفقہ سندھ مدرسۃ الاسلام کراچی ، مطبع عباسی کراچی ۔ ۱۳۶۶ھ (۱۹۴۷ء) ۔

چہل حدیث شاہ آغا مجددی کی ایمان افروز اور بصیرت آفرین کتاب ہے ۔ اس اہم کتاب کی افادیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ

Marfat.com

ں میں پہلے قرآن حکیم کی چار آیتیں ہیں اس کے بعد چالیس حدیثوں کے عربی عبارتوں کے بالمقابل ان کے اردو ترجمے ہیں ۔ یہ تراجم صاف سلیس اور دلکش اردو میں ہیں ۔ کتاب کی ابتدا اس تمہید سے ہوتی ہے جس سے مولف و مترجم کا نقطۂ نظر واضح ہوتا ہے :

''بعد از حمد و ثنا و درود مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ، فقیر عبداللہ عرض گزار ہے کہ یہ چالیس حدیثیں ہیں ۔ در بارہ فضیلات و اہمیت جہاد اور ہر وقت اس کے واسطے تہیہ کرنے اور تیار رہنے کی تاکید میں جو موجب اقتضائے و حال میں نے مشکواۃ المصابیح اور کتاب ترغیب و ترہیب امام منذری سے جمع کی ہیں اور پہلے چار آیتیں قرآن شریف سے باترجمہ ذکر کرتا ہوں برائے یاد دہانی خواہشمندوں کے اور جو کوئی کان لگا کر دل و جان سے سنے'' ۔

اب اربعین مجاہدین چہل حدیث کے آخری دو صفحات ۲۰ ، ۳۰ کا عکس شامل کیا جاتا ہے ۔ ان صفحات میں آپ الحدیث الاربعون یعنی چالیسویں حدیث کا اصل عربی متن اور اس کا اردو ترجمہ ملاحظہ فرمائیں گے ۔ اختتام کتاب پر اس کی تاریخ تکمیل ، تحریر اور مترجم و مولف کا خود نوشت نام بھی ہے ۔

Marfat.com

شاہ غلام رسول قادری

(۱۳۰۶ - ۱۳۹۱ھ/۱۸۸۶ - ۱۹۷۱ء)

شاہ محمد غلام رسول قادری سندھ کے سب سے بڑے شہر کراچی کے ان ممتاز علمائے دین اور صوفیائے کرام میں سے تھے جن کے دم سے نہ صرف کراچی بلکہ بیرون کراچی میں علم و فضل، رشد و ہدایت اور وحدت و اخوت کی شمعیں روشن ہوئیں ۔ ان کے والد ماجد حافظ قاری حضرت شاہ علم‌الدین قادری (المتوفی ۱۳۲۵ھ) بھی اپنے وقت کے بلند پایہ عالم، قاری اور صوفی تھے ۔ وہ مسجد قصاباں صدر کراچی کے مشہور امام اور خطیب تھے ۔ اس مسجد سے متصل مدرسۃ العلمیہ قادریہ کے بانی تھے جہاں سے ہزاروں طلباء علوم عربیہ اور فنون فقہ و تجوید سے آراستہ ہو کر اللہ اور رسول کی تعلیمات کا چراغ روشن کرتے رہے ہیں ۔

شاہ محمد غلام رسول قادری کا لقب "شمس الفقراء" اور عرفیت حاجی غلام رسول تھی ۔ وہ حافظ بھی تھے، قاری بھی اور خطیب بھی ۔ حفظ و قرأت کے فن میں یکتا تھے ۔ ایک شعلہ بیان خطیب و مقرر کی حیثیت سے خاص شہرت کے مالک تھے ۔ حج بیت اللہ کی سعادت بھی حاصل کی ۔

حاجی غلام رسول ۱۱۰۶ھ (۱۸۸۶ء) میں اپنے والد کے رحمت کدہ واقع کراچی میں تولد ہوئے ۔ اپنے والد کے مدرسۃ العلمیہ قادریہ سے فارغ التحصیل ہوئے ۔ عالم و خدا پرست باپ کی خاص نگرانی اور خصوصی تربیت نے ان کے دل و ذہن کو انوار علم و معرفت سے روشن کیا ۔ سائیں عبدالغنی قدس‌اللہ سرہ ایک روشن ضمیر ولی اللہ تھے ۔ شاہ غلام رسول سائیں غنی کے بھانجے اور داماد ہوتے تھے ۔ سائیں غنی کی خانقاہ میں طالبان حق کا جو اجتماع ہوتا اس اجتماع میں سائیں غنی کی رشد و ہدایت

Marfat.com

کی جو شمعیں روشن ہوتیں ان کا غلام رسول کے دل پر گہرا اثر ہوتا۔ اپنے ماموں سائیں غنی کے ہاتھوں بیعت ہوئے۔ اسلام کی خدمت کے لیے خود کو وقف کر دیا۔ خانقاہ سائیں غنی کی سجادہ نشینی کے فرائض بھی انجام دیے۔

شاہ غلام رسول کا قائم کردہ مدرسہ علمیہ قادریہ متصل قادری مسجد سولجر بازار کراچی ان کی قومی و ملی خدمت کی ایک زندہ جاوید یادگار ہے۔ تادم حیات اس مدرسے میں درس و تدریس کی لو سے جہل و گمراہی کی تاریکی دور کرتے رہے۔

غلام رسول کو شریعت و طریقت اور فقر و درویشی سے بچپن سے لگاؤ تھا۔ انھوں نے اپنے علم اور فقر کو وسیع تر کرنے کی غرض سے مختلف ممالک کا سفر کیا۔ جہاں کہیں گئے اکابر اسلام کے مزارات کی زیارتیں کیں۔ ہر مقام پر نہ صرف کتب اسلامیہ کا مطالعہ کیا اور علمی و دینی اداروں کا معائنہ کیا بلکہ وہاں کے ممتاز علمائے کرام اور مشائخ عظام سے ملاقاتیں بھی کیں۔ ان کے خیالات اور صحبتوں سے فیضیاب ہوئے جن میں مولانا شاہ عبداللطیف قادری مدنی (مدینہ) شاہ عبدالحق الہ آبادی مہاجر مکی (مکہ شریف) اور فاضل بریلوی (بھارت) قابل ذکر ہیں۔ مکہ معظمہ، مدینہ منورہ بغداد شریف اور بلاد اسلامیہ کے دیگر مقامات پر تھوڑے تھوڑے عرصے قیام بھی کیا۔ ہر جگہ اپنے موثر و شعلہ انگیز خطبات و تقاریر سے مقبولیت حاصل کی۔ بغداد میں حضرت سید شرف الدین احمد کلید بردار آستانہ حضرت غوث الاعظم سے دوستانہ تعلقات رہے۔

غلام رسول نے ۱۹ جمادی الاول ۱۳۹۱ھ (۱۳ جولائی ۱۹۷۱ء) کو وفات پائی۔ ان کے صاحبزادے محمد علم الدین علمی قادری ان کے جانشین مقرر ہوئے۔

شاہ غلام رسول نے سلسلہ قادریہ کی تعلیمات کو عام کرنے کی غرض سے بڑی لگن سے کام کیا۔ خصوصاً سلسلہ غنیہ قادریہ کے وہ پانچ رہنما اصول جو حضرت سائیں غنی نے متعارف کرائے تھے شاہ غلام رسول نے نہ صرف خود پابندی سے ان اصولوں پر عمل کیا بلکہ اپنے شاگردوں

Marfat.com

اور مریدوں کو ان پر عمل کرنے اور بطور نصاب ان کو جاری رکھنے کی تلقین کی ۔ وہ پانچ اصول یہ ہیں :

(۱) ذکر ودود (۲) ذوق سجود (۳) شوق درود
(۴) آئین جود (۵) نور شہود ۔

طریقہ غنیہ قادریہ کے مسلک میں "آئین جود" کی رو سے جود و سخاوت ، خیرات و زکوۃ و صدقات ایک بڑی عبادت ہے ۔ غلام قادری نے ایک شعر میں یہ پیغام اس انداز میں دیا ہے :

خیر اور خیرات کو ہرگز نہ چھوڑ
خیر ہے ساری عبادت کا نچوڑ

شاہ غلام رسول قادری عربی ، فارسی اور اردو پر عبور رکھتے تھے ۔ ہر زبان میں جس روانی کے ساتھ لکھتے تھے اسی روانی کے ساتھ بولتے بھی تھے ۔ فارسی اور اردو میں شعر کہتے تھے ۔ تخلص غلام تھا ۔ اکثر نظم و نثر کی تحریروں میں غلام قادری رقم فرماتے تھے ۔

غلام قادری کا ورد جاں ہے
رسول اللہ کے جانی کے صدقے
اس غلام قادری کو بخش دو
نعمت عرفان منگھو پیر شاہ

نظم و نثر میں غلام قادری کو تصنیفات و تالیفات کی تعداد تقریباً تیس[۳۰] ہے ۔ ان میں بعض مطبوعہ ہیں اور بعض غیر مطبوعہ ۔ چند کے نام یہ ہے ۔

(۱) حقیقت صراط مستقیم (۲) اجلال محمدی
(۳) مجموعہ فسانہ قوم (۴) تحفہ رجبی شریف
(۵) چمنستان حسینی (۶) نذر حسینی
(۷) تحفہ عید الضحیٰ (۸) تحفہ زیارت و ہدیہ ملاقات
(۹) بہار بے خزاں (۱۰) افعال سرمدی
(۱۱) گل یازدہ و صد برگ

Marfat.com

غلام قادری کے ملفوظات کا ایک مجموعہ ''ارشادات غلام رسول قادری'' مرتبہ سید عبدالرسول باب الاسلام پریس کراچی سے شائع ہو چکا ہے ۔ ذیل کی سطر میں بطور نمونہ نثر اسی کتاب سے نقل کی جاتی ہیں :

''علم شریعت ظاہری علم ہے جس کی پابندی کے لیے ہر ابن آدم مکلف ہے ۔ اس لیے وہ سب پر اللہ کی حجت ہے ۔ مگر علم طریقت جو عمل سے تعلق رکھتا ہے آدمی اس کے حصول پر مکلف نہیں مگر پورا فائدہ اور اعلیٰ نفع اسی سے حاصل ہوتا ہے ۔ ہمارے ملک میں علم باطن سے یا علم سلوک و طریقت سے منکر زیادہ تر وہی ہیں جو ترک تقلید کی بلا میں مبتلا ہیں ۔ اس کے جس قدر برے نتائج ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ فیوض باطنیہ کا اس کے ساتھ اجتماع نہیں ہو سکتا یعنی عبادات و مجاہدات سے جو روحانی لطائف پیدا ہو سکتے ہیں تارک تقلید ہرگز ان سے بہرہ ور نہیں ہو سکتا یا یوں کہو کوئی غیر مقلد صوفی نہیں ہو سکتا ۔ وجہ یہ ہے کہ اول تو یہ لوگ عموماً سیر و سلوک کے قائل ہی نہیں اور جب اس کے قائل نہ ہوں تو اس سے مستفیض کیونکر ہو سکتے ہیں'' ۔

غلام قادری نے محض تسکین ذوق کی خاطر شاعری نہیں کی بلکہ اس فن کو تبلیغ دین کا ذریعہ بنایا انھوں نے نہایت قادر الکلامی سے انسانی زندگی کی اہمیت ، اس کے مقاصد ، حقائق و معارف کے اسرار و رموز کو شعری پیکر میں ڈھال دیا ۔ انھوں نے مختلف اصناف سخن پر طبع آزمائی کی ۔ صنف مثنوی میں ید طولیٰ رکھتے تھے ۔ فارسی میں ان کی دو مثنویاں :

(۱) مثنوی قادری

(۲) فانوس عشق

ایک طرف ان کی فارسی شعر گوئی میں کمال پر شاہد ہیں تو دوسری جانب مثنوی جیسی صبر آزما اور کٹھن صنف میں کامل دستگاہ کی مظہر ہیں ۔ غلام قادری صاحب دیوان شاعر ہیں ۔ گرچہ ان کا ''کلیات قادری المعروف بہ چمنستان قادری'' اب تک منتظر اشاعت ہے ۔ ''ارمغان قادری'' بھی ان کی نگارشات لطیف کا نظر افروز مرقع ہے ۔ ان کے کلام کا بیشتر

Marfat.com

حصہ حمد ، نعت اور منقبت پر پھیلا ہوا ہے ۔ ان کے کلام کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ قرآنی الفاظ ، قرآنی آیات اور عربی تراکیب و محاورات کو شعر میں بڑی خوش اسلوبی سے استعمال کرتے ہیں۔ ساتھ ہی معانی مطالب بھی ۔ مثلاً ایک حمد میں کچھ ایسے اشعار موجود ہیں :

اے خدا آپ رب البریات ہیں
آپ کے لطف بے حد و غایات ہیں
آپ ہیں وحدہ، لا شریک لہ،
اے خدا آپ وحدانی الذات ہیں
سب سراپا نیاز آپ ہی کے لیے
آپ ہی قبلہ التحیات ہیں
آپ معبود ہیں آپ مسجود ہیں
آپ ہی کے لیے سب عبادات ہیں
شمس ہو یا قمر یا نجوم فلک
آپ کے نور کے سب یہ ذرات ہیں
آپ ہی نور النفس و آفاق ہیں
آپ علام غیب و شہودات ہیں
آپ ہی کنت کنزا کا اعلان ہیں
آپ ہی گنج رمز و رموزات ہیں
لا الہ میں ہے نفی ہر ماسوا
آپ ہی حرف الا میں اثبات ہیں
جس طرف دیکھیے آپ ہی آپ ہیں
آپ ہی معدن حمد و برکات ہیں
آپ ہی کے لیے سب ہے حمد و ثنا
آپ الحمد للہ بالذات ہیں
حامد و حمد و محمود سب آپ ہیں
آپ ہی روح معنی و آیات ہیں
ما عبدناک حق عبادا تک
جس نے سمجھا بلند اس کے درجات ہیں

Marfat.com

ما عرفناک حق معرفتک
اس کے قائل نبی البشریات ہیں
اولاً آخراً ظاہراً باطناً
آپ ہی اصل کل مظہریات ہیں
اس غلام فقیر و دل افگار کے
آپ ہی غافر کل خطیات ہیں

بارگاہ الٰہی میں نہایت عجز و انکسار ، سادگی و سپردگی کے ساتھ دست بہ دعا ہیں۔ ہر لحظہ اس رب کریم کی رحمتوں اور نعمتوں کے طلبگار ہیں۔

الٰہی تو رحمت کا اظہار کر دے
نگاہ کرم ہم پہ اک بار کر دے
تری اک نگاہ کرم ہی ہے ایسی
کہ بیڑا گنہگار کا پار کر دے
بری عادتوں سے بچا لے ہمیں تو
نکو سیرت و نیک کردار کر دے
نہ غافل تری یاد سے ہم ہوں یا رب
ہمیں خواب غفلت سے بیدار کر دے
الانسان سری انا سرہ کا
الٰہی تو جویائے اسرار کر دے
طفیل جناب شفیع دو عالم
ہمیں اپنی بخشش کا حق دار کر دے
غلام در قادری کو الٰہی
فدائے رہ غوث الابرار کر دے

پیران پیر دستگیر غوث الاعظم محبوب سبحانی حضرت محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ سے شاہ غلام رسول قادری والہانہ عقیدت رکھتے تھے۔ انھوں نے غوث الاعظم کی شان میں متعدد بصیرت افروز قصائد و مناقب لکھے۔ حضرت غوث الاعظم سے متعلق ان کی دو

Marfat.com

تصانیف "گلدستہ غوثیہ" اور "فیضان غوث اعظم" نہایت قابل قدر ہیں ۔ ایک منقبت میں غلام قادری کے یہ افکار عالیہ ملاحظہ ہوں :

یہ دل محبوب سبحانی کے صدقے
محی الدین جیلانی کے صدقے
جناب پیر پیراں میر میراں
زہے ولیوں کی سلطانی کے صدقے
ہوئے غوثوں میں غوث الاعظم کل
نشان اعظم الثانی کے صدقے
جو پیدا ہوتے ہی عاشق ہوئے ہیں
یہ دل معشوق یزدانی کے صدقے
مریدی لا تخفف فرمان ہوا ہے
ہم اس لطف فراوانی کے صدقے
ہوئے شیخ الملک والانس والجن
دل ایسے شیخ ربانی کے صدقے
مریدوں کی مدد اب بھی ہیں کرتے
ہیں ہم اس فیض روحانی کے صدقے
غلام قادری کا ورد جاں ہے
رسول اللہ کے جانی کے صدقے

Marfat.com

محمد ابراہیم ناظم گڑھی یٰسینی

(۱۳۰۷ - ۱۳۸۴ھ/۱۸۸۹ - ۱۹۶۴ء)

مولانا محمد ابراہیم گڑھی یسین (ضلع شکار پور) کے ممتاز عالم، معلم اور مفتی مولانا محمد ہاشم (بانی مدرسہ نظامیہ ہاشمیہ) کے صاحبزادے اور مولانا محمد قاسم گڑھی یسینی کے چھوٹے بھائی تھے۔ علم و فضیلت، زہد و تقویٰ، درس و فتویٰ کے اعتبار سے یہ خاندان نہ صرف سندھ بلکہ بلوچستان میں بھی قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔

محمد ابراہیم ۱۳۰۷ھ مطابق ۱۸۸۹ء میں اپنے آبائی وطن گڑھی یسین میں تولد ہوئے۔ پندرہ برس کی عمر تک اپنے والد مکرم کی آغوش رحمت و برکت میں پروان چڑھے پہلے حفظ قرآن کی سعادت حاصل کی۔ ۱۳۲۲ھ (۱۹۰۴ء) میں والد کی رحلت کے بعد اپنے برادر معظم مولانا محمد قاسم کے زیر نگرانی ان کے مدرسہ نظامیہ ہاشمیہ میں عربی، فارسی، سندھی اور اردو کی تعلیم حاصل کی۔ ۱۳۳۴ھ (۱۹۱۵ء) میں ہمایوں تشریف لے گئے اور وہاں علامہ عبدالغفور ہمایوں اور مولانا عبدالباقی کی با فیض صحبتوں میں رہ کر علوم ظاہری و باطنی کی دولت سے مالا مال ہوئے[۱]۔

ہمایوں کے روحانی و پاکیزہ ماحول اور اہل علم و اہل اللہ کی پر انوار و پر اخلاص صحبتوں نے انھیں رموز تصوف و معرفت سے آشنا کیا۔ اپنی ایمان افروز زندگی کو تبلیغ علم دین اور خدمت خلق و ملت کے لیے وقف کر دیا۔

مولانا محمد ابراہیم ۱۳۳۸ھ (۱۹۱۹ء) میں مدرسہ ہاشمیہ کے عہدہ معلمی پر فائز ہوئے۔ ۱۳۴۹ھ میں مولانا قاسم کی وفات کے بعد ان کی جگہ صدر مدرس کی ذمہ داریاں سنبھالیں ایام مدرسی میں ان کے درس و

۱۔ مہران سوانح نمبر ۱۹۵۷ء ص ۲۲۰۔

Marfat.com

تدریس، علم و دانائی اور فتویٰ نویسی کی شہرت سندھ سے بلوچستان تک پھیل گئی۔

۱۳۶۳ھ میں میر احمد یار خان شہر یار بلوچستان نے محمد ابراہیم کو بلوچستان آنے کی پیشکش کی اور وہاں انہیں قاضی القضاہ کے منصب جلیلہ پر مامور کیا۔ مولانا دو برس کے بعد مستعفی ہو کر گڑھی یسین واپس آئے۔ اپنے سابق عہدہ صدر معلمی اور دارالافتاء شرعی کے فرائض تا حیات انجام دیے۔

حافظ مولانا محمد ابراہیم ۷ شعبان المعظم ۱۳۸۴ھ (۱۹۶۴ء) کو اس جہان فانی سے رخصت ہوئے۔ گڑھی یسین جو ان کی زندگی میں ان کا مولد و مسکن تھا اب مدفن ہے۔

حافظ مولانا ابراہیم گڑھی یسینی عربی، فارسی، سندھی اور اردو زبانوں پر مکمل عبور رکھتے تھے۔ صوفی مشرب شاعر تھے۔ اردو اور فارسی میں طبع آزمائی کرتے تھے۔ ناظم ان کا تخلص تھا۔ ان کے کلام کا زیادہ حصہ فارسی اور کم حصہ اردو اشعار پر مشتمل ہے۔ فارسی کے مندرجہ ذیل شعری مجموعے موجود ہیں۔

(۱) تواریخ منظومہ ناظم
(۲) دیوان ناظم
(۳) کلیات ناظم
(۴) یا مریدان منظوم
(۵) آداب رسول اللہ[۳]۔

فارسی نثر میں ان کے رسالوں کے نام یہ ہیں۔

(۱) رسالہ ازالہ الارتیاب
(۲) رسالہ جماعتِ ثانیہ۔

عربی میں ہدایۃ العباد فیما یتعلق بالضاد (فتویٰ متعلق ضاد بتصدیق قاری مدنی) اور رسالہ حکم فوٹو گراف ان کی عربی دانی کا مظہر ہے۔

سندھی کتب:

(۱) قرآن حکیم کے بعض پاروں کا ترجمہ اور تفسیر

Marfat.com

(۲) مشکواۃ شریف ربع اول

(۳) قوت ایمانی

(۴) العقول العواب ۔

(۵) مناسک حج

(٦) لباس النبی

(۷) تعلیم المسلمین ۔

اردو میں ان کے فتووں کا ایک مجموعہ موسوم بہ ''فتاوی ناظمی'' ان کی یادگار میں سے ہے ۔[1] سندھ کے معمر و ممتاز بزرگ شاعر ، نقاد و ادیب ڈاکٹر شیخ ابراہیم خلیل نے راقم کو بتایا کہ مولانا محمد ابراہیم ناظم کو اردو زبان سے عشق تھا ۔ وہ روزمرہ کی بول چال اور تحریر و تقریر میں اردو کو ترجیح دیتے تھے ۔ ان کا قول تھا کہ متعدد علوم و فنون اور اسلامی ادب و ثقافت کے جتنے ذخائر اردو میں ملتے ہیں پاکستان کی کسی اور زبان میں نہیں ملتے ۔

ناظم گڑھی یلسینی فارسی کے علاوہ اردو کے بہت اچھے شاعر تھے ۔ وہ سچے عاشق رسول ، آشنائے عبد و معبود اور صاحب عرفان تھے ۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے اشعار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ عقیدت ، محبت ، خالق و مخلوق اور حیات و کائنات کی حقیقتوں کے آئینہ دار ہیں ۔ ایک نعت کے دو شعر سنیے ۔

سرور عالم حبیب کبریا پیدا ہوئے
پیشوائے مرسلاں و انبیاء پیدا ہوئے
ناظمی کیوں ہے گل امید پژمردہ ترا
نو بہارے موجب نشوونما پیدا ہوئے[2]

---

۱ ۔ مولانا محمد ابراہیم کی مطبوعہ و غیر مطبوعہ تصنیفات و تالیفات کے قلمی نسخے ان کے ذاتی کتب خانہ واقع گڑھی یلسین میں محفوظ ہیں ۔ مولانا نجم الدین گڑھی یلسینی اس کتب خانہ کے موجودہ نگران ہیں ۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

Marfat.com

مولانا ابراہیم جس روانی و صفائی سے اردو بولتے تھے اسی روانی و صفائی سے لکھتے بھی تھے ۔ وہ نہ صرف اعلیٰ پایہ کے معلم تھے بلکہ روشن دماغ ، روشن ضمیر قاضی ، خطیب اور مفتی بھی تھے ۔ ان کے اردو خطبات اور اردو فتاوی سے ثابت ہے کہ انھیں اردو پر حیرت انگیز حد تک قدرت حاصل تھی ۔ وہ اردو کے ایک جلیل القدر نثر نگار بھی تھے ۔ ان کے ایک فتاویٰ کا ایک مجموعہ ''فتاویٰ ناظمی'' (قلمی) میں سے ایک فتویٰ نقل کیا جاتا ہے جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ کس قدر اعتماد اور استدلالی کے ساتھ فتویٰ صادر فرماتے تھے ۔ ان کی عبارت سادہ ، عام فہم اور دلپذیر ہوتی تھی ۔

حبیب نامی ایک شخص جو ''رستم'' کا رہنے والا تھا ، نے مولانا کو مندرجہ ذیل احوال لکھا اور اس کے بارے میں انھیں فتویٰ صادر کرنے کی درخواست کی ۔

سوال : ''غلام حیدر نامی ایک شخص اپنی بیوی فاطمہ ، لڑکی نوری اور ایک بہن جنت کو وارث چھوڑ کر مر گیا ۔ غلام حیدر کے اوپر کچھ قرض بھی ہے ۔ اس کا مال متروکہ شرعاً مذکورہ ورثا میں کس طرح تقسیم ہو گا'' ۔

مولانا نے اس سوال کے جواب میں جو فتویٰ تحریر فرمایا اس کے الفاظ یہ ہیں :

''از روئے قانون شرع انور پہلے اس کے مال متروکہ سے اس کے کفن دفن کا خرچ ادا کیا جائے ۔ اس کے بعد جو اس کا مال ، ملکیت ، زر ، زیور ، زمین اثاث البیت کو ایک روپیہ مقرر کر کے حسب ذیل وارثوں میں تقسیم کیا جائے :

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

۲ ۔ یہ اشعار ڈاکٹر شیخ ابراہیم خلیل کی قلمی بیاض ''قلمی بیاض خلیل'' سے منقول ہیں ۔

Marfat.com

ایک روپیہ

اخت جنت	بنت نوری	زوجہ فاطمہ
۶ آنے	آٹھ آنے	دو آنے

یعنی قرض ادا کرنے کے بعد باقی مال متروکہ کو ایک روپیہ مقرر کر کے دو آنے اس کی بیوی مسماۃ فاطمہ کو اور آٹھ آنے اس کی بیٹی نوری کو اور چھ آنے اس کی بہن مسماۃ جنت کو دیے جائیں ۔ شریعت کا یہ حکم ہے"۔

Marfat.com

مولانا عبدالشکور نظامی

(۱۳۱۱ - ۱۳۹۵ھ/۱۸۹۱ - ۱۹۷۵ء)

پرنور چہرہ ، پرکشش روشن آنکھیں ، گردن تک سفید اور چمکدار ریشم جیسی زلفیں اور خوبصورت ریش والے درویش صورت ، ولی سیرت صاحب حسن و جمال کا نام نامی اسم گرامی مولانا سید محمد عبدالشکور نظامی ہے - عرفیت بابا کمبل پوش - ۱۳۱۱ھ میں یوم دو شنبہ بوقت صبح صادق محلہ کڑھ ریشم تاجگنج اکبر آباد (آگرہ ، بھارت) میں پیدا ہوئے -

اپنے حقیقی نانا خاجی سید محبوب علی عطار سے عربی و فارسی کی تعلیم حاصل کی - انھیں کے سایہ عاطفت و شفقت میں تربیت پائی - بچپن سے مشاہیر علمائے کرام اور اولیاء اللہ کی فیض و صحبت میں حقائق و معارف سے آگہی حاصل کی -

حضرت سید احمد علی عرف میاں سید جمال شاہ بابا کمبل پوش سجادہ نشین حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی دھلوی کی نظر عنایت نے حق و باطن کے رموز سے انھیں آشنا کیا - اپنا مرید بنایا اور خرقہ خلافت سے سرفراز فرمایا -

مولانا عبدالشکور نے پیری مریدی کو ذریعہ معاش نہیں بنایا بلکہ محرری اور کھاتہ نویسی کے کاموں سے اپنی روزی کمائی - ۸۴ سال کی عمر میں ۹ مئی ۱۹۷۵ء (۱۳۹۵ھ) کو حیدرآباد سندھ میں اپنے معبود حقیقی سے جا ملے - ان کے ایک قریبی رفیق محترم حکیم سید شاہ اکرام سیکری نے جسب ذیل عبارت سے مادہ تاریخ وفات نکالا -

سال وصال ناوک انداز عہد جدید
صوفی عبدالشکور کمبل پوش اکبرآبادی[1]

۱۹۷۵ء

---

(۱) ماہنامہ اولوی حیدرآباد ، اکتوبر نومبر ، ۱۹۷۸ء -

Marfat.com

مولانا عبدالشکور نظامی کمبل‌و پوش درویشانہ زندگی میں شعر و ادب کی خدمت بھی کرتے رہے اوائل عمری سے شاعری کا ذوق تھا۔ آگرہ میں نواب محمد خادم حسن زبیری اجمیری کے آگے زانوے تلمذ تہہ کیا کراچی (پاکستان) میں حضرت مولانا ضیاء القادری سے بھی مشورہ سخن کیا۔ اکبر آباد میں علامہ سیماب اکبرآبادی، سید نظام الدین شاہ دیگر اکبر آبادی، مولانا سید محمد علی مکیش اکبر آبادی جیسے مشاہیر شعرائے کرام اور مستند اساتذہ سخن کے ہم جلیس و ہم مجلس رہے۔ پاکستان میں حضرت پیر صبغت اللہ ایرانی اور شاہ اکرام حسین سیکری جیسے اہل کمال سے ان کے دوستانہ تعلقات رہے۔ مولانا عبدالشکور راقم الحروف پر بے حد شفقت فرماتے تھے۔ دوستانہ طریقے سے ملتے تھے۔ کبھی کبھی غریب خانے پر بھی تشریف لا کر اپنے الطاف و اکرام سے سرفراز فرماتے تھے۔ اکثر علمی و ادبی نشستوں میں راقم کو مولانا سے فیضیاب ہونے کا شرف حاصل رہا[1]۔

مولانا عبدالشکور ان صوفیائے کرام میں سے تھے جن کی زندگی عبادت و ریاضت اور رسول ؐ کے ذکر و فکر اور انسانوں سے محبت کے لیے وقف تھی۔ ان کے کلام کا تمام تر حصہ انھیں افکار و خیالات، جذبات و احساسات پر محیط ہے۔ ان کی اصناف سخن حمد، نعت اور منقبت تک محدود ہیں۔ تصوف ان کی زندگی اور اشاعت تصوف ان کی زندگی کا نصب العین تھا انھوں نے اپنے نظریہ تصوف کو اکثر نظموں میں انتہائی عقیدت و بصیرت سے پیش کیا ہے۔ مثال کے طور پر ان کی چودہ اشعار پر مشتمل ایک نظم بعنوان "تصوف"[2] کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیے:

۱۔ یہ راقم السطور کی خوش قسمتی ہے کہ مولانا عبدالشکور نظامی مرحوم نے اس کی فرمائش پر اپنی زندگی میں (مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۶۳ء) اپنے خود نوشت حالات زندگی مع انتخاب کلام عنایت فرمائے تھے۔ زیر نظر مقالہ اسی قلمی نسخہ کی مدد سے تیار ہوا۔

۲۔ یہ مکمل نظم ماہنامہ المصطفےٰ حیدر آباد شمارہ دسمبر ۱۹۵۷ء میں شائع ہو چکی ہے۔

Marfat.com

بتاؤں تمہیں کیا کہ کیا مل گیا
جو میں گم ہوا تو خدا مل گیا
علی مل گئے تو محمدؐ ملے
محمدؐ ملے تو خدا مل گیا
فریب جہاں اب کہیں ہے کھلا
خودی جب گئی تو خدا مل گیا
وہیں ذوق سجدہ میں رکھ دی جبیں
جہاں بھی تیرا نقش پا مل گیا
تری دین کا کچھ ٹھکانہ نہیں
جو مانگا تھا اس سے سوا مل گیا
شکور حزیں اور کیا چاہیے
سب ہی کچھ ملا جب خدا مل گیا

شکور نظامی نے جو غزل بھی کہی ہے عارفانہ کہی ہے۔ ذیل کے اشعار سے عارفانہ محویت و کیفیت آشکارا ہے:

وظیفہ نہ پوچھو شکور حزیں کا بس اک نام کی رٹ لگائے ہوئے ہے
جہاں دیکھو ذکر محمدؐ محمدؐ عبادت نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے

چھپا کے رکھی ہے تصویر یار دل میں شکور
حرم کو خوب بنایا ہے تو نے بت خانہ
رحمت سرور عالم کے تصدق میں شکور
جذب دل میں ہے مرے آٹھوں پہر کی ٹھنڈک

انسان اور انسانی زندگی کے بعض اہم پہلوؤں سے متعلق کتنے فکرانگیز اشعار کہے ہیں۔ زبان و بیان سادہ و دلکش مگر خودی و آگہی کی روشنی سے معمور۔ یہ اشعار راہ حیات کے لیے مشعل ہیں۔

اپنے ہر اک نفس کی جسے آگہی نہیں
میری نظر میں آدمی وہ آدمی نہیں
داغ جگر کے ساتھ تھی کیا یادگار دوست
بزم خیال میں مرے وہ روشنی نہیں

Marfat.com

موسیٰ کی طرح طالب دیدار ہو کوئی
جلوؤں میں ان کے آج بھی کوئی کمی نہیں
دل کو بنائیے غم کدہ رنج و الم نہ کر
زندہ دلی کہاں ہے یہ زندہ دلی نہیں
پتلے میں خاک کے یہ غرور اور گھمنڈ
بندہ کی شکل میں ہے مگر عاجزی نہیں
کیسے میں اس کو مومن کامل کہوں شکور
جس کو غم رسول سے وابستگی نہیں

شکور نظامی نعت گوئی میں ملکہ رکھتے تھے۔ اس صنف میں ان کا خاص رنگ، خاص انداز ہے۔ ذیل کی عارفانہ غزل میں نعت کا یہ رنگ دیکھیے:

ساقی تری طرف ہیں یہ چشم و دماغ و گوش
ایسی پلا شراب کہ آئے کبھی نہ ہوش
دریائے معرفت میں اٹھے پھر کبھی وہ جوش
ہر موج کی صدا میں ہو اک شور ناؤ نوش
جلوے ہیں بے حجاب سنبھل کر نظر ملا
موسیٰ کی طرح تیرے کہیں اڑ نہ جائیں ہوش
شاید جنوں عشق ترقی پذیر ہے
شوریدگی کے ہاتھ سے سر ہے وبال دوش
آتی ہے تیری یاد بھی رنگینیوں کے ساتھ
با ہوش ہوں کبھی کبھی رہتا نہیں ہے ہوش
تجھ پر ہیں خاص لطف و کرم اے شکور مست
صد شکر تو ہے ساقی کوثر کا بادہ نوش

مولانا عبدالشکور نظامی کمبل پوش کی بیشتر نعتیں اور نظمیں حضرت پیر صبغت اللہ ایرانی کے دینی رسالہ ماہنامہ المصطفےٰ، حیدر آباد (سندھ) کے اکثر شماروں میں شائع ہو کر بے شمار دلوں کو نور ہدایت سے منور و مسحور کر چکی ہیں۔

Marfat.com

ان کا دیوان موسوم بہ "ذوق تصوف" نعت ، غزلیات اور مناقب پر حاوی ہے - ۱۹۶۳ء (۱۳۸۲ھ) میں طبع ہو چکا ہے - جناب صادق دہلوی نے تدوین "ذوق تصوف" کے بارے میں قطع تاریخ کہا - یہ چند اشعار پر مشتمل ہے - یہاں چار اشعار نقل کیے جاتے ہیں :

عرفان حق ہے ذوق تصوف کے ساتھ ساتھ
دیوان کیا ہے مولوی عبدالشکور کا
کرتا ہے روح عشق کو صورت شناس حسن
ہر دل کو درس دیتا ہے عقل و شعور کا
توحید کا بیاں بھی ہے حسن طلب بھی ہے
گلدستہ بھی ہے مدحت و نعت حضور کا
تاریخ کا خیال ہے صادق تو لکھیے آپ
ہمراز عاشقاں ہے یہ دیوان شکور کا[1]

۱۳۸۲ھ

---

۱ - وجدان صادق (ص ۲۶۸) مجموعۂ کلام افصح الشعراء سید محمد صادق دہلوی مرتبہ بسمل آغائی ، ۱۹۷۸ء -

Marfat.com

قاضی غلام اکبر درازی

(ولادت ۱۳۱۵ھ - ۱۸۹۵/۱۴۰۱ھ - ۱۹۸۱ء)

الحاج قاضی علی اکبر درازی ولد قاضی علی محمد سرزمین سندھ کے ان معمر ارباب نظم و نثر میں سے ہیں جن کا قلم بیک وقت سندھی اور اردو دونوں زبانوں کی خدمت کے لیے وقف ہے۔

سندھ کے اس سربر آوردہ خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جس کے مورث اعلیٰ شیخ خیرالدین[1] تھے۔ یہ خاندان انگریزوں کے ابتدائی عہد سے روہڑی میں رہائش پذیر ہے اور اپنی علمی و دینی خدمات کے سبب بہت معزز رہا ہے۔

قاضی علی اکبر نے پرائمری اور ہائی اسکول کی تعلیم روہڑی اور سکھر میں حاصل کی۔ ۱۹۱۶ء میں میٹرک پاس کرنے کے بعد ملازمت کی۔ ریٹائرڈ ہونے کے بعد اپنی زندگی مطالعہ کتب، تصنیف و تالیف اور بندگان خدا کی فلاح و بہبود کے لیے وقف کر دی۔ قاضی صاحب اپنے ذاتی مطالعہ اور اہل علم و تصوف کی صحبتوں سے ایک ممتاز مقام تک پہنچے۔

قاضی اکبر درازی سندھی اور اردو کے خوش فکر شاعر ہیں۔ تخلص اور قلمی نام غلام اکبر ہے۔ ان کے سندھی اردو اور سرائیکی کلام کا

۱۔ شیخ خیرالدین شیخ محمد کے صاحبزادے تھے۔ شہنشاہ مغلیہ غازی محمد شاہ کے عہد میں قاضی القضاۃ کے منصب جلیلہ پر مامور تھے۔ شیخ خیرالدین قاضی کے عہدے سے سبکدوشی کے بعد پہلے بھکر میں اقامت پذیر ہوئے پھر ملتان میں قیام کیا۔ جب انگریزوں نے تالپوروں کو شکست دے کر سندھ پر تسلط جمایا تو روہڑی میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔

Marfat.com

مجموعہ ''دیوان غلام اکبر'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے سندھی اردو اور انگریزی پر عبور رکھتے ہیں ۔ خصوصاً سندھی زبان کی ترویج و اشاعت کے سلسلے میں ان کی قابل قدر خدمات کبھی فراموش نہیں کی جا سکتیں ۔ سندھی میں ان کی نظمیں اور مضامین سندھی ادب کے بیش قیمت جواہر پارے ہیں ۔ سندھی میں ان کی نظم و نثر کی کتابوں کی فہرست حسب ذیل ہے ۔ بعض مطبوعہ ہیں اور بعض غیر مطبوعہ :

مثنوی عشق نام ، راز نامہ ، یدوان خدائی ، درد نامہ ، رہبر نامہ ، تار نامہ ، گدا نامہ ، عشق حبیب ، بیعت رضوان ، قرۃ العین رسول ، سرتاج الشعراء ، شہنشاہ عشق ، درد جو داستان ، دانا درازی ، دولہا درازی ، سخی سرتاج حصہ اول ، سخی سرتاج حصہ دوم ، سوانح حیات سردار بہادر محمد بخش ، فاتح سندھ اور سفر نامہ ایران و ایراق ۔

اکبر درازی کے متعدد مضامین و مقالات اردو کے مختلف رسائل و جرائد میں طبع ہو چکے ہیں جس میں سے چند کے عنوانات یہ ہیں :

سراج الشعراء ، سچل ، شاعر اعظم و مفکر ، شاعر ہفت زبان ، مختصر سوانح حیات سچل سرمست وغیرہ ۔

قاضی غلام اکبر درازی کو سچل سرمست رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی ابدی آرام گاہ درازہ (ریاست خیر پور) کے سلسلہ طریقت سے والہانہ عشق اور عقیدت ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنے آپ کو طریقہ سچل سے وابستہ کیا ہے ۔ درازہ کی نسبت سے اپنے نام کے ساتھ درازی لکھنے اور کہلوانے پر فخر محسوس کرتے ہیں ۔ انھوں نے سچل کے افکار اور تعلیمات کے تعارف اور تبلیغ و اشاعت کو اپنی زندگی کا نصب العین بتایا ہے ۔ اس راہ صدق و صفا ، سلوک و تصوف میں جو روشنی انھیں ملی اسے دور دور تک پھیلانے میں کوشاں رہتے ہیں ۔ ان کے کلام کا زیادہ تر حصہ سچل سرمست کے منقبت اور قصیدوں پر مشتمل ہے ۔ نثر میں بھی ان کے اکثر و بیشتر مضامین سچل سرمست کی زندگی شخصیت ، سوانح ، فن اور پیغام کے کسی نہ کسی پہلو پر محیط ہیں ۔

قاضی علی اکبر درازی کی اردو میں حسب ذیل کتابیں شائع ہوچکی ہیں:

Marfat.com

(۱) **سچل سرمست**[1] مطبوعہ سچل سرمست کو آپریٹو اکیڈیمی خیرپور ، ۱۹۶۶ء -

یہ کتاب ۱۱۳ صفحات پر مشتمل ہے - سچل کے سوانح ، شخصیت شاعری کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے - فارسی اور اردو اشعار کا انتخاب بھی شامل ہے - حصہ نثر کی ترتیب یہ ہے :

سوانح حیات ، شرع کی پابندی ، حالات بیخودی ریاست کے حکام کے ساتھ تعلقات ، سچل سرمست منصور ثانی ، سچل الیاس حقیقی ، سچل مصنف اعظم ، سچل معلم اعظم ، سچل فیلسوف اعظم ، سچل عالمی شاعر ، سچل بین الاقوامی رہبر ، سچل صاحب حال و خیال ، سچل کلام الہی اللہام ، سچل تاج الشعراء ، تلقین اور اردو ترجمہ ، مناجات ، وفات حسرت آیات ، اردو کلام ، اردو سعنی -

(۲) **وصلت نامہ** : مطبوعہ سچل سرمست کوآپریٹو اکیڈیمی ، خیرپور ، ۱۹۶۵ء -

اس کتاب کی ضخامت ۱۳۳ صفحات ہے - سچل سرمست کی فارسی مثنوی ، "وصلت نامہ کا اردو ترجمہ ہے -

(۳) **مثنوی وحدت نامہ** : یہ کتاب بھی سچل سرمست کوآپریٹو اکیڈیمی لمیٹڈ خیرپور کے تحت ۱۹۶۴ء میں شائع ہوئی - وحدت نامہ سچل کی فارسی مثنوی ہے جسے علی اکبر درازی نے بڑی ذہانت اور اعلیٰ ذوق کے ساتھ مرتب کی ہے -

اردو میں قاضی غلام اکبر درازی کی نثر کی زبان سلیس اور رواں ہے - طرز انشاء خوبصورت اور دلفریب ہے - سچل سرمست کی شخصیت کے بارے میں ایک مقالہ بہت اچھا ہے - اس کا اقتباس درج ذیل ہے :

"سچل سرمست کا کلام سراپا الہام ، محبت و سوز ، درد و گداز

---

۱ - سچل سرمست کے مفصل حالات اور ان کے اردو کلام کے بارے میں زیر نظر کتاب کے دوسرے باب میں لکھا جا چکا ہے -

Marfat.com

کیف حال ، جذب و جلال ، موج و مستی کے فلسفے کا ایک بھرپور گنجینہ ہے جو بیخودی و سرمستی کے عالم میں کہا گیا ہے ۔ ۔ ۔ اور شعر میں جو نازک خیالی دکھائی گئی ہے وہ قابل قدر ہے ۔ ان ہی حالات کے تحت آپ کو شہنشاہ عشق اور منصور ثانی کہا جاتا ہے ۔ سرمست نے جب منصوری نعرہ بلند کیا تو علماء نے ان کو تعزیر دینے کا ارادہ کیا ۔ حضرت سرمست نے کہا کہ جس وقت میری زبان سے ''انا الحق'' کا نعرہ سنیں اس وقت مجھے قتل کر دیں ۔ اس اثنا میں انھیں حال آگیا اور ان کی زبان سے ''انا الحق'' نکلنے لگا ۔ علماء نے ان پر تلوار کے کتنے وار کیے لیکن ان پر کوئی اثر نہ ہوا ۔ جب حال کی کیفیت باقی نہ رہی تو علماء نے ان کو تمام حقیقت سے آگاہ کیا ۔ سرمست نے کہا یہ نعرہ میں نہیں لگاتا بلکہ ذات باری لگاتی ہے چنانچہ ایک اور جگہ اپنے فارسی کلام میں فرمایا :

من نمی گویم یار می گوید بگو

Marfat.com

مولانا دین محمد ادیب

(۱۳۱۴ - ۱۸۹۷)

فیروز شاہ تعلقہ سیہڑ ضلع دادو شروع سے مردم خیز خطہ رہا ہے۔ وہاں کئی با کمال و بافیض دین ، علمائے کرام ، اساتذہ اور اہل قلم پیدا ہوئے۔ سعدی سندھ حضرت مولانا دین محمد ادیب کا تعلق بھی اسی مردم خیز سرزمین سے تھا۔

دین محمد ادیب کے والد پاندھی چند مخدوم پیروج[1] عبداللہ اچ والے کی اولاد میں سے تھے۔ حضرت مخدوم عبداللہ عرف پیروج اُچ والے حضرت غوث بہاء الدین ذکریا ملتانی کے خلیفہ اور عراف زمانہ تھے۔ حضرت مخدوم عبداللہ پیروج کے تین صاحبزادے تھے۔ مخدوم محمد ابراہیم ، مخدوم[2] احمد اور مخدوم اسحاق۔ حضرت مخدوم پیروج نے ایک سو چھبیس سال کی عمر میں وصال کیا۔ ان کا مزار پرانوار اُچ میں مرجع انام خاص و عام ہے۔ دین محمد کا نسبی تعلق اسی اعلیٰ و ارفع علمی و روحانی خاندان سے تھا۔

---

۱ - مقدمہ از مولانا غلام مصطفے قاسمی ، کلیات ادیب ص و۔

۲ - حضرت مخدوم عبداللہ پیروج کے دوسرے صاحبزادے مخدوم احمد اپنے وقت کے ایک بڑے درویش اور عالم باعمل تھے۔ مخدوم عثمان دربیلی والے سے فارغ التحصیل تھے۔ ان کی اولاد میں بڑے بڑے علماء اور صوفیہ گزرے ہیں۔ چند کے نام یہ ہیں : مخدوم عبدالمجید ، مخدوم محمد عثمان شہید مستعلوی ، مخدوم میاں خیر محمد بن عبدالمجید وغیرہ۔

(مہران سوانح نمبر ۱۹۵۷ء ، ص ۲۲۲)

Marfat.com

تاریخی نام منظور حسن ، اصل نام دین محمد ، تخلص ادیب تاریخ پیدائش شب جمعہ ۱۵ شوال ۱۳۱۰ھ مطابق ۲۱ مارچ ۱۸۹۷ء ۔ مولانا اشرف علی تھانوی نے اس مصرعہ سے ان کی تاریخ ولادت نکالی ۔

مشرف یافت دیں ز دیں محمدؐ

دین محمد صرف چار سال کے سن میں استاد العلماء علامہ دوران حضرت عطا اللہ[1] فیروز شاہی کے مدرسے میں داخل ہوئے ۔ قرآن کریم اور فارسی کی ابتدائی تعلیم ان کی آغوش شفقت میں حاصل کی لیکن فارسی کی تعلیم ابھی نامکمل تھی کہ علامہ عطا اللہ دنیائے فانی سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گئے ۔ فارسی کی مزیدکتابیں مدرسہ عطا اللہ کے مدرس مولانا عبدالرحمن سے پڑھیں جن میں پند نامہ ، تحفۂ نصائح وغیرہ شامل ہیں ۔

---

۱ ۔ **علامہ حضرت عطا اللہ فیروز شاہی :** منبع علوم دین و عقلی و مرجع انام تھے ۔ ان کے استادوں میں مولانا عبدالروف موراثی ، مولانا نور محمد اور گل محمد شہداد کوٹی قابل ذکر ہیں ۔

مولانا عطا اللہ فیروز شاہی متعدد علوم و فنون کے مستند عالم تھے ۔ قرآن و حدیث و فقہ میں ان کی سند کو آخری سند مانی جاتی تھی ۔ ان کے تلامذہ میں کئی نامور علماء و اساتذہ شامل ہیں جن میں مولانا دین محمد ادیب اور مولانا حاجی حامد اللہ سیمن نے (ساکن بھیلی : تعلقہ سجاول) علم و تدریس کی دنیا میں بڑی عزت حاصل کی ۔

مولانا ادیب نے اپنے استاد معظم علامہ عطا اللہ فیروز شاہی کی وفات (۱۹ رجب المرجب ۱۳۲۵ھ) پر ساٹھ اشعار پر مشتمل قطعہ تاریخ کہا جس کا پہلا اور ۵۵واں شعر یہ ہیں :

اوستاد اوستادان یاد دار — آنکہ گردش حق فرید یادگار
بود چون مشغول ذکر و تذکرہ — بہر وصلش تذکرہ دان یادگار

۱۳۱۵ھ

(کلیات ادیب ، ص ۵۹ ، ۶۲)

Marfat.com

فارسی کی تکمیل استاد کامل حضرت مولانا الٰہی بخش[1] (ساکن وٹھیل گوٹھ بانھولا کھیر تحصیل سیہڑ ضلع دادو) کے سایہ عاطفت میں کی ۔ مولانا

---

۱ ۔ **حضرت مولانا حاجی الٰہی بخش :** مولانا شفیع محمد مسجدی کے تلامذہ ارشد میں سے تھے ۔ استاد مولانا مسجدی شاعر سہ زبان تھے یعنی عربی ، فارسی اور سندھی کے بے مثل سخن شیخ تھے ۔

مولانا الٰہی بخش کے شاگردوں میں یگانہ عصر علماء اصفیا ، محقق اور فقیہ شامل ہیں ۔ سید علی اکبر شاہ بانی جامعہ عربیہ حیدرآباد جیسے مقبول سیاست دان ، ابو لیاث فصیح اللسان ادیب و مقرر اور مذہبی پیشوا بھی مولانا الٰہی بخش سے مستفیض تھے ۔

مولانا ادیب نے اپنے استاد مکرم کے وصال پر جو قطعہ تاریخ کہا اس کی تعداد چالیس ہے ۔ علی الترتیب ساتواں ، سینتیسواں اور چالیسواں اشعار کے حسب ذیل مصرعوں سے تاریخہائے وفات نکالی ہیں ۔

به الف و سه صد و در سی و هشتم

۲۳۳۸ھ

ز دنیا سوئے عقبیٰ شد روانه

مر پایه فضیلت تو حق بلند کرد

۱۳۳۸ھ

بینی ز فضل آنچه ندیده خیال تو

چون پرسدم ز هاتف سال وصال او

مورد رضوان بے حد یاد گفت

۱۳۳۸ھ

اس قطعہ تاریخ جو ان کے استاد کا مرثیہ بھی ہے کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے ۔

الٰہی بخش فیاض زمانہ

به هر فن ماهر و فرد و یگانه

(کلیات ادیب ، ص ۹۴ تا ۹۷)

Marfat.com

الہی بخش کے مانے ہوئے معلم ، عالم ، متشرع اور فقیہہ تھے ۔ افرسی اور سندھی کے بلند پایہ شاعر اور ادیب بھی ۔ مولانا ادیب نے پہلے مولانا الہی بخش سے گلستان ، بوستان ، تحفۃالاحرار جامی ، انشاء ابوالفضل پڑھنے کے بعد عربی اسباق بھی پڑھے ۔ ۱۳۳۴ھ میں نصاب نظامی ختم کیا ۔

مولانا ادیب اپنے استاد معظم کی شفقت ، کمالات علمی ، فیضان باطنی سے مستفیض ہوئے ۔ ادیب صالح ، ذہین اور تیز طبع تھے فارسی کی بنیادی اور اہم کتب وغیرہ مطالب و معنی، بدیع و بلاغت اور شرع و بسا کے ساتھ پڑھیں ۔ فارسی ادبیات ، فارسی نکات شعری پر عبور ، عربی علوم پر مہارت ، تحریر و تقریر پر قدرت ، یہ سب کچھ مولانا الہی بخش کی بافیض صحبتوں کا نتیجہ تھا ۔ ۱۳۳۴ھ میں دستار فضیلت کا اعزاز بھی حاصل کیا ۔

حضرت علامہ مخدوم محمد صدیق عربی علوم کے ماہرانہ استاد تھے مولانا دین محمد نے ان سے عربی کی تکمیل کی ۔

علوم عربیہ ، قرآن ، حدیث ، فلسفہ اور تواریخ و اسلامیات کی تحصیل و تکمیل کے بعد درس و تدریس ، مشاغل علمی ، مطالعہ کتب، تصنیف و تالیف ، صوم و صلواۃ ، عبادت و ریاضت ، روحانی اتصال ، امامت ، خطابت ، خدمت خلق کے علاوہ عالموں اور صوفیوں کی صحبتوں میں زندگی وار دی ۔ نور محمد ہائی اسکول حیدرآباد میں عربی کے معلم اور اسی درسگاہ کے ہاسٹل کی مسجد کے پیش امام کے فرائض بھی انجام دیے ۔

باران کہ در لطف طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید و در بوم شور خس

مولانا دین محمد عہد طفلی سے صوفی طبع ، نیک سیرت ، مرد صالح اور عاشق رسول تھے ۔ انھوں نے ماحول و معاشرے کی اصلاح و تطہیر کی غرض سے اپنی تحریر و تقریر ، خطبات تصنیفات و تالیفات کے ذریعہ جدید علوم کی روشنی میں مغربی تہذیب کی مذمت اور اسلامی تہذیب و معاشرت کو اپنانے کی تلقین کی ہے ۔

Marfat.com

حکیم الامت ، مجدد الملت مولانا شاہ محمد اشرف علی فاروقی تھانوی[1] قدس اللہ تعالی سرہ العزیز عصر حاضر کے اکابر اسلام اور اولیائے عظام میں سے تھے ۔ مولانا ادیب نے زمانہ طالب علمی میں مولانا اشرف علی تھانوی کی بصیرت افروز و فکر انگیز کتب و رسائل کا مطالعہ کیا تھا اس لیے وہ شروع سے مولانا تھانوی کے معتقد اور مقلد ہو گئے تھے ۔ جب تصوف و معرفت کی منزل پر پہنچے تو تکمیل روحانی کے لیے مولانا

---

۱ ۔ **مولانا اشرف علی تھانوی :** دارالعلوم دیوبند کے ایک برگزیدہ بزرگ ، مفسر قرآن اور عالم دین تھے ان کی تصنیفات میں تفسیر ، حدیث ، فقہ ، فلسفہ حکمت تصوف کی بلند پایہ و معرکہ آراء کتابیں اہل دین و اہل ایمان کے لیے مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہیں ۔ ان کے معتقدین و متوسطین میں مولانا ظفر احمد عثمانی ، عبدالماجد دریا آبادی ، مولانا مفتی محمد حسن لاہوری ، علامہ سید سلیمان ندوی ، مولانا قاری محمد خطیب دیوبندی ، مولانا حاجی شیر محمد گھوٹکی ، مولانا عبدالہادی ندوی ، مولانا عبدالرحمن کیمبلپوری اور مفتی محمد شفیع بانی دارالعلوم کراچی وغیرہ جیسے اکابر اسلام کے اسمائے گرامی شامل ہیں ۔

مولانا دین محمد ادیب نے اپنے مرشد روحانی اور علم باطنی مولانا تھانوی کی وفات (۱۶ رجب المرجب ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۹ جولائی ۱۹۴۳ء شب سہ شنبہ بعد از نماز عشا) سے متاثر و دیگر ہو کر جو قطعہ تاریخ کہا وہ ۶۳ اشعار پر محیط ہے ۔ ان میں سے چار شعروں کے ایک ایک مصرعہ سے تاریخی مادے نکلتے ہیں ۔ ایسے دو اشعار یہ ہیں :

سالش ز سر ادب بگفتم   مگو بلباس خاص خلعت

۱۹۴۳ = ۱ + ۱۹۴۲ء

موضوع برائے یاد ربی   هجری ست ادیب سال وصلت

۱۳۶۳ھ

(کلیات ادیب ، ص ۴۷)

Marfat.com

تھانوی سے بیعت و خلافت کا درجہ حاصل کیا ۔ اس کے بعد زیادہ سے زیادہ وقت ان کی خدمت و صحبت سے گزارا ۔ اور ان کے سرچشمہ فیوض و کرامات سے فیضیاب ہوئے ۔ انھیں اپنے پیر و مرشد[1] سے بے انتہا محبت و عقیدت تھی ۔ ان کے مرشد بھی ان سے بے حد شفقت و عنایت فرماتے تھے ۔ انھیں اپنے استاد روحانی سے اس قدر قربت و ارادت حاصل تھی کہ ان کی زندگی ہی میں ان کی متعدد کتابوں کے تراجم ، تفسیرین اور شرحیں لکھیں ۔

مولانا دین محمد ادیب عربی ، فارسی ، سندھی اور اردو زبانوں پر نہ صرف کامل عبور رکھتے تھے بلکہ ان چاروں زبانوں کے ادبیات پر ناقدانہ و عالمانہ نظر رکھتے تھے ۔ ان سب زبانوں میں ان کی تحریریں ، تصنیفیں اور ترجمے موجود ہیں ۔ نثر میں ان کی اپنی تصانیف کی تعداد کم ہے ۔ عربی ، فارسی اور اردو کتابوں کی ترجمہ شدہ کتابوں کی تعداد کافی ہے جن سے یہ بات واضح ہے کہ مولانا کا علم اور مطالعہ اس قدر وسیع و لامحدود تھا ۔ انھوں نے اکابر اسلام کی معیاری و معلوماتی کتابوں

---

۱ ۔ محترمی مولانا اکرام حسین سیکری اپنے ایک مقالہ میں مولانا دین محمد ادیب سے اپنی ملاقات اور گفتگو کے بارے میں رقمطراز ہیں :

”مجھے یہ معلوم ہو کر بڑی حیرت اور تعجب ہوا کہ آپ نے تن تنہا مثنوی مولانا روم جیسی بڑی کتاب کا مکمل طور پر سندھی میں منظوم ترجمہ کر دیا ہے“ ۔

ان کے (مولانا ادیب کے) چہرے پر مسرت کے آثار پیدا ہو گئے انھوں نے والہانہ محبت اور خلوص کے ساتھ کہا :

”یہ سب کچھ میرے پیرطریقت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی دعاؤں کی برکت ہے“ ۔

پھر انھوں نے اپنی پیر صاحب کے بارے میں بڑی محبت بھرے انداز میں ذکر کیا ۔ ان کو اپنے شیخ سے محبت تھی ۔

(الولی دسمبر ۷۶ء ، جنوری ۷۷ء ، ص ۲۵-۲۶)

Marfat.com

کو سندھی زبان میں منتقل کر کے دین اسلام اور سندھی عوام کی بہت بڑی خدمت انجام دی ہے انھوں نے ترجمے کے فن سے اپنی دلچسپی و شیفتگی کا اظہار کیا ہے بلکہ انھوں نے اس فن میں تخلیقی شان اور تصنیفی و تالیفی انداز پیدا کیا ہے ۔ ایسی چند کتابوں کے نام یہ ہیں :

(۱) سندھی ترجمہ منظوم ۔ اشرف العلوم ، مثنوی مولانا روم ۔ چھ دفتر مکمل (مطبوعہ) ادیب شبیر پروفیسر سعید نفسی ایرانی اس کتاب کے بارے میں اپنے ایک مضمون بعنوان ”مولوی در پاکستان“ میں لکھتے ہیں ۔

”در حیدرآباد سند پیر مرد خمیدہ ، خوش سیما ، باریش سفید و چہرہ گیرا ، مولوی دین محمد ادیب فیروز شاہی ، یک دورہ ترجمہ منظوم شش دفتر مثنوی مولانا را کہ بہمان بحر اصلیٔ بزبان سندھی منظوم کردہ است با کمال خضوع و مہربانی بمن یادگار داد“ ۔

(رسالہ ہلال ص ۴۷ ، ۴۸ شمارہ نومبر ۱۹۵۶ء)

(۲) چہرہ کشائی ۔ سندھی ترجمہ منظوم رونمائی مثنوی (مطبوعہ بار دوم) ۔

(۳) اخلاق النبی ۔ ترجمہ آداب النبی مولفہ مولانا مفتی محمد شفیع (پانچ ایڈیشن) ۔

(۴) علم الاخلاق عرف اسلامی اخلاق (آخری تین فصل) از امام غزالی (دو ایڈیشن) ۔

(۵) کشف المحجوب ۔ سندھی ترجمہ ۔

(۶) معالم الاسلام ۔ چار حصوں میں ۔ (پانچ ایڈیشن) ۔

(۷) اصلاح الاحوال ۔ سندھی ترجمہ ۔ جزو الاعمال ۔ تالیف مولانا اشرف علی تھانوی ۔

(۸) بہشتی کوثر ۔ سندھی ترجمہ (اول) بہشتی زیور تالیف مولانا اشرف علی تھانوی ۔

Marfat.com

(۹) علاج القحط والوباء ۔ سندھی ترجمہ ۔ رسالہ " " "

(۱۰) ترجمہ وعظ حقوق البیت و ترجمہ روض الریاحین (یہ مولانا ادیب کا آخری علمی کام ہے) ۔

(۱۱) کلید بہشت ۔

فارسی تصنیف :

(۱) منع الانام عن وضع الایدی علی الاقدام ۔

اس کتاب میں مولانا ادیب نے ان اہل علم ، اہل قلم ، امرا ، پیران طریقت کے عادات و اطوار کا حال لکھا ہے جن سے ان کی ملاقاتیں ہوئیں اور جن کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ۔

فارسی ۔ اردو :

(۱) زادالادیب ترجمہ زاد السعید مولفہ مولانا اشرف علی تھانوی ۔

(۲) اسلامی زندگی ترجمہ حیات المسلمین مولفہ " " "

(۳) خدا شناسی ترجمہ معرفت الالٰہی مولفہ مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوری ۔

(۴) ترجمہ معیت الالٰہی " " " "

(۵) دین قوم ترجمہ صراط مستقیم " " "

(٦) نور علی نور ترجمہ سیرت خاتم الانبیاء مع چہل حدیث (پانچ ایڈیشن) ۔

(۷) مکتوبات ربانی (دفتر اول) حضرت مجدد الف ثانی کے دو سو بیس مکاتیب کا ترجمہ ۔

(۸) بہشت کی کنجی ۔

(۹) ترقی و تنزل کا راز ۔

(۱۰) خلفائے راشدین ۔

(۱۱) چالیس دعائیں ۔

Marfat.com

(۱۲) تذکرہ علما و فضلا ۔

(۱۳) کفر و ایمان ، قرآن و حدیث کی روشنی میں ۔

منظومات :

(۱) کلیات ادیب (فارسی) مطبوعہ حیدرآباد سندھ ۱۳۸۴ھ-۱۹۶۴ء

(۲) کلیات ادیب (سندھی اردو) غیر مطبوعہ ۔

(۳) مجموعہ اشعار فارسی ۔ آٹھ سو بیت پر مشتمل ۔ (غیر مطبوعہ) ۔

(۴) سندھی ترجمہ اختتام مثنوی از مولانا الٰہی بخش کاندھلوی ۔ غیر مطبوعہ ۔

مولانا دین محمد ادیب نے عربی ، فارسی ، سندھی اور اردو میں کمال کی شاعری کی ہے ۔ ہر زبان کے کلام میں ان کی پرگوئی ، قادر الکلامی اور پختہ خیالی عیاں ہے ۔ ۱۳۳۰ھ میں وہ ایک سترہ سالہ ذہین و فطین طالب علم تھے ۔ فارسی اور سندھی میں شعر کہنا شروع کیا ۔ فارسی کے یہ اشعار ان کے دور طالب علمی کی یادگار ہیں ۔

ای یار دل آرام ! بیا نزد من امروز
بی زان ز فراق تو شدہ جسم و تن امروز
این وقت بہار آمدہ بین بلبل و قمری
گردید نوا سنج بہ باغ و چمن امروز
سون در صف گلزار کند حسن تجلی
گردد بہ عرق غرق ز خجلت سمن امروز
گر دیدہ چو نرگس بکشائی بہ سوی باغ
بے تاب شود نرگس و ہم نسترن امروز

(کلیات ادیب)

مولانا ادیب نے حمد ، نعت ، غزل ، مثنوی ، تاریخ ، قطعہ ، مسدس ترجیع بند اور مرثیہ جیسی اصناف سخن پر جدت و قدرت ، فصاحت و بلاغت کے ساتھ طبع آزمائی کی ہے لیکن تاریخ گوئی ان کی شاعری کا طرہ امتیاز ہے ۔ فن تاریخ گوئی پر وہ بلا کی مہارت رکھتے

Marfat.com

ہیں ۔ اس حقیقت کے آئینہ دار ان کے وہ تمام قطعات اور منظومات ہیں جو ان کے کلیات میں موجود ہیں ۔ انہوں نے خوشی و غم ، موت و حیات ، پیدائش و فرمائش اور مختلف موقعوں پر جو قطعات اور منظومات کہی ہیں ان سے ایک طرف ان کے کمال شاعری کا اظہار ہوتا ہے تو دوسری جانب ان کے پہلو دار و وضعدار شخصیت کا یہ دلنواز پہلو ابھر کر سامنے آتا ہے ۔ مولانا ادیب جس سے محبت کرتے تھے روح کی گہرائی سے کرتے تھے ۔ جس سے ان کا رابطہ رہتا دل سے قائم رہتا ۔ ان کے تعلقات اور مراسم کا دائرہ صرف سندھ تک محدود نہ تھا بلکہ برصغیر پاک و ہند کے اکثر علماء و فضلاء ، ادباء و شعراء اور ارباب فکر و دانش تک وسیع تر تھا ۔ ان کی یہ نظمیں یہ قطعات دلچسپ بھی ہیں ، دلگداز بھی ، پرسوز بھی ہیں پر اثر بھی ، دل و روح کو مسرور مسحور بھی کرتے ہیں اور قلب و ذہن کو سکون بھی بخشتے ہیں ۔ ان کے قطعات اور نظمیں ان کے اپنے عصر کی وہ نظر افروز دلکش و روح پرور تصویریں ہیں جنھیں دیکھ کر ان کے زمانے کے اخلاص و ایثار ، محبت و شیفتگی بے اختیار یاد آتی ہیں ۔ مولانا ادیب نے شہنشاہ تغزل حضرت جگر مراد آبادی کی وفات پر ایک قطعہ فارسی میں اور ایک اردو میں کہا ۔

لالہ سان گشت داغدار ادیب ۔۔۔ رخت بر بست چون عدیم مثال
داغ قلب و جگر ازو آمد ۔۔۔ حال وصلش بہ ایزد متعال

۱۳۸۰ھ

تھے غزل میں بلند پایہ جگر ۔۔۔ داد دیتے ہیں ان کو اہل کمال
اے ادیب حزین جگر کی موت ۔۔۔ ہے فنا سے فنون نظم مقال

۱۳۸۰ھ

مولانا ادیب اردو غزل میں بھی ید طولیٰ رکھتے ہیں ۔ زبان شیفتگی و سادگی ، بیان میں سلاست روانی ، خیال میں جدت و ندرت ان کے کلام میں بدرجہ کمال پائی جاتی ہے ۔ بطور نمونہ ایک ایسی غزل نقل کی جاتی ہے جس میں ان کا خاص رنگ جھلکتا ہے ۔

مل جائے دو گھڑی کو جو تیری نظر مجھے
فانی رہوں ، رہے نہ کسی کی خبر مجھے

Marfat.com

ہر بات میں خدا کا اگر میں رہوں مطیع
مانیں گے بے تامل سب بحر و بر مجھے
عرش بریں کا زینہ ہے احمد کی پیروی
اس پر سکھا عروج کا یا رب شہر مجھے
ہے اتباع احمد کا اکسیر بے نظیر
اکسیر اشرفی سے بنا خاص زر مجھے
زنجیر پا ہے زلف بتان راہ یار سے
ہے رہبر حقیقت شاخ و شجر مجھے
اللہ کے بنو نہ نفس کے غلام ہو
کرو دعا کہ اس کا ہو حاصل اثر مجھے
ظالم کبھی تو مجھ کو بھی بھولے سے یاد کر
تو دل میں یاد ہے شام و سحر مجھے
سن ! نقش پائے یار کو کرتا ہوں میں تلاش
کرنا نثار اس پر ہے جان و جگر مجھے
لے جائے یار تک یہ مری کوئی روئداد
اللہ سے دعا ہے ملے نامہ بر مجھے
کرتا رہے گا کب تلک یہ لن ترانیاں
اے رشک طور ، ہو کے ذرا جلوہ گر مجھے
گو جانفزا ہے حیدرآباد کی ہوا
عریاں اسی کا حسن ہے قاتل مگر مجھے
کرتی ہے نونہالوں کو تعلیم نو خراب
دن رات اس کا تجربہ ہے خوب تر مجھے
اردو ادب کا آج ہوا ہوں میں بے ادب
ہے عمر میں یہ پہلی خطا ، عفو کر مجھے
یا رب کلام میرا حقیقت نما بنے
خاصوں کے سینے سے ملے نور نظر مجھے
دیدار کوئے دوست نصیب ادیب ہے
اللہ کر زیادہ نہ اب در بدر مجھے

Marfat.com

تاج محمد افغان مشتاق

(۱۲۱۹ - ۱۳۷۴ھ/۱۸۹۹ - ۱۹۵۴ء)

حکیم مولانا تاج محمد افغان ولد حاجی خمیسو کے بزرگوں میں کئی علمائے کرام اور مشائخ دین گزرے ہیں جن میں سید سلیمان شاہ بخاری، شیخ عمر اور کموڈانی وغیرہ کے نام نامی اسمائے گرامی فراموش نہیں کیے جا سکتے۔

تاج محمد افغان کا سال ولادت ۱۲۱۹ھ (۱۸۹۹ء) بمقام شہر بدین ہے۔

مولانا تاج محمد ماہر طب حکیم تھے۔ گرچہ کسی طبیہ کالج کی کوئی سند ان کے پاس نہ تھی لیکن طب و حکمت سے فطری لگاؤ اور خداداد ذہانت کے سبب اس فن میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ بڑے نیک دل، خدا ترس اور اللہ والے شخص تھے۔ دنیاوی طبع، نام و نمود سے بے نیاز تھے۔ اکثر غریبوں کا علاج مفت کیا کرتے تھے بلکہ غرباء و مساکین کی دستگیری بھی فرماتے تھے۔ ہمدردی نیک دلی فیاضی اور علاج کے سبب مریضوں اور عام لوگوں میں ایک بڑی تعداد ان سے عقیدت رکھتی تھی۔

پیر بھاون علی شاہ جس زمانے میں حیات تھے تاج محمد کا قیام راجو خانانی میں تھا۔ انھیں دنوں ایک مخیر اور نیک دل انسان محمد قائم نے راجو خانانی میں قائم دواخانہ کے نام سے ایک ہسپتال قائم کیا۔ حکیم تاج محمد بحیثیت مینجر اس ہسپتال کے انچارج مقرر ہوئے اس ہسپتال کے زیر اہتمام ماہوار طبی رسالہ "پیام شفا" کا اجرا ہوا تو اس کی ادارت کے فرائض تاج محمد کے سپرد ہوئے۔ قائم دواخانہ کا اپنا پریس بھی تھا۔ "پیام شفا" اسی پریس سے چھپتا تھا۔ حکیم تاج محمد کی ذاتی کوششوں

Marfat.com

اور سماعی جمیلہ سے اس رسالے میں بڑے بڑے حکمائے حاذق کے نسخہ جات ، مجربات اور طبی معلومات سے متعلق بڑے مفید مضامین شائع ہوتے تھے - ''پیام شفا'' صوری اور معنوی دونوں اعتبار سے معیاری اور جاذب نظر تھا - اس لیے بہت جلد مقبول ہو گیا تھا - حکیم صاحب کی وفات کے بعد ''پیام شفا'' کی اشاعت ہمیشہ کے لیے ملتوی ہو گئی حکیم صاحب طبی کالج ٹنڈو محمد خان کے طبی بورڈ کے ممبر بھی رہے -

حکیم تاج محمد افغان مشتاق نے ۵۵ سال کی عمر میں ۱۳۷۴ھ (۱۹۵۴ء) میں داعی اجل کو لبیک کہا -

حکیم صاحب عربی کے عالم تھے - جامع مسجد راجو خانانی کے پیش امام بھی رہے - عربی ، فارسی ، سندھی ، انگریزی سے بخوبی واقف تھے - انھوں نے اپنے نجی کتب خانے میں مختلف علوم و فنون کا خاصا ذخیرہ چھوڑا -

ان کی تصانیف حسب ذیل ہیں :

(۱) کتاب الحمیات -

(۲) شرح قانونچہ -

(۳) قرابا دین مشتاق المعروف بہ طب ساغر ساقی -

عربی اور فارسی میں بھی کئی کتابیں لکھیں لیکن وہ چھپ نہ سکیں اور ضائع ہو گئیں- ان کی ایک قلمی بیاض ان کے ایک صاحبزادے غلام علی کے پاس موجود ہے -

حکیم صاحب سندھی ، فارسی اور اردو میں شاعری بھی کرتے تھے - مشتاق ان کا تخلص تھا - عمر کے آخری دور میں بحیثیت شاعر ان کی حیثیت ایک استاد کی سی تھی - میر احسان علی خان تالپور ساکن راجوخانانی ان کے مشہور شاگردوں میں تھے - سید احمد شاہ خاکی ان کے خاص دوستوں میں سے تھے - سندھی اور فارسی میں اچھا شعر کہتے تھے لیکن اردو کلام پست ہے - ایک اردو غزل درج ذیل ہے -

اے دوستو دنیا میں اسی عشق نے ہم کو ، مردانہ پایا
اک بوسے کے لینے سے خفا ہو گئے مجھ پر جرمانہ بنایا

Marfat.com

کیا پیش نقد دل کو تیرے آگے جو ہم نے نذرانہ بنایا
قدرت نے بنائے تیرے دندان جوہر ایک ، دردانہ بنایا
اس نالہ شبگیر کے سنتے ہی تو ہم کو ، مستانہ بنایا
در روز ازل میرے اسی کاسہ سر کا ، پیمانہ بنایا
فرقت نے ترے درد کو برسوں سے ہمارا ، ہمخانہ بنایا
دنیا نے ترے نالوں کو سن سن کے اے مشتاق افسانا بنایا

Marfat.com

پیر مصطفےٰ صبغت اللہ شاہ ایرانی

(ولادت ۱۳۱۸ھ - ۱۹۰۰ء)

اعلیٰ حضرت معلیٰ مرتبت ، عالی منزلت ، پیر روشن ضمیر الحاج خواجہ مصطفےٰ صبغت اللہ شاہ ایرانی ظل سبحانی ادام اللہ ظلال افضالھم ، سرزمین سندھ کے ان زندہ و تابندہ علمی و روحانی بزرگان دین اور اکابر علم و ادب میں سے ہیں جنھوں نے خلق خدا کو خانقاہ کی مرمریں دیواروں میں اسیر رہنے کے بجائے میدان علم و عمل میں ظفر و کامرانی سے ہمکنار ہونے کا پیغام دیا ۔ حقیقت و معرفت کے شراب و ساغر سے مسرور و سرشار کیا ہے ۔

پورا نام خواجہ مصطفےٰ صبغت اللہ شاہ ہے ۔ حضرت پیر ایرانی کے نام سے ہر خاص و عام میں مشہور ہیں ۔

صبغت اللہ شاہ کے آبا و اجداد پشت ہا پشت سے دربار شاہی کے اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے ۔ ان کے والد مکرم حاجی علی آقا سرہنگ (متوفی ۱۳۲۴ھ) پہلے شاہی فوج کے منصب اعلیٰ پر فائز رہے ۔ اپنی خدمت و دیانت کے صلے میں خاندان قاچاریہ کے بادشاہ ناصر الدین شاہ شہید کے دربار میں وزیر خزانہ رہے ۔ پھر آذر بائیجان کے تین صوبوں کے گورنر مقرر ہوئے ۔ علی آغا سرہنگ نے اپنی حکمت علی ، دانشمندی اور انتظامی صلاحیتوں سے وہاں کی سرکش ، جنگجو اور سخت مزاج رعایا کو اس طرح مانوس کر لیا کہ وہ انھیں اپنا پیشوا اور بزرگ ماننے لگی ۔ بادشاہ ناصرالدین شاہ کی شہادت کے بعد وہ شاہی ملازمت سے مستعفی ہو گئے ۔ زندگی کا باقی حصہ خدمت خلق اور عبادت خالق دو جہان کے لیے وقف کر دی ۔[1]

---

۱ ۔ حیات صبغت اللہ (ص ۱۰ ، ۱۳) اردو ترجمہ حکیم ذوقی ناشر ادارہ

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

Marfat.com

پیر صبغت اللہ کے خاندان میں کئی پشتوں سے مفتی قاضی القضاۃ اور ارباب علم و کمال ہوتے چلے آئے ہیں ۔ ان میں اکثر اہل تصانیف اور بلند مرتبت علماء و مشائخ بھی گزرے ہیں[1] ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

المصطفے حیدرآباد ۱۹۶۹ء اس حقیر و فقیر رقم الحروف کی خوش قسمتی ہے کہ حضرت پیر ایرانی سے شرف نیاز حاصل رہا ہے ۔ آپ کے بارے میں کچھ حالات آپ سے ملاقاتوں کے دوران قلمبند کیے گئے ہیں اور کچھ مواد آپ کی سوانح عمری "حیات صبغت اللہ" سے سے اخذ کیا گیا ہے ۔ یہ امر فخر و مسرت کے ساتھ قابل ذکر ہے کہ جب اس کمترین نے آپ کی خدمت میں اپنے مقالے کی تیاری کے سلسلے میں اپنا مدعا بیان کیا تو آپ نے ہر طرح حوصلہ افزائی فرمائی اور کامیابی کے لیے دعا بھی ۔ نہ صرف نہ بلکہ از راہ شفقت و کرم اپنی کتابوں کا ایک سیٹ اور المصطفے کے کچھ خاص شمارے بھی عنایت فرمائے ۔ "حیات صبغت اللہ" کا جو آخری نسخہ آپ کے پاس محفوظ رہ گیا تھا وہ بھی عنایت فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا :

"وفا صاحب ! آپ کا علمی جذبہ دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوئی۔ حیات صبغت اللہ کا ایک نسخہ میرے پاس بچ گیا تھا وہ بھی میں آپ کی خدمت میں خوشی سے پیش کر ہوں" ۔

پھر آپ نے اس کتاب کے پہلے صفحے پر "عزیزم وفا راشدی کے لیے" تحریر فرما کر دستخط فرمائے ۔

"صبغت اللہ ایرانی ، حیدرآباد ۸۷-۳-۱۷"

۱ ۔ پیر صبغت اللہ کے نانا نوری خاندان کے ایک عظیم المرتبت فرد تھے۔ جن کی فارسی تصانیف ارباب سلطنت اور حلقہ سلوک کے لیے مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہیں ۔

حاجی ملک الواعظین اور حاجی سلطان الواعظین اس خاندان کے برگزیدہ افراد میں سے تھے جن کی تقاریر اور مواعظ ایران و

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

Marfat.com

صبغت اللہ شاہ کی بڑی ہمشیرہ محترمہ حضرت امام الفقرا ارشاد فرماتی ہیں کہ "ماہ ربیع الاول بروز جمعہ ۱۳۱۸ھ مطابق ۱۹۰۰ء کو بوقت سحر صبغت اللہ کی پیدائش ہوئی۔ اس وقت جنتی خواتین حاضر تھیں میں نے دیکھا کہ آپ کے ورودِ مسعود سے سارا گھر روشن ہے"۔ صبغت اللہ شاہ کے گیارہ بھائی اور بارہ بہنیں تھیں۔ بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ ان کے والد ان کی پیدائش سے بیحد مسرور و شاداں تھے۔ خاندان کے ہر فرد کو بشارت دیتے تھے:

"یہ بچہ عمر دراز پائے گا اور میرا جانشین ہو کر خاندان کا ایسا نام روشن کرے گا کہ سب چھوٹے بڑے اس پر فخر کریں گے۔ مطلع کیا گیا ہے کہ یہی آخری پسر مخلوق کا ہادی، گمراہوں کا رہنما اور بے کسوں مجبوروں کا مددگار ہو گا"۔

(حیات ص ۱۵)

پانچ سال کی عمر میں والد گرامی حضرت حاجی علی آقا سرہنگ قدس سرہ العزیز کا وصال ہوا تو ان کی بڑی ہمشیرہ (وفات ۱۹۵۸ء) نے پرورش کی۔ ان کی یہ بہن علم و فضل، سلوک و معرفت، زہد و

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

تہران کے عالی مرتبہ افسران اور علمائے عظام لیے سرچشمہ علم و ہدایت اور علم و حکمت کا خزانہ ہیں۔

صبغت اللہ کے ایک ماموں حضرت امام رضا کے دربار مشہد میں مسند نیابت و تولیت پر فائز تھے۔ بڑے پائے کے عالم اور بزرگ تھے۔ "وثوق النولنیہ" (بمعنی صاحب ولایت معتبر) کے خطاب سے سرفراز کیے تھے۔

دوسرے ماموں آقای انتظام الحکماء سلطنت قاچاریہ کے شاہی طبیب تھے۔ ایران کی شرطیت یعنی پارلیمانی حکومت کے رکن اعلیٰ تھے۔ آخر وقت میں شمالی ایران کے بڑے صوبہ استرآباد کے گورنر بھی رہے ان کے حسن تدبر و حسن خدمات کے اعتراف میں حکومت ایران نے انھیں انتظام الملک کا خطاب تفویض کیا تھا۔

(حیات صبغت اللہ، ص ۱۹، ۲۰)

Marfat.com

تقویٰ اور صبر و قناعت میں اپنی مثال آپ تھیں ۔ ان کے ماموں انتظام الحکماء نے اپنی اولاد کی طرح نگہداشت کی اور انتہائی شفقت و محبت سے ان کی تعلیم و تربیت کے فرائض انجام دیے ۔ صبغت اللہ نے سات سال کی عمر میں قرآن حکیم ختم کیا ۔ پھر دینیات ، تفاسیر قرآن ، حدیث ، علم آداب اور علوم شرعیہ پر عبور حاصل کیا ۔ غیر معمولی ذہانت ، جودت طبع ، فراست ذہنی اور علم ریاضی پر مہارت رکھنے سے اعزا و اقارب، اساتذہ و علماء سب ہی حیران رہتے تھے ۔

صبغت اللہ اپنے ماموں انتظام الحکماء (سال وفات ۱۳۳۲ھ) کی مجلسوں اور صحبتوں میں رہ کر نہ صرف آداب مجلس سے بہرہ ور ہوئے بلکہ دنیاوی امور ، امور سلطنت ، اسرار سیاست ، تہذیب و تمدن اور ثقافت و معاشرت میں تجربات حاصل کیے ۔ ماموں کے عہد گورنری میں صوبہ استرآباد (ایران) کے دوران قیام ان کی نگرانی میں نہ صرف علوم ظاہری سے آراستہ ہوئے بلکہ تصوف و روحانیت کی لازوال نعمتوں سے بھی مالا مال ہوئے ۔ اسی زمانے میں اپنی عمر عزیز کے تمام تر لمحات خدائے ذوالجلال کے اسرار و رموز سے آشنائی و آگہی کے لیے وقف کر دیے ۔

صبغت اللہ شاہ سلطنت قاچاریہ پر رضا شاہ پہلوی[1] کے تسلط کے بعد سلطنت پہلوی میں ۱۳۳۸ھ (۱۹۱۹ء) میں پہلے فوج کے شعبہ محاسبات

---

۱ - ۱۳۹۹ھ (۱۹۷۹ء) کے آغاز میں پہلوی خاندان کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ شہنشاہ وقت رضا شاہ پہلوی جلا وطن ہو گئے ۔ سابق شہنشاہ ایران نے طویل کربناک علالت کے بعد ۱۹۸۰ء میں مصر میں انتقال کیا ۔
ایران کے ممتاز مذہبی رہنما و پیشوا حضرت آیت اللہ خمینی نے ۱۵ سال کی جلا وطنی کے بعد پہلوی حکومت کا تختہ الٹ دیا ۔ اب حضرت خمینی کی سربراہی میں ایران نے ایک نئے اسلامی دور کا آغاز کیا ہے ۔ بین الاقوامی سیاست کے نقطہ نگاہ سے ایران میں امریکہ کا زور ٹوٹا اور روس کا اثر قائم ہوا ۔

Marfat.com

کے نائب اول اور بعد میں فوج حملہ کے اعلیٰ افسر کے عہدے پر فائز ہوئے لیکن دربار شاہی اور دنیاوی جاہ و حشمت سے طبیعت اچاٹ ہو گئی اور دربار الٰہی سے شرف باریابی کے لیے بیتاب ہوئے۔

۱۳۵۲ھ - (۳۴ - ۱۹۳۳ء) میں تہران کے عارف باللہ حضرت آقای شمس العرفاء سے شرف بیعت حاصل کیا ۔ ایک سال کی مشق و ریاضت کے بعد پیر طریقت نے ہدایت فرمائی :

"بچہ مصطفےٰ ! تمہارے لیے ترک وطن کر کے ہندوستان کا سفر کرنا ناگزیر ہے ۔ تمہاری قسمت کا خزانہ اور حصے کی دولت وہاں رکھی گئی ہے ۔ تم ہندوستان جاؤ اور وہ خزانہ اور دولت حاصل کرو" ۔

صبغت اللہ شاہ نے اللہ اور اس کے دین کی خاطر شاہی شان و شوکت اور آرام و آسائش سب کچھ ترک کر کے اپنا وطن چھوڑا ۔ دور دراز کا سفر کیا ۔ صعوبتیں جھیلیں ، ہندوستان پہنچ کر موہڑہ شریف (کوہ مری کے دامن میں کشمیر پوائنٹ کے نشیبی علاقے میں واقع ہے) کے سجادہ نشین حضرت خواجہ محمد قاسم کیانی موہڑوی کے دامن فیض سے وابستہ ہوئے ۔ وہاں چار سال کے قیام کے بعد دو سلسلے نقشبندیہ اور سہروردیہ کی تکمیل کی ۔ اپنے پیر و مرشد کے حکم سے ایران واپس تشریف لے گئے ۔ وہاں سے اپنی چھوٹی ہمشیرہ کے ہمراہ دوبارہ موہڑہ شریف واپس آئے ۔ اس مرتبہ ساڑھے تین سال قیام کیا ۔ حقیقت و معرفت ، شریعت و طریقت کے اسرار و رموز سے آگہی حاصل کی ۔ میر طریقت نے صبغت اللہ شاہ کو اپنا خلیفہ اعظم اور جانشینی کی مسند جلیلہ پر فائز کیا اور ارشاد فرمایا :

"میرے عزیز ! پہلے تم کو سلسلہ نقشبندیہ اور سہروردیہ میں اجازت دی تھی ۔ اب سلسلہ چشتیہ اور قادریہ میں بھی تم مقامات طے کر کے حد کمال کو پہنچے ہو ۔ ان دونوں سلسلوں میں بھی تم کو اجازت دیتا ہوں ۔ میں صوبہ سندھ کی ولایت تمہارے سپرد کرتا ہوں ۔ سندھ کا ایک متوسط شہر تمہارا مرکز ہو گا

Marfat.com

اپنی مسند رشد و ہدایت پر قائم ہو جاؤ ۔ اچھی زندگی بسر کرو گے ۔ بے شمار مخلوق فیضیاب ہو گی ۔ سندھ کے عوام سادہ لوح اور کم آمیز ہیں'' ۔

(حیات ، ص ۶۹)

موہڑہ شریف سے خلافت و اجازت حاصل کرنے کے بعد جہلم کے راستے ۱۹۳۹ء میں روہڑی میں وارد ہوئے ۔ سکھر میں ایک سال قیام پذیر رہے پھر حیدرآباد میں مستقل سکونت اختیار کی ۔ پیر صبغت اللہ ایرانی ایران سے سندھ تک جہاں بھی تشریف لے جاتے وہاں کی مسجدوں میں پابندی سے نمازیں ادا کرتے جمعہ کے روز خطبات دیتے ۔ درس و تدریس ، وعظ و ہدایت کے ذریعے خاص و عام کے دلوں کو روح ایمانی اور نورِ روحانی سے بھر دیتے ۔ ان کی زبان میں اتنی تاثیر ، الفاظ میں ایسا اثر ، آواز میں ایسا جادو اور شخصیت میں ایسی کشش و دلآویزی ہے کہ ہر شخص ان کا شیدا و گرویدہ ہو جاتا ہے ۔ آج ہندوستان و پاکستان کے طول و عرض میں ان کے ہزاروں مرید ، عقیدتمند اور فیض یافتگان جادہ سلوک و معرفت اور راہ حقیقت و صداقت پر گامزن ہیں ۔

صبغت اللہ شاہ کی رشد و ہدایت کا شروع سے ایک خاص معمول رہا ہے ۔ وہ ان کے خلیفہ حکیم ذوق مصطفائی الہ آبادی کی زبانی سنیے :

''ہمارے اعلیٰ حضرت کا عرصہ دراز سے دستور ہے کہ بعد نماز مغرب اپنے مریدین و معتقدین کو نورانی حلقے میں لے کر مراقبہ فرماتے ہیں اور بعد مراقبہ ان کے درجات و مقامات کے موافق علوم و عرفان کی وہ موشگافیاں کرتے اور جذب و سلوک پر اس طرح روشنی ڈالتے ہیں کہ باتوں ہی باتوں میں منازل قرب طے ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں اور ایک سالک ساعتہً اپنے آپ کو بڑھتا ہوا محسوس کرتا ہے'' ۔

(ضیائے مصطفائی ، ص ۱ - ۲)

صبغت اللہ شاہ کی یہ تمام تقاریر مواعظ اور ملفوظات مینائے مصطفائی دور اول و دوم اور میکدہ مصطفائی میں محفوظ و موجود ہیں ۔

Marfat.com

صبغت اللہ شاہ کی زندگی عبادت ، خدمت اور عمل سے عبارت ہے ۔ کئی مسجدیں تعمیر کروائیں ۔ کئی مدارس قائم کیے اور آج تک یہ سرچشمہ علوم و معارف جاری ہے ۔ اعزاز و افتخار کے ساتھ ریاضات و مجاہدات اور محفل مراقبات میں یکساں جمعیت کے ساتھ منہمک رہتے ہیں ۔ اہل و عیال کی تعلیم اور دوسروں کی پرورش و نگہداشت و دستگیری کے فرائض بھی بحسن و خوبی انجام دیتے رہے ہیں ۔

پیر ایرانی کے درس و تدریس ، رشد و ہدایات ، تقاریر و خطبات کا انداز اس قدر دلچسپ ، دلآویز اور مسحور کن ہے کہ ہزاروں انسان کفر و الحاد ، گمراہی و تاریکی کے بجائے نیکی و صداقت ، اخلاص و محبت ، توحید و رسالت کی راہ پر گامزن ہوئے ۔ کتنے ہی انسان ایسے ہیں جو کفر و شرک کی زندگی کو خیرباد کہہ کر مشرف بہ اسلام ہوئے ۔ ان میں کچھ خواتین بھی ہیں ۔ ان خواتین میں مسز نوروز[۴]

---

۴ ۔ حضرت پیر ایران کی ہمشیرہ محترمہ حضرت امام الفقرا دام ظلہا اپنی کتاب میں بیان فرماتی ہیں :

''مسز نوروز جو خواتین کے لیے آنریری مجسٹریٹ تھیں بڑے اعتقاد کے ساتھ حضور کی خدمت میں حاضر ہوتی تھیں ۔ پہلی مرتبہ جب وہ آئیں تو حضور نے ان کے حسن ظاہری میں ارشاد فرمایا— ''کاش آپ کا باطن یعنی قلب و روح بھی ایسے ہی حسین و نورانی ہوتے'' انھوں نے اس بات کی مزید وضاحت چاہی تو فرمایا — ''آپ کے دل میں صفائی اور روح میں روشنی نہیں ہے'' ۔ انھوں نے کہا میں کیا میں کیا کروں کہ صفائی اور روشنی پیدا ہو جائے ۔ آپ نے فرمایا — ''کلمہ پڑھو اور برابر پڑھتی رہو ۔ یہ دونوں چیزیں بھی تم کو حاصل ہو جائیں گی'' وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئیں تو حضور نے فرمایا ''اس حسین صورت اور نازک جسم کو دوزخ میں نہیں جلنا چاہیے تھا ۔ اللہ نے اسے آگ سے بچا لیا'' ۔

(حیات صبغت اللہ ، ص ۱۰۶)

Marfat.com

(آنریری مجسٹریٹ) نامی ایک پارسی خاتون بھی ہیں جنھوں نے پیر صاحب کی ہدایت پر ان کے دست مبارک پر قبول اسلام کا شرف حاصل کیا ۔

پیر صبغت اللہ شاہ اپنی تمام مصروفیات کے باوجود ادب پروری و شعر نوازی کے لیے کچھ نہ کچھ وقت نکال ہی لیتے ہیں ۔ عربی و فارسی علوم و ادبیات کا وسیع مطالعہ ہے ۔ فارسی ان کی مادری زبان ہے ۔ جب تلاش حق اور جستجوئے معرفت میں ترک وطن کر کے پاکستان تشریف لائے تو اردو سے قطعی نابلد تھے ۔ یہ اللہ کی شان اور ان کی کراست ہے کہ ساڑھے سات سال موھڑہ شریف اور ایک سال سکھر میں رہ کر پنجابی اور اردو سے اچھی طرح واقف ہو گئے ۔ بعد میں ذاتی مطالعہ اور کوششوں سے اتنی استعداد حاصل کر لی کہ نہ صرف سلیس اور صاف ستھری اردو میں گفتگو کرنے لگے بلکہ اس زبان میں شعر کہنے لگے اور مضامین لکھے ۔

اگرچہ شاعری کے لیے ولایت لازمی نہیں لیکن ولایت کے لیے شاعری لازم ہے اس لیے شاعری کو جزو پیغمبری بھی کہا گیا ہے ۔ اکثر و بیشتر اولیائے کرام مشائخ دین نے شاعری کو اپنی تعلیمات و پیغامات کے ذریعے اظہار بنایا ہے ۔ اسی خیال کے پیش نظر مصطفےٰ نے بھی اشعار کے ذریعے پیغام دیا ہے ۔

ان کی بے پناہ علمی و ادبی خدمات کا یہ اہم پہلو ہے کہ انھوں نے خدمت شعر و ادب کے ایسے نقوش ثبت کیے ہیں کہ ان نقوش و خطوط سے ان کی علم دوستی، ادب پروری اور شعرنوازی کی بہت سی خوبصورت اور دلنواز تصویریں بنائی جا سکتی ہیں ۔ ان کی سرپرستی میں "ادارہ المصطفیٰ" گنج بخش پیر حیدرآباد) عالم وجود میں آیا ۔ اس ادارے کی نشر و اشاعت کے تمام اخراجات صبغت اللہ شاہ خود اپنی جیب سے برداشت کرتے ہیں ۔ اس ادارے کے تحت ماہانہ "المصطفیٰ" جاری ہوا جو چھ سال تک شائع ہوتا رہا ۔ یہ جریدہ ادبی اخلاقی و روحانی اقدار کا حامل تھا ۔ حکیم ذوق مصطفائی الہ آبادی مرحوم اس کے مدیر مسئول اور منشی صلاح الدین مصطفائی مدیر منتظم تھے ۔ "المصطفیٰ" کا اجراء بلا شبہ اس کفر و الحاد کے دور میں اذان دینے کے مترادف تھا ۔ "ادارہ

Marfat.com

المصطفٰی'' کے زیر اہتمام شعبہ تصنیف و تالیف بھی قائم ہے جس کی جانب سے کئی علمی و دینی کتابیں مثلاً ''حیات صبغت اللہ'' ''مینائے مصطفائی'' (حصہ اول و دوم) مرتبہ حکیم ذوق اور''میکدہ مصطفائی'' جلد اول مرتبہ پروفیسر علی نواز جتوئی شائع ہو چکی ہیں ۔ ادارہ المصطفیٰ کے زیر انتظام مصطفٰی لائبریری کے نام سے ایک کتب خانہ بھی موجود ہے ۔ مولانا عبدالجبار صدیقی اس کے اعزازی مہتمم ہیں ۔

ذوق شعر و شاعری کا یہ عالم ہے کہ صبغت اللہ شاہ کے رحمت کدے پر مدتوں ماہانہ مشاعرے منعقد ہوتے رہے ۔ بعض وجوہ کی بنا پر اب یہ سلسلہ منقطع ہے ۔ اب سال میں تین مرتبہ علمی و ادبی نشستیں اور محفلیں منعقد ہوتی ہیں جن میں مخصوص شعرائے کرام اور ارباب علم و فکر شرکت کرتے ہیں ۔ اس طرح شعر و ادب کی خاموش خدمت جاری ہے ۔

صبغت اللہ شاہ المتخلص بہ مصطفیٰ کو شاعری سے فطری لگاؤ رہا ہے ۔ فارسی میں شروع سے شعر کہتے ہیں ۔ ان کا کچھ فارسی کلام ''حیات صبغت'' کے آخری حصہ میں شامل ہے ۔

فارسی کلام کی طرح ان کا اردو کلام بھی حسن و عشق کے حقیقی کیف و تاثر کا آئینہ دار ہے ۔ ان کے شعروں میں حقیقت و معرفت اور علوم و معارف کا کسی نہ کسی پہلو سے پیغام ملتا ہے بطور مشتے نمونہ از خروارے مختصر سا انتخاب درج ذیل ہے جس سے ان کی ژرف نگاہی ، حسن کلام ، حسن خیال اور معنی آفرینی کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے :

کعبے سے گئے مسجد اقصیٰ شب معراج
ہر شے تھی نظر گاہ تمنا شب معراج
مستغنیِ احساس رہا عشق وہاں سے
ٹھہری تھی جہاں عقل خجستہ شب معراج
اب عہدہ بر آخواہش دیرینہ سے ہو جائیں
دیں روح امین تلووں کو بوسہ شب معراج
نبضِ دوجہاں ڈوب گئی تھی شب اسریٰ
ابواب سماوات ہوئے وا شب معراج

Marfat.com

اے مصطفیٰ پہنچی ہے نظر حسن یقیں تک
ایمان محبت ہوا تازہ شب معراج

طور جس کے حریم خانے میں
دل وہ منزل ہے اس زمانے میں
قلب مرد خدا وہ گوہر ہے
جس کا ثانی نہیں خزانے میں
میں توکرتا ہوں طوفِ خانہ دوست
اور دل ہے درون خانے میں
عالم قلب مصطفیٰ کیا ہے ؟
کیا بیاں اس کا ہو فسانے میں

اشک آنکھوں سے نکل کر بہہ گئے جانے کہاں
آج بکھرے ہیں مری تسبیح کے دانے کہاں
جن کے قدموں میں خرد تھی جن کی نظروں میں جنوں
اب وہ دیوانے کہاں ہیں اب وہ فرزانے کہاں
اے جمال خاص تو ہے منتہائے آرزو
شمع محفل چھوڑ کر جائیں گے پروانے کہاں
ہم نے شاخ برق پر اپنے بنائے آشیاں
یہ نہ ہوتی تو بناتے اپنے کاشانے کہاں
مصطفیٰ اب بھی ہے تشنہ ساقی دانائے راز
جب کہ مینا میں ہے مے جائیں گے مستانے کہاں

صبغت اللہ شاہ ایرانی نہ صرف عربی زبان اور عربی ادب سے واقف ہیں بلکہ اس زبان اور ادب پر ناقدانہ نظر رکھتے ہیں ۔ انھوں نے بیشتر عربی ادبیات اور شہ پاروں کے اردو ترجمے کئے ہیں ۔ شیخ عارف حضرت ابو الفضل تاج الدین احمد سکندری کی عربی کتاب ''کتاب الحکم'' جو (جو علم توحید اور عبد و معبود کے معاملے کے بیان میں ہے) کا اردو

Marfat.com

میں نہایت صاف اور سلیس ترجمہ کیا ہے ۔ یہ ترجمہ ۷۸ - ۱۹۷۷ء کے ''المصطفیٰ'' میں بالاقساط شائع ہو چکا ہے۔ بعض مقامات پر عربی الفاظ و محاورات کی اردو میں تشریح و تصریح بھی کی گئی ہے ۔ اس ترجمے سے حضرت پیر ایرانی کے ذوق تفسیر ، عربی دانی ، عربی فہمی اور اردو زبان میں فن ترجمہ پر دسترس کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے ۔

پیر صبغت اللہ ایرانی کی کوئی مستقل تصنیف اردو میں نہیں ہے ۔ اس کا سبب یہ ہے کہ عبادت و ریاضت، درس و تدریس اور دیگر ملی علمی و قومی مشاغل سے اتنی مہلت نہیں ملتی کہ باقاعدہ تصنیف و تالیف کا کام کر سکیں ۔ البتہ مسجدوں میں ان کے خطبات ، نجی و دینی مجالس میں ان کی تقاریر ، ارشادات و ملفوظات ، نکات ، معرفت ، فلسفہ تصوف اور حقائق و معارف کے مختلف اہم پہلوؤں پر حاوی ہوتے ہیں ۔ ان کا ایک ایک خطبہ اور ایک ایک تقریر علمی و دینی اعتبار سے گنج گراں مایہ ہے ۔ ان کی کچھ تقریریں اور مواعظ ٹیپ ریکارڈر کے ذریعے محفوظ کیے گئے ہیں جن کو حکیم ذوق مرحوم نے کتابی صورت میں مینائے مصطفائی ۱۹۶۰ء میں ادارہ المصطفیٰ کی جانب سے شائع ہو چکی ہے ۔

دوسری کتاب ''میکدہ مصطفائی' (مطبوعہ ادارہ المصطفیٰ ، حیدرآباد ۱۹۶۵ء) میں پیرایرانی کی وہ تقاریر ہیں جنھیں پروفیسر علی نواز جتوئی (سابق صدر شعبہ سندھی جامعہ سندھ) نے مراقبہ کے بعد نوٹ کیا اور بعد میں کتابی شکل دی ۔

تیسری کتاب ''صبغت اللہ یعنی رنگ ربانی ہے ۔ غیرمطبوعہ ہے اسے بھی پروفیسر جتوئی نے ترتیب دیا ہے ۔ اس کے بارے میں جتوئی لکھتے ہیں :

> ''اس خاکسار کے پاس نوٹس کی دو تین کاپیاں اور بھی ہیں اور اس اعلیٰ تعلیمات کے چند جواہر سینے کے صندوقچے میں بھی محفوظ ہیں جن کو جب بھی میں نے کسی کے سامنے پیش کیا ہے وہ حضور پرنور پر فریفتہ ہو گیا اگر خدا نے چاہا تو ان جواہرات کو ترتیب دے کر کتابی صورت میں شائع کیا جائے گا'' ۔ (دیباچہ میکدہ مصطفائی ، ص ۷)

Marfat.com

پیر ایرانی کی تمام کتابوں کے مندرجات فکر و تخیل کو ایسی بصیرت اور وسعت عطا کرتے ہیں جو اب تک دیگر کتب تصوف میں اس تفصیل و تشریح کے ساتھ نظر نہیں آتی ۔ بلا شبہ یہ کتابیں راہ سلوک و تصوف میں مشعل ہدایت کی حیثیت رکھتی ہیں ۔

پیر ایرانی وقتاً فوقتاً اصلاحی نگاہ سے اردو میں مقالات و مضامین لکھتے رہے ہیں جو ماہنامہ المصطفیٰ حیدرآباد میں شائع ہو چکے ہیں ۔ ان مقالات سے ان کی اردو نثر نگاری کا اندازہ کیا جا سکتا ہے ان کا اسلوب سادہ اور معنویت سے پر ہے ۔ ایک ایک نکتہ کو وضاحت سے بیان کرتے ہیں ۔ طرز نگارش موثر اور دلچسپ ہے ۔ بطور نمونہ نثر ان کا ایک مقالہ بعنوان "ادب و شعر" کا اقتباس پیش کیا جاتا ہے جس کے مطالعہ سے واضح ہو گا کہ پیر ایرانی کا نظریہ شعر و ادب کیا ہے ۔ ان کے نزدیک ادباء و شعراء ، جرنلسٹ اور دیگر اہل قلم کا قومی تعمیر میں کیا کردار ہونا چاہیے ۔

ادب و شعر

جب ایک قوم کے جذبات و احساسات ارتقا کی طرف مائل ہوتے اور اس کے ادبا و شعراء کا کلام ان جذبات و احساسات کا صحیح مظہر بنتا ہے تو قوم کے ادبیات میں حیات کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں وہ قوم ترقی و عروج ، آزادی و خوشحالی ، تعمیر و تعاون ، صلح کوشی اور امن پسندی کی طرف گامزن ہوتی ہے اور علم و عمل کے میدان میں چھلانگ لگا کر حیات جاوید حاصل کرنے کے لیے تیزی سے آگے بڑھتی ہے ۔ صاحبان شعور اور قوم کے نبض شناس ادباء و شعراء (اہل قلم اور صحافت نگار حضرات) اپنے آتش بار قلم سے قوم کے افراد کو حصول ارتقا کے لیے زیر پا بناتے اور ان کو منزل مقصود تک پہنچا کر ہی دم لیتے ہیں۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک قومی نظریات صورت کاملہ میں تبدیل نہیں ہو جاتے اس سے ہم آسانی کے ساتھ یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ ادباء و شعراء کے ارتعاش قلم میں ارتقائے قومی کی خلاقیت مضمر ہے لیکن اگر یہی ادباد و شعراء عیش و بزم ، طاوس و رباب ،

Marfat.com

ہزل و لغو ، ساغر و مینا اور ناکام عاشقوں کی خود کشی اور آہ و زاری کو شیوہ تحریر بناتے ہیں تو وہ قوم بام عروج سے قعر مذلت اور تخت محمود سے کلبہ ایازی میں پہنچ جاتی ہے ۔

ہم دیکھتے ہیں کہ موجودہ ماحول میں ہمارے اہل قلم حضرات کا وہ رخ نہیں جس پر علامہ اقبال ، سرسید احمد اور مولانا ظفر علی خاں کی نگاہ پڑتی تھی ۔ اس کا لازمی اثر یہ ہے کہ ہمارے نوجوان انہی بے منزل و بے مقصد اہل قلم کی اتباع میں قومی تعمیر کے راستے پر گامزن نہیں ہیں بلکہ عیش خانوں ، تفریح گاہوں اور کھلی شاہراہوں پر آوارہ پھرنے اور کوئی نہ کوئی فرضی لیلٰی ڈھونڈ نکالنے کی مجنونانہ مشق کر رہے ہیں ۔ شہری دفاع ، سپاہیانہ نشانہ گیری ، کسرت و ورزش ، تعلیم و صنعت اور نئی دنیا کی ایجادات جدیدہ کی طرف توجہ کرنے کے باب میں اگرچہ نوجوانوں کی معمولی تعداد سے یہ قوم محروم نہیں لیکن وہ ہمہ گیر میلانات جو قوم کی اکثریت کو تربیت ذہنی اور حیات تازہ کی طرف رہنمائی کریں مفقود سی نظر آتی ہے ۔ کیا اس کی تمام تر ذمہ داری اہل قلم ادباء و شعراء اور صحافی حضرات پر نہیں ہے ؟

آہ ! جب تک وہ روشن خیال اور میزان کردار و اخلاق نہ بن جائیں قوم کے لیے باعث رحمت نہیں بن سکتے ۔ ان سے قوم کی اجتماعی اقدار کو نقصان پہنچنے کے سوا اور کوئی فائدہ متصور نہیں کیا جا سکتا ۔ ہم وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ جب اسلام انفرادیت کا نام نہیں کیا جا سکتا تو ہمارے ادباء و شعراء بھی اجتماعی مفاد سے دور رہ کر امن و سلامتی کی راہ نہیں پا سکتے'' ۔

(ماہنامہ المصطفٰی حیدرآباد ۔ شمارہ جمادی الاول ۱۳۷۷ھ
دسمبر ۱۹۵۷ء ، ص ۱۵ ، ۱۶)

Marfat.com

مخدوم امیر احمد

(۱۳۲۱ - ۱۳۹۱ھ/۱۹۰۱ - ۱۹۷۱ء)

استاذ العلماء الحاج حافظ مخدوم امیر احمد قریشی ہاشمی مطلبی کا شمار سرزمین سندھ کے چوٹی کے علمائے دین اور اساتذہ کرام میں ہوتا ہے۔ ان کا تعلق کھوڑا (کھہڑا) تعلقہ گمبٹ ریاست خیر پور میرس کے اس عالی نسب و عالی مرتبت مخدوم[1] خاندان سے ہے جس نے وادی سہران

۱۔ خانوادہ مخدوم۔

مخدوم ذات نہیں ، لقب ہے۔ یہ لفظ دراصل ''مخدوم الملک'' کا مخفف ہے۔ خانوادہ مخدوم کے لوگ سندھ کے متعدد مقامات مثلاً ہالا ، پاٹ ، سیونہن ، روہڑی ، بویک ، محمد پور ، ٹھٹھہ اورکھوڑہ وغیرہ میں سکونت پذیر ہیں اور یہ لوگ مختلف ذاتوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ مخدوم عبدالروف ہالہ قدیم کے ذات کے بھٹی، مخدوم عبدالرحیم گرہوڑی ذات کے منگریہ ، مخدوم بلاول (بویک والے) ذات کے سمہ، ہالہ (جدید) اور پاٹ کے مخدوم صاحبان ذات کے صدیقی ہیں۔ کھوڑا کے مخدوم ہاشمی و مطلبی ہیں اور مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی ذات کے پتوہر تھے۔

کسی زمانے میں ٹھٹہ کے چار مخدوم خاندان علم و عرفان اور تصوف و شریعت میں امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔

۱۔ مخدوم ابوالقاسم نقشبندی کا خاندان جو نقشبندی طریقت کا مبلغ تھا۔

۲۔ علامہ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی جن کی ذات بابرکات پورے سندھ کے لیے مرجع خلائق تھی۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

Marfat.com

میں اسلام کی سربلندی اور توحید و رسالت کی تبلیغ و اشاعت میں مثالی خدمات انجام دی ہیں ۔

حضرت ابراہیم شہید اس خانوادہ مخدوم کے مورث اعلیٰ تھے ۔ وہ ۲۲۸ھ میں بغرض اشاعت اسلام بغداد سے سندھ تشریف لائے اور مضافات حیدرآباد (جو اس زمانہ میں نیرون کوٹ کے نام سے موسوم تھا) میں بود و باش اختیار کی ۔ حضرت ابراہیم شہید کی اولاد میں سے ایک بزرگ سیدنا محمد بن سیدنا یحییٰ کو ''مخدوم الملک'' کے اعلیٰ لقب سے ملقب کیا گیا تھا ۔ اس وقت سے اس خاندان کے افراد ''سید'' کے بجائے ''مخدوم'' کہلانے لگے ۔

ان مخدوموں کے ایک دوسرے بزرگ مخدوم اسد اللہ نیرون کوٹ (موجودہ حیدرآباد) سے ۹۰۱ ھجری میں نقل مکانی کر کے خیرپور کے ایک نواحی قریہ ''پیری'' میں اقامت پذیر ہوئے ۔ پھر مخدوم اسد اللہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

۳ ۔ میر احسن اللہ اور میر نظر علی نے رشد و ہدایت سے ایک عالم کی خدمت کی ۔

۴ ۔ مخدوم ابراہیم خلیل نقشبندی کا خاندان علوم معقول و منقول اور تصوف و طریقت میں یگانہ تھا ۔ خاندان مخادیم کے تذکروں میں یہ موجود ہیں ۔

(۱) تاریخ تحفة الکرام ۔
(۲) بذل القوة فی حوادث سنین النبوة ۔ مولفہ علامہ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی (عربی) ۔
(۳) پیغام شاہ از جی ایم سید ۔
(۴) تاریخ سندھ (حصہ ششم عہد کلہوڑہ) از مولانا غلام رسول مہر ۔
(۵) تذکرہ مخادیم کھہڑا (قلمی) مولانا مخدوم اللہ بخش عاصی کھہڑوی مملوکہ سندھ یونیورسٹی لائبریری ۔

Marfat.com

کے پڑپوتے مخدوم عبدالخالق نے ''پیری'' سے بیس میل مغرب کی جانب کھوڑا[1] نامی قصبہ میں سکونت اختیار کی۔

مخدوم امیر احمد کا سلسلہ نسب حضرت مخدوم عبدالرحمن شہید کے واسطے سے حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے:

''مخدوم امیر احمد بن مخدوم احمدی بن مخدوم عظمت‌اللہ بن مخدوم احمدی بن مخدوم محمد عاقل ابن مخدوم احمدی بن مخدوم عبدالرحمن شہید۔۔۔۔ حضرت عبداللہ بن عباس عم النبی علیہ الصلواۃ والسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ (سوانح مخدوم عبدالرحمن شہید بحوالہ مہران سوانح نمبر، ص ۲۳۳)۔

مخدوم امیر احمد ۱۳۲۱ھ (۱۹۰۱ء) قصبہ کھوڑا تعلقہ گمبٹ ضلع خیرپور میں تولد ہوئے۔

مخدوم امیر احمد کی ابتدائی تربیت ان کے صاحب علم و کمال ماموں مخدوم اللہ بخش عاصی[2] کے سایہ عاطفت میں ہوئی۔ مخدوم صاحب بارہ برس کے سن میں تھے کہ ان کے ماموں جوار رحمت میں جا پہنچے۔

۱۔ کھوڑا۔

(کھوڑا) تعلقہ گمبٹ ریاست خیرپور میرس کا ایک قصبہ ہے۔ کھوڑا اس قبیلہ کا نام ہے جس نے اس قصبہ کو پہلے پہل گاؤں کی شکل میں بسایا اور خود بھی اس میں آباد ہوا۔ اس قبیلہ کی مناسبت سے اس گاؤں کا نام کھوڑا پڑ گیا۔ تحریک پاکستان کے مشہور رہنما قائد اعظم کے رفیق کار سندھ کے عظیم سیاست دان محمد ایوب کھوڑو بھی اسی قبیلے اور اسی قصبے سے تعلق رکھتے ہیں۔

۲۔ مخدوم اللہ بخش عاصی۔

مخدوم عطا محمد معروف بہ مخدوم اللہ بخش عاصی کھوڑوی (المتوفی ۲ رجب ۱۳۳۵ھ) کھوڑا (ریاست خیر پور) کے مشہور ولی اللہ مخدوم عبدالرحمن شہید کی اولاد میں سے تھے۔ اس خاندان

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

Marfat.com

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کا علمی و روحانی فیضان پورے سندھ میں آج تک جاری و ساری ہے ۔ مخدوم اللہ بخش کے والد ماجد مخدوم محمد عاقل کئی علمی و دینی کتابوں کے مصنف تھے جن میں تاریخ عالم موسوم بہ ''آئینہ جہاں نما'' ریاض محفل ، تفسیر پارہ عم اور مسائل فقہ حنفی وغیرہ قابل ذکر ہیں ۔

مخدوم اللہ بخش عاصی ریاست خیرپور میرس کے نامور عالم تھے ۔ علمی ادبی و قانونی اعتبار سے ایک خاص مرتبہ کے حامل تھے ۔ وہ ایک باکمال انشاء پرداز ، بلند پایہ مقرر و خطیب بھی تھے ۔ مسجدوں اور علمی مجلسوں میں ان کی تقاریر اور خطبات پر تاثیر اور مسحور کن ہوتے تھے ۔

عربی ، فارسی ، انگریزی ، سندھی اور اردو زبانوں پر پورا پورا عبور رکھتے تھے ۔ ان سب زبانوں میں ان کی تحریریں ملتی ہیں ۔ تفسیر ، حدیث ، فقہ اور دیگر علمی و دینی مباحث پر ان کی متعدد تصنیفات و تالیفات موجود ہیں ۔ چند کے نام یہ ہیں :

(۱) تفسیر تسہیل القرآن (سندھی) ۔
(۲) رسول اللہ کا علم غیب (سندھی) ۔
(۳) ایسا غوجی ، منطق (فارسی) ۔
(۴) تذکرہ مخادیم کھوڑا (فارسی) ۔

مخدوم عربی ، فارسی ، سندھی اور اردو کے قادر الکلام شاعر اور ادیب تھے ۔ عاصی تخلص کرتے تھے نعت اور غزل میں کمال رکھتے تھے ۔ مخدوم عاصی کی ایک معرکہ آرا نعت اس خصوصیت کی بنا پر مشہور ہے کہ یہ بیک وقت چار زبانوں میں کہی گئی ہے ۔ ہر بند کے چار مصرعوں کا پہلا مصرعہ فارسی میں دوسرا سندھی اور تیسرا اردو اور چوتھا عربی میں ہے ۔ نعت گوئی کا یہ منفرد انداز عاصی کی شاعرانہ عظمت کا ایک نمونہ ہے ۔ چند بند نذر قارئین ہیں :

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

Marfat.com

مخدوم امیر احمد نے ۱۹۱۲ء سے ۱۹۱۶ء تک مقامی اسکول میں سندھی اور انگریزی کی تعلیم حاصل کی لیکن فرنگیوں کی زبان (انگریزی) کو اپنانے کے لیے ان کی طبیعت مائل نہیں تھی اس لیے انھوں نے انگریزی پڑھنا ترک، کر دیا لیکن بعد میں جب عملی زندگی کے دوران انگریزی سے واقفیت لازمی محسوس ہوئی تو انھوں نے اپنے طور پر انگریزی پڑھنے لکھنے کی اتنی استعداد حاصل کر لی کہ انگریزی میں بہترین خط و کتابت اور ڈرافٹنگ کر سکتے تھے۔

مخدوم صاحب بچپن سے نہایت ذہین ذکی طبع اور نیک واقع ہوئے تھے۔ ایام تعلیم میں ہمیشہ پوزیشن حاصل کرتے جس کے باعث انھیں ریاست خیرپور کی جانب سے تعلیم کے اخراجات کے لیے وظیفے ملتے تھے۔

۱۹۱۶ء میں سردار محمد ابراہیم شیخ کے ناز ہائی اسکول خیرپور میں داخل ہوئے لیکن تھوڑے ہی دنوں میں والدین نے انھیں اسکول سے اٹھا لیا اور حافظ محمد سلیمان کے حوالے کر دیا جن سے مخدوم صاحب نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

۱۔ تو براوج فلک چو گشتی شہا — سب چون ملائک صلی علیٰ
کیا خوب چلے ہیں محبوب خدا — من مک الی العلاء الاعلیٰ

۲۔ ز صفائے جبیں خورشید خجل — رخ روشن تان قربان قمر
تیری زلف سیہ کا بیاں ہے مگر — واللیل اذا یغشی انطلحا

۳۔ تو نیاز و ادا ببری دلہا — ثیا ملب فلک نوتی شیدا
اے شاہ رسل، سالار جہان — لیم لا تتلطق یا اسفا

۵۔ بکشائے ز چہرہ حجاب بیا — ای صبح سحاب منھن پسکا
یہ جہان ہے تیرا مشتاق لقا — قد قام علی الباب العظمیٰ

۶۔ بہ شفاعت اُمت لب بہ کشا — ابر خاص رکی آھی تھنجی رضا
میں ہوں سائل عاصی در کا گدا — متوسل مد تک العلیا

(مخدوم اللہ بخش عاصی کی کہانی ان کے بھانجے مخدوم امیر احمد کی زبانی جسے عاصی کے نواسے مخدوم غلام احمد نے روایت کی)۔

Marfat.com

قرآن پڑھا ۔ اس کے بعد مولوی بخش علی شہبازی کے زیر نگرانی فارسی کے کچھ اسباق پڑھے۔ مولوی بخش علی ضلع داود کے رہنےوالے تھےقدیم مدرسہ مخدومیہ میں تھے اور کھوڑا میں رہتے تھے ۔ ان کی وفات کے بعد مخدوم صاحب نے حافظ سلیمان کے پاس مزید فارسی پڑھی لیکن فارسی اور عربی علوم و ادبیات کی تکمیل مولانا محمد ہاشم انصاری' کی شاگردی میں ہوئی۔ مولانا محمد ہاشم انصاری ایک متبحر عالم اور چوٹی کے استاد تھے۔
(مہران سوانح نمبر ، ۱۹۵۷ء ، ص ۲۴۴ - ۲۴۵)

---

۱ ۔ مولانا محمد ہاشم انصاری ۔

مولانا محمد حسن جوہی (تلمیذ مولانا عبدالرحمن ڈھراھی تلمیذ مولانا نظر محمد کے شاگرد تھے ۔ (مہران سوانح نمبر ص ۲۴۵) ۔

مولانا محمد ہاشم انصاری کے اعلیٰ استادانہ مقام کی شہرت دور دور تک تھی۔ ان کے شاگردوں میں سندھ کے سینکڑوں علماء و اساتذہ شامل ہیں ، جن میں اس وقت صرف مولانا عبداللہ انصاری ہم سبق و ہم جماعت مخدوم امیر احمد مقیم ماتلی ضلع حیدرآباد بقید حیات ہیں ۔

مولانا محمد ہاشم انصاری اپنے لائق شاگرد مخدوم امیر محمد سے بے حد شفقت فرماتے تھے ۔ مخدوم صاحب نے بھی اپنے استاد کی بافیض صحبت اور ان کی خدمت میں اپنے آپ کو فنا کردیا ۔

تحریک خلافت کا دور تھا ۔ مخدوم امیر احمد کے دوران تعلیم ایک المناک واقعہ یہ پیش آیا کہ ذاتی اختلافات کی وجہ سے مخادیم کھوڑا کے سجادہ نشین مخدوم شفیع محمد نے اپنے اثر و رسوخ سے مولانا محمد ہاشم انصاری کو ریاست بدر کرا دیا لیکن مولانا ہاشم نے اپنے پیارے شاگرد کو اپنے ساتھ ساتھ رکھا اور مصائب و آلام کے زمانے میں بھی انھیں فارغ التحصیل کرا کے چھوڑا ۔ مخدوم شفیع محمد ، مخدوم امیر احمد کے پھوپھی زاد بھائی تھے لیکن اس کے باوجود ان کو مولانا ہاشم انصاری سے مخدوم صاحب کی رفاقت اور ان سے تحصیل علم انھیں پسند نہ تھی اس لیے انھوں نے ایسے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

Marfat.com

مخدوم امیر احمد کے پھوپھی زاد بھائی اور کھوڑا کے سجادہ نشین مخدوم شفیع محمد نے ذاتی اختلافات کی بناء پر مولانا محمد ہاشم انصاری کو ریاست بدر کرا دیا ۔ مخدوم امیر احمد نے اپنے استاد مولانا ہاشم کے ساتھ ساتھ کھوڑا کی رہائش کو خیرباد کہا اور ان کے ہمراہ نوشہرہ فیروز ضلع نواب شاہ میں قائم پذیر ہوئے۔ مخدوم صاحب نے نوشہرہ فیروز کے عرصۂ قیام میں قرآن کریم حفظ کیا ۔ اٹھارہ سال کی عمر میں دستار فضیلت کا اعزاز بھی حاصل کیا ۔

حافظ مخدوم امیر احمد نے اپنے سلسلہ درس و تدریس کا آغاز ۱۹۳۲ء میں گورنمنٹ ہائی اسکول نوشہرہ فیروز میں عربی کے استاد کی حیثیت سے کیا ۔ ہندوؤں کی نا انصافیوں اور مسلم دشمن سرگرمیوں کے مدنظر مسلمانوں کے دینی و اسلامی تعلیم و تربیت کی غرض سے ۱۹۳۸ء میں مسلم ہائی اسکول نواب شاہ کے زیر اہتمام ڈسٹرکٹ لوکل بورڈ کا قیام عمل میں آیا تو شعبہ عربی کے صدر مدرس کا عہدہ مخدوم صاحب کو تفویض ہوا ۔

سندھ کے مشہور ماہر تعلیم اور عربی کے ممتاز اسکالر شمس العلماء ڈاکٹر عمر بن محمد داؤد پوتہ (جو اس وقت ڈائریکٹر تعلیمات سندھ تھے) اور سید علی اکبر شاہ (سہیڑ والے) جیسے صف اول کے عالم و مقرر کی کوششوں سے ۱۹۴۴ء میں جامعہ عربیہ سندھ (Sind Arabic University) کی داغ بیل ڈالی گئی تو ۱۹۴۵ء میں مولانا مخدوم امیر احمد کو جوہر قابل دیکھ کر عربی کا سربراہ مقرر کیا گیا ۔ ۱۹۴۶ء میں جامعہ عربیہ سندھ کے پرنسپل بنا دیے گئے۔ ۱۹۵۳ء تک اس عہدہ جلیلہ پر فائز

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

حالات پیدا کر دیے کہ مخدوم صاحب کو بھی اپنے استاد مولانا ہاشم انصاری کے ریاست بدر ہونے کے ساتھ اپنے آبائی وطن کھوڑا کو چھوڑنا پڑا اور نوشہرہ فیروز (ضلع نواب شاہ) میں رہائش اختیار کرنی پڑی ۔

(سوانح مخدوم امیر احمد (قلمی) از مخدوم غلام احمد)

Marfat.com

تھے ۔ ناسساعد حالات کے باعث جامعہ عربیہ کا منصوبہ پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکا ۔ ڈاکٹر داؤد بوتہ کے انتقال کے بعد جامعہ عربیہ کا تعلیمی معیار جو کالج کے معیار تک پہنچا تھا گھٹ کر ہائی اسکول تک رہ گیا ۔ آج بھی یہ ادار، ہائی اسکول کی شکل میں موجود ہے ۔

مخدوم صاحب نے ۱۹۵۳ء میں حرمین شریفین کی زیارت کا شرف حاصل کیا ۔

بین الاقوامی شہرت کے حامل سندھ کے یکتائے عصر مفکر و دانشور علامہ آئی ۔ آئی قاضی (جو اس زمانہ میں سندھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر تھے) نے پنجاب الہ آباد اور ناگپور یونیورسٹیوں کے نہج پر سندھ یونیورسٹی سے ملحق ایک علوم شرقیہ کالج کی بنا ڈالی تو ان کی نظر انتخاب مخدوم امیراحمد جیسی مجموعہ کمالات شخصیت پر پڑی ۔ علامہ قاضی نے انھیں نہ صرف سندھ اورینٹل کالج کے قیام و دوام کی ذمہ داریاں سونپیں بلکہ اس کالج کا پہلا سربراہ بھی مقرر کیا ۔ مخدوم صاحب نے انتہائی کوششوں ، توجہ اور صلاحیت و انہاک سے اورینٹل کالج کو ایک مثالی کالج بنا دیا ۔ اوریئنٹل کالج حیدرآباد کے لیے بے شمار طلباء و اساتذہ نے علم و ادب کی دنیا میں قابل قدر خدمات بھی انجام دی ہیں ۔ مخدوم امیر احمد تاحیات (یعنی ۱۹۷۱ء تک) اوریئنٹل کالج کے پرنسپل رہے۔ مخدوم صاحب کی وفات کے بعد یہ کالج ختم ہو گیا ۔ اب اوریئنٹل کالج کی جگہ اسلامیہ ماڈرن ہائی اسکول کا وجود باقی ہے ۔ مخدوم صاحب کے لائق فرزند مخدوم غلام احمد ، ایم ۔ اے ، بی ٹی ، ایل ایل بی ، مدرسہ مذکور کے سربراہ ہیں ۔

مخدوم صاحب سندھ یونیورسٹی کے شعبہ عربی میں بی ۔ اے (آنرز) اور ایم ۔ اے (عربی) کے ممتحن اور اعزازی استاد بھی رہے ۔

مخدوم صاحب کی ہردلعزیز شخصیت اساتذہ قدیم اور اکابر اسلام کا ایک نادر نمونہ تھی ۔ ان کی ہمہ جہت و بافیض شخصیت کی بناء پر وہ سندھ کے بڑے سے بڑے علمی ، ثقافتی و ادبی اداروں کے بانی ، صدر اور رکن رہے ۔ مخدوم صاحب مسلم گرلز کالج (قیام ۱۹۵۳ء) اسلامیہ

Marfat.com

ماڈرن ہائی اسکول (۱۹۵۵ء) اور حمایت الاسلام ہائی اسکول جیسی تعلیمی درسگاہوں کے بانی اور سیکرٹری تھے ۔ شاہ ولی اللہ اکیڈیمی کے ڈائریکٹر، سندھ طبیہ کالج کی مجلس مشاورت کے رکن ہونے کے علاوہ سندھی ادبی بورڈ (قیام ۱۹۴۷ء) کی رکنیت کا اعزاز بھی انھیں حاصل تھا ۔

مخدوم امیر احمد بزرگان سلف کی یادگار تھے ، ان کی شخصیت بڑی دلآویز اور مسحور کن تھی ۔ ان کی باتوں میں گلوں کی خوشبو ، لبوں پر پھولوں جیسی مسکراہٹ ہوتی تھی ۔ یہ راقم (وفا راشدی) کی خوش نصیبی ہے کہ اسے مخدوم صاحب جیسے جامع الصفات بزرگ سے شرف نیاز مندی حاصل رہا ۔ راقم کی ایک کتاب "بنگال میں اردو" (مطبوعہ مکتبہ اشاعت اردو حیدرآباد ۱۹۵۵ء) مخدوم صاحب اور ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب کی تجویز و سفارش سے سندھ یونیورسٹی کے نصاب میں شامل کی گئی تھی ۔

مخدوم صاحب کی توجہ اور کوششوں سے لا تعداد ایسے شاگرد ہوئے جو آج آسمان علم و ادب کے درخشندہ ستارے ہیں ۔ ان میں ڈاکٹر نبی بخش خان[1] بلوچ سابق وائس چانسلر سندھ یونیورسٹی جیسے ماہر تعلیم ، ممتاز دانشور ، مصنف و محقق خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں ۔

مخدوم امیر احمد نے یکم محرم الحرام ۱۳۹۱ ہجری مطابق ۲۶ فروری ۱۹۷۱ عیسوی کو حیدرآباد (سندھ) میں وفات پائی ۔ خاندان مخادیم کھوڑا کے قدیم قبرستان "مخدوم شہیدون" (واقع کھوڑا تعلقہ

---

۱ ۔ ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ ۔
سندھ کے نامور اسکالر اور دانشور ہیں ۔ ان کا بیان ہے "یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ مخدوم امیر احمد جیسے استاد سے ہمیں فیض حاصل کرنے کا موقع ملا ۔ انھوں نے ہم طالب علموں میں عربی پڑھنے لکھنے کا خاص ذوق پیدا کیا ۔ یہ انھیں کا فیض تھا کہ راقم نے ایم ۔ اے تک عربی تعلیم میں خاص دلچسپی لی" ۔
(سہران سوانح نمبر ، ص ۲۴۵)

Marfat.com

گمبٹ (خیرپور میرس) کے عین مقبرہ کے اندر مدفون ہوئے۔ مخدوم امیر احمد کے بزرگان جو اولیائے کرام میں سے تھے ، کے مقابر کی اول صف میں قدرتی طور پر مخدوم صاحب کے لیے ان کے پردادا کی قبر کے اندر ان کی تدفین کے لیے ایسی گنجائش نکل آئی کہ اسے اللہ کی شان اور بزرگان دین کی کراست اور کرشمہ ہی کہا جا سکتا ہے[1] ۔

مخدوم امیر احمد کے لخت جگر مخدوم غلام احمد نے قطعہ تاریخ وفات کہا جو مخدوم مرحوم کے لوح مزار پر کندہ ہے۔ وہ تاریخ یہ ہے :

وائے افسوس مخدوم عالی مقام
شد ز دنیا امیر احمد نیک نام
خادم دین حق عاشق مصطفیٰ
حافظ و حاجی و مفتی و مقتدیٰ
بو حنیفہ ز فکرش بعہد سرور
شد ز بزم جہان نکتہ دان حضور
نیک دل نائب خاتم المرسلین
کار او بود تجدید و احیائے دین
آن زبان دان جبریل مرد خدا
رفت زین دیر فانی بدار البقا
عالم با عمل زیر چرخ کبود
بود پابند صوم و رکوع و سجود
لیل اول ز ماہ محرم حرام
بست رخت سفر با ہمہ اہتمام

---

(۱) مخدوم امیر احمد کی تدفین ۔

ان کی تدفین کی داستان کا تعلق بزرگان دین کے کرشمہ و کراست سے ہے جس کی تفصیل کا یہ موقعہ نہیں ۔ مخدوم امیر احمد کے صاحبزادے مخدوم غلام احمد نے مخدوم صاحب کے جو سوانح حیات لکھے ہیں ان میں مخدوم صاحب کی تدفین کی تفصیلات شامل ہیں ۔ مخدوم غلام احمد صاحب کی عنایت سے ''سوانح مخدوم امیر احمد'' کا ایک قلمی نسخہ راقم کے کتب خانہ میں محفوظ ہے ۔

Marfat.com

سال وصلش چو جستم ندا آمده
گفت هاتف بخوان "بغفرالله له"
۱۳۹۱ھ

یا الٰہی بحق شہیدان دیں
بہرہ ور کن ز فیض شہ مرسلین[۳]

مخدوم امیر احمد عربی، فارسی، سندھی اور اردو کے استاد کامل تھے ۔ ان زبانوں میں ان کے ارشادات مستند اور قابل عمل مانے جاتے تھے ۔ ان کی زبانوں میں ان کی تصنیفات و تالیفات نہ صرف تلامذہ و طلباء کے لیے بلکہ اساتذہ کے لیے بھی مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہیں ۔ سندھ کی قدیم تاریخ و تہذیب سے جیسی واقفیت مخدوم صاحب کو تھی ویسی بہت کم لوگوں کو ہے ۔ سندھی ادبی بورڈ کے پہلے اجلاس منعقدہ ۲۰ اکتوبر ۱۹۵۱ء میں عربی و فارسی زبان میں سندھ کی تواریخ اور ادبیات پر قدیم ذخیرہ کتب کو سندھی اور اردو میں محفوظ کرنے کا پروگرام مرتب ہوا تو یہ اہم کام مخدوم امیر احمد کے سپرد کیا گیا (پیش لفظ تحفة الکرام از ڈاکٹر نبی بخش بلوچ) انھوں نے نہایت عالمانہ انداز میں کامیابی کے ساتھ حسب ذیل عربی و فارسی کتابوں کو سندھی سے منتقل کیا اور یہ کتابیں سندھی ادبی بورڈ سے شائع ہوئیں ۔

سندھی :

(۱) تاریخ معصومی (فارسی) مصنفہ میر معصوم بکھری مطبوعہ ۱۹۵۳ء ۔

(۲) فتح نامۂ سندھ عرف چچ نامہ (فارسی) مطبوعہ ۱۹۵۴ء ۔

(۳) تحفة الکرام (فارسی) مصنفہ میر علی شیر قانع ٹھٹھوی، مطبوعہ ۱۹۵۷ء ۔

عربی :

(۱) بذل القوة فی حوادث سنی النبوة مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ ۱۹۶۶ء ۔

اس کتاب کی تصنیف پر مخدوم صاحب کو سندھ یونیورسٹی کی

Marfat.com

جانب سے ڈاکٹریٹ (پی - ایچ - ڈی) کی اعزازی ڈگری دینے کا فیصلہ کیا گیا تھا لیکن ان کی وفات (۱۹۷۱ء) کی وجہ سے اس فیصلہ پر عمل نہ ہو سکا -

(۲) حیواۃ القاری فی شرح البخاری (مخطوطہ) مصنفہ مولانا محمد ہاشم ٹھٹھوی - مخدوم صاحب نے ۱۹۵۲ء میں اس قدیم مخطوطہ کو مقدمہ تصحیح و حواشی کے ساتھ عربی میں ایڈٹ کیا - یہ ہنوز غیر مطبوعہ ہے -

اردو :

(۱) مخدوم صاحب نے رسالہ شاہ عبداللطیف بھٹائی کا مکمل منثور ترجمہ سندھ یونیورسٹی کی فرمائش پر کیا تھا - یہ ترجمہ سلیس اردو نثر میں ہے ، ساتھ ہی کلام لطیف کی شرح بھی اردو بھی شامل ہے - کلام لطیف کا یہ اردو صحیفہ اب تک شائع نہ ہو سکا - اس ترجمہ کا اصل قلمی نسخہ مخدوم صاحب کے فرزند مولانا مخدوم غلام احمد صاحب کے پاس محفوظ ہے -

(۲) الدین الکامل -
یہ کتاب ہائی اسکولوں اور کالجوں کے نصاب میں شامل ہے -

(۳) سیرت طیبہ -

(۴) سرزمین سندھ میں علم حدیث -

حافظ مولانا مخدوم امیر احمد کو اردو زبان سے عشق تھا - اردو میں خود گفتگو فرماتے تھے - اپنے طلباء اور متعلقین کو اردو میں لکھنے پڑھنے کی تلقین فرماتے تھے - ان کے گھر میں بھی اردو زبان کا رواج ایسا ہی ہے جیسے ہر فرد کی مادری زبان اردو ہو - سندھ اورینٹل کالج میں مخدوم صاحب نے اردو زبان و ادب کی توسیع و اشاعت کے لیے اچھی خاصی فضا پیدا کر دی تھی - جس علمی و ادبی اداروں سے وابستہ رہے وہاں سندھی اور اردو کی ادبی نشستیں اور مشاعرے انھی کی نگرانی و سرپرستی میں منعقد ہوتے اور رسائل و جرائد بھی شائع ہوتے رہے - خود شاعر نہ تھے لیکن شاعروں کی بہت قدر کرتے تھے -

Marfat.com

اوریئنٹل کالج کے کتب خانے میں مختلف علوم و فنون اور قدیم و جدید کتب کا بہت عمدہ ذخیرہ جمع ہو گیا تھا ۔ اس کتب خانے میں اردو کی پرانی سے پرانی اور نئی سے نئی کتابیں مخدوم صاحب کی سرپرستی میں شامل کی گئی تھیں ۔ راقم کو مخدوم صاحب کی زندگی میں اس کتب خانے سے استفادہ کا شرف حاصل ہے ۔

مخدوم صاحب نے مختلف کانفرنسوں اور دینی و علمی جلسوں میں جو تقریریں کیں ، جو خطبات دیے وہ اردو کا علمی سرمایہ ہیں ۔ مخدوم صاحب کی وہ اردو تقریر بھی نہایت بصیرت افروز اور روح نواز تھی جو انھوں نے بحیثیت صدر یوم غوث الاعظم (منعقدہ ۲۲ اگست ۱۰۶۴ء بمقام کوٹری سندھ ، زیر اہتمام اردو مجلس) کے موقع پر فرمائی تھی ۔ اس یادگار اجتماع کے جلیل القدر مقررین میں ڈاکٹر غلام مصطفی خان صدر شعبہ اردو جامعہ سندھ اور مولانا علی اکبر شاہ پرنسپل جامعہ عربیہ بھی شامل تھے ۔ راقم الحروف (وفا راشدی) معتمد مجلس مذکور نے اسٹیج سیکریٹری کے فرائض انجام دیے تھے ۔ ان کے اکثر مضامین و مقالات اردو کے بعض رسائل مثلاً چراغ راہ ، المعارف لاہور ، ماہ نو کراچی اور الرحیم حیدرآباد وغیرہ میں شائع ہو چکے ہیں ۔

"سرزمین سندھ میں علوم حدیث" اردو میں مولانا مخدوم امیر احمد کی تحقیقی و تاریخی تصنیف ہے ۔ مخدوم صاجب نے اس تصنیف کا ایک حصہ مقالہ کی صورت میں کل پاکستان تعلیمات کانفرنس حیدرآباد سندھ منعقدہ جنوری ۹۶۳ ء میں بڑھا تھا ۔ موصوف اس وقت پرنسپل سندھ اوریئنٹل کالج کے علاوہ شاہ ولی اللہ اکیڈیمی کے ڈائریکٹر بھی تھے ۔ ابھی یہ تصنیف کتابی شکل میں شائع نہیں ہوئی البتہ اس طویل مقالے کی دو طویل قسطیں ماہنامہ الرحیم حیدرآباد (مطبوعہ شاہ ولی اللہ اکیڈمی) بابت جولائی اور اگست ۱۹۶۳ء کے دو شماروں میں اشاعت پذیر ہو چکے ہیں ۔

سرزمین سندھ میں علم حدیث کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا مخدوم امیر احمد نہ صرف سندھ کی تاریخ و ثقافت کے موضوع

Marfat.com

پر بلکہ علم حدیث اور تاریخ اسلام پر اتھارٹی تھے ۔ انھیں تذکرہ نویسی کے فن پر کمال تھا ۔ عربی علوم و ادبیات پر عالمانہ بصیرت اور ناقدانہ نظر کے حامل تھے ۔ سرزمین سندھ سے تعلق رکھنے اور مادری زبان سندھی ہونے کے باوجود جس طرح سلیس اور صاف اردو میں گفتگو فرماتے تھے اسی طرح لکھتے بھی تھے ۔ ان کا یہ انداز ، یہ رنگ ان کے زیر بحث مقالہ میں پوری طرح نمایاں ہے ۔ عربی الفاظ و محاورات ، قرآنی آیات و تلمیحات کا استعمال اس خوش اسلوبی سے کیا ہے کہ زبان و بیان کی روانی و شگفتگی میں کوئی فرق نہیں آیا ۔ اسلوب سادہ اور عام فہم ہونے کے باوصف علمیت و افادیت کی خوشبو سے قارئین کی روح و طبع مسرور و معطر ہو جاتی ہے ۔

مخدوم صاحب کی اردو نثر کے نمونہ کے طور پر ''سرزمین سندھ میں علم حدیث'' کے کچھ اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں :

''سردست ہماری بحث صرف علم حدیث سے ہے ۔ عام طور پر یہی کہا جاتا ہے کہ ہندوستان میں علم حدیث کی اشاعت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے سر ہے اور ان کے بعد شاہ ولی اللہ دہلوی کے سر ہے لیکن حقیقت اس کے خلاف ہے ۔ سندھی علماء ان دونوں بزرگوں سے پہلے اور بہت پہلے علم حدیث کی طرف متوجہ ہو چکے تھے اور وہ اس کی تعلیم و تربیت کا سلسلہ شروع کر چکے تھے'' ۔

''تاریخی حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے ہم سندھی محدثین کے چار درجے مقرر کر سکتے ہیں :

(۱) وہ محدثین جو نسلاً سندھی تھے لیکن ان کی ولادت ان کی نشو و نما اور ان کی تعلیم و تربیت عرب میں ہوئی ۔ وہ عرب میں رہے اور عرب میں فوت ہوئے ۔

(۲) وہ جو نسلاً عرب تھے ان کی ولادت ، نشو و نما ، تعلیم و تربیت سب عرب میں ہوئی، لیکن وہ ہجرت کر کے سندھ میں آئے اور سندھ کے ہو رہے ۔

Marfat.com

(۳) وہ جو سندھ میں پیدا ہوئے اور سندھ میں تعلیم پا کر بعد میں دیار عرب کو ہجرت کر گئے اور وہاں وفات پائی ۔

(۴) وہ جو سندھ میں پیدا ہوئے ان کی تعلیم و تربیت سندھ میں ہوئی اور سندھ میں فوت ہوئے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

اب ان بزرگوں کا ذکر کیا جاتا ہے جو سندھ میں پیدا ہوئے اور اس ملک میں ان کی تعلیم و تربیت ہوئی بعد میں وہ عرب یا دوسرے اسلامی ملکوں کی طرف ہجرت کرگئے ۔ اس سلسلے میں سب سے اول دیبل اور منصورہ کے مندرجہ ذیل علماء قابل ذکر ہیں :

(۱) خلف بن محمد سواذینی دیبلی سندھی ۔

دیبل میں پیدا ہوئے اور وہیں کے مشہور عالم علی بن موسیٰ دیبلی سے تعلیم پائی ۔ پھر بغداد چلے گئے اور وہاں سکونت اختیار کی ۔ حدیث کی روایت اپنے استاد علی بن موسیٰ سے کرتے ہیں ۔ خطیب بغدادی نے ان کی ایک حدیث ''کلاد اہل السموات لا حول ولا قوۃ الا باللہ'' تاریخ بغداد میں روایت کی ہے[1] ۔

(۲) ابو جعفر محمد بن ابراہیم بن عبداللہ دیبلی سندھی :

آپ عراق میں رہتے تھے ۔ ابو عبیداللہ سعید بن عبدالرحمن مخزوی سے ابن عمیہ کی کتاب التفسیر اور ابو عبداللہ حسین بن الحسین سے ابن مبارک کی کتاب البرم والصیلہ روایت کرتے تھے ۔ عبدالحمید بن صبیح ، ابو الحسن احمد بن ابراہیم بن خراس مکی ، ابوبکر محمد بن ابراہیم بن علی بن المقری ان کے شاگردوں میں سے تھے[2] ۔

---

۱ ۔ تاریخ بغداد الخطیب ، ج ۸ ، ص ۳۳۳ کتاب الانساب ورق ۲۳۶ ۔

۲ ۔ کتاب الانساب ورق ۲۳۶ ۔

Marfat.com

(۳) ابو العباس احمد بن عبداللہ بن سعید دیبلی سندھی -
آپ بڑے عابد و زاہد تھے علم حاصل کرنے کے لیے کافی سفر کیا تھا - بصرہ میں قاضی ابو خلیفہ ، بغداد میں جعفر بن محمد الفرمانی ، مکہ شریف میں فضل بن محمد جنیدی اور محمد بن ابراہیم دیبلی ، مصر میں علی بن عبدالرحمان و محمد بن نسان ، دمشق میں ابوالحسن احمد بن عمینہ ، بیروت میں ابو عبدالرحمان مکحول ، عسکری میں مکرم عبدان بن احمد اطافظاور ، نیشاپور میں ابو بکر محمد اسحاق بن حزیمہ سے حدیث سنی تھی ، حاکم ان سے حدیث روایت کرتے تھے - ان کی وفات نیشاپور میں رجب ۳۴۳ھ میں ہوئی -

(۴) احمد بن محمد قاضی منصوری سندھی -
عراق اور فارس میں سکونت رکھتے تھے - ابو العباس کنیت تھی - فارس میں ابوالعباس اشرم اور بصرہ میں ابو رؤف ہروی اور ان کے طبقے کے لوگوں سے حدیث سنی تھی - حاکم ان کے شاگرد تھے ان کا کہنا ہے کہ ان سے زیادہ خوش طبع میں نے کوئی نہیں دیکھا -

(۵) قاضی عبداللہ بن قاضی ابراہیم دیبلی سندھی -
یہ ایک بڑے عالم اور متقی بزرگ تھے - انھوں نے مخدوم عبدالعزیز ابہری ہروی سے فعل و کمال حاصل کیا تھا - ان کا مزاج تند تھا - ابتدا میں اپنے پرانے وطن دربیلہ (ضلع نواب شاہ) میں رہتے تھے لیکن جب شاہ بیگ نے سندھ فتح کر لیا تو کچھ عرصہ وہ باغیان اور رواف میں بھی رہے تھے - ۹۳۴ھ میں وہ سندھ سے گجرات چلے گئے ، پھر وہاں سے مدینہ منورہ جا کر رہنے لگے اور وہیں انتقال کر گئے - تاریخ وفات کی تحقیق نہ ہو سکی[1] -

---

۱ - تاریخ معصومی اردو ترجمہ ص ۲۲۸ ، ۲۷۹ -

Marfat.com

(۶) شیخ رحمت اللہ بن قاضی عبداللہ دربیلوی ثم مدنی سندھی ۔

شیخ رحمت اللہ بن قاضی عبداللہ اپنے زمانے میں محدث بے مثل اور فقہ میں یگانہ تھے ۔ احکام حج پر انہوں نے تین رسالے لکھے جن میں سے ''انسک المتوسط'' عربستان میں آج تک رائج ہے اور ملا علی قاری جیسے علامہ وقت نے اس کی شرح لکھی ہے[1] ۔

آپ بھی اپنے والد کی تقلید کر کے مدینہ شریف ہجرت کر گئے اور آخر عمر تک وہیں رہے ۔ ۱۲ محرم ۹۹۲ھ کو مکہ شریف میں واصل بحق ہوگئے تاریخ وفات ''رحمة اللہ قد نال مراده'' سے نکالی گئی روایت ہے کہ جب لوگ آپ کی تدفین سے فارغ ہوئے اس وقت بارش ہوئی ۔

شیخ عبداللطیف مکی معروف بہ مخدوم زادہ نے شیخ رحمة اللہ کی وفات پر ایک مرثیہ لکھا جس کے ایک بیت میں اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے چنانچہ فرمایا :

رحمة اللہ لا تفاوق مثوىٰ　　رحمة اللہ باکیا والغما[2]

حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ آپ کو ''شیخ الحرمین'' کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا''[3] (سرزمین سندھ میں علم حدیث ، قلمی ص ۱ ، ۲ ، ۶ ، ۷ ، ۸)

مولانا مخدوم امیر احمد نے اپنی اس تصنیف کا ایک قلمی نسخہ اپنے دست مبارک سے راقم الحروف کو اگست ۱۹۶۳ء میں عطا فرمایا تھا ۔

---

۱ ۔ ایضاً ، ص ۲۷۸ ۔
۲ ۔ ایضاً ، ۲۸۰ ، ۲۸۱ ۔
۳ ۔ انوار الساغر ، ص ۳۵۷ ۔

Marfat.com

محمد ہاشم جان سرہندی

(۱۳۲۲ - ۱۳۹۵ھ/۱۹۰۲ - ۱۹۷۵ء)

الحاج حکیم مولانا حافظ محمد ہاشم جان مجددی سرہندی نقشبندی سندھ کے مشہور عالم دین ، خطیب ، مقرر ، حکیم حاذق اور صوفی صادق تھے ۔ وادی مہران کے شہرہ آفاق علمی و روحانی سرہندی خاندان سے تعلق رکھتے تھے ۔ حضرت خواجہ صفی اللہ[1] کابلی مخدوم ابراہیم قدس سرہ (المتوفی ۱۲۱۲ھ ۔ مونس المخلصین ص ۱۱) ان کے اسلاف میں پہلے بزرگ تھے جن سے مخدوم عبدالواحد سیوستانی صاحب البیاض ، مخدوم ابراہیم ٹھٹھوی مخدوم محمد ہاشم کے پوتے نے روحانی فیض اور خرقہ خلافت حاصل کیا ۔

محمد ہاشم جان افغانستان کے دوسرے عارف کامل خواجہ عبدالرحمن افغان کے پوتے اور حضرت خواجہ حافظ محمد حسن جان سرہندی فاروق[2] کے تیسرے صاحبزادے تھے ۔

---

۱ ۔ مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی فرماتے ہیں :
”میراں عبدالغنی کلہوڑا کی خواجہ صفی اللہ صاحب نے تیمور شاہ کے دربار افغانستان میں سفارش کی تھی اور تالپور حکمرانوں کے خلاف مہم شروع ہونے والی تھی کہ مرحوم قیصر خان نظامانی میر صاحبان کی طرف سے وفد لے کر کابل پہنچے اور خواجہ صاحب کو راضی کر دیا جس سے یہ حملہ دفع ہو گیا ۔ خواجہ صفی اللہ صاحب اپنے مریدوں کے ساتھ ساتھ تشریف لائے اور مرحوم قیصر خان نظامانی نے آپ کے سفر حج کےلیے بڑی رقم نذر کی اورخواجہ صاحب عازم حرمین ہوئے لیکن راستے میں ہی حدید بندر میں آپ کا انتقال ہو گیا“ (شذرات الولی اگست ۷۵ء، ص ۳) ۔

۲ ۔ خواجہ حسن جان کے چار فرزند ہیں = (۱) عبداللہ جان شاہ آغا

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

Marfat.com

ہاشم جان کی پیدائش ان کے آبائی قصبہ ٹنڈو سائیں داد (ضلع حیدرآباد) میں ۱۳۲۲ھ میں ہوئی - ان کے عامل و کامل باپ نے اپنی دیگر اولاد کی طرح ہاشم جان کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ دی - عربی و فارسی کی ابتدائی تعلیم کے بعد حفظ قرآن شریف کے لیے حافظ احمد قاری کو مقرر کیا - تیرہ سال کی عمر میں حفظ قرآن حکیم کی سعادت حاصل کی - بقول حکیم عبدالعزیز سرہندی اسد اللہ شاہ ٹکھڑائی نے "حافظ ہاشم"[1] سے حفظ قرآن کا مادہ تاریخ نکالا -

۱۳۲۵ھ

حافظ قرآن ہونے کے بعد عربی و فارسی کی مزید تعلیم مدرسہ ٹنڈو سائیں داد میں حاصل کی لیکن ان علوم کی تکمیل کے لیے ان کے والد نے انھیں اجمیر شریف (بھارت) بھیج دیا جہاں ہاشم جان نے مولانا معین الدین اجمیری[2] کے مدرسہ معینیہ سے درس نظامی کی تحصیل اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

(جن کا تذکرہ زیر نظر باب کے گزشتہ صفحات میں آ چکا ہے) - (۲) حاجی عبدالستار جان (۳) حافظ ہاشم جان (۴) محمد حنیف جان ان چاروں بھائیوں نے اپنے نامور صاحب فضل و کمال والد کے زیر نگرانی تعلیم و تربیت پائی اور علم و ادب و طریقت کی دنیا میں مقام حاصل کیا -

۱ - فائق ھلیا فردوس میں (سندھی) از حکیم عبدالعزیز سرہندی، ص ۶۸ -

۲ - مولانا معین الدین برصغیر کے بہت بڑے متبحّر عالم تھے - ان کا مدرسہ معینیہ ہندوستان کے چند بڑے مدارس میں سے ایک تھا جو درس نظامیہ اور علوم عربیہ کے مراکز سمجھے جاتے تھے - مولانا نے ہند کی تحریک آزادی میں علمائے دیوبند اور دہلی کے دوش بدوش کام کیا - کئی بار اسیر فرنگ بھی رہے لیکن ان کی استقامت میں کبھی فرق نہ آیا - مولانا (ہاشم جان) کی ذہانت و علمیت کی تعریف کیا کرتے تھے - زندان فرنگ سے بھی انھیں خط لکھا کرتے تھے - (روایت مولانا قاسم)

Marfat.com

سند حاصل کی ۔ پھر مولانا معین الدین کے بھائی شفاء الملک حکیم نظام الدین سے فن طب و طریق علاج میں سند لی[1] ۔ جب سند یافتہ ہو کر ٹنڈو سائیں داد واپس آئے تو تقریب دستار بندی بڑے اہتمام سے منائی گئی جس میں ہندوستان کے متعدد علماء و مشائخ نے شرکت کی ۔

مولانا محمد ہاشم جان کتابوں کے رسیا تھے ۔ مختلف علوم و فنون پر کتب کا جمع کرنا اور ان کا مطالعہ کرنا ، ان کا سب سے دلچسپ مشغلہ تھا ۔ ان کے کتب خانے میں نوادرات و مخطوطات کا عمدہ ذخیرہ موجود تھا ۔ ٹنڈو سائیں داد کے علاوہ کوئٹہ اور کراچی میں بھی ان کا قیام رہتا تھا ۔ ان تینوں مقامات میں ان کے کتب خانے تھے لیکن آخر وقت میں کراچی میں سکونت اختیار کی اور وہیں ان کا انتقال ہوا ۔ سرہندیوں کے خاندانی قبرستان میں مدفون ہوئے جو گتھر اسٹیشن سے متصل ٹکھڑ (ضلع حیدرآباد) سے دو میل کے فاصلے پر واقع ہے ۔

حیدرآباد کے مشہور شیخ طریقت اور ماہر تاریخ گو حکیم مولانا سید شاہ اکرام حسین سیکری نے مختلف انداز سے سال وفات کی تاریخیں کہی ہیں :

سندھ کے مشہور روحانی پیشوا حضرت پیر ہاشم جان سرہندی مجددی

تاریخ وصال ۔ ۲۱ رمضان المبارک ۱۳۹۵ھ مطابق ۲۸ ستمبر ۱۹۷۵ء

سال وصال صلح کل جناب پیر ہاشم جان سرہندی

۱۳۹۵ھ

سال وفات فقیر نواز پیر ہاشم جان سرہندی

۱۹۶۵ء

مولانا حافظ محمد ہاشم جان سرہندی کے خطبات اور تقاریر بڑی عالمانہ و فاضلانہ ہوتی تھیں ۔ اگر ان سب کو یکجا کیا جائے تو

---

۱ ۔ مونس المخلصین (فارسی) مولانا عبداللہ جان شاہ آغا سرہندی ، ص ۲۴۲ ۔ ۲۴۳ ۔

Marfat.com

علم و ادب میں قابل قدر اضافہ ہو سکتا ہے ۔ افسوس ہے کہ یہ چیزیں محفوظ نہ ہو سکیں ۔

مولانا ہاشم جان کی شخصیت پرکشش و پروقار تھی ۔ ان کی گفتگو دلنواز اور روح پرور ہوتی تھی ۔ طبیعت میں حلم و سادگی تھی تحریر و تقریر میں فصاحت و بلاغت کے ساتھ ساتھ روانی و برجستگی تھی ۔ اردو میں ان کی کوئی مستقل تصنیف نہیں ملتی ۔ البتہ ان کی تالیف ، تراجم ، تقاریظ ، مقدمات اور دیباچوں کا سراغ مختلف کتابوں سے ملتا ہے ۔ چند کی صراحت حسب ذیل ہے ۔

(۱) تالیف — معین المنطق (مطبوعہ) :

ہاشم جان کے استاذ معظم مولانا معین الدین اجمیری نے اپنی اسیری کے زمانے میں قطبی پر اردو میں شرح لکھی تھی ۔ اس کے کچھ اسباق مولانا نے اپنے شاگرد رشید ہاشم جان کو قید فرنگ سے لکھ کر بھیجے تھے ۔ یہ شرح تصورات کا حصہ ہے جسے ہاشم جان نے کراچی سے "معین المنطق" کے نام سے مرتب کر کے شائع کرایا تھا اور مولانا نے اسے پسند فرمایا تھا ۔

(۲) ترجمہ — رسالہ فقہ العقائد الصحیحہ فی تردید الوھابیہ النجدیہ :

مطبوعہ الفقیر پرنٹنگ پریس امرتسر زیر اہتمام حکیم معراج الدین احمد نقشبندی مدیر اخبار الفقیہ ۔ ۱۳۶۰ھ (۱۹۴۱ء) ۔

مولانا ہاشم جان کے پدر بزرگوار حضرت حافظ خواجہ محمد حسن جان سرہندی نہ صرف ایک عظیم المرتبت روحانی بزرگ تھے بلکہ عربی کے بھی بہت بڑے عالم تھے ۔ ان کی عربی و فارسی میں کئی کتابیں بڑے پائے کی ہیں ۔ ان میں سے دو کتابیں العقائد الصحیحہ اور طریق النجات ایسی تصانیف ہیں جن کے اردو ترجمے مولانا ہاشم نے کیے ہیں ۔

---

(۱) راقم نے معین المنطق کا ایک نسخہ حیدرآباد کے ایک معمر صاحب علم و ذوق اور ماہر تاریخ گو حکیم مرزا عزیز الرحمن صاحب کے پاس دیکھا ہے ۔

Marfat.com

العقائد الصحیحہ کے سرورق پر ناشر نے جو الفاظ لکھے ہیں ان سے مصنف باپ اور مترجم بیٹے کے علمی و مذہبی مرتبہ اور کتاب کے موضوع کی اہمیت و افادیت کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے :

''حضرت مولانا مرشدنا خواجہ حاجی حافظ محمد حسن صاحب مجددی نے العقائد الصحیحہ مع اردو ترجمہ تصنیف فرما کر امت محمدیہ پر کمال احسان کیا ہے تاکہ اہل ایمان اس کو اول سے آخر تک کمال تدبر و تفکر سے سمجھ کر یا کسی سے سن کر اپنے عقائد اسلامیہ کو صحیح اور سلامت رکھ سکیں'' ۔

اس کتاب میں قرآن و حدیث کی روشنی میں مضبوط دلائل و شواہد کے حوالے سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اہل سنت والجماعت کے عقائد وہابی عقائد کی ضد ہیں ۔ ہر مسلمان کو وہابیوں کی بدعت اور گمراہ کن اعتقاد سے بچنا چاہیے ۔ اصل کتاب عربی میں ہے اس کا اردو ترجمہ ہر صفحے کے اصل متن کے بالمقابل ہے ۔''

(۳) **ترجمہ — طریق النجات — ڈیمی سائز — صفحات ۲۵۳ صفحات ۔**

طریق النجات[1] مع اردو ترجمہ پہلی بار ۱۹۷۸ء میں استنبول ترکی میں حسین حلمی بن سعید استنبولوی کے زیر اہتمام طبع ہو کر شائع ہوئی ۔

یہ کتاب بھی خواجہ محمد حسن جان کی معرکہ آرا تصنیف ہے جس کا اردو ترجمہ ان کے لائق فرزند ہاشم جان سرہندی نے کیا ۔ یہ کتاب بھی العقائد الصحیحہ کی طرح مسلمانوں کی اصلاح اور فلاح و بہبود کی غرض سے تصنیف کی گئی ہے ۔ قرآن حکیم اورحدیث نبوی کی فلسفہ وحکمت بیان کرنے کے علاوہ انبیائے کرام کی عملی زندگی اور قصائص و حقائق کو بیان کیا ہے ۔ ساتھ ہی ان امور و عوامل پر بھی بحث کی ہے جو مسلم

---

(۱) العقائد الصحیحہ اور طریق النجات کے وہ نسخے جو ترکی میں شائع ہوئے برادرم احمد شیخ ناشر زیب ادبی مرکز حیدرآباد (سندھ) کی کوششوں سے مولانا کے توسط سے راقم کو حاصل ہو سکے ہیں جس کے لیے راقم ان دونوں علم دوستوں کا دلی شکر گزار ہے ۔

Marfat.com

قوم کے تنزل کے اسباب بنے ۔ پھر اسلام و اسلاف کی ان عظمتوں کا ذکر بھی کیا ہے جن کو از سر نو اپنایا جائے تو مسلمانوں کو پستی و زوال کی لعنتوں سے نجات مل سکتی ہے ۔

طریق النجات کا اردو ترجمہ اور اس کتاب کا مقدمہ بعنوان "عرض مترجم" بہت زور دار اور جاندار ہے ۔ اس مقدمہ سے تصنیف و ترجمہ کی مقصد و ماہیت پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ اس سے اردو میں فاضل مترجم مولانا ہاشم جان کے قومی و ملی جذبات و خیالات ، علمی و دینی رجحانات کی عکاسی بھی ہوتی ہے یہ مقدمہ بجائے خود ایک مستقل پر مغز مقالہ کی حیثیت رکھتا ہے جو بصیرت افروز بھی ہے فکرانگیز بھی ۔ مولانا کی یہ تحریر اردو میں ان کی نثرنگاری کی ایک بہترین مثال ہے ۔ اس سے ان کی طرز تحریر کا بھی اندازہ ہوتا ہے ۔ انداز بیان حکیمانہ ، خطیبانہ اور عالمانہ ہے ، زبان فصیح و بلیغ ہوتے ہوئے بھی سلیس اور شستہ ہے ۔ اسلوب میں سادگی بھی ہے اور تاثیر بھی ۔ بطور نمونہ تحریر "عرض مترجم" کا ایک اقتباس نذر قارئین ہے :

"ناظرین محترم ! مسلمانوں پر ادبار اور پستی کا جو ہلاکت آفرین دور آجکل گزر رہا ہے اس کی تباہی و بربادی کا حوصلہ شکن احساس کچھ اہل نظر حضرات ہی بہتر کر سکتے ہیں ۔ بلحاظ تعداد افراد چاہیے مسلمانوں کی کچھ ترقی ہو رہی ہو لیکن اس واضح حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ بحیثیت قوم و ملت مسلمان تنزل کے تاریک گڑھے میں گرے جا رہے ہیں ۔ معاش اور معاد کے جتنے صیغے اور سلسلے ہیں سب میں وہ اوج کمال سے حضیض زوال کی طرف اپنی ہی بدکرداری اور بد دماغی کی وجہ سے حرکت کرتے ہوئے دیکھے جاتے ہیں ۔ ایک صاحب بصیرت تنزل کی اس زہریلی ہوا کو پھیلتے ہوئے دیکھ کر پیشگوئی کر سکتا ہے کہ اگر حفاظت الٰہی کا تریاق نہ ہوتا تو یقیناً مسلمان آج سے بہت پہلے عرصہ حیات کو طے کیے ہوئے دیکھے جاتے ۔۔۔۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

تجربہ کار نباضوں نے جن کی معاملہ فہم نظر مرض کی تہہ تک

Marfat.com

پہنچ گئی ہے ، معاملہ کی نزاکت کو ملحوظ رکھتے ہوئے تہیہ کر لیا اور فیصلہ فرما دیا کہ اس حالت میں کیوں پھر اس اکسیری نسخے کو نہ آزمایا جائے جس نے صاحب فراش مریض عرب کو ایک آن میں اس قدر طاقتور جوانمرد بنا دیا تھا کہ سارے عالم کے رستموں کو اس نے گرد کر دیا ۔ وہ نسخہ وہی ہے جس کو طبیب کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے صفحہ دہر پر دنیا کے سب سے زیادہ مقبول نسخے (قرآن) کی صورت میں چھوڑا ہے ۔ اس نسخے کے اسرار سمجھانے والے بھی دنیا میں اپنے اپنے مذاق اور استعداد کے موافق مختلف پیدا ہوئے یعنی بعض نے اس کو فلسفیانہ رنگ میں پیش کیا اور بعض نے اس کو مادیات کی ایک کتاب جانا اور بعض نے اس کو محض روحانیت ہی کا معلم سمجھا۔ لیکن افسوس کہ یہ تیر بہدف نسخہ ان سب صورتوں میں نہ کچھ ایسا زیادہ موثر اور نہ ایسا کایا پلٹ ثابت ہوا جیسا کہ پہلے اس کے بنانے والے کالی کملیا والے حکیم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھ پر اکسیر بنا تھا ۔

اب جبکہ مریض قوم کی حالت قریب الموت تھی تو حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے عہد کو پورا کرنے کے لیے اسی نسخہ حیات بخش و جانفزا کی ترکیب و ترتیب کے لیے اپنے بندوں میں سے (حضرت) مصنف کتاب ''طریق النجات'' کا شرح صدر فرمایا ۔ جنہوں نے اس کے اسرار و رموز کو نہایت سہل طریقہ پر اسی زبان میں کھول دیا اور مسلمانوں کے سامنے وہ نسخہ اصل صورت میں لا کر ایسا روشن لائحہ عمل پیش کیا ہے جس کو دستور العمل بنانے کے بعد معاش اور معاد کے سب شعبے ایسے ہی مکمل اور اعلیٰ ہو سکتے ہیں جیسے کہ اس کو پہلی بار آزمانے کے زمانے (خیرالقرون) میں شاندار اور بلند پایہ ہوئے تھے ۔

مجھ جیسے بے مایہ کو انہیں کا ارشاد ہوا کہ اس کا ترجمہ سلیس اردو میں ہو جائے ۔ چنانچہ میں نے ارشاد کی تعمیل کو

Marfat.com

سعادت دارین سمجھ کر اپنی بساط کے موافق اس کام کو ختم کیا ہے اور جو کچھ مجھ سے بن پڑا ہے ناظرین کے سامنے ہے - اس سہل ممتنع کام کی الجھنوں اور دشواریوں کا کچھ وہی حضرات بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں جن کو کبھی عربی سے اردو ترجمہ کرنے کا اتفاق ہوا ہو گا - وجہ یہ ہے کہ عربی کی طرز تحریر ، جملوں کی ترکیب ، محاورہ کی نوعیت غرض کہ ہر ایک چیز اردو سے بالکل مختلف اور جدا گانہ واقع ہوئی ہے - اب اگر تحت اللفظ ترجمہ کیا جائے تو شاید گلابی اردو کی طرح ایک عجیب مضحکہ خیز صورت اختیار کر لے اور اگر متن سے قطع نظر کی جائے تو ترجمے کی شان باقی نہیں رہتی اور بہت ممکن ہے کہ اصل و ترجمے کے مابین مغائرت کی عمیق خلیج حائل ہو جائے - چنانچہ انہی مجبوریوں سے میں جہاں تک ہو سکا ہے اپنی کوشش اس میں صرف کی ہے کہ ترجمہ متن کے قریب قریب ہونے کے باوجود بامحاورہ بھی ہو اور اصل مطلب بھی فوت نہ ہونے پائے - اس لیے بعض جگہ کچھ جملے بڑھا دیے اور حدیثوں کے ترجمے دستور عام کے مطابق اکثر تحت اللفظ ہی لکھ دیے گئے ہیں -

امید ہے کہ معزز ناظرین صفت خطا پوشی سے متصف ہو کر مجھے دعائے خیر سے یاد فرمائیں گے - کیا عجب کہ ذرہ نواز سرکار اس ناچیز خدمت کے صلہ میں اس اکسیر کے ایک ذرے سے میرے مس قلب کو کندن بنا دے :

نظرت کیمیا ست گر نگری
کہ مس قلب من چو زر گردد

فقط والسلام

حافظ محمد ہاشم مجددی
۲۵ جون ۱۹۳۱ء

ٹنڈو سائیں داد ضلع حیدرآباد
سندھ

Marfat.com

پیر علی محمد راشدی

(ولادت ۱۳۲۳ھ - ۱۹۰۵ء)

سندھ کے عالی مرتبت خاندان راشدیہ[1] کے راشدی برادران پیر سید علی محمد راشدی اور پیر حسام الدین راشدی بین الاقوامی شہرت کے مالک ہیں ۔ ان راشدی برادران نے نہ صرف اپنے اسلاف کی علمی و تاریخی روایات کو زندہ و پائندہ رکھا ہے بلکہ سندھ کی تاریخ و ثقافت ، سیاست و صحافت اور زبان و ادب کی بے پناہ و بے مثال خدمات بھی انجام دی ہیں ۔

پیر علی محمد راشدی ، پیر حامد شاہ راشدی (وفات ۳۰ ربیع الاول ۱۳۰۱ھ[2] ، مطابق ۲۱ مارچ ۱۹۳۷ء) کے فرزند اکبر اور برصغیر کے ممتاز دانشور محقق اور مؤرخ پیر حسام الدین راشدی (ولادت ۱۳۲۹ھ - ۱۹۱۱ء) کے برادر معظم تھے ۔

پیر علی محمد راشدی بروز جمعہ ۱۲ جمادی الثانی ۱۳۲۳ھ (۵ اگست ۱۹۰۵ء) کو بہمن گوٹھ میں پیدا ہوئے ۔ حسب روایت علمی و روحانی فضا میں پرورش پائی ۔ ابتدائی تعلیم و تربیت والد ماجد کی نگرانی میں ہوئی ۔ عربی و فارسی کی تعلیم مولوی محمد سومر اور مولوی محمد صدیق (ساکن میرپور خاص) سے حاصل کی[3] ۔ انگریزی تعلیم کا آغاز گھر سے

---

۱ ۔ غلام رسول مہر نے اپنی کتاب "سید احمد شہید بریلوی (سوانح حیات ، تحریک ، احیاء دین) میں راشدی خاندان کا ایک شجرہ ۳۰۸ پر ایک شجرہ ۳۰۸ پر اور کچھ حالات ص ۳۰۹ ، ۳۱۰ پر شامل کیے ہیں ۔

۲ ۔ حاشیہ تذکرہ مشاہیر سندھ از مولانا دین محمد وفائی مقدمہ و حاشیہ پیر حسام الدین راشدی ص ۱۸۶ (تذکرہ پیر حزب اللہ شاہ راشدی)۔

۳ ۔ پیر علی محمد راشدی اپنی ابتدائی تعلیم کے بارے میں ایک جگہ

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

Marfat.com

گھر سے ہوا ۔ حیرت ہے کہ کسی اسکول یا کالج کی صورت نہیں دیکھی لیکن گھر کے علمی ماحول ، اساتذہ اور بزرگوں کی صحبتوں ، خدا داد ذہانت اور محنت و کوشش سے تعلیم کے ایسے مدارج طے کئے کہ بیک وقت انگریزی اور سندھی کے بہت بڑے اسکالر ہو گئے ۔ آج ان کا شمار نہ صرف برصغیر پاک و ہند بلکہ دنیا کی صف اول کے صحافیوں میں ہوتا ہے ، ان کی ذہانت و صلاحیت کا ایک زمانہ مداح ، ایک عالم معترف ہے ۔

پیر علی محمد راشدی کی شخصیت دنیائے صحافت و سیاست میں بہت کامیاب اور بہت نمایاں رہی ہے ۔ انھوں نے ۱۹۲۶ء شکار پور سندھ سے سب سے پہلے جس سندھی اخبار کا اجرا کیا اس کا نام ''الحرب'' تھا ۔ اسی زمانے میں ''اخبار الامین'' سکھر بھی ایڈٹ کرتے رہے ۔ ۱۹۲۹ء میں میں اخبار ''سندھ زمیندار'' کی ادارت کے فرائض انجام دیے ۔ ۱۹۳۴ء میں اپنا ذاتی اخبار ''ستارہ سندھ'' سکھر سے نکالا ۔ یہ اخبار ۱۹۳۷ء تک جاری رہا ۔ اس اخبار نے سندھی عوام میں قومی بیداری ، سیاسی شعور اور ذوق ادب و صحافت کی نشو و نما کی ۔ اس اخبار کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ اس میں ادب ، ثقافت و سیاست کے بارے میں بہت معلوماتی اور دلچسپ مضامین بھی شائع ہوتے تھے ۔ یہی سبب ہے کہ اس اخبار کو عوام میں بہت مقبولیت حاصل تھی ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

رقمطراز ہیں ''اس زمانے میں ہمارے گاؤں میں کوئی مدرسہ یا اسکول نہ تھا ۔ ہمارا مکتب گاؤں کی مسجد میں ہوا کرتا تھا ۔ اس زمانے میں دینی زبان عربی اور علمی و ثقافتی زبان فارسی تھی ۔ مجھے فارسی میں جو ابتدائی سبق ملتے تھے ان میں مولانا جامی کی ایک نظم یوسف زلیخا بھی تھی جس کا ایک شعر یہ تھا ۔

الٰہی غنچہ امید بکشا   گلے از روضہ جاوید بنما

پھر یکے بعد دیگرے گلستان بوستان ، بہار دانش ، پند نامہ ، محمود نامہ ، سکندر نامہ وغیرہ کے تمام اسباق معنی و شرح کے ساتھ پڑھ ڈالے (پیش حرف ، تحریر کردہ بمقام ہانگ کانگ ، یکم نومبر ۱۹۶۴ء ، مطبوعہ کلیات ادیب فارسی ۱۳۸۴ھ/۱۹۶۴ء) ۔

Marfat.com

پیر علی محمد راشدی نے انگریزی اخبارات کی ادارت بھی بڑی شان سے کی۔ ۱۹۳۰ء میں روزنامہ ''مسلم وائس'' (Muslim Voice)۔ ۱۹۳۶ء تک اس کے مینجنگ ڈائریکٹر اور ایڈیٹر رہے۔ ۱۹۴۷ء میں پاکستان بن گیا۔ ۱۹۴۸ء میں ''سندھ آبزرور (Sind Observer) کا اجرا کیا۔ ۱۹۵۲ء میں ویکلی اسٹیٹسمین[1] (Weekly Statesman) کا اجرا کیا۔

اسی زمانے میں پاکستان نیوز سروس ایسوسی ایشن کے صدر کی حیثیت سے مختلف ممالک مثلاً ہندوستان، انگلستان اور مشرق وسطیٰ کا دورہ کیا۔ پاکستان کے صحافیوں کا جو وفد ملک سے باہر جاتا راشدی صاحب ہی اس کے سربراہ ہوتے۔ آل پاکستان ایڈیٹرز کانفرنس کے علاوہ لیاقت نہرو معاہدہ کے بعد پاک بھارت ایڈیٹرز کمیٹی کی صدارت[2] کا اعزاز بھی انھیں حاصل رہا۔

پیر علی محمد راشدی کا تعلق صحافت کے ساتھ ساتھ سیاست سے بھی بہت گہرا رہا، سیاست و صحافت ساتھ ساتھ ہو تو بڑے سے بڑا معرکہ سر ہو جاتا ہے۔ راشدی صاحب کی سیاست بھی کمال عروج کو پہنچی جس کا آغاز ۱۹۳۳ء میں سر شاہ نواز بھٹو (ساکن لاڑکانہ والد ماجد ذوالفقار علی بھٹو مرحوم، سابق وزیراعظم پاکستان) کی سیاسی پارٹی میں شرکت سے ہوا تھا۔

راشدی صاحب نے تحریک پاکستان میں پوری سرگرمی سے حصہ لیا۔ مسلم لیگ کے سرگرم رکن اور سیٹھ عبداللہ ہارون کے رفیق کار رہے۔ مسلم لیگ کے امور خارجہ کے سیکرٹری کے فرائض انجام دیے۔ انھوں نے

۱۔ یہاں یہ ذکر کر دینا مناسب نہ ہو گا کہ ڈیلی اسٹیٹسمین کے نام سے ایک اخبار عہد برطانیہ سے کلکتہ (مغربی بنگال) سے اب تک شائع ہو رہا ہے۔ یہ اخبار پورے ہندوستان میں چوٹی کا اخبار رہا ہے۔ آجکل اس پر بھارت کا قبضہ ہے۔

۲۔ پیر علی محمد راشدی سے انٹرویو از خالد خلد مطبوعہ ہفت روزہ اخبار جہان، کراچی، شمارہ ۲۱ فروری ۱۹۶۸ء۔

Marfat.com

مسلم لیگ کی قرار داد لاہور ۱۹۴۰ء کی روشنی میں تقسیم ہند کی ایک اسکیم' بھی تیار کی تھی۔

پیر علی راشدی کو اللہ نے وزارت و سفارت کے اعلیٰ مرتبوں سے بھی نوازا۔ ۱۹۵۳ء میں سندھ اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ ۱۹۵۳ء سے ۱۹۵۵ء تک پیرزادہ عبدالستار مرحوم اور محمد ایوب کھوڑو کی وزارت اعلیٰ کے دور میں سندھ کے وزیر مال ، وزیر صحت اور وزیر اطلاعات کے عہدوں پر فائز رہے۔ چودھری محمد علی وزیراعظم پاکستان کے عہد میں منصب وزیر اطلاعات پر ماسور رہے۔ وزارت کے علاوہ سفارت کا تاج بھی ان کے سر رہا۔ چند ماہ مشرق وسطیٰ میں ، پانچ سال فلپائن میں اور ڈیڑھ سال چین میں سفیر رہے[۲]۔

پیر علی محمد راشدی صحافت و سیاست جیسے خشک اور کٹھن میدان کے شہسوار ہونے کے باوجود فطری طور پر بہت شگفتہ مزاج اور بہت زندہ دل انسان ہیں۔ کسی زمانے میں شعر کہتے تھے۔ شاعری سے انھیں فطری لگاؤ تھا لیکن انھوں نے کسی ناخوشگوار واقعہ سے متاثر ہو کر شاعری ہمیشہ کے لیے ترک کر دی۔

جس شخص نے صحافت اور سیاست کی چوٹیاں سر کر لی ہوں اس کی ذہانت و فطانت اور زور قلم کا اندازہ مشکل ہے۔ انگریزی ، سندھی اور اردو لکھنے کی بے پناہ صلاحیت کے مالک ہیں۔ اس حقیقت کی شہادتیں ان تمام انگریزی اور سندھی اخبارات سے ملتی ہیں جن کے صفحات ان کی شعلہ انگیز و سنسنی خیز تحریروں سے پر ہیں۔ اردو لکھنے پر کس درجہ قادر ہیں اس کی گواہی ان کے وہ مضامین دیتے ہیں جو روزنامہ جنگ کراچی اخبار جہان میں، ''مشرق و مغرب'' کے مستقل عنوان کے تحت

۱۔ ''سید احمد شہید'' از مولانا غلام رسول مہر ، ص ۳۱۰ ، ضمیمہ راشدی خاندان کے حالات۔

۲۔ یہ احوال خود ان کے ایک بیان سے ماخوذ ہے جو اخبار جہان شمارہ ۲۱ فروری ۱۹۶۵ء میں شائع ہو چکا ہے۔

Marfat.com

بین الاقوامی حالات سے متعلق مسلسل کئی برس تک چھپتے رہے - اردو لکھنے کے بارے میں پیر علی محمد راشدی خود کہتے ہیں -

"روزنامہ جنگ میں لکھنے کا مشورہ مجھے میر خلیل الرحمان' نے دیا - اس موقع پر میرا خیال تھا کہ میں اردو نہیں لکھ سکوں گا لیکن میر صاحب نے اصرار کیا اور میں نے ان کی بات مان لی - حالانکہ اردو میری مادری زبان تھی نہ میں نے اردو میں تعلیم حاصل کی اور نہ اس کے استعمال میں اپنے آپ کو پوری طرح قادر پاتا ہوں - اس وقت تک میں صرف سندھی اورانگریزی میں لکھتا تھا"۔

(ہفت روزہ اخبار جہاں ۲۱ فروری ۱۹٦۸ء)

راشدی صاحب کا حال یہ ہے کہ سندھی ان کی مادری زبان ہے انگریزی اور سندھی لکھنے کے عادی ہیں ، اردو نہ ان کی مادری زبان ہے نہ اس میں انھوں نے تعلیم حاصل کی لیکن جب میر خلیل الرحمن کے مشورے پر لکھنا شروع کیا تو اردو کے بڑے بڑوں کو حیرت میں ڈال دیا بلکہ اردو کے نام نہاد صحافیوں اور مضمون نگاروں کو پیچھے چھوڑ دیا - ان کے خاندان میں اردو کے بڑے بڑے علماء و فضلاء اور شعراء و ادباء گزرے ہیں - ان کے چھوٹے بھائی پیر حسام الدین راشدی اردو کے بہت بڑے محقق اور مؤرخ ہیں - پھر علی محمد راشدی کا جوہر اردو زبان میں کیوں چھپ کر پنہاں رہ سکتا تھا - راشدی صاحب نے "مشرق و مغرب" کے عنوان سے جتنے مضامین لکھے ہیں وہ ان کے تبحر علمی ، حکمت سیاسی اور اردو و فارسی سے شیفتگی کی غمازی کرتے ہیں - اردو دانی کے ساتھ ساتھ فارسی دانی کے بھی شاہد ہیں - ان کی انشاء پردازی کا اپنا ایک اسلوب ہے ، اپنا ایک طرز ہے جس میں زبان و ادب کی چاشنی بھی ہے اور سیاست و صحافت کی وسعت بھی - ان کی اردو نثر میں بلا کی روانی و سلاست اور غضب کی فصاحت و بلاغت ہے - اردو

---

۱ - میر خلیل الرحمن روزنامہ جنگ کراچی کے بانی ، مینجنگ ڈائریکٹر اور ایڈیٹر ہیں -

Marfat.com

نثر میں ان کا اپنا ایک مخصوص اسٹائل ہے جو دلچسپ بھی ہے اور دلکش بھی - موقع محل کے مطابق اردو فارسی اشعار کا مناسب استعمال بڑی خوش اسلوبی سے کرتے ہیں - تحریروں میں بیک وقت صحافت، سیاست، ثقافت اور تاریخ کا خوبصورت امتزاج پیدا کرنا ان کی انشاء پردازی کا حسن ہے اور یہی فن ان کے اسلوب خاص کا مظہر ہے -

پیر علی محمد راشدی نے سندھ کے بزرگ ماہر تعلیم، عظیم دانشور و مفکر اور نامور بیرسٹر علامہ امداد علی قاضی سابق وائس چانسلر سندھ یونیورسٹی کی وفات (۱۴ محرم الحرام ۱۳۸۸ھ مطابق ۱۳ اپریل ۱۹۶۸ء[1]) پر ایک تعزیتی مضمون لکھا تھا - اس مضمون میں انھوں نے علامہ آئی - آئی قاضی کی ہمہ جہت و ہمہ گیر شخصیت کا بہت دلفریب و دلکش خاکہ پیش کیا ہے - اس مضمون کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ خالص ادبی نوعیت کی ہے - اس مضمون سے راشدی صاحب کی مہارت زبان، کمال انشاء پردازی اور لطیف اسلوب بیان کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے - یہ مضمون اس اعتبار سے بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ سندھ کے ایک نامور صاحب قلم نے سندھ کے ایک دوسرے عظیم مفکر و دانشور کے بارے میں اظہار خیال ہے - راشدی صاحب لکھتے ہیں:

"علامہ امداد علی قاضی ایک مانے ہوئے انسان تھے - قدرت کی فیاضیوں کا ایک نادر نمونہ تھے - انسانی اوصاف کا حسین مجموعہ تھے - ذہنی اور روحانی کمال کا مجسمہ تھے - اسلامی دنیا کے فی زمانہ مفکر منفرد تھے - وادی سندھ کے مرغ خوش الحان تھے - گلستان لطیف کے بلبل ہزار داستان تھے - ارض پاکستان کے لیے باعث عز و شان تھے - پاکستانی قوم کے لیے موجب امتیاز و سربلندی تھے - یہ لفاظی نہیں حقیقت ہے - اعتبار نہ آئے تو ان کی زندگی کا مطالعہ کیجیے - ان کے چھوڑے ہوئے اوراق

---

۱ - یہ تاریخ وفات راقم نے خود علامہ آئی آئی قاضی کے لوح مزار سے نقل کی ہے -

Marfat.com

کو چھانٹیے ۔ جن خوش نصیبوں نے ان کو دیکھا ہے یا سنا ہے ان سے پوچھیے ۔

ز رویش آستین بردار و گوہر را تماشا کن

تاریخ عالم کے سب سے زیادہ خونیں دور میں زندگی گزاری ۔ دو عالمی لڑائیاں اپنی آنکھوں سے دیکھیں ۔ امن اور انسانی اقدار کو پامال ہوتے دیکھا کہ انسان پر کس قدر بد ظنی سوار ہو چکی ہے کہ وہ حق اور انسانیت کی بات ہرگز نہیں سنتا مگر اس کے باوجود یہ شخص امن اور انسانیت کا سندیسہ سناتا رہا ۔ انسان دوستی اور خدا ترسی کی تلقین کرتا رہا جن لوگوں نے حیات کی حقیقت سمجھ لی ہے وہ موت سے کبھی نہیں ڈرتے ۔ قاضی صاحب مرحوم کو شاہ عبداللطیف کا ''بعد الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب'' کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ان کے دوسرے ارشادات بھی ان کے علم میں تھے مثلاً جو لوگ مرنے سے پہلے مر جاتے ہیں ان کے لیے ایک مشاہدہ کی سانند ہے یا مرنے سے پہلے جو مر گئے وہ مر کر مٹ نہیں سکیں گے ۔ سقراط ، پیٹرونس (Patronins) کب موت سے ڈرے ۔ ایک نے مزے لے کر زہر کا پیالہ پیا اور دم توڑ دیا دوسرے نے بڑے مزے لے کر خون بہایا اور ابدی نیند سو گیا بقول علامہ اقبال :

نشان مرد مومن با تو گویم
چو مرگ آید تبسم بر لب اوست

(اقتباس از مضمون ''علامہ امداد علی قاضی'' زیر عنوان ''مشرق و مغرب'' از پیر علی محمد راشدی مطبوعہ روزنامہ جنگ کراچی ، مورخہ ۲۷ اپریل ۱۹۶۸ء) ۔

Marfat.com

سائیں عبدالرشید قادری

(۱۳۲۶ - ۱۳۹۲ھ/۱۹۰۷ - ۱۹۷۲ء)

سائیں عبدالرشید قادری سلسلہ قادریہ کے مشہور عالم دین اور عارف باللہ حضرت سائیں عبدالغنی قادری[1] (۱۲۶۰ - ۱۳۵۷ھ) کے فرزند ارجمند تھے - اپنے ایک سلام کے مقطعے میں اپنی ولدیت کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں :

رشید ابن غنی سائیں یہ فقیر حقیر
اور حلقے والے یہ سارے ، سلام کرتے ہیں

اس خاندان عالی وقار کا سرچشمہ علم و فیض کراچی اور نواح کراچی میں کوئی ایک صدی سے جاری و ساری ہے -

سائیں عبدالرشید کی ولادت باسعادت ۱۳۲۶ھ (۱۹۰۷ء) میں کراچی میں ہوئی - چھ سال اسکول میں تعلیم پائی - عربی اور دینیات کی تعلیم اپنے صوفی منش باپ کے زیر نگرانی و زیر عاطفت حاصل کی - اپنے روشن ضمیر ولی اللہ والد کی تربیت و صحبت میں علوم ظاہری و باطنی سے بہرہ‌ور ہوئے - ۱۳۵۷ھ (۱۹۳۸ء) میں جب ان کے والد سائیں عبدالغنی کا انتقال ہوا تو مسند سجادہ نشینی پر فائز ہوئے -

شروع میں کچھ کاروبار کیا لیکن کاروباری ذہن نہ رکھنے کے باعث اس پیشے میں ناکامی ہوئی تو درس و تدریس کا پیشہ اختیار کیا - ساتھ ہی خدمت خلق اور خدمت دین کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا - ہزاروں بندگان خدا نے ان کی رہنمائی میں علم و عرفان اور حقیقت و معرفت کی روشنی حاصل کی -

---

(۱) سائیں عبدالغنی قادری کا تذکرہ کتاب ہذا کے باب "چوتھا دور — عہد برطانیہ" میں شامل ہے -

Marfat.com

سائیں عبدالرشید قادری ۱۳۹۲ھ (۱۹۷۲ء) میں اس دار فانی سے عالم جاودانی کو سدھارے۔

عبدالرشید قادری کو شعر و ادب سے فطری لگاؤ تھا۔ اردو میں مضامین بھی لکھتے تھے، شعر بھی کہتے تھے۔ رشید تخلص کرتے تھے۔ اپنی تحریروں میں عموماً رشید قادری لکھا کرتے تھے۔

رشید قادری رکھا ہوا ہے کیا یہاں پر اب
مدینے میں پہنچ کر تو اگر مر جائے بہتر ہے

رشید قادری کی شاعری بہت معیاری نہیں لیکن دلنواز اور روح پرور ضرور ہے۔ حمد، نعت، منقبت اور سلام زیادہ کہتے تھے۔ سادہ اور عام فہم الفاظ میں شعر کہتے تھے۔ انداز بیان مؤثر اور دلپذیر ہے۔ ہر شعر سے ذوق جمال اور نور نظر عیاں ہے۔ سرور کائنات[ص] کی مدح میں ہر نعت و سلام والہانہ عقیدت اور عاشقانہ جذبات کا آئینہ دار ہے۔ ذیل میں رشید قادری کا ایک سلام اور ایک نعت پیش خدمت ہے۔

سلام خیر الانام[ص]

رسول پاک[ص] ہمارے، سلام کرتے ہیں
یہ نام لیوا تمہارے، سلام کرتے ہیں
ادب سے ہاتھ کو باندھے یہ سر جھکائے ہوئے
خدا کے نور پیارے، سلام کرتے ہیں
یہ حور اور ملک اور آفتاب و قمر
اور آسمان کے تارے، سلام کرتے ہیں
محمد عربی سید الرسل آقا
غلام اب یہ تمہارے، سلام کرتے ہیں
رشید ابن غنی سائیں یہ فقیر حقیر
اور حلقے والے یہ سارے، سلام کرتے ہیں

نعت

جمال روئے انور گر نظر آ جائے بہتر ہے
مدینے میں اگر آقا مجھے بلوائے بہتر ہے

Marfat.com

نبی کی اک نظر عفو و کرم ہو جائے بہتر ہے
مری بخشش کا کچھ ساماں نکل ہی آئے بہتر ہے
رسول اللہ کے اس روضہ انور کی جالی پر
جبین نیاز اس عاصی کی گر جھک جائے بہتر ہے
کرم سے اس شہ بطحیٰ کے دل میرا منور ہو
اور اس میں سر حق علم لدن کھل جائے بہتر ہے
میں پلکوں سے در اقدس کو جھاڑوں بس یہ حسرت ہے
زہے قسمت غلامی کا شرف مل جائے بہتر ہے
یہ عاصی پر خطا کو خوف محشر کا نہ ہوگا پھر
وہاں سرکار کی مجھ پر نظر ہو جائے بہتر ہے
رشید قادری رکھا ہوا ہے کیا یہاں پر اب
مدینے میں پہنچ کر تو اگر مر جائے بہتر ہے

رشید قادری نثر نویسی میں ید طولیٰ رکھتے تھے ان کی نثر سادہ و پر معنی ، الفاظ دلکش اور حقیقت و معرفت کے اسرار و رموز سے آراستہ ہوتے تھے ۔ ان کے متعدد مضامین رسائل میں شائع ہوچکے ہیں۔ خاص طور پر ان کا وہ مقالہ یادگار ہے جو ان کے والد محترم سائیں عبدالغنی قادری کے سوانح حیات اور ان کی خدمات و کرامات پر مشتمل ہے ۔ یہ رسالہ مرغوب سوحدان میں ۱۳۵۸ھ کی اشاعت میں محفوظ ہے ۔ نثر میں ان کی کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے ۔ نہ ان کا کوئی دیوان ہی ہے البتہ ان کی بعض طویل تحریریں کتابچوں کی صورت میں شائع ہو چکی ہیں ۔ صوفی سائیں عبدالغنی کے ایک عرس کے موقعے پر ''جذبات عقیدت'' کے نام سے رشید قادری کا ایک کتابچہ ڈیسنٹ پریس کراچی سے چھپا تھا ۔ اس کتابچہ سے ذیل کی عبارت نقل کی جاتی ہے ۔ ان سطور سے رشید قادری کی طرز انشاء پردازی اور پاکیزہ خیالات و نظریات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے ۔

''اولیائے امت محمدیہ علیہ الف الف تحیہ و سلام طیبات ہمارے لیے مشعل نور ہدایت ہیں ۔ وارثان نبی امی ، طبقہ صوفیائے کرام ، اولیائے عظام میں پیدا ہوئے ۔ ان بزرگوں میں روحانی قوت

Marfat.com

اخلاق ، جذب و کشش اس لیے موجود تھی کہ وہ فنا فی الذات کے مرتبے پر فائز ہو چکے تھے۔ ہمہ اوست، ہمہ از اوست بلکہ اوست کا مشاہدہ کرتے تھے۔ جو کچھ کہتے تھے زبان حق سے کہتے تھے۔ جو دیکھتے تھے چشم حق سے دیکھتے تھے۔ ان بزرگوں کے اخلاق تخلقوا باخلاق اللہ کی تفسیر ، ان کی ذات قدسیہ اطیعو اللہ و اطیعو الرسول کی تصویر تھی۔ وہ فنا فی الرسول، فنا فی اللہ تھے۔ ہم جب فنا فی اللہ تھے سب کچھ تھے۔ اولیائے عظام نے دلوں کی اقلیم پر حکمرانی فرمائی۔ دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد بھی ان کی مقبولیت اسی طرح باقی رہی دن دونی رات چوگنی بڑھتی گئی۔ ان کی نعمتوں سے نعمتیں تقسیم ہوتی ہیں۔ ان کی روحانی قوتیں درماندہ لوگوں کی دستگیریاں کرتی ہیں۔ صفحہ کائنات پر ان کا نام ان کے تذکرے نے دوام و ثبات کا نقش ثبت کر دیا۔ ان کی روحانی طاقتیں کارفرما ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ اے میرے پیشوا تم پر لاکھوں سلام۔ اے میرے رہنما تم پر لاکھوں سلام'' :

Marfat.com

محمد سلیم جان مجددی سرہندی

(ولادت ۱۳۲۷ھ - ۱۹۰۷ء)

حکیم محمد سلیم جان مجددی سرہندی ، حضرت خواجہ محمد حسن جان مجددی سرہندی کے نواسے ہیں ۔ ان کی پیدائش ۱۳۲۷ھ (۱۹۰۷ء) میں ان کے آبائی قصبہ ٹنڈو سائیں داد (ضلع حیدرآباد) میں ہوئی ۔

اوائل عمر میں سایہ پدری سے محروم ہو گئے تو ان کے نانا جان حضرت محمد جان نے ان کی پرورش اور تربیت کی ۔ عربی و فارسی کی ابتدائی تعلیم بھی انھیں کی نگرانی میں ہوئی ۔ حضرت محمد حسن نے اپنے ایک صاحبزادے محمد ہاشم جان سرہندی کو اعلی تعلیم کے لیے اجمیر شریف بھیجا تو ان کے ہمراہ سلیم جان نے وہاں اپنے ماموں ہاشم جان کے ساتھ حضرت معین الدین اجمیری کے مدرسے سے دستار فضیلت حاصل کی ۔ پانچ سال کے بعد ٹنڈو سائیں داد واپس لوٹے ۔ چند سال کے بعد دوبارہ اجمیر شریف گئے اور وہاں سے طب میں سند حاصل کی ۔

ماتلی میں "سرہندی دواخانہ" قائم کیا اس وقت سے اب تک وہیں قیام ہے ، پریکٹس بھی کرتے ہیں ۔ ماتلی اور نواح کے لوگ ان کی حکمت اور علم و ادب کی بناء پر ان سے دلی عقیدت رکھتے ہیں ۔

سلیم جان سرہندی نے علم و عرفان اور شعر و ادب کی فضا میں پرورش پائی ۔ ان کے نانا حضرت خواجہ محمد حسن جان ایک عظیم المرتبت صاحب کمال و جلال تھے ۔ ان کے تین ماموؤں عبداللہ جان شاہ آغا سرہندی ، نے حاجی عبد الستار[1] جان سرہندی ، حافظ حافظ جان سرہندی علم و ادب دین و معرفت کی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں ۔ ان

---

۱ - عبدالستار جان کی حیات اور کلام کے لیے ملاحظہ ہو تذکرہ شعرائے ٹکھڑ ، ص ۱۶۷ - ۱۷۲ -

Marfat.com

حضرات کی صحبتوں میں بہت کچھ حاصل کیا - شعر و شاعری کا ذوق دامن گیر ہوا تو ان کے ایک ماموں عبدالستار جان نے ان کی حوصلہ افزائی کی - سلیم جان نے ان سے مشورہ سخن کیا - مشق و ریاضت کی بدولت شاعری میں نام پیدا کیا - سندھی، فارسی اور اردو میں بہت پختہ شعر کہتے ہیں - فارسی میں شیخ سعدی کا نہایت کامیاب تتبع کیا ہے - مرثیہ نگاری میں بھی کمال رکھتے ہیں - ''نوحہ فراق فلاسی' بروفات خواجہ محمد حسن'' ان کی فارسی دانی اور خاص رنگ کا آئینہ دار ہے -

فارسی اور سندھی کے علاوہ اردو میں بھی بہت عمدہ شعر کہتے ہیں - راقم کی درخواست پر انھوں نے ایک اردو غزل اپنی تحریر میں ارسال فرمائی ہے جو یہاں نقل کی جاتی ہے -

وہ جس کو ہم کبھی بھولے سے یاد نہ آ سکے
اسی بلائے دل و جاں کو ہم بھلا نہ سکے
چھپے گلوں میں کبھی چمکے چاند تاروں میں
وہ میرے ہاتھ سے دامن مگر چھڑا نہ سکے
ہزار ضبط کیا لاکھ دل کو سمجھایا
حضور یار ہم آنسو مگر چھپا نہ سکے
یہ ناز حسن کی مجبوریاں معاذ اللہ
کہ ہم تو رو بھی لیے اور وہ مسکرا نہ سکے
طرح طرح کے دیے دل کو عقل نے دھوکے
فریب پر ترے دیوانے کوئی کھا نہ سکے
یہی شکستہ مرا دل، ٹھکانہ ہے ان کا
جو جلوے وسعت کونین میں سما نہ سکے
دل و نگاہ میں جو گفتگو ہوئی تھی سلیم
وہ سب نے سن لی مگر ان کو ہم سنا نہ سکے

---

١ - سلیم جان کا کچھ فارسی کلام ''فائق ہلیلیا فردوس میں'' مولفہ حکیم عبدالعزیز جان سرہندی میں شائع ہو چکا ہے -

Marfat.com

راقم نے حکیم سلیم جان سرہندی کے نام اپنے ایک مکتوب میں ان سے درخواست کی کہ اپنے حالات زندگی اور نمونہ نظم و نثر اردو مرحمت فرمائیں تو بڑا کرم ہو گا۔ مکتوب الیہ نے صاحب فراش ہونے کے باوجود میری گزارش پر فوری توجہ دی اور اپنی ایک اردو غزل تفصیلی جواب کے ساتھ بھیج کر ممنون احسان کیا جس خلوص اور محبت سے انھوں نے مکتوب گرامی تحریر فرمایا ہے وہ ان کے اعلیٰ اخلاق روایتی وضعداری اور علمی کاموں سے دلچسپی کا زندہ ثبوت ہے۔ ایک ایسا دلچسپ مضمون جو ان کی شخصیت اور علمی و ادبی زندگی کے بعض اہم گوشوں پر محیط ہے۔گویا اس کی حیثیت ایک مختصر خود نوشت سرگزشت کی سی ہے۔ اس سرگزشت میں مکتوب نگاری کا حسن بھی ہے اور انشاء پردازی کا جادو بھی۔ ان کی زبان سلیس، شستہ، شگفتہ اور برجستہ ہے۔ اس سے ان کی اردو نثر کے اسلوب کا بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ان کا وہ گرامی نامہ من و عن بطور نمونہ نثر پیش کیا جاتا ہے۔

ماتلی ۲۱ ستمبر ۱۹۷۸ء

محترمی جناب وفا صاحب السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

نامہ گرامی موصول ہو کر باعث مسرت و عزت افزائی ہوا۔ اس عنایت اور مجھ بے بضاعت و بے مایہ کے متعلق حسن ظن کے لیے آپ کا بیحد ممنون ہوں۔ ورنہ میں آنم کہ من دانم۔ البتہ در ایام جوانی چنانکہ افتد و دانی سندھی اور فارسی میں شاعری کی، ٹانگ توڑی تھی اردو میں بھی چند نظمیں اور غزلیں کہی تھیں مگر اب یہ سب باتیں زیب طاق نسیاں بن کر قصہ ہائے پارینہ بن چکی ہیں اور میں ان کا خمیازہ اب تک بھگت رہا ہوں۔

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ عرصہ دراز سے گوناگوں امراض میں مبتلا صاحب فراش ہوں۔ رخش عمر اکہتر بہتر کی حوصلہ فرسا اور صبر آزما منزلیں طے کر رہا ہے۔ ''نے ہاتھ برگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں'' قویٰ مضمحل ہو چکے ہیں اور عناصر میں اعتدال باقی نہیں رہا ہے۔ ان ناگفتہ بہ حالات میں چند سطریں لکھنا بھی میرے لیے جوئے شیر

Marfat.com

لانے سے کم نہیں ہے ۔ آپ کو کہاں ندامت سے نہ صرف معذرت اور عفو طلبی پر ہی خوش کر سکتا ہوں ۔ براہ کرم میری معذرت قبول فرمائیے اور مجھ نحیف و نزار بیمار کے حق میں دعائے حسن خاتمہ فرمائیے ۔ اللہ آپ کا بھلا کرے اور میرا بھی ۔ اگر زندگی باقی رہی اور صحت نے بھی یاوری فرمائی تو انشاء اللہ فقیر کی جھولی میں رطب و یابس جو کچھ بھی ہے خدمت والا میں پیش کر دوں گا ۔

میرے خود نوشت حالات زندگی محمد بن قاسم ادبی سوسائٹی لطیف آباد حیدرآباد سندھ کی ''مانک موتی لال'' نامی کتاب میں شائع ہو چکے ہیں ۔ آپ یہ کتاب مطالعہ فرمائیں اس میں سندھ کے ممتاز ادیبوں اور شاعروں کے حالات زندگی مع نمونہ کلام درج ہیں ۔ اپنے بارے میں صرف اتنا کر سکتا ہوں کہ :

نہ شگوفۂ نہ برگے نہ ثمر نہ بار دارم
ہمہ حیرتم کہ دہقانِ بچہ کار کشت ما را

خدا کی مصلحتیں خدا ہی جانے ۔ ایک المیہ میرے ساتھ یہ بھی ہوا ہے کہ میرا مجموعہ کلام جس میں سندھی اور فارسی کے علاوہ کچھ اردو کلام بھی تھا کسی بدذوق شخص نے غائب کر کے اپنے نامہ اعمال میں سیہ کاری کا مزید اضافہ فرمایا ہے اور اب میں شعر کے معاملے میں تقریباً قلاش ہو گیا ہوں ۔ نامعلوم چور کو خدا جزائے خیر عطا فرمائے جس نے میرا بڑا بوجھ ہلکا کر دیا ہے ۔

آپ کی فرمایش پر بڑی تلاش کے بعد اردو کی صرف ایک غزل دستیاب ہو سکی ہے جو اس خط کے ساتھ پیش کر رہا ہوں ۔ چونکہ اب زیادہ لکھا نہیں جاتا اس لیے خط کو دعائے خیر پر ختم کرتا ہوں ۔ خداوند کریم آپ کو خوش سلامت رکھے اور علمی و ادبی خدمت کے لیے تا دیر زندہ و تنومند بھی ۔ والسلام ۔

دعا گو ۔ محمد سلیم مجددی سرہندی

Marfat.com

مراد خان چانڈیو

(۱۳۲۸ - ۱۳۷۳ھ/۱۹۰۸ - ۱۹۵۳ء)

الحاج مراد خان چانڈیو خانوادہ بچانی کے صوفی منش سپوت تھے۔ ۱۳۲۸ھ مطابق ۱۹۰۸ء میں گوٹھ احمد خان چانڈی نامی گاؤں (متصل کندی شہر) میں تولد ہوئے۔ بچپن میں ان کے والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا اس لیے ان کی اوائل عمری عسرت میں گزری۔ ان کی پرورش والدہ ماجدہ کی جنت آغوش میں ہوئی۔ والدہ نے اپنے ہونہار بیٹے کو لائق بنانے کی خاطر صعوبتیں جھیلیں۔ اپنے لخت جگر کی تعلیم و تربیت کا خاص خیال رکھا۔ مراد خان نے نندن شہر کے پرائمری سکول میں ابتدائی تعلیم پائی۔ ماسٹر عبداللہ خان میمن کی خصوصی توجہ سے ان کی بنیادی تعلیم بہت اچھی ہوئی۔ ہر امتحان میں اول آئے۔ عربی و فارسی کے دینی علوم سے آراستہ ہوئے۔ ان کے استادوں میں مولوی عبدالرحمن نے انھیں عربی و فارسی کے درس دیے۔

مراد خان چانڈیو کو تحصیل علم کا بہت شوق تھا۔ ذاتی مطالعہ اور محنت سے اعلیٰ استعداد حاصل کی۔ ایام طفلی سے نیک صفت اور حلیم الطبع تھے۔ نماز روزے سے کبھی غافل نہیں ہوئے۔ شروع سے دینی مجالس اور علمی محفلوں میں شریک ہوتے تھے۔ ذوق طلب اور تلاش و جستجو میں دور دراز کا سفر کیا۔ مختلف ممالک اور مقامات کی سیر و سیاحت کی۔ اپنے علم، معلومات اور مشاہدات کے موتیوں کو تحریروں کے دامن میں سمیٹ لیا۔

ایک بار پیدل حج کرنے کی سعادت حاصل کی۔ دوسری بار ۱۳۷۳ھ (۱۹۵۳ء) کو حج کی تیاری میں مصروف تھے کہ سفر آخرت اختیار کرنا پڑا۔ ان کا مزار پرانوار شہر مقلا کی ایک مسجد کے صحن میں مرجع خلائق ہے۔

Marfat.com

حاجی مراد خان چانڈیو عالم باعمل ، عارف باللہ تھے ۔ عربی زبان بڑی روانی سے لکھتے اور بولتے تھے ۔ ان کا عربی تلفظ اور لہجہ اتنا درست تھا کہ اہل عرب انگشت بدندان ہو کر کہتے :

"آپ سندھی معلوم نہیں ہوتے ۔ آپ کے لہجے میں اور ایک عرب کے لہجے میں کوئی فرق نہیں"[1] ۔

مراد خان چانڈیو سندھی فارسی اور اردو کے شاعر تھے ان کی قومی و ملی نظمیں حب الوطنی کے جذبے سے معمور انسانی عظمتوں کی لازوال کیفیتوں سے بھرپور ہیں ۔ غزل کافی ، ڈوھیڑھا ، قصیدہ ، گیت جیسی اصناف پر بھی خوب طبع آزمائی کی ۔ لیکن ان کے فکر و تخیل کا محور عشق رسول ؐ ہے ۔ ان کا دل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے پناہ محبت سے سرشار تھا ۔ اس لیے وہ مدح رسول ؐ میں جو کچھ کہتے نہایت والہانہ انداز میں کہتے ۔

مراد خان کا ایک "سلام بحرگاہ خیرالانام صلعم میں "اس اعتبار سے لاجواب ہے کہ یہ بیک وقت عربی ، فارسی ، سندھی اور اردو بیتوں اور ترکیبوں کے امتزاج سے معرض وجود میں آیا ہے ۔ اکثر بند بظاہر عربی کے معلوم ہوتے ہیں لیکن یہ تمام الفاظ اردو میں رائج ہیں اس لیے ایسے شعروں کو اردو نعتیہ شاعری کا جز قرار دیا جا سکتا ہے ۔ یہ سلام مخمس کے ۲۶ بندوں پر مشتمل ہے اس کے چند بند ملاحظہ ہوں ۔

الصلواۃ اے صاحب خلق عظیم
الصلواۃ اے مخزن لطف عمیم
الصلواۃ اے صاحب شق القمر
الصلواۃ اے بادشاہ بحر و بر
و الاسلام اے یا مزمل مدثر

الصلواۃ اے صاحب ام الکتاب
الصلواۃ اے هووحی تنھنجوجواب

---

۱ ۔ مہران سوانح نمبر ، ص ۳۸۳ ۔

الصلواۃ اے شافع یوم الحساب
الصلواۃ اے سرور عالی جناب
السلام اے "انا اعطیناک الکوثر"

الصلواۃ اے منبع جود و سخا
الصلواۃ اے مخزن فضل و عطا
الصلواۃ اے پیشوائے انبیاء
الصلواۃ اے مقتدائے اولیا
السلام اے "فصل لربک وانحر"

الصلواۃ اے نور حق ظل خدا
الصلواۃ اے چشمہ آب بقا
الصلواۃ اے گمرہن جا رہنما
الصلواۃ اے زیب بستان ہدیٰ
السلام اے "ان شانئک ھوالابتر"

الصلواۃ اے واہ توحیدی لذت
الصلواۃ اے ذکر تو ہر سو سمت
الصلواۃ اے فیض واحساں بردرت
الصلواۃ اے تاج عزت برسرت
السلام اے صاحب علم و صبر

Marfat.com

سید زوار حسین شاہ

(ولادت ۱۳۲۹ھ - ۱۴۰۰ھ/۱۹۰۹ء - ۱۹۸۰ء)

حضرت مولانا الحاج سید زوار حسین شاہ نقشبندی مجددی سعیدی، ان اولیائے کرام اور اولیائے عظام میں سے ہیں جن کے دم سے دیار کراچی علم و فیض کا مرکز اور شریعت و روحانیت کا گہوارہ رہا ہے۔ سید زوار حسین شاہ برصغیر کے مشہور ولی اللہ اور مبلغ اسلام حضرت خواجہ محمد سعید ہاشمی کے خلیفہ خاص اور الحاج پروفیسر ڈاکٹر مولانا غلام مصطفٰی خان (سابق صدر شعبہ اردو، جامعہ سندھ) جیسے مجموعہ کمالات و جامع الصفات عارف و عالم کے پیر و مرشد ہیں۔

مولانا سید زوار حسین شاہ کی ولادت ۱۳۲۹ھ مطابق ۱۹۰۹ء میں بمقام کوھلہ ضلع کرنال مشرقی پنجاب ہوئی۔ ۲۲ رمضان المبارک ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۵ اگست ۱۹۸۰ء کو کراچی میں وفات پائی۔

پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کے سند یافتہ تھے۔ عربی، فارسی، اردو تعلیم کی تحصیل و تکمیل کے بعد پیشہ درس و تدریس اختیار کیا۔ پندرہ سال دہلی اسکول میں عربی کے استاد رہے۔

قیام پاکستان کے بعد خیرپور ٹامیوالی ضلع بہاولپور میں اقامت اختیار کی۔ ۱۹۶۷ء سے کراچی میں سکونت پذیر رہے۔

شاہ صاحب بچپن سے عارفانہ مزاج اور فقیرانہ طبیعت کے مالک تھے۔ قدرت نے شروع سے ان کی فطرت میں علم و فضل، ذکر و فکر، محبت و معرفت کے اوصاف عطا کیے تھے۔ رضائے الٰہی کے لیے دست بدعا رہتے تھے:

"الٰہی مقصود ما توئی و رضائے تو، مارا محبت و معرفت خود بدہ، الٰہی مارا آن بدہ کہ بدوستان خود دادی، الٰہی از تو

Marfat.com

ترا می خواہم سے احب الصالحین و لست منظم۔
لعل اللہ یرزقنی صلاحا''[1]

رضائے الٰہی اور اس کی معرفت و محبت کی تلاش نے شاہ صاحب کو پیر کامل کے دامن فیض سے وابستہ کیا۔ قدوۃ السالکین ، زبدۃ العارفین حضرت مولانا خواجہ شاہ محمد سعید قریشی ہاشمی نقشبندی مجددی فضلی احمد پوری قدس سرہ الفرید ، (ولادت ۱۳۱۷ھ مطابق ۱۸۹۹ء بمقام احمد پور شرقیہ ریاست بہاولپور ، وفات ۱۹ ربیع الثانی ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۴ اپریل ۱۹۴۴ء بمقام پانی پت[1]) سے بالمشافہ اپریل ۱۹۳۲ء میں بیعت[2] ہوئے۔

شاہ صاحب کو اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ محمد سعید ہاشمی سے بہت محبت و قربت تھی۔ ان کے مرشد بھی اپنے چہیتے مرید پر بیحد شفقت فرماتے تھے۔ شاہ صاحب نے اسلام کی ترویج و اشاعت کی غرض سے اپنے مرشد کے ہمراہ دور دراز علاقوں مثلاً دہلی ، کرنال ، پانی پت ، کیتھل ، تھانیسرگوہانہ وغیرہ کا دورہ کیا۔ بہت سے کفر و شرک سے معمور دلوں کو تجلی توحید اور انوار محمدی سے منور کیا۔ شاہ صاحب نے اپنی بے پناہ خدمت ، محبت ، ریاضت و عبادت سے اپنے شیخ کی زندگی میں وہ مقام حاصل کر لیا تھا جو ''فنا فی الشیخ''[3] کا مقام ہوتا ہے۔

مولانا سید زوار حسین شاہ کے تلامذہ ، مریدین ، ارادتمند پاکستان سے ہندوستان تک کے ہر گوشہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ حضرات اپنے علم و فکر سے خدمت دین میں مصروف ہیں۔ شاہ صاحب نے اپنے جن خلفائے کرام[4] کو خرقہ خلافت سے سرفراز فرمایا ہے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں :

۱۔ حیات سعیدیہ مصنفہ زوار حسین شاہ ، ص ۲۴۵ مطبوعہ ادارہ مجددیہ کراچی۔

۲ و ۳۔ حیات سعیدیہ ، ص ۹ ، ۲۱۹ ، ۲۲۴ ، ۲۴۵۔

۴۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو حیات سعیدیہ ، ص ۳۱۰۔

۵۔ ماخوذ از معلومات حضرت محمد اعلی ساکن کراچی۔

Marfat.com

(۱) ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان (سندھ)

(۲) حضرت حاجی محمد اعلیٰ (کراچی)

(۳) ڈاکٹر ظہور احمد (کوٹ سومن سرگودھا)

(۴) ماسٹر عبدالکریم

(۵) ڈاکٹر عبدالرحیم گاندھی

(۶) صوفی محمد احمد مرحوم ۔

مولانا سید زوار حسین ایک عالم با عمل اور بزرگ با فیض تھے۔ خطابت، تقریر، تصنیف و تالیف میں عالمانہ و فاضلانہ صلاحیتوں کے حامل تھے ۔ مسجدوں، مدرسوں اور علمی و روحانی و ادبی محفلوں میں نمایاں نظر آتے ہیں ۔ مجسمہ اخلاص و ایثار اور سراپا عجز و فقر تھے ۔

شاعری بھی کرتے تھے۔ زوار اُن کا تخلص ہے ۔ عربی، فارسی اور اردو میں نہایت پاکیزہ اعلیٰ شعر کہتے تھے۔ ان کی نظمیں کہیں مولانا محمد حسین آزاد اور کہیں مولانا الطاف حسین حالی کی یاد دلاتی ہیں ۔ حقیقت کی عکاسی، فطرت کی نقاشی اور جذبات و تاثرات کی ترجمانی میں جو طرز اپناتے ہیں اس میں انھی بزرگوں کی پیروی معلوم ہوتی ہے ۔ زوار شاہ صاحب کی عربی، فارسی اور اردو منظوم مناجات کا ایک مجموعہ ''گلدستہ مناجات'' کے نام سے ۱۹۵۰ء میں ادارہ مجددیہ کراچی کی جانب سے شائع ہو چکا ہے ۔

۲۹ اشعار پر مشتمل ایک طویل نظم ''بیادگار خواجہ محمد سعید ہاشمی'' کی نشست الفاظ، چستی بندش، روانی اور زور بیان دیکھیے ۔

وہ شمس معرفت شیخ طریقت عارف کامل
وہ دانائے شریعت، رہبر حق، واقف منزل
مرے مولا مرے مرشد، سعید ہاشمی قرشی
وہ حنفی نقشبندی سہروردی قادری چشتی
مجاز خواجۂ فضل علی شہ غوث صمدانی
مجدد الف ثانی کی محبت میں جو تھے فانی

Marfat.com

کروں توصیف مرشد یہ کہاں تاب و تواں میری
تخیل میرا ناقص نامکمل ہے زباں میری
جمیل و صائب الرائے حسن سیرت حسیں صورت
وہ زاہد متقی ، صاحب نظر ، صاحب دل و الفت
توکل صبر و تسلیم و رضا و شکر ربانی
تواضع بندگی بندہ نوازی خندہ پیشانی
تبسم ہی تبسم تھی سراسر گفتگو ان کی
محمد کی غلامی تھی ہمیشہ آرزو ان کی
لطافت میں نظافت میں وہ تقویٰ اور طہارت میں
وہ عفت میں شرافت میں سخاوت میں شجاعت میں
چلن میں سادگی میں وضع میں الطاف و رحمت میں
عمل میں حلم میں عفو و کرم میں اور طاعت میں
وہ اخلاقِ محمدؐ کا سراپا اک نمونہ تھا
کہ آغوش شریعت میں اسے فطرت نے پالا تھا
نگاہ فیض پڑ جاتی تھی جس پر میرے مرشد کی
محبت اس میں گھر کرتی تھی اللہ کی محمدؐ کی

اس قسم کی نظمیں جب تک پوری کی پوری نہ پڑھی جائیں افادیت کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا ۔ یہاں جامعیت کے مدنظر مکمل نظم نقل کرنا ممکن نہیں ۔ بہرکیف اس نظم کے آخری چار اشعار پیش کیے جاتے ہیں جن میں نظم نگار نے بارگاہ الٰہی میں اتباعِ سنت محبت شریعت ، اوصاف عرفانی اور نور ایمانی عطا کرنے کی یوں دعا کی ہے :

تمنا ہے ترے زوار کی ، مولا عطا کر دے
مرے قلب و جگر کو حبِ مرشد میں فنا کر دے
ہمیں سنت کا تابع کر ، شریعت کی محبت دے
اور اس پر تا دم آخر خدایا استقامت دے
عطا کر دے مرے مولا ہمیں اوصاف عرفانی
دلوں میں سب مسلمانوں کے بھر دے نور ایمانی

---

۱ ۔ مکمل نظم کے لیے ملاحظہ ہو حیات سعیدیہ ، ص ۳۳۶ - ۳۴۷ ۔

Marfat.com

ہمارا خاتمہ بالخیر ہو ایمان کامل پر
بحق مصطفےٰ[۳] آل نبی اصحاب پیغمبر

سولانا زوار حسین شاہ پرگو شاعر تھے۔ ان کے پیر و مرشد کے وصال (۱۹۴۴ء) کے بعد مسجد سالار گنج پانی پت میں سالانہ اجتماع ہوا۔ اس جلسے میں شرکت کے لیے شاہ صاحب دہلی سے تشریف لائے۔ راستہ میں ایک نظم بعنوان ''یاد مرشد'' کی تخلیق ہوئی۔ یہ نظم ۲۴ اشعار پر حاوی ہے۔ یہ نظم جس والہانہ کیفیت میں کہی گئی ہے۔ جس وارفتگی و بیساختگی سے ایک ایک شعر کو جذبات و تاثرات کے سانچے میں ڈھالا گیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اس نظم کا تیسرا حصہ دیکھیے:

مبارک تجھ کو اے زوار پھر روز سعید آیا
تجھے پھر یاد مرشد نے ہے اس محفل میں بلوایا
خدا کی راہ میں سٹ جا خدا کے نام پر بک جا
یہی ایسی تجارت ہے کہ جس کو بے خطر پایا
مٹا کر اپنی ہستی جب ہوا اللہ سے واصل
تجھے ہر چیز میں اللہ کا جلوہ نظر آیا
شریعت کے یہ خادم ہیں طریقت بھی حقیقت بھی
مجدد الف ثانی نے ہے یہ ارشاد فرمایا
محمد کی غلامی سے سرمو ہو نہ تو باہر
یہی تعلیم دیتے تھے ہمارے مرشد و رہبر[۱]

اب ہم سولانا سید زوار حسین شاہ صاحب کی تصنیفات، تالیفات اور تراجم کا ایک مختصر جائزہ پیش کرتے ہیں۔ شاہ صاحب نے عربی اور فارسی کی اہم اور نادر کتابوں کا شگفتہ اور آسان زبان میں ترجمہ کیا ہے تاکہ اردو کے اہل علم کے ساتھ ساتھ عام قارئین بھی اس سے مستفیض ہو سکیں۔ شاہ صاحب کی تقریباً تمام کتابیں ادارہ مجددیہ ۵/۳ ناظم آباد

---

۱ - ۲۴ اشعار کی یہ نظم ''حیات سعیدیہ'' (ص ۲۴۸ - ۲۴۹) میں درج ہے۔

Marfat.com

نمبر ۲ ، کراچی نمبر ۱۸ سے زیر اہتمام الحاج محمد اعلی صاحب[1] شائع ہو چکی ہیں -

تراجم :

(۱) مبدأ و معاد (فارسی) - مطبوعہ ۱۹۶۸ء -

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کا یہ گراں قدر رسالہ کئی بار منظر عام پر آ چکا ہے لیکن شاہ صاحب نے قلمی اور مطبوعہ پانچ نسخوں کو سامنے رکھ کر پہلے تصحیح فرمائی پھر ترجمہ کیا - فارسی اشعار کا ترجمہ اردو اشعار میں کیا - اس میں ضروری حواشی کا بھی اضافہ کیا - شروع میں مسلسل اصل فارسی رسالہ ہے بعد میں اردو ترجمہ -

(۲) معارف لدنیہ - مطبوعہ ۱۹۶۸ء -

یہ بھی حضرت الف ثانی کا فارسی رسالہ ہے - اس کتاب میں پہلے فارسی کا اصل رسالہ شامل ہے بعد میں اس کا اردو ترجمہ - اشعار کا ترجمہ اشعار میں ہے - اس رسالہ کی تصحیح کے وقت قلمی اور مطبوعہ چار نسخے پیش نظر رہے - حواشی بھی شامل ہیں -

(۳) مکتوبات معصومیہ (عربی و فارسی) - مطبوعہ ۱۹۷۸ء -

حضرت عروۃ الوثقی خواجہ محمد معصوم کے مکتوبات تین دفتروں میں ہیں - ہر دفتر مختلف دور میں مختلف مطابع سے شائع ہو چکا ہے - شاہ صاجب نے مطبوعہ اور قلمی نسخوں کو پیش نظر رکھ کر تصحیح فرمائی - اردو میں مکتوبات معصومیہ کے اس ترجمے کو نہ صرف اولیت بلکہ اولویت حاصل ہے -

تصنیفات و تالیفات :

(۱) عمدۃ السلوک - ڈیمی سائز - صفحات ۳۶۸ - سن تصنیف ۱۹۴۴ء -

---

۱ - راقم حاجی محمد اعلی صاحب مرید حضرت شاہ صاحب اور مہتمم ادارہ مجددیہ کا ممنون ہے اس لیے کہ ان کے توسط و تعاون سے شاہ صاحب کی مطبوعات اور قلمی نسخوں سے استفادے کی سعادت حاصل ہوئی -

Marfat.com

یہ شاہ صاحب کی پہلی تصنیف ہے جو اب چوتھی بار شائع ہوئی ہے - کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے - پہلے حصہ میں فضائل ذکر ، ثبوت بیعت، استخارے کا طریقہ ، مخصوص دعائیں، درستی اخلاق وغیرہ کے اہم مسائل پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے - دوسرے حصہ میں علم کی فضیلت، طریقت، حقیقت ، معرفت ، علم الیقین ، عین الیقین ، حق الیقین ، فنا اور بقا کی تشریح، عالم خالق و امر، عالم مثال ، عالم کبیر و صغیر، جسم مثالی، حقیقت نفس، توحید وجودی و شہودی، توحید ذاتی و صفاتی و افعالی، تشریح اصطلاحات نقشبندیہ ، آداب و رعایت برائے مرشدین ، اعتقادات برائے کاملین ، نماز کی فضیلت اور اس کے مدارج ، سالک اپنے دن اور رات کس طرح گزارے ، طریقہ بیعت ، طریقہ تعلیم و تشریح اسباق سلسلہ نقشبندیہ ، مراقبات مشارب، خلاصہ اسباق سلوک، طریقہ توجہ ، مختصر حالات حضرات نقشبندیہ ، آخر میں تعویذات اور ختم خواجگان بھی درج ہیں -

(۲) عمدۃ الفقہ ـ مطبوعہ ۱۹۶۵ء -

یہ کتاب حسب ذیل چار جلدوں پر محیط ہے :

(۱) کتاب الایمان و کتاب الطہارہ -

(۲) کتاب الصلوٰۃ -

(۳) کتاب الزکوٰۃ و کتاب الصوم -

(۴) کتاب الحج -

شاہ صاحبؒ نے ان چاروں جلدوں میں مسائل فقہیہ کو نہایت تحقیق اور مطالعہ کے بعد احتیاط اور ژرف نگاہی کے ساتھ بیان فرمایا ہے - چھوٹی سے چھوٹی جزئیات تک کی وضاحت کی ہے -

(۳) زبدۃ الفقہ (زیر طبع)

اس کتاب کی تین جلدیں ہیں جن میں شاہ صاحب نے عمدۃ الفقہ کی تفصیلات کے پیش نظر مسائل فقہ اور جزئیات پر جامعیت کے ساتھ روشنی ڈالی ہے -

(۴) حضرت مجدد الف ثانی ـ دوسرا ایڈیشن - ۱۹۷۸ء -

اس کتاب میں شاہ صاحب نے حضرت مجدد کی زندگی کے حالات ،

Marfat.com

معمولات ، نظریات و ارشادات سے متعلق تفصیل سے روشنی ڈالی ہے -
مندرجات یہ ہیں :

سلسلہ نسب ، سلسلہ طریقت ، حیات مبارکہ ، وفات ، معمولات ، کشف و کرامات ، ملفوظات دعوت و تجدید ، مجددیت ، تجدیدی کارنامے ، شواہد تجدید ، معترضین اور ان کی تردید ، تعلیمات ، تصانیف ، اولاد امجاد ، خلفاء عظام ، مکتوب الیہم ، کتابیات وغیرہ - یہ کتاب بلا شبہ شاہ صاحب کی ایک معرکہ آرا تالیف ہے اور افادیت کے اعتبار سے منفرد ہے -

(۵) انوار معصومیہ - مطبوعہ ۱۹۷۵ء -

حضرت خواجہ محمد معصوم خلیفہ جانشین و فرزند سوم حضرت مجدد الف ثانی کی جامع اور مبسوط سوانح حیات ، مکتوبات معصومیہ کی روشنی میں مدلل طور پر ثابت کیا گیا ہے کہ تعلیمات مجددی کے اصل شارح حضرت محمد معصوم ہی ہیں اور عہد حاضر کے علماء حق بالواسطہ یا بلاواسطہ آپ ہی کے خوشہ چین ہیں - شاہ صاحب کی مذکورہ بالا کتاب حضرت مجدد الف ثانی ، اور ان کے اسلاف و اجداد کے حالات پیش کرتی ہے تو انوار معصومیہ آپ کی اولاد و احفاد کے کوائف سے آگاہ کرتی ہے- پہلی کتاب ضرورت و اسباب تجدید کا خاکہ اور تجدیدی کارناموں کی مظہر ہے اور دوسری کتاب تجدید کے دور اور اس عواقب و نتائج کا آئینہ ہے اس طرح انوار معصومیہ دراصل تکملۂ "حضرت مجدد الف ثانی" ہے -

(۶) طریقہ حج اور دعائیں - مطبوعہ ۱۹۷۶ء -

اس کتاب میں فضائل و طریقہ حج کے ساتھ ساتھ حج اور زیارات کی جامع و مبسوط دعائیں شامل ہیں - ہر دعا کے آخر میں اردو ترجمہ بھی ہے -

(۷) گلدستہ مناجات - مطبوعہ ۱۹۵۰ء -

عربی فارسی اور اردو منظوم مناجات کا روح پرور مجموعہ -

(۸) مقامات فضلیہ (زیر طبع) -

اس کتاب میں شاہ صاحب نے اپنے شیخ طریقت خواجہ محمد سعید

Marfat.com

قریشی ہاشمی کے شیخ حضرت خواجہ فضل علی (متوفی ۱۹۳۵ء) ساکن مسکین پور ضلع بہاولپور کے حالات و واقعات قلمبند کیے ہیں۔

(۹) حیات سعیدیہ ۔ مطبوعہ ستمبر ۱۹۷۰ء (۱۳۹۰ھ)۔

اس کتاب میں شاہ صاحب نے اپنے شیخ حضرت خواجہ محمد سعید قریشی ہاشمی احمد پوری کی زندگی، شخصیت، معمولات، عادات، مصروفیات، رشد و ہدایات اور کشف و کرامات کا شرح و بسط سے عالمانہ جائزہ لیا ہے۔ یہ کتاب صحیح معنوں میں شاہ صاحب اور ان کے حلقۂ طریقت و شریعت سے متعلق ایک ڈائرکٹری کی حیثیت رکھتی ہے۔

مولانا سید زوار حسین شاہ کی تمام تر نگارشات احیاء دین، شریعت مطہرہ، رموز طریقت اور اسرار توحید و رسالت پر محیط ہیں۔ ان کی تصنیف و تالیف، ترجمہ، تحریر و تقریر کا اصل مقصد احکامات الٰہی، ارشادات نبوی، تعلیمات انبیا، پیغامات اولیاء کی روشنی میں عوام الناس کے دلوں کو نور ایمانی و تجلیات سبحانی سے بھر دینا اور معاشرے کو شر کے اثرات سے پاک کرنا ہے۔ انھوں نے اپنے نصب العین کی تکمیل کے لیے نہایت آسان اور عام فہم زبان کو اپنایا ہے۔ طرز تحریر شگفتہ اور دلنشین اسلوب سادہ اور پرکشش ہے۔ قرآن اور حدیث کے حوالوں سے ان کی تحریریں زیادہ جاندار اور بصیرت و روحانیت سے معمور ہوتی ہیں۔

نمونہ نثر یہ ہے:

''تقویٰ'' (پرہیزگاری)

اب یہ عاجز تقویٰ کی مختصر تعریف کے بعد اس کی مزید تشریح کے لیے حضرت خواجگان پیر پیراں مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوب (۷۶) جلد اول کا وہ حصہ جو ورع و تقویٰ کے متعلق ہے درج کرتا ہے تاکہ مضمون ہذا کو تقویت و برکت حاصل ہو۔ اس کے بعد صاحب سوانح قدس سرہ العزیز کے حالات متعلق بہ تقویٰ درج کیے جائیں گے۔

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ما اتکم الرسول فخذوہ و ما نھکم عنہ فانتھوا (الحشر) : ۷، یعنی ہمارا رسول جو چیز تمھیں دے

Marfat.com

اس کو لے لو اور جس چیز سے منع کرے اس سے ہٹ جاؤ ۔ نجات کا مدار دو چیزوں پر ہے اوامر کا بجا لانا اور نواہی سے رک جانا ۔ ان دونوں چیزوں میں سے بزرگتر جزو آخری ہے جو ورع و تقویٰ سے تعبیر کیا گیا ہے ۔ ذکر' رجل عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعبادۃ و اجتھاد و اخر برعۃ فقال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لا تعدل بالرعۃ شئی یعنی الورع ۔ (ترجمہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک شخص کا ذکر عبادت اور اجتہاد سے متعلق کیا گیا ہے اور دوسرے کا ذکر ورع کے ساتھ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ورع (پرہیزگاری) کے برابر کوئی چیز نہیں'' ۔ اور نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ملاک دینکم الورع'' تمہارے دین کی اصل پرہیزگاری ہے اور انسان کی فضیلت فرشتوں پر اسی جزو سے ثابت ہے اور قرب کے درجوں پر ترقی بھی اسی جزو سے ثابت ہوتی ہے کیونکہ فرشتے پہلے جزو میں شریک ہیں اور ترقی ان میں مفقود ہے پس ورع و تقویٰ کے جزوکو مدنظر رکھنا اسلام کے اصلی مقصودوں اور بڑی ضروریات میں سے ہے ۔ یہ جزو کہ جس کا مدار محرمات سے بچنے پر ہے کامل طور پر اس وقت حاصل ہوتا ہے ۔ جبکہ فضول مباحات سے پرہیز کیا جائے کیونکہ مباحات کے اختیار کرنے میں باگ کا ڈھیلا چھوڑاا مشتبہ امور تک پہنچا دیتا ہے اور مشتبہ حرام کے نزدیک ہے ۔ من حام جول الحمیٰ یوشک ان یقع فیہ (جو جانور چراگاہ کے گرد پھرا قریب ہے کہ اس میں جا پڑے) پس کمال تقویٰ کے حاصل ہونے کے لیے بقدر ضرورت مباحات پر کفایت کرنا ضروری ہے اور وہ بھی اس شرط پر کہ اس میں وظائف بندگی کے ادا کرنے کی نیت ہو ورنہ اس قدر بھی وبال ہے اور اس کا قلیل بھی کثیر کا حکم رکھتا ہے اور جب فضول مباحات سے پورے طور پربچنا تمام اوقات میں اور خاص کر اس وقت (آجکل) بہت ہی دشوار ہے اس واسطے محرمات سے بچ کر حتی المقدر فضول مباحات کے اختیار کرنے کا دائرہ بہت تنگ کرنا چاہیے اور اس کے ارتکاب میں ہمیشہ پشیمان ہونا

---

۱ ۔ المشکواۃ عن جابر رضی اللہ عنہ ۔

Marfat.com

چاہیے اور توبہ و بخشش کرنی چاہیے اور اس کو محرمات میں داخل ہونے کا دروازہ جان کر ہمیشہ حق تعالیٰ کی جناب میں التجا اور گریہ و زاری کرنی چاہیے شاید کہ ندامت اور استغفار اور التجا و تضرع فضول مباحات سے بچنے کا کام کر جائے اور اس کی آفت سے محفوظ کر دے۔ ایک بزرگ نے فرمایا ''انکسار العاصین احب من صولۃ المطیعین (گنہگاروں کی عاجزی فرمانبرداروں کے دبدبے سے بہتر ہے) اور محرمات سے بچنا بھی دو قسم پر ہے ایک وہ قسم ہے جو اللہ کے حقوق سے تعلق رکھتی ہے اور دوسری وہ ہے جو بندوں کے حقوق سے متعلق ہے اور دوسری کی رعایت نہایت ضروری ہے۔ حق تعالیٰ غنی مطلق اور بڑا رحم کرنے والا ہے اور بندے فقرا اور محتاج اور بالذات بخیل اور کنجوس ہیں''۔

(حیات سعیدیہ، ص ۱۰۲ تا ۱۰۵)

Marfat.com

پیر حسام الدین راشدی

(ولادت ۱۳۲۹ھ - ۱۹۱۱ء)

پیر سید حسام الدین راشدی برصغیر پاک و ہند کے ایک ممتاز دانشور محقق اور تاریخ دان ہیں - خاندان راشدیہ کے مقتدر عارف ، عالم ، شاعر اور طبیب حضرت پیر سید حامد شاہ راشدی کے فرزند دوم اور سندھ کے مشہور صحافی ، سیاست دان پیر سید علی محمد راشدی کے چھوٹے بھائی ہیں - حسام الدین راشدی نے اپنے خاندان کی علمی و تاریخی روایت کو نہ صرف پوری آب و تاب کے ساتھ زندہ رکھا ہے بلکہ سندھ کی تاریخ ، ثقافت ، ادب اور خصوصاً اردو زبان کی ترویج و ترقی اور توسیع و اشاعت کے سلسلے میں ناقابل فراموش خدمات انجام دی ہیں -

حسام الدین راشدی کی ولادت ۱۳۲۹ھ مطابق ۲۰ ستمبر ۱۹۱۱ء کو ''بھمن گوٹھ'' نامی گاؤں میں ہوئی - ابتدائی تعلیم و تربیت والد ماجد پیر سید حامد شاہ راشدی کی نگرانی میں ہوئی عربی ، فارسی اور سندھی کے ابتدائی اسباق اپنے والد کے پاس پڑھے - مولانا محمد الیاس سے ان زبانوں میں مزید تعلیم حاصل کی - کالج یا یونیورسٹی کی کوئی سند نہیں رکھتے لیکن خداداد ذہانت ، ذاتی محنت و مطالعہ سے ایسی غیر معمولی استعداد حاصل کر لی کہ بڑے بڑے ڈگری یافتہ لوگ ان سے مستفیض ہوتے رہتے ہیں -

راشدی صاحب سندھ یونیورسٹی سینیٹ کے ممبر ، سندھی ادبی بورڈ کے بانی و نگران ، انجمن ترقی اردو کی مجلس عاملہ کے رکن ، ترقی اردو بورڈ کراچی کی مجلس عاملہ کے رکن اور دیگر علمی و ثقافتی اداروں کے نگران و صدر رہ چکے ہیں[1] -

---

۱ - حسام الدین راشدی کے بعض حالات کے سلسلے میں مخدومی جناب افسر صدیقی امروہی (کتب خانہ خاص انجمن ترقی اردو کراچی) کی معلومات سے استفادہ کیا ہے - افسر صدیقی صاحب راشدی صاحب کے دیرینہ رفیق اور ہم محفل ہیں -

Marfat.com

۱۹۶۳ء میں حکومت ایران نے تاریخی علمی و ادبی خدمات کے اعتراف میں ''ستارہ امتیاز'' کے اعزازات سے نوازا۔

راشدی صاحب کا نجی کتب خانہ مختلف علوم و فنون کی کئی ہزار کتابوں پر مشتمل ہے ان میں تین سو سے زائد قدیم مخطوطات کا قیمتی ذخیرہ بھی ہے۔

سندھی ان کی مادری زبان ہے لیکن ان کے خاندان میں اردو بولنے اور لکھنے پڑھنے کا بہت قدیم اور عام رواج ہے۔ سترہ سال کی عمر میں انھوں نے لکھنا پڑھنا شروع کیا تو اس کی ابتدا اردو سے ہوئی۔ بیک وقت اردو اور سندھی دونوں میں لکھنے لگے۔ مختصر کہانیاں سندھی میں لکھتے تو ان کے ترجمے اردو میں کر ڈالتے اسی طرح اردو کے مشہور شعراء مثلاً سیماب اکبر آبادی، اختر شیرانی وغیرہ کا کلام سندھی میں ترجمہ کرتے اور وہ سندھی روزنامہ ''ستارۂ سندھ''[۱] سکھر کے ہفتہ وار ایڈیشن میں شائع ہوتا تھا۔

راشدی صاحب نہ صرف سندھی اور فارسی ادب کے بہت بڑے اسکالر ہیں بلکہ اردو و ادب میں بھی ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ اردو میں ان کے مضامین برصغیر پاک و ہند کے اکثر اخبارات و رسائل میں طبع ہو چکے ہیں جن میں روزنامہ سیاست، زمیندار لاہور، سہ ماہی اردو، ماہنامہ قومی زبان کراچی اور ماہنامہ معارف اعظم گڑھ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

پیر حسام الدین راشدی کی تمام تحریر و تصانیف تاریخ، ادب اور ثقافت سے متعلق ہیں۔ انھوں نے بعض بڑی اہم تاریخی و ادبی کتابوں کو

۱۔ حسام الدین راشدی کے بڑے بھائی پیر علی محمد راشدی اخبار ستارہ سندھ کے ایڈیٹر اور ناشر تھے۔ یہ اخبار ۱۹۳۴ء میں سکھر سے جاری ہوا اور ۱۹۳۷ء میں بند ہو گیا۔ اس اخبار میں ادب و سیاست کے بارے میں اچھے مضامین شائع ہوتے تھے اس اخبار نے سندھی عوام میں قومی بیداری، سیاسی شعور اور ادبی ذوق کی نشو و نما میں بہت نمایاں کردار ادا کیا ہے۔

Marfat.com

نہایت عرق ریزی و دیدہ وری سے ایڈٹ بھی کیا ہے حسب ذیل کتابیں ان کے مقدمے اور حواشی کے ساتھ شائع ہوئی ہیں ۔

سندھی :

ان کی سندھی کتابوں میں یہ کتاب اپنے موضوع کے اعتبار سے خاص اہمیت کی حامل ہے ۔

تذکرہ مشاہیر سندھ ۔ تالیف مولانا دین محمد مرحوم مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد ۱۹۷۴ء ۔

فارسی :

(۱) مقالات الشعراء تالیف میر علی شیر قانع ٹھٹھوی ۔
(۲) تحفۃ الکرام " " "

تحفۃ الکرام کا اردو ترجمہ اختر رضوی نے کیا ہے جو مخدوم امیر احمد (سابق پرنسپل اورینٹل کالج حیدرآباد) کے مقدمہ، تصحیح و حواشی کے ساتھ ۱۹۵۹ء میں سندھی ادبی بورڈ کراچی کے تحت شائع ہوا ۔

(۳) تکملہ مقالات الشعراء تالیف محمد ابراہیم خلیل ٹھٹھوی ان کے علاوہ فارسی کی حسب ذیل کتابیں ہیں ۔ یہ تمام کتابیں سندھی ادبی بورڈ نے شائع کی ہیں ۔
(۴) روضۃ السلاطین ، جواہر العجائب ۔
(۵) مثنوی چنیسر نامہ ۔
(۶) مثنویات و قصائد قانع ۔
(۷) مثنوی مظہر الآثار ۔
(۸) مکلی نامہ ۔
(۹) تاریخ مظہر شاہجہانی ۔
(۱۰) ترخان نامہ ۔
(۱۱) ہشت بہشت ۔
(۱۲) منشور الوصیت ۔

Marfat.com

اردو : راشدی صاحب کی اردو تصانیف اور مضامین ان کی اردو سے بے پناہ محبت اور ان کے تاریخی و تحقیقی کارناموں کے شاہد ہیں ۔ ان کی مندرجہ ذیل کتابیں بڑی افادیت کی حامل ہیں ۔

(۱) دود چراغ محفل ۔ یہ کتاب عہد غالب اور تلامذہ غالب سے متعلق ہے ۔

(۲) مرزا غازی خان ترخان اور اس کی بزم ادب ۔ مطبوعہ انجمن ترقی اردو پاکستان ، کراچی ۱۹۷۰ء ۔

اس کتاب کے آغاز میں اختر حسین صدر انجمن ترقی اردو کی یہ رائے بڑی اہمیت رکھتی ہے اور اس سے ''مرزا غازی خان ترخان اور اس کی بزم ادب'' کی افادیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے :

''راشدی صاحب نے غازی بیگ کے حالات زندگی اور اس کے دربار سے متعلق شعراء کے بارے میں یہ مفصل کتاب لکھ کر کئی جنہوں میں رہنمائی کی ہے ۔ اس کتاب کے ذریعہ برصغیر ہند و پاکستان کی فارسی شاعری کے ایک خاص گوشے پر روشنی پڑتی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ زیر نظر کتاب کے مطالعے کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ سندھ کا فارسی ادب برصغیر کے ادبیات میں ایک وقیع اضافہ کی حیثیت رکھتا ہے ۔

اس کتاب کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ راشدی صاحب نے سندھ کے فارسی شعراء کے بارے میں یہ کتاب اردو زبان میں لکھی ہے وہ اگر چاہتے تو اسے سندھی یا فارسی میں بھی لکھ سکتے تھے لیکن انھوں نے اس گراں قدر کتاب کے ذریعے سنجیدہ ادب میں اضافہ کر کے اردو سے اپنی قدیم اور لازوال محبت کا ثبوت دیا ہے'' ۔

(ص ۱۱ - ۱۲)

(۳) سندھی ادب ۔ ادارہ مطبوعات پاکستان کراچی ۱۹۵۵ء ۔

یہ $\frac{۲۰ + ۳۰}{۱۲}$ سائز کے ایک سو بارہ صفحات کی مختصر کتاب ہے

Marfat.com

لیکن مندرجات اور مواد کے لحاظ سے سندھی ادب کی تاریخ اور زبان کے سلسلے میں ایک اہم دستاویز ہے۔ عربی عہد سے لے کر عہد پاکستان تک کا محققانہ انداز میں بڑی جامعیت کے ساتھ احاطہ کیا ہے۔

پیر حسام الدین راشدی صاحب اردو زبان پر اہل زبان جیسے قادر ہیں۔ ان کی طرز تحریر سادہ، سلیس، شگفتہ اور دلچسپ ہے۔ جو لکھتے ہیں تحقیق اور استدلال کے ساتھ لکھتے ہیں ان کی نثر کی سب سے بڑی خوبی تاریخ اور ادب کا لطیف امتزاج ہے۔

نمونہ تحریر:

تاریخی اعتبار سے صوبہ سندھ نہایت قدیم ثقافتی ورثہ کا مالک ہے۔ موہن جوڈاڑو کے آثار قدیمہ جو اس سرزمین میں پائے جاتے ہیں وہ محققین کے نزدیک آج سے تقریباً چار ہزار برس پہلے کے ہیں اور سمیری تمدن اور مصر کے قدیم ترین عہد کے تمدن کے ہم عصر سمجھے جاتے ہیں۔ تقریباً چار ہزار برس قبل مسیح میں آرین قوموں کے قبیلے اور گروہ وسط ایشیا یا کسی اور مقام سے نکل کر وادی سندھ میں آباد ہو گئے تھے۔ اس کے بعد ہنحا منشی فرماں رواں کے زیر حکومت رہا۔ جب ۳۲۹ ق۔م میں سکندر کی واپسی کے بعد یہ صوبہ موریا خاندان کی سلطنت کا جزو بن گیا اور بعد میں باختر کے یونانیوں کا یہاں تسلط رہا۔ پہلی صدی سے ساتویں صدی قبل مسیح تک وسط ایشیا کے مختلف فاتحین کے گروہ اور قبائل یہاں آتے رہے۔ یہاں تک کہ بنی امیہ کے عہد میں محمد بن قاسم نے ۷۱۲ء میں سندھ کے ساحلی شہر دیبل کو فتح کر لیا اور ملتان تک فتح کر کے یہاں اسلامی حکومت کی بنیاد ڈالی۔ اس وقت سے ۱۲۰۰ سال تک سندھ مختلف مسلمان خاندانوں کے زیر حکومت رہا۔ ۱۸۴۳ء میں انگریزوں نے اس پر قابض ہو کر اسے ایک صوبہ کی حیثیت سے برطانوی ہند کی قلمرو میں شامل کر لیا اب یہ پاکستان کا ایک صوبہ ہے۔

اس برصغیر کی زبانوں کی داستان بھی اس کی تاریخ کے ساتھ ساتھ چلتی ہے۔ آریا پہلے پہل پنجاب اور سندھ میں آباد ہوئے تھے اور یہاں سے انبالہ کے راستے مرکزی ہند میں پہنچے تھے جہاں سے وہ برصغیر کے

Marfat.com

مختلف حصوں میں پھیل گئے ۔ سندھ میں ان کی زبان نے مقامی اثرات قبول کیے جوں جوں وہ سندھ سے آگے بڑھتے گئے ان پر کول اور دراوڑوں کی زبانوں کا اثر بڑھتا گیا ۔ مغربی ہند میں پنجابی ، سندھی ، گجراتی اور راجستھانی اس پراکرت کی مختلف صورتیں ہیں ۔

جہاں تک سندھ کا تعلق ہے یہاں کی عام بول چال کی زبان کا نام ورچڈا بتایا جاتا ہے اس سے چار سندھی بولیاں پیدا ہوئیں جو علاقائی لحاظ سے چار شاخوں میں منقسم ہیں ۔

(۱) چولی ، جو وسط سندھ میں بولی جاتی ہے ۔

(۲) سرائیکی یا سریلی جو سندھ کے مشرقی حصہ میں بولی جاتی ہے ۔ جس میں بہاولپور کا علاقہ بھی گنا جاتا ہے ۔

(۳) تھریلی ۔ جو تھرپارکر کے علاقوں میں بولی جاتی ہے ۔

(۴) کچھی ۔ جو کاٹھیاواڑ کے علاقہ میں رائج ہے ۔

خاص سندھی میں جو زبان بولی جاتی ہے وہ یہی موجودہ سندھی ہے ۔

(سندھی ادب ۔ پہلا باب ''سندھی زبان کی تاریخ'')

(ص ۷ تا ۹)

Marfat.com

ڈاکٹر غلام مصطفٰے خان

(ولادت ۱۳۳۰ھ - ۱۹۱۲ء)

الحاج پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفٰی خان وہ یگانہ روزگار اور عظیم المرتبت ہستی جن کے اعلیٰ مشن ، قلندرانہ اوصاف ، علم و عرفان اور فیوض و الطاف کی بدولت بے شمار انسان ترقی و کمال ، اخلاص و محبت اور نیکی و فلاح کی راہ پر گامزن ہیں[۱] ۔

ڈاکٹر غلام مصطفٰی خان یوسف زئی کے پردادا امیر مولا خان اور ان کے تین بھائی پہلے سیونی کے ایک قصبہ چھپارا (سی پی ، بھارت) میں آباد تھے ۔ یہ خاندان بہادری و شجاعت کے ساتھ ساتھ شرافت ، اخلاق اور دین داری کے سبب نہایت معتبر و محترم سمجھا جاتا تھا ۔ ۱۸۲۵ء میں اس خاندان نے ستم روزگار کے ہاتھوں مجبور ہو کر چھپارا سے منتقل ہو کر پٹھان محلہ قصبہ پنا گر (متصل جبل پور) میں سکونت اختیار کی[۲] ۔

غلام مصطفٰی خان کے دادا کا نام وزیر خان اور والد کا نام گلاب خان تھا ۔ ان کی ولادت باسعادت ۱۰ شوال المکرم ۱۳۳۰ھ مطابق

---

۱ - یہ راقم کی خوش نصیبی ہے کہ اسے حضرت قبلہ مولانا غلام مصطفٰی خان مدظلہ العالی جیسے جامع الصفات و مجموعہ کمالات "مرد مومن" کے دامن فیض سے وابستگی کا شرف حاصل رہا ہے ۔ اسی تعلق خاص کی بنا پر راقم نے اپنی نئی تصنیف خالد کا ایک نیا آہنگ، (مطبوعہ فانوس لاہور دسمبر ۱۹۷۷ء) کو ڈاکٹر صاحب قبلہ کے نام نامی اسم گرامی معنون کرنے کی سعادت حاصل کی ہے ۔

۲ - تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو۔ تاریخ اسلاف از ڈاکٹر غلام مصطفٰی خان ۔

Marfat.com

۲۳ ستمبر ۱۹۱۲ء[1] بوقت ازان فجر بمقام جبل پور ہوئی۔

والد کی مسلسل علالت کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب کا بچپن بڑی عسرت اور صبر آزما حالت میں گزری۔ ان کے بڑے بھائی نذیر احمد خان نے تعلیم ترک کر کے ڈاکٹر صاحب کی پرورش اور تعلیم کی طرف پوری پوری توجہ دی[2]۔ والد کے انتقال کے بعد ان کی والدہ ماجدہ نے صبر و شکر، عزم و قناعت حمیت و خود داری کے ساتھ ان کی دیکھ بھال

۱۔ اقرا و ربک الاکرم ο الذی علم بالقلم ο
ان آیتوں کے اعداد ۱۹۱۲ء سے میرا سال پیدائش ظاہر ہے۔
(غلام مصطفیٰ خان۔ علمی نقوش، ص ۳)۔

۲۔ یہ بات راقم کے علم میں ہے کہ دونوں بھائیوں میں بیحد شفقت و محبت تھی۔ ان کے برادر معظم نذیر احمد خان ۳۲۸ پیر الٰہی بخش کالونی کراچی میں قیام پذیر تھے۔ جن دنوں وہ بیمار تھے راقم کو ڈاکٹر صاحب کے ہمراہ ان کے معالج کے پاس جانے کا اتفاق ہوا۔ ۱۹۵۷ء میں بعمر ۶۰ سال دو شنبہ یوم الحج ۱۳۷۶ھ مطابق ۸ جولائی ۱۹۵۷ء کو جب ان کا انتقال ہوا تو ڈاکٹر صاحب نے نہایت پرسوز و پر درد قطعہ تاریخ وفات کہا:

بیادگار اکرام برادرم معظم

۱۹۷۵ء

حاجی گرامی نذیر احمد خان — علیہ رحمتہ المتعالی

۱۹۵۷ء — ۱۳۷۶ھ

عالی منصب نذیر احمد خان — پارسا متقی شاد روان

۱۹۷۵ء — ۱۳۷۶ھ

در خصوص محبت و الفت — بے نظیر آمدہ بہ بزم زمان

۱۹۵۷ء — ۱۳۷۶ھ

پنج بار او مشرف حج ساخت — آنکہ بخشد پناہ ہر عدوان

۱۹۵۷ء — ۱۳۷۶ھ

(ادبی جائزے صفحہ ۳)

Marfat.com

کی۔ یہ والدہ اور بھائی کی نگرانی کا نتیجہ تھا کہ ڈاکٹر صاحب ایام طفلی سے ہی حوصلہ مند، محنتی، بردبار، قانع اور صابر و شاکر ہیں۔ ان کے خاندان کے ہر فرد میں اسلامی تعلیم اور دینی رجحان موجود تھا۔ یہ اسی ماحول کا اثر تھا کہ ڈاکٹر صاحب شروع سے ولی صفت، نیک طینت اور پابند صوم و صلواۃ ہیں۔

ڈاکٹر صاحب بچپن سے ہی بلا کے ذہین، طباع اور ذکی و فہیم ہیں۔ انھوں نے قرآن کریم کا صرف پہلا پارہ اپنے بڑے بھائی سے پڑھا باقی ۲۹ پارے خود اپنی کوششوں سے پڑھ ڈالے۔ بعد میں قرآن مجید کے علم و فن پر اتنا عبور حاصل کیا کہ جید عالموں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔

۱۹۳۳ء میں اول پوزیشن کے ساتھ پانچویں جماعت کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۳۸ء میں جبل پور سے نویں جماعت پاس کرنے کے بعد علیگڑھ چلے گئے۔ وہاں میٹرک سے ایم اے ایل ایل بی تک کی اسناد امتیازی شان کے ساتھ حاصل کیں۔ ۱۹۳۵ء میں ایم اے (فارسی) ۱۹۳۶ء میں ایم اے (اردو) اور اسی عرصہ میں ایل ایل بی بھی کیا۔ ۱۹۴۶ء میں فارسی کے مشہور شاعر سید حسن غزنوی سے متعلق معرکہ آرا مقالے پر پی ایچ ڈی کی ڈگری ملی۔ ان کی علمی و ادبی خدمات کے صلے میں ناگپور یونیورسٹی سے ڈی لٹ کی ڈگری بھی مل چکی ہے۔

علیگڑھ کے زمانہ طالب علمی میں قاری ضیاء الدین احمد سے علم عربی اور فن تجدید کے درس لیے۔ عربی کی مزید تعلیم مولانا ابو بکر شیث جونپوری[1] اور مولانا سید سلیمان اشرف سے حاصل کی جن اساتذہ کرام سے فارسی علوم میں فیض پایا ان میں مولانا ضیاءالدین احمد بدایونی[2]، ڈاکٹر

۱۔ مولانا ابو بکر محمد شیث جونپوری اگرچہ عربی کا درس دیتے تھے مگر مسلم لاء بھی بہت اچھا پڑھاتے تھے یہاں تک کہ بڑے بڑے بیرسٹر ایسا نہیں پڑھا سکتے تھے۔ مولانا فی سبیل اللہ طلبا کو قانون کی تعلیم بھی دیتے تھے۔ (ارشاد ڈاکٹر غلام مصطفی خان)۔

۲۔ پروفیسر مولانا ضیاء الدین احمد بدایونی (المتوفی ۸ جولائی ۱۹۷۳ء)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

Marfat.com

ہادی حسن ، حاجی حمید اللہ خان اور محمد حاذق قابل ذکر ہیں ۔ مولانا احسن مار ہروی[1] ، نواب صدر یار جنگ اور مولانا حبیب الرحمن خان

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ۔
اگرچہ فارسی کے استاد تھے مگر عربی کے بھی عالم تھے ۔ وہ ڈاکٹر نہ تھے مگر ڈاکٹر غلام مصطفٰی خان صاحب کے پی ایچ ڈی کے مقالے کے گائڈ رہے ۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے استاد مکرم پروفیسر ضیاء احمد کے بارے میں ایک طویل مقالہ (مطبوعہ ماہنامہ فاران کراچی بابت نومبر دسمبر ۱۹۷۳ء) لکھ کر مرحوم کی خدمت میں خراج عقیدت پیش کیا ہے ۔ مولانا ضیاء احمد مرحوم اپنے ایک مکتوب گرامی میں راقم الحروف کے نام تحریر فرماتے ہیں :

۷۸۶

''علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

۲۸ - ۸ - ۱۹۵۷ء

کرمفرمائے من ۔ تسلیم ۔

ڈاکٹر غلام مصطفٰی خان صاحب مجھ سے مخلصانہ محبت رکھتے ہیں ۔ یہ تو معلوم تھا کہ یہ چیز متعدی ہے ۔ یعنی انھوں نے آپ کو بھی اپنا ہم نوا بنا لیا ۔ بہرحال آپ دونوں صاحبوں کے الطاف کا تہہ دل سے ممنون ہوں ۔

کتاب بنگال میں اردو (مصنفہ وفا راشدی) موصول ہوئی ۔ مزید شکریہ ۔ انشاء اللہ پڑھ کر اپنی رائے سے مطلع کروں گا ۔ البتہ مفصل رائے کے لیے آپ کو انتظار کی زحمت اٹھا ہو گی ۔ امید ہے کہ آپ کا مزاج مع الخیر ہو گا ۔ والسلام ۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کو سلام مسنون ۔

نیاز آگیں
ضیاء احمد''

(بنام وفا راشدی کوٹری ۔ سندھ)

(۱) ڈاکٹر غلام مصطفٰی خان صاحب اپنے ایک گراں قدر مقالے بعنوان
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

Marfat.com

شیروانی جیسے یکتائے عصر اساتذہ سے بھی بہت کچھ سیکھا ۔ علم قانون کے اساتذہ میں بیرسٹر خواجہ اسحاق ، بیرسٹر حسن اسحاق اور مولانا عبدالخالق جیسے ماہرین قانون کے نام ناقابل فراموش ہیں ۔

ڈاکٹر صاحب کا ارشاد ہے کہ ''اساتذہ سے ان کا رشتہ باپ بیٹے کا سا تھا ۔ وہ لوگ علم اور خلوص و تقویٰ میں بے مثال تھے'' ۔ ہائے ! وہ بھی کیا دور تھا استادوں کا احترام شاگردوں کے لیے باعث فخر و مسرت اور شاگردوں سے شفقت استادوں کے لیے موجب شادمانی ہوتی تھی۔ ڈاکٹر صاحب اپنے اساتذہ کرام کے فضل و کرم اور فیض و عظمت کا ذکر بے حد احترام سے فرماتے ہیں ۔ انھوں نے وقتاً فوقتاً اپنے مشفق استادوں کے بارے میں مقالات لکھ کر نہ صرف ان کی خدمت میں خراج عقیدت پیش کیا ہے بلکہ حق شاگردی بھی ادا کیا ہے ۔

ڈاکٹر صاحب کے پیشہ درس و تدریس کا آغاز ۱۹۳۷ء میں کنگ ایڈورڈ کالج امراوتی کے لکچرار کی حیثیت سے ہوا ۔ دو سال ناگپور یونیورسٹی میں صدر شعبہ اردو کے فرائض انجام دیے ۔ اس عرصے میں ناگپور یونیورسٹی کورٹ اور علی گڑھ یونیورسٹی کورٹ کے بھی ممبر رہے ۔

۱۹۴۷ء میں قیام پاکستان کے بعد ڈاکٹر صاحب کے برادر معظم حاجی نذیر احمد مرحوم نے مع اہل و عیال جبل پور سے پاکستان

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

''نثر احسن'' کے اختتام پر رقمطراز ہیں — ''اے میرے بزرگ اور مشفق استاد آپ کی علمی و ادبی خدمات نے اگر علامہ شبلی ، اکبر الہ آبادی ، شرر لکھنوی ، جلال لکھنوی ، محسن کاکوروی جیسے بزرگوں کے دلوں میں گھر کر لیا تھا تو اب بھی یقین ہے کہ انصاف کا خون نہ ہو گا اور بے شک اردو کی رہتی دنیا تک آپ کو فراموش نہ کیا جائے گا'' ۔

(ادبی جائزے ص ۳۲)

Marfat.com

ہجرت کی ۔ ڈاکٹر صاحب بھی ۱۹۴۸ء میں گیارہ سالہ گزیٹیڈ سروس کو خیرباد کہہ کر اپنے بچوں سمیت پاکستان تشریف لے آئے ۔ ان کی والدہ محترمہ بھی ان کے ہمراہ تھیں ۔

کراچی میں پہلے ان کا تقرر اردو کالج میں بحیثیت استاد شعبہ اردو ہوا ۔ پھر ایک سال کراچی یونیورسٹی میں صدر شعبہ اردو کی خدمات انجام دیں ۔ سندھ یونیورسٹی حیدرآباد کے عالم وجود میں آنے کے فوراً بعد ۱۹۵۶ء میں صدر شعبہ اردو کے عہدہ جلیلہ پر فائز ہوئے ۔ بیس سال تک نہایت نیک نامی اور مستعدی سے جامعہ سندھ میں درس و تدریس اور اور تعلیم و تربیت کے فرائض انجام دینے کے بعد ۱۹۷۶ء میں ریٹائر ہوئے ۔

جامعہ سندھ میں ڈاکٹر صاحب کی موجودگی اللہ تبارک و تعالیٰ کی بڑی رحمت ثابت ہوئی ۔ ان کے زیر نگرانی ہزاروں طالبان علم و ادب نہ صرف اعلیٰ تعلیم اور صالح تربیت سے آراستہ و پیراستہ ہوئے بلکہ علوم و فنون کی بے پناہ برکتوں کے ساتھ ساتھ روحانی قدروں ، اخلاق جواہر ، نیکی و شرافت ، تہذیب و شائستگی ، سادگی و بردباری ، اخلاص و محبت ، عبادت و ریاضت ، تحقیق و جستجو ، عزم و استقلال ، ذوق مطالعہ اور شوق علم کے لازوال خزانوں سے مالا مال ہوئے ۔ جس محبت و شفقت سے وہ اپنے طلباء و طالبات کی رہنمائی و اعانت فرماتے تھے اس کی مثال اس دور میں مشکل سے ملے گی ۔ ڈاکٹر صاحب اپنی ذات میں ایک انجمن ، صفات میں اساتذہ قدیم کے نقش آخر ، سلوک و معرفت میں اسلاف کے گنجینہ گراں مایہ کی فقیدالمثال یادگار ہیں ۔ ان کے شاگردوں میں لاتعداد ایسے لوگ موجود ہیں جنھوں نے زندگی کے مختلف شعبوں میں اعلیٰ مقام حاصل کیا ہے ۔ اس خاکسار (وفا راشدی) کو بھی ڈاکٹر صاحب کا ایک ادنیٰ شاگرد اور خاک پا ہونے کا شرف حاصل ہے ۔ اس کم مایہ و کم سواد کی بہت سی مشکلات آپ کی توجہ اور دعاؤں سے آسان ہوئی ہیں ۔

ڈاکٹر صاحب کی اولاد میں ان کے بڑے صاحبزادے ڈاکٹر سراج احمد خان ایم اے پی ایچ ڈی ایک صالح صاحب علم اور صاحب

Marfat.com

تصنیف ہیں ۔ ان کی ایک کتاب "مکتوبات امام ربانی کی دینی اور معاشرتی اہمیت" (مقام اشاعت ۳۲۸ پیر الٰہی بخش کالونی کراچی) ۱۹۷۷ء میں شائع ہو چکی ہے یہ کتاب اپنی افادیت کے اعتبار سے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کی شخصیت اور افکار کے سلسلے میں ایک قابل قدر اضافہ ہے ۔

پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفٰی خان ایم اے ایل ایل بی ، پی ایچ ڈی، ڈی لٹ ، تعلیم کے انتہائی عروج پر فائز ہونے کے باوجود سادہ مزاج ، سادہ گفتار ، سادہ کردار صوفی منش عارف کامل ہیں ۔

ڈاکٹر صاحب برصغیر کے ایک برگزیدہ صاحب علم و صاحب شریعت بزرگ حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ[1] (سابق ساکن گوہلہ ضلع کرنال، حال مقیم کراچی) کے مرید اور خلیفہ ہیں ۔

ڈاکٹر صاحب کی ہدایت میں اتنی تاثیر ہے کہ شاگردوں اور مریدوں کی کمزور عادتیں بدل کر رکھ دیتے ہیں ۔ سچ ہے :

نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

حلقہ بیعت میں ارباب علم و ادب بھی ہیں ، اعلٰی عہدے دار بھی، غربا اور مساکین بھی ہیں کسان اور مزدور بھی ۔ آپ کے آستانہ رحمت سے سب کو یکساں باریابی و فیضیابی حاصل ہوتی ہے ۔ بے شک مرد خدا، مرد خود شناس و خدا شناس بزرگ ہیں ۔ جس پر بھی آپ کی نظر پر انوار پڑ جائے اسے ذرے سے آفتاب بنا دیتے ہیں :

خاک کے ڈھیر کو اکسیر بنا دیتی ہے
یہ اثر رکھتی ہے خاکستر پروانہ دل

علمیت اور روحانیت سے بھرپور ڈاکٹر صاحب جیسی شخصیت زندگی میں میں نے کم دیکھی ہے صاحب کشف[2] و کرامات بھی ہیں ۔

---

۱ ۔ حضرت زوار حسین شاہ کا تذکرہ زیر نظر باب میں شامل ہے ۔
۲ ۔ ڈاکٹر صاحب کے ایک کشف کا حال سنیے :

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ کی ادبی خدمات کا یہ گوشہ عام نظروں سے اوجھل ہے کہ وہ شعر و سخن سے بھی فطری شغف رکھتے ہیں۔ چپکے چپکے شاعری کرتے ہیں مگر انہیں شاعر کی حیثیت سے صرف وہی لوگ جانتے ہیں جو ان سے بہت قریب ہیں۔ اللہ نے ان کی طبیعت میں بلا کی موزونیت عطا کی ہے۔ ان کی قادرالکلامی میں کوئی کلام نہیں۔ ان کی شاعری کا میدان نہ غزل ہے نہ نظم (نظم کسی خاص موقع پر کبھی کبھار کہہ لیتے ہیں) بلکہ ایک خاص صنف ہے اور وہ ہے تاریخ گوئی۔ تاریخ گوئی ایک ایسا فن کے جس پر عبور حاصل کرنا ہر سخن سنج کے بس کی بات نہیں۔ شاعری بے شک ایک بڑی سعادت ہے لیکن تاریخ گو سخنور کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو تاریخ گوئی کے فن میں نہ صرف کامل دسترس ہے بلکہ انہیں اس فن پر استادانہ کمال حاصل ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

پروفیسر علی نواز جتوئی (سابق صدر شعبہ سندھی، سندھ یونیورسٹی) کا بیان ہے کہ ''ایک دفعہ وہ ڈاکٹر صاحب کے ہمراہ حضرت خواجہ محمد حسن جان سرہندی مجددی قدس سرہ التعالی کے کے مزار مبارک (قبرستان مقبرہ شریف ٹکھڑ ضلع حیدرآباد) میں فاتحہ خوانی کے بعد کچھ دیر مراقبہ میں بیٹھے تھے۔ جب مراقبہ ختم ہوا تو ڈاکٹر صاحب نے جتوئی صاحب سے دریافت فرمایا: "پروفیسر صاحب آپ نے کچھ دیکھا''۔ پروفیسر صاحب نے فرمایا: جی نہیں مجھے کشف نہیں ہوتا''۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا:

''آپ کے مرشد حضرت حسن جان آپ کے پاس تشریف لائے۔ آپ کو گود میں لیا چوما پھر ارشاد فرمایا ''میں زندگی میں آپ کے جس کام کی تکمیل نہ کر سکا اب میں انشاء اللہ پورا کرا دوں گا لیکن شرط یہ ہے کہ آپ کو مکمل ایک ہفتہ اس قبرستان میں آکر مراقبہ میں بیٹھنا ہو گا''۔

پروفیسر جتوئی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ ڈاکٹر صاحب کی روحانی قوت کی دلیل ہے۔ مجھے تنہا قبرستان میں رات کے سناٹے میں جانے کی کبھی ہمت نہ ہوئی۔

Marfat.com

ڈاکٹر صاحب کے کچھ قطعات تاریخ ان کی کتاب "تاریخ اسلاف" میں شائع ہو چکے ہیں ۔ متعدد تاریخیں کتابوں میں بھی ملتی ہیں ۔

قطعہ تاریخ طبع دوم دیوان حلیم (۱۳۷۷ھ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم	کنز عمل آمدہ عبدالحلیم
۷۸۶	۳۶۲ = ۱۲۴۸ھ
عالم از اسرار خفی و جلی	نفس ہمہ دیدہ ز فضل نعیم
۱۳۵۰ھ	۱۳۵۰ھ
صدر حقیقت ، ہنر معرفت	طبع شدہ تحت کلام حلیم
۱۹۵۷ء	۱۳۷۷ھ

(دیوان حلیم ، ص ۲۳۸)

ڈاکٹر صاحب نے یہ قطعہ تاریخ حضرت مولانا عبدالحلیم شاہ نقشبندی مجددی کی تصنیف دلپذیر موسوم بہ "دیوان حلیم"[۱] کے سال طبع دوم کے موقع پر کہا ۔ اس قطعہ تاریخ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے پہلے مصرعہ کے ۷۸۶ کے مادے کو دوسرے مصرعے کے مادے ۳۶۲ کے ساتھ جوڑنے سے حضرت عبدالحلیم شاہ کا سال ولادت ۱۲۴۸ھ ، دوسرے شعر کے ایک ایک مصرعہ سے ۱۳۵۰ھ کا سن نکلتا ہے جو ان کا سال وصال ہے ۔ تیسرے شعر کے پہلے مصرعے سے سن عیسوی نکلتا ہے جو ۱۹۵۷ء اور دوسرے مصرعے سے ۱۳۷۷ ھجری دیوان حلیم کا سال طبع دوم ہے ۔ اس انداز سے تاریخی مادے نکالنا ایک ماہر تاریخ گو کے سوا کسی دوسرے کا کام نہیں ۔

---

۱ ۔ دیوان حلیم مع حیات قلندر مرتبہ پروفیسر حضور احمد سلیم صدر شعبہ فارسی سندھ یونیورسٹی ۔ جب اس دیوان کا تیسرا ایڈیشن (ناشر مکتبہ مسعود لطیف آباد) چھپ کر آیا تو پروفیسر حضور احمد سلیم صاحب نے اس کا ایک نسخہ از راہ محبت راقم کو عنایت فرمایا ۔ راقم پروفیسر صاحب کا شکر گزار ہے کہ اسے استفادے کا شرف حاصل ہوا ۔

Marfat.com

علامہ امداد علی امام علی قاضی مرحوم و مغفور بار ایٹ لاء، سابق وائس چانسلر سندھ یونیورسٹی، سندھ کی وہ عظیم المرتبت شخصیت تھے جنھیں بین الاقوامی شہرت و مقبولیت حاصل تھی۔ علامہ قاضی نے سرزمین سندھ میں علم و فکر، دین و اخلاق، تہذیب و ثقافت کی ترویج و اشاعت کے سلسلے میں جو گراں قدر و فقیدالمثال خدمات انجام دیں وہ رہتی دنیا تک فراموش نہیں کی جا سکتیں۔

بروز شنبہ ۱۴ محرم الحرام مطابق ۱۳ اپریل ۱۹۶۸ء علامہ قاضی کا انتقال ہوا۔ ان کا مزار مبارک شاندار مسجد سے متصل سندھ یونیورسٹی کیمپس جام شورو شاہراہ کراچی حیدرآباد کے قریب مرجع خلائق ہے۔ علامہ مرحوم کے مزار پر جو کتبہ نصب ہے اس کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ پاکستان کے تین نامور دانشور و مفکر جناب اے کے بروہی، ڈاکٹر عبدالواحد ہالے پوتا اور ڈاکٹر غلام مصطفی خان کی خصوصی نگرانی میں لکھوایا اور نصب کیا گیا تھا۔ اس کتبہ پر جو نوحہ رقم ہے وہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان کے نتیجہ فکر کا آئینہ دار ہے جس کے مطالعہ سے یہ حقیقت پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب محض ایک پرگو اور خوش فکر شاعر ہی نہیں ہیں بلکہ فن تاریخ گوئی میں کمال رکھتے ہیں۔ یہ قطعہ تاریخ فارسی میں ہے جس سے ان کی فارسی دانی کا بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ہر مصرعہ ہر شعر چست، بھرپور اور جامعیت و معنویت سے معمور ہے۔ آخری شعر کے پہلے مصرعے سے سن ہجری اور دوسرے مصرعے سے عیسوی میں تاریخ وفات نہایت قادرالکلامی اور خوش اسلوبی سے نکالی گئی ہے۔

گذشت افسوس از این دنیائے موہوم
بقیہ از سلف علامہ قاضی
تبحّر داشت در معقول و منقول
تدبر در قوانین سیاسی
مبلغ در علوم دین و اخلاق
معلم در خلوص و دل نوازی

Marfat.com

ز آثارش تصانیف عدیده
ز افکارش رموز حق شناسی
مزاجش نرم و نازک مثل گل بود
کلامش مستدل مانند رازی
حیاتش صرف شد در فکر قرآن
مماتش عبرت آموز جہانی
نہان شد گنج علم و تاج دانش

۱۳۸۸ھ

بود در خلد این علامہ قاضی

۱۹۶۸ء

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان برصغیر پاک و ہند کے ایک جلیل القدر معلم و مفکر، بلند پایہ عالم و دانشور ہیں۔ ڈاکٹر صاحب بلاشبہ ان چند ممتاز محققین اور ناقدین میں سے ہیں جو تحقیق و تنقید کی دنیا میں روشن مینار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی نگارشات میں تنقیدی عنصر کم اور تحقیقی عوامل زیادہ کارفرما ہوتے ہیں۔ تحقیق کا جو رچاؤ، توازن اور تنوع و وسعت ڈاکٹر صاحب کی تحریروں میں پائی جاتی ہے وہ ان کے اپنے اسلوب اور جدت فن کا مظہر ہے۔

ڈاکٹر صاحب ماہر تعلیم ہی نہیں ماہر لسانیات بھی ہیں۔ عربی، فارسی، اردو، انگریزی ادبیات میں کامل ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ مقام، یہ کمال وسیع و عمیق مطالعہ، انتھک محنت، شب و روز کی لگن اور خدا داد ذہانت و صلاحیت کے بغیر ممکن نہیں۔ ایسی بے مثال شخصیت علم و عمل، عزم و ہمت، ایثار و استقلال کی راہ میں ایک سمبل (Symbol) ہوتی ہے جو اپنے اخلاف کو آگے بڑھنے اور کچھ کر گزرنے کی دعوت دیتی ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی تصنیف و تالیف کا آغاز تقریباً ۱۹۳۶ء میں ہوا تھا اس طرح ان کی علمی و ادبی خدمات کی مدت کوئی دس بیس برس نہیں بلکہ نصف صدی کے قریب ہے۔ ان کے مضامین اور تصنیفات و تالیفات

Marfat.com

عربی ، فارسی ، انگریزی اور اردو زبانوں میں موجود ہیں۔ کتابوں کی تعداد (مطبوعہ و غیر مطبوعہ) کوئی پچاس تک پہنچتی ہے۔ مضامین و مقالات تین سو سے زائد ہیں۔ پاک و ہند کے تقریباً تمام معیاری رسائل و جرائد میں ڈاکٹر صاحب کے مقالات شائع ہو چکے ہیں۔ مقالات و مضامین کے متعدد مجموعے کتابی صورت میں چھپ چکے ہیں۔ ان کی کئی کتابیں بی۔ اے اور ایم۔ اے کے نصاب میں بھی شامل رہی ہیں۔

اس مختصر مقالہ میں ان کی جملہ تصنیفات ، تالیفات ، تراجم اور مکاتیب کا احاطہ ممکن نہیں اس لیے ایک اجمالی و سرسری جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے انگریزی میں متعدد مضامین لکھے ہیں۔ علاوہ ازیں دو کتابیں انگریزی میں شائع ہو چکی ہیں :

(۱) A History of Bahram Shah Ghznavi

یہ خاصی ضخیم کتاب ہے جو ۱۹۴۶ء میں لکھی گئی اور ۱۹۵۵ء میں مکتبہ کاروان لاہور سے شائع ہوئی۔ اس کتاب کے پیش لفظ میں علامہ محمد شفیع (پنجاب یونیورسٹی) نے تحریر فرمایا ہے :

"اس کتاب کے مطالعہ سے ہماری معلومات میں اضافہ ہوا۔ یہ کتاب اپنے موضوع کے اعتبار سے اہل پاکستان اور اہل افغانستان دونوں کے لیے یکساں دلچسپی کی حامل ہے"۔ (ترجمہ)

اس کتاب میں ڈاکٹر صاحب نے سلطان بہرام شاہ غزنوی (۱۰۸۴ - ۱۱۵۲ء) کے حالات زندگی ، اس کا عہد اور اس کے کارناموں کی تاریخ پیش کی ہے اس کے درباری شاعر سید حسن غزنوی (المتوفی ۱۱۶۱ء) اور دیگر ہمعصر شعراء کے کلام اور حوالے سے حالات و واقعات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

(۲) A History of Persian Literature in the Indo Pak Subcontinent.

سن تالیف ۱۹۶۵ء سال اشاعت ۱۹۷۲ء۔

Marfat.com

عہد غزنوی سے بیسویں صدی عیسوی تک کے برصغیر پاک و ہند کے فارسی شعراء کی حیات ، کلام اور نثری خدمات کا اجمالی جائزہ ۔

(۳) **فارسی پر اردو کا اثر :** تالیف ۱۹۴۰ء مطبوعہ پہلا ایڈیشن ۱۹۵۲ء دوسرا ایڈیشن ۱۹۶۰ء بمقام کراچی ۔ یہ ڈاکٹر صاحب کی سب سے پہلی تصنیف ہے ۔ اس کتاب میں زبان کی اہمیت ، عربی پر فارسی کا اثر ، فارسی پر اردو کا اثر اور لسانی و ثقافتی پہلوؤں کے بعض پہلوؤں پر فاضلانہ بحث کی گئی ہے ۔

(۴) **فارسی کے قدیم شعراء** (غیر مطبوعہ) ۔

یہ ڈاکٹر صاحب کے ان مقالات کا مجموعہ ہے جو انہوں نے فارسی کے مستند شعراء مثلاً حکیم سنائی ، حکیم سوزنی ، عمادی غزنوی ، برہانی ، بابری وغیرہ کے بارے میں ۱۹۴۰ء سے ۱۹۵۰ء تک کے عرصے میں لکھے ۔ اس کتاب کی افادیت و اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کے متعدد مقالات انسائیکلو پیڈیا آف اسلام مرتبہ علامہ ڈاکٹر محمد شفیع مرحوم (مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی لاہور) میں شامل کیے گئے ۔

(۵) **سید حسن غزنوی** (غیر مطبوعہ) ۔

ڈاکٹر صاحب نے ۱۹۴۶ء میں یہ مقالہ لکھ کر ناگپور یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی ۔ اس مقالے میں سید حسن غزنوی کا عہد ، اس کی حیات ، کلام ، تصانیف ، اس دور کی شاعری کا تقابلی مطالعہ جیسے اہم پہلوؤں پر محققانہ انداز میں روشنی ڈالی ہے ۔ اس کتاب کے زیادہ تر حوالے داخلی اسناد و شواہد پر مبنی ہیں ۔ یہ مقالہ ۱۹۴۷ء میں اوریئنٹل کالج میگزین لاہور میں بالاقساط شائع ہو چکا ہے ۔

(۶) **مراثی متین برہانپوری** (غیر مطبوعہ)۔ سال تحریر ۵۲-۱۹۵۳ء ۔

سی پی (بھارت) کے مشہور شاعر متین برہانپوری کے اردو اور فارسی مرثیوں پر ناقدانہ نظر ڈالی گئی ہے ۔

(۷) **حالی کا ذہنی ارتقاء** ۔ ناشر اعلیٰ کتب خانہ کراچی ۱۹۵۶ء ۔

حالی پر متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن یہ کتاب اپنی نوعیت کے

Marfat.com

اعتبار سے منفرد حیثیت رکھتی ہے۔ حالی کی فارسی شاعری ، حالی کا ذہنی ارتقاء ، حالی کی اردو غزل ، سرسید اور مقدمہ شعر و شاعری کے عنوانات کے تحت مقالات ۱۹۵۲ء اور ۱۹۵۵ء کے درمیان رسالہ اردو کراچی ، مجلہ برگ گل (اردو کالج کراچی) میں شائع ہوتے رہے۔ ۱۹۵۶ء میں ان تمام مقالات کو مزید اضافہ و ترمیم کے بعد کتابی صورت میں شائع کیا گیا۔ یہ کتاب یادگار غالب کی طرح ایک یادگار کتاب ہے۔

(۸) **تدوین لغات :**

ڈاکٹر صاحب نے ڈاکٹر نبی بخش بلوچ کے تعاون و اشتراک سے دو ضخیم لغتیں مرتب کی ہیں جو سندھی اور اردو دونوں زبانوں میں نہایت اہم تالیف ہیں۔

(۱) سندھی اردو لغت۔

(۲) اردو سندھی لغت۔

ان دونوں لغات کو سندھ یونیورسٹی نے علی الترتیب ۱۹۵۹ء اور ۱۹۶۰ء میں بڑے اہتمام سے شائع کیا ہے۔

(۹) **علمی نقوش :** ناشر اعلی کتب خانہ ، کراچی - ۱۹۵۷ء -

اس کتاب میں ۱۴ بصیرت افروز مقالات کے دلآویز نقوش ہیں۔ کتاب کے آخری حصے میں مصطلحات صوفیہ اور مکاتیب مشاہیر کی شمولیت سے اس کی افادیت میں اضافہ ہوگیا ہے۔

(۱۰) **ادبی جائزے :** ناشر عبدالرحمٰن خان۔ کراچی ۱۹۵۹ء -

یہ کتاب ۱۷ تحقیقی و تنقیدی مضامین کا مرقع ہے۔ شروع میں "بیادگار اکرام برادر معظم" کے عنوان سے ڈاکٹر صاحب کا نوشتہ قطعہ تاریخ وفات اور ان کے مرحوم بھائی کا دردناک مرثیہ ہے تو دوسری جانب ڈاکٹر صاحب کے فن تاریخ گوئی کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔

(۱۱) **ثقافتی اردو :** مطبوعہ نیا دور ، کراچی ، ۱۹۶۱ء -

یہ مختصر سی کتاب اپنی افادیت کے اعتبار سے بڑی اہمیت کی حامل

Marfat.com

ہے۔ خالص ہندوانہ الفاظ ، رسم و رواج ، قوم پرستی ، اردو ہندی بحریں ، عام ثقافتی الفاظ و محاورات ، محاورات داغ ، ضرب الامثال ، مرکبات عورتوں کی زبان وغیرہ جیسے لسانی و علمی نکات پر جس فاضلانہ انداز سے بحث کی گئی ہے وہ ڈاکٹر صاحب کے نقطہ نظر کا غماز ہے۔

(۱۲) **تحریر و تقریر**[1] : ناشر حکیم محمود الزمان لطیف آباد حیدرآباد۔ مقام اشاعت کراچی ۱۹۶۲ء۔

گفتنی کے زیر عنوان ۱۳ مقالات اور ناگفتی کے تحت ۲۱ کتابوں پر تبصرے ہیں جو صاحب مقالات کی ناقدانہ نظر پر دال ہے۔

(۱۳) **تاریخ اسلاف** : مقام و سال اشاعت کراچی ۱۹۶۳ء۔

یہ کتاب اس اعتبار سے خصوصی اہمیت کی حامل ہے کہ اس میں ڈاکٹر صاحب کے خود نوشت خاندانی حالات کے علاوہ ان کی نجی زندگی کے واقعات و کوائف شامل ہیں۔ کچھ طبی نسخے بھی ہیں۔ اس کتاب کے ایک حصہ میں ڈاکٹر صاحب کے قطعات تاریخ بھی ہیں جن کے مطالعہ سے تاریخ گوئی میں ان کی مہارت کا انکشاف ہوتا ہے۔ یہ وہ واحد کتاب ہے جو ڈاکٹر صاحب کی زندگی ، شخصیت اور خدمات کے بارے میں بنیادی مآخذ کا درجہ رکھتی ہے۔

(۱۴) **حضرت مجدد الف ثانی** : مطبوعہ ۱۹۶۵ء۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنی اس قابل قدر کتاب میں معروف مورخ و مصنف شیخ محمد اکرام کی کتاب ''رود کوثر'' (مطبوعہ ۱۹۵۸ء) کے ان مندرجات اور تحریروں کی نشاندہی کی ہے جو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے بارے میں غیر محققانہ ہیں اور جن کو پڑھ کر قارئین کے ذہن میں غلط تاثر مرتب ہوتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے تحقیق و تاریخ کی روشنی میں تنقید کی ہے۔ حقائق و معارف کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اس کتاب کا پورا متن ''حضرت مجدد الف ثانی پر حرف گیری کا جائزہ'' کے

(۱) راقم کو اس کتاب پر ریڈیو پاکستان حیدرآباد سے تبصرہ نشر کرنے کا شرف حاصل ہے۔

Marfat.com

عنوان سے ماہنامہ بینات کراچی کے شمارہ مئی جون جولائی ۱۹٦۴ء میں بالاقساط بھی شائع ہو چکا ہے۔

(۱۵) **تحقیقی جائزے :** مطبوعہ زیر اہتمام بزم غالب سکھر۔ ۱۹٦۸ء۔

۱۲ تحقیقی مضامین کا نظر افروز مجموعہ جو برصغیر کے بعض علمی و ادبی رسائل کی زینت بن چکے ہیں۔ اس کتاب کی افادیت کا اندازہ ان مشمولات سے لگایا جا سکتا ہے۔

صوتیات میں قرآنی تجوید کی اہمیت ، غالب اور صہبائی کی فارسی شاعری ، اقبال کا نظریہ شعر و ادب ، کلام اقبال کا تاریخی و سیاسی پس منظر ، پاکستان میں اہل زبان کا مسئلہ ، اردو شعراء کے دینی عقائد، اردو ادب کے نئے رجحانات ، سودا کے قصیدے ، ترک اور اردو شعراء ، ولی گجراتی ، شاہ گلشن اور شاہ گل۔

(۱٦) **قرآنی عربی :** اشاعت دوم ۱۹۷۲ء۔

قرآنی عربی کے موضوع پر اردو میں پہلا مفید رسالہ ہے جس کے مطالعہ سے قرآن کی زبان اور اس کی آیتوں کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

(۱۷) **جامع القواعد :** مطبوعہ مرکزی اردو بورڈ لاہور ۱۹۷۲ء۔

(۱۸) **فن تحقیق :** مطبوعہ سعید آرٹ پریس ۱۹٦۵ء۔

فن تحقیق پر اردو میں مواد بہت کم ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ کتابچہ ایم اے کے طلباء اور اساتذہ کی رہنمائی کے لیے تحریر فرمایا ہے۔ ''فن تحقیق کا جائزہ'' کے علاوہ قرآن کریم ، حدیث نبوی و دیگر علوم اسلامی و مغربی کی روشنی میں نہایت قیمتی مواد پیش کیا ہے۔

(۱۹) **تحفۂ زواریہ درالناس سعیدیہ** (فارسی) تالیف ۱۲۷۷ھ مطبوعہ کراچی ۱۹۵۵ء۔

۱۳۷ فارسی مکاتیب حضرت شاہ احمد سعید دہلوی بنام حضرت حاجی دوست محمد قندھاری مع فارسی دیباچہ مرتب۔

(۲۰) **ضیاء القرأت** ۔ مطبوعہ حیدرآباد سندھ۔ ۱۹۵٦ء۔

فن قرآت کے بارے میں تین اہم رسائل ضیاء القرأت (قاری ضیاء الدین

Marfat.com

احمد الہ آبادی ، سراج القرآت (قاری عبداللہ تھانوی) اور تحفۃ المبتدین (قاری محب الدین احمد) ۔

(۲۱) **المقام المحمود ارذو تفسیر پارہ عم** : از مولانا عبید اللہ سندھی مطبوعہ حیدرآباد سندھ ۱۹۵۹ء ۔ پیش لفظ ڈاکٹر عبدالواحد ہالی پوتا ۔

(۲۲) **ملفوظات اکابرین صوفیہ** : مطبوعہ حیدرآبید سندھ ۱۹۵۹ء ۔

(۲۳) **آگاہی سید امیر کلال** : مطبوعہ کراچی ۱۹۶۱ء ۔

(۲۴) **دیوان روشن** : مطبوعہ حیدرآباد سندھ ۱۹۶۱ء ۔

فارسی دیوان حضرت خواجہ محمد اسماعیل جان روشن سرہندی ۔

(۲۵) **دیوان عظیم ٹھٹھوی** : ناشر سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد ۱۹۶۲ء ۔

فارسی دیوان عظیم الدین ٹھٹھوی (۱۷۴۹ - ۱۸۱۴ء) ۔

(۲۶) **راز معرفت** (۹۹۸ھ) : مطبوعہ حیدرآباد ۱۹۶۲ء ۔

حضرت لطف اللہ مخدوم نوح ہالائی (المتوفی ۹۹۸ھ) کے فارسی ترجمہ قرآن شریف پارہ اول کا محققانہ جائزہ مع تصحیح و مقدمہ ۔

(۲۷) **وسیلۃ القبول الی اللہ والرسول** : حصہ اول ۔ مطبوعہ حیدرآباد ۱۹۶۳ء ۔

۱۲۸ فارسی مکاتیب خواجہ محمد نقشبند ثانی (متوفی ۱۱۱۵ھ) نبیرہ حضرت مجدد الف ثانی ۔

()**رسالہ شاہ لطیف** : مطبوعہ سندھ یونیورسٹی ۱۹۶۳ء ۔

سابق وائس چانسلر سندھ یونیورسٹی اور اردو سندھی کے مشہور و ممتاز شاعر شیخ ایاز نے شاہ عبداللطیف بھٹائی کے رسالہ کا مکمل اور دلکش منظوم ترجمہ کیا ہے جس پر ڈاکٹر صاحب نے نظرثانی فرمائی ہے ۔

(۲۹) **لوایح خانقاہ مظہریہ** : یعنی مکتوبات مدرسہ دیر۔

مطبوعہ آفریشیا پرنٹنگ پریس کراچی ۱۹۷۵ء ۔

Marfat.com

مرزا مظہر جان جاناں اور ان کے وابستگان کے دو سو فارسی مکتوبات کا بصیرت افروز ایمان پرور مجموعہ۔

اس کتاب کے بارے میں ایک لائق تحسین امر یہ ہے کہ ڈیمی سائز کے ۳۰۸ صفحات پر مشتمل اس مجموعہ مکاتیب سلسلہ مظہریہ کی کتابت کاتب نے نہیں کی بلکہ سندھ یونیورسٹی کے لائق احترام اساتذہ کرام ڈاکٹر نجم الاسلام ، ڈاکٹر مولانا سید محمد نعیم ندوی ، ڈاکٹر ابوالفتح صغیر الدین ، پروفیسر ایاز الدین اور ڈاکٹر سید سخی احمد ہاشمی نے جستہ جستہ پوری کتاب کی کتابت کی ہے۔ اساتذہ کرام کے اس علمی اشتراک و تعاون سے علم و ادب کی دنیا میں ایک مثال قائم ہوئی ہے۔

(۳۰) **اقبال اور قرآن** : مطبوعہ اقبال اکیڈیمی ، لاہور ، ۱۹۷۷ء۔

(۳۱) **معارف اقبال** : مطبوعہ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی ۱۹۷۸ء۔

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب کی تصنیفات و تالیفات ، تراجم ، مکتوبات و مخطوطات کی مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو سندھ میں اردو مخطوطات (۱۹۶۹ء) سندھ میں اردو مطبوعات (۱۹۷۰ء) مطبوعہ مرکزی بورڈ لاہور اور سہ ماہی العلم کراچی شمارہ جنوری تا مارچ ۱۹۷۵ء۔

نمونہ نثر

مقالہ ''**اردو املا کی تاریخ**'' ۔ مطبوعہ ماہنامہ معارف اعظم گڑھ ، شمارہ جون ۱۹۵۱ء۔

املا دراصل لفظوں میں صحیح صحیح حرفوں کے استعمال کا نام ہے جو طریقہ ان حرفوں کے لکھنے کے لیے تیار کیا جاتا ہے وہ رسم الخط کہلاتا ہے ۔ لیکن ان دونوں کی حدیں چونکہ قریب قریب ہیں اس لیے فن املا کے امام ڈاکٹر عبدالستار صدیقی نے لفظوں کی صحیح تصویر کھینچنے[1] کو املا کہا ہے اور تقریباً یہی مفہوم انشاء اللہ خان انشاء اور غالب کے یہاں پایا جاتا ہے۔

---

۱ - رسالہ اردو ، جولائی ۱۹۴۵ء ، ص ۲۶۵ (مقالہ نگار)۔

Marfat.com

حقیقت یہ ہے کہ ہر زبان کے لیے صحیح املا کے قواعد نہایت ضروری ہیں ۔ لیکن جس قدر ضروری ہیں اتنی ہی ان سے بے اعتنائی برتی جاتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک لفظ ایک شخص جس طرح سے لکھ دیتا ہے وہ دوسروں کے لیے سند بن جاتا ہے اور جہاں کتابوں یا اخباروں میں اس کی تکرار ہوئی وہ مقبولیت حاصل کر لیتا ہے ۔ اس لیے محققین کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہاں زبان کی یک رنگی اور یکسانی کو برقرار رکھنے کے لیے صحیح بنیادوں پر املا کے اصول قائم کریں تاکہ بے ضابطگی بھی پیدا نہ ہو اور ہر شخص آسانی سے اپنی زبان لکھ پڑھ سکے ۔

اس مضمون میں یہ عرض کیا گیا ہے کہ کس زمانے میں کون سے حروف کس طرح سے لکھے جاتے تھے اور ان میں کیا کیا تبدیلیاں ہوتی رہیں ۔ چنانچہ اس کے لیے معلومات نہ صرف مطبوعہ کتابوں سے بلکہ نادر مخطوطات سے بھی حاصل کی گئی ہیں اور کوشش کی گئی ہے کہ صحیح صحیح چیزیں نظر کے سامنے آ جائیں تاکہ ہمارے محققین کچھ اسلاف کے اختیار کردہ اصول سے کچھ اپنے اجتہاد سے املا کے صحیح قاعدے منضبط کر سکیں ۔ مولوی عبدالحق صاحب کے ذاتی کتب خانے میں فخرالدین نظامی دکنی کی ایک مثنوی ''قدم رو پدم راو'' کے نام سے موجود ہے ۔ یہ ۸۲۵ھ[1] میں مرتب ہوئی ۔ اس لیے ان کا شمار قدیم ترین اردو تصانیف میں ہو سکتا ہے ۔ مثنوی نسخ میں ہے اور اس طرح شروع ہوتی ہے ۔

گسپائین تھیں اک دنہ جگ ادآر　　　برو برو جگہ تھیں دین ہار
(مالک)　(سا)　(آسرا)　　　(باہر)　(دینے والا)

آکاس آنچہ پاتال دھرتی تھیں　　　جہاں کچھ نکوینیی سنہان ہے تھیں
(آسماں)

رجن ہار آنکھیے اجنہار توں　　　رھن ہار پچھیین ایں ہار توں
(خالق)　(آگے)　　　(باقی رہنے والا)

تھیں رچیا جگہ ابرا در تال تل　　　اوپر تھیں نہ آ کر سکی آپ بل

---

۱ ۔ لیکن اس کا سال کتابت معلوم نہیں ۔ (غ م خ) ۔

Marfat.com

قلم کیآن سوں تین لکھیا بھوگ جکہ　　سکایا قلم بھاگ لکھ جرم لک
(اکتساب)　　(نصیب)

اس مخطوطے کی املائی خصوصیات یہ ہیں :

(۱) گاف پر ایک ہی مرکز ہے اور اکثر اس کے نیچے تین نقطے ہیں -

(۲) ب ، گ اور چ کسی لفظ کے آخر میں آتا ہے تو اس کے ساتھ ''ہ'' بھی ہے اور یہ بات دکنی ادب میں عام ہے -

(۳) یائے معروف و مجہول میں کوئی فرق نہیں ہے -

(۴) ہائے ہوز کی مختلف شکلوں کو بغیر کسی امتیاز کے لکھا ہے -

(۵) الف ساکن کے پہلے زیر ہے اور ایسے الف پر اکثر ہمزہ لکھا گیا ہے -

(۶) ہمزۂ مکسوری کے نیچے دو نقطے ضرور ہیں -

(۷) حرف نفی ''نہ'' کو اکثر پہلے یا بعد کے لفظ سے جوڑ کر لکھا ہے - - - اٹھارویں صدی عیسوی کے آخر میں جب نستعلیق ٹائپ شروع ہوا تو بہت کچھ ترقی یافتہ املا کا رواج ہونے لگا - ان کے بعد انشاء اور غالب وغیرہ نے جو اصلاحیں اور تجویزیں اس فن سے متعلق پیش کی تھیں وہ سب اوپر آ چکی ہیں - اب ہمارے اساتذہ کا فرض ہے کہ زبان کی یکرنگی کو قائم رکھنے کے لیے اپنے اسلاف کی کوششوں پر نظر رکھتے ہوئے آسان اور بہتر اصول اختیار کریں تاکہ مبتدی بھی کوئی دقت محسوس نہ کرے -

(اقتباس از تحقیقی جائزے ، ص ۱۰۵ تا ۱۰۷ ، ۱۴۸)

Marfat.com

پیر اسحاق جان سرہندی

(۱۳۳۰ - ۱۳۹۵ھ/۱۹۱۳ - ۱۹۷۶ء)

الحاج پیر محمد اسحاق جان مجددی، سرہندی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ پیر اسحاق جان، خواجہ محمد حسین جان[1] (۱۲۹۰-۱۳۶۷ھ) برادر عزیز خواجہ حسن جان[2] (۱۲۷۸ - ۱۳۶۵ھ) ولد حضرت خواجہ عبدالرحمن قندھاری[3] مجددی فاروق (۱۲۴۴ - ۱۳۱۵ھ) کے پوتے،

۱۔ **الحاج خواجہ محمد حسین جان سرہندی:** ۱۲۹۰ھ میں قصبہ ارغستان (قندھار) میں پیدا ہوئے۔ بارہ سال کی عمر میں اپنے والد بزرگوار حضرت خواجہ عبدالرحمن عرف قندھاری صاحب کے ہمراہ سندھ آئے۔ پہلے ٹکھڑ (ضلع حیدرآباد) میں اقامت بذیر ہوئے۔ پھر ۱۳۲۹ھ میں تعلقہ ساماری ضلع تھرپارکر میں سکونت اختیار کی۔ اب یہ مقام گوٹھ پیر سرہندی کے نام سے مشہور ہے۔

خواجہ محمد حسین جان سرہندی عربی و فارسی کے جید عالم اور قادرالکلام شاعر تھے۔ سرہندی تخلص کرتے تھے۔ ان کے عربی و فارسی کلام کا مجموعہ جو ۱۶۶ صفحات پر مشتمل ہے "خیابان سرہندی" کے نام سے زیور اشاعت سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آ چکا ہے۔ (تذکرہ شعرائے ٹکھڑ، ص ۱۱۲ - ۱۲۰)

۲۔ **خواجہ محمد حسن جان سرہندی** اور خواجہ عبدالرحمن سرہندی قندھاری کے کچھ حالات زیرنظر باب میں عبداللہ جان شاہ آغا سرہندی کے تذکرے کے حاشیے میں شامل ہیں۔ علاوہ ازیں خواجہ محمد حسن جان کے سوانح اور علمی و ادبی خدمات کے لیے ملاحظہ ہو مقالہ "خواجہ محمد حسن جان سرہندی" از وفا راشدی مطبوعہ ماہنامہ المعارف (ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور) شمارہ جنوری ۱۹۷۹ء۔

Marfat.com

محمد اسمٰعیل جان روشن[1] (۱۳۰۷-۱۳۹۳ھ) کے فرزند اول اور محمد ابراہیم خلیل خان[2] (ولادت ۱۳۳۴ھ) کے برادر معظم تھے -

---

۱ - **پیر آغا محمد اسماعیل جان روشن سرہندی :** پدر بزرگوار پیر اسحاق جان سرہندی کی زندگی دینی و سماجی خدمات کے لیے وقف تھی - وہ اپنے وقت کے صاحب فیض بزرگ ہی نہ تھے بلکہ تحریک آزادی کے متوالے اور تحریک خلافت کے سرگرم کارکن تھے - انھوں نے اتحاد عالم اسلامی کے مشن کے تحت علی برادران کے ہمراہ حجاز مقدس کا بھی دورہ کیا -

محمد اسمٰعیل جان فارسی، سندھی اور اردو کے بلند پایہ شاعر اور صاحب طرز ادیب تھے - ماہنامہ ''الاصلاح'' ٹکھڑ کے نامور مدیر تھے - وہ سندھی ، اردو ، عربی ، فارسی ، پشتو زبانوں میں طبع آزمائی فرماتے تھے - ان سب زبانوں میں ان کا کلام موجود ہے - نثر میں خطبات روشن ، جواہر نفیسہ ، نسیم چمن ، انشائے روشن اور نظم میں دیوان روشن (فارسی) مرتبہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صدر شعبہ اردو جامعہ سندھ ۱۹۶۱ء ان کی لازوال تصانیف ہیں - استاد مکرم ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب نے از راہ شفقت دیوان روشن کا ایک نسخہ راقم کو بھی عطا فرمایا تھا جو اس کے کتب خانے میں محفوظ ہے -

(ضلع تھرپارکر کے فارسی ادب کا جائزہ ، ماہنامہ الرحیم (سندھی) مارچ اپریل ۱۹۷۸ء ص ۱۵ — تذکرہ شعرائے ٹکھڑ ، ص ۱۵۹ - ۱۶۷) -

۲ - **الحاج مولانا محمد ابراہیم جان خلیل :** محمد اسماعیل جان روشن کے منجھلے صاحبزادے اور محمد اسحاق جان کے چھوٹے بھائی ہیں - پیر طریقت، صاحب دل ، عالم باعمل ہیں عربی ، فارسی، سندھی اور اردو پر کامل قدرت رکھتے ہیں - سندھی اور فارسی کے اچھے نثر نگار اور سخنور ہیں - انھوں نے اپنے علم و فضل سے خاندانی روایات کو بحسن و خوبی زندہ رکھا ہے -

(تذکرہ شعرائے ٹکھڑ ، ص ۱۹۸ - ۲۰۳)

Marfat.com

سندھ میں سرہندی خاندان (جس کا سلسلہ نسب حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے واسطے سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے) کے مورث اعلیٰ حضرت خواجہ عبدالرحمٰن عرف قندھاری صاحب تھے ۔ اسحاق سرہندی نے اپنے خاندانی حالات اپنے والد کے فارسی مجموعہ کلام ''دیوان روشن'' میں قلمبند کیے ہیں ۔ اس کے علاوہ وہ اپنی ایک کتاب میں اپنے حسب و نسب کے بارے میں رقمطراز ہیں :

''میرے آبا و اجداد کا وطن قندھار تھا ۔ جد امجد حضرت آقا محمد حسین جان نے بارہ سال کی عمر میں اپنے والد حضرت خواجہ عبدالرحمٰن کی معیت میں انگریزوں کے خلاف جنگ آزادی اور جہاد کیا ۔ پھر والی افغانستان امیر عبدالرحمٰن کے مظالم سے تنگ آ کر ہجرت کی اور سندھ کے ایک قصبہ ٹکھڑ متصل حیدرآباد میں آباد ہوئے'' ۔

(سفر نامہ ایران)

پیر اسحاق جان سرہندی ۵ ذیقعدہ ۱۳۳۰ھ (۱۹۱۳ء) میں شہر حیدرآباد میں پیدا ہوئے ۔ آنکھیں کھولیں تو اپنے چہار طرف دین اور روحانیت کی روشنی دیکھی ۔ یہ روشن ماحول ان کی صحت مند پرورش اور ذہنی و فکری تربیت میں معاون ثابت ہوا ۔ اپنی خاندانی روایت کے مطابق قرآن مجید ، حدیث نبوی ، فقہ حنفی ، علوم اسلامی کی تکمیل کی ۔ جن اساتذہ کرام کے زیر عاطفت علوم ظاہری سے بہرہ ور ہوئے ان میں مولانا حاجی عبدالرحیم دل ، مولانا غلام حیدر شاہ خیرپوری ، مولانا غوث محمد اور مولانا عطا اللہ کے نام نامی اسم گرامی وہ فخر و مسرت سے لیا کرتے تھے ۔ کچھ عرصہ اجمیر شریف میں بھی رہ کر اعلیٰ تعلیم حاصل کی[1] ۔ ان تمام استادوں کی محبت اور فیضان کے علاوہ ان کے عالم و فاضل باپ آقا محمد اسمٰعیل جان روشن سرہندی نے خصوصی توجہ دی ۔ اسحاق جان نے اپنے والد محترم کی آغوش شفقت ہی میں علوم باطنی کے اسرار و نکات

---

۱ ۔ ضلع تھرپارکر کے فارسی ادب کا جائزہ ، از ڈاکٹر گل حسن لغاری ، ص ۷۱ ۔ الرحیم (سندھی) اپریل مارچ ۱۹۷۸ء ۔

Marfat.com

سے آگہی حاصل کی ۔ جب سلوک و معرفت کی منزل پر پہنچے تو اپنے والد مکرم کے دست مبارک پر بیعت کی ۔

اللہ کے فضل و کرم سے اسحاق سرہندی نے چار مرتبہ حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی ۔ پانچویں دفعہ حج کی تیاری میں مصروف تھے کہ اسی دوران ۳ ذی الحج ۱۳۹۵ھ (۱۹۷۷ء) کو جوار رحمت سے پیوست ہو گئے[۱] ۔

عبادت و ریاضت اور مطالعہ کے ساتھ ساتھ علمی زندگی میں تجربات و مشاہدات حاصل کرنے کی بڑی لگن رکھتے تھے ۔ اس لیے انھوں نے نہ صرف سندھ و ہند کے گوشے گوشے کا سفر کیا بلکہ دنیا کے طول و عرض کی سیر و سیاحت کی ، حجاز ، عراق ، مشرق وسطی ، افغانستان اور ایران وغیرہ جہاں کہیں گئے وہاں کے حالات و کوائف ، مشہور مقامات اور زیارت گاہوں کے متعلق اپنے خیالات و تاثرات بھی معلوماتی انداز میں تحریر کیے ۔ اس سلسلے میں ان کی دو کتابیں جو اردو میں ہیں ''سفر نامہ ایران'' اور ''منازل و مراحل'' (سفر نامہ مشرق وسطیٰ) ادبی اہمیت کی حامل ہیں ۔ اپنی سیر و سیاحت کے بارے میں اپنے سفر نامہ میں لکھتے ہیں:

> ''ابتداء عمر میں جب والد مرحوم حیات تھے اور گھر کی کوئی فکر دامن گیر نہ تھی تو ہر سال ہندوستان کی سیر و تفریح کے لیے چلا جاتا تھا چنانچہ اگر گرمی ہوتی تھی تو ''ماونٹ آبو'' پہنچ جاتا اور اگر ملک دیکھنے کا شوق ہوا تو بمبئی سے دکن جا پہنچتا تھا ۔ مہینوں وہاں رہتا''[۲] ۔

اسحاق سرہندی کی آبائی زبان پشتو اور مادری زبان سندھی تھی ۔

---

۱ ۔ حکیم پیر غلام محی الدین سرہندی (سرہندی دواخانہ ٹنڈو محمد خان) پیر اسحاق جان کی وفات کا حال غلام محی الدین صاحب کی زبانی معلوم ہوا ہے اور ان کی تاریخ وفات محی الدین صاحب کی ذاتی ڈائری سے نقل کی گئی ۔

۲ ۔ سفر نامہ ایران ، ص ۷ ۔

Marfat.com

ان دونوں زبانوں میں وہ بولنے کے علاوہ بخوبی لکھ پڑھ سکتے تھے۔ عربی ، فارسی ، سرائکی ، مارواڑی ، بلوچی اور بروہی زبان سے بھی اچھی طرح واقف تھے۔ سندھی اور اردو میں نظم و نثر لکھتے تھے۔ انھوں نے اپنے والد مکرم کے "دیوان روشن" کے شروع میں فارسی میں "حالات مصنف" کے تحت جو کچھ لکھا ہے وہ ان کی فارسی میں دسترس اور نثر کا عمدہ نمونہ ہے۔ ان کی تصنیف و تالیف میں حسب ذیل کتابیں شامل ہیں :

اردو :

(۱) بنات الرسول۔ مقام اشاعت قصر دلکشا ، میر پور خاص ۱۹٦۰ء۔

(۲) برتھ کنٹرول۔ طابع آفتاب الیکٹرک پرنٹنگ پریس میرپور خاص۔

اس کتاب میں اسحاق سرہندی نے ضبط تولید کو شرعی رو سے غیر اسلامی فعل ثابت کیا ہے۔

(۳) حضرت مجدد الف ثانی کا مشن۔

(۴) تعارف ایوان زراعت۔

(۵) سفر نامہ ایران۔ سندھ یونیورسٹی پریس ، ۱۹٦۰ء۔

(٦) منازل و مراحل (سفر نامہ مشرق وسطیٰ)۔

فارسی : "دیوان روشن"۔ (ترتیب و تدوین) سال اشاعت ۱۹٦۱ء۔ اس کتاب کا مقدمہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان نے "بیان روشن" کے نام سے تحریر فرمایا ہے۔

عربی : تیسیر العربی (عربی سندھی لغت)۔

سندھی : اقبال اور شاہ بھٹائی۔

پیر اسحاق سرہندی کی کوئی کتاب ضخیم نہیں۔ وہ اپنی اختصار پسندی کے بارے میں خود تحریر فرماتے ہیں :

Marfat.com

''میری طرز تحریر اختصار پسند ہے اس عدیم الفرضی کے زمانہ میں طوالت ملامت کا باعث ہوتی ہے ۔ کتاب اتنی مختصر ہو کہ کھڑے کھڑے پڑھ لے ۔ کوئی بار خاطر نہ ہو ۔ اس لیے اس شعر پر عمل کیا گیا ہے ۔

کار دنیا کسے تمام نکرد   ہرچہ گیرید مختصر گیرید''[۱]

ہر کتاب مختصر ہونے کے باوجود جامعیت و معنویت کے اعتبار سے دقیق ، معلوماتی ، بصیرت افروز اور فکر انگیز ہے ۔ اس لیے وہ جو کچھ لکھتے تھے غور و فکر سے علمی ، دینی و شرعی افادیت کے پیش نظر لکھتے تھے ۔ ان کی زبان اور بیان کی صفائی و سادگی ان کی نثر کی جان ہے ۔ اپنے خیالات کے اظہار کے لیے ایسے موزوں اور سادہ الفاظ استعمال کرتے تھے کہ تحریر میں دلکشی پیدا ہو جاتی تھی ۔ جابجا تلمیحات و استعارات اور شعروں کی برمحل تدوین سے اپنی تحریر کو دلنواز و دلفریب بنا دیتے تھے ۔ قرآنی آیات اور حدیث نبوی کے حوالے سے جو باتیں کرتے وہ اتنی مدلل اور پرمغز ہوتی تھیں کہ قارئین متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے ۔ ان کی طرز تحریر کا ایک نمونہ دیکھیے ۔ تہران جو ایران کا ایک خوبصورت شہر ہے اس کی ایک شاہراہ کی تصویر ان الفاظ کے رنگ اور خطوط میں یوں بناتے ہیں :

''یہ بہت ہی عالی شان شاہراہ ہے ۔ اس کے دونوں طرف دوکانیں ہیں آخر میں خوبصورت فوارے اور حوض ہیں جن میں رنگین قمقمے بیحد دلکش منظر پیش کرتے ہیں ۔ شعرون گو کہ شہر سے پیوستہ ہے خیابان شاہ کا ایک دلفریب بازار وہاں تک پہنچا دیتا ہے مگر فاصلہ ۱۸ میل ہے فوارے کے کنارے پر پھولوں کی مہک، چاندنی رات کی دل آویزی ، چاند ستاروں کے مقابلے میں ہزاروں مصنوعی چاند ستارے ان کا مقابلہ معنوی و ظاہری حسن کر رہا تھا کہ یکایک سبز سرو کے سائے میں ایک سیاہ چادر اوڑھے

---

۱ ۔ برتھ کنٹرول عرض حال ، ص ۱ ۔

Marfat.com

ہوئے سرو کی طرح کھڑی ہوئی ایک دلفریب صورت نظر آئی ۔ سلام کیا ۔ بیٹھے کا اشارہ کیا ، بیٹھ گئی "آغا خوش آمدید" اب ان ہزاروں قمقوں کی تیز روشنی میں چپ چادر ہٹا کر گویا ہوئی تو مجھے حافظ شیرازی کا شعر یاد آ گیا :

روئے نگار در نظرم جلوہ می نمود
ورنہ دو بوسہ بر رخ مہتاب می زدم"

(سفر نامہ ایران)

بنات الرسول پیر اسحاق سرہندی کی ایک تصنیف ہے اس کتاب کے آغاز میں وہ لکھتے ہیں :

"اکثر حضرات فقط سیدۃالنساء حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو حضور پاک کی صاحبزادی کہتے ہیں ۔ باقی صاحبزادیوں کا نام نہیں آتا اگر آتا ہے تو ان کی تفصیلی تاریخ نہیں ملتی ۔ ایک گروہ تو باقی صاحبزادیوں سے منکر ہے ۔ شاید وہ اس آیہ کریمہ کو بھول چکے ہیں :

یا ایھا النبی کل ازواجک و بناتک" (ص ۲)

اسحاق سرہندی نے بنات الرسول لکھ کر آنحضرت کی صاحبزادیوں سے متعلق بہت بڑی غلط فہمی دور کر دی ہے ۔ انھوں نے اس کتاب میں حضور کی چار صاحبزادیوں بی‌بی زینب ، بی‌بی رقیہ ، بی‌بی ام کلثوم اور بی‌بی فاطمۃ الزہرا کے حالات ، نکاح ، ازدواجی زندگی اولاد ، وفات وغیرہ جیسے اہم واقعات کو تاریخی حقائق کی روشنی میں مدلل اور دلچسپ پیرایہ میں بیان کیا ہے ۔ اب اس کتاب سے اسحاق سرہندی کی اردو تحریر کا نمونہ دیکھیے :

"ایک مرتبہ ایک تابعی نے حضرت بی‌بی عائشہ سے پوچھا کہ حضورکو سب سے زیادہ محبوب اور پیاری کون تھی ۔ تو حضرت عائشہ نے فرمایا کہ بی‌بی فاطمہ ۔ بی‌بی عائشہ فرماتی ہیں کہ جب بی‌بی فاطمہ حضور کی خدمت میں آتی تھیں تو حضور ان کے استقبال کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے اسی طرح جب حضور

Marfat.com

بی‌بی صاحبہ کے گھر تشریف فرما ہوتے تھے تب بی‌بی صاحبہ اٹھ کر کھڑی ہوتی تھیں اور حضور کو اپنی جگہ بٹھاتی تھیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دستور تھا کہ جب کسی سفر یا غزوے سے واپس تشریف لاتے تو پہلے مسجد میں جا کر دو رکعتیں نماز ادا کرتے تھے پھر حضرت بی‌بی صاحبہ کے گھر تشریف لاتے اس کے بعد ازواج مطہرات کی طرف جاتے۔ بخاری شریف میں ہے حضور نے فرمایا کہ فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے میرے دل کا باغ ہے۔ مسلم شریف میں ہے کہ حضور نے فرمایا کہ فاطمہ، حسن و حسین کا جو خیر خواہ ہے میں اس کا خیر خواہ ہوں، جو ان کا دشمن ہے میں اس کا دشمن ہوں۔ عبداللہ بن بریرہ (جو صحابی تھے) روایت کرتے ہیں کہ حضور کو سب عورتوں میں پیاری بی‌بی فاطمۃ الزھرا تھیں اور مردوں میں حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے محبت تھی۔ اس محبت کا تقاضا یہ تھا کہ جب "آیت تطہیر نازل ہوئی تب حضور نے بی‌بی صاحبہ کے ساتھ حضرت علی اور دونوں صاحبزادوں امام حسن و امام حسین علیہما السلام کو اپنی چادر میں بلا کر بٹھایا کہ یا اللہ مجھے اور میرے اہل بیت کو برائیوں سے پاک و صاف کر"۔
(بنات الرسول، ص ٢٥، ٢٦)

Marfat.com

پروفیسر علی نواز جتوئی

(ولادت ۱۳۳۴ھ - ۱۹۱۴ء)

الحاج پروفیسر علی نواز جتوئی سندھ کے مشہور "جتوئی" خاندان سے تعلق رکھتے ہیں - ان کے آبا و اجداد عہد کلھوڑہ میں بلوچستان سے ہجرت کر کے وادی سہران میں آباد ہوئے - علی نواز جتوئی کے دادا کا نام حاجی نبی بخش خان اور والد مکرم کا نام حاجن خان جتوئی تھا -

علی نواز کی پیدائش مورخہ ۱۱ جولائی ۱۹۱۴ء (۱۳۳۴ھ) میں جتوئی نامی گاؤں (تعلقہ مورو ضلع نواب شاہ) میں ہوئی - ابھی پانچ سال کے تھے کہ ۱۹۱۸ء میں ان کے والد فوت ہو گئے - اپنے بچپن کے بارے میں جتوئی صاحب فرماتے ہیں :

"جب میرے والد نے وفات پائی اس وقت میں اتنا چھوٹا تھا کہ ان کی کوئی شکل و شبیہہ مجھے یاد نہیں - لیکن اتنا خیال ہے کہ عین جوانی میں ان کا انتقال ہوا - والد نے تھوڑی سی جائیداد چھوڑی تھی اس وقت میرا ایک بڑا بھائی اور ایک چھوٹا بھائی تھا - چچا خدا بخش نے میری پرورش کی"[۱] -

علی نواز نے پرائمری تعلیم اپنے گاؤں کے اسکول میں پائی - ۱۹۲۹ء میں ورناکلر (Vernacular) میں امتحان پاس کیا اس کے بعد غلام مصطفٰی جتوئی (سابق وزیر اعلیٰ صوبہ سندھ) کے دادا خان بہادر امام بخش خان جتوئی نے انگریزی تعلیم میٹرک تک دلوائی - ۱۹۳۷ء میں میٹرک نوشہرہ فیروز گورنمنٹ ہائی اسکول سے ، ۱۹۴۳ء میں بی اے بمبئی

---

۱ - زیب ادبی مرکز حیدرآباد میں پروفیسر علی نواز جتوئی سے ایک انٹرویو کے دوران ان کے حالات زندگی قلمبند کیے گئے -

Marfat.com

یونیورسٹی سے اور ۱۹۵۰ء میں ایم اے (سندھی) سندھ یونیورسٹی سے کیا - وہ پہلے طالب علم تھے جنھوں نے سندھی میں ایم اے امتیازی نمبروں سے پاس کیا -

۱۹۴۳ء میں بی اے کے بعد سندھ کے مختلف اسکولوں میں ٹیچر کے عہدے پر فائز رہے - اسی عرصے میں ۱۹۴۵ء میں محکمہ تعلیم نے انھیں ان کے حسن خدمت سے خوش ہو کر اسکالرشپ کے ساتھ بی ٹی کے لیے بھیجا - انھوں نے کامیابی حاصل کی - یہ ان کے ہونہار اور ذہین طالبعلم و استاد ہونے کی دلیل تھی کہ ابھی وہ بی اے بی ٹی تھے کہ ایم اے کرنے سے پہلے ڈاکٹر داؤد پوٹہ ڈائریکٹر تعلیمات کی سفارش پر ۱۹۴۸ء میں انھیں گورنمنٹ کالج حیدرآباد میں سندھی کے لکچرار مقرر ہوئے - پھر ایم اے کرنے کے بعد ۱۹۵۲ء میں گورنمنٹ ہائی اسکول ہالہ کی ہیڈ ماسٹری کے منصب پر مامور ہوئے -

۱۹۵۳ء میں سندھ یونیورسٹی[1] میں براہ راست اسسٹنٹ پروفیسر کا عہدہ ملا - پھر ریڈر ہوئے ۱۹۷۲ء میں پروفیسر مقرر ہو گئے - اکیس سال تک درس و تدریس کے فرائض خوش اسلوبی و نیک نامی سے انجام دینے کے بعد اعزاز و اکرام کے ساتھ سبکدوش ہوئے - ان کی بے لوث و بے پناہ خدمات اخلاص و محبت اور نیکی و شرافت کا چرچا سندھ یونیورسٹی کے اساتذہ ، طلباء اور حلقہ علم و دانش میں آج تک پایا جاتا ہے - وہ اپنے زمانے کے ایک مثالی استاد اور پروفیسر ثابت ہوئے -

پروفیسر علی نواز جتوئی بچپن سے صوم و صلواۃ ، زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت کے عادی ہیں - ان کی طبیعت اوائل عمر سے ہی حقیقت و معرفت کی طرف مائل رہی ہے - وہ کیا عوامل اور محرکات تھے جس کی بناء پر انھوں نے دنیاوی عیش و عشرت پر فقر و درویشی کی زندگی کو ترجیح دی وہ ان کی زبانی سنیے :

---

۱ - سندھ یونیورسٹی ۱۹۴۶ء میں کراچی میں قائم ہوئی اور ۱۹۵۲ء حیدرآباد میں منتقل ہو گئی -

Marfat.com

"میں پانچویں چھٹی جماعت میں تھا کہ میرا ایک دوست جو میرا عزیز بھی تھا اچانک شدید بیمار ہو گیا ۔ اسے رات کے گیارہ بجے سرسام ہو گیا اور راتوں رات اللہ کو پیارا ہو گیا ۔ اس کی بیماری اور موت کا خوف میرے دل پر کچھ اس طرح طاری ہو گیا کہ میں خوفزدہ ہو کر محلے کی قریبی مسجد میں جا چھپا جب میرے رشتے داروں کو معلوم ہوا تو مجھے لینے آئے لیکن میں کسی حال میں مسجد سے باہر جانا نہیں چاہتا تھا ۔ میرا خیال تھا کہ باہر نکلتے ہی مجھے موت آ گھیرے گی اور مسجد کے اندر موت نہیں آ سکتی" ۔

اس کے بعد سے جتوئی صاحب ایک ایسے ذہنی انقلاب سے دوچار ہوئے کہ اسی عمر میں کسی مرشد کامل کی صحبت حاصل کرنے کے لیے بے چین رہنے لگے ۔ بزرگوں اور درویشوں کی صحبتیں اختیار کیں ۔ چھٹی جماعت میں تھے کہ قصبہ "قاضی احمد (تعلقہ سکرنڈ ضلع نواب شاہ) کی درگاہ شریف کے حضرت پیر محمد کے مرید ہوئے ۔ اسکول اور پڑھائی سے فارغ ہو کر زیادہ وقت اپنے پیر و مرشد کی خدمت اور صحبت میں گزار دیتے ۔

جب انٹر میں پہنچے تو خواجہ حسن جان سرہندی[1] کے حلقہ بیعت میں شامل ہوئے ان کی وفات کے بعد حضرت خواجہ مصطفیٰ صبغت اللہ شاہ ایرانی کے دست مبارک پر شرف بیعت سے مشرف ہوئے ۔ ۱۹۳۵ء سے ۱۹۵۵ تک موجودہ مقام و مرتبہ تک پہنچنے کے لیے سلوک و معرفت کی منزلوں سے گزرے اس کا مختصر سا حال ان کے الفاظ میں دلچسپی سے خالی نہیں ۔ یہ عبارات جتوئی صاحب کی اردو نثر نگاری کا ایک نمونہ ہیں :

"اس خاکسار بے حد گنہگار پر اللہ تعالیٰ کا یہ خاص فضل ہے کہ اولیاء اللہ کا معتقد غلام کیا گیا ہوں اسی وجہ سے چھوٹی

---

۱ ۔ خواجہ حسن جان کی حیات ، خدمات ، کمالات اور ان کے مریدوں کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو مونس المخلصین ، انیس المریدین (فارسی) از خواجہ عبداللہ جان شاہ آغا سرہندی مجددی ۔

Marfat.com

عمر میں نقشبندی سلسلے میں داخل ہوا ۔ اس کے قریباً چھ سال بعد روحانی ترقی کی خاطر حضرت قبلہ گاہم خواجہ محمد حسن جان نقشبندی سرہندی کا مرید ہوا ۔ ان کے انتقال کے بعد کافی عرصہ تک ایک ایسے مرد کامل کی تلاش میں رہا جس کی صحبت اکسیر کا کام دے ۔ ۱۹۵۵ء میں پہلی مرتبہ محترم دوست ڈاکٹر نبی بخش قاضی (صدر شعبہ فارسی سندھ یونیورسٹی) کے توسط سے حضور قبلہ گاہ روحانی رحمت ربانی آقا پیر ایرانی مدفیو فیھم کی خدمت اقدس میں حاضری کا شرف حاصل ہوا اور تسکین روحانی محسوس ہوئی ۔ مسلسل حاضر ہونے کا موقع ملا اکثر مغرب کی نماز قبلہ گاہ کی امامت میں ادا کرتا رہا اور نماز کے بعد مراقبہ اور تعلیم سے مستفیض ہوتا رہا ۔

۱۹۵۵ء میں جبکہ میرا کوہ مری جانا ہوا تو موہڑہ شریف قطب وقت خواجہ محمد قاسم کیانی موہڑوی قدس سرہ کے روضہ اقدس پر حاضری دینے کا شرف حاصل ہوا اور یہ دعا مانگی کہ صرف روحانی ترقی کا سوالی ہوں ۔ واپس آنے پر حضور قبلہ گاہی کی توجہات بابرکات و تعلیمات کو اس خاکسار نے جس طرح پایا قلم اس کو کما حقہ بیان کرنے سے بالکل قاصر ہے ۔ اتنا کہنا کافی ہے :

• مصطفیٰ آمد دلیل مصطفیٰ''

(دیباجہ میکدہ مصطفائی ، ص ۵ ، ۶)

علی نواز جتوئی اب سلوک و معرفت کی اس منزل پر ہیں کہ اکثر لوگ ان سے طریقت کے درس لیتے ہیں اور قلب و روح کو انوار توحید سے منور کرتے ہیں جن میں ڈاکٹر اقبال نعیم کا نام بھی خاص طور پر قابل ذکر ہیں :

''ڈاکٹر اقبال جو راہ طریقت روحانی کے قائل نہ تھے **اس احقر** سے آداب طریقت میں ذکر کا پہلا سبق حاصل کیا'' ۔

(میکدہ مصطفائی ، ص ۷)

Marfat.com

علمی و ادبی خدمات :

پروفیسر علی نواز جتوئی عربی ، فارسی ، انگریزی ، سندھی اور اردو اور ادبیات سے خوب واقف ہیں ۔ انھوں نے انگریزی میں چند بہت اچھے مضامین لکھے ہیں جو انگریزی جرائد کی زینت بن چکے ہیں ۔ مجموعہ مضامین کے علاوہ انگریزی میں ان کی مندرجہ ذیل دو تصانیف مکمل ہیں اور منتظر اشاعت ہیں :

1. Hisotrical Development of Sindhi Language upto Sama period.
2. Shah Abdul Latif in the Culture of human mind.

سندھی میں ان کی یہ کتابیں ہیں :

(۱) علم لسانیات : ۱۹۶۳ء میں جتوئی صاحب سندھ یونیورسٹی کی طرف سے لندن تشریف لے گئے لسانیات (Linguistic) میں ٹریننگ لے کر آئے تو یہ کتاب لکھی ۔ ماسکو ، لندن اور ہندوستان کی اورینٹل اکیڈیمیز (Oriental Academics) نے اس کتاب کی توصیف کی ۔

(۲) مخدوم عبدالرحیم گوہڑوی جو سندھی کلام ۔ مطبوعہ آزاد بک ڈپو حیدرآباد ۱۹۶۵ء ۔

(۳) ویروعیہ وھکر (ویرون آین وھکرا) یعنی مد و جزر ، تنقیدی و تحقیقی مضامین کا مجموعہ ۔

(۴) لطیفی لھرون : ناشر سندھی ادبی سوسائٹی کالج حیدرآباد ۱۹۶۹ء ۔ شاہ عبداللطیف کی شخصیت ، شاعری اور افکار کے بارے میں مضامین کا مجموعہ ۔

(۵) انتخاب دیوان حافظ مع مقدمہ مطبوعہ آزاد بک ڈپو ۱۹۶۵ء ۔

اردو :

پروفیسر علی نواز جتوئی کی اب تک اردو میں دو کتابیں موجود ہیں ۔

(۱) **میکدۂ مصطفائی :** مطبوعہ ادارہ المصطفیٰ گنج بخش پیڑ حیدرآباد ۱۹۶۵ء ۔

Marfat.com

یہ کتاب دراصل حضرت خواجہ پیر مصطفیٰ صبغت اللہ شاہ ایرانی بانی سلسلہ مصطفائیہ کی تقاریر کا مجموعہ ہے جو حضرت پیر ایرانی ہر شام بعد نماز مغرب اور مراقبہ میں ارشاد فرماتے تھے اور آپ کے حسب ہدایت جتوئی صاحب نوٹ کر لیا کرتے تھے۔ بعد میں انھیں مضامین کی شکل دیا کرتے تھے۔ پہلے یہ تمام مضامین قسط وار ماہانہ "المصطفیٰ" حیدرآباد میں شائع ہوئے۔ جتوئی صاحب نے ان تمام مضامین پر نظرثانی کے بعد ترتیب و اشاعت کے حسن سے آراستہ کر کے "میکدہ مصطفائی" کی خوبصورت شکل دی۔ اب یہ میکشانِ حقیقت و معرفت کے لیے باعث سرور و شادمانی اور نشاطِ روحانی ہے۔

"میکدہ مصطفائی" میں حضرت صبغت اللہ کے جو ملفوظات شامل ہیں ان کی معنویت و افادیت کے بارے میں پروفیسر جتوئی صاحب رقمطراز ہیں:

"ویسے تو اس کتاب کا ہر عنوان اپنی جگہ ایک خاص ندرت رکھتا ہے اور اعلیٰ حضرت کی مخصوص تعلیمات اور حقیقت و معرفت کا حامل ہے لیکن دعا و عطا، فرض و گناہ، اعتبارات و اختیارات، خود شناسی، حرام و حلال کا اسلامی نظریہ، بخل، علم اور عالم، بصیرت و بصارت، الحافظ والناصر، ظہور و بطون، جبر و اختیار، خود شناسی قابل توجہ عنوانات ہیں جو فکر و تخیل کو ایسی بصیرت اور وسعت عطا کرتے ہیں جو اب تک دیگر کتب تصوف میں اس تفصیل و تشریح کے ساتھ نظر نہیں آتے"۔

(دیباچہ کتاب ہذا ص ۸)

(۳) **صبغت اللہ یعنی رنگ ربانی** (غیر مطبوعہ)۔

یہ کتاب ابھی تک قلمی ہے۔ حضرت پیر ایرانی کی باقی تقاریر و مضامین کا روح پرور، ایمان افروز صحیفہ ہے۔ اس کی ترتیب و تدوین سے متعلق جتوئی صاحب لکھتے ہیں:

"اس خاکسار کے پاس نوٹس کی دو تین کاپیاں اور بھی ہیں اور

Marfat.com

اس اعلیٰ تعلیمات کے چند جواہر سینے کے صندوقچے میں بھی محفوظ ہیں جن کو جب بھی میں نے کسی کے سامنے پیش کیا وہ حضور پرنور پر فریفتہ ہو گیا ۔ اگر اللہ نے چاہا تو ان جواہرات کو ترتیب دے کر کتابی صورت میں شائع کیا جائے گا جس کا نام ہوگا صبغت‌اللہ یعنی رنگ ربانی'' ۔

(دیباچہ میکدہ مصطفائی ، ص ۷)

پروفیسر علی نواز جتوئی ماہر تعلیم ہی نہیں ماہر اسانیات بھی ہیں ۔ سندھی زبان و ادب پر اتھارٹی سمجھتے جاتے ہیں ۔ سندھی کے علاوہ اردو ادب اور پی ایچ ڈی کے طلباء کی اعانت و رہنمائی کرتے رہے ہیں ۔ اردو ان مادری زبان نہیں لیکن بہت صاف سلیس اور صحیح اردو میں گفتگو کرتے ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ سندھی کی طرح اردو میں بھی تحقیقی و تنقیدی مقالات لکھتے ہیں ۔ تصوف ، تحقیق ، تنقید اور لسانیات ان کے مخصوص میدان ہیں ۔ ان کے چند مقالات کے عنوانات یہ ہیں :

(۱) **ولایت اور ولایت** (تصوف) : مطبوعہ ماہنامہ آئینہ ، لاہور۔

(۲) **پاکستان میں اردو زبان** (لسانیات) : یہ مقالہ لاہور کے کسی ماہنامہ میں اشاعت پذیر ہوا تھا جس کا نام اور وہ شمارہ نمبر جتوئی صاحب کو یاد نہیں رہا ۔

(۳) **اردو زبان اور سندھ** (لسانیات) : مطبوعہ اخبار جسارت،کراچی یہ مضمون جسارت میں اس سرخی کے ساتھ شائع ہوا تھا ۔

"یہ الزام غلط ہے کہ اردو کے خلاف سندھ میں سازش کی جارہی ہے'' مضمون کے شروع میں ایڈیٹر کا یہ نوٹ شامل تھا ۔

''ذیل میں ہم جناب علی نواز جتوئی رئیس شعبہ سندھی جامعہ سندھ کا مضمون پیش کر رہے ہیں تاکہ قارئین کو لسانی تنازعہ کے ایک فریق کا نقطہ' نظر معلوم ہو سکے'' ۔

اس مضمون کا پس منظر یہ ہے کہ بھٹو حکومت کے عہد میں جب ممتاز بھٹو سندھ کی وزارت اعلیٰ پر فائز تھے سندھ میں اسانی

Marfat.com

تنازعہ نے سارے ملک کی فضا مکدر کر رکھی تھی جس کی بنیاد غلط فہمیوں پر تھی ۔ جتوئی صاحب کا یہ مضمون اس اعتبار سے سیاسی نوعیت کے ہونے کے باوجود تاریخی اہمیت کا حامل ہے کہ یہ مضمون خصوصاً سندھ میں بہت سی غلط فہمیوں کو دور کرنے میں معاون و مددگار ثابت ہوا ۔ اس مضمون سے جتوئی صاحب کی علمی و ادبی سوجھ بوجھ، سیاسی آگہی ، زرف نگاہی اور اعلیٰ ظرفی کا زندہ ثبوت ملتا ہے ۔ انھوں حقائق کی روشنی میں سندھی اور اردو کے الگ الگ مقام اور اہمیت کو نہایت خوبصورتی سے واضح کیا ہے ۔ وہ لکھتے ہیں :

''ہمیں ایک ایسی زبان کی ضرورت ہے جو پاکستان کے لیے سب صوبوں کے لیے مشترکہ ہو اور صرف اردو ہی ایسی زبان ہے جو یہ ضرورت پوری کر سکتی ہے'' ۔

(۴) اردو صوتیے اور ان کی تحریری صورتیں : مطبوعہ نگار پاکستان کراچی مئی جون ۱۹٦۷ء ۔

یہ مقالہ ایک سندھی زبان بولنے اور پڑھانے والے استاد کا ہے ۔ جتوئی صاحب نہ تو اردو کے ماہر ہیں اور نہ لسانیات پر مہارت کا انھیں کوئی دعویٰ ہے ۔ نہ اردو کے اہل قلم میں ان کا شمار ہے اور نہ ادیب ، محقق یا نقاد کی حیثیت سے ان کی کوئی شہرت ہے ۔ وہ نہایت خاموش طبع ، منکسرالمزاج ، سادہ لوح اور درویش صفت انسان ہیں ۔ لکھنا پڑھنا ان کا دلچسپ مشغلہ ہے لیکن اردو میں انھوں نے گنتی کے چند ہی مضامین تحریر فرمائے ہیں ۔ ان چند مضامین و مقالات سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے لکھنے پڑھنے کا معیار بہت بلند ، متوازن ، وقیع اور موثر ہے ۔

پروفیسر علی نواز جتوئی کا مقالہ ''اردو صوتیے اور اردو تحریریں'' ان چند مضامین میں سے ایک ہے ۔ اس مقالے کے مطالعہ سے جتوئی صاحب کی لسانیات اور اس فن پر مطالعہ و تحقیق کی بے پناہ صلاحیتوں کا قائل ہونا پڑتا ہے ۔ انھوں نے جدید لسانیات کی تاریخ اور ارتقاء کی روشنی میں اردو صوتیے (Phoneme) پر منطقی ، تحقیقی اور علمی انداز میں مدلل

Marfat.com

بحث کی ہے ۔ ان تمام عناصر و عوامل کا احاطہ بھی کیا ہے جن کے بغیر اس سلسلے کی کڑیاں مضبوط نہیں ہوتیں ۔

ڈاکٹر شوکت سبزواری مرحوم مشہور ماہر لسانیات تھے ۔ لسانیات پر ان کی کئی کتابیں شائع ہو کر اہل نقد و نظر سے خراج تحسین وصول کر چکی ہیں لیکن ان کی ایک کتاب "اردو لسانیات" پروفیسر علی نواز جتوئی کی نظر سےگزری تو وہ ان کے تیرنظر سے نہ بچ سکی۔ جتوئی صاحب نے اس کتاب کے بعض نکات سے اختلاف کیا اور ڈاکٹر شوکت سبزواری کی غلطیوں کی نشاندھی کی ۔ زور دار دلائل کے ساتھ اپنے خیال کا اظہار کیا ۔ اس وقت سبزواری صاحب بقید حیات تھے ۔ لیکن انھوں نے جتوئی صاحب کے اس اختلافی مقالے کا کوئی جواب تحریر نہیں کیا ۔ ظاہر ہے کہ انھوں نے جتوئی صاحب کے خیالات سے اتفاق کیا ہو گا ۔

پروفیسر جتوئی صاحب کی زبان شستہ ، شگفتہ اور شائستہ ہے ۔ موضوع خشک اور دقیق ہونے کے باوجود طرز تحریر دلچسپ اور موثر ہے ۔ بلا شبہ ان کی تحقیق عالمانہ ، تنقید ناقدانہ ، لب و لہجہ نرم اور شریفانہ ہے ۔

اب ہم پروفیسر جتوئی صاحب کے "نمونہ نثر" کے طور پر ان کے مقالے "اردو صوتیے اور اردو تحریریں' کا وہ حصہ نقل کرتے ہیں جو ڈاکٹر شوکت سبزواری کی کتاب "اردو لسانیات" سے متعلق ہے :

"کسی زبان کے لسانیاتی مسئلہ پر بحث کرتے وقت اس زبان کے رسم الخط کو نہ دیکھا جائے بلکہ اس کی آوازوں کو دھیان میں رکھا جائے ۔ لسانیات کے نقطہ نگاہ سے ہر مروج رسم الخط ناقص ہے اس لیے لسانیاتی بحث کے دوران زبانوں کے الفاظ یا جملوں کو بین الاقوامی صوتی تحریر (International Phonetic Transcription) میں لایا جاتا ہے اگر ایسا نہ کیا جائے تو غلطیوں کا احتمال رہ جاتا ہے ۔ ڈاکٹر شوکت سبزواری اردو صوتیے پر بحث کرتے وقت ایسی غلطیوں کے مرتکب ہوئے ہیں ۔ انھوں نے صوتیے کے بارے میں کتابیں ضرور پڑھی ہیں اور بڑی حد تک

Marfat.com

ان کے مفہوم کو پا بھی لیا ہے لیکن ان کو وہ کما حقہ سمجھنے سے قاصر رہے ہیں ۔ جدید لسانیات ایک ایسا فنی علم ہے جس سے باخبر ہونے کے لیے لسانیات کے ادارے یا شعبے میں کم از کم ایک سال کے لیے ماہر استاد کے تحت تعلیم پانا ضروری ہے ۔

''ڈاکٹر صاحب نے ''صوتیہ'' کے بارے میں ص ۷۹ سے ۸۱ تک اپنی کتاب ''اردو لسانیات'' میں جو کچھ لکھا ہے ، صحیح لکھا ہے لیکن اسی سواد کے اندر تین چیزیں ایسی ہیں جن کی تفہیم اتنی آسان نہیں جتنی سرسری طور پر نظر آتی ہے ۔ وہ تین چیزیں یہ ہیں'' :

(۱) صوتی اکائی (Phonological Unit) ص ۷۹

(۲) چھوٹی سی چھوٹی صوتی وحدت ص ۸۰

(۳) صوتیہ کی معنویاتی حیثیت ص ۸۱

اب صوتی اکائی کو لیجیے اس بارے میں فرانسیسی ماہر لسانیات ڈی سٹیر کا حوالہ (ص ۴۳) بالکل درست ہے لیکن ڈاکٹر صاحب نے اس کو نہیں سمجھا ۔ وہ فرماتے ہیں 'میرا خیال ہے کہ مغرب کے اہل علم لاطینی رسم تحریر سے فریب کھا کر یہ کہتے ہیں کہ طویل و قصیر ضربات و تقدات میں سماعی طور سے کوئی فرق نہیں ۔ اس لیے کہ رومن میں ''دل'' اور ''دال'' دونوں DAL لکھے جاتے ہیں لیکن اس فرانسیسی فاضل کا مقصد دوسرا ہے ۔ کہنا یہ ہے کہ مختلف آوازوں ب ت ، وغیرہ کو چاہے لمبا کیا جائے یا چھوٹا ان کی انفرادی اکائی میں فرق نہیں پڑتا ۔ یہ کان کی خصوصیت ہے کہ آوازوں کی اکائی کو محسوس کرتا ہے ۔ اگر مسلسل آوازوں کی حرکات کی فوٹو گرافی کی جائے تو پتہ نہیں چلے گا کہ ایک آواز کہاں ختم ہوئی اور کہاں دوسری شروع ہوئی ۔ سماعی تاثر سے مدد لیے بغیر یہ کیسے معلوم ہو سکتا ہے کہ فال (FAL) میں تین آوازیں ہیں نہ کہ دو یا چار ؟ اسی طرح فال اور فیل میں جو فرق معلوم ہوتا ہے وہ آواز کی لمبائی کی وجہ سے نہیں بلکہ آواز کے سماعی تاثر کی وجہ سے ہے'۔

اتنی سی بات تھی جس کو ڈاکٹر صاحب سمجھ نہ سکے اور اتنے بڑے صاحب لسانیات (F.D. Saussure) کو فریب خوردہ قرار دے دیا ۔

Marfat.com

حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب الفاظ کے تلفظ اور تحریری صورتوں کو گڈ مڈ کر دیتے ہیں اور الجھ جاتے ہیں ۔ کبھی فرماتے ہیں کہ ''اردو کی ہائیہ آوازیں مفرد نہیں مخلوط (Complex) ہیں' ۔ (ص ۵۷) حالانکہ یہ خیال غلط ہے کیونکہ صوتیات میں کوئی آواز مخلوط نہیں ہوتی ۔ اس بارے میں فرانسیسی پروفیسر کا جو حوالہ دیا گیا ہے وہ بھی درست نہیں ۔

کبھی ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ 'انگریزی KING, CUP کے K اور C کی شکلیں بھی مختلف ہیں اور آوازیں بھی' (ص ۵۸) ۔ وہ یہ نہ سمجھ سکے کہ اصلی آوازوں میں کوئی فرق نہیں لیکن مذکورہ لفظوں میں بعد میں واقع شدہ مختلف صوتوں کی وجہ سے مخرجی فرق ہو گیا ہے جو سماعت میں محسوس نہیں ہوتا ۔ اس غلطی کو ڈاکٹر صاحب نے ص ۹۲ پر پھر دہرایا ہے اور مسٹر راس (Ross) کے قول کو بھی سمجھ نہ سکے ۔

کبھی فرماتے ہیں کہ 'رومن میں مثلاً KH کو ''کھ'' بھی پڑھ سکتے ہیں اور ''خ'' بھی' (ص ۵۹) وہ یہ نہ سمجھ سکے کہ یہ دو مشروط ''بدل صورت'' (Allophones) ہیں ۔ کبھی فرماتے ہیں کہ 'وہ ہم آواز حروف اگر زبان کے دو کلموں میں امتیاز کا باعث ہوں وہ دو مختلف صوتیے شمار ہوں گے' (ص ۶۰ - ۶۱) ۔ یہاں بھی غلط فہمی ہوئی ہے دراصل ''حروف'' صوتیے نہیں ہوتے اور نہ ایک آواز کے دو یا زائد صوتیے ہوتے ہیں ۔

(اقتباس ۔ مقالہ ''اردو صوتیے اور ان کی تحریری صورتیں''
ماہنامہ نگار پاکستان مئی جون ۱۹۶۷ء ، ص ۲۰ ، ۲۱)

Marfat.com

پیر غلام محی الدین سرہندی

(ولادت ۱۳۳۳ھ - ۱۹۱۵ء)

پیر غلام محی الدین مجددی سرہندی نقشبندی ٹنڈو محمد خان (ضلع حیدرآباد سندھ) کے مشہور حکیم اور ہردلعزیز صاحب دل صوفی ہیں۔ موصوف سندھ کے اس سرہندی خاندان عالی وقار سے تعلق رکھتے ہیں جس کی علم و فضیلت اور معرفت و روحانیت کا سرچشمہ فیض سندھ میں کوئی ایک صدی سے جاری ہے۔

حکیم پیر غلام محی الدین سرہندی خانوادہ سرہندی کے عظیم المرتبت علمی و روحانی بزرگ عارف کامل حضرت خواجہ محمد حسن جان سرہندی کے نواسے، عبداللہ جان شاہ آغا سرہندی کے بھانجے، حکیم عبدالعزیز سرہندی کے برادر معظم اور پیر غلام دستگیر جان مجددی کے خلف اکبر ہیں۔

پیر غلام محی الدین کے جد امجد الحاج غلام عبیداللہ مجددی الفاروقی افغانستان کے اولیائے عظام میں سے تھے۔ غلام محی الدین کے والد ماجد پیر غلام دستگیر افغانی (ولادت ۱۲۸۳ھ، وفات ۲۵ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ) کا وطن اور جائے وفات و مدفن گرچہ ارغستان (افغانستان) تھا لیکن وہ سندھ میں آیا کرتے تھے اور برسوں یہاں حضرت خواجہ عبدالرحمن افغانی کی صحبتوں سے فیضیاب ہوا کرتے تھے۔ خواجہ عبدالرحمن کے صاحبزادے خواجہ محمد حسن کی صاحبزادی پیر غلام دستگیر[1] کے دامن ازدواج سے وابستہ تھیں۔

---

۱ - پیر غلام دستگیر کے تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ ہو "فائق ہلیا فردوس میں" از حکیم عبدالغفور جان سرہندی مرحوم۔

Marfat.com

پیر غلام دستگیر افغانی کے دو فرزند ہیں ۔ حکیم غلام محی الدین جان اور حکیم عبدالعزیز جان' مرحوم ۔ دونوں نے دنیائے طب میں نیک نامی حاصل کی ۔

---

۱ ۔ **حکیم پیر عبدالعزیز خان سرہندی مرحوم** : کی پیدائش ۱۳۳۵ھ (۱۹۱۷ء) میں بمقام ٹنڈو سائیں داد ہوئی ۔ ۲۸ نومبر ۱۹۷۱ء کو کنری شہر ضلع تھرپارکر میں انتقال کیا ۔ ۱۹۴۵ء میں جامعہ طبیہ دہلی سے "مستند الاطباء" کی سند حاصل کرنے کے بعد کنری میں مطب کرتے تھے ۔ خدمت خلق ، عبادت خالق کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف ان کا دلچسپ مشغلہ تھی ۔ فارسی ، سندھی اور اردو کے بہت اچھے ادیب تھے ۔ (مقالہ "ضلع تھرپارکر کے فارسی ادب کا جائزہ" ، الرحیم ، ۱۹۷۸ء) ۔ کئی کتابوں کے مصنف تھے ۔ چند کتابوں کے نام یہ ہیں :

اردو :

(۱) تذکرہ خواجگان نقشبند (قلمی) ضخامت ۲۰۰ صفحات ۔
حضورﷺ اکرم ، حضرت ابوبکر صدیق ، حضرت مجدد الف ثانی، امام محمد معصوم اور سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے بزرگان کے حالات اور کرامات پر مشتمل ہے ۔

(۲) خفتگان خاک (قلمی) ۔
اس کتاب میں اولیاء ، شعرا ، ادباء اور شاہان وقت کی قومی ، ملی ، علمی و ادبی خدمات کا اجمالی و تفصیلی جائزہ پیش کیا گیا ہے ۔

سندھی :

(۱) فائق ہلیا فردوس میں ۔ مطبوعہ سرہندی پبلیکیشن کنری ضلع تھرپارکر ۱۳۹۰ھ (۱۹۷۰ء) (تذکرہ افراد سرہندی) ۔

(۲) مقالات عزیز ۔ ضخامت تین سو صفحات ، تاریخ ، تصوف اور ادب سے متعلق مختلف موضوعات پر مضامین کا مجموعہ ۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

Marfat.com

غلام محی الدین کی پیدائش ۱۳۳۳ھ (۱۹۱۵ء) میں بمقام ٹنڈو سائیں داد ہوئی ۔ ابتدائی تعلیم و تربیت والدہ ماجدہ اور نانا حضور کی آغوش رحمت میں پائی ۔ فارسی و عربی علوم اپنے دادا کے قائم کردہ مدرسہ ٹنڈو سائیں داد میں حاصل کیے ۔ عربی کی اعلیٰ تعلیم ، ''حزب الاحناف'' لاہور میں حاصل کی ۔ مسجد وزیر خان کے امام و خطیب مولانا دیدار علی شاہ اور ان کے فاضل فرزند مولانا ابوالحسنات ابوالبرکات سے شرف شاگردی حاصل کیا ۔ لاہور میں باکمال اساتذہ سے مستفیض ہوئے ۔ اجمیر میں جید عالم و فاضل حضرت معین الدین کے دامن سے بھی وابستہ رہے ۔

۱۹۳۶ء میں طب کی تعلیم کے لیے طبیہ کالج دہلی میں داخلہ لیا ۔ چار سال کی تعلیم کے بعد سالانہ امتحان میں اول آئے ۔ ایک سال وہاں ہاؤس فزیشین کی حیثیت سے کام کیا ۔ دہلی میں پورے پانچ سال قیام رہا ۔ دہلی سے فاضل طب و جراحت کی سند حاصل کی ۔

۱۹۴۲ء میں ٹنڈو محمد خاں میں سرہندی دواخانہ کے نام سے مطب قائم کیا ۔ طب و حکمت کے فن پر کمال رکھتے ہیں ۔ طباع اور ذہین طبیب ہیں ۔ اپنی پریکٹس کے دوران پرائیویٹ اسٹوڈنٹ کی حیثیت سے گریجویشن کیا ۔

غلام محی الدین کو اردو سے دلی لگاؤ رہا ہے ۔ دہلی اور اجمیر کے قیام سے ان کے ذوق علم و ادب کو فروغ ہوا ۔ ارباب اردو کے صحبت یافتہ ہیں ۔ اساتذہ کی آنکھیں دیکھی ہیں ۔ شعر نہیں کہتے لیکن ذوق شاعرانہ ہے ۔ اردو میں بہت اچھے مضامین لکھتے ہیں ۔ بہت خوشخط ہیں ۔ ان کی اب تک کسی زبان میں کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے ۔ ۱۹۴۱ء میں جن دنوں وہ طبیہ کالج دہلی میں اسسٹنٹ ہاؤس فزیشین کے عہدے پر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

راقم نے اس مضمون کی تیاری میں متذکرہ بالا کتابوں کے علاوہ زیادہ تر معلومات پیر غلام محی الدین سے براہ راست ملاقاتوں کے دوران حاصل کی ہیں) ۔

Marfat.com

مامور تھے ان کا ایک مضمون کالج کے ماہنامہ ''اجمل میگزین'' (زیر ادارت ڈاکٹر سید ناصر عباس پرنسپل طبیہ کالج دہلی) کے شمارہ فروری ۱۹۴۱ء میں ''درد دل'' جیسے شاعرانہ عنوان سے اشاعت پذیر ہوا تھا۔ اس مضمون میں انھوں نے وجع القلب (Angina Peetoris) کے مختلف پہلو، علامات، اسباب، اقسام مرض، علاج بوقت درد، اصول علاج، علاج بوقت فترہ، غذائی ہدایات وغیرہ پر طبی نقطۂ نگاہ سے بحث کی ہے۔ یہ مضمون طب اور ادب کا ایک ایسا امتزاج ہے کہ ایک طرف ان کی فن طب پر مہارت اور دوسری جانب ادب سے لگاؤ کی غمازی کرتا ہے۔ طرز تحریر دلچسپ اور دلنشین ہے۔ بطور نمونہ نثر اس مضمون کا ابتدائی حصہ نقل کیا جاتا ہے:

''گذشتہ نومبر کی ایک رات جب کہ تقریباً دس گیارہ کا عمل ہوگا مجھے ایک ایسے مریض کو دیکھنے کے لیے بلایا گیا جس کے سینے میں شدید درد کا دورہ ہو رہا تھا۔ میں نے مریض کا معائینہ کیا۔ مریض کا چہرہ پیلا پسینہ سے تر تھا۔ آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ درد کے مارے چارپائی پر کروٹیں بدل رہا تھا۔ تنفس رک رک کر آ رہا تھا۔ نبض سریع ۱۳۰ اور ۱۵۰ کی رفتار تک لیکن منظم تھی۔ قلب زور زور سے ٹھوکریں مار رہا تھا۔ بائیں جانب رقبہ مقدسی قلبی میں درد اور وجع القلب کی پرانی ہسٹری تھی لہٰذا تشخیص مرض میں تو کوئی دقت نہ تھی البتہ سوال یہ تھا کہ اس وقت میں تنہا تھا۔ نہ میرے پاس کوئی مفرح معجون تھی اور نہ کوئی مقوی و محرک مکسچر نہ حب جواہر اور نہ آکسیجن، نہ مارفیا نہ ایمائل نائٹرائٹ کہ جن سے مریض کا علاج کر سکوں۔ میں نبض دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ کیا کروں۔ دفعتاً مجھے ایک بات یاد آئی اور میں نے مریض کی ناک اور منہ اس شدت سے بند کر لیا کہ مریض کا تنفس بالکل رک گیا۔ تقریباً نصف منٹ کے بعد میں نے گرفت کو ڈھیلا کیا جب مریض نے ایک سانس لیا تو پھر دوبارہ مجازی تنفس کو نصف منٹ کے لیے بند کر دیا گیا۔ اسی طرح دوبارہ اور بھی یہ عمل کیا گیا۔ دو منٹ کے بعد مریض کی یہ حالت

Marfat.com

تھی کہ وہ خواب شیریں سے مدہوش مزنے سے سو رہا تھا ۔ اسی حالت میں مریض ۲۰ منٹ تک سوتا رہا اس کے بعد اٹھا بالکل تندرست تھا ۔ دورہ رک چکا تھا ۔ درد غائب تھا ۔ نبض کی رفتار طبعی ہو چکی تھی البتہ کسی قدر ضعف باقی تھا جو ہونا چاہیے تھا ۔ طبعی طور پر آپ کو یہ شوق ہوگا کہ آخر ناک بند کرنے میں کون سی مصلحت تھی اور کیوں اس سے مریض کو اس قدر جلد آرام حاصل ہو گیا ۔ قبل اس کے کہ میں اس کی حقیقت آپ پر واضح کردوں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اولاً مرض کی ماہیت، اسباب و علامت کے متعلق بھی کچھ بحث کی جائے ۔

وجع القلب یا انجائنا پیکٹوریس ایک قلبی مرض ہے جس میں عضلات قلب میں تشنج ہو کر شدید قسم کا درد ہوتا ہے مریض کا دم بند ہونے لگتا ہے اور حالات اس قدر اندیشہ ناک ہوتے ہیں کہ مریض کو موت کے آثار نظر آنے لگتے ہیں ۔

یہ مرض عام طور پر ۴۰، ۴۵ سال کی عمر میں زیادہ تر مردوں کو لیکن بعض اوقات عصبی مزاج نوجوانوں مرد اور عورتوں کو بھی ہو جاتا ہے ۔ یہ درد سینے میں بائیں جانب رقبہ مقدمی قلبی اور اس سے کچھ اوپر محسوس ہوتا اور ساتھ ہی یہ درد بائیں جانب کے مونڈھے اور بائیں بازو کی طرف بھی منتقل ہوتا ہے ۔ بازو میں بھی خاص طور پر اندرونی جانب پایا جاتا ہے ۔ ان مقامات کی جلد اور عضلات میں بھی درد ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ قلب کی طرف "نظام عصبی شرکی" سے کچھ ریشے آتے ہیں اور ان عصبی ریشوں کا مبدا زیریں عنقی اور پشت کے بالائی آٹھ نخاصی اعصاب ہوتے ہیں لہٰذا جہاں جہاں ان اعصاب کی شاخیں پہنچتی ہیں وہاں قلبی درد کا احساس ہونا بھی لازمی ہوتا ہے ۔ اصطلاحاً اس قسم کے درد کو "تحویل تاثیر کا درد" کہا جاتا ہے ۔ اگر مذکورہ بالا مقامات میں درد نہیں ہے تو اس درد کا سبب کوئی قلبی خرابی نہیں ہو سکتی ۔"

(ماہنامہ اجمل میگزین ، دہلی فروری ۱۹۸۱ء، ص ۱۸ ، ۱۹)

Marfat.com

شاہ اکرام حسین سیکری

(ولادت ۱۳۳۵ھ - ۱۹۱۷ء)

سید شاہ اکرام حسین چشتی سیکری ہمارے عصر کے ایک جلیل القدر صاحب علم و عرفان اور صاحب فکر و دانش ہیں۔ علم، تصوف اور طب کے ہر میدان میں ان کی پیہم اور انتھک خدمات نہایت قابل قدر ہیں۔

شاہ اکرام حسین ابن حکیم سید سجاد حسین شاہ ابن حکیم سید اکبر علی شاہ سیکر شریف راجستھان کے اس خاندان عالیہ چشتیہ کے روشن چراغ ہیں جس کے مورث اعلیٰ حضرت حاجی سید ابراہیم بغدادی[1] رحمت اللہ علیہ تھے۔ یہ بزرگ ۸۲۸ ہجری میں (یہ دہلی میں سلطان مبارک شاہ کی حکومت کا عہد تھا) بغداد سے ہندوستان تشریف لائے۔ راجستھان کے ایک ویرانے میں سکونت اختیار کی۔ یہ وہ مقام ہے جو "سنگھانہ" کے نام سے انھیں اللہ والے کے دم سے آباد ہوا آپ نے وہاں کے انسانوں کو کفر و شرک کی تاریک دنیا سے نکال کر توحید و رسالت کی روشن راہیں دکھائیں۔

۱۲۵۰ھ میں سنگھانہ کے اس معروف و مقتدر خاندان کی ایک شاخ سیکر شریف (راجپوتانہ) میں قائم ہوئی جس کے مؤسس حضرت

---

۱ - حضرت سید ابراہیم بغدادی حضرت امام علی رضاؓ کی اولاد میں سے تھے اس نسبت سے آپکا خاندان "رضوی سادات سنگھانہ" کے نام سے مشہور ہے۔ موصوف نے ۸۹۸ھ میں وصال فرمایا۔ سادات سنگھانہ کے خاندانی قبرستان میں آپ کا مزار پر انوار زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ بزرگان سلسلہ چشتیہ نظامیہ نیازیہ سیکر کے نقشہ مع تاریخ و جائے دفن کے لیے ملاحظہ ہو "تذکرہ شاہ شمشاد حسین چشتی" از شاہ اکرام حسین مطبوعہ مکتبہ چشتیہ حیدرآباد ۱۹۷۸ء (ص ۸ - ۲۰، ۲۱)۔

Marfat.com

مولانا حکیم سید شاہ ولی محمد چشتی[1] قدس سرہ (۱۲۱۸ - ۱۲۸۳ھ) تھے -

سید شاہ اکرام حسین کا سلسلہ نسب[2] پندرھویں پشت پر حضرت حاجی ابراہیم بغدادی اور چھٹی پشت پر حضرت سید شاہ ولی محمد چشتی جیسی برگزیدہ ہستیوں کے واسطے سے بتیسویں پشت پر امیر المومنین امام اولیا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جا ملتا ہے - یہ حضرات برصغیر کے ان اولیائے کبار میں سے تھے جن کی ذات بابرکات کی بدولت راجپوتانہ (اور اب سندھ میں بھی) تجلیات الٰہی اور انوار محمدی کی ضیا پاشی ہوتی رہی - اسلامی تہذیب و تمدن کی کرنیں پھوٹیں اور جن کے رشد و ہدایات، کشف و کرامات، روحانی کمالات اور علوم و فیض کا سرچشمہ آج تک جاری و ساری ہے[3]- شاہ اکرام کے بزرگوں میں صوفیائے کرام ہی نہ تھے بلکہ علماء و فضلا ، حکیم حاذق اور شعرا و ادباء بھی گزرے ہیں -

شاہ اکرام کی ولادت ۱۷ شعبان ۱۳۳۵ء مطابق ۱۸ جون ۱۹۱۷ء کو خانقاہ سیکر شریف میں ان کے والد کی رہائش گاہ دہلی میں ہوئی -

قرآن حکیم اور عربی کے ابتدائی درس ملا اللہ دین سیکری سے لیے - اردو کی تعلیم اپنے حقیقی ماموں حکیم مولوی ظہور الحسن سنگھانوی سے حاصل کی ، ادیب کا کورس منشی نسیم احمد کامل اور منشی فاضل کے نصاب مولوی فضل الرحمن سے پڑھے - ان امتحانات کی سندیں پنجاب یونیورسٹی سے حاصل کیں -

---

۱ - حیات و خدمات کے لیے ملاحظہ ہو ''تذکرہ شاہ ولی محمد چشتی'' مصنفہ شاہ اکرام حسین پیش لفظ وفا راشدی ناشر ادارہ بزم چشتیہ حیدرآباد ، ۱۹۶۳ء -

۲ - شاہ اکرام حسین کی ایک کتاب ''حالات ملا الٰہی بخش چشتی آمیری (مکتبہ چشتیہ ۱۹۷۸ء) میں منظوم شجرہ خاندان عالیشان چشتیہ نظامیہ نیازیہ (ص ۸ - ۹) شائع ہو چکا ہے -

۳ - ''گلزار مناقب'' مولفہ شاہ اکرام میں ان کے اسلاف و اجداد کے حالات و کوائف موجود ہیں -

Marfat.com

طب و حکمت شاہ اکرام حسین کا آبائی پیشہ رہا ہے۔ پیری مریدی کے خاندانی سلسلے کے باعث گھر بر تصوف و معرفت کی فضا موجود تھی۔ ساتھ ہی آبا و اجداد کے طب و حکمت سے قدیم تعلق کی وجہ سے انھیں بھی طب سے شغف رہا ہے۔ اجمل طبیہ کالج راولپنڈی سے کامل طب و جراحت کی سند عطا ہوئی۔ حکومت پاکستان سے درجہ اول میں رجسٹرڈ ہوئے۔

پاکستان سے قبل اپنے آبائی مکان واقع سیکر شریف (راجستھان) میں اپنے ذاتی مطب "رہنمائے صحت دواخانہ" میں پریکٹس شروع کی۔ ۱۹۴۷ء میں پاکستان میں ہجرت کے بعد سے اب تک "رہنمائے صحت دواخانہ" کھڈی روڈ حیدرآباد بے شمار دکھی انسانوں کے علاج و معالجہ اور جسمانی و روحانی صحت شفا کی آماجگاہ ہے۔

شاہ اکرام آستانہ عالیہ حضرت شاہ ولایت سیکر شریف کے چوتھے سجادہ نشین ہیں۔ ایک ایسے سادہ مزاج، سادہ گفتار صاحب حکمت ہیں جو امراض ظاہری و باطنی دونوں کے نبض شناس ہیں۔ وہ سراپا گداز، مجسم اخلاق و اخلاص اور محبت و معرفت کے پیکر ہیں۔ غریبوں مسکینوں کے حاجت روا، غمگسار، ان کی زندگی خدمت خلق اور خدمت علم و شریعت کے لیے وقف ہے۔ وہ اپنی ذات میں ایک انجمن، ایک ادارہ ہیں۔

شاہ اکرام کی شاعری کی ابتدا نعت گوئی سے ہوئی۔ غزلیں بھی کہتے ہیں۔ طبیعت کا رجحان حمد، نعت، قصیدے اور سلام وغیرہ جیسی اسلامی اصناف کی طرف زیادہ پایا جاتا ہے۔ ان کی تربیت، ان کے ماحول، ان کی پاکیزہ زندگی کا یہی تقاضا ہے۔ مثال کے طور پر ان کے لاتعداد قصائد و مناقب میں سے ایک منقبت جو ان کے مورث اعلیٰ حضرت شاہ ولی محمد چشتی کی شان میں ہے یہاں نقل کی جاتی ہے۔

مطلوب کبریا ہیں حضرت ولی محمد
محبوب مصطفیٰ ہیں حضرت ولی محمد
تنویر اولیاء ہیں حضرت ولی محمد
عالم کے پیشوا ہیں حضرت ولی محمد

Marfat.com

نور نگاہ زہرا ہے ان کی ذات والا
اولاد مرتضٰی ہیں حضرت ولی محمد
گنجینۂ علوم و عرفاں ہے ان کا سینہ
سالار اصفیا ہیں حضرت ولی محمد
دریمِ عرب ہیں فخر شہِ نجف ہیں
مقصود اتقیا ہیں حضرت ولی محمد
ہے گرم ان کے دم سے سیکر کی بزم عرفان
ایمان اولیا ہیں حضرت ولی محمد
اکرام کو ملی ہیں جو عظمتیں جہان میں
سب آپ کی عطا ہیں حضرت ولی محمد

(تذکرہ ولی محمد چشتی ، ص ٤٦ ، ٤٧)

قطعہ تاریخ وفات حضرت شاہ ولی محمد چشتی

از جہان رفتۂ عارف سیکرؒ — شادمان روح پرفتوحش باد
گفت اکرام بہر سال وصال — ہر کہ ارفع مقام روحش باد[1]

١٢٨٣ھ

تاریخ بڑی مشکل صنف ہے ۔ شاید اسی لیے بہت کم شعراء نے اس صنف کی طرف توجہ دی ہے۔ شاہ اکرام کو اس فن میں ید طولی حاصل ہے ۔ تاریخ گوئی ان کا سب سے محبوب مشغلہ ہے ۔ انھوں نے اپنے عزیز و اقارب ، اکابر و احباب کے علاوہ برصغیر کے مشاہیر علم و فضل کی مختلف تقریبات اور سانحات کے موقعوں پر بے شمار قطعات تاریخ کہے ہیں ۔ مشکل سے مشکل الفاظ کی ترتیب و تدوین سے نہایت دیدہ ریزی کے ساتھ نظر افروز اور دلنشیں مادہ ہائے تاریخ نکالے ہیں ۔ سچ تو یہ ہے کہ

---

١ ۔ گلہائے تاریخ ، مشاہیر عالم کی تاریخہائے وفات اور دیگر خاص خاص واقعات تاریخ کی روشنی میں ۔ مطبوعہ ماہنامہ الولی حیدرآباد ، اکتوبر نومبر ، ١٩٧٦ء ۔

Marfat.com

سندھ میں شاہ اکرام جیسے ماہر تاریخ گوئی کا قدیم فن زندہ و تابندہ ہے۔ فن تاریخ گوئی پر انھوں نے ایک ضخیم کتاب پانچ سو صفحات پر مشتمل "الفاظ و اعداد" کے نام سے مرتب کی ہے جس میں چالیس ہزار الفاظ اور ان کے اعداد ترتیب وار ایک سے لے کر تیس ہزار تک لکھے گئے ہیں۔ اگر یہ کتاب شائع ہو جائے تو فن تاریخ گوئی کی اہم اور یادگار کتاب ثابت ہوگی۔ بطور نمونہ چند تاریخیں نذر قارئین ہیں:

حضور سرور کائنات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی
ولادت شریف۔ سال ولادت ۲۲ اپریل ۱۹۵۱ء

جاوداں جشن میلاد نبوی حبیبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم
۵۷۱ء ۵۷۱ء

سال میلاد نبی بطحا جناب محمد ابن عبداللہ
۵۷۱ء

حضرت شیخ عبدالقادر سید محی الدین جیلانی
سال وصال ۱۷ ربیع الثانی ۵۷۱ھ - ۱۱۷۵ء یوم جمعہ
سال وصال سیدنا پیر اقوام عالم سید محی الدین جیلانی
۱۱۷۵ء

دین پناہ پیر جیلان از جہان رفت
۱۱۷۵ء

بلند پایہ قادری پیشوا اُٹھ گیا
۱۱۷۵ء

مشاہیر سندھ کی تاریخہائے وفات، حضرت شاہ لطیف بھٹائی
ممدوح فخر صوفیا
۱۱۶۵ھ

۱۔ گلہائے تاریخ کے چند اوراق، زیر عنوان مشاہیر عالم کی تاریخہائے وفات اور دیگر خاص خاص واقعات تاریخ کی روشنی میں، الولی، حیدرآباد، اکتوبر نومبر، ۱۹۷۶ء۔

Marfat.com

زبان ملت شاہ عبداللطیف رفت

۱۷۵۲ء

گوہر یک دانہ شاہ عبداللطیف رفت

۱۱۶۵ھ

یک شہرہ آفاق اہل دل شاہ عبداللطیف بھٹائی[1]

۱۷۵۲ء

صوفیائے کرام اور علمائے دین کے سوانح و تذکرے، احوال، خدمات و کرامات، قوم کے اخلاق و کردار کی تعمیر و تشکیل، ذہنی و روحانی تربیت میں روشنی کا کام دیتی ہیں۔ شاہ اکرام نے اس اہم مقصد کے پیش نظر ۱۹۵۲ء میں میرپور خاص (ضلع تھرپارکر) سے ایک صوفی ماہنامہ ''سیرالمشائخ'' جاری کیا جس کے صرف چند شمارے منظر عام پر آ سکے۔

حکیم شاہ اکرام حسین سیکری کے تصنیف و تالیف میں چھوٹی بڑی کتابیں بھی ہیں، رسالے بھی جن کی تعداد ستر تک پہنچتی ہے۔ یہ سب اسلامی تاریخ و تصوف، سیرت و سوانح، ادب و ثقافت، طب و حکمت اور مکتوبات سے متعلق ہیں۔ ایک مختصر فہرست حسب ذیل ہے:

سیرت و سوانح:

(۱) حضرت امام حسین	مطبوعہ اجمل پریس بمبئی،	۱۹۳۶ء
(۲) سیدالشہدا	ناشر ساجد علی حسن نارنولوی	۱۹۶۹ء
(۳) تذکرہ حضرت امام حسین	" "	۱۹۷۰ء
(۴) مختصر تذکرہ حضرت مسکین شاہ	مطبوعہ معین پریس میرپور خاص	۱۹۵۲ء
(۵) مختصر تذکرہ شاہ ولی محمد چشتی پیش لفظ وفا راشدی	ادارہ بزم چشتیہ حیدرآباد	۱۹۶۳ء
(۶) گلزار مناقب	" "	۱۹۶۸ء

۱۔ الولی اگست ۱۹۷۵ء

Marfat.com

(۷) گنج دانائی	"	"	۱۹۶۸ء
(۸) تذکرہ شاہ شمشاد حسین سیکری	مکتبہ چشتیہ لطیف آباد		۱۹۷۷ء
(۹) حالات ملا الٰہی بخش چشتی آمیری	"	"	۱۹۷۸ء
(۱۰) تذکرہ بزرگان راجستھان	(غیر مطبوعہ)		

طب و حکمت

(۱) انتخاب لاجواب (حکیم اکرام کے طبی مجربات)	مطبوعہ		۱۹۴۹ء
(۲) بیاض اکرام (" ")	"		
(۳) صحیفہ حکمت (معمولات مطب حکیم سجاد حسین)	ادارہ تحقیقات طبیہ ڈیرہ نواب صاحب		۱۹۶۳ء ۱۹۶۳ء
(۴) چشمہ صحت (معلومات مطب حکیم اکرام)	"	"	۱۹۶۳ء
(۵) مکتوبات بابائے طب (مجموعہ مکاتیب بابائے طب حکیم فرید احمد عباسی بنام اکرام)	"	"	۱۹۶۶ء
	"	"	

(۶) اکرام الحکمت (مجموعہ مجربات) ناشر مدیر رسالہ لقمان نظام آباد

(۷) نسخہ شفاء سال تحریر ۱۹۵۹ء ملک دین محمد اینڈ سنز لاہور نے شائع کی۔

(۸) رسالہ خواص املی (املی کے خواص و فوائد پر رسالہ) مطبوعہ

(۸) اولیاء اللہ کا طبی فیضان (اولیائے کرام کے طبی نسخوں کا مرقع) "

Marfat.com

(۱۰) بیاض طبیب سیکر (ذاتی مجربات اور احباب کے تجربہ کردہ نسخوں کا مجموعہ) ۱۹۷۵ء

(۱۱) اکرام طب ۔ طبی رسالہ سال تحریر ۱۹۷۳ء غیر مطبوعہ

ادب

(۱) مجموعہ لطائف ۔ مطبوعہ شمیم بک ڈپو حیدرآباد

(۲) سیکری عوامی بولی غیر مطبوعہ

(۳) سیکر کا پھیرا ۔ سفرنامہ ۔ پاکستان سے راجستھان تک ۔ ۱۹۶۱ء غیر مطبوعہ

مکاتیب

شاہ اکرام نے مشاہیر و اکابر ، معروف و غیر معروف احباب و اہل قلم کے خطوط کے مجموعے ترتیب دیے ہیں جن کی تعداد ایک درجن سے کم نہیں ان مجموعوں میں مکاتیب عرشی (مکتوبات علامہ حکیم محمد حسین عرشی بنام شاہ اکرام) اور مکاتیب مسعودیہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔

منظومات

شاہ اکرام کے فارسی اور اردو منظومات کے حسب ذیل مجموعے مرتب ہو چکے ہیں اور منتظر اشاعت ہیں :

(۱) برگ گل ــ فارسی غزلیات ، قطعات تاریخ کا گلدستہ سن ترتیب ۱۹۷۵ء

(۲) گلہائے عقیدت در مدح حضرت امام حسین سال تحریر ۱۹۷۴ء

(۳) مشاہیر سندھ کی تاریخہائے وفات سال تدوین ۱۹۷۷ء

(۴) بزم سخن غزلیات اور دیگر اصناف سخن پر مشتمل دلنواز مرقع

(۵) ہندی ادب ۔ ہندی زبان کے مشہور دوہے بھجن اور گیتوں کا مجموعہ

Marfat.com

حکیم شاہ اکرام حسین سیکری ایک صاحب دل و صاحب نظر شاعر بھی ہیں ۔ ادیب بھی ، عالم بھی ہیں محقق بھی ۔ ہر اعتبار سے ان کا مرتبہ بلند ہے ۔ سادگی و صفائی جو جزو ایمان ہے ان کی تقریر و تحریر ، نظم و نثر ، تصنیف و تالیف ہر چیز سے عیاں ہے ۔ ان کی باتوں میں گلوں کی خوشبو ، تحریروں میں پھولوں کی رعنائی و تازگی ، جس موضوع پر بھی قلم اٹھاتے ہیں اس کا ایک ایک لفظ اخلاص اور عشق سے معمور ہوتا ہے ۔ ان کے متعدد علمی و تحقیقی مضامین معیاری رسائل و جرائد کی زینت بن چکے ہیں ۔ ان میں ماہنامہ الولی حیدرآباد سندھ (یکے از مطبوعات شاہ ولی اللہ اکیڈیمی) بڑی اہمیت رکھتا ہے ۔ سادہ اور سلیس زبان میں اہم سے اہم موضوع پر اس انداز سے لکھنا کہ دل کی گہرائی میں اتر جائے ان کی طرز نگارش اور اسلوب بیان کی خصوصیت ہے ۔

اب ہم شاہ اکرام کے ایک قابل قدر مضمون جسے انھوں نے مولانا محمد گرامی کے انتقال (۱۵ ستمبر ۱۹۷۶ء) کے فوراً بعد تحریر فرمایا تھا ، سے چند عبارت بطور نمونہ نذر قارئین کرتے ہیں :

تاریخ سندھ کی ایک دلچسپ عامی شخصیت[1]

محترم مولانا گرامی صاحب سندھ کی ادبی تاریخ کا ایک دلچسپ باب تھے ۔ انھوں نے سندھی ادب میں گراں قدر اضافہ فرمایا ۔ وہ بہت ہی دلچسپ شخصیت کے مالک تھے ۔ میرے اور ان کے تعلقات چند ملاقاتوں تک محدود ہیں ۔ یہ مضمون ان ہی ملاقاتوں کے چند واقعات اور تاثرات پر مشتمل ہے ۔

ملاقاتوں کے درمیان اکثر ان سے مذہبی اور تاریخی موضوعات پر گفتگو ہوا کرتی تھی ۔ سندھ کی تاریخ کی نسبت ان کی معلومات بہت اچھی تھیں ۔ مذہبی اعتبار سے وہ ایک آزاد خیال انسان تھے ۔ اسلامی تاریخ کے بہت سے مسلمات میں وہ تقلیدی ذہن نہیں رکھتے تھے ۔

---

۱ ۔ مطبوعہ ماہنامہ الولی ، اگست ستمبر ، ۱۹۷۶ء ۔

Marfat.com

ایک روز میں صبح کے وقت ان کی قیام گاہ واقع گاڑی کھاتہ میں پہنچا۔ ایک مختصر سا مکان ہے جس میں جدید دور کی آرام و آسائش کی سہولت تقریباً نہ ہونے کے برابر ہے۔ ایک کمرے میں جس میں وہ خود رہتے تھے دیواروں کے ساتھ صحن سے لے کر چھت تک ان کی کتابیں چنی ہوئی تھیں جیسے کتابوں کی دیوار بنا دی ہو۔ اس کے سامنے ایک مختصر سا صحن ہے قریب ہی دوسرا کمرہ تھا اس میں ان کی اہلیہ اور صاحبزادی رہتی تھیں۔ یہ پہلا موقع تھا کہ میں ان کے مکان پر گیا تھا اور اس کے بعد دوسری بار جانا نہیں ہوا۔ موصوف نے پہلے اپنے کمرے میں چائے اور دیگر اشیاء سے میری تواضع فرمائی پھر اہل خانہ کی نبض دکھلائی۔ اس سے فارغ ہو کر ہم دونوں ان کے کمرے میں آ کر بیٹھ گئے۔ دوران گفتگو مولوی محمود احمد عباسی کی کتابوں کا ذکر ہوا۔ انھوں نے اس سلسلے میں اپنے خیالات کا بلا تامل دو ٹوک الفاظ میں اظہار کیا اور کہا — "میں امیر شام کو نہیں مانتا نہ اس کے ساتھیوں کو مانتا ہوں۔ تاریخ میں اس کے لیے جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اس کے حواریوں کا تیار کردہ یکطرفہ افسانہ ہے۔ حضرت علیؓ مظلوم تھے ان کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے بہرحال غلط ہے خواہ اس کی تاویلیں کچھ بھی ہو جائیں۔

وہ بیک وقت محقق بھی تھے ادیب بھی، شاعر بھی تھے اور صحافی بھی۔ ان کی نگارشات عالیہ سندھی ادب کا بیش قیمت ذخیرہ ہیں۔ بلا شبہ ان کی وفات سے سندھ کا عظیم علمی نقصان ہے۔"

Marfat.com

مرزا محمد افضل بیگ

(ولادت ۱۳۳۵ھ - ۱۹۱۸ء)

الحاج ابوالمشتاق مرزا رئیس محمد افضل بیگ سندھ کی نامور شخصیت شمس العلماء مرزا قلیج بیگ[1] کے فرزند اور مرزا فریدون بیگ (المتوفی ۱۸۷۱ء) کے پوتے ہیں۔ سندھ میں یہ خاندان اپنی علمی و ادبی خدمات کی بناء پر نہایت معزز و محترم رہا ہے۔

مرزا افضل بیگ کی پیدائش ۳ شعبان المعظم ۱۳۳۵ھ (۲۵ مئی ۱۹۱۸ء) میں ان کے آبائی مکان واقع ٹنڈو ٹھورو[2] میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم و تربیت گھر کے علمی و دینی ماحول میں ان کے والد مرزا قلیج بیگ کی خصوصی نگرانی میں ہوئی۔ مولوی مرزا عبدالسبحان بیگ سے قرآن کریم کے درس لیے۔ عربی و فارسی کی اعلیٰ تعلیم کئی اتالیق سے حاصل کی۔ گورنمنٹ ہائی اسکول حیدرآباد سے میٹرک پاس کیا۔

مرزا افضل بیگ نے علم و تصوف کی روحانی فضا میں پرورش پائی۔ مرزا قلیج بیگ کے کتب خانہ[3] میں لاتعداد علوم و فنون کی کتابوں کا نہایت قیمتی نادر و نایاب ذخیرہ موجود ہے۔ مرزا افضل نے اپنے عظیم کتب خانے سے خاطر خواہ فیض حاصل کیا۔ اپنے مقتدر اہل علم و اہل

۱۔ مرزا افضل بیگ کے خاندانی حالات کے لیے ملاحظہ ہو تذکرہ قلیج بیگ چوتھا دور عہد برطانیہ، کتاب ہذا۔

۲۔ ٹنڈو ٹھورو حیدرآباد کے مشرق نواح میں ایک پرانی بستی ہے جو اب قلیج آباد (مرزا قلیج کی نسبت سے) کے نام سے موسوم ہے۔

۳۔ راقم السطور کو ڈاکٹر محمد اسمٰعیل شیخ ولد ڈاکٹر شیخ محمد ابراہیم خلیل کی معیت میں اس کتب خانے سے استفادے کا شرف حاصل ہے۔

Marfat.com

قلم باپ کی رہنمائی میں مطالعہ و محنت سے غیر معمولی استعداد حاصل کی۔ وسیع مطالعہ اور گہری سوچ و فکر کی عادت نے انہیں معاشرے میں ایک ممتاز درجہ عطا کیا۔ علوم ظاہری سے بہرہ ور ہوئے تو باطنی کمال حاصل کرنے کی خاطر اہل سنت والجماعت کے شہرہ آفاق دینی رہنما مفکر اسلام اور مفسر قرآن حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں روحانی فیضان سے فیضیاب ہوئے۔ مولانا نے انہیں جوہر قابل دیکھ کر اپنا مرید بنایا اور خلافت کے درجہ پر فائز کیا۔

مرزا افضل بیگ نے مولانا اشرف علی تھانوی کے مکتبہ خیال اور مدرسہ فکر سے دستار فضیلت حاصل کرنے کے بعد درس و تدریس، خدمت علم و دین اور تبلیغ اسلام و شریعت کے لیے اپنی زندگی وقف کر دی۔ کئی مدرسے اور تعلیمی درسگاہوں کی داغ بیل ڈالی جن میں حاجی مانک بھٹی ہائی اسکول، مدرسہ قاسمیہ گھانگرو اور مکتب مسجد جامع محمدی ریلوے پھاٹک حیدرآباد ان کی زندہ جاوید یادگاریں ہیں۔

مرزا افضل انگریزی سے بخوبی واقف ہیں۔ عربی، فارسی اور اردو کے جید عالم ہیں۔ ان زبانوں کے ادبیات کا وسیع مطالعہ رکھتے ہیں۔ قرآن، حدیث اور فقہ کے علوم میں مستند سمجھے جاتے ہیں۔

مشہور خطیب ہیں۔۔ان کا ہر خطبہ قرآنی آیات اور علمی استدلال کا مؤثر و مفید گنجینہ ہوتا ہے۔ ان کی بصیرت افروز تقریریں دلوں کو موہ لیتی ہیں۔ موقع محل کے مطابق موزوں اشعار کے استعمال سے ان کی تقاریر و خطبات کے تاثر میں دوچند اضافہ ہو جاتا ہے۔ ایک مدت تک مسجد محمدی اہل سنت والجماعت میں ہر جمعہ کو پابندی سے خطبہ دیا کرتے تھے۔ ان خطبات نے بے شمار لوگوں کے دلوں میں توحید و رسالت، رشد و ہدایت کا دیا روشن کیا ہے۔

مرزا افضل کے منثور و منظوم خطبات جو جمعۃ المبارک اور عیدین کے موقعے پر سنائے گئے، کا ایک مجموعہ موسوم بہ ''افضل الخطبات'' (ضخامت ۱۸۶ صفحات) ۱۳۸۴ھ (۱۹۶۴ء) میں ایجوکیشنل پریس کراچی کے تحت طبع ہو چکا ہے۔ مولانا عبیداللہ سندھی کے مرزا افضل بیگ سے

Marfat.com

خاندانی تعلقات تھے ۔ مرزا قلیچ بیگ سے مولانا سندھی کے دوستانہ مراسم تھے ۔ مولانا سندھی نے ''افضل الخطبات'' کے قلمی نسخے کو دیکھ کر فرمایا تھا :

یہ مجموعہ اپنی حیثیت میں ایک دلفریب مجموعہ ہے ۔ ہر ایک مومن اس گلدستہ ایمان کو پڑھ کر ضرور محظوظ ہوگا ۔ ان خطبات میں توحید خداوندی سے لےکر محبت رسول ؐ اور محبت صحابہ اور اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین اور مدح اولیاء اور دین کی اصولی اور فروعی چیزوں کو بحث میں لایا گیا ہے اور ہر طرح کے ذخائر اس میں موجود ہیں ۔ ہر رنگ میں رنگا ہوا آدمی ان خطبات کو پڑھ کر ظاہری اور باطنی سرور حاصل کر سکتا ہے''۔
(دیباچہ افضل الخطبات ، ص ح)

افضل الخطبات کے مندرجات حسب ذیل ہیں :

تقریظ ، دیباچہ ، گزارش ، خطبات ، دعائے استقلال ، پاکستان مجاہد، پاکستان کی دعا ، درود شریف ، سلام ۔

مرزا افضل بیگ اردو نظم و نثر پر یکساں قدرت رکھتے ہیں ۔ ان کی زبان صاف اور شگفتہ ، بیان دلپذیر اور عالمانہ ہے ۔ ''افضل الخطبات'' کی مندرجہ ذیل سطروں سے نثر میں ان کی طرز نگارش کا اندازہ کیا جا سکتا ہے ۔

''واضح ہو کہ نماز جمعہ سے پہلے خطبہ پڑھنے کا رواج نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آج تک بدستور چلا آ رہا ہے ۔ سبحان اللہ خطبہ جمعہ کی کیا شان و عظمت ہے اور اس کو غور سے سننے کے لیے یہاں تک تاکید آئی ہے کہ جس وقت خطبہ پڑھا جائے اس وقت بات کرنا بھی لغو ہے ۔ جبکہ آیت کریمہ ان اللہ و ملائکتہ یصلون علی النبی پڑھی جائے یا حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی اسم گرامی لیا جائے تو درود شریف بھی دل میں پڑھے ۔

اگر کسی نے سنت یا نفل نماز شروع کی اور سجدہ کرنے سے

Marfat.com

پہلے خطیب نے خطبہ شروع کیا تو نماز توڑ کر خطبہ سننے بیٹھ جائے ۔ یہ تاکید اس لیے ہے کہ احکام خدائے تعالیٰ جل شانہ کو صدق دل سے سنے اور احادیث خیرالوری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور نصائح رشد و ہدایت کو غور سے سمجھ کر اس پر عمل کرے"[1] ۔

افضل بیگ شاعر بھی ہیں لیکن ان کی شاعری تفریح طبع یا تسکین دل کے لیے نہیں بلکہ تبلیغ اسلام اور ماحول و معاشرے کی اصلاح و تربیت اور خدا و محبوب خدا کی حمد و ثناء جیسے نیک و بلند مقاصد سے مملو ہے ۔ مرزا افضل قرآنی آیات کو بڑی سادگی اور مہارت سے شعروں کے قالب میں ڈھال دیتے ہیں ۔ اسلامی تاریخ اور واقعات کی تلمیحات کو بھی اپنے اشعار میں نہایت خوبی سے پیش کرتے ہیں اور یہی ان کی شاعری کی خصوصیت ہے وہ میلاد میں بھی زیادہ تر اپنے ہی اشعار پڑھتے ہیں اور خطبات میں بھی اس موزونیت سے استعمال کرتے ہیں کہ سننے والوں کے دلوں میں اتر جاتی ہے ۔ اس انداز کے یہ چند اشعار آپ کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں :

رب کعبہ ہے سزاوار ثنائے بے شمار
ورد لب میرا ستائش اس کی ہے لیل و نہار
فرض جس نے اہل سنت پر کیا کعبے کا حج
اور اسے اسلام کا ٹھہرایا رکن استوار
تاکہ وہ کفارہ ہو پچھلے گناہوں کا تمام
حاجیوں پر ہے یہ فضل و نعمت پروردگار[2]

تعریف خلاق جہان اور مالک کون و مکاں
اک شمہ ہو کس سے بیاں بیشک وہ عالی شان ہے
اور نعت شاہ اصفیا بدرالدجیٰ شمس الضحیٰ
کیا ہو سکے ہم سے ادا جس طرح شایاں شان ہے

---

۱ ۔ افضل الخطبات ، ص ۳ ۔ ۴ ۔

۲ ۔ ایضاً ص ۸۲ ، ۸۳ ۔

Marfat.com

لیکی کسی سے جب کرو منظور رحمت حق کو ہو
منت نہ تم اس پر دھرو ورنہ بہت خسران ہے
عاصی ہیں ہم رب العلا تو بخش دے ساری خطا
بہر نبیہ مصطفٰی جو شافع عصیان ہے

Marfat.com

مخدوم محمد زمان طالب المولیٰ

(ولادت ۱۳۳۸ھ - ۱۹۱۹ء)

مخدوم محمد زمان اصل نام، طالب المولیٰ قلمی نام ہے۔ سرزمین سندھ کے اس خاندان عالی وقار کے چشم و چراغ ہیں جس کا سرچشمہ علم و روحانیت سترہ پشتوں سے آج تک جاری و ساری ہے۔ ان کے آبا و اجداد میں کئی بزرگان دین ایسے گزرے ہیں جنھوں نے کمالات کے ساتھ ساتھ شعر و ادب میں بھی گرانقدر خدمات انجام دی ہیں۔

حضرت غوث الحق مخدوم نوح سرور صدیقی ہالائی[2] (۹۱۱ - ۹۹۸ھ/ ۱۵۰۰-۱۵۸۶ ء) اس خاندان کے موسس اور مورث اعلیٰ تھے۔ طالب المولیٰ اپنے والد ماجد حضرت غلام محمد، عرف گلن جام کے وصال کے بعد درگاہ شریف ہالا کے سترھویں سجادہ نشیں[3] مقرر ہوئے۔

طالب المولیٰ کی پیدائش ماہ محرم الحرام ۱۳۳۸ھ مطابق ۲۲ ستمبر ۱۹۱۹ء میں بمقام ہالا ہوئی۔

قرآن مجید کا درس حافظ ولی محمد مجاور درگاہ شریف ہالا سے لیا۔ آخوند حاجی عبدالرحمٰن انجم اور ماسٹر حاجی عبدالغفور وکیلانی سے

۱۔ مخدوم امین محمد ہالائی (۱۲۵۴ - ۱۳۰۳ھ) درگاہ شریف سروری ہالا کے تیرھویں سجادہ نشین تھے۔ سندھی اور اردو کے باکمال اور صاحب دیوان شاعر تھے۔ ان کا تذکرہ تیسرے دور کتاب ہذا میں آ چکا ہے۔

۲۔ سوانح حیات مخدوم نوح کے لیے ملاحظہ ہو ماہنامہ الرحیم، حیدرآباد (سندھی) شمارہ ستمبر اکتوبر ۱۹۷۶ء۔

۳۔ سجادہ نشینوں کی ایک فہرست کلیات امین مرتبہ پروفیسر محبوب علی چنہ میں موجود ہے۔

Marfat.com

سندھی ، حیدر مخدوم ، مولوی عبدالحی ٹھٹھیری والا اور مولوی محمد عالم سے فارسی پڑھی[1] ۔ انگریزی کی واجبی تعلیم مخدوم غلام حیدر ہائی اسکول سے حاصل کی ۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے طالب المولیٰ کو دینی و دنیاوی جہانوں کی نعمتوں اور رحمتوں سے نوازا ہے ۔ دور حاضر کی سیاست میں بھی ناموری حاصل کی ہے ۔ پاکستان کی قومی اسمبلی کے سرگرم رکن رہ چکے ہیں ۔

وطن عزیز کے اکثر سرکاری و غیر سرکاری اداروں ادبی و ثقافتی انجمنوں اور علمی درسگاہوں کے سرپرست ، صدر معتمد اور رکن رہے ہیں جن میں سندھ یونیورسٹی ، سندھی ادبی بورڈ ، سچل سرمست کالج ، جمعیت الشعرائے سندھ ، سندھی سوسائٹی اور بزم طالب المولیٰ[2] وغیرہ قابل ذکر ہیں ۔ ان کی ذات گرامی سے عوام ، اساتذہ ، طلباء سب ہی کو حسب استطاعت فیض پہنچا ہے ۔ انھوں نے اپنے اسلاف کی طرح ہر قسم کے امتیاز اور حدود و قیود سے بالاتر ہو کر علم ، ادب ، دین ، تصوف ، وطن اور قوم کی بے لوث و بے غرض خدمات انجام دی ہیں ۔

طالب المولیٰ کو ذوق علم و ادب کی طرح فقر و عجز کے اوصاف

---

۱ - مہران چاماتک مرتبہ رشید احمد لاشاری مرحوم ، مطبوعہ پاکستان پبلیکیشن کراچی (ص ۵۰) ۔

۲ - مرکزی بزم طالب المولیٰ حیدرآباد نومبر ۱۹۵۵ء میں قائم ہوئی ۔ اس کے سرپرست مخدوم صاحب اور پہلے اللہ بخش سرشار وکیلی مرحوم ہیں ۔ اس کی متعدد شاخیں سندھ کے قصبوں اور شہروں میں موجود ہیں جمعیت الشعرائے سندھ (جس کے صدر ڈاکٹر شیخ ابراہیم خلیل ہیں) کی طرح بزم طالب المولیٰ نے سندھ کی تہذیب و ثقافت و زبان و ادب کی ترقی و اشاعت میں نمایاں حصہ لیا ہے (برصغیر پاک و ہند کے علمی ادبی اور تعلیمی ادارے ، جلد دوم ، ۱۹۷۵ء ص ۴۳۲ ۔

Marfat.com

بھی ورثے میں ملے ہیں۔ مطالعہ اور شاعری کے علاوہ شکار اور موسیقی کا شوق بھی رکھتے ہیں -

۱۳۵۰ء ہجری یعنی بارہ سال کی عمر سے شعر کہتے ہیں - پہلے محمد زمان تخلص کے طور پر لکھا کرتے تھے بعد میں طالب تخلص کرنے لگے - اس طرح ان کا قلمی نام "طالب المولیٰ" مشہور ہو گیا[۱] -

فارسی میں تحفۃ الکرام ، دیوان حافظ ، دیوان سعدی ، اردو میں مرآۃ الوحدت خاص طور پر ان کے زیر مطالعہ رہیں۔ فارسی شعراء میں حافظ و سعدی سے متاثر ہیں اور ان کی اتباع میں فارسی شعر کہے ہیں -

نظم و نثر میں طالب المولیٰ کی فارسی و سندھی تصانیف کی فہرست یہ ہے :

نثر — اسلامی تصوف ، خود شناسی ، یاد رفتگان ، شیطان ، امام غزالی جا خطوط۔

نظم — بہار طالب ، رباعیاتِ طالب ، مثنوی عقل و عشق اور کشکول -

کشکول ان کے فارسی، سندھی اور اردو کلام کا مجموعہ ہے -

طالب المولیٰ سندھی ، فارسی ، سرائکی اور اردو سے بخوبی واقف ہیں ان سب زبانوں میں اعلیٰ شعر کہتے ہیں - اردو کلام میں کہیں کہیں غالب اور داغ کا رنگ بھی جھلکتا ہے۔ ان کے اشعار میں ان کے خیالات و نظریات اور جذبات و احساسات واضح طور پر نمایاں ہیں۔ نعت کے یہ اشعار دیکھیے :

خدایا دکھا دے دیار مدینہ
کہ ہوں عندلیب بہار مدینہ
یہی راستہ بس ہے میرے لیے تو
میں ہو جاؤں گرد و غبار مدینہ

---

۱ - سندھ کے جدید اردو شعراء از پروفیسر مشتاق علی جعفری ، ص ۹٦ -

Marfat.com

بچاؤ، گناہوں نے ہے آن گھیرا
صدا سن لو یہ تاجدار مدینہ

اب رنگ تغزل دیکھیے:

اگر ذوق چمن تجھ کو ہے تو کر بال و پر پیدا
گلوں کے سامنے تو بھی تو کر خون جگر پیدا
قفس میں یہ تمنا تھی کبھی گلشن بھی دیکھیں گے
مگر ناگاہ مجھ پر ہے نسیم نامہ بر پیدا
یہ حسرت رہ گئی دل میں کہ پہنچیں گے کبھی گل تک
نہیں صیاد پر اس بیکسی کا کچھ اثر پیدا
اجازت تجھ کو گلشن کی نہ جب صیاد دیتا ہے
تو اپنے آپ میں کر لے تصور کی نظر پیدا

تو چاہتا ہے خدائی کو ہاتھ میں رکھنا
تو پہلے دل ہی میں عزم بلند پیدا کر

رخ گل گوں پہ آتا ہے پسینہ اس طرح جیسے
گلوں کی زیب و زینت کے لیے شبنم غنیمت ہے

مزا لے لو شباب آئے نہ آئے
کہ توبہ بر صواب آئے نہ آئے
وہ رخ روشن نگاہیں شرمگیں وہ
مقابل ماہتاب آئے نہ آئے

صنم خانوں میں دیروں میں کلیساؤں میں کعبے میں
جہاں بھی دیکھیے جب دیکھیے جلوہ تمہارا ہے

کیے جاتا ہوں میں سجدوں پہ سجدے بیخودی میں اب
کہ ہر اک چیز میں بوئے بتاں معلوم ہوتی ہے

Marfat.com

محبت میں گزرتا ہے جو دم وہ دم غنیمت ہے
جو غم ہے باعث تسکین دل وہ غم غنیمت ہے

میں نے اپنے آپ کو ہے آپ کا طالب کہا
غیر سے مطلب نہیں ہم غیر بن جائیں گے کیا

Marfat.com

حافظ پیر محب اللہ شاہ

(ولادت ۱۳۴۱ھ - ۱۹۲۱ء)

سولانا حافظ پیر محب اللہ شاہ ، حضرت پیر سید رشد اللہ شاہ[1] (متوفی ۱۳۴۰ھ) پیر جھنڈو سوم کے پوتے اور پیر جھنڈو چہارم حضرت پیر سید فضل اللہ شاہ[2] المعروف بہ سید احسان اللہ شاہ کے صاحبزادے ہیں۔ محب اللہ شاہ اپنے والد ماجد کی وفات (۱۳۵۷ھ) کے بعد سعید آباد کی مسند سجادہ نشینی پر فائز ہوئے جب سے پیر جھنڈو پنجم کہلاتے ہیں۔

پیر سید محب اللہ شاہ ۲ اکتوبر ۱۹۲۱ء (۱۳۴۱ھ) میں پیر جھنڈو نامی گاؤں (جو سعید آباد کے قریب ہے) میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم و تربیت خاندانی روایت کے مطابق پورے ضابطے اور قاعدے سے ہوئی۔کم سنی میں قرآن مجید حفظ کیا۔ اپنے دادا حضور کے مشہور مدرسہ دارالرشاد سے عربی ، فارسی اور اردو میں فاضل کا امتحان پاس کرنے کے بعد سندھ یونیورسٹی سے ۱۹۶۱ء میں بی اے اور ۱۹۶۳ء میں ایم اے (اسلامیات) کیا۔

محب اللہ شاہ کو درس و تدریس ، مطالعہ اور تعلیم سے شروع سے لگاؤ رہا ہے۔ اس مقصد سے زندگی کے بہترین اوقات صرف کیے ہیں۔ علم کے شوق اور قومی جذبے سے سرشار ہیں۔ سندھ میں علم اور تعلیم کی توسیع و ترقی اور تبلیغ و اشاعت کی غرض سے انھوں نے سعید آباد میں ۱۹۶۱ء میں اورینٹل کالج کی داغ بیل ڈالی۔ دور دور کے طلباء کی رہائش کے لیے ہاسٹل بھی قائم کیا۔ کالج کے پرنسپل کے فرائض انھیں کے

---

۱ و ۲ - پیر رشد اللہ شاہ اور پیر سید فضل اللہ شاہ کے تذکرے چوتھے دور میں شامل ہیں۔

Marfat.com

سپرد ہوئے ۔ شاہ صاحب علمی و روحانی دنیا میں ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں ۔ اللہ نے انھیں ان تمام اوصاف باطنی سے متصف کیا ہے جو ایک قابل احترام عالم و فاضل شخص کے لیے ضروری ہیں ۔

سندھی ان کی مادری زبان ہے ۔ اردو سے محبت ان کی وراثت ہے ۔ اردو میں لکھنا پڑھنا ان کے گھرانے کی قدیم روایت ہے ، قرآن ، تفسیر ، حدیث، فقہ اور اسلامی تاریخ و ادب کا مطالعہ ان کا دلچسپ مشغلہ ہے ۔ قومی و ملی کاموں سے جو وقت بچتا ہے اسے زیادہ سے زیادہ علمی مشاغل میں صرف کرتے ہیں ۔ اردو بہت اچھی لکھتے اور بولتے ہیں۔ ان کے خطبات اور تقریریں علمی نوعیت کی ہوتی ہیں ۔ اردو میں وہ بہت کم لکھتے ہیں اس لیے اردو میں ان کی کوئی کتاب موجود نہیں ہے البتہ کبھی کبھی اپنے خطبات اور مقالات قلمبند کر لیتے ہیں ۔ بعض مقالات رسائل میں شائع ہو چکے ہیں ۔

۱۹۶۷ء میں انھوں نے ایک مذہبی اجتماع سے خطاب کیا تھا جو انھیں کی صدارت میں منعقد ہوا تھا ۔ ان کا وہ خطبہ صدارت اشرف پریس لاہور سے طبع ہو چکا ہے ۔ اس خطبہ میں انھوں نے اہل حدیث اور وہابی عقائد پر بحث کی ہے اور وضاحت کے ساتھ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ انگریزوں نے مسلمانوں میں نفاق و تنازعہ پیدا کرنے کی غرض سے ''وہابی جماعت کو اہل سنت سے منسوب کیا ہے حالانکہ حقائق اس کے برعکس ہیں ۔ اس خطبے میں شاہ صاحب کی رائے چونکہ اختلافی نوعیت کی ہے اس لیے راقم یہاں ان کی تحریر کے کسی حصے کو بطور مثال پیش کرنے سے اجتناب کرتا ہے ۔

شاہ صاحب کا ایک مقالہ "پردہ اور اسلام'' کے موضوع پر رسالہ ''اعتصام'' لاہور مورخہ ۲۹ مارچ ۱۹۶۸ء میں شائع ہوا تھا ۔ اس موضوع پر مولانا ابو الکلام آزاد اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی جیسے اکابر علمائے کرام نے بارہا اظہار خیال کیا ہے ۔ اس سلسلے میں ان کی کتابیں بھی موجود ہیں لیکن محب اللہ شاہ نے ان سب سے ہٹ کر اپنا ایک الگ نقطۂ نظر پیش کیا ہے ۔ انھوں نے اپنے موقف کی تائید و حمایت میں قرآن و

Marfat.com

حدیث سے دلائل بھی پیش کیے ہیں ۔ انھوں نے خواتین کے لیے بے پردگی و بے نقابی کی سخت مخالفت کی ہے ۔ ان کا خیال یہ ہے کہ عورت کی بے پردگی و بے حجابی سے معاشرے میں بہت سی برائیاں جنم لیتی ہیں اسی لیے اسلام نے اس روش کی ممانعت کی ہے ۔

شاہ صاحب کی اردو تحریر کی خوبی یہ ہے کہ وہ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں سیدھے سادے عام الفاظ میں کہتے ہیں ۔ تحریر میں کوئی الجھاؤ یا خیال میں کوئی پیچیدگی نہیں ۔ ان کی زبان صاف اور عام فہم ہے ۔ قرآن و حدیث کے استدلال سے ان کی تحریر زیادہ جاندار اور پر اثر ہو جاتی ہے ۔ یہ تمام خوبیاں ان کے زیر تبصرہ مقالے میں موجود ہیں ۔

اب ان کی یہ عبارتیں ملاحظہ فرمائیے ۔

''عنوان بالا پر پہلے ہی بہت کچھ لکھا جا چکا ہے لیکن اس وقت اس پر قلم اٹھانے کی ضرورت اس لیے محسوس ہوئی کہ ہمارے معاشرے میں ایک مغرب زدہ طبقہ ایسا پیدا ہو چکا ہے جس نے یہی ٹھان لی ہے کہ وہ جس طرح بھی ممکن ہو اپنے مغربی ماسٹروں کو ضرور ہی راضی کرے گا ۔۔۔۔۔۔ اس حقیقت سے بھی کسی عقل سلیم رکھنے والے انسان کو انکار کی گنجائش نہیں ہے کہ جنس کثیف (مرد) کی جملہ فتنہ سامانیاں پیدا کرنے والے اہم عناصر بھی جنس لطیف کے چہرے کے خد و خال میں ہیں ۔ اس صورت میں اگر عورت کو جسم کے اس حصہ کو کھلا رکھنے کی رخصت مل جائے جو اصل طوفان و ہیجان کا باعث ہے تو پردے کے حکم سے کیا حاصل'' ۔

(اقتباس مقالہ بعنوان ''پردہ اور اسلام''
مطبوعہ رسالہ الاعتصام لاہور ، شمارہ
۲۵ - ۲۹ مارچ ۱۹۶۸ء ، ص ۴) ۔

Marfat.com

شاہ بشیرالدین مخفی قادری

(۱۳۴۱ - ۱۳۸۲ھ/۱۹۲۱ - ۱۹۶۲ء)

شاہ بشیرالدین احمد قادری المتخلص بہ مخفی، حاجی حافظ شاہ غلام رسول قادری کے صاحبزادے، سائیں عبدالغنی قادری کے نواسے، سائیں عبدالرشید قادری کے بھانجے اور علام الدین علمی قادری کے بڑے بھائی تھے۔ ۱۳۴۱ھ (۱۹۲۱ء) میں شہر کراچی میں تولد ہوئے۔

سندھ مدرسۃ السلام کراچی میں انگریزی کی واجبی تعلیم حاصل کی بعد میں بطور خود انگریزی ادبیات کا تفصیلی مطالعہ کیا۔ اپنے عارف کامل والد شاہ غلام رسول قادری کے زیر نگرانی عربی، فارسی، اردو اور دینی تعلیمات کے زیور سے آراستہ ہوئے۔

قرآن اور سنت کے آئین پر عمل کو اسلامی تصوف کی روح تصور کرتے تھے۔ "درویش صفت باش و کلاہ تتری دار" — کے مصداق سادگی اور سادہ پوشی کو اپنایا۔ ساری زندگی مجرد رہے مگر عبادت حق اور خدمت خلق سے کبھی غافل نہ رہے۔

۱۳۲۲ھ (۱۹۶۲ء) میں جب ان کی عمر صرف اکتالیس برس کی تھی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ لیاری قبرستان[1] کراچی میں نانا سائیں عبدالغنی قادری کی ابدی آرام گاہ کے قریب مدفون ہوئے۔

بشیرالدین مخفی نے علم و تصوف، سلوک و صفا کے ایمان افروز ماحول میں پرورش پائی۔ ابتدا سے ان کی طبیعت عبادت و ریاضت اور حصول علم کی طرف مائل تھی۔ اپنے نانا ماموں اور والد کی علمیت و

۱۔ نغمہ نور مصنفہ محمد علم الدین علمی قادری میں لیاری قبرستان میں آسودہ اہل اللہ و اہل سلوک کے احوال و کوائف شامل ہیں۔

Marfat.com

روحانیت سے بھرپور صحبتوں نے ان کے ذوق علم اور شوق سجود کو جلا بخشی۔ اس ذوق و شوق کی بنا پر انبیائے کرام، اکابر اسلام اور مشائخ دین کے نظریات و خیالات کا وسیع مطالعہ کیا۔ رومی، حافظ، سعدی صائب، عطار، سنائی، خاقانی، گرو نانک اور اقبال کے افکار عالیہ سے مستفید ہوئے۔ مشاہیر مشرق و مغرب مثلاً بیدل، غالب، داغ، حالی، گوئٹے نیٹشے اور آرنلڈ وغیرہ کے ادب پاروں سے بھی استفادہ کیا۔ ان ارباب فکر و نظر کے شہ پاروں سے متعلق اپنی تحریر و تصنیف میں اپنا نقطۂ نظر پیش کیا۔ وہ نقاد بھی تھے اور محقق بھی۔ ان کی نثر میں تنقید بھی ہے اور تنقیح بھی۔ ان کی ایک مطبوعہ کتاب "اقبال کی خودی اور حافظ کی بیخودی" کے صفحہ ۱۷ سے ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے جس سے ان کے اسلوب نگارش کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے:

"اقبال اور حافظ کی فکر و نظر میں کوئی تضاد نہیں معلوم ہوتا البتہ یہ ظاہر بیان، مقام اور ماحول جداگانہ ہے۔ اقبال کی قومی اور ملی زندگی نے جو احساسات پیدا کیے لازماً وہ ماحول سے وابستہ تھے۔ ایک قومی مصلح اور رہنما کی حیثیت سے اقبال کا پیغام انھیں تاثرات کا حامل ہے لیکن اقبال علم عرفان و اخلاق اور روحانیت کے رموز و نکات بھی عریاں کر چکا ہے۔ خواجہ صاحب بھی اپنے یکتا انداز میں یہی دولت بے بہا لٹاتے ہیں۔ اگر صحیح احساس کے اظہار و تفکر کو علم و عمل کا نظام تصور کر لیا جائے تو آج بھی ارباب بصیرت اور اہل نظر حافظ کی بے خودی میں اقبال کی خودی کے جوہر پا سکتے ہیں۔ حضرت علامہ کی بلند و بالا نگاہ اور بلند پرواز تخیل اپنے اندر مشرق و مغرب کے اہل کمال کی قدر افزائی پاتا ہے اور جو غالب و داغ، حالی و بیدل، صائب و رومی، سنائی و عطار، خاقانی، رام، نانک، گوئٹے، نیٹشے، آرنلڈ وغیرہ سے یکساں انس رکھتا ہے۔ کیا وہ ایران کے روحانی عارف اور بے مثال شاعر خواجہ حافظ شیرازی سے کچھ بھی انس نہیں رکھتا"۔

مخفی قادری شعرائے کرام میں مولانا رومی اور علامہ اقبال سے

Marfat.com

بے انتہا متاثر تھے ۔ ان حضرات سے ان کے عشق کا یہ عالم تھا کہ ان کے بیشتر اشعار انہیں از بر تھے اور اکثر پڑھا کرتے تھے ۔ علامہ اقبال کا یہ شعر انھیں اس قدر پسند تھا کہ اکثر گنگنایا کرتے تھے :

خرد کی گتھیاں سلجھا چکا ہوں
میرے مولا مجھے صاحب جنوں کر

غالباً یہ شعر مخفی کے حسب حال ثابت ہوا ۔ اس شعر کی روحانی کیفیت کا یہ اثر ہوا کہ وہ واقعی صاحب جنوں ہو گئے ۔ وفات سے کوئی چھ سات سال پہلے ان پر جذب و کیف کا عالم رہا ان کا یہ زمانہ گوشہ نشینی و بیخودی میں گزرا ۔

شاہ بشیرالدین مخفی شعر بھی کہتے تھے۔ ان کی منظومات ، مضامین و مقالات کا خاصا حصہ ان کے عرصہ جنون میں ضائع ہو گیا ۔ جن تصانیف کا سراغ مل سکا ہے ان کے نام یہ ہیں ۔ ان کی تمام تصانیف علمی و فکری قدروں کی حامل ہیں ۔

مطبوعہ :

(۱) اقبال کی خودی اور حافظ کی بیخودی مطبوعہ ضیاء پریس کراچی
(۲) مقالات مخفی ۔
(۳) عرفان اقبال ۔

غیر مطبوعہ :

(۱) اقبال تصوف اور اسلام ۔
(۲) جرعات رومی ۔
(۳) افادات و نوادر ۔

Marfat.com

محمد علم الدین علمی قادری

ولادت ۱۳۴۲ھ - ۱۹۲۳ء

صاحبزادہ محمد علم الدین قادری کراچی کے ممتاز عالم دین اور مشہور عارف باللہ شمس الفقراء حاجی قاری خطیب شاہ محمد غلام رسول المعروف بہ ''حاجی غلام رسول'' کے لائق و فائق فرزند عزیز اور شاہ بشیرالدین مخفی قادری کے چھوٹے بھائی ہیں ۔ سلسلہ قادریہ کا وہ چراغ جو ان کے نانا جان عبدالغنی[1] رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں نصف صدی قبل روشن ہوا تھا علم الدین نے اسے اپنے ماموں سائیں عبدالرشید قادری[2] اور اپنے والد شاہ غلام رسول قادری[3] کے بعد سے آج تک فروزاں رکھا ہے ۔

محمد علم الدین قادری ۱۹۲۲ء میں اپنی آبائی رہائش گاہ بمقام کراچی پیدا ہوئے ۔ ابتدائی تعلیم و تربیت گھر کے علمی و دینی ماحول میں ہوئی ۔ سندھ مدرسۃ الاسلام کراچی سے مڈل پاس کیا ۔ دین اسلام سے عشق اور زبان عربی سے محبت کی بناء پر مزید انگریزی تعلیم جاری نہ رکھ سکے ۔ اپنے والد مکرم حاجی غلام رسول کے زیر عاطفت عربی و فارسی علوم کی تحصیل و تکمیل کی درس و تدریس جیسا مقدس پیشہ اختیار کیا ۔ اپنے باپ کے مدرسہ علمیہ قادریہ کے مدرس اعلیٰ اور نگران ہیں ۔

ذوق علم و فکر اور شوق معرفت و خدمت انھیں ورثے میں ملا ۔ اپنے بزرگوں کی طرح عالمانہ و درویشانہ زندگی کو اپنایا ۔ اپنے والد مرشد

---

۱ ۔ آپ سائیں عبدالغنی کا تذکرہ گزشتہ باب میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

۲ و ۳ ۔ سائیں عبدالرشید اور حاجی غلام رسول کے تذکرے زیر نظر باب کے گزشتہ صفحات میں پیش کیے جا چکے ہیں ۔

Marfat.com

کامل حضرت شاہ غلام قادری کے حلقہ بیعت میں شامل ہو کر خدمت دین اور توسیع علم و فقر کا بیڑا اٹھایا۔ والد کے وصال کے بعد درگاہ سائیں عبدالغنی کی سجادہ نشینی کے عہدہ جلیلہ پر مامور ہوئے اور آج تک ان سب فرائض کی انجام دہی میں ہمہ تن مصروف ہیں۔

شاہ علم الدین اردو نثر نگاری میں ایک مقام رکھتے ہیں۔ مضامین بھی لکھتے ہیں اور ناول بھی۔ ان کی مطبوعہ تصانیف کے نام یہ ہیں :

(۱) تحفہ علمی مطبوعہ ، جاوید پریس کراچی ، ۱۳۸۴ھ۔

اس کتاب میں خلفائے راشدین ، شہدائے کربلا ، شہدائے بدر ، بزگان سلاسل عالیہ قادریہ چشتیہ نقشبندیہ سہروردیہ کے حالات اور خدمات کا تفصیلی ذکر ہے۔ حضرت امام اعظم اور حضرت داتا گنج بخش رضوان اللہ علیہما کی شان میں قصائد و مناقب بھی ہیں۔

(۲) قادری نامہ (چار حصوں میں) دو حصے شائع ہو چکے ہیں۔ دو حصے زیر اشاعت ہیں۔

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے سلسلہ قادریہ کے بزرگوں کا قابل قدر تذکرہ ہے۔

(۳) نغمہ نور۔

یہ ایک کتابچہ ہے جو بیس صفحات پر حاوی ہے۔ اس میں لیاری قبرستان میں آسودگان کراچی کے تذکرے ہیں۔

غیر مطبوعہ تصانیف :

(۱) نو مسلمہ۔ یہ ایک ناول ہے جو عبدالحلیم شرر کے مشہور ناول ملک عزیز ورجنا کی نہج پر لکھا گیا ہے۔ سن تصنیف ۱۰۶۵ھ اس کے علاوہ حسب ذیل کتابیں قابل ذکر ہیں۔

(۲) بہشتی جہیز۔

(۳) جہاد اصغر۔

(۴) قدم النبی[3]۔

Marfat.com

اب بطور نمونہ نثر ، علمی قادری کی ایک کتاب موسوم بہ "تحفہ علمی" (ص ۲۷) کی یہ عبارت ملاحظہ فرمائیے ۔

"سلسلہ عالیہ سہروردیہ حضرت شہاب الدین سہروردی سے منسوب ہے ۔ آپ حضرت شیخ ضیاء الدین ابو نجیب سہروردی کے چھوٹے بھائی تھے ۔ کہتے ہیں کہ شیخ شہاب الدین سہروردی بچپن ہی سے حضور غوث پاک کی صحبت میں رہے اور حضور غوث پاک بھی نہایت مہربانی فرمایا کرتے تھے ۔ چونکہ شہاب الدین سہروردی کا وجود بھی سرکار غوث الاعظم کی ایک زبردست کرامت اور آپ ہی کی دعا کا نتیجہ تھا اس لیے آپ سرکار غوث الابرار رضی اللہ عنہ کے بہت ہی معتقد اور مداح تھے "عوارف المعارف" آپ ہی کی مشہور تصنیف ہے جس کا حضرت بابا فریدالدین گنج شکر باقاعدہ درس دیا کرتے تھے ۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے خلفائے عظام میں سے حضرت شیخ فرید الدین عطار ، شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی ، حضرت شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی مشہور و متعارف ہیں ۔ شیخ بہاء الدین ملتانی کے وجود سے سلسلہ سہروردیہ کی ہند و سندھ میں بہت اشاعت ہوئی" ۔

علمی قادری نے اپنے ولی صفت بزرگوں کے علمی ، ادبی و روحانی نقوش کو ہمیشہ پیش نظر رکھا ۔ اپنے والد ، نانا اور ماموں وغیرہ کی اتباع میں اپنی شاعری کو بھی اشاعت اسلام اور تبلیغ دین کا موثر ذریعہ بنایا ۔ انھوں نے جو بھی اشعار کہے کسی نہ کسی تعمیری پہلو اور نیک و بلند مقاصد کو ملحوظ رکھ کر کہے ۔ اسلام ، تاریخ اسلام کے واقعات اور کارناموں اور اولیائے عظام کی خدمات و کرامات کے موضوعات پر بیشتر نظمیں اور قصیدے کہے ۔ غزل کی جگہ نظم گوئی کو ترجیح دی ۔ ان کے کلام کا بیشتر حصہ حمد ، نعت ، منقبت سلام اور دعائیہ منظومات پر محیط ہے ۔ اپنی شاعری میں جابجا طریقہ قادریہ کی بھی تبلیغ کی ہے ۔ مثلاً اس قسم کے مقطعے ان کے کلام میں بہت ہیں ۔ تخلص علمی اختیار کیا ۔

Marfat.com

قادری علمی اور قادریوں کے بھی
پیر رشد و ہدایت پہ لاکھوں سلام

اس قادریؒ علمی اور سب اس کے محبوں پر
ہو لطف و کرم داتا مخدوم علی ہجویری

مولانا رومی ان کے روحانی مرشد تھے ۔ مثنوی مولانا روم کا نہایت غائر مطالعہ کیا ۔ ان کے افکار و خیالات سے بے حد استفادہ کیا ۔ علمی کا یہ کمال ہے کہ انھوں نے پوری مثنوی کا اردو میں ترجمہ کیا ہے ۔ ان کا یہ کارنامہ ایک طرف مولانا روم سے والہانہ عشق کا نتیجہ ہے تو دوسری جانب علمی کی شاعرانہ عظمت کا مظہر ہے ۔ یہ ترجمہ مخطوطے کی شکل میں مولانا علمی قادری کے پاس موجود ہے ۔

علمی قادری کے بزرگوں کو غوث الاعظم اور حضرت داتا گنج بخش سے بے اندازہ عقیدت و ارادت رہی ہے ۔ علمی کے ہاں بھی اس کی تقلید ملتی ہے ۔ اس کا اندازہ مندرجہ ذیل مناقب سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے ۔

حضرت غوث الاعظم کی خدمت میں کس والہانہ انداز میں ہدیہ سلام پیش کرتے ہیں ۔

غوث اعظم کی سیرت پہ لاکھوں سلام
قطب عالم کی شہرت پہ لاکھوں سلام
جوہرِ مصطفیٰ گوہرِ مرتضیٰ
ان کے نور سیادت پہ لاکھوں سلام
انس و جن و ملک کے بھی وہ پیر ہیں
ان کی شان ولایت پہ لاکھوں سلام
رہزنوں کو کیا اک نظر سے ولی
ان کی شانِ کرامت پہ لاکھوں سلام
بیڑہ برسوں کا ڈوبا نکالا وہیں
ان کے زور ولایت پہ لاکھوں سلام
ان کے سارے مریدوں پہ ہو لطف حق
ان کی پیاری جماعت پہ لاکھوں سلام

Marfat.com

جس نے جو مانگا منہ مانگا اس کو دیا
ان کے جود و سخاوت پہ لاکھوں سلام
قادری علمی اور قادریوں کے بھی
پیر رشد و ہدایت پہ لاکھوں سلام

ایک منقبت میں حضرت مخدوم علی ہجویری داتا گنج بخش کی خدمت اقدس میں یوں نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہیں اور حلقہ قادریہ کے اہل اللہ کے لیے لطف و کرم کی دعا مانگتے ہیں ۔

ہوں تم پہ سلام آقا مخدوم علی ہجویری
گنج بخش ہو تم داتا مخدوم علی ہجویری
اسلامی تصوف کے مناد و مبلغ ہو
دیں تم سے ہے حسن افزا مخدوم علی ہجویری
ہر سالک حق کی تم بھر دیتے ہو جھولی کو
سائل جو کوئی آیا مخدوم علی ہجویری
یہ حلقہ ذکر اللہ ہم قادریوں کا بھی
طالب ہے دعاؤں کا مخدوم علی ہجویری
اس قادری علمی اور سب اس کے محبوں پر
ہو لطف و کرم داتا مخدوم علی ہجویری

Marfat.com

مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی

(ولادت ۱۳۲۴ھ - ۱۹۳۴ء)

استاذ العلماء الحاج حکیم مولانا ابو سعید غلام مصطفیٰ قاسمی کی ہمہ جہت شخصیت علمی تحقیقی و ادبی اعتبار سے بین الاقوامی شہرت کی حامل ہے ۔ وہ عصر حاضر میں سندھ کے ان چند علمائے عظام اور صوفیائے کرام میں سے ہیں جن کے دم سے علم و عرفان تہذیب و معاشرت اور تاریخ و ثقافت کا اعتبار باقی ہے ۔ مولانا قاسمی ، مولانا عبیداللہ سندھی جیسے امام وقت اور مجاہد اسلام کے نامور تلمیذ ارشد ، فیض یافتہ اور رفیق خاص رہ چکے ہیں ۔ مولانا قاسمی نے پاکستان میں معارف و تعلیمات ولی اللہی اور افکار عبید اللہی کے تعارف اور اشاعت کے سلسلے میں جو گراں قدر خدمات انجام دی ہیں ان میں ان کا کوئی ثانی نہیں ۔ ان کی سربراہی میں شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد کے زیراہتمام معارف ولی اللہی کی ترویج و اشاعت کا کام پوری رفتار سے جاری ہے ۔

مولانا ابو سعید غلام مصطفیٰ قاسمی کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے بیک وقت گوناں گوں اعزازات و مقامات کے ساتھ ساتھ معاشرے میں جو بلند و برتر مرتبہ عطا کیا ہے وہ اہل سندھ کے لیے بلا شبہ باعث ناز و افتخار ہے ۔ عملی زندگی میں مولانا کی موجودہ سوشل پوزشن یہ ہے کہ وہ پاکستان کے ایک اہم علمی و تحقیقی ادارے شاہ ولی اللہ اکیڈیمی کے ڈائرکٹر ، اس ادارے کی مطبوعات کے نگران اور ماہنامہ الرحیم سندھی، ماہنامہ الولی (اردو) کے مدیر اعلیٰ ہیں ۔ مولانا کو نہ صرف سندھ یونیورسٹی سینٹ ، اکیڈمک کونسل اور بورڈ آف انسٹی ٹیوٹ آف سندھیالوجی کی رکنیت حاصل رہی ہے بلکہ اس یونیورسٹی کے کئی شعبوں سندھی ، اردو، اسلامیات کے اعزازی پروفیسر اور پی ۔ ایچ ۔ ڈی کے نگران

Marfat.com

بھی ہیں ۔ مولانا کو سندھی ادبی بورڈ کی چیئرمین شپ کا اعزاز بھی بھی حاصل ہے ۔

مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی کا تعلق ضلع لاڑکانہ کے ایک ایسے معزز و معتبر خانوادے سے ہے جس کی دینی و روحانی خدمات سے ایک مخلوق فیضیاب ہو چکی ہے ۔ ان کی والدہ مکرمہ بڑی متقی و پرہیزگار خاتون تھیں ۔ ان کے والد مکرم حافظ مولوی محمود قادری طریقت کے ایک برگزیدہ بزرگ تھے ۔ استاذ العلماء مولانا غلام صدیق شہداد کوٹی کی خدمت میں رہ کر قرآن مجید حفظ کیا اور ساتھ ہی قادری طریقت میں خرقہ خلافت بھی حاصل کیا ۔ حافظ محمود نے اپنے گوٹھ (گاؤں) میں مدرسہ تحفیظ القرآن قائم کیا ۔ اس مدرسے نے نہ صرف گوٹھ میں بلکہ لاڑکانہ کے مختلف علاقوں اور قصبوں میں کتنے ہی حافظ قرآن پیدا کیے ۔ مولوی حافظ محمود نے ١٩ رابیع الاول ١٣٣٨ھ مطابق ٣ دسمبر ١٩١٩ء کو وفات پائی[1]

مولانا قاسمی کے خسر مولانا محمد مدنی[2] (المتوفی ١٣٩٩ھ - ١٩٧٩ء) بڑے پائے کے عالم گزرے ہیں ۔ موصوف مولانا عبیداللہ سندھی کے فیض یافتگان اور رفقائے کار میں سے تھے ۔ سالہا سال حرم مکہ میں قرآن و حدیث کا درس دیتے رہے اور اپنے استاد علامہ سندھی کے حکم سے سندھ آ کر سندھ مدرسۃ الاسلام کراچی میں عربی اور اسلامیات کے استاد بنے ۔ مولانا مدنی نے قرآن مجید کا سندھی میں مکمل ترجمہ کیا اور بہت اچھی تفسیر لکھی ہے ۔ اس کے علاوہ بھی ان کی متعدد گراں قدر تصانیف ہیں جو دنیائے علم و فضل کے لیے مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہیں ۔

مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی کی ولادت باسعادت رئیس جو گوٹھ (ضلع لاڑکانہ) میں ٢٤ جون ١٩٢٤ء کو ہوئی ۔ انھوں نے دینی و روحانی

١ - مضمون بعنوان "استاذ العلماء مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی مدظلہ سان (سے) ملاقات" از عبدالوهاب جاچڑھ ، مطبوعہ ماہنامہ شریعت (سندھی) سکھر بابت اپریل ٧٩ء ص ٥ - ١٦ -

٢ - مقالہ دارالعلوم کی تفسیری خدمات از مولانا حکیم انیس احمد صدیقی مطبوعہ ماہنامہ الرشید لاہور، دیوبند نمبر، ص ٦١ مارچ ١٩٧٦ء -

Marfat.com

ماحول میں پرورش پائی ۔ عربی و فارسی کی ابتدائی تعلیم حضرت علامہ خوش محمد کے مدرسہ میرو خان ضلع لاڑکانہ میں پائی ۔ بقول مولانا قاسمی "علامہ خوش محمد[1] سندھ کے ایک بہت بڑے عالم دین ، شمالی سندھ اور بلوچستان کے اکثر علماء کے استاد تھے ۔ تقریر ، تحریر اور تدریس میں آپ کا کوئی ثانی نہ تھا ۔ فقہی تحریر میں بھی بے نظیر تھے ۔ سلوک میں حضرت مولانا امروٹی سے مجاز تھے اور اخیر عمر تک برابر تدریس کا شغل جاری رہا" (شذرات الولی اکتوبر نومبر ٧٦ء ص ٢) ۔

مولانا قاسمی نے مولانا خوش محمد سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد دارالعلوم کور سلیمان[2] تحصیل قنبر لاڑکانہ میں علامہ عبدالکریم سے علم حدیث ، درس نظامیہ کے علاوہ طبی درس بھی لیے ۔ مولانا کورائی ، علامہ فضل حق خیرآبادی کے ایک واسطہ سے شاگرد تھے ۔ وہاں سے مولانا

---

١ ۔ علامہ خوش محمد کا سن ولادت ١٣٠٢ء بمقام میرو خان ضلع لاڑکانہ ہے ۔ فارسی کی تعلیم میرو خان میں میاں نیک محمد تونیہ سے حاصل کی ۔ یہ وہ مدرسہ ہے جہاں ہزاروں شاگردوں نے اپنی علمی پیاس بجھائی۔ علامہ خوش محمد کے نامور شاگردوں میں مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی کے علاوہ مولانا خلیفہ عبدالعزیز بھاونڈوی ، مولانا حافظ محمد بخش ، مولانا شاہ محمد بکڑو ، مولانا عبداللہ چانڈیو ، مولانا عبدالکریم قریشی لاڑکانہ اور مولانا محمد نواز وغیرہ نے علوم عربیہ میں ممتاز مقام حاصل کیا ۔
(ماخوذ اور شذرات الولی اکتوبر نومبر ١٩٧٦ء)

٢ ۔ دارالعلوم کور سلیمان کے بانی پیر تراب علی شاہ پابند شریعت بزرگ تھے ۔ قومی و تعلیمی خدمات میں اپنی مثال آپ تھے ۔ تحریک خلافت کے سرگرم رکن تھے ۔ عہد برطانیہ میں مسلمانان سندھ نے انگریزوں کے خلاف ترکوں کی حمایت و مدد کی خاطر عطیات کی جو رقم جمع کی تھی اسے انگریزوں نے ترکی میں بھیجنے کی اجازت نہ دی ۔ لہذا قوم کی اس امانت کو قومی مقصد کے لیے وقف کر دیا گیا یعنی یہ رقم دارالعلوم کور سلیمان کی تعمیر و ترقی کے لیے صرف کی گئی ۔

Marfat.com

قاسمی دیوبند تشریف لے گئے ۔ وہاں مولانا حسین احمد مدنی[1] جیسے یکتائے روزگار مستند عالم دین کی خدمت میں رہ کر درس حدیث کی تکمیل کی ۔ ۱۹۳٦ء میں دارالعلوم دیوبند[2] سے "فاضل دیوبند" کی سند حاصل کی۔ دین اور تصوف کا رجحان بچپن سے تھا ۔ دارالعلوم کے ایام طالب علمی میں مولانا حسین احمد مدنی کے دست شفقت پر بیعت کی ۔

---

۱ ۔ **مولانا حسین احمد مدنی :** متحدہ ہندوستان کے ممتاز علمائے کرام میں سے تھے ۔ قومی تحریک میں ان کی بے مثال خدمات کو مسلمانان ہند کی تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی "جمعیت العلمائے ہند" برطانوی استعمار کے خلاف ایک زبردست سیاسی قوت تھی ۔ مولانا حسین احمد مدنی اسی ہندوستان گیر جماعت کے سربراہ تھے ۔ جماعت مذکورہ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ مولانا احمد سعید ، مفتی کفایت اللہ ، مولانا محمد میاں اور مولانا حفظ الرحمان جیسے صف اول کے علمائے کرام اور ارباب سیاست جمعیت العلمائے ہند کے اراکین تھے ۔

۲ ۔ **دارالعلوم دیوبند :** ضلع سہارنپور یو پی (بھارت) میں ۱۸۵۷ء (جنگ آزادی) میں شاہ ولی اللہ تحریک کی شکل میں عالم وجود میں آیا ۔ اس تحریک کے اکابر مولانا مملوک علی ، حاجی امداد اللہ مہاجر مکی ، مولانا شیخ محمد تھانوی ، مولانا ذوالفقار علی دیوبندی کے علاوہ مولانا قاسم نانوتوی ، مولانا رشید احمد گنگوہی ، شیخ الہند مولانا محمود حسن ، مولانا اشرف علی تھانوی وغیرہ تمام علماء نے اردو زبان کو درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا ذریعہ بنایا اور آج ان علمائے کرام کی تصانیف اردو زبان کے لیے سرمایہ افتخار ہیں ۔

دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل علماء درس و تدریس ، تصنیف و تالیف ، صحافت و سیاست ہر میدان میں اپنے اپنے طور پر خدمات انجام دے رہے ہیں ۔ شمس العلماء مولانا ممتاز علی (بانی دارالاشاعت لاہور) شمس العلماء مولانا تاجور نجیب آبادی (ادیب

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

Marfat.com

۱۹۳۹ء میں دہلی کے دوران قیام پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل اور ادیب فاضل کی ڈگریاں لیں۔ دہلی میں مولانا عبیداللہ سندھی کی صحبتوں میں رہے اور ان سے تفسیر قرآن اور حجۃاللہ البالغہ بالتفصیل پڑھی۔

۱۹۳۹ء میں ہی مدرسہ طبیہ دہلی سے فاضل طب کی سند حاصل کی۔ حکیم اجمل خان کے استاد اور مولانا رشید احمد گنگوہی کے خلیفہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

شہیر) مولانا شائق احمد عثمانی (مدیر عصر جدید کلکتہ) مولوی مظہرالدین شیرکوٹی (مدیر وحدت والایمان)، مولوی محمد حسن (مالک مدینہ بجنور) وغیرہ حضرات دارالعلوم دیوبندہی کے فرزند ہیں۔ فارغ التحصیل علماء میں میاں اصغر حسین، مولانا انور شاہ کاشمیری مفتی حبیب الرحمٰن، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا عاشق الٰہی میرٹھی، مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا محمد ادریس کاندھلوی، قاری محمد طیب، مولانا بدر عالم میرٹھی، مولانا حسین علی، مولانا غلام اللہ خان، مفتی محمد شفیع اور سید محبوب رضوی کی علمی و ادبی خدمات اور تصانیف کا حد و شمار بہت مشکل ہے۔ حال میں دارالعلوم کا ایک نیا شعبہ مجلس معارف القرآن قائم ہوا ہے۔

مولانا عبید اللہ سندھی بھی دارالعلوم دیوبند کے نامور فرزند تھے جنھوں نے علوم و افکار ولی اللہی کی تبلیغ و شرح اور تعارف و اشاعت میں سب سے زیادہ حصہ لیا ہے۔ بیت الحکمت اور شاہ ولی اللہ اکیڈیمی نے مولانا عبیداللہ سندھی کے علوم و افکار کی نشر و اشاعت کی ہے۔ اب مولانا عبیداللہ کے لائق و فائق شاگرد و جانشیں اور شاہ ولی اللہ اکیڈیمی کے ڈائریکٹر مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی معارف ولی اللہی اور افکار عبیداللہ کی شرح و تبلیغ اور نشر و اشاعت میں پیش پیش ہیں۔

(اس نوٹ کے بعض حصے پروفیسر محمد ایوب قادری کے مقالہ ''اردو میں مذہبی ادب'' مطبوعہ سہ ماہی اردو نامہ دسمبر ۱۹۷۵ء، ص ۵۲ - ۵۳ سے ماخوذ ہیں)۔

Marfat.com

حکیم جمیل الدین مدرسہ طبیہ میں مولانا قاسمی کے استاد تھے ۔ مولانا نے کچھ عرصہ تک حکیم ظفر خان برادر زادہ حکیم اجمل خان کے مطب بمقام دہلی میں پریکٹس بھی کی ۔

۱۹۴۲ء میں مولانا قاسمی دہلی سے سرزمین سندھ واپس آئے ۔ انھیں دنوں مدرسہ دارالسعادات موضع گورو پھوڑ تحصیل شکار پور ضلع سکھر کا قیام عمل میں آیا ۔ مولانا اس مدرسے میں شیخ الحدیث (صدر معلم) کے عہدہ جلیلہ پر فائز ہوئے ۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تعلیمات ، افکار اور فلسفہ و حکمت کی تعارف و ترقی اور تبلیغ و اشاعت کی غرض سے مولانا سندھی نے ۱۹۴۰ء میں دہلی میں بیت الحکمت' کی داغ بیل ڈالی تھی ۔ بیت الحکمت ایک ادارہ ہی نہیں ایک ہمہ گیر و ہندوستان گیر تحریک تھی جس کی شاخیں برصغیر پاک و ہند کے بیشتر اہم شہروں اور مقامات میں پھیلی ہوئی تھیں مثلاً لاہور ، کراچی ، شہداد کوٹ (ضلع لاڑکانہ) اور بہاولپور وغیرہ ۔ دہلی میں ان کا صدر دفتر تھا ۔

مولانا عبیداللہ سندھی بیت الحکمت کی کارکردگی کا جائزہ لینے اور اس کے آئندہ عملی پروگرام کو زیادہ جاندار اور موثر بنانے کی خاطر سندھ تشریف لائے ۔ دارالرشاد پیر جھنڈو میں مولانا قاسمی نے مولانا سندھی کی صحبتوں سے مزید فیض حاصل کیا ۔ مولانا قاسمی مولانا سندھی کے بڑے مستعد و ذہین اور لائق شاگرد سمجھے جاتے تھے اس لیے مولانا سندھی انھیں ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے ۔ استاد معظم کی شفقت و رہنمائی سے مولانا قاسمی کو اپنی معلومات اور تجربات کو وسیع تر کرنے کا موقع ملا ۔

اسی زمانے میں بیت الحکمت لاڑکانہ کی ایک شاخ ۴ اگست ۱۹۴۴ء میں محمد بن قاسم ولی اللہ تھیالوجیکل کالج میں اور بعد میں دوسری شاخ ضلع لاڑکانہ گوٹھ پیر بخش میں قائم ہوئی ۔ مولانا عبیداللہ سندھی نے اپنے آخری خطبے مورخہ ۱۲ شعبان ۱۳۶۳ھ میں جمعیت الطلباء سندھ سے

---

۱ ۔ قیام بیت الحکمت کی مختصر روداد تذکرہ مولانا عبید اللہ سندھی کے حاشیے میں موجود ہے ۔

Marfat.com

خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا : ''محمد قاسم ولی اللہ تھیالوجیکل اسکول شہداد نگر (ضلع لاڑکانہ) میں مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی اور اس کے رفیق خاص عزیز اللہ کی ہمت سے کھولا جاتا ہے'' (خطبات عبیداللہ ، ص ۱۷۴) -

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ مولانا قاسمی بیت الحکمت کراچی کی شاخ مدرسہ مظہرالعلوم کھڈہ کے سکریٹری بھی رہ چکے ہیں -

الحاج مولانا قاسمی ۱۹۶۳ء میں حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے - ہندوستان کے علاوہ مشرق وسطیٰ کے مختلف مقامات مثلاً سعودی عربیہ ، بیت المقدس ، اردن ، شام ، لبنان اور عراق وغیرہ کی سیر و سیاحت بھی کر چکے ہیں - جہاں کہیں تشریف لے گئے وہاں کے آثار و نوادر سے اپنی معلومات اور مشاہدات میں اضافہ کیا - علمی و اہم شخصیات سے ملاقاتیں کیں ، اہم کتب خانوں سے استفادہ کیا - حال ہی میں روس کا بھی دورہ کر چکے ہیں -

قیام پاکستان کے بعد کچھ عرصہ سندھ مسلم کالج کراچی میں شعبہ سندھی و اسلامیات کے پروفیسر بھی رہے - ۱۹۶۳ء سے شاہ ولی اللہ اکیڈیمی[1] کے ریسرچ پروفیسر اور بعد میں ڈائرکٹر کے عہدہ جلیلہ پر فائز ہیں - پاکستان میں یہ واحد ادارہ ہے جس کے تحت امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے علوم و افکار اور نظریات و تعلیمات کی تشریح و تفسیر اور توسیع و اشاعت کے لیے وقف ہے - اس ادارے کی جانب سے

---

۱ - **شاہ ولی اللہ اکیڈیمی :**
مولانا عبیداللہ سندھی نے دہلی میں ۱۶ شوال ۱۳۵۹ھ کو جامعہ ملیہ کا ایک شعبہ بیت الحکمت کے نام سے قائم کیا تھا بعد میں بیت الحکمت نے شاہ ولی اللہ اکیڈیمی کی شکل اختیار کر لی - آج اکیڈیمی برصغیر کا ایک ایسا اہم تاریخی ادارہ ہے جو قرآن و حدیث ، فقہ و تاریخ کی روشنی میں اسلامی نظریات و تحریکات کی فروغ و اشاعت میں نمایاں کردار ادا کر رہا ہے -

Marfat.com

پہلے اردو میں ماہنامہ ''الرحیم'' شائع ہوتا تھا جو جون ۱۹۶۳ء سے ۱۹۶۸ء تک جاری رہا۔ نومبر ۱۹۶۴ء تک محمد سرور جامی (شاگرد عبیداللہ سندھی) الرحیم کے ایڈیٹر رہے۔ ان کے بعد سے اب تک مولانا قاسمی ''الرحیم'' کے مدیر ہیں۔ ۱۹۶۹ء سے ''الرحیم'' اردو کے بجائے سندھی میں نکلتا ہے۔ ۱۹۷۱ء سے اردو میں ایک ماہنامہ ''الولی'' کے نام سے شائع ہونا شروع ہوا۔ مولانا قاسمی ''الرحیم'' (سندھی) اور ''الولی'' (اردو) دونوں کے مدیر اعلیٰ ہیں۔ ''الرحیم'' سندھی کے مشاہیر سندھ نمبر (۱۹۶۷ء) اور ''مولانا عبیداللہ سندھی نمبر''، بڑے معرکے کے خاص نمبر ہیں اور اہل تحقیق و تاریخ کے لیے بے حد کارآمد ہیں۔ معارف و افکار ولی اللہی کو انگریزی دان طبقے میں روشناس کرانے کی غرض سے ''الحکمہ'' کے نام سے اکیڈیمی نے انگریزی میں تین خصوصی نمبر بھی شائع کیے ہیں۔

علاوہ ازیں معارف ولی اللہی کے عربی، سندھی، اردو اور انگریزی میں متعدد کتابیں بھی شائع ہو چکی ہیں اور برابر ہو رہی ہیں۔ یہ تمام علمی و تحقیقی کام برسوں سے مولانا قاسمی کی زیر نگرانی سرانجام دے رہا ہے۔ مولانا قاسمی کا یہ کمال ہے کہ وہ شاہ ولی اللہ اکیڈیمی کے انتظامی امور اور 'الرحیم' و''الولی'' کی ادارت کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف ترتیب و تدوین کے کاموں میں بھی نہایت مستعدی و انہاک سے شب و روز مصروف رہتے ہیں۔ راقم نے انھیں علالت کی حالت میں بھی بے انتہا کام کرتے دیکھا ہے۔ اس وقت اکیڈیمی کی جانب سے شائع کی ہوئی زیادہ ترکتابیں خود مولانا قاسمی ہی کی ایڈٹ کی ہوئی ہیں جن کی تفصیلات آگے پیش کی جائیں گی۔ سچ تو یہ ہے کہ مولانا عبیداللہ سندھی کے کے بعد شاہ ولی اللہ کے فلسفہ و حکمت اور خیالات و نظریات پر جتنی گہری نظر اور قرآن و حدیث، فلسفہ و تاریخ کا جتنا وسیع مطالعہ مولانا قاسمی کا ہے اس کا صحیح اندازہ کرنا بہت مشکل ہے۔ مولانا محترم بلا شبہ معارف ولی اللہی پر اتھارٹی (Authority) ہیں۔ انہوں نے اپنے استاد معظم مولانا سندھی کی تحقیق و تعلیقات اور تصانیف و نگارشات کی ترتیب و تہذیب اور نشر و اشاعت میں نمایاں کارنامہ انجام دیا ہے اور فرد مثلث (ولی، عبید، قاسمی) کا حق ادا کر دیا ہے۔

Marfat.com

پروفیسر مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی کو عربی ، فارسی اور اردو پر کامل عبور حاصل ہے بلکہ ان تمام زبانوں کے علوم و ادبیات پر استاد کل کی حیثیت رکھتے ہیں ۔ انگریزی زبان و ادب سے بھی بخوبی واقف ہیں ۔ مولانا کے بے شمار مضامین عربی ، فارسی اور اردو میں برصغیر کے معیاری علمی و دینی رسائل میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ماہنامہ ''الرحیم'' (اردو، سندھی) اور ''الولی'' (اردو) کے مضامین اور شذرات مولانا کی علمی بصیرت اور تحقیقی وسعت کے مظہر ہیں جو تاریخ ''ادب'' ثقافت اور تحقیق کا گنجینہ گران مایہ ہیں ۔

مولانا نے متعدد کتابیں تصنیف کی ہیں ۔ اکثر کتابیں ان کی تالیف ہیں ۔ قدیم مخطوطات کی تصحیح ، تشریح ، حواشی اور مقدمات مولانا کی غیر معمولی ذہانت ، انتھک محنت و عرق ریزی ، وسیع مطالعہ اور دیدہ وری کے شاہد ہیں ۔

ترجمہ ایک فن ہے اس فن میں وہی اہل قلم جوہر دکھا سکتے ہیں جو بیک وقت دونوں زبانوں پر ید طولیٰ رکھتے ہوں ۔ تصانیف کا اصل متن عربی میں ہو یا فارسی میں سندھی میں ہو یا اردو میں مولانا ترجمہ کرتے وقت عالمانہ و ماہرانہ انداز اختیار کرتے ہیں ۔ زبان رواں دواں، بیان برجستہ و شستہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے قارئین کو ترجمے کے مطالعہ کے دوران اصل کا گمان ہوتا ہے ۔ یہی مولانا کا کمال ہے ۔ ان کے اکثر و بیشتر تراجم کتابی شکل میں شائع ہو چکے ہیں ۔ بعض ''الولی'' اور ''الرحیم'' (سندھی) میں قسط وار شائع ہوتے رہتے ہیں ۔ انہوں نے قرآن حکیم کے سندھی تراجم اور تفاسیر پر ایک بڑا مقالہ لکھا جو ماہنامہ نئی زندگی کراچی میں بالاقساط چھپ چکا ہے ۔ اس مقالہ کو ڈاکٹر پروفیسر این میری شمل نے انگریزی میں منتقل کیا ہے ۔ اس طرح قاسمی صاحب کی نگارشات کا تعارف اہل انگریزی اور یورپ تک ہو چکا ہے ۔ مقالہ سندھیالوجی سندھ یونیورسٹی کی جانب سے کتابی شکل میں بھی منظر عام پر آ چکا ہے ۔

اب ہم مولانا پروفیسر غلام مصطفیٰ کی چند تصنیفات و تالیفات کا ذکر کرتے ہیں جن سے ان کے تبحر علمی ، اعلیٰ معیار تحقیق و تدقیق اور حسن ترتیب و تہذیب کا اندازہ کیا جا سکتا ہے ۔

Marfat.com

(ترتیب ، مقدمہ ، حواشی)

عربی :

(۱) المتانة فی مرحة الخزانة از مخدوم جعفر ابوبکانی - یہ برصغیر کی پہلی اسلامی کتاب ہے۔ یہ کتاب ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے ۱۱۸ صفحات مولانا کے مقدمہ اور حواشی پر محیط ہیں - ۱۹۶۲ء میں سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد نے شائع کیا ہے -

(۲) مختصر قدوری ، مصنف علامہ احمد قدوری (جو چوتھی صدی ہجری میں گزرے ہیں) - کارخانہ تجارت کراچی نے طبع کیا ہے -

(۳) الہام الرحمٰن : (دو جلدیں) تفسیر مولانا عبیداللہ سندھی - ناشر الحکمت کراچی -

(۴) تمدن عرب : تفسیر سورہ سبا از مولانا عبیداللہ سندھی ، بیت الحکمت شاخ گوٹھ شریف پیر بخش بھٹو ضلع لاڑکانہ -

(۵) منطق مفید طلباء : تصنیف مولانا قاسمی ، مطبع عزیزیہ دیوبند -

(۶) خلاصة القرآن : تفسیر مولانا عبیداللہ سندھی مطبوعہ بیت الحکمت کراچی -

(۷) لمحات : مصنفہ شاہ ولی اللہ ، مطبوعہ شاہ ولی اللہ اکیڈیمی حیدرآباد -

(۸) تاویل الاحادیث : مصنفہ شاہ ولی‌اللہ ، مطبوعہ ،، ،،

(۹) تفہیم الالہیہ : (دو جلدیں) از ولی‌اللہ ،، ،، ،،

(۱۰) ابناء الانباء : ،، ،، ،،

(۱۱) اسعان النظر : ،، ،، ،،

فارسی :

(۱) سطعات از شاہ ولی‌اللہ مطبوعہ شاہ ولی اللہ اکیڈیمی

(۲) لمعات ،، ،، ،،

Marfat.com

سندھی :

(۱) شاہ جو رسالو (دو جلدیں) از شاہ عبداللطیف بھٹائی ، بشیر اینڈ سنز کراچی ۱۹۵۲ء -

(۲) قرآن شریف مع تفسیر مولانا محمد ولی مدنی (ترجمہ) مولانا قاسمی ۱۹۵۳ء -

(۳) الہام الرحمٰن ، تفسیر مولانا عبیداللہ سندھی ترجمہ مولانا قاسمی بیت الحکمت کراچی ۱۹۶۰ء -

(۴) تفسیر فتح الرحمٰن (فارسی) از شاہ ولی اللہ - ترجمہ مولانا قاسمی ناشر مولانا محمد مدنی کراچی -

اردو :

(۱) الخیر الکثیر : تالیف شاہ ولی اللہ ، اصل متن کا املا و ترجمہ از مولانا عبیداللہ سندھی تحقیق و مقدمہ مولانا قاسمی مطبوعہ شاہ ولی اللہ اکیڈیمی ، ۱۹۷۷ء -

(۲) قصص الانبیاء اور ان کی حکمت ، مولانا قاسمی نے اس نام سے شاہ ولی اللہ کی تصنیف تاویل الاحادیث کا اردو ترجمہ کیا ہے - مطبوعہ شاہ ولی اللہ اکیڈیمی ، حیدرآباد -

(۳) سماجی انصاف اور اجتماعیت شاہ ولی اللہ کی نظر میں - مطبوعہ شاہ ولی اللہ اکیڈیمی حیدرآباد ، ۱۹۷۳ء -

''سماجی انصاف اور اجتماعیت'' مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی کی تازہ ترین تصنیف ہے - مولانا نے اپنی اس کتاب میں قرآن و حدیث کی روشنی میں شاہ ولی اللہ کی فلسفہ و حکمت کے بعض گوشوں کو جدید سائینٹیفک انداز میں تحریر کیا ہے - یہ کتاب اپنی افادیت کے اعتبار سے اہم اور لائق مطالعہ ہے - اس کتاب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں مولانا کے اپنے خیالات و نظریات کے ساتھ ساتھ مخصوص طرز تحریر بھی آشکارا ہے ذیل میں اس کتاب کے چند اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں :

Marfat.com

نمونہ نثر

''شاہ صاحب (شاہ ولی اللہ) کے اصلاحی اور انقلابی پروگرام کا اہم اصول اقتصادیات میں توازن اور معاشیات میں مساوات کا واضح کرنا تھا۔ شاہ صاحب کے نزدیک انسانوں کا اجتماعی زندگی کے لیے اقتصادی توازن ایک ضروری امر ہے اور ہر انسانی جماعت کو ایسے اقتصادی نظام کی ضرورت ہے جو اس کی ضروریات زندگی کا کفیل ہو جب لوگوں کو اپنی معاشی ضرورتوں سے فراغت نصیب ہوتی ہے تو پھر وہ اپنے خالی وقت میں جو کسب معاش کے بعد بچ جاتا ہے زندگی کے ان شعبوں کی ترقی اور تہذیب کی طرف متوجہ ہو سکتے ہیں جو انسانیت کا اصل جوہر ہیں لیکن ان کی اقتصادی ضروریات بھی فراہم نہ ہوں اور ان کی وجہ سے انسان کی جد و جہد اس کی حیوانی ضرورتوں تک محدود ہو جائے تو انسانیت کے اعلیٰ مقامات کا کسے ہوش رہے گا۔ اقتصادی نظام کے درست اور متوازن ہونے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حیات دنیاوی میں انسانیت کے اجتماعی اخلاق تکمیل پذیر ہوتے ہیں ------

سیاسی قوت اجتماعی قوت سے پیدا ہوتی ہے اور معاشرتی طاقت کا مدار کسی نہ کسی فلسفہ پر ہوتا ہے جس معاشرے کا فلسفہ اعلیٰ ہو گا اس کی ذہنی قوتیں اس اعلیٰ فلسفہ کی بدولت کبھی نہ کبھی درجہ کمال تک پہنچ جائیں گی اور اس کی معاشرتی اور اقتصادی طاقت بھی اچھی ہو گی کیونکہ ذہنی قوتوں کا اثر معاشرت اور اقتصادیات پر پڑتا ہے اگر سماجی حالت (جو کہ ذہنی قوتوں کی پیداوار ہے) اچھی ہو گی تو اس سے جو سیاسی قوت پیدا ہو گی وہ بھی اچھی کہلائے گی۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ معاشیات کے متعلق شاہ صاحب کے بتائے ہوئے اصولوں کی بنیاد قرآن حکیم کی حکیمانہ تعلیم اور اس کی عملی شکل پیغمبر علیہ السلام کی سنت پر ہے اس لیے فلسفہ ولی اللہی میں معاشی ضروریات اور مذہب و اخلاق کے متصادم ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ شاہ صاحب نے اسلام کی تعبیر دو لفظوں ''اثراب'' اور ''ارتفاق'' سے فرمائی ہے۔ خدا پرستی اور انسان دوستی کو انسانیت کی بنیاد قرار دیا ہے۔ انسان

Marfat.com

دوستی کی صحیح تعبیر مال و دولت کی مساویانہ تقسیم ہے تاکہ یہ نہ ہو کہ معاشرہ میں ایک تو عظیم سرمایہ دار بن جائے اور دوسرے کو کھانے کے لیے روٹی اور اوڑھنے کے لیے کپڑا بھی میسر نہ ہو۔

فاشستی نظام میں سارا زور فرد کی انفرادیت و صلاحیت اور ذاتی ملکیت پر دیا جاتا ہے۔ اس سے اجتماعی اور تمدنی زندگی میں معاشی فلاح اور خوشحالی کا ہونا ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شاہ صاحب فرد کے مقابلہ میں اجتماعیت پر زور دیتے ہیں۔ شاہ صاحب کے فلسفہ میں جملہ کائنات فی الحقیقتہ ایک وحدت ہے جس کا نام ان کے فلسفہ میں ''شخص اکبر'' ہے۔

(سماجی انصاف اور اجتماعیت از مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی، ص ۱۲ - ۱۵)۔

Marfat.com

حافظ پیر سید بدیع الدین شاہ

(ولادت ۱۳۴۴ھ - ۱۹۲۴ء)

مولانا حاجی حافظ پیر ابی محمد سید بدیع الدین شاہ، حضرت پیر سید رشد اللہ شاہ صاحب العلم سوم کے پوتے، حضرت پیر سید فضل اللہ شاہ صاحب العلم چہارم کے فرزند دوم اور مولانا حافظ پیر محب اللہ شاہ پیر جھنڈو پنجم (حال پیر جھنڈو) کے چھوٹے بھائی ہیں۔

ان کی پیدائش ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۰ جولائی ۱۹۲۴ء کو پیر جھنڈو میں ہوئی۔ انھوں نے اپنے برادر معظم پیر سید محب اللہ شاہ کی طرح علم و شریعت کی فضا میں پروش پائی اور پاکیزہ و اعلیٰ تربیت سے ذہنی و روحانی تقویت حاصل کی۔ چار ماہ کی قلیل مدت میں حافظ قرآن ہونے کی سعادت حاصل ہوئی۔

علوم عربیہ کی تحصیل و تکمیل مدرسہ دالرشاد پیر جھنڈو اور مدرسہ غزنویہ امرتسر سے کی۔ جن اساتذہ سے خصوصی درس لیے ان میں مولانا عبدالحق بہاولپور مہاجر مکی اور مولانا ثناء اللہ امرتسری کے نام فراموش نہیں کیے جا سکتے۔

مولانا بدیع الدین شاہ علوم باطنی و ظاہری دونوں نعمتوں سے مالا مال ہیں۔ ان کی زندگی اشاعت اسلام، خدمت دین اور علم و تصوف کی توسیع و ترویج کے لیے وقف ہے۔ سرورکائنات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ عشق ہے۔ اس عشق سے سرشار ہو کر کئی بار حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔ مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور مشرق وسطیٰ کے دیگر اسلامی ممالک و مقامات کی سیر و زیارت کی۔ انھوں نے مکہ معظمہ میں پہنچ کر وہاں سکونت اختیار کرنے کا ارادہ کیا لیکن ''معمار کعبہ'' کو کچھ اور ہی منظور تھا اس لیے وہ اپنے وطن واپس آ گئے۔

Marfat.com

سادگی ، اعلٰی اخلاق ، منکسر المزاجی ، ہمدردی و محبت اور دین سے رغبت ، راشدی اور پیر جھنڈو گھرانے کا شعار ہے ۔ یہ تمام اوصاف حمیدہ بدیع الدین شاہ میں بھی پوری تازگی و شگفتگی کے ساتھ موجود ہیں ، اس لیے ان کی شخصیت دلآویز ہے اور ہر خاص و عام میں مقبولیت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں ۔

حافظ بدیع الدین شاہ قرآن ، حدیث اور فقہ کے بڑے عالم ہیں ۔ فقہی مسائل پر کئی مضامین اورکتابیں لکھی ہیں ۔ اردو اور سندھی دونوں زبانوں میں کامل قدرت رکھتے ہیں ۔ اپنی تحریروں میں موقع محل کے مطابق قرآنی آیات اور ارشادات نبوی کے حوالے بڑے عالمانہ انداز میں دیتے ہیں ۔ انھیں موضوع کے لحاظ سے عربی و فارسی الفاظ ، محاورات اور تراکیب کا استعمال خوب آتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے مضامین وقیع اور علمیت سے پر ہوتے ہیں ۔ عبارت بوجھل نہیں ہوتی ۔ جو عبارت ہے سلجھی ہوئی ، جو جملے ہیں رواں اور سادہ ۔ ان کی کوئی بات قارئین کے لیے مبہم یا غیر فہم نہیں ہوتی ۔ یہی ان کی تحریر کی خصوصیت ہے ۔

پیر سید بدیع الدین شاہ خطیب بھی ہیں ، مقرر بھی ، مقالہ نگار بھی ہیں ، صاحب تصانیف بھی ۔ ان کی تصانیف میں بعض شائع ہو چکی ہیں اور بعض منتظر اشاعت ہیں ۔ ان کی مطبوعہ کتابوں کی صراحت حسب ذیل ہے:

(۱) زیادۃ الخشوع ۔

(۲) الدلیل التام علٰی ان سنۃ المصلے الوضع کلما قام ۔

(۳) الاعلام بہ جواب رفع الابہام و تائید الدلیل التام ۔

''ارسال الیدین'' فقہ کا ایک ایسا مسئلہ ہے جس کے بارے میں مختلف جماعتوں میں اختلاف پایا جاتا ہے ۔ بعض کے نزدیک رکوع کے بعد قیام میں ہاتھ باندھنا درست ہے اور بعض کے نزدیک درست نہیں ہے ۔

اس سلسلے میں مولانا حافظ عبداللہ روپڑی مرحوم نے حسب ذیل دو مضامین لکھے جن میں انھوں نے رکوع اور سجدے کے درمیانی وقفے میں ہاتھ باندھنے کو درست قرار دیا ہے ۔

(۱) ارسال الیدین ۔

Marfat.com

(۲) رفع الایہام فی جواب دلیل التام (ہفتہ وار تنظیم اہلحدیث، فروری ۱۹۶۶ء)۔

مولانا بدیع الدین شاہ نے اس مسئلے پر مندرجہ بالا تین رسالے قلم بند کیے۔ شاہ صاحب نے اس مناظرے کے دوران جو تین مضامین لکھے تھے اپنے آخری طویل مضمون ''الاعلام بہ جواب رفع الایہام و تائید الدلیل التام'' میں حدیث کی روشنی میں اپنے موقف کی تائید اور استدلال میں آنحضرت صلعم کے طریقہ نماز کی مثال پیش کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ رکوع کے بعد کھڑے ہونے کے دوران ہاتھ باندھنا سنت رسول ہے۔

بدیع الدین شاہ کی دیگر کتابوں کے نام یہ ہیں، جو غیر مطبوعہ ہیں:

(۱) بدیع الفتاویٰ۔

یہ تقریباً ایک ہزار صفحات کی ایک ضخیم کتاب ہے۔ شاہ صاحب کے اکثر مریدین، عقیدتمند اور دیگر حضرات کسی نہ کسی شرعی مسئلے پر شاہ صاحب سے فتویٰ حاصل کرتے رہتے ہیں۔ شاہ صاحب نے ان کے جواب میں جو فتاویٰ صادر فرمائے ہیں، ''بدیع الفتاویٰ'' انہیں کا مجموعہ ہے۔

(۲) تنقید السدید بر رسالہ اجتہاد و تقلید۔

۳۶۵ صفحات کی یہ کتاب ۱۹۶۵ء میں علامہ محمد ادریس کاندھلوی کے رسالہ موسوم بہ ''اجتہاد و تقلید'' کے جواب میں تحریر کی گئی ہے۔

(۳) خالص توحید -- ضخامت ۲۰۰ صفحات۔

قرآنی آیات اور حدیث نبوی کے حوالوں سے مسئلہ وحدت الوجود کی وضاحت کی گئی ہے اور بعض طبقوں کی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا گیا ہے۔

(۴) نشاط العبد۔

۳۷۲ صفحات پر مشتمل ایک علمی رسالہ ہے جس میں اس مسئلہ کو زیر بحث لایا گیا ہے کہ نماز کے دوران ''ربنا و لک الحمد'' بآواز بلند کس موقع پر کہنا چاہیے۔ اس مسئلہ پر شاہ صاحب نے اپنے نقطہ نظر کی

Marfat.com

صراحت ان الفاظ میں کی ہے - یہ سطور ان کے نمونہ نثر کے طور پر پیش کی جا رہی ہیں -

''اما بعد ! ارباب رکوع و عبادت و اصحاب خشوع و ریاضت کی خدمت بابرکت میں عرض ہے کہ نماز اللہ تعالیٰ کی خالص حمد کا نمونہ ہے - جب بندہ رکوع سے سیدھا ہوتا ہے تو سمع اللہ لمن حمدہ کہتا ہے جس کا مطلب ہے کہ جس بندے نے اپنے رب کی تعریف کی تو وہ اس کی سنتا ہے - یہ جملہ جواب کا مقتضی ہے یعنی اس کے عقب میں جوابی طور پر خدا کی حمد کرنا ضروری ہے کیونکہ اس وقت قبولیت ایزدی منتظر ہوتی ہے - اس لیے جواب میں اللھم ربنا لک الحمد یعنی اے اللہ ہمارے پروردگار تیرے لیے حمد ہے، کہنا شروع ہوا - چونکہ اس ترتیب سے ظاہر ہوا کہ یہ جواب اس جملے کا تابع ہے لہذا جو حکم متبوع کا ہوگا وہی تابع کا ہونا چاہیے ، یعنی اگر متبوع جہراً ہے تو تابع بھی جہراً - اور وہ سرّاً ہے تو یہ سرّاً ہونا چاہیے - جیسا کہ آمین قرأت کی تابع ہے - مگر بایں ہمہ زمانے میں اکثر جگہ پر اس کے خلاف عمل ہو رہا ہے بلکہ دیکھا گیا ہے بعض اہل علم جہراً ربنا و لک الحمد کہنے کو ناپسند کرتے ہیں حتیٰ کہ بعض تو ایسے کہنے والوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں - اگرچہ علماء سے ایسا ہرگز متوقع نہ تھا مگر کیا کیا جائے - نظر اپنی اپنی پسند اپنی اپنی - اس حالت کے مد نظر اس مختصر رسالہ موسوم بہ نشاط العبد بہ جہر ربنا و لک الحمد میں چند احادیث و آثار جمع کیے جاتے ہیں'' -

(نشاط العبد (نسخہ قلمی) ، ص ۱ - ۳)

Marfat.com

پروفیسر حضور احمد سلیم نقشبندی

(ولادت ۱۳۴۴ھ - ۱۹۲۴ء)

پروفیسر حضور احمد سلیم سلسلہ نقشبندیہ کے صاحب سلوک درویش، فارسی کے استاد کامل اور منفرد شاعر و ادیب ہیں۔ نام حضور احمد، تخلص سلیم، ولادت ۱۹۲۴ء میں مہندر گڑھ ضلع نارنول ریاست پٹیالہ (مشرق پنجاب) میں ہوئی۔

حضور احمد سلیم کے دادا عبدالغفور خان اور والد عبدالشکور خان مشائخ طریقت میں سے تھے۔[1]

حضور احمد کی ابتدائی دینی و اسلامی تعلیم اور تربیت ان کے والد ماجد کے زیر نگرانی علمی و دینی فضا میں ہوئی۔ ۱۹۴۲ء میں ریوڑی ہائی اسکول سے میٹرک پاس کیا۔ ۱۹۴۵ء میں منشی فاضل، ۱۹۴۶ء میں ادیب فاضل اور ۱۹۴۸ء میں بی اے کی اسناد پنجاب یونیورسٹی سے حاصل کیں۔ ۱۹۵۱ء میں سندھ یونیورسٹی سے فارسی میں ایم اے کیا۔

میٹرک سے ایم اے تک کے عرصے میں کئی محکموں میں ملازمتیں کیں۔ ۱۹۴۳ء میں محکمہ سنٹرل ایکسائز دہلی سے وابستہ ہوئے، پھر ملازمت کے سلسلے میں مظفرگڑھ اور لاہور میں قیام رہا۔ قیام پاکستان کے بعد اپنے والدین کے پاس حیدرآباد میں سکونت اختیار کی۔ یہاں ایک شبینہ تعلیمی ادارے کی بنیاد رکھی اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ ۱۹۵۱ء میں ایم اے کے بعد اورینٹل کالج میں لکچرار مقرر ہوئے۔

---

۱ - حضور احمد سلیم کے خاندانی حالات و کوائف کے لیے ملاحظہ ہو ''نسب نامہ الف خان بھٹی'' ترتیب و تحقیق حضور احمد سلیم مطبوعہ حیدرآباد سندھ ۱۹۸۰ء۔

Marfat.com

۱۹۵۲ء میں حکومت ایران کی تعلیمی وظیفے کی پیشکش پر فارسی کی اعلیٰ تعلیم کے لیے تہران روانہ ہوئے۔ تہران یونیورسٹی سے فارسی علوم کی تحصیل کی۔ تہران کے دوران قیام ۱۹۵۳ء میں حضور احمد کے پیر و مرشد شیخ طریقت حضرت قلندر شاہ نقشبندی مجددی[1] مکہ معظمہ میں تشریف فرما تھے وہاں مرشد کے ہمراہ فریضہ حج بیت اللہ کی سعادت سے سرفراز ہوئے۔ بقول سلیم:

کھلا یہ راز جو پہنچا دیار اقدس میں
میں ایک حرف تمنا تھا مستجاب ہوا

اس کے بعد مدینہ منورہ، بغداد، عمان، بیت المقدس (مسجد اقصیٰ میں جمعہ کی نماز پڑھی) اور مشرق وسطیٰ کے مختلف مقامات دیکھے۔ دوسری بار ۱۹۷۸ء میں ایران کا سفر کیا۔ دوران قیام، ایران کے تاریخی مقامات اور علمی و ثقافتی مراکز کی سیاحت کی جن میں تہران، نیشا پور، اصفہان، شیراز، ہمدان اور قم وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ وہاں نادر و نایاب کتب فارسی (قدیم و جدید) کا مطالعہ کیا۔ ایران کے مشہور و ممتاز دانشوروں اور مفکروں سے تبادلہ خیالات کے مواقع بھی ملے۔ بغداد میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہ، حضرت غوث الاعظم عبدالقادر جیلانی، کربلائے معلیٰ میں سیدنا حضرت امام حسین کے روضہ ہائے مبارک پر آستاں بوس ہونے کی سعادت حاصل کی۔

۱۹۵۳ء میں ایران کے پہلے سفر سے واپس آئے تو پہلے حیدرآباد سٹی کالج، پھر ملتان گورنمنٹ کالج میں استاد فارسی کی حیثیت سے فرائض انجام دیے۔ ۱۹۵۶ء میں سندھ یونیورسٹی کے شعبہ فارسی سے منسلک ہوئے۔ ۱۹۷۴ء میں ایسوسی ایٹ پروفیسر کے عہدے پر ترقی ملی۔ اب بحیثیت صدر شعبہ فارسی اپنے فرائض منصبی کی انجام دہی میں جس انہاک اور لگن کے ساتھ مصروف ہیں وہ ان کے جذبہ خدمت کا شاہد ہے۔ حضور

۱۔ شاہ صاحب کے حالات اور علمی و روحانی کمالات کے لیے ملاحظہ ہو حیات قلندر شاہ مولفہ حضور احمد سلیم۔

Marfat.com

احمد سلیم کی تعلیم اور تربیت کے بدولت طلباء میں فارسی علم و ادب کا بہت ستھرا ذوق پایا جاتا ہے ۔

۱۹۷۰ء میں لطیف آباد (نواح حیدرآباد) میں خانہ فرہنگ[1] ایران کا قیام عمل میں آیا تو حضور احمد وہاں فارسی کی درس و تدریس کے لیے مقرر ہوئے۔

بتاریخ ۱۱ صفر المظفر ۱۳۷۲ھ مطابق ۳۱ اکتوبر ۱۹۵۲ء بروز جمعہ بمقام کراچی غوث وقت ، رہبر دین حضرت قلندر شاہ نقشبندی کے دست مبارک پر مشرف بہ بیعت[2] ہوئے ۔ پھر ان کے وصال تک ان کی ذات گنجینہ فیض سے روحانی اکتساب کیا ۔ حضور احمد کی اپنے مرشد گرامی سے والہانہ عقیدت و محبت اس شعر سے آشکارا ہے :

ما دامن از بساط جہان بر کشیدہ ایم
رخت خرد بہ کوئے قلندر کشیدہ ایم

پروفیسر حضور احمد سلیم نقشبندی فارسی زبان پر اہل ایران جیسی دسترس رکھتے ہیں ۔ فارسی بڑی روانی سے بولتے اور لکھتے ہیں ۔ فارسی

---

(۱) خانہ فرہنگ کے سربراہ رشید فرزانہ ایران کے ایک مقتدر دانشور اور صاحب قلم ہیں ۔ انھوں نے پاکستان اور ایران کے تاریخی و ادبی روابط کے سلسلہ میں خانہ فرہنگ میں فارسی ادباء و شعراء کو جمع کیا ۔ ادبی نشستیں اور مشاعرے منعقد کیے ۔ ان اجتماعات اور محفلوں میں فارسی کے جو مقالات اور اشعار پڑھے گئے ، تقریریں ہوئیں ان سب کی روداد کے ساتھ سائیکلو اسٹائل کے ذریعہ اشاعت کی ۔ حیدرآباد کے جن اکابر فارسی نے ان اجتماعات اور مجالس میں شرکت کی اور جن کے مضامین نظم و نثر خانہ فرہنگ کے ریکارڈ میں محفوظ ہیں ۔ (راقم نے یہ ریکارڈ خود دیکھے ہیں) ۔ ان میں ڈاکٹر نبی بخش بلوچ ، مولانا دین محمد ادیب ، ڈاکٹر شیخ ابراہیم خلیل اور پروفیسر حضور احمد سلیم کی خدمات قابل قدر ہیں ۔

(۲) حاشیہ دیوان حلیم ص ۹ ، مرتبہ حضور احمد سلیم ۔

Marfat.com

میں بے تکان شعر کہنے کا ملکہ بھی حاصل ہے۔ ان کی کئی فارسی غزلیں ایران کے مشہور مجلہ ''ارمغان'' تہران میں اہتمام سے شائع ہو چکی ہیں۔

فارسی سے اردو میں ترجمہ کرنے کی غیر معمولی صلاحیت کے مالک ہیں۔ فارسی کے متعدد افسانوں کو نہایت خوش اسلوبی سے اردو میں منتقل کیا ہے۔

سلیم صاحب نے فارسی شعروں کے اردو میں جس کمال اور فنکارانہ پختگی و شگفتگی کے ساتھ منظوم ترجمے کیے ہیں وہ ان کے اہم کارنامے ہیں۔ اس سلسلے میں اب تک ان کے دو کارنامے ایسے ہیں جن کا اعتراف پاکستان اور ایران میں حکومتوں کی سطح تک کیا گیا ہے۔ یہ کارنامے دراصل پاکستان اور ایران کی تہذیبی و ثقافتی تاریخ کے ضمن میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ ایک ''دو بیتی نامہ بابا طاہر'' کی سو دوبیتیوں کا منظوم اردو ترجمہ (مطبوعہ زیر اہتمام فیروز سنز لاہور) اور دوسرا کارنامہ علامہ اقبال کی ''پیام مشرق'' کا منظوم اردو ترجمہ ہے۔ سلیم صاحب نے ''پیام مشرق'' کا ترجمہ ۱۹۷۷ء میں سال اقبال کی تقریبات پر وزارت تعلیم کی فرمائش پر کیا جسے اقبال اکیڈیمی لاہور (زیر نگرانی ڈاکٹر محمد معزالدین ڈائرکٹر اکیڈیمی) نے نہایت خوبصورت اور جاذب نظر انداز میں شائع کیا ہے۔ سلیم صاحب نے یہ ترجمہ جس بیساختگی، روانی اور قادر الکلامی کے ساتھ پیش کیا ہے اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ پروفیسر صوفی تبسم مرحوم اور فیض احمد فیض نے بھی کلام اقبال کے ترجمے کیے ہیں لیکن حضور احمد سلیم کا یہ ترجمہ منفرد ہے۔

حضور احمد سلیم سخن فہمی و سخن سنجی کا نہایت پاکیزہ اور ستھرا ذوق رکھتے ہیں۔ فارسی شعر و ادب سے فطری لگاؤ کی بناء پر ان کی اردو شاعری کو خوب نکھرنے اور سنورنے کا موقع ملا ہے۔ فارسی کی حلاوت و شیرینی، محبوبانہ لب و لہجہ ان کی اردو زبان میں بھی نمایاں ہے۔ انسانی اقدار اور زندگی کے نرم و نازک احساسات کو جس حسن اور خوش اسلوبی سے اپنے فکر و فن کے دامن میں سمویا ہے وہ ان کے فن کا نقطۂ معراج ہے۔ طبیعت کی فقر و سادگی، مزاج کی نرمی و انکساری کی عکاسی ان کے اردو کلام میں بدرجہ اتم نظر آتی ہے۔ کہیں

Marfat.com

عارفانہ و صوفیانہ رنگ بھی جھلکتا ہے۔ بطور نمونہ چند اشعار نذر قارئین ہیں :

ہر طرف اک خامشی ہے کون دے اس کا جواب
شہر علم و فن میں کس کو بدگماں کس نے کیا

کف خاک تھے کیمیا ہو گئے ہم
رہ عشق میں کیا سے کیا ہو گئے ہم
کون دے گا پتہ غزالوں کا
مٹنے والوں میں نقش پا بھی ہے
ہم نہیں وہ کہ اپنے لب سی لیں
کچھ سنا ہے تو کچھ کہا بھی ہے
آدمی پیکر خطا ہی سہی نہیں
آدمی مظہر خدا بھی ہے
ہم سلیم آفتاب زنداں ہیں
ہم سے حدت بھی ہے ضیا بھی ہے

من میلا ہے تن اُجلا ہے آج کا یہ انسان ہے یارو

کوئی شاکی غم دل کا، کوئی رسوائی کا
حق ادا کس نے کیا تجھ سے شناسائی کا
دل کا ہر زخم دہن بن کے دہائی دے گا
سحر ٹوٹا جو کبھی تیری مسیحائی کا
کوچہ کوچہ ہمہ نکہت ہمہ نغمہ ہمہ رنگ
پوچھنا کیا ہے ترے شہر کی رعنائی کا
وہ بھٹکتا ہی رہا عالم امکاں میں سلیم
جس نے دیکھا نہیں عالم تری یکتائی کا

جو گزرے ہوں دارورسن سے یارو ان کی بات کرو
ورنہ یوں تو آج سبھی ہیں فخر شہر نگاراں لوگ

Marfat.com

درد کی لذت سے ناواقف سوز محبت سے انجان
کیسے کیسے بن جاتے ہیں میر مجلس یاران لوگ

حضور احمد سلیم کی تصانیف فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شائع ہو چکی ہیں۔

فارسی :

(۱) آموزگار فارسی۔

(۲) دو بیتی نامہ بابا طاہر مع منظوم اردو ترجمہ۔

(۳) انتخاب پیام مشرق مع منظوم اردو ترجمہ۔

(۴) فارسی کی درسی کتب۔

۱ ۔ کتاب اول و دوم فارسی۔

۲ ۔ ارمغانِ فارسی۔

۳ ۔ دبستان فارسی۔

۴ ۔ خزینہ دانش وغیرہ۔

اردو :

(۱) دیوان حلیم مع حیات قلندر شاہ، اشاعت سوم ۱۹۷۸ء مکتبہ سعود لطیف آباد۔

(۲) نسب نامہ الف خان بھٹی۔ ۱۹۸۰ء مکتبہ سعود لطیف آباد۔

یہ کتاب حضور احمد سلیم کے اسلاف اور ان کے افراد خاندان کے حالات زندگی اور شجرہ نسب سے متعلق ایک مختصر ڈائرکٹری کی حیثیت رکھتی ہے۔

دیوان حلیم مع حیات قلندر دراصل دو کتابوں کی ایک جلد ہے۔ پہلی جلد میں دیوان حلیم ہے جو حضرت مولانا عبدالحلیم شاہ امروہی کے حالات اور کلام پر مشتمل ہے۔ دوسری جلد سلیم صاحب کے پیر و مرشد حضرت قلندر شاہ نقشبندی مجددی کے حالات زندگی اور روحانی خدمات و کمالات پر محیط ہے۔

Marfat.com

پروفیسر احمد سلیم نقشبندی نے مذکورہ بالا مرقع سیرت و بصیرت کو نہایت عقیدت، جامعیت و معنویت کے ساتھ موضوع سے متعلق تمام اہم پہلوؤں کا احاطہ کیا ہے۔ "حیات قلندر" کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ سلیم صاحب کو اردو نثر نگاری کا خاص سلیقہ فطرت نے ودیعت کیا ہے۔ سادگی، بیساختگی، روانی اور حقیقت بیانی اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت ہے۔ سلیم صاحب کی طرز نگارش سادہ اور بے تکلف الفاظ و عبارات سے عبارت ہے۔ حالات و واقعات کو حقائق و معارف کے آئینے میں پیش کیا گیا ہے۔ ترتیب و تدوین میں دلکشی ہے۔ یہی ان کا اسلوب ہے۔

نمونہ نثر:

"رحمت عالم اس دنیا میں تشریف لائے تو تاریکیوں میں بھٹکنے والے لوگوں کی کایا پلٹ کر ان کو رشد و ہدایت کا مینار بنا دیا۔ صحابہ کرام کی جماعت نے اپنے قول و فعل کو تعلیمات نبوی کے سانچے میں ڈھالا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر انعام و اکرام کے دروازے کھول دیے اور ان کو قابل رشک مقام عطا فرمایا۔ صحابہ کرام کے بعد ان کی اتباع کرنے والے تابعین اور پھر ان کے بعد کے لوگ ہیں جن میں ان کے درجے جدا جدا ہیں لیکن منزل سب کی ایک ہے یعنی رضائے الٰہی کا حصول۔ یہی بندگی انسانیت کی معراج ہے۔ گاڑی میں سوار ہونے والے لوگ مختلف ڈبوں میں سوار ہوتے ہیں سب ایک ہی درجے میں سوار نہیں ہوتے لیکن گاڑی کی منزل ایک ہی ہوتی ہے۔ اسی طرح بندگان خدا کا حال ہے۔

اطاعت و اتباع کا سلسلہ جاری ہے۔ صلحائے امت نے ہمیشہ اپنے افعال و کردار سے شریعت مطہرہ کو زندہ کیا ہے۔ ان کی زندگی تمام لوگوں کے مقابل عمل میں فوقیت کی وجہ سے ارفع ہوتی ہے۔ ان حضرات کی سیرت اور تعلیمات کی اشاعت کا مقصد بھی زندگی کو بندگی کے نصب العین کی طرف لانا ہے تاکہ دارین کی کامیابی اور کامرانی نصیب ہو"۔

(حیات قلندر ص ٦، ٧)

Marfat.com

مخدوم غلام احمد

(ولادت ۱۳۴۹ھ - ۱۹۲۹ء)

مولانا مخدوم غلام احمد ہاشمی ، سندھ کے یکتائے عصر عالم دین یگانہ روزگار معلم اور ماہر تعلیم ، استاذ العلماء الحاج مولانا حافظ مخدوم امیر احمد کے لائق فرزند ہیں ۔ مخدوم غلام احمد کھوڑا (تعلقہ گمبٹ ضلع خیرپور) کے اس خانوادہ مخدوم[1] سے تعلق رکھتے ہیں جس کا سرچشمہ فیض آج بھی وادی مہران میں جاری ہے ۔

مخدوم غلام احمد کا شمار حیدرآباد کی ممتاز علمی و تعلیمی شخصیتوں میں ہوتا ہے وہ اپنے جلیل القدر والد مخدوم امیر احمد کے شاگرد اور رفیق کار رہ چکے ہیں ۔ ان کی زندگی ان کے والد کی طرح اللہ اور اس کے دین کی خدمت اور قوم و معاشرے کی تطہیر و تعمیر کے لیے وقف ہے ۔ درس و تدریس ، تحریر و تقریر اور عبادت و ریاضت ان کا اوڑھنا بچھونا ہے ۔

مخدوم غلام احمد یکم دسمبر ۱۹۲۹ء مطابق ۱۳۴۹ء میں پیدا ہوئے ۔ ابتدائی تعلیم ان کے پدر بزرگوار کی نگرانی اور گھر کے دینی ، شرعی و روحانی ماحول میں ہوئی ۔ نوشہرو فیروز ہائی اسکول نواب شاہ سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد ۱۹۴۶ء میں بمبئی یونیورسٹی سے انگریزی ، سندھی اور عربی میں امتیاز کے ساتھ میٹرک پاس کیا ۔ سندھ یونیورسٹی سے عربی میں بی اے (آنرز) کرنے کے بعد ۱۹۵۰ء

---

۱ ۔ خاندان مخدوم کی مختصر تاریخ اور حالات مخدوم غلام احمد کے والد مکرم حضرت مخدوم امیر احمد کے تذکرے میں بیان کیے جا چکے ہیں ۔

Marfat.com

میں ایل ایل بی، ۱۹۵۷ء میں بی ٹی ، ۱۹۶۱ء ایم اے (عربی) اور ۱۹۶۳ء میں ایم ایڈ کی اعلیٰ اسناد حاصل کیں ۔

۱۹۴۹ء سے ۱۹۵۵ء تک جامعہ عربیہ ہائی اسکول میں اور ۱۹۵۵ء سے ۱۹۷۱ء تک سندھ اوریئنٹل کالج حیدرآباد میں استاد کی حیثیت سے درس و تدریس کے فرائض انجام دیے ۔ دونوں تعلیمی درسگاہوں میں ان کے والد ماجد حضرت مولانا مخدوم امیر احمد پرنسپل تھے۔ ۱۹۷۱ء میں جب سندھ اوریئنٹل کالج کے پرنسپل مخدوم امیر احمد کا انتقال ہوا تو ان کی جگہ ان کے فائق فرزند مخدوم غلام احمد پرنسپل کے عہدے پر مامور ہوئے۔ اکتوبر ۱۹۷۲ء میں جب حکومت وقت نے تمام تعلیمی اداروں کو سرکاری تحویل میں لے لیا تو سندھ اوریئنٹل کالج حیدرآباد کو بند کر دیا گیا ۔ مخدوم غلام احمد کا تبادلہ اسلامیہ ماڈرن نیشنلائزڈ ہائی اسکول حیدرآباد میں بحیثیت ہیڈ ماسٹر ہو گیا ، جب سے اب تک اس عہدہ جلیلہ پر فائز ہیں ۔

مخدوم غلام احمد نے درس و تدریس کے میدان میں جو کمال حاصل کیا ہے، علم و ادب کی دنیا میں جو مقبولیت حاصل کی ہے ، بلاشبہ یہ سب کچھ ان کے اپنے مجموعہ کمالات و جامع الصفات والد بزرگوار کی صحبت و تربیت کا نتیجہ ہے جس کا اظہار وہ فخر سے کرتے ہیں ۔

مخدوم غلام احمد نے عربی ، فارسی ، سندھی اور اردو میں مکمل تعلیم حاصل کی ہے ۔ ان زبانوں پر انہیں کامل عبور حاصل ہے ۔ عربی ادب اور اسلامیات کے موضوع سے انہیں خاص دلچسپی ہے ۔ انگریزی ادب کا مطالعہ بھی خاصا ہے ۔ کبھی کبھی وقت ضرورت انگریزی میں مضامین بھی لکھتے ہیں ۔

۱۹۶۴ء میں روزنامہ ''خادم وطن'' حیدرآباد کی ادارت سے بھی وابستہ رہے ۔ ان کے سندھی مضامین اخبار ''ہلال پاکستان'' مسلمان ، ''مہران'' وغیرہ میں پابندی سے چھپتے رہے ہیں ۔ مشہور سندھی رسالہ سہ ماہی ''مہران'' کے مستقل مقالہ نگار ہیں ۔

مخدوم غلام احمد اور ان کا گھرانا سرزمین سندھ سے وابستگی کی بنا

Marfat.com

پر اور مادری زبان سندھی ہونے کے ساتھ ساتھ اردو زبان سے خاص تعلق رکھتے ہیں ۔ بقول مخدوم غلام احمد — "اردو کو ان کے گھرانے میں مادری زبان کی حیثیت حاصل ہو چکی ہے" ۔ مخدوم گھرانے کا لائق تحسین پہلو یہ ہے کہ اس خاندان کا ہر فرد اتنی ہی صاف ستھری اردو بولتا اور لکھتا ہے جتنی کہ سندھی زبان ۔ مخدوم غلام احمد کے والد مکرم حضرت حافظ مولانا مخدوم امیر احمد کی اردو زبان میں اعلیٰ پائے کی تصانیف اور نگارشات موجود ہیں۱ ۔ مخدوم غلام احمد نے نہ صرف اپنی آبائی روایت کو قائم رکھا ہے بلکہ انھوں نے اپنی اولاد کو بھی اس روایت کو آگے بڑھانے کی تربیت دی ۔ مخدوم غلام احمد نے اردو میں مضامین بھی لکھے ہیں ، شاعری بھی کرتے ہیں اور مشاعروں میں شریک بھی ہوتے ہیں ۔

ریڈیو پاکستان حیدرآباد سے بیک وقت اردو اور سندھی میں ان کی تقریریں بھی نشر ہوتی رہتی ہیں ۔

فارسی ، سندھی اور اردو میں شعر کہتے ہیں ۔ مخدوم تخلص کرتے ہیں ۔ اپنے والد محترم مخدوم امیر احمد کی وفات ۱۳۹۱ھ (۱۹۷۱ء) کے موقع پر فارسی میں دس شعر کا ایک قطعہ تاریخ کہا ۔ یہ قطعہ تاریخ مخدوم مرحوم کے لوح مزار (واقع مخادیم کھوڑا کے قبرستان شہیدون تعلقہ گمبٹ ضلع خیرپور) پر کندہ ہے ۔ اس قطعہ تاریخ سے نہ صرف ان کی فارسی گوئی بلکہ فن تاریخ گوئی سے دلچسپی کا اندازہ بھی ہوتا ہے ۔ اس قطعہ تاریخ کا ایک شعر یہ ہے۲ :

سال وصلش چو جستم ندا آمدہ
گفت ہاتف بخواں "یغفراللہ"
۱۳۹۱ھ

مولانا مخدوم غلام احمد ہاشمی عاشقان رسول میں سے ہیں ۔ ان کی

---

۱ ۔ مخدوم امیر احمد کی تصنیفات و نگارشات کی تفصیلات ان کے تذکرے میں (گزشتہ صفحات) میں پیش کی جا چکی ہیں ۔

۲ ۔ مکمل قطعہ تاریخ کے لیے ملاحظہ ہو تذکرہ مخدوم امیر احمد باب ہذا ۔

Marfat.com

اردو شاعری کا بیشتر حصہ نعت پر محیط ہے ۔ نعت کا ایک ایک شعر عشق رسول سے سرشار ہو کر کہا گیا ہے ۔ طرز ادا سادہ لیکن کیفیت بے پناہ ہے ۔ صوفی منش باپ کے صوفی صفت بیٹے ہیں یعنی ولی پسر ولی ۔ اس لیے ان کے مزاج میں عجز و انکسار ہے، لہجہ میں نرمی و سادگی ہے ۔ طبیعت میں فقیری ، سپردگی و بندگی کا بے پایاں جذبہ کارفرما ہے ۔ ایک نعت کے یہ شعر دیکھیے :

ہم کو وزیر سے نہ کسی شاہ سے غرض
اللہ کے فقیر ہیں اللہ سے غرض
عشق نبی کی دولت کونین چاہیے
جز اس کے مال و زر نہ ہمیں جاہ سے غرض
تنویر حسن سید نور الوریٰ گواہ
مہر و نجوم سے نہ ہمیں ماہ سے غرض
مخدوم رکھ بپاس حدیث شہ اُمم
الفت ہو ، چاہے بیر ہو ، اللہ سے غرض

غزل بھی کہتے ہیں تو دل کی لگی سے کہتے ہیں ۔ کہیں بے چارگی و بے بسی کا عالم ہے ، تو کہیں غم جاناں کا احساس :

تم کیا گئے کہ ہو گئے بیزار جی سے ہم
فرقت کے مارے رو دیے بے چارگی سے ہم
ہاں یاد ہے ہنوز قیامت کی وہ گھڑی
رخصت ہوئے تھے جبکہ بڑی بے بسی سے ہم
دل کی لگی کو دل لگی سمجھا کیے مگر
پھر پائے اب تو ایسی صنم دل لگی سے ہم
مخدوم بس کہ ہیں یہ مقدر کے فیصلے
شکوے گلے کریں تو کریں کیا کسی سے ہم

مخدوم غلام احمد نے اردو میں ریڈیائی تقاریر کے علاوہ مضامین بھی لکھے ہیں ، جو کالجوں اور اسکولوں کے مجلوں کے علاوہ ملک کے مختلف معیاری رسائل و اخبارات کی زینت بن چکے ہیں ، جن میں ماہنامہ فاران (بانی و سابق مدیر مولانا ماہر القادری مرحوم) اور روزنامہ نوائے

Marfat.com

وقت لاہور (بانی حمید نظامی ، ایڈیٹر مجید نظامی) قابل ذکر ہیں ۔ ان کے مقالات و مضامین کے موضوع اکثر ملک و قوم اور ماحول و معاشرے کی اصلاح و تطہیر سے متعلق ہوتے ہیں ۔ ہر مقالہ یا مضمون میں کوئی نہ کوئی تعمیری پہلو مضمر ہوتا ہے ۔ وہ نہ ترقی پسندی کے حامی ہیں نہ رجعت پسندی کے قائل بلکہ زندگی کے ہر معاملہ میں حقیقت پسند ہیں ۔ یہی روش ، یہی رجحان ان کی تحریر کی جان ہے ۔ جو بات کہتے ہیں سیدھے سادے الفاظ اور بامعنی جملوں میں کہتے ہیں ، علمی شواہد و دلائل کے ساتھ کہتے ہیں ۔ ان کی گفتگو اور تحریر دونوں میں خودی و اعتماد کے اوصاف کار فرما ہوتے ہیں اس لیے ان کی باتوں میں وزن ہوتا ہے اور دلوں کو موہ لیتی ہیں ۔ ذیل میں نمونہ نثر کے طور پر مخدوم غلام احمد کے ایک مقالہ "ایک پیغام نوجوانوں کے نام" سے اقتباس پیش کیا جاتا ہے :

"نوجوانوں کے لیے یہی ہمارا پیغام ہے کہ انہیں چاہیے کہ اپنی اصلیت اور ملی حیثیت کو پہچاننے کی سعی کریں اور اس حیثیت میں اپنے فرائض ملی نبھانے کی کوشش کریں ۔ کار پردازان حکومت اور ارباب حل و عقد کو بھی چاہیے کہ قوم کو مذہب و ملت کے صراط مستقیم پر چلنے کے مواقع فراہم کریں ۔ ساتھ ہی ان اسباب کا مداوا بھی کریں جن کی بنا پر ہم نے قومی سطح پر اپنی یہ درگت بنا ڈالی ہے ۔ تطہیر معاشرہ کا کام ان اداروں سے شروع کیا جائے جو معاشرے پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوتے ہیں اور وہ ہیں تعلیمی ادارے اور مساجد ۔ اس ضمن میں سب سے پہلا کام یہ ہونا چاہیے کہ تعلیمی اداروں کو مخرب الاخلاق لوگوں سے یکسر پاک و صاف کیا جائے ۔ اس کے لیے مکمل محکمہ جاتی تطہیر (خصوصاً محکمہ تعلیم میں) انتہائی ضروری اور لازمی ہے ۔ اگر خرابی سے چھٹکارا حاصل کرنا مقصود ہے تو خرابی کی جڑ کاٹنا از بس ضروری ہے ۔

والسلام

دستخط

مخدوم غلام احمد ہاشمی"

(یہ مقالہ خود مخدوم غلام احمد صاحب کے قلم سے لکھا ہوا راقم کے پاس موجود ہے) ۔

Marfat.com

تیسرا حصہ

ضمیمہ نمبر ۱ عہد کلہوڑا (تاریخی پس منظر)

ضمیمہ نمبر ۲ عہد تالپور (,, ,,)

ضمیمہ نمبر ۳ عہد برطانیہ (,, ,,)

ضمیمہ نمبر ۴ عہد پاکستان (,, ,,)

ضمیمہ نمبر ۵ اُردو ، سندھی ادب کے سرچشمے

سندھ کے چند کتب خانے

کتابیات

Marfat.com

Marfat.com

ضمیمہ ۱

عہد کلہوڑا

تاریخی پس منظر :

سندھ کے عباسی کلہوڑوں کے حکمران میاں یار محمد خان عباسی (۱۱۱۲ - ۱۱۳۱ھ/۱۶۰۰ - ۱۷۱۸ء) کی وفات کے بعد اس کا فرزند اکبر میاں نور محمد خان عباسی (۱۱۳۲ - ۱۱۶۷ھ/۱۷۱۹ - ۱۷۵۳ء) ۱۱ محرم ۱۱۳۲ھ مطابق ۱۳ نومبر ۱۷۱۹ء کو مسند نشین ہوا[1] ۱۱۹۶ھ مطابق ۱۷۸۲ء تک سندھ کی سرزمین عباسی کلہوڑوں کے زیر نگیں رہی[2]۔

یار محمد خان کے زمانے تک سندھ سلطنت مغلیہ کے زیر اقتدار تھا۔

---

۱ - تاریخ سندھ جلد اول از مولانا غلام رسول مہر، ص ۳۵۴، ۵۳۸۔

۲ - میاں نور محمد خان کے بعد حسب ذیل پانچ فرمانروا یکے بعد دیگرے مسند آرائے سلطنت ہوئے۔

۱ - مراد یاب خان (۱۷۵۳ھ - ۱۷۵۷ء) / (۱۱۶۷-۱۱۷۱ھ)

۲ - غلام شاہ (۱۷۵۷-۱۷۷۲ء) / (۱۱۷۱-۱۱۸۶ھ)

۳ - سرفراز خان (۱۷۷۲-۱۷۷۵ء) / (۱۱۸۶-۱۱۸۹ھ)

۴ - غلام نبی (۱۷۷۵-۱۷۷۷ء) / (۱۱۸۹-۱۱۹۱ھ)

۵ - میاں عبدالغنی (۱۷۷۷-۱۷۸۲ء) / (۱۱۹۱-۱۱۹۶ھ)

(تاریخ سندھ جلد اول و دوم از مہر)

Marfat.com

نور محمد خان وہ پہلا حکمران تھا جس نے سندھ میں مغل صوبہ داری کا سلسلہ منقطع کر دیا ۔ دہلی کی مرکزی حیثیت ختم کر دی اور ایک مکمل خود مختار سلطنت کی بنیاد رکھی ۔ یہ دور عہد مغلیہ کے انحطاط کا دور کا تھا۔ پورے ہندوستان میں بد امنی و بے چینی اور انتشارو اضطراب کا دور دورہ تھا ۔ اس پر آشوب و پر اضطراب زمانے میں میاں نور محمد نے نہایت تدبر و شجاعت اور فہم و فراست سے سندھ پر نادر شاہ[1] (۱۱۵۲ء مطابق ۱۷۳۰ء) اور احمد شاہ ابدالی[2] (۱۱۶۲ھ مطابق ۱۷۴۹ء) کے طوفانی حملوں کا مقابلہ کیا اور سندھ کو بیرونی خطرات و خدشات سے ہمیشہ کے لیے آزاد کر دیا ۔

علم و ادب کی سرپرستی :

فرمان روائے سندھ میاں نور محمد خان عباسی اپنے عظیم باپ میاں یار محمد خان کی طرح شجیع و ذکی ، مدبر و فہیم تھا ۔ وہ عزم و استقلال اور انتظامی صلاحیتوں میں عدیم المثال تھا ۔ اس کا عہد حکومت نہ صرف نظم و نسق کے لحاظ سے بلکہ علم و فضل اور فن و ادب کی ترقی و ترویج ، توسیع و اشاعت کے اعتبار سے بھی تاریخ کا ایک درخشاں باب ہے ۔

میاں نور محمد خان صاحب دین اور صاحب ذوق فرمانروا تھا ۔ اس کے دل میں ارباب علم و فن کی بے حد قدر و منزلت تھی ۔ اسے اپنے والد یار محمد خان کی طرح کتب بینی اور کتب خانے کی تدوین و توسیع کا شوق تھا ۔ اس نے نہ صرف اپنے والد کے کتب خانے کو محفوظ رکھا بلکہ اس میں نادر و نایاب کتب کا اضافہ بھی کیا ۔ کہتے ہیں کہ نادر شاہ سندھ پر یورش کے بعد نور محمد کے کتب خانے کے نوادرات لوٹ کر لے گیا[3] ۔

خاندان کلہوڑا کے فرمانروا اہل اللہ اور صوفیاء بھی تھے ۔ فقر و تصوف ، پیری مریدی ، عالمانہ و درویشانہ آداب کا خاص خیال رکھا

---

۱ ۔ تاریخ سندھ جلد دوم مولانا مہر ، ص ۹۴۲ ، ۹۴۳ ۔

۲ ۔ تاریخ سندھ جلد دوم مولانا مہر ، ص ۹۴۵ ، ۹۴۶ ۔

Marfat.com

جاتا تھا[1]۔ اس دور کے ارباب حکومت اولیائے کرام اور علمائے عظام سے بڑی عقیدت رکھتے تھے[2]۔

میاں غلام شاہ کلہوڑا کو اس کی فقید المثال علمی و ادبی سرپرستی کی بناء پر "اکبر سندھ" کہا جاتا ہے۔

میاں سرفراز خان دانشمند، فضیلت پرور، علم و شعر فہمی میں یکتائے روزگار اور قدردانی علماء و شعراء میں بے مثال حاکم تھا۔ اس کی علم دوستی، ادب نوازی اور اہل علم و فن کی قدردانی کی شہرت سندھ سے ایران تک پھیلی ہوئی تھی۔ وہ ارباب علم و ادب کو انعام و اکرام سے بھی نوازا کرتا تھا۔

سرفراز خان کو حضرت شاہ فقیراللہ علوی جیسے برگزیدہ صاحب علم اور شیخ طریقت بزرگ سے خاص ارادت تھی۔ اس کی شہادت شاہ فقیراللہ کے ان مکاتیب سے ملتی ہے جو انہوں نے سرفراز خان کے نام تحریر فرمائے تھے۔ یہ خطوط شاہ صاحب کے مجموعہ مکاتیب میں شامل ہیں[3]:

---

۱ - تاریخ سندھ (جلد دوم)، مہر، ص ۹۴۲ تا ۹۴۴ -

۲ - "میاں نور محمد خان کلہوڑا کے وصیت نامے سے پتہ چلتا ہے کہ اس خاندان کے اولین سربرآوردہ فرد میاں آدم شاہ دو تین واسطوں سے طریقہ سہروردیہ میں حضرت سید محمد جونپوری کے مرید تھے۔ میاں آدم شاہ کے بعد سلسلہ نسب میں میاں داؤد، میاں الیاس، میاں نصیر محمد، میاں یار محمد اور میاں نور محمد، سب یکے بعد دیگرے اس سلسلے کے مرید اور سجادہ نشین تھے۔ ان کے مریدوں کی کثرت ہی نے انہیں اتنی عظیم طاقت بخشی تھی کہ معمولی زمیندار کی حیثیت سے ترقی کر کے سندھ کے حکمران بن گئے تھے"۔

(مقدمہ کلیات مائل ص ۵۲ سے منقول)

۳ - "شاہان وقت کی عقیدت" ص ۱۹۰، ۱۹۱ مشمولہ تذکرہ صوفیائے سندھ۔

Marfat.com

میر عظیم الدین عظیم ، میر علی شیر قانع ، سیوک رام عطارد اور محمد پناہ رجا ٹھٹھہ کے رہنے والے تھے ۔ اس دور کے اہم شعراء میں سے تھے اور ارباب سلطنت کے درباروں سے وابستہ رہے ۔ عظیم ٹھٹھوی میاں سرفراز خان کے دربار سے اپنی وابستگی اور اس کی علمی و ادبی مجلسوں میں شرکت کا اظہار فخر و مباہات کے ساتھ کرتے ہیں :

من از بزم آن خان صاحب کمال
همی یافتم کام دل چند سال[1]

میر علی شیر قانع ، میاں نور محمد خان ، میاں سرفراز خان اور میاں غلام نبی خان کے درباروں سے وابستہ رہے ۔ قانع نے میاں سرفراز کی مدح میں قصیدہ بھی کہا ۔ اپنے قصیدے میں کہتے ہیں :

ز قدردانی آن بحر فضل و کان کرم
رواج یافتہ جنس سخن کہ داشت کساد
ز درگہت کہ بود مرجع ذوی الافہام
برائے اہل کمال است بس خجستہ معاد[2]

عطارد ٹھٹھوی مصنف "انشائے عطارد" نے میاں غلام شاہ اور میاں سرفراز خان کے درباروں میں منشی کے فرائض انجام دیے ۔ میر بجار خان کی مراسلہ نگاری کے منصب پر بھی مامور تھے ۔ محسن ٹھٹھوی سے شرف تلمذ ۔ تھا خوش فکر شعراء میں ان کا شمار ہوتا تھا ۔[3]

محمد پناہ رجا کو وزیر سندھ میر لطف اللہ عرف میر ستارہ سے شرف قرب حاصل تھا جنھوں نے ان کے شایان شان پذیرائی کی[4] ۔

---

۱ ۔ فتح نامہ ، ص ۶۰ ۔
۲ ۔ ماخوذ از قصائد قانع (قلمی) مملوکہ پیر حسام الدین راشدی بحوالہ تاریخ سندھ جلد دوم مولانا مہر ، ص ۷۲۱ ۔
۳ ۔ مقالات الشعراء ، ص ۴۳۶ ۔
۴ ۔ ایضاً ص ۲۲۴ ۔

Marfat.com

ضمیمہ ۲

عہد تالپور

تاریخی پس منظر :

سندھ کی جس سلطنت کلہوڑا کی بنیاد عباسی کلہوڑوں کے سردار میاں محمد آدم شاہ شہید[1] نے رکھی تھی اور جسے یار محمد خان اور اس کے فرزند نور محمد خان نے اپنی حکمت و شجاعت اور فہم و فراست سے کمال عروج پر پہنچایا تھا ۔ وہ کلہوڑوں کے آخری فرمان روا میاں عبدالنبی کی بد باطنی اور ناعاقبت اندیشی کے باعث ہمیشہ کے لیے کلہوڑوں کے ہاتھوں سے نکل گئی - ۱۱۹۶ھ مطابق ۱۷۸۲ء میں ہالائی کے میدان (واقع حیدرآباد) میں کلہوڑا اور تالپوروں کے درمیان گھمسان کی جنگ[2] ہوئی ۔ یہاں عبدالنبی کو شکست ہوئی ، وہ فرار ہو گیا[3] ۔ تالپوروں کے سردار میر صوبدار خان شہید کے فرزند میر فتح علی خان نے زبردست فتح حاصل کی[4] ۔ کلہوڑوں کا مہر اقبال ڈوب گیا ۔ تالپوروں کا آفتاب اقتدار طلوع ہوا ۔

---

۱ ۔ میاں آدم شاہ شہید بہت بڑے خدا ترس اور بافیض بزرگ تھے ۔
بقول مولانا غلام رسول مہر ، ان کے پیروؤں کی تعداد کافی تھی ۔
ان کی وفات کے بعد ان کی شہرت اور اثر و رسوخ کو اخلاف کی چھ پشتوں میں بقائے دوام مل گئی جو یکے بعد دیگرے باقاعدگی سے دعوت و ارشاد کی مسند کے لیے وجہ زینت بنے رہے“ ۔
(تاریخ سندھ ، عہد کلہوڑہ ، جلد اول ص ۱۶۵ - ۱۶۶)

۲ ۔ جواہر عباسیہ ، قدیم سندھ قلیج بیگ ، فتح نامہ عظیم ۔

۳ ۔ لب تاریخ سندھ ص ۱۳۰ ۔

۴ ۔ میر علیم الدین عظیم ٹھٹھوی نے اس فتح کی تاریخ کہی ۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

Marfat.com

فاتح سندھ ، میر فتح علی خان تالپور ایک شجاع ، دور اندیش اور بیدار مغز فرماں روا ثابت ہوا ۔ اس نے نظم و نسق کو بہتر اور عوام کے معیار زندگی کو بلند تر بنانے کی خاطر ملک سندھ کو سات حصوں میں تقسیم کر دیا ۔ چار حصوں میں ایک حصہ اپنے پاس رکھا تین حصے اپنے تینوں بھائی میر کرم علی خان ، میر غلام علی خان اور میر مراد علی خان کو دے دیے ۔ ان چار حصوں پر مشتمل مشترکہ حکومت کا دارالسلطنت حیدرآباد تھا ۔ میر فتح علی خان اس "چو یاری" حکومت کا سربراہ تھا ،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

از پئے این فتح کہ آمد عظیم — فتح علی فتح علی سال شد
۱۱۹۶ھ
(جواہر عباسیہ ص ۲۵۸)

مضاعف کن اعداد فتح علی — کہ تاریخ این فتح گردد جلی
(فتح نامہ ص ۲۲۱)

۱ ۔ میران حیدرآباد : میر صوبدار خان شہید (۱۱۸۹ھ مطابق ۱۷۷۵-۷۶ء) کے چار بیٹے تھے ۔ میر فتح علیخان ، میر کرم علیخان ، میر غلام علیخان ، میر مراد علیخان ۔ میران حیدرآباد کے دور حکومت کی تفصیل یہ ہے :

۱ ۔ میر فتح علی خان فاتح سندھ	(متوفی ۱۲۱۷ھ) ۱۸۰۲ء	۱۱۹۶-۱۲۱۷ھ ۱۷۸۲-۱۸۰۲ء
۲ ۔ میر غلام علی خان	(متوفی ۱۲۲۷ھ) ۱۸۱۱ء	۱۲۱۷-۱۲۲۷ھ ۱۸۰۲-۱۸۱۱ء
۳ ۔ میر کرم علی خان	(متوفی ۱۲۴۴ھ) ۱۸۲۸ء	۱۲۲۷-۱۲۴۴ھ ۱۸۱۲-۱۸۲۸ء
۴ ۔ میر مراد علی خان	(متوفی ۱۲۴۹ھ) ۱۸۳۲ء	۱۲۴۴-۱۲۴۹ھ ۱۸۲۸-۱۸۳۲ء
۵ ۔ میر نور محمد خان	(متوفی ۱۲۵۵ھ)	ولد میر مراد
۶ ۔ میر نصیر خان	(متوفی ۱۲۶۱ھ)	۱۲۴۹-۱۲۵۹ھ ۱۸۳۲-۱۸۴۳ء

(لب تاریخ سندھ ، تاریخ سندھ جلد دوم قدوسی)

Marfat.com

دو حصے میر سہراب خان بن چاکر خان کو دیے ۔ یہ شمالی سندھ کا علاقہ تھا جس کا دارالخلافہ خیرپور' قرار پایا ۔

ایک حصہ جو تھرپارکر کا علاقہ تھا میر ٹھارو خان خلف فتح خان کے حوالے کیا ۔ اس خطے کا پایہٴ تخت میرپور (خاص) تھا ۔ اس طرح تالپوروں

۱ ۔ **میران خیر پور** : ۱۱۹۹ - ۱۲۶۲ھ / ۱۷۸۴ - ۱۸۴۶ء

میر سہراب خان (- ۱۲۴۶ھ/۱۸۴۵ - ۱۸۳۰ء) خیرپور کی حکومت کا پہلا حکمران اور مؤسس اول تھا ۔ اس نے ۱۱۹۹ - ۱۲۴۶ھ/۱۷۸۴ - ۱۸۳۰ء تک حکومت کی : ۴۷ سال حکومت کرنے کے بعد اپنے خطہ سلطنت کو اپنے تین فرزندوں میں تقسیم کیا ۔ دو حصے میر رستم خان کو ، ایک حصہ میر مبارک خان کو اور ایک حصہ میر مراد خان کو دیا ۔

میر سہراب خان کے انتقال کے بعد میر رستم خان (مسند نشینی ۱۲۴۶ھ - ۱۸۳۰ء) اپنی وفات ۱۲۶۲ھ (۱۸۴۶) تک مملکت کا سربراہ رہا۔ یہ حکومت بھی میران حیدرآباد کی طرح خیرپور کی ''چوپاری'' حکومت کے نام سے موسوم ہوئی ۔

(لب تاریخ سندھ ص ۱۵۳ ، تاریخ خیرپور نسیم امروہوی ۴۳-۴۴)

۲ ۔ **میران میرپور خاص** : میر ٹھارو خان حکومت میرپور کا پہلا مؤسس اور فرماں روا تھا اس نے ۱۱۹۶ھ (۱۷۸۲ء) سے اپنی وفات ۱۲۴۵ھ (۱۸۲۹ء) تک خطہ میر پور پر حکمرانی کی ۔ اس کے بعد اس کے ایک فرزند اور پوتے یکے بعد دیگرے سریر آرائے سلطنت ہوئے ۔

۱ ۔ میر علی مراد خان (خلف میر ٹھارو خان) وفات ۱۲۵۲ھ / ۱۸۳۷ء

۲ ۔ میر شیر محمد خان شیر سندھ (ولد میر علی مراد خان)
وفات ۱۲۹۴ھ / ۱۸۷۷ء

(لب تاریخ سندھ ص ۱۵۴)

Marfat.com

کے عہد میں سندھ تین مرکزی حکومتوں حیدرآباد ، خیرپور اور میرپور میں منقسم تھا۔ سندھ پر تالپوروں کی یہ حکومت انگریزوں کے تسلط (۱۲۵۹ھ ، ۱۸۴۳ء) تک قائم رہی۔

(ماخوذ از لب تاریخ سندھ ص ۱۴۰ تا ۱۵۸ ، تاریخ سندھ جلد دوم مولانا قدوسی ، ص ۹۵۷ تا ۵۹۹)

علم و ادب کی سرپرستی :

تالپوروں کا عہد تاریخ و ثقافت اور علم و ادب کے عروج کا عہد تھا۔ والیان تالپور کو عوام میں تعلیم عام کرنے کا بڑا شوق تھا۔ انھوں نے نظام تعلیم پر خاص توجہ دی۔ اس زمانے میں سندھ کے مختلف شہروں اور قصبوں میں اسلامی علوم و فنون کے مدارس و مکاتب قائم تھے جہاں عربی و فارسی کی خصوصی تعلیم کا انتظام تھا۔ حیدرآباد ، خیرپور ، میرپور ، سیوہن ، عمرکوٹ، مٹیاری ، سہڑ اور کھہڑا وغیرہ مشہور علمی مراکز تھے۔ (جنت السندھ ، مسلمانان کراچی اور سندھ کی تعلیم)۔

میران تالپور اہل دل ، اہل علم ، اہل نظر اور اہل صفا تھے۔ انھوں نے علوم و معارف ، فنون و ادبیات کے ہر شعبے کی ترقی و توسیع میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ کتب خانے کی تدوین و تحفظ کا شوق پشت در پشت ورثے میں ملا تھا۔ انگریزوں کے ہند و سندھ پر غاصبانہ قبضے کے بعد بہت سے قیمتی نوادرات سندھ کے کتب خانوں سے لندن کی لائبریریوں میں منتقل ہو گئے۔

تالپور فرماں روا روایتی طور پر مذہبی رجحانات کے حامل تھے۔ صوفیائے کرام اور بزرگان دین سے بے پناہ عقیدت و ارادت رکھتے تھے۔ وقتاً فوقتاً امور سلطنت اور شرعی معاملات و مسائل کے بارے میں ان سے صلاح و مشورے بھی کرتے تھے۔ میر علی مراد خان والی خیرپور سائیں سچل سرمست کے بیحد ارادت مند تھے۔ انھوں نے سائیں کے مزار پرانوار کی تعمیر خود اپنی نگرانی میں کرائی۔ علی مراد خان فقیر محمد یوسف نانک کے مرید تھے۔ فقیر نادر بخش بیدل ان کے مقرب خاص تھے۔ (علمی آئینو ، ۱۹۷۳ء ، ص ۱ تا ۲۳)

Marfat.com

ضمیمہ ۳

عہد برطانیہ

تاریخی پس منظر :

انگریزوں نے سرزمین سندھ پر حکومت کرنے کی غرض سے کلہوڑوں کے دور میں جس سازش کا آغاز کیا تھا وہ تالپوروں کے عہد میں انتہا کو پہنچی ۔ فرنگیوں نے پہلے میران تالپور میں پھوٹ ڈالی پھر ان کے باہمی اختلافات و افتراق سے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا ۔ میجر آؤٹرام کے اکسانے پر میر صوبدار خان ، میر علی مراد خان (والی خیرپور) میر محمد خان اور میر حسن علی خان نے ہر ہر قدم پر انگریزوں کی حمایت اور میروں کی مخالفت کی ۔ جب برطانوی سامراج کی شاطرانہ چال کامیاب ہوئی تو میجر جنرل سر چارلس نیپئر ، سپہ سالار افواج برطانیہ نے بھاری لشکر توپوں اور بندوقوں سے میانی (جو حیدرآباد سے چھ میل کے فاصلے پر مشرق جانب پھلیلی کے قریب واقع ہے) کے میدان میں تالپوروں پر بھرپور حملہ کر دیا ۔ میروں اور بلوچوں نے بڑی جی داری و جگر داری سے انگریزوں کا مقابلہ کیا ۔ حریت پسند بلوچ مجاہدین نے آزادی کی راہ میں جانیں نثار کر دیں اور جام شہادت نوش کیا ۔ انگریزوں کی بندوقوں اور توپوں کے آگے ان کی شمشیروں نے جوہر تو دکھائے لیکن فتح و نصرت کا پرچم انگریزوں کے ہاتھ لگا ۔ ۱۷ فروری ۱۸۴۳ء کو سندھ پر برطانیہ کا غاصبانہ قبضہ ہو گیا ۔ لارڈ ایلینبرو گورنر جنرل کے حسب الحکم سرچارلس نیپئر کل اختیارات کے ساتھ ملک سندھ کا پہلا گورنر مقرر ہوا ۔ اس کے ہاتھوں غدار میر صوبدار کا عبرتناک انجام ہوا ۔

آخری فرمان روائے حیدرآباد میر محمد نصیر خان ، اس کے بیٹے میر محمد خان ، میر صوبدار خان ، میر شہداد خان ، میران خیرپور

Marfat.com

میر رستم خان ، والی میر پور شیر سندھ میر شیر محمد خان کو گرفتار کر کے بحری راستے سے بمبئی بھیج دیا گیا اور وہ قید حیات سے آزاد ہونے تک اسیر فرنگ رہے -

(لب تاریخ سندھ ص ۱۵۹ ، تازہ نوائے معارک ، ص ۱۷۳ ، ۱۷۴ - تاریخ سندھ جلد دوم قدوسی ، ص ٦٦۹ - ۷۰۷ ، ۷۹۱)

Marfat.com

ضمیمہ ۲

عہد پاکستان

تحریک پاکستان :

پاکستان برصغیر کے مجاہدان اسلام ، بزرگان دین اور علمائے کرام کی طویل جد و جہد کا ثمر ہے ۔ نظریہ پاکستان کی بنیاد حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے ہاتھوں شہنشاہ ہند جلال الدین محمد اکبر اور اس کے بیٹے نورالدین محمد جہانگیر کے دور بے دینی میں پڑ چکی تھی ۔ شاہجہان اور اورنگ زیب کے عہد میں اسلامی اقدار اور دین اسلام کو قدرے تحفظ ملا لیکن اورنگ زیب کی اولاد کی ناعاقبت اندیشیوں کی بنا پر مسلمانوں کے ہندوستان پر آٹھ سو سالہ دور اقتدار نے دم توڑ دیا ۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی ، شاہ عبدالعزیز کے بعد حضرت اسمٰعیل شہید اور ان کے مرشد سید احمد شہید بریلوی نے ہندوستان میں فرنگیوں کی غلامی سے نجات حاصل کرنے اور اللہ کے دین کو نافذ کرنے کی خاطر سنہ ۱۸۳۱ء میں بالاکوٹ[۱] میں جانیں نثار کر دیں[۲] ۔ اس کے علاوہ ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی کی ناکامی کے بعد انگریزوں نے ہندوؤں کو اپنا ہم نوا و ہم خیال بنا کر مسلمانان ہند کی تہذیب و ثقافت اور تاریخ و روایات کو تباہ و برباد کرنے کے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے

---

۱ ۔ راقم الحروف کو بالاکوٹ کی زیارت کی سعادت حاصل ہے ۔

۲ ۔ تحریک پاکستان میں سندھ نے بھی خاص کردار ادا کیا ہے جو ہماری قومی تاریخ کا ایک اہم حصہ ہے ۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو ''تحریک پاکستان میں سندھ کا کردار'' مطبوعہ ماہنامہ ''پیغام'' کراچی شمارہ خاص مارچ ۱۹۷۸ء ، شائع کردہ شعبہ مطبوعات محکمہ اطلاعات سندھ کراچی ۔

Marfat.com

طرح طرح کے حربے استعمال کیے - ۱۸۶۷ء میں ہندوؤں نے سرکاری دفتروں اور عدالتوں میں اردو فارسی کی بجائے ہندی اور دیوناگری رسم الخط رائج کرنے کی پُرزور تحریک چلائی -

سرسید احمد خان نے محسوس کیا کہ ہندو مسلم دو علیحدہ قومیں ہیں - ان کا مذہب ، کلچر اور نظریہ حیات جداگانہ ہے - سرسید نے اعلان کر دیا کہ مسلمان ایک علیحدہ قومیت اور نظریات کے حامل ہیں - ایک الگ مملکت کی تشکیل کے بغیر مسلمانوں کی قومیت اور ثقافت کا تحفظ ممکن نہیں - سرسید اور ان کے رفقائے کار نے آخری دم تک اس نظریہ قومیت کی بحالی کے لیے جد و جہد جاری رکھی - سرسید کی کتاب "اسباب بغاوت ہند" اور ان کی تحریریں اور تقریریں ان کے تعلیمی و قومی نظریات کی آئینہ دار ہیں -

۱۸۸۵ء میں انڈین نیشنل کانگریس نے جنم لیا - ۱۹۰۵ء میں مسلم اکثریتی صوبے بنگال اور آسام کی تقسیم عمل میں آئی لیکن ہندوؤں نے "ہندو مسلم ایک قوم" کا فریب دے کر ۱۲ دسمبر ۱۹۱۱ء کو یہ تقسیم انگریز بہادر سے منسوخ کرا لی - سرسید احمد خان کے رفیق کار نواب محسن الملک کی تحریک ، مولانا محمد علی جوہر ، مولانا ظفر علی خان ، حکیم اجمل خان کی تائید سے ۳۰ دسمبر ۱۹۰۶ء کو نواب سر سلیم اللہ کی رہائش گاہ بمقام ڈھاکہ (سابق مشرقی پاکستان) میں مسلمانوں کی ایک تنظیم مسلم لیگ عالم وجود میں آئی - سارے ہندوستان کے مسلمان اس کے پرچم تلے جمع ہو گئے - مسلم لیگ نے برصغیر کے مسلمانوں میں سیاسی شعور اور قومی بیداری کی روح پھونک دی -

۱۹۱۴ء میں برطانیہ اور جرمنی کے درمیان پہلی عالمی جنگ (جو ۱۹۱۸ء تک جاری رہی) چھڑ گئی - مسلمانان ہند نے خلیفہ اسلام سلطان ترکی کو امداد پہنچانے کی مؤثر تحریک چلائی - انگریزوں نے اس تحریک سے باز رہنے کے صلے میں مسلمانوں کے مطالبات ماننے کے وعدے کیے لیکن انگریز اپنے وعدوں سے پھرگئے اور ترکی و بلقان کے خلاف معاندانہ رویہ اختیار کیا جس کے رد عمل کے طور پر مولانا محمد علی جوہر اور شوکت علی کی قیادت میں خلافت تحریک شروع ہوئی - پھر عدم تعاون

Marfat.com

تحریک اور حادثہ جلیاں والا باغ نے مسلمانوں کے حق میں حالات زیادہ بگاڑ دیے۔ ادھر ہندوؤں نے مسلمانوں کے خلاف بیک وقت کئی تحریکیں چلا دیں جن میں ''شدھی تحریک'' سب سے زیادہ خطرناک اور اشتعال انگیز تھی۔ شدھی تحریک کے تحت مسلمانوں کو اسلام ترک کرنے اور ہندو مذہب قبول کرنے پر آمادہ کرنے کی ناپاک سازش کی گئی ، جبر و تشدد ظلم و استبداد کا سلوک روا رکھا گیا۔ ہندو مسلم فسادات کا لامتناہی سلسلہ جاری ہوا۔ ستم بالائے ستم یہ کہ اسی عرصے میں ۱۹۲۸ء میں نہرو رپورٹ میں مسلم قومیت کی حقیقت سے قطعی انکار کر دیا گیا اور اور ہندو مسلم اشتراک سے حکومت تشکیل دینے کی پیشکش کی گئی۔

۱۹۳۰ء میں مصور پاکستان علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال نے الہ آباد کے اجلاس میں اسلامی نظریات کی بنیاد پر ایک علیحدہ خود مختار ریاست بنانے کی تجویز پیش کی۔ ۱۹۳۴ء میں قائداعظم محمد علی جناح کو مسلم لیگ کا تاحیات صدر تسلیم کیا گیا۔

۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور میں (اس مقام پر جو اس زمانے میں منٹو پارک کے نام سے موسوم تھا اب مینار قرار داد پاکستان ، اقبال پارک) قرار داد پاکستان منظور کی گئی۔ اس قرارداد کو شیر بنگال مولوی فضل الحق نے پیش کیا تھا جس میں ایک آزاد ملک (پاکستان) حاصل کرنے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔

اسی عرصے میں پورا ہندوستان دوسری عالمگیر جنگ (۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۵ء) کے شعلوں کی لپیٹ میں آ گیا۔ انگریز مسلمانوں کے خلاف طرح طرح کی چالیں چلتے رہے اور ہندوؤں سے ساز باز کرتے رہے لیکن تحریک پاکستان (''لے کے رہیں گے پاکستان'') روز بروز زور پکڑتی گئی۔ دسمبر ۱۹۴۵ء میں عام انتخابات ہوئے۱۔ مسلم لیگ کو سو فیصد کامیابی حاصل ہوئی۔

۱۔ اس سلسلہ میں قائداعظم کے زیر صدارت کلکتہ میں جو جلسے ہوئے ان میں اس خاکسار (وفا راشدی) کو بھی شرکت کا شرف حاصل ہے اس کے علاوہ اس عاجز کو عام انتخابات کے سلسلے میں بھی کچھ خدمات انجام دینے کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔

Marfat.com

۱۹۴۶ء میں ہندو مسلم مخلوط وزارت "عبوری حکومت" کے نام سے قائم ہوئی لیکن وہ ہندو مسلم خونریز فسادات کی نذر ہو گئی۔ ہندوستان کے گورنر جنرل لارڈ ویول انگلستان واپس بلائے گئے۔ ان کی جگہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن ہندوستان کے گورنر جنرل ہو کر آئے جن کی نگرانی میں تقسیم ہند کی کارروائیاں عمل میں آئیں۔ ریڈ کلف کمیشن نے (جو ہندوؤں سے ملا ہوا تھا) مسلم لیگ اور غیر مسلم اکثریتی علاقوں کی بنیاد پر بنگال اور پنجاب کو تقسیم کر کے اس کی حدیں مقرر کر دیں۔ اس کے بعد منقسم بنگال اور پنجاب کے علاوہ سندھ، سرحد، بلوچستان کے (پانچ) صوبوں کو ایک حدود میں شامل کر کے ایک آزاد و خود مختار ملک کی تشکیل کی گئی جو پاکستان کے نام سے دنیا کے نقشے پر ابھر آیا۔ ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء وہ تاریخ ہے جس تاریخ کو پاکستان معرض وجود میں آیا۔

قائداعظم محمد علی جناح پاکستان کے پہلے گورنر جنرل اور قومی اسمبلی کے صدر منتخب ہوئے لیکن انھیں اسلامی نظریات پر مبنی پاکستان کی تعمیر و ترقی کی مہلت نہ ملی وہ ۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء کو اللہ کو پیارے ہوگئے۔

نظریہ پاکستان کے پیش نظر ہر پاکستانی کی ہر سانس اپنے وطن عزیز کی محبت، تعمیر و ترقی، بقا و استحکام، اللہ اور اس کے رسول کے دین کی سلامتی و سربلندی کے لیے وقف ہونی چاہیے۔ اپنی منزل مقصود تک پہنچنے کے لیے انفرادی و اجتماعی طور پر محنت و دیانت کے ساتھ مسلسل جد و جہد جاری رکھنے کی سخت ضرورت ہے۔

پاکستان پائندہ باد

Marfat.com

ضمیمہ ۵

اردو سندھی ادب کے سرچشمے

ادبی انجمنیں :

۱۹۴۷ء کے بعد ادبی انجمنوں کا قیام عمل میں آیا ۔ کئی انجمنیں پہلے قائم تھیں ۔ ان انجمنوں کے زیر اہتمام مشاعرے اور ادبی اجتماعات منعقد ہوتے رہے ہیں ۔ سندھ کے کسی نہ کسی پہلو سے متعلق متعدد اردو اور سندھی کتابیں شائع ہوئیں ۔ اس نوعیت کی چند انجمنوں کے نام یہ ہیں:

کراچی : سندھی ادبی سنگت ، محفل احباب ، بزم نظامی ، سندھی ادبی سوسائٹی ۔

حیدرآباد : مسلم ادبی سوسائٹی ، سندھی مرکزی بورڈ ، سندھی ساہت سوسائٹی ، جمعیت الشعرائے سندھ ، بزم خلیل[1] ۔

خیرپور ڈویژن : پاکستان رائٹرز گلڈ ذیلی حلقہ[2] سکھر ، بزم ادب ، انجمن فروغ ادب ، ادبی سرکل ، ادبی سنگت ، ادبستان ،

---

۱ ۔ ڈاکٹر شیخ ابراہیم خلیل کے اہل ذوق شاگردوں نے قیام پاکستان سے قبل "بزم خلیل" کی داغ بیل ڈالی۔ جب سے اب تک خلیل صاحب کی رہائش گاہ پر پہلے ہر اتوار اور اب ہر جمعے کی شام کو پابندی سے اردو ، سندھی اہل قلم کا اجتماع ہوتا ہے جس میں ادبی گفتگو بھی ہوتی ہے اور مشاعرے بھی ۔

۲ ۔ پاکستان رائٹرز گلڈ سکھر کی سندھی ، اردو کانفرنسیں منعقدہ ۱۹۵۰ء، ۱۹۵۳ ، اور ۱۹۵۸ء یادگار ہیں ۔ اس ادارے کے سیکرٹری آفاق صدیقی نے شیخ ایاز اور عبدالرزاق راز کے تعاون سے کئی مفید کتابیں اجتماعات ، ریگزار کے موتی ، بوئے گل ، نالۂ دل ، ماروی کے دیس میں (لوک کہانیاں) وغیرہ شائع کی ہیں ۔

Marfat.com

ادبی سوسائٹی ، مجلس ادب ، روہڑی - المنظر ، خیرپور -
جمعیت الشعرائے سندھ -

گھوٹکی : جمعیت الشعرائے سندھ ، جھوک شریف - بزم سخن ، داود -
آفتاب ادب

لاڑکانہ : سندھ سدھار سوسائٹی ، بزم ادب شکار پور - بزم ادب ،
ہالا ، انجمن علم و ادب ، ادارہ روح ادب -

اشاعتی ادارے :

قیام پاکستان کے بعد چند نجی اشاعت گھر مثلاً آر ایچ احمد برادرز، آزاد بکڈپو ، یوسف برادرز حیدرآباد ، عباسی بکڈپو ، ماڈرن سندھی ہاؤس کراچی اور رفیق پبلیکیشنز - ہالا نے سندھی کے علاوہ اردو زبان میں بھی کئی اچھی کتابیں شائع کی ہیں لیکن ان میں زیب ادبی مرکز حیدرآباد (ناشر و نگران احمد شیخ ، قیام ۱۹۷۲ء) وہ اہم ادارہ ہے جس کی مطبوعات علمی ، ادبی ، تاریخی و ثقافتی اعتبار سے بڑی اہمیت و افادیت کی حامل ہیں - زیب ادبی مرکز کی چند قابل ذکر مطبوعات حسب ذیل ہیں جو سندھ پرنٹنگ پریس سے طبع ہوئیں -

۱ - ڈاکٹر شیخ ابراہیم خلیل کی تصانیف : بیت اللہ (مسجد نبوی کی جامع تاریخ) ، رہنمائے شاعری (۴ جلدوں میں) انتخاب خلیلی ، بلبل سندھ (تذکرہ شمس الدین بلبل) ، عبرت کدہ (نفسیاتی و تجرباتی افسانوں کا مجموعہ تین حصوں میں) ، ادب اور تنقید ، سندھی رباعیات ، سندھی مثنویاں -

۲ - شیخ عبدالمجید سندھی : فتح اسپین -

۳ - ڈاکٹر غلام علی الانا : سندھی نثر جی تاریخ ، سندھی بولی جو بنیاد -

۴ - ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ : سندھی بولی جی مختصر تاریخ -

۵ - ڈاکٹر عبدالجبار جونیجو : لاڑ جی لغات -

۶ - عبدالقیوم صائب : سر دھڑ ، تاریخ ہندو پاکستان ، سر سھنی ، سرماری (چار (چہار) مقالات) -

Marfat.com

۷ - ممتاز مرزا : آخری رات (ٹی وی ریڈیائی ڈراموں کا مجموعہ) -

۸ - شیخ ایاز : وجون وسوس آئیون ، پونئر پیری آ کاش -

حکومت پاکستان کی توجہ سے کئی بڑے طباعتی و اشاعتی ادارے عالم وجود میں آئے۔ اداروں نے سندھ سے متعلق قدیم عربی ، فارسی مخطوطات و دستاویزات کو سندھی میں منتقل کیا۔ سندھ کی تاریخ ، ثقافت معاشرت ، تعلیم اور مختلف علوم و فنون سے متعلق کتابیں لکھوا کر شائع کیں - اس طرح سہران کے مانک ، سہران کی موجوں اور مہران کے موتیوں کی دریافت سے علم و آگہی کا بہت بڑا ذخیرہ فراہم کیا ہے - یہ ذخیرہ پاکستان کے ایک تاریخی خطے سندھ کا قیمتی سرمایہ اور قومی اثاثہ ہے -

اس سلسلہ میں جن اشاعتی اداروں نے گرانقدر خدمات انجام دی ہیں اور آج بھی پوری منصوبہ بندی کے ساتھ برسر عمل ہیں ان میں سے چند کی صراحت حسب ذیل ہے :

سندھی ادبی بورڈ : احاطہ سندھ یونیورسٹی جام شورو ، قیام ۱۹۵۱ء موجودہ صدر مولانا غلام مصطفٰی قاسمی ، سیکرٹری غلام ربانی۔ سہ ماہی رسالہ "مہران" سن اجرا ۱۹۵۵ء اس کا ہر شمارہ خاص نمبر کی طرح ضخیم اور متنوع ہوتا ہے لیکن سوانح نمبر ۱۹۵۷ء اور شاعر نمبر ادبی و تاریخی دستاویزات ہیں -

سندھی ادبی بورڈ نے حکومت کی سرپرستی میں سندھی زبان و ادب کی ترویج و اشاعت کے سلسلے میں وہی خدمات انجام دی ہیں جو فورٹ ولیم کالج کلکتہ نے اردو زبان و ادب کی ترقی و اشاعت کے سلسلے میں انجام دی تھیں - سندھی ادبی بورڈ پاکستان کے علمی و ادبی اداروں میں ایک نہایت فعال اور مستعد ادارہ ہے - بورڈ نے قدیم اور کلاسیکل مخطوطات و نوادرات کو جمع کیا اور منظم منصوبے کے تحت ان کو زیور اشاعت سے آراستہ کیا - بورڈ کی مطبوعات سندھی کے علاوہ عربی ، فارسی ، اردو اور انگریزی میں بھی ہیں - بورڈ کے مصنفین و مترجمین میں

Marfat.com

ملک کے نامور علماء ، ادباء ، محققین اور مؤرخین شامل ہیں - جن کی تصنیفات ، تالیفات اور نگارشات تاریخ ، ادب ، سیاست ، ثقافت ، سوانح ، تذکرہ ، شخصیات وغیرہ تمام اہم علوم و فنون پر محیط ہیں - اسلامی علوم اور صوفیائے کرام کی تعلیمات سے متعلق جن بزرگان دین اور اکابر علم و ادب کے دواوین اور افکار و معارف کو محفوظ کیا گیا ہے ان میں شاہ ولی اللہ ، شاہ لطیف ، شاہ عنایت رضوی ، سچل سرمست ، روحل فقیر ، فقیر بیدل ، محسن بیکس ، خلیفہ نبی بخش ، حضرت شاہ ولی اللہ ، حضرت مخدوم نوح سرور ہالائی ، مخدوم طالب المولیٰ خاص طور پر قابل ذکر ہیں - اب چند مطبوعات کی ایک مختصر فہرست درج ذیل ہے :

(۱) سندھی زبان کا لوک ادب (چالیس جلدوں میں) -

(۲) سندھ کی مستند تاریخ (۹ جلدوں میں) (آریاؤں کے عہد سے پاکستان تک) -

مصنفین و مترجمین	مطبوعات
(۱) علامہ آئی آئی قاضی	شاہ جو رسالو
(۲) حکیم فتح محمد سیوہانی	حیات النبی ، آفتاب ادب
(۳) پیر وسل سہر چند اڈوانی	سندھی بولی جی تاریخ ، قدیم سندھ ،
(۴) مرزا قلیچ بیگ	دیوان قلیچ ، تحفۃ النسوان ، مقالات الحکمت ، لغات لطیفی ، قدیم سندھ -
(۵) محبوب علی چنا	کلیات امین
(۶) عثمان علی انصاری	رسالہ سچل سرمست
(۷) صادق رانی پوری	سچل جو سرائیکی کلام ، سیف الملوک
(۸) ڈاکٹر نبی بخش بلوچ	جامع سندھی لغات ، لوک کہانیاں (سات جلد) ، سندھی قصے ، لوک گیت ، لیلا چنیسر ، خلیفی جو رسالو ، کلیاتِ سانگی ، کلیات لغاری -

Marfat.com

(۹) عبدالحسین شاہ موسوی	دیوان بیدل ، دیوان بیکس
(۱۰) لطف اللہ بدوی	(مصنف تذکرہ لطفی تین حصص) کنڈری وارن جو کلام ، کلیات خادم، چار درویش
(۱۱) مولائی شیدائی	جنت السندھ
(۱۲) عارف المولی	کلام حسن بخش شاہ
(۱۳) جی ایم سید	رہان ، شاہ جولن وایون و کافیون
(۱۴) غلام حسین جلبانی	کیمیائے سعادت ، کامیابی ، چھوٹکارو
(۱۵) سید حسام الدین راشدی	تذکرہ امیر خانی
(۱۶) مخدوم امیر احمد	چچ نامہ ، تحفۃ الکرام ، تاریخ معصومی
(۱۷) سراج الحق میمن	سندھ جی اقتصادی تاریخ
(۱۸) شمشیر الحیدری	تاریخ کلہوڑا ، امریکہ جو سیاسی سرشتو
(۱۹) سید غلام مصطفی شاہ	سیر و سفر
(۲۰) نیاز ہمایونی	فرہنگ جعفری (۳ جلدوں میں) ، دیوان مفتون
(۲۱) ڈاکٹر علی احمد قاضی	تن و تندرستی ، جنرل سائنس ، نفسیات
(۲۲) ڈاکٹر اسداللہ شاہ اسد ٹکھڑائی	تذکرہ شعرائے ٹکھڑ ، مقدمہ ابن خلدون ، کلیاتِ ویگر
(۲۳) رشید احمد لاشاری	کلیات گدا ، شکنتلا ، نل دمن
(۲۴) رشید بھٹی	ریاست و آزادی ، دنیا کے عظیم افسانے ۔

انسٹی ٹیوٹ آف سندھیالوجی : ذیلی ادارہ سندھ یونیورسٹی جام شورو ، قیام ۱۹۶۳ء "موسوم بہ سندھی اکیڈیمی"

Marfat.com

سرپرست محمد الیاس ابڑو ، وائس چانسلر
سندھ یونیورسٹی ، نگران پروفیسر انچارج
ڈاکٹر خواجہ غلام علی الانا ۔

انسٹی ٹیوٹ آف سندھیالوجی سندھ یونیورسٹی کیمپس جام شورو میں مزار علامہ آئی ۔ آئی قاضی کے قریب لب سڑک سپر ہائی وے پر ایک جدید طرز کی حسین و دلکش قبہ نما عمارت میں قائم ہے ۔ اس خوبصورت عمارت میں سندھ کے قدیم تہذیبی آثار و نوادرات سے مزین عجائب گھر ، مختلف علوم و فنون سے متعلق چالیس ہزار سے زائد کتب و دستاویزات پر مشتمل عظیم تحقیقی کتب خانہ شعبہ مخطوطات و دستاویزات ، سندھ آرٹس گیلری ، انتھروپو لاجیکل ریسرچ سینٹر ، فوٹوگرافک سیکشن ، شعبہ ساز و آواز ، مائیکرو فلم اور کتب خانہ جس حسن سلیقہ اور حسن ذوق سے آراستہ ہیں وہ سندھیالوجی کے روح و روان ڈاکٹر غلام علی الانا کی محنت شاقہ ، حسن کارکردگی ، ذوق نظر اور شوق جستجو کا آئینہ دار ہے ۔

شعبہ تصنیف ، تالیف و ترجمہ اور نشر و اشاعت کے زیر اہتمام سندھ کی تاریخ ، تہذیب ، ثقافت ، تہذیب ، زندگی ، علم و ادب سے متعلق نہ صرف سندھی بلکہ انگریزی ، پنجابی اور اردو میں اسی (۸۰) کے قریب کتابیں شائع ہو چکی ہیں جن میں پی ایچ ڈی کے مقالات بھی شامل ہیں ۔

رسائل و جرائد : (۱) علمی آئینو مطبوعہ سالانہ ۱۹۷۲ء
(۲) سالنامہ پرک (پرکھ) ۱۹۷۷ء
(۳) سہ ماہی سندھی ادب (اقبال نمبر، سندھی ادب نمبر ، قائداعظم نمبر) ۔

سندھی مطبوعات :

مصنفین و مترجمین	**مطبوعات**
(۱) ڈاکٹر غلام علی الانا	منتخب دیوان فاضل ، سندھی بول جا لسانی جغرافیہ ، سندھی دینی ادب جو کٹیلاگ ، سندھ لیکھکن جی ڈائرکٹری ، سندھی کتابن جی ببلوگراف

Marfat.com

(۲) عبدالغفار سومرو	سندھی غزل جی ارتقاء
(۳) شیخ عبدالرزاق راز	سندھی غزل جو تجزیو (تجزیہ)
(۴) ڈاکٹر نبی بخش بلوچ	سندھی اردو لغات ، اردو سندھی لغات (بہ اشتراک ڈاکٹر غلام مصطفٰی خان)، شاہ لطف اللہ جو کلام ، شاہ شریف بھاڈائی جو رسالو
(۵) سیمن رانجن خیان	سندھی افسانے
(۶) غلام رسول بلوچ	سندھی مرثیہ نویسی
(۷) اللہ بخش نظامانی	سندھی لوک ادب جی ارتقائی تاریخ
(۸) غلام محمد سرور	مثنوی بو علی قلندر
(۹) علی نواز جتوئی	غزلن جو غنچو
(۱۰) غلام حسین جلبانی	شاہ ولی اللہ جی تعلیم
(۱۱) ڈاکٹر عبدالجبار جونیجو	لطیفیات
(۱۲) سولائی شیدائی	تاریخ تمدن سندھ
(۱۳) عبداللہ شیخ	داستان اندلس
(۱۴) جی ایم خسخیلی	بین الاقوامی اقتصادیات
(۱۵) عبدالکریم لغاری	سندھی ادب جی ارتقاء
(۱۵) عباس عنایت اللہ	سندھی ٹائپ رائٹر جا سکھیا
(۱۷) شیخ ایاز	جو بیجل نے آکھیا (پنجابی ترجمہ احمد سلیم) منتخب کلام ایاز ''حلقہ مری زنجیر کا'' (منظوم اردو ترجمہ فہمیدہ ریاض) ۔

ادارہ مطبوعات پاکستان کراچی : محکمہ فلم و مطبوعات وفاق حکومت پاکستان ۔

Marfat.com

سندھی ماہنامہ : نئیں زندگی

ایڈیٹر علی الترتیب : مولانا عبد الواحد سندھی ، نائب رشید احمد لاشاری -
شمشیر الحیدری ، نائب محمود موسیٰ سرمرو ،
شعبان بخت ، عبدالجبار لغاری -

حسب ذیل مطبوعات ''نئین زندگی'' میں شائع شدہ منتخب تاریخی ، ادبی و سوانحی مضامین نظم و نثر پر مشتمل ہیں :

(۱) مہران جو موجون مرتبہ حسام الدین راشدی ۱۹۶۴ء
(۲) مہران جا مانک ,, مولانا عبدالواحد سندھی ۱۹۷۰ء
(۳) مہران جا موتی ,, ,, ,, ,, ۱۹۷۰ء
(۴) مات پنا را بیل مرتبہ حسام الدین راشدی
(۵) مہران جون چولیون ,, ثمیرہ زرین
(۶) سچل سرمست (حیات و کلام) ,, پروفیسر عطا محمد حامی

شاہ ولی اللہ اکیڈیمی حیدرآباد :

قیام ۱۹۶۳ء ، زیر سرپرستی محکمہ اوقاف سندھ ، ڈائریکٹر مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی - اغراض و مقاصد : بالعموم اسلامی علوم ، بالخصوص شاہ ولی اللہ دہلوی کے افکار و معارف اور نظریات و تعلیمات (قرآن و حدیث کی روشنی میں) کی تعارف و تشریح اور توسیع و اشاعت -

رسائل = (۱) ماہنامہ الرحیم (سندھی)
(۲) ماہنامہ الولی (اردو)
(۳) سالنامہ الحکمہ (انگریزی)

شاہ ولی اللہ اکیڈیمی نے علی الترتیب مولانا محمد سرور جامی ، مولانا مخدوم امیر احمد اور مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی (موجودہ نگران و ڈائریکٹر) کی نگرانی میں شاہ ولی اللہ کی تصانیف کے علاوہ مولانا عبیداللہ سندھی ، ڈاکٹر ہالے پوتا ، محمد سرور جامعی اور دیگر علماء و محققین کی

Marfat.com

نہایت مفید و مستند کتابیں شائع کی ہیں ۔ یہ مطبوعات سندھی کے علاوہ عربی فارسی اور اردو میں بھی ہیں ۔ کچھ مطبوعات کی تفصیلات زیر نظر مقالے میں مولانا عبیداللہ سندھی اور مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی کے تذکروں میں شامل ہیں ۔

سندھی صحافت :

سندھی صحافت کا ذکر کیے بغیر سندھی ادب کا تذکرہ نامکمل رہ جائے گا ۔ پاکستان سے پہلے سندھ (بشمول کراچی) میں کچھ رسائل و اخبارات نے عوام میں سیاسی ، ثقافتی ، علمی ، ادبی احساسات پیدا کیے ۔ قومی و ملی حمیت کو جھنجھوڑا سندھ کے مسلمانوں کو قومی نقطہ نظر اور نظریہ پاکستان اور تحریک پاکستان کی ماہیت و اصلیت سے آگاہ کیا ۔ ان اخبارات میں علمی ، ادبی ، سیاسی و ثقافتی مضامین اور نظمیں بھی شائع ہوتی تھیں ۔ جن صحافیوں نے صحافت کی دنیا میں بے مثل کردار ادا کیا اور قوم و ادب کے ترقی و عروج کے ضمن میں دیوانہ وار حصہ لیا ان میں سے چند کے نام یہ ہیں :

مولانا دین محمد وفائی ، معاون شیخ عبدالرزاق راز (ایڈیٹر روزنامہ الوحید کراچی)

مولوی فتح محمد (مدیر الاصلاح)

قاضی عبدالرزاق (مدیر معارف)

علی محمد راشدی (مدیر ستارہ سندھ)

مولوی خیر محمد نظامانی (مدیر باب الاسلام ، الاصلاح ، کاروان ، الوحید اور خاکسار)

مولوی عبدالغفور (مدیر نوائے سندھ)

علی محمد شیخ ، پروانہ بھٹی (مدیر روزنامہ ہلال پاکستان و عبرت)

سید سردار علی شاہ (مدیر روزنامہ مہران)

سردار لطف علی ولی (مدیر خادم وطن)

ان کے علاوہ بھی کچھ اخبارات ہیں جو سکھر ، جیکب آباد ، لاڑکانہ وغیرہ سے شائع ہوتے اور بند ہوتے رہے ہیں ۔

Marfat.com

سندھ کے چند کتب خانے جن سے استفادہ کیا گیا

کتب خانے	مقام	معاونین کرام
(۱) سندھ یونیورسٹی لائبریری	جام شورو حیدرآباد	ڈاکٹر نجم الاسلام
(۲) انسٹی ٹیوٹ آف سندھیالوجی	سندھ یونیورسٹی جام شورو	ڈاکٹر غلام علی الانہ
(۳) سندھی ادبی بورڈ	,, ,,	غلام ربانی انور ہالائی
(۴) شاہ ولی اللہ اکیڈیمی	حیدرآباد	مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی
(۵) کراچی یونیورسٹی لائبریری	کراچی	عبیداللہ قدسی
(۶) نجی کتب خانہ ڈاکٹر طاہر ملک	کراچی یونیورسٹی کیمپس	ڈاکٹر طاہر ملک
(۷) کتب خانہ نیشنل میوزیم	کراچی	مرزا نظام بیگ
(۸) کتب خانہ پیر جھنڈو	پیرجھنڈو سعیدآباد	پیر وہاب اللہ شاہ راشدی ، پیر عماد اللہ شاہ راشدی
(۹) لیاقت نیشنل لائبریری	کراچی	
(۱۰) نجی کتبخانہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان	سندھ یونیورسٹی اولڈ کیمپس حیدرآباد	ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان

Marfat.com

(۱۱) نجی کتبخانہ خلیل	خلیل بلڈنگ لطیف آباد	ڈاکٹر شیخ ابراہیم خلیل ، ڈاکٹر شیخ محمد اسمٰعیل
(۱۲) نجی کتبخانہ ڈاکٹر نجم الاسلام	لطیف آباد حیدرآباد	ڈاکٹر نجم الاسلام
(۱۳) نجی کتبخانہ حضور احمد سلیم	" "	پروفیسر حضور احمد
(۱۴) کتبخانہ حسن جان سرہندی	ٹنڈو سائیں داد	پیر حکیم غلام محی الدین سرہندی
(۱۵) کتبخانہ زیب ادبی مرکز	حیدرآباد	احمد شیخ
(۱۶) انجمن ترقی اردو	کراچی	پروفیسر شبیر علی کاظمی، افسر امروہوی
(۱۷) میونسپل لائبریری	سکھر	شیخ عبدالرزاق راز ، آفاق صدیقی
(۱۸) کتبخانہ سندھ کالج آف کامرس	حیدرآباد	پرنسپل سید قوی احمد ۔

Marfat.com

کتابیات

اردو

(۱) چچ نامہ (فتح نامہ سندھ)، اردو ترجمہ اختر رضوی -
محقق و شارح ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ، مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ،
حیدرآباد سندھ، ۱۹۶۳ء -

(۲) تاریخ معصومی، تصنیف میر محمد معصوم بکھری -
اردو ترجمہ اختر رضوی تصحیح و حواشی ڈاکٹر نبی بخش بلوچ،
حیدرآباد سندھ، ۱۹۵۹ء -

(۳) تحفۃ الکرام، تصنیف میر علی شیر قانع ٹھٹھوی (اردو ترجمہ)
تصحیح و حواشی مخدوم امیر احمد، ڈاکٹر نبی بخش بلوچ -

(۴) تاریخ سندھ جلد اول دوم (عہد کلہوڑا) مولانا غلام رسول مہر،
حیدرآباد، ۱۹۵۸ء -

(۵) تاریخ سندھ، مولوی ابو ظفر ندوی، دارالمصنفین، اعظم گڑھ،
۱۹۴۴ء -

(۶) تاریخ سندھ، حصہ اول و دوم، اعجاز الحق قدوسی، مرکزی اردو
بورڈ لاہور، ۱۹۷۱ء -

(۷) تاریخ اسلام (تین حصے)، مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی،
نفیس اکیڈیمی، کراچی -

(۸) بزم مملوکیہ مرتبہ صباح الدین عبدالرحمٰن، مطبع معارف اعظم گڑھ،
۱۹۵۴ء -

(۹) بزم صوفیہ " " " "

(۱۰) بزم تیموریہ " " " "

Marfat.com

(۱۱) ثقافت پاکستان ، مؤلفہ شیخ محمد اکرام ، ادارہ مطبوعات پاکستان، کراچی ، ۱۹۶۰ء -

(۱۲) آبِ کوثر ” ” ” ” ”

(۱۳) موج کوثر ” ” ” ” ”

(۱۴) رود کوثر ” ” ” ” ”

(۱۵) تاریخ پاکستان و ہند ، جلد اول و دوم ، سید عبدالقادر ، حق برادرز ، لاہور ، ۱۹۵۴ء -

(۱۶) اخبار الاخیار فی اسرار الابرار ، تصنیف شیخ عبدالحق محدث دہلوی ، اردو ترجمہ (انوار صوفیہ) لطیف ملک ، شعاع ادب لاہور، ۱۹۶۲ء -

(۱۷) تذکرہ اولیائے ہند (جلد اول تا سوم) مصنفہ مرزا محمد اختر دہلوی۔ کتب خانہ میسور پریس دہلی ، ۱۹۲۸ء -

(۱۸) تذکرہ علمائے ہند ، مولوی رحمان علی ، اردو ترجمہ پروفیسر ایوب قادری ، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی ، کراچی ، ۱۹۷۲ء -

(۱۹) تذکرہ علماء والمشائخ ، محمد دین فوق ، گلزار محمدیہ اسٹیم پریس ، لاہور ، ۱۹۳۰ء -

(۲۰) حیات العلماء ، مولوی عبدالباقی سہسوانی ، نولکشور پریس ، لکھنو ، ۱۹۲۲ء -

(۲۱) علمائے ہند کا شاندار ماضی (سہ جلد) مولانا محمد میاں دہلوی ، ۱۹۴۲ -

(۲۲) عہد اسلامی کا ہندوستان ، ریاست علی ندوی ، ادارہ المصنفین ، پٹنہ ، ۱۹۵۰ -

(۲۳) برہانپور کے سندھی اولیاء ، سید مطیع اللہ راشدی برہانپوری ، سندھی ادبی بورڈ ، ۱۹۵۷ -

(۲۴) تذکرہ صوفیائے سندھ ، اعجاز الحق قدوسی ، اردو اکیڈیمی سندھ ، کراچی ، ۱۹۵۹ -

Marfat.com

(۲۶) سرزمین سندھ میں علم حدیث (قلمی) مخدوم امیر احمد ، مملوکہ مخدوم غلام احمد ، حیدرآباد ۔

(۲۷) سندھی ادب ، سید حسام الدین راشدی ، ادارہ مطبوعات پاکستان، کراچی ۔

(۲۸) سندھی ادب کے مختلف رجحانات ، پروفیسر محبوب علی چنہ ، سندھ پرنٹنگ پریس ، ۱۹۷۲ء ۔

(۲۹) سندھ میں اردو شاعری ، ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ ، مہران آرٹس کونسل ، حیدرآباد ، ۱۹۶۷ء ۔

(۳۰) سندھ کے جدید اردو شعراء ، پروفیسر مشتاق جعفری ، سندھ یونیورسٹی پریس ، حیدرآباد ، ۱۹۶۱ء ۔

(۳۱) اردو سندھی کے لسانی روابط ، ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی ۔

(۳۲) سندھ میں اردو مخطوطات ، علی احمد زیدی ، مرکزی اردو بورڈ ، ۱۹۶۹ء ۔

(۳۳) سندھ میں اردو مطبوعات ، عبدالجلیل ، اسلام اختر ، مرکزی اردو بورڈ ، ۱۹۷۰ء ۔

(۳۴) شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک ، مولانا عبیداللہ سندھی (مملوکہ شاہ ولی اللہ اکیڈیمی ، حیدرآباد) ۔

(۳۵) امام ولی اللہ دہلوی کی حکمت کا اجمالی تعارف ، مولانا عبیداللہ سندھی ، مکتبہ الفرقان ، لکھنؤ ۔

(۳۶) مرزا غازی خان ترخانی اور اس کی بزم ادب ، حسام الدین راشدی ، انجمن ترقی اردو ، کراچی ، ۱۹۷۰ ۔

(۳۷) سید احمد شہید ، مولانا غلام رسول مہر ، کتاب منزل ، لاہور ۔

(۳۸) شعر العجم ، علامہ شبلی نعمانی ، دارالمصنفین ، اعظم گڑھ ، ۱۹۴۷ء ۔

(۳۹) روح تصوف ، مولانا اشرف علی تھانوی ، دارالاشاعت کراچی ، ۱۹۶۳ ۔

Marfat.com

(۴۰) نقوش سلیمانی ، سید سلیمان ندوی ، دارالمصنفین ، اعظم گڑھ ، ۱۹۶۳ء ۔

(۴۱) تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند (تیرھویں جلد) ۔
پنجاب یونیورسٹی ، لاہور ، ۱۹۷۱ء ۔

(۴۲) ارض ملتان ، شیخ اکرام الحق ، شعبہ نشر و اشاعت ، الاکرام ، ملتان ، ۱۹۷۱ء ۔

(۴۳) اردو کی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا کام ، مولوی عبدالحق ، انجمن ترقی اردو ، کراچی ، ۱۹۵۳ء ۔

(۴۴) داستان تاریخ اردو ، حامد حسن قادری ، اردو اکیڈیمی سندھ (تیسرا ایڈیشن) ۱۹۶۶ء ۔

(۴۵) تاریخ ادب اردو ، رام بابو سکسینہ ، نولکشور ، لکھنؤ ، تیسرا ایڈیشن ۔

(۴۶) داستان اردو ، نواب نصیر حسین خیال ، ادارہ اشاعت اردو ، حیدرآباد دکن ، ۱۹۴۴ء ۔

(۴۷) تاریخ ادب اردو (حصہ اول) ، ڈاکٹر جمیل جالبی ، مجلس ترقی ادب ، لاہور ۔

(۴۸) پنجاب میں اردو ، پروفیسر محمود شیرانی ، (طبع سوم) ، مکتبہ معین الادب لاہور ۔

(۴۹) دکن میں اردو ، نصیرالدین ہاشمی ، (پانچواں ایڈیشن) ، اردو اکیڈیمی ، سندھ ۔

(۵۰) بنگال میں اردو ، وفا راشدی ، مکتبہ اشاعت اردو ، حیدرآباد سندھ ۔

(۵۱) ارباب نثر اردو ، پروفیسر سید محمد ، مکتبہ معین الادب ، لاہور ، ۱۹۵۰ء ۔

(۵۲) بلوچستان میں اردو ، ڈاکٹر انعام الحق کوثر ، ترقی اردو بورڈ ، لاہور ، ۱۹۶۸ء ۔

(۵۳) اردو غزل ، ڈاکٹر یوسف حسین خان ، اعظم اسٹیم پریس ، حیدرآباد دکن ۔

Marfat.com

(۵۴) تاریخ نثر اردو (جلد اول) احسن مارہروی ، مسلم یونیورسٹی علیگڑھ ، ۱۹۳۰ء -

(۵۵) ثقافتی اردو ، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان ، مکتبہ نیا دور ، کراچی ، ۱۹۶۱ء -

(۵۶) علمی نقوش ، " " اعلیٰ کتب خانہ ، کراچی ، ۱۹۵۷ء -

(۵۷) ادبی جائزے ، " " کراچی ۱۹۵۹ء -

(۵۸) اردو پر فارسی کا اثر " "

(۵۹) حیات سعیدیہ ، مولانا زوار حسین شاہ ، ادارہ مجددیہ ، کراچی -

(۶۰) سیر المصنفین ، مولوی محمد یحییٰ تنہا ، شیخ مبارک علی ، لاہور ، طبع دوم ۱۹۴۸ء -

(۶۱) مسلمانان کراچی و سندھ کی تعلیم ، سید مصطفیٰ علی بریلوی ، آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس ، کراچی ، ۱۹۶۸ء -

(۶۲) حیات صبغت اللہ شاہ ایرانی ، اردو ترجمہ حکیم ذوق ، ادارہ المصطفیٰ ، حیدرآباد ، ۱۹۶۹ء -

(۶۳) میکدۂ مصطفائی، مؤلف پروفیسر علی نواز جتوئی " " ۱۹۶۵ء -

(۶۴) مینائے مصطفائی (دور اول و دوم) " " ۱۹۶۹ء -

(۶۵) سماجی انصاف اور اجتماعیت شاہ ولی اللہ کی نظر میں ، مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی ، شاہ ولی اللہ اکیڈیمی ، حیدرآباد ، ۱۹۷۳ء -

(۶۶) خطبات و مقالات مولانا عبیداللہ سندھی ، سندھ ساگر اکادمی لاہور ، اشاعت دوم ، ۱۹۷۰ -

(۶۷) سرسید احمد خان اور ان کے نامور رفقاء کی نثر کا فکری اور فنی تجزیہ ، ڈاکٹر سید عبداللہ ، مکتبہ کاروان لاہور ۱۹۶۰ -

(۶۸) جدید اردو شاعری ، پروفیسر عبدالقادر سروری ، شیخ غلام علی اینڈ سنز ، لاہور ، اشاعت چہارم ۱۹۶۶ -

Marfat.com

(۶۹) پاکستان کی علاقائی زبانوں پر فارسی کا اثر ، ادارہ مطبوعات پاکستان ، کراچی، ۱۹۵۵ء -
(۷۰) حیات قلندر ، پروفیسر حضور احمد سلیم ، مکتبہ مسعود ، لطیف آباد ، ۱۹۷۸ء -
(۷۱) نسب نامہ الف خان بھٹی ، " " "
(۷۲) علی گڑھ تحریک کا شاہکار ، سید الطاف علی بریلوی ، آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی ، ۱۹۶۴ء -
(۷۳) تاریخ اسلام ، محمود الحسن صدیقی ، مطبوعہ سلور برفرٹ کمپنی ، نیویارک ، ۱۹۵۳ء -
(۷۴) تاریخ ہند و پاکستان ، ریاض الاسلام ، " " "
(۷۵) تاریخ فیروز شاہی ، ضیاء الدین برنی ، ترجمہ ڈاکٹر سید معین الحق ، مرکزی اردو بورڈ ، لاہور (بار اول) ۱۹۶۹ء -
(۷۶) تاریخ فیرزز شاہی ، شمس سراج عفیف ، ترجمہ مولوی فدا علی ، نفیس اکیڈیمی کراچی ۱۹۶۵ء -
(۷۷) تاریخ فرشتہ ، جلد اول و دوم ، محمد قاسم فرشتہ ، ترجمہ عبدالحی خواجہ ، شیخ غلام علی اینڈ سنز ، لاہور ، اشاعت دوم ، ۱۹۷۴ء -
(۷۸) انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ ، علامہ عبداللہ یوسف علی ، کریم سنز کراچی ، ۱۹۶۷ء -
(۷۹) تحریک پاکستان (افکار و مسائل) ، گورنمنٹ نیشنل کالج ، کراچی ، ۱۹۶۷ء -
(۸۰) تہذیب و تمدن اسلامی (حصہ اول تا سوئم) ، رشید اختر ندوی ، ادارۂ ثقافت اسلامیہ ، لاہور ۱۹۵۳ء -
(۸۱) تقویم ہجری و عیسوی ، مرتبہ ابو النصر محمد خالدی ، انجمن ترقی اردو ہند ، دہلی ۱۹۳۱ء -

Marfat.com

سندھی :

(۱) تذکرۂ لطفی (جلد اول تا سوم) لطف اللہ بدوی ، ناشران ننذی لعل۔ بھوکر داس بک سیلرز ، کراچی ، ۱۹۳۶ء -

(۲) تذکرہ مشاہیر سندھ ، دین محمد وفائی ، تحقیق و حواشی حسام الدین راشدی ، سندھی ادبی بورڈ ، ۱۹۷۴ء -

(۳) تذکرہ امیر خانی ، حسام الدین راشدی ، سندھی ادبی بورڈ ۔

(۴) تذکرہ شعرائے ٹکھڑ ، اسداللہ شاہ ، ,, ,, ۱۹۵۱ء -

(۵) قدیم سندھ ، مرزا قلیچ بیگ ، ,, ,, ,,

(۶) جنت السندھ، سولائی شیدائی ، ,, ,, ,,

(۷) سندھی نثر جی تاریخ ، ڈاکٹر خواجہ غلام علی الانا ، سندھ پرنٹنگ پریس ، حیدرآباد ، ۱۹۶۶ء -

(۸) سندھی مصنفین جی ڈائریکٹری ,, ,, انسٹی ٹیوٹ آف سندھیالوجی ، ۱۹۷۸ء -

(۹) سندھی نثر جی ادبی تاریخ ، محمد صدیق میمن، حیدرآباد ، ۱۹۵۳ء -

(۱۰) سندھی نثر جی تاریخ ، پروفیسر منگھا رام ملکانی (پاکستانی ایڈیشن)، زیب ادبی مرکز ، سندھ پرنٹنگ پریس حیدرآباد ، ۱۹۷۷ء -

(۱۱) شاہ جی رسالی جا سرچشما ، تحقیق ڈاکٹر نبی بخش ، سندھ پرنٹنگ پریس ، حیذرآباد ، ۱۹۷۲ء -

(۱۲) شاہ جی رسالی جی ترتیب ,, ,, ,, ۱۹۷۴ء

(۱۳) بلبل سندھ ، شیخ محمد ابراہیم خلیل ,, ,, ۱۹۷۴ء -

(۱۴) مہران جاسوتی ، مرتبہ مولانا عبدالواحد سندھی ، ادارہ مطبوعات پاکستان کراچی ۱۹۷۰ء -

(۱۵) مہران جامانک ، ,, ,, ,, ۱۹۷۰ء -

(۱۶) مہران جو موجون ، مرتبہ حسام الدین راشدی ,, ۱۹۶۴ء -

Marfat.com

(۱۷) فائق ہلیا فردوس ہیں ـ حکیم عبدالعزیز سرہندی ، سرہندی پبلیکیشن کنھری ، ۱۹۷۰ء ـ

(۱۸) تاریخ مخادیم کھہڑا (مخطوطہ) مخدوم اللہ بخش عاصی مملوکہ مخدوم غلام احمد ـ

(۱۹) سندھی لیکن جی ڈائریکٹری ـ ڈاکٹر غلام علی الأنا ، انسٹی ٹیوٹ آف سندھیالوجی ، ۱۹۷۴ء ـ

(۲۰) ماتی ہنا رابیل ـ مرتبہ حسام الدین راشدی ، مطبوعہ پاکستان پبلیکیشن کراچی ـ

(۲۱) سچل سرمست (حیات و کلام) پروفیسر عطا محمد حامی ,, ,, ۱۹۶۳ ـ

(۲۲) ادب تنقید ڈاکٹر شیخ ابراہیم خلیل ازیب ادبی مرکز حیدرآباد ۱۹۷۶ء ـ

(۲۳) سندھی بولی جی مختصر تاریخ ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ ,, ,, ۱۹۸۰ء ـ

شعری مجموعے (سندھی اردو) :

(۱) شاہ جو رسالو ـ شاہ عبدالطیف بھٹائی ، نسخہ ہندوستان کتب گھر بمبئی ، ۱۹۵۸ء ـ

(۲) بیاض سندھی (شاہ جو رسالو) نسخہ برٹش میوزیم لندن ، او آر نمبر ۲۹۶۷/۱۸۸۶ء ـ تحقیق و تصحیح ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ ، مطبوعہ شاہ عبداللطیف ثقافتی مرکز کمیٹی بھٹ شاہ ، ۱۹۶۷ء ـ

(۳) سچل کا سرائیکی نظام ، مرتبہ حکیم محمد صادق رانیپوری ، سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد ، ۱۹۵۹ء ـ

(۴) دیوان عطا ، عبدالحکیم عطا ٹھٹھوی ، سندھی ادبی بورڈ ـ

(۵) دیوان بیدل ، فقیر قادر بخش بیدل ، مرتبہ عبدالحسین شاہ ,, ,, ۱۹۶۱ء ـ

Marfat.com

(۶) دیوان بیکس ، خلیفہ محمد حسن بیکس سندھی ادبی بورڈ ،، ۱۹۶۵ء
(۷) کلیات گدا ، غلام محمد شاہ گدا ، مرتبہ رشید احمد لاشاری، ،، ،،
۱۹۵۷ء -
(۸) کلیات امین محمد امین ہالائی ، مخدوم محمد زمان طالب المولی ،، ،،
۱۹۶۶ء -
(۹) کلیات سائل ، غلام علی سائل ، ترتیب و مقدمہ محمد احمد عباسی ؛
حبیب اللہ رشدی ، سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد -
(۱۰) کلیات حمل ، حمل فقیر ، مرتبہ ڈاکٹر نبی بخش بلوچ ، سندھی ادبی
بورڈ حیدرآباد ۱۹۵۳ء -
(۱۱) کلام حسن بخش شاہ ، مولفہ عارف المولی ، ،، ،، ،،
۱۹۵۷ء -
(۱۲) کلام نواب ولی محمد لغاری ، مرتبہ ڈاکٹر نبی بخش ،، ،،
(۱۳) کلیات سانگی ،، ،،
(۱۵) دیوان حلیم ، مرتبہ پروفیسر حضور احمد سلیم ، مکتبہ مسعود
حیدرآباد ، ۱۹۷۹ء -

فارسی (نظم و نثر) :

(۱) تذکرہ مقالات الشعراء ، تصنیف میر علی شیر قانع ٹھٹھوی ، مقدمہ و
حواشی سید حسام الدین راشدی ، سندھی ادبی بورڈ ، کراچی ، ۱۹۵۷ء -
(۲) تکملہ مقالات الشعراء ، تصنیف مخدوم ابراہیم خلیل ٹھٹھوی ، مقدمہ و
حواشی سید حسام الدین راشدی ، سندھی ادبی بورڈ کراچی ،
۱۹۵۷ء -
(۳) تحفۃ الکرام ، تصنیف میر علی شیر قانع ، مرتبہ حسام الدین راشدی ،
سندھی ادبی بورڈ کراچی -
(۴) ترخان نامہ ،، ،، ،،
(۵) مکلی نامہ ،، ،، ،،

Marfat.com

(۶) حدیقۃالاولیاء ، مرتبہ حسام الدین راشدی ، سندھی ادبی بورڈ ، کراچی -
(۷) تواریخ خانقاہ مظہریہ ، مرتبہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان ، کراچی ، ۱۹۵۷ء -
(۸) مونس المخلصین ، عبداللہ جان سرہندی مطبع عباسی لیتھو آرٹ پریس کراچی ۱۹۴۶ء -
(۹) لب تاریخ سندھ ، خداداد خان ، سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد ۱۹۵۹ء -
(۱۰) تاریخ ریاست خیرپور ،، مطبع ریاض ہند ، امرتسر -
(۱۱) تاریخ سندھ ، معصوم بکھری ، مرتبہ ڈاکٹر داود پوتہ ، مطبع قیمہ ، بمبئی -
(۱۲) دیوان عظیم ، عظیم ٹھٹھوی ، مرتبہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان ، سندھی ادبی بورڈ -
(۱۳) فتح نامہ ، عظیم ٹھٹھوی ، سندھی ادبی بورڈ -
(۱۴) دیوان آشکار ، سچل سرمست ، مرتبہ مخدوم امیر احمد ، سچل ادبی اکیڈیمی لاہور ، ۱۹۵۷ء -
(۱۵) کلیات ادیب ، دین محمد ادیب ، حیدرآباد ۱۹۶۴ء -
(۱۶) دو بیتی نامہ بابا طاہر ، ترجمہ منظوم بہ اردو ، پروفیسر حضور احمد سلیم ، مکتبہ مسعود ، حیدرآباد ۱۹۷۴ء -
(۱۷) انتخاب پیام مشرق ، اردو ترجمہ پروفیسر حضور احمد سلیم ، اقبال اکادمی لاہور ، ۱۹۷۷ء -

رسائل و اخبارات (اردو) :

(۱) ماہنامہ نگار ، اردو شاعری نمبر ، مرتبہ علامہ نیاز فتحپوری، ۱۹۳۵ء -
(۲) سہ ماہی اردو ، حیدرآباد دکن ، جولائی تا اکتوبر ۱۹۳۷ء -
(۳) سہ ماہی اردو کراچی ، جولائی ۱۹۴۵ء ، اپریل اکتوبر ۱۹۵۱ء ، دسمبر ۱۹۷۵ء -

Marfat.com

(۴) سہ ماہی اردو نامہ ، کراچی ، مارچ ۱۹۶۶ء ، جولائی ۱۹۷۳ء ، اپریل ۱۹۷۴ء ، مارچ و دسمبر ۱۹۷۵ء -

(۵) سہ ماہی العلم ، کراچی ، مارچ ۱۹۷۵ء -

(۶) سہ ماہی صحیفہ ، لاہور ، اپریل ۱۹۷۲ء -

(۷) ماہنامہ معارف ، اعظم گڑھ ، جون ۱۹۵۹ء -

(۸) ماہنامہ المعارف ، لاہور ، جنوری ۱۹۷۹ء -

(۹) ماہنامہ الرشید ، لاہور ، دارالعلوم دیوبند نمبر ، فروری مارچ ۱۹۷۶ء -

(۱۰) ماہنامہ المصطفیٰ ، حیدرآباد (سندھ) دسمبر ۱۹۵۷ء ، مئی ۱۹۵۹ء -

(۱۱) ماہنامہ الولی ، حیدرآباد (سندھ) ، اگست ستمبر اکتوبر ۱۹۷۵ء ، فروری دسمبر ۱۹۷۶ء ، جنوری ۱۹۷۷ء -

(۱۲) ماہنامہ پیغام کراچی ، مارچ ۱۹۷۸ء -

(۱۳) مجلہ صریر خامہ ، قومی شاعری نمبر ، مرتبہ وفا راشدی مطبوعہ سندھ یونیورسٹی ۱۹۶۶ء - صریر خامہ نعت نمبر مرتبہ حیات علی شاعر ۱۹۷۸ء -

(۱۴) مجلہ علم و آگہی ، برصغیر پاک و ہند کے علمی ادبی تعلیمی ادارے ، جلد اول ، دوم - گورنمنٹ نیشنل کالج کراچی ۱۹۷۵ء -

(۱۵) ہفت روزہ اخبار جہان ، کراچی فروری ۱۹۶۸ء -

(۱۶) روزنامہ حریت ، کراچی ، میگزین ایڈیشن ۲ جون ۱۹۷۵ء -

(۱۷) روزنامہ انجام ، کراچی ۱۸ جنوری ۱۹۶۸ء -

(۱۸) روزنامہ جنگ کراچی ، پاکستان ایڈیشن ۱۹۶۴ء ، ۲ اپریل ۱۹۶۸ء -

(۱۹) روزنامہ نوائے وقت ، کراچی ۱۲ ، ۲۹ مئی ۱۹۸۰ء -

(سندھی) :

(۱) ماہنامہ نئی زندگی ، کراچی ، جون ۱۹۷۵ء ، جنوری ۱۹۷۸ء -

Marfat.com

(۲) ماہنامہ الرحیم ، حیدرآباد (سندھ) ، مشاہیر سندھ نمبر ۱۹۶۱ء ، مئی جون ۱۹۷۵ء ، اکتوبر ۱۹۷۶ء ، اپریل ۱۹۷۸ء۔

(۳) سہ ماہی مہران ، حیدرآباد ، سوانح نمبر ۱۹۵۷ء ، مشاہیر نمبر ۱۹۶۱ - جون ۱۹۷۹ء -

(۴) مجلہ علمی آئینو ، مرتبہ ڈاکٹر غلام علی الانا ، مطبوعہ سندھیالوجی ۱۹۷۳ء -

(۵) مجلہ پرکھ ، شعبہ سندھی ، سندھ یونیورسٹی ۱۹۷۷ء -

(۶) ششماہی سندھی ادب ، جلد ۳ شمارہ ۱، ۲ ، ۱۹۷۹ء ، مطبوعہ سندھیالوجی۔

Marfat.com

BIBLIOGRAPHY.

1.	Burton, Richard F	Sind and Races that inhabit in the Valley. Oxford University Press London / Karachi 1851/1973.
2.	Cousens, Hery	The Antiquities of Sind with Historical outline. Oxford University Press London/ Karachi 1925/1975.
3.	Khera, P.N.	British Policy in Sind.
4.	Arnold, Thomas.	The Preaching of Islam.
5.	Stack, G	A Grammer of the Sindhi Language, American Mission Press, Bombay, 1953.
6.	Sorley, H. T.	Shah Abdul Latif of Bhit, Oxford University Press, Lond. 1940.
7.	Tites, Dr.	Indian Islam.
8.	East Henry, Sir	History of India.
9.	Prashad, Ishwari	A New History of India, The Indian Press, Allahabad, 1936.
10.	Sadarangani, H.I. Dr.	Persian Poets of Sind. Sindhi Adabi Board, Hyderabad, 1956.

Marfat.com

11.	Vaswani, T. L.	Desert Voices.
12.	Vaswani, T. L.	The Vision of aVillage Singer.
13.	Pit Wala, M.S.	A Physical & Economical Geography of Sind.
14.	Yousaf, Mazhar	Sindhological Studies, Institute of Sindhology Sindh University, Summer 1975.
15.	Ansari, Akram, Prof.	Latif and the Modern World. Sind Printing Press, Hyderabad.
16,	Allana, G. A., Dr.	Progress Report of the Institute of Sindhology, University of Sindh, 1978-79.
17.	Khan, Ghulam Mustafa, Dr.	A History of Persian Literature in the Indo Pak. continent, Karachi 1972.

Marfat.com

Marfat.com

اغلاط نامہ

(اردو کی ترقی میں اولیاے سندھ کا حصہ)

نوٹ

پہلا ہندسہ صفحہ، دوسرا سطر کے لیے، خطوط وحدانی کے باہر غلط اور اندر صحیح عبارت

۱/۱۳ تواریخ، (تاریخ) ۱/۱۴ استاد الاساتذہ (استاذ الاساتذہ) ۸/۱۰ فدایان توحید (فدائیان توحید) ۱۰/۸ مالپور (تالپور) ۱۰/۱۸ تعین (تعیین) ۱۳/۱۲ قاسم سندھ (قاسم سندھی) ۱۶/۱۹ سندھی ابن صدقہ (ابن صدقہ سندھی) ۱۸/۱۷ بکڑ چکے (بگڑ چکے) ۱۸/۱۸ " و " ۱۹/۲۴ (X) ردے از زمین سندھ (مردے از زمین سندھ) ۱۸/۱۹ یحیٰ (یحییٰ) ۲۰/۱ قاضی قافن (قاضی قاضن) ۲۰/۲ ایضاً (ایضاً) ۲۰/۲۲ ایضاً (ایضاً) ۲۷/۸ مشرک (X) ۳۳/۸ چو تنہا روی زیر ابہو زمیں (چونکہ تو تنہا روی زیر زمیں ۳۳/۹ ابہہ (ابہو) ۳۴/۲۰ جل، نرم جیم ح کے ساتھ (جل) ۳۶/۲۴ ہر درد (بدرد) ۳۹/۱۴ یوں لغت (یوں تاریخ) ۴۰/۳ ۱۱۹۶ء (۱۱۹۶ھ) ۴۴/۵ صحابی ستر، (صحاح ستہ) ۴۴/۵ حنبل کے (حنبل) ۴۴/۶ " اذکار نوبہ " (اذکار نوویہ) ۴۴/۶ علامہ حجر (علامہ ابن حجر) ۴۴/۹ ماجہ (ابن ماجہ) ۴۵/۸ النھی عن عشق للردان و نسوان (؟) ۴۶/۱۵ " دراسات البیب فی الاسوۃ الحسنتہ بالجبیہ " (دراسات اللبیب فی الاسوۃ الحسنتہ بالجبیب) ۵۰/۲۲ نگہ از زلف تسکین تو (نگہ از زلف مشکین تو) ۵۵/۱۲ یہاں تک (یہاں تک کہ) ۵۵/۱۲ سخن آفرنیاں ہندی (سخن آفرینان ہندی) ۵۹/۱۱ بیدار ہے (بیداد ہے) ۵۹/۱۶ پانج (پلنگ) ۵۹/۲۲ بات باقی ہے (بات باتی ہے) ۶۰/۷ پاشا جیلانی المدد (یا شاہ جیلاں المدد) ۶۰/۹ صفت ایہام (صنعت ایہام) ۶۰/۱۰ ایضاً (ایضاً) ۶۰/۱۲ ایضاً (ایضاً) ۶۰/۱۵ صفت گر (صنعت گر) ۶۰/۲۰ اچار ہوا کھٹا (آچار ہو یا کھٹا ۶۲/۲ سعدی در زبان فارسی (سعدی) ۶۵/۱۴ المواہب الطفہ (المواہب اللطیفہ)

Marfat.com

۶۵/۱۴ سند کی روایت (X) ۶۵/۱۵ فقہ فتاویٰ (X) ۶۵/۱۷ ثبت (؟) ۶۹/۱ زھدۃ المعاصرین اور لحک خسروی (؟) ۶۹/۵ "لحک خسروی" (؟) ۶۹/۱۷ صنعت مثنوی (صنف مثنوی) ۷۰/۳ ایران و شہزادگان (امیران و شہزادگان) ۷۰/۱۶ ۱۱۵۳ھ (ولادت ۱۱۵۳ھ) ۷۰/۱۶ ملتان ۱۲۲۵ھ (ملتان، وفات ۱۲۲۵ھ) ۷۲/۹ خمسات (مخمسات) ۷۲/۹ اسلام (سلام) ۷۳/۳ میر ستارہ (میرتارہ) ۷۳/۱۷ دواین (دواوین) ۷۴/۱۱ تاجی (ناجی) ۷۴/۱۷ نحیف الفاظ (تحیف الفاظ) ۷۵/۹ مسرتوں (حسرتوں) ۷۶/۲۱ نہ جلوہ گر ہے ہر دو جہاں نے کوئی جلوہ ہے (نہ جلوہ گر ہے ہر دونوں جہاں میں نے کوئی جلوہ روتے ہیں) ۷۷/۲ تیرے میر ہجر میں پیارا روتا ہوں زار زار (روتے ہیں ہجر تیرے میں زار زار پیارے) ۷۷/۱۹ ماروں مدد (مارو مدو) ۷۷/۲۰ چھوڑو مجھے (چھڑو مجھے) ۷۸/۲ بادلی کے مانند (بدلی کے مانند) ۷۸/۱۳ ومانا تعلق ہوا (دونا ناتعلق ہوا) ۷۸/۱۵ جن تیرے ہاتھ (جن ترے ہاتھ) ۸۰/۱۴ Esop (Aesop) ۸۵/۲ کھڈ (کھڈہ) ۸۶/۸ تحفتہ الحداق (تحفتہ الحذاق) ۸۶/۹ الفاوی المحمدیہ (الفتاویٰ المحمدیہ) ۸۶/۱۳ الاحل بشارہ (لاحل بشارہ) ۸۶/۱۵ از ارشاد الحق (ارشاد الحق) ۹۰/۲۰ فی لطیف الاحادیث (فی لطف الاحادیث) ۹۳/۷ جواردو کا پہلا ڈرامہ ہے (X) ۹۸/۱۳ امام حقانی (امام ربانی) ۹۸/۱۶ میری دل رہی (مرے دل میں رہی)

۹۸/۲۵ برقیباں چیں (بر رقیباں چنیں) ۹۸/۲۶ سرکی (سری) ۱۰۰/۵ تم دید (توری دید) ۱۰۰/۲۴ تیرے دام تے میرے دل کو (تجھ دام سے دل میرا) ۱۰۱/۲ دیدار کے جن میں (دیدار کے چمن میں) ۱۰۱/۲۰ دل داغ (دل میں داغ) ۱۰۳/۱۱ غلام محمد شہوانی (؟) ۱۰۳/۲۲ مشعل را (مشعل راہ) ۱۱۰/۱۳ صفیحتہ الخشوع (صبغتہ الخشوع) ۱۲۰/۱۸ " ادھا سورج ادھا سایہ "آدھا سورج آدھا سایہ) ۱۲۲/۱۷ علیم الدین (علم الدین) ۱۲۳/۱۹ علی قادری (علی قادری) ۱۲۳/۲۳ معبود و مقدس (محمود و مقدس) ۱۲۴/۴ تنگنائی غزل (تنگنائے غزل) ۱۳۰/۲۲ وطن بیدار ہے (وطن بیداد ہے) ۱۳۱/۱۲ مری جان دیکھا (مری جاں دیکھنا) ۱۳۱/۱۴ داد پایا (دوا پایا) ۱۳۱/۱۷ اعیاں سلوک (عیاں مسلوک) ۱۳۱/۲۱ غبار فقیر (غبار فقر) ۱۳۱/۲۳ دیکھ نہ (دیکھنا نہ) ۱۳۲/۱ بہ اہل ترمس (باہل ترس) ۱۳۲/۳ داغ سفید (داغ اسپید) ۱۳۲/۵، تاریخ (کہ تاریخ) ۱۳۲/۲۱ قدر گیر (قدر گہر) ۱۳۳/۱۶ کامل تورع (کامل در تورع) ۱۳۳/۱۷ پیک وضو (بیک وضو) ۱۳۴/۸ وضع گدائی مرا نہ رسم (وضع گدائی مرا - - - - نہ رسم) ۱۳۴/۹ در ایں خرابہ جیون کھیتی است (دریں خرابہ

Marfat.com

جیوں ۔ ۔ ۔ ۔ کھیتی است) ۱۳۴/ ۱۴ اصلاحات و محاورات (اصطلاحات و محاورات)
۱۳۴/ ۱۸ سخن گزار (سخن در دل) ۱۳۴/ ۲۴ بر زیر (بریزد) ۱۳۵/ ۶ ولت پت (ولت وپت) ۱۳۵/ ۷ کھیلنا (کھیلنا کہ) ۱۳۵/ ۱۷ آکا پچھا پکار ہے (آکا پچھا ۔ ۔ ۔ ۔ پکار ہے)
۱۳۸/ ۱۳ ہم واراہ (ہمواره) ۱۳۹/ ۱ کمالات ، (کمالات) ۱۳۹/ ۲ صحبتش (صحبتش را)
۱۴۱/ ۱ جانا (نہ جانا گیا) ۱۴۱/ ۵ جانا مصدر (جاننا مصدر) ۱۴۲/ ۴ دریں سوں (درپن سوں)
۱۴۲/ ۸ بیت (پیت) ۱۴۲/ ۱۳ سا ماتم (سامانم) ۱۴۲/ ۱۴ شہ ہوا (شہ بدیٰ) ۱۴۲/ ۱۵ پاشاہ (یا شاہ) ۱۴۲/ ۱۶ صد ہزار (صد ہزاراں) ۱۴۲/ ۱۶ صد تعظیم (بصد تعظیم) ۱۴۲/ ۲۴ باقی (باتی) ۱۴۳/ ۲ تو گھڑوی (گھڑوی) ۱۴۳/ ۴ قیمتی دیکھ (دیکھ قیمتی) ۱۴۳/ ۶ نہیں (تیں)
۱۴۳/ ۱۳ تیر واصل (تیرے واصل) ۱۴۷/ ۲ باعث اعتنا (لائق اعتنا) ۱۴۷/ ۹ ہرانی (ہراتی)
۱۴۸/ ۱۲ ڈاکٹر گرنجشان (ڈاکٹر گربخشانی) ۱۴۸/ ۱۳ متعدد علوم (متعدد زبانوں) ۱۵۵/ ۱۹ رومئی (رومی) ۱۵۵/ ۱۷ دوده (دور)

۱۵۶/ ۷ هرکہ راه اسرار حق اونختند (ہرکرا اسرار حق آموختند) ۱۶۰/ ۷ نیا شد (نباشد) ۱۶۵/ ۸ رحم کن برحاں زار تو ارحیم الراحمین (رحم کن برحال زارم یا ارحم الراحمین) ۱۶۵/ ۹ برمدت (برورت) ۱۶۵/ ۱۴ کردارم درد بر دل پر عزیں (کہ دارم درد در قلب عزیں) ۱۶۵/ ۲۰ حم حاجات (همہ حاجات) ۱۶۵/ ۲۰ اجابت کہ (را قریں) ۱۶۶/ ۳ ہر مطلبم (حل مطلبم) ۱۶۸/ ۱۸ ہوا (ہویا) ۱۷۱/ ۲۰ وصالش (وصلش) ۱۷۳/ ۸ زندگی مقصود (بندگی مقصود) ۱۸۰/ ۳ مرد (مدد) ۱۸۵/ ۲ الهما (لهما) ۱۸۵/ ۱۲ سربیابان (سیر بیاباں)
۱۸۶/ ۹ ایک بار (اک بار) ۱۸۶/ ۱۶ جن نے پیا ہے پیو کی (جن نے پی ہے پی کی) ۱۸۶/ ۲۲ پیو (پی) ۱۸۷/ ۴ پکرتا ہے (پکرتا) ۱۸۷/ ۹ سیتی (ستی) ۱۸۷/ ۱۸ بادلی (بدلی) ۱۸۷/ ۲۰ پیو (پی) ۱۸۷/ ۲۳ اشک (رشک) ۱۸۸/ ۱۷ میرے (مرے) ۱۹۰/ ۴ سید صفا (سیاہی صفا) ۱۹۱/ ۲ خوش ذکر (خوش فکر) ۱۹۱/ ۸ مٰی کند آں (می کند آں فاش)

۱۹۱/ ۱۶ چوں سالک (چو شالک) ۱۹۱/ ۱۹ مال (سال) ۱۹۱/ ۲۱ محزوج عشق (پیشوا ے نوج عشق) ۱۹۲/ ۶ ایران (میران) ۱۹۴/ ۱۹ تبریز ہوا (تبریزی ہو) ۱۹۴/ ۲۰ ہر اک (ہر ایک) ۱۹۵/ ۱ ہو لآخر (ہوالآخر) ۱۹۶/ ۱۱ رامپوری (رانپوری) ۱۹۷/ ۵ سر پہچانے (سر کو پہچانے) ۱۹۷/ ۷ بہانہ (عنواں) ۱۹۷/ ۱۱ یا باطن (یا کہ باطن) ۱۹۷/ ۱۱ یا باہر (یا کہ باہر) ۱۹۷/ ۲۴ بشمولہ (مشمولہ) ۱۹۸/ ۲۲ میزاں (میداں) ۱۹۹/ ۱۳ تیرے صبر ہجر میں پیارا روتا ہوں زار زار (روتے [illegible] تیرے میں زار زار پیارے) ۱۹۹/ ۱۵ یار (پیارے) ۱۹۹/ ۱۸

Marfat.com

دیکھ کر حسن یزالی (دیکھ حسن لایزالی) ۱۹۹/۲۰ خط (خط ہے) ۲۰۰/۲ کوئی (کوہی) ۲۰۰/۱۱ پھلیا ہوا (نہ پھل ہمارا) ۲۰۰/۱۳ دیکھ (دکھا) ۲۰۰/۱۳ رکھ (راکھ ۲۰۰/۱۸ نتیں ہنہال (نثیں مجھے ہنہال) ۲۰۱/۴ ترے (آ!!) ۲۰۱/۴ میرا (مرا) ۲۰۱/۵ دیکھ کر (دا!!)
۲۰۱/۲۲ درد (درود) ۲۰۱/۲۶ ستم (رسم) ۲۰۱/۲۸ حمد الله (حمد للله)

صفحہ ۲۰۱ کے بعد صفحات کی ترتیب اس طرح ہوگی ہر:
۲۰۶، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۲، ۲۰۷

۲۰۲/۱ ہاتھوں میں اس کے کاجل (آنکھوں میں اس کی کاجل) ۲۰۳/۳ روحیل (روحل) ۲۰۶/۱۸ گھنگھوری (گھنگھوری) ۲۰۹/۲ ۱۱۷۶۷ (۱۷۷۶) ۲۰۹/۵ ۱۹۹۰ (۱۱۹۰) ۲۰۹/۵ ۱۷۵۶ ۱۷۷۶ ۲۰۹/۱۱ صحبت (محبت) ۲۰۹/۱۴ ندیدم (ندیدم) ۲۱۳/۲ نقطہ (نکتہ) ۲۱۳/۵ لگا (بہا) ۲۱۳/۸ پلی (پل) ۲۱۳/۲۲ حباب (بحر) ۲۱۴/۴ خان (خاک) ۲۱۴/۸ مدد میری پیر پیراں مدد ہماری میر میراں ۲۱۴/۱۴ کمؑ (کام) ۲۱۴/۱۸ لے کر (لیے) ۲۱۴/۲۰ کی کن (کن) ۲۱۴/۲۲ انجمن (بزم) ۲۱۵/۱ کھاتا (کھاتا) ۲۱۵/۲ صدا (سدا) ۲۱۵/۲ ہو مانند گدا سوامی (سوامی گدا بنا) ۲۱۵/۳ سجی محفل (سجی بزم)
۲۱۵/۴ سوا سریجن (سریجن اب) ۲۱۵/۵ نبھاتا (نہاتا) ۲۱۶/۲ ۱۷۷۷ء (۱۲۷۰ ھ) ۲۱۶/۲ ۱۲۷۰ ھ (۱۷۷۷ ھ) ۲۱۷/۱۱ آیوے (آیورے) ۲۱۷/۲۰ الت (۱۱۱۱) ۲۱۷/۲۰ تیرتمہ (تیرتھ) ۲۱۹/۴ ذکر و اذکار (ذکر اذکار) ۲۱۹/۸ جادہ پیمان (جادہ پیما) ۲۱۹/۱۱ کھوٹ (گوٹھ ۲۲۰/۶ اصلاح و مشورے (صلاح مشورے) ۲۲۱/۱۷ نے (سے) ۲۲۲/۵ جلسوں (جلسوں) ۲۲۳/۱۰ سوچ (سوچ میں). ۲۲۳/۱۸ مقابلے (معلطے). ۲۲۳/۱۹ عروضی (عروض) ۲۲۴/۲ لاتقنطو (لاتقنطوا) ۲۲۴/۱۳ یا (یار) ۲۲۴/۲۴ مست خیامی (مست خرامی) ۲۲۵/۷ تم (توری) ۲۲۸/۱۶ ولادیت و سیادیت (ولایت و سیادت) ۲۳۱/۱۵ سلامت کر، (سلامت کرکے) ۲۳۱/۱۷ کی جہاتی (جھاتی) ۲۳۳/۲ ۱۸۰۰-۱۸۰ء (۱۸۰۰ء) ۲۳۳/۴ نہ لپنے (نہ صرف لپنے) ۲۳۴/۲۳ بھجنے (بھیجنے) ۲۳۵/۱ سندھ میں (سندھ بھی)
۲۳۵/۹ باطنی سے (علوم باطنی سے بھی) ۲۳۶/۱۱ غلا شاہ (غلام شاہ) ۲۳۷/۸ ۱۶۶۶ء (۱۲۶۶ ھ) ۲۳۷/۱۱ شلوک (سلوک) ۲۳۷/۱۵ ولادیت (ولایت) ۲۳۷/۱۵ صیم (صحیم) ۲۳۷/۱۶ اللہی (الہی) ۲۳۸/۱۶ سنچی (ساچی) ۲۴۰/۱۳ کو تبلیغ (تبلیغ) ۲۴۲/ صفحہ

Marfat.com

نمبر ۳۴۲ (۲۴۲) ۲۴۲/ ۵ جام ہے (بے جام ے) ۲۴۴/ ۱۳ مرحیہ (مدحیہ) ۲۴۸/ ۶ کانٹوں پہ میرا (کانٹوں پر مرا) ۲۴۸/ ۹ اترے (گئے اتر) ۲۴۸/ ۱۱ ہو رحمل کی نہیں کچھ (ہو رحمل کی کچھ نہیں ہے) ۲۴۹/ ۹ قول (علم) ۲۵۱/ ۵ دیکھے دکھائے ۲۵۱/ ۸ گھنگھٹ (گھنگھٹ) ۲۵۳/ ۹ دھبدھبا (دبدھا) ۲۵۳/ ۹ ملا ملی نہ کرم (؟) ۲۵۳/ ۲۲ چل (کہ چل) ۲۵۳/ ۲۳ رکھ مجھ کو (مجھ کو روگ) ۲۵۳/ ۲۴ وہ (X) ۲۵۵/ ۳ کی روشنی (کی طرح روھڑی) ۲۵۷/ ۳ اڑجا (تو اڑجا) ۲۵۷/ ۶ آگلس (آکاس) ۲۵۷/ ۶ آگے (اگے)

۲۵۷/ ۶ نروان (نردبان) ۲۵۷/ ۷ کرو (رہ) ۲۵۷/ ۷ کہو (کہہ) ۲۵۷/ ۸ بیچون (بے چوں) ۲۵۷/ ۹ کھوکر (کھپاکر) ۲۵۷/ ۱۰ بسر (سر) ۲۵۷/ ۱۳ روٹی (دوٹی) ۲۵۷/ ۱۳ نرا (ترا) ۲۵۷/ ۲۶ سن (اس) ۲۵۸/ ۸ جستجو (جستجوے) ۲۵۷/ ۱۷ بے سروپا (بے سرپا) ۲۵۷/ ۱۹ سوجھی (آمد ایں) ۲۵۷/ ۲۰ سربریغون (سربریدہ) ۲۶۰/ ۹ لال (لعل) ۲۶۰/ ۲۳ محفں (نور) ۲۶۰/ ۲۵ حیدز (حیدری) ۲۶۱/ ۴ حیدر (حیدری) ۲۶۱/ ۸ حیدر (حیدری) ۲۶۳/ ۹ خون (خوب) ۲۶۳/ ۱۱ تیری (تری) ۲۶۳/ ۱۱ شرف و عزت (آن کر عز و شرف) ۲۶۳/ ۱۲ تیرے (ترے) ۲۶۳/ ۱۲ اولیا (اولیا و) ۲۶۶/ ۱۶ شکر (شہد) ۲۶۶/ ۱۷ ؟ (- - - ؟) ۲۶۷/ ۲ بیچھے (بیچ) ۲۶۷/ ۶ ظہور، (ظہور اب) ۲۶۷/ ۷ بدل (بیدل) ۲۶۷/ ۸ فرق (غرق) ۲۶۸/ ۲ کشف (کشف و) ۲۶۸/ ۳ نہ کوئی طاقت (نہ طاعات) ۲۶۸/ ۳ تن میں نہ موجودات (تن نہ موجودات ہے) ۲۶۸/ ۷ ایک ہیں (ہیں ایک) ۲۶۸/ ۱۱ شہر (شہر) ۲۶۸/ ۱۴ جسم (جس) ۲۶۸/ ۱۴ کل (کلی) ۲۶۸/ ۱۶ فتح یاب چاہیں (فتح باب چاہے) ۲۶۸/ ۲۱ جوئی (جو کوئی) ۲۶۹/ ۱۰ حقانی (ربانی) ۲۶۹/ ۱۸ حلال (ھلال) ۲۶۹/ ۲۱ سکوت (سکون) ۲۷۰/ ۱ تیرے (ترے) ۲۷۰/ ۳ مرگان (مژگان) ۲۷۰/ ۶ ہجر (حجر) ۲۷۰/ ۱۲ برق رفتار (برق رخسار) ۲۷۰/ ۱۲ پربہار (ابر بہار) ۲۷۰/ ۱۲ تیرے (ترے) ۲۷۰/ ۱۵ آگے (اگے) ۲۷۰/ ۱۹ خونی (خونیں) ۲۷۰/ ۱۹ نازک (ناوک) ۲۷۰/ ۲۱ برق و رخسار (برق رخسار) ۲۷۱/ ۱۴ دل بے تاب کہ اک آن نہیں اس کو قرار (دل بے تاب کہ اک اک نئیں اس کو قرار آتا)

۲۷۱/ ۱۵ و [illegible] ۲۷۱/ ۲۱ آرام (آرام ہے) ۲۷۱/ ۲۲ مکا (چکا) ۲۷۱/ ۲۳ ترا (تجھ ۲۷۴/ ۱۸ اژدھا (اژدہا) [illegible]/ ۱۸ عاصا (عصا) ۲۷۸/ چہر گلگوں (چہرہ گلگوں) ۲۷۹/ ۵ شب و روز (شب روز) ۲۷۹/ ۱۷ کسی کو (مجھے) ۲۷۹/ ۱۸ سے (X) ۲۷۹/ ۲۳ کی صحبت میں (کے پاس) ۲۷۹/ ۲۴ [illegible] گوندھ گیل (خار کو گل) ۲۸۰/ ۳ ورا (مزا) ۲۸۰/ ۳ تلخ کہتی (تلخ

Marfat.com

گوئی) ۲۸۰/ ۸ ایک (اک) ۲۸۳/ ۷ جیں (جین) ۲۸۳/ ۸ جس دن (جبے دن) ۲۸۳/ ۱۲ ترے (تجھ.) ۲۸۳/ ۱۲ ہوا (ہو) ۲۸۳/ ۱۴ چل (چل کذا) ۲۸۳/ ۱۷ ہوی، دکھو (ہوں دکھا) ۲۸۳/ ۱۸ پیاور (پیادر) ۲۸۳۰/ ۱۸ اخزاں (خزاں) ۲۸۳/ ۱۹ دیدار کے دلبر (دیدار دلبر) ۲۸۳/ ۲۱ کال (کل) ۲۸۳/ ۲۳ بیداری (بیدادی)

۲۸۴/ ۱۴ بسر الہام گفت دل (سرالہام گفت) ۲۸۷/ ۷ تخلف (تخلص) ۲۸۸/ ۱ کدا (گدا) ۲۸۸/ ۶ قدرچہ (قدرستم) ۲۸۸/ ۱۰ پڑ ہے (پڑے) ۲۸۸/ ۱۲ لحظ دمیدہ (لحظہ رمیدہ) ۲۸۸/ ۱۶ مجھے بر (مجھے تو) ۲۸۹/ ۱۰ ذتی (ڈتی) ۲۸۹/ ۱۴ کی بحر امواج (کے بحر مواج) ۲۹۰/ ۱ فطرت (حضرت) ۲۹۱/ ۱۰ امین مخدوم (امین محمد) ۲۹۵/ ۷ اجل رنداں (اہل زنداں) ۲۹۵/ ۱۲ نوشتہ (نوش) ۲۹۵/ ۱۶ پیا (پایا) ۲۹۵/ ۳ عشق میرا (عشق ستم) ۲۹۶/ ۴ میداں (میداں میں) ۲۹۶/ ۵ میرے آسماں (مرے آسماں) ۲۹۶/ ۶ آگ تو (آگ یہ) ۲۹۶/ ۷ دام تیرے (تجھ دام) ۲۹۶/ ۷ میرے دل (مجھ دل) ۲۹۶/ ۸ کون مٹا (مٹا کون) ۲۹۶/ ۱۰ نبچون (تہچوں) ۲۹۶/ ۱۵ مرا رہا (مر رہا) ۲۹۶/ ۱۷ قاتل کف ترا رہا (قتل سے کف تر رہا) ۲۹۷/ ۱ خفا پھر (برگشتہ) ۲۹۸/ ۲ ۱۸۳۸ء (۱۳۰۳ھ)

۲۹۷/ ۲ ۱۱۳۰۳ (۱۸۳۸ء) ۳۰۱/ الف صفتہ اللہ (صبغتہ اللہ) ۳۰۱/ ب شجرہ صفت اللہ (صبغتہ اللہ) ۳۰۳/ ۴ کامل، (کامل و) ۳۰۳/ ۴ خدا، (خدا و) ۳۰۳/ ۶، راز ھائے نہاں (زراز ہاے نہاں) ۳۰۳/ ۹ سہ شوال (سویم شوال) ۳۰۳/ ۱۲ راوی خود (زروی خود) ۳۰۳/ ۱۳ وصالس (وصالش) ۳۰۳/ ۲۵ یا (با) ۳۰۴/ ۶ باہ دفتر (و با دفتر) ۳۰۴/ ۱۰ مشک (بامشک) ۳۰۴/ ۱۱ و وفائے (در وفاے) ۳۰۴/ ۱۴ کس (کسی) ۳۰۴/ ۱۷ سلام (اسلام) ۳۰۴/ ۱۹ برقیباں (بررقیباں) ۳۰۴/ ۲۰ بر گنہیم (و پر گنہیم) ۳۰۴/ ۲۱ بندہ بارگاہ تستم (بندہ بارگاہم) ۳۰۴/ ۲۱ را جدا (پرستم) ۳۰۸/ ۹ شاہ علی المرتضی ھادی حسین ہر دوسرا (شاہ علی المرتضیٰ ہادی حسین ہر دوسرا (کذا) ۳۰۸/ ۱۰ لادلے (دلادلے) ۳۰۸/ ۱۱ ۔ ۔ شب کو (۔ ۔ ۔ ۔ شب کو کذا) ۳۰۸/ ۱۵ ۔ ۔ ۔ ۔ ذکر خدا (۔ ۔ ۔ ۔ ذکر خدا (کذا) ۳۰۸/ ۱۶ ۔ ۔ ۔ ۔ یا رسول اللہ (۔ ۔ ۔ ۔ یا رسول اللہ (کذا) ۳۰۸/ ۱۸ ۔ ۔ ۔ ۔ کوثر (۔ ۔ ۔ کوثر (کذا) ۳۰۸/ ۱۹ ۔ ۔ ۔ ۔ ہمسری (۔ ۔ ۔ ہمسری (کذا)) ۳۱۰/ ۳ بحق حسنین (بحرمت حسنین) ۳۱۱/ ۶ بہ (با) ۳۱۱/ ۷ ساعت (ساعتے)

۳۱۱/ ۲۳ ہر دم (دمدم) ۳۱۲/ ۱ آشیانہ (آشیان) ۳۱۲/ ۵ بے شک (کثرت) ۳۱۲/ ۱۸ ساز (سائز) ۳۱۲/ ۲۲ قصہ (قصیدہ) ۳۱۶/ ۱۳ کیفیت (کیفیتے) ۳۱۶/ ۱۴ نر نگریم (ننگریم)

Marfat.com

۱۲/۳۱۷ بریدن (بریدن (؟) ۱۴/۳۲۷ درد کش درویش دیو دلاسا (درد کیش درویش کو دنے دلاسا) ۲۰/۳۲۷ ہوا (ہو) ۱/۳۲۸ " کن فیکن " (کن فیکون) ۸/۳۳۱ شہاب (مہتاب ۱۰/۳۳۱ گیے سالک (گہ سالک) ۱۳/۳۳۱ جزو و کل کیا جانے جس کو کبھن میں (x) ۱۴/۳۳۱ گئی (گئی ہے) ۱۷/۳۳۱ نہیں کوئی مکاں (نئیں کوئی مکان) ۱۹/۳۳۱ کن (کب) ۱۲/۳۳۲ دنیا (جہاں) ۱۲/۳۳۲ در (درد) ۱۲/۳۳۲ لقب (نام) ۱۶/۳۳۳ میرے (مرے) ۱۶/۳۳۸ ازل (اول) ۲۲/۳۳۸ تمنا (ولا) ۲۴/۳۳۹ چون (چو) ۳/۳۴۱ ایزدی (جادہ) ۲۱/۳۴۱ نامی رقصم (نارمی رقصم) ۲۲/۳۴۱ خاک (خار) ۵/۳۴۲ ہوشیار (ھشیار) ۱۴/۳۴۳ ہوں (ہوں میں) ۱۹/۳۴۳ حیات (حمایت) ۱۶/۳۴۴ میرے (مرتے) ۳/۳۴۵ ہے بے قدر (بے قدر) ۱۰/۳۴۵ پیماں (نالاں) ۴/۳۴۶ رشک چمن (سیم تن) ۲۲/۳۵۰ بھی شر (بشر) ۲۰/۳۵۱ کسی (کس) ۲۲/۳۵۱ نجس (نحس) ۳/۳۶۰ ایک (یک) ۴/۳۷۰ حدیث (الحدیث) ۲۶/۳۷۲ مڑا (مڑہ) ۴/۳۷۶ دیکھو (ٹھہر) ۱۶/۳۹۱ فررار (فرار) ۱۲/۳۹۴ سخن بر (سمن بر) ۲/۳۹۶ ۱۸۶۰ء (۱۳۴۰ھ) ۲/۳۹۶ ۱۳۴۰ھ (۱۸۶۰ء ۱۵/۴۰۶ تحریر (تکرار) ۵/۴۱۰ محمود الحسن (محمود حسن) ۲۵/۴۱۰ راشد اللہ (رشد اللہ) ۸/۴۱۱ راشد اللہ (رشد اللہ) ۲۱/۴۱۶ واللہی (ولی اللہی) ۲۵/۴۲۲ طبقات (عبقات) ۵/۴۳۱ راشد اللہ (رشد اللہ) ۲/۴۴۷ ۱۹۱۰ء (۱۹۰۱ء) ۱۱/۴۶۲ الشان فضل اللہ شان (X) ۲/۴۶۴ علیم (علم) ۱۶/۴۶۵ ۱۳۵۱ (۱۲۵۱)

۱۶/۴۶۷ سخن (شعر) ۲۵/۴۶۸ نکلتی (نکلی) ۲۱/۴۷۸ سمائل (مسائل) ۷/۴۸۰ گناہ (گنہ) ۲/۴۹۰ ۱۸۸۴ (۱۸۸۹) ۸/۴۹۳ استدلالی (خوش استدلالی) ۲۴/۴۹۵ اولوی (الولی) ۱/۴۹۶ کمبل و پوش (کمبل پوش) ۸/۴۹۷ تیرا (ترا) ۷/۵۰۱ نام (نامہ) ۷/۵۰۱ یدوان (دیوان) ۱۱/۵۰۱ ایراق (عراق) ۴/۵۰۵ مشرف (شرف) ۲۳/۵۰۵ گردش (کردش) ۱/۵۰۷ افرسی (فارسی) ۷/۵۰۷ - ۸ شرع و بسما (شرح و بسط) ۲۱/۵۰۷ لطف (لطافت) ۲۲/۵۰۷ بوم شور (شورہ بوم ۱/۵۰۸ شاہد (شاہ) ۱۳/۵۰۸ خطیب (طبیب) ۱۴/۵۰۸ عبدالہادی (عبدالباری) ۲۰/۵۰۸ دیگر (دلگیر) ۲۳/۵۰۸ گو بلباس خاص خلعت (۱۹۴۳) ۲۵/۵۰۹ اپنی (اپنے) ۶/۵۱۰ شبیر (شبیرا) ۲۳/۵۱۰ جزو الاعمال (جزاء الاعمال) ۱/۵۱۱ ریلالہ (رسالہ) ۱۴/۵۱۱ پھولیوای (پھولپوری) ۱۵/۵۱۲ بے زان (بے جاں) ۱۸/۵۱۲ سون (چوں) ۲۵/۵۱۲ طبع آژمائی (طبع آزمائی) ۱۸/۵۱۳ حال وصلش (سال وصلش) ۲۱/۵۱۳ فنا سے (فنائے) ۴/۵۱۴ شہر (ھنر) ۵/۵۱۴ احمد کا (احمدی) ۱۰/۵۱۴ کرو

Marfat.com

(کرنا) ۱۲/۵۱۴ یاد (یاد رہتا) ۱۴/۵۱۴ تثار (نثار) ۱۴/۵۱۴ پر (پہ) ۱۲/۵۱۵ طبع (طمع)
۲۶/۵۱۶ مردانہ پایا (مردانہ بنایا) ۱۸/۵۱۹ کر ہوں (کر رہا ہوں) ۲۰/۵۴۷ دستے مبارک
(دست مبارک) ۲۰/۵۶۲ ابد (آید) ۱/۵۷۰ نہ صرف (صرف) ۶/۵۸۰ خالق (خلق)
۱۹/۵۸۷ مثویات (مثنویات) ۱۳/۵۸۸ جنہوں (جہتوں) ۱۰/۶۰۰ خصوشیت (خصوصیت)
۱۳/۶۲۸ سٹیر (سوسٹیر) ۱۲ /۶۳۶ ۱۳۲۵ ء (۱۳۲۵ ھ) ۱/۶۳۹ ماہر (ماہر کی بدولت)
۱۳/۶۴۱ معلومات (معمولات) ۱/۶۴۹ حق کو (حق کی) ۷/۶۵۰ ۵۰۰ - ۵۸۶ ء (۱۵۰۰ -
۱۵۸۶ ء) ۱۱/۶۶۱ ۱۹۲۲ (۱۹۲۳) ۲/۶۶۶ ۱۳۲۴ ھ - ۱۳۳۴ ء (۱۳۴۴ ھ - ۱۹۲۴ ء)
۲۱/۶۹۲ یغفر اللہ (یغفر اللہ لہ ۱/۷۳۰ جسن (محسن)

Marfat.com

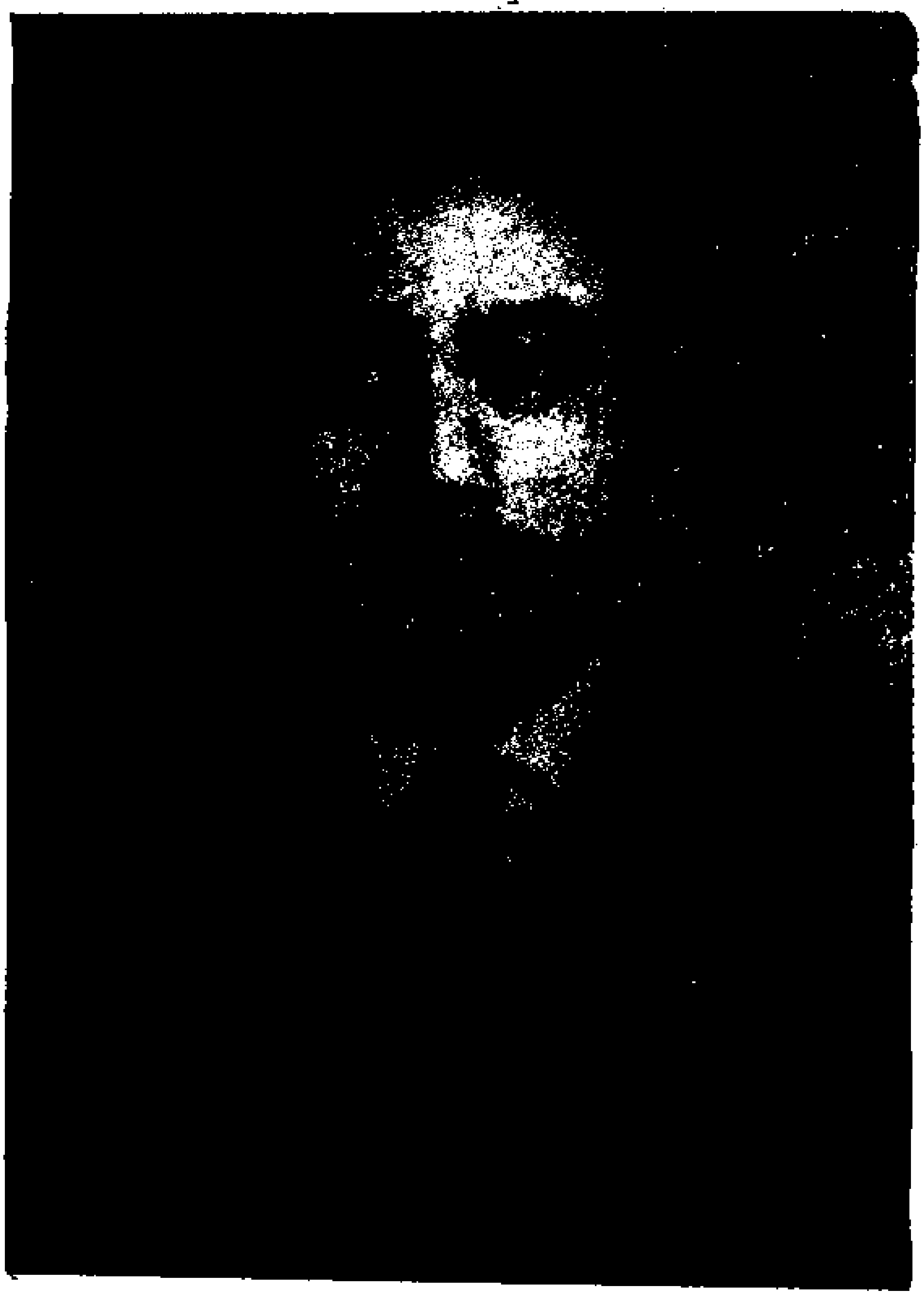

Marfat.com